ملفوظات

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی
مسیح موعود و مہدی معہود
بانی جماعت احمدیہ

جنوری ۱۹۰۶ء تا مئی ۱۹۰۸ء

جلد پنجم

"اگر میرے ساتھ خدا تعالیٰ کا کوئی نشان نہ ہوتا اور نہ اس کی تائید اور نصرت میرے شاملِ حال ہوتی اور میں نے قرآن سے الگ کوئی راہ نکالی ہوتی یا قرآنی احکام اور شریعت میں کچھ دخل و تصرّف کیا ہوتا یا منسوخ کیا ہوتا یا آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے باہر کوئی اور نئی راہ بتائی ہوتی تو البتہ حق تھا اور لوگوں کا عُذر معقول اور قابلِ قبول ہوتا کہ واقعہ میں یہ شخص خدا اور خدا کے رسُول کا دشمن اور قرآن شریف اور تعلیمِ قرآن کا مُنکر اور منسوخ کرنے والا ہے۔ فاسق [illegible] مرتد ہے۔ مگر جب میں نے نہ قرآن میں کوئی تغیّر کیا اور نہ پہلی شریعت کا جس کو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم لائے تھے، ایک شوشہ اور نقطہ میں نے بدلا بلکہ میں قرآن اور احکامِ قرآنی کی خدمت اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کے پاک مذہب کی خدمت کے واسطے کمربستہ ہوں اور جان تک میں نے اپنی اسی راہ میں لگا دی ہے اور میرا یقین کامل ہے کہ قرآن کے سوا جو کامل، اکمل اور مکمل کتاب ہے اور اس کی پُوری اطاعت اور بغیر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے نجات ممکن ہی نہیں اور قرآن میں کمی بیشی کرنے والے اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا جُوا اپنی گردن سے اُتارنے والے کو کافر اور مُرتد یقین کرتا ہوں تو پھر اس صورت میں اور باوجود میری صداقت کے ہزارہا نشان ظاہر ہو جانے کے جو کہ خدا تعالیٰ نے آج تک میری تائید میں آسمان اور زمین پر ظاہر کئے پھر مجھے جو شخص کاذب اور مُفتری اور دجّال کے نام سے پکارتا ہے یا جو میری پروا نہیں کرتا اور میری آواز کی طرف کان نہیں دھرتا یقیناً جانو کہ خدا تعالیٰ بغیر مؤاخذہ اسے ہرگز ہرگز نہ چھوڑے گا۔"

صفحہ ۵۸۶

ملفوظات

حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسلام

۱۱؍جنوری ۱۹۰۶ء

میّت کے واسطے دُعا اور صدقات صُبح کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مع خدام سیر کرنے کے واسطے باہر نکلے، تو حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کی قبر پر تشریف لے گئے جہاں آپ نے ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگی۔ بعد دُعا کے ایک شخص نے چند سوال کئے جو درج کرنے کے لائق ہیں۔

سوال۔ قبر پر کھڑے ہو کر کیا پڑھنا چاہیے؟

جواب۔ میّت کے واسطے دُعا کرنی چاہیئے کہ خدا تعالیٰ اس کے ان قصوروں اور گناہوں کو بخشے جو اُس نے اس دُنیا میں کئے تھے اور اس کے پس ماندگان کے واسطے بھی دُعا کرنی چاہیے۔

سوال۔ دُعا میں کونسی آیت پڑھنی چاہیے؟

جواب۔ یہ تکلفات ہیں۔ تم اپنی ہی زبان جس کو بخوبی جانتے ہو اور جس میں تم کو جوش پیدا ہوتا ہے، میّت کے واسطے دُعا کرو۔

سوال۔ کیا میّت کو صدقہ خیرات اور قرآن شریف کا پڑھنا پہنچ سکتا ہے؟

جواب۔ میّت کو صدقہ خیرات جو اُس کی خاطر دیا جاوے پہنچ جاتا ہے۔ لیکن قرآن شریف کا پڑھ کر پہنچانا حضرت رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ سے ثابت نہیں ہے۔ اس کی

بجائے دُعا ہے جو میت کے حق میں کرنی چاہیئے۔ میت کے حق میں صدقہ خیرات اور دُعا کا کرنا ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی کی سُنّت سے ثابت ہے۔ لیکن صدقہ بھی وہ بہتر ہے جو انسان اپنے ہاتھ سے دے جاتے۔ کیونکہ اس کے ذریعہ سے انسان اپنے ایمان پر مُہر لگاتا ہے[1]۔

۱۵؍ جنوری ۱۹۰۶ء

نبی کی وفات اور اللہ تعالیٰ کی قدرت نمائی

ایک خادم جو باہر سے آیا تھا حضور کی خدمت میں اس الہام کا ذکر کر کے کہ آپ کی وفات کے دن قریب ہیں رو پڑا۔

فرمایا:

یہ وقت تمام انبیاء کے متبعین کو دیکھنا پڑتا ہے۔ اور اس میں ایک نشان خدا تعالیٰ دکھاتا ہے۔ نبی کی وفات کے بعد اس سلسلہ کو قائم رکھ کر اللہ تعالیٰ یہ دکھانا چاہتا ہے کہ یہ سلسلہ در اصل خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ بعض نادان لوگ نبی کے زمانہ میں کہا کرتے ہیں کہ یہ ایک ہوشیار اور چالاک آدمی ہے اور دُکاندار ہے۔ کسی اتفاق سے اس کی دُکان چل پڑی ہے۔ لیکن اس کے مرنے کے بعد یہ سب کاروبار تباہ ہو جاوے گا۔ تب اللہ تعالیٰ نبی کی وفات کے وقت ایک زبردست ہاتھ دکھاتا ہے اور اس کے سلسلہ کو نئے سرے سے پھر قائم کرتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ بہت سے بادیہ نشین مُرتد ہو گئے تھے۔ لوگوں نے سمجھا کہ یہ بے وقت موت ہے۔ صرف دو مسجدوں میں نماز پڑھی جاتی تھی۔ باقی میں بند ہو گئی۔ تب خدا تعالیٰ نے ابوبکرؓ کو اُٹھایا۔ اور تمام کاروبار اسی طرح جاری رہا۔ اگر انسان کا کاروبار ہوتا تو اس وقت اُدھورا رہ جاتا۔ ایسا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد جو نمونہ ایک ناکامی اور تباہی اور پریشانی کا اُن کی اُمّت نے دیکھا تھا اس کی تو کوئی نظیر ہی موجود نہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنی قدرت نمائی کا ایک نمونہ دکھانا چاہتا ہے کہ نبی کے زمانہ میں اُن تمام کاموں کی تکمیل نہیں کرتا۔ سُنّت اللہ ہمیشہ اسی طرح سے جاری ہے کہ لوگوں کا خیال کسی اَور طرف ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کوئی اَور بات کر دکھلاتا ہے۔ جس سے بہتوں کے واسطے صورت ابتلاء پیدا ہو جاتی ہے۔ آنحضرت

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۳ صفحہ ۶ مورخہ ۱۹؍ جنوری ۱۹۰۶ء

صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تمام پہلوں کو یہی دھوکا رہا کہ وُہ نبی بنی اسرائیل میں سے ہوگا۔ حضرت عیسٰی کے متعلق ایلیاس کا دھوکا آجتک یہودیوں کو لگا ہوا ہے۔

لکھا ہے کہ ایک بزرگ جب فوت ہوئے تو اُنہوں نے کہا کہ جب تم مجھے دفن کر چکو تو وہاں ایک سبز چڑیا آئے گی۔ جس کے سر پر وہ چڑیا بیٹھے وہی میرا خلیفہ ہوگا۔ جب وہ اس کو دفن کر چکے تو اس انتظار میں بیٹھے کہ وہ چڑیا کب آتی ہے اور کس کے سر پر بیٹھتی ہے۔ بڑے بڑے پُرانے مُرید جو تھے انکے دلوں میں خیال گذرا کہ چڑیا ہمارے ہی سر پر بیٹھے گی۔ تھوڑی ہی دیر میں ایک چڑیا ظاہر ہوئی اور وہ ایک بقال کے سر پر آ بیٹھی جو اتفاق سے شریکِ جنازہ ہوگیا تھا۔ تب وُہ سب حیران ہوئے لیکن اپنے مرشد کے قول کے مطابق اسکو لے گئے اور اسکو اپنے پیر کا خلیفہ بنایا۔

آنیوالا موعُود ایک ہی ہے

ایک شخص نے سوال کیا کہ لکھا ہے کہ مسیح کئی ہوں گے۔ فرمایا:

جیسا تشابہ فی الصُّوَر ہوتا ہے ایسا ہی تشابہ فی الاخلاق بھی ہوا کرتا ہے۔ لکھا ہے کہ ایک صالح کا دل کسی نہ کسی نبی کے دل پر ہوتا ہے لیکن موعود جو آنیوالا تھا وہ صرف ایک ہی ہے۔

مُرسل کا مقابلہ کرنے والے خطا پر ہیں

فرمایا:- جو لوگ پہلے سے غلطی پر تھے اُن کی غلطی اجتہاد تھی۔ اس میں بھی وہ ثواب پر تھے۔ لیکن اِن لوگوں نے ایک مُرسل کا مقابلہ کیا ہے۔ اس واسطے یہ خطا پر ہیں[۱]

۲۰ر جنوری ۱۹۰۶ء

وحدت کا دشمن

فرمایا:

خدا تعالیٰ ایک وحدت چاہتا ہے جو شخص اپنے بھائی کو بے جا رنج دیتا ہے۔ جھُوٹ خیانت یا غیبت میں حِصّہ لیتا ہے وُہ اس وحدت کا دشمن ہے[۲]

---

[۱] بدر جلد ۲ نمبر ۳ صفحہ ۲ مورخہ ۱۹ر جنوری ۱۹۰۶ء

[۲] بدر جلد ۲ نمبر ۴ صفحہ ۲ مورخہ ۲۶ر جنوری ۱۹۰۶ء

۲۲؍جنوری ۱۹۰۶ء

معجزات حضرت مولوی محمد احسن صاحب نے اپنی تحریر کردہ پہلے سیپارہ کی تفسیر کا ایک حصہ سیر میں حضرت کی خدمت میں سُنایا معجزات کا ذکر تھا۔

حضرت نے فرمایا:

علوم طبعی ہمیشہ ایک رنگ پر نہیں رہتے مگر خُدا تعالیٰ کا کلام ہمیشہ سچا ہے۔ پہلے طبعی والوں کا خیال تھا کہ آسمان گردش کرتا ہے اور زمین[1] متحرک ہے۔ اب طبعی والوں کا خیال ہے کہ زمین حرکت کرتی ہے۔ دن بدن کی تحقیقات کا نتیجہ کچھ اَور ہی نکلتا چلا آتا ہے۔ ایک بات کو خدائی قول جان کر اس پر پختہ ہو جانا دُرست نہیں ہے ہر ایک شئے کے اصل سبب کو انسان پہنچ نہیں سکتا۔ صرف اس بات پر معجزات کا انکار کرنا کہ یہ بات ہم نے کبھی ہوتے نہیں دیکھی جائز نہ ہوگا۔ انسان قدرت کے سارے قوانین کا عالم نہیں ہے۔

صرف ترکِ بدی قابلِ فخر نہیں فرمایا کہ:

صرف بدی کو ترک کرنا کوئی درجہ نہیں رکھتا۔ اس کے بالمقابل نیکی اختیار کرنی چاہیے۔ ایک شخص کا ذکر ہے کہ وہ ایک دوست کے ہاں دعوت کے واسطے گیا۔ اس دوست نے بہت پُرتکلف دعوت پکائی اور ہر طرح سے اس کی خاطر کی۔ جب وہ کھانے سے فارغ ہوا تو کہنے لگا کہ آپ نے میرے واسطے بہت تکلیف اُٹھائی اور عمدہ کھانا کھلایا۔ مگر مَیں نے بھی آپ پر ایک بھاری احسان کیا۔ میزبان نے کہا کہ آپ بیان فرمائیں تاکہ اَور بھی زیادہ آپ کا مشکور اور ممنونِ احسان ہو جاؤں۔ تب اس نے کہا کہ جب آپ گھر میں نہ تھے اور مَیں یہاں اکیلا تھا۔ اگر اس وقت میں آپ کے گھر کو آگ لگا دیتا تو آپ کا کئی ہزار روپے کا مکان اور اسباب سب جل کر راکھ ہو جاتا۔
اس شخص نے ترکِ بدی پر فخر کیا لیکن اس مثال سے ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ ترکِ بدی میں کوئی عمدگی اور فخر نہیں۔[2]

---

[1] سہوِ کتابت سے "غیر" کا لفظ لکھنے میں رہ گیا ہے۔ اصل فقرہ یُوں ہے۔
"زمین غیر متحرک ہے" (مرتب)

[2] بدر جلد ۲ نمبر ۴ صفحہ ۲ مورخہ ۲۶ جنوری ۱۹۰۶ء

یکم تا ۸؍فروری ۱۹۰۶ء

خوفناک وقت میں بچ رہنا محض اللہ کے فضل پر منحصر ہے

ایک دوست نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور کو الہام ہوا کہ پچیس۲۵ فروری کے بعد جانا ہوگا تو کیا اب ہم شہر کے باہر کوئی مکان لے لیں ؟

فرمایا :

اس کا مطلب ہم ابھی نہیں کہہ سکتے کہ کیا ہے اور نہ ہم ابھی باہر جانے کے واسطے کوئی مشورہ دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں ایسے خوفناک وقت میں بچ رہنا محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحم پر منحصر ہے۔ صرف اندر رہنا یا باہر جانا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ یہ تو ظاہری اسباب ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ سچے دل کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف جھکنا چاہیئے۔ اپنے گناہوں کی معافی مانگنی چاہیئے۔ استغفار بہت کرنا چاہیئے اور اپنی حالت میں ایک پاک تبدیلی کرنی چاہیئے۔ سوائے اس کے کوئی صورت بچاؤ کی نہیں۔ زلزلہ کے متعلق متواتر الہامات ہو چکے ہیں اور خوابیں آئی ہیں۔ اور بھی بہت لوگوں نے ایسے خواب دیکھے ہیں۔[1]

۱۱؍فروری ۱۹۰۶ء

دُعاؤں کی قبولیت

فرمایا :

بڑے شُکر کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں جو دُعائیں کی جاتی ہیں وُہ اکثر قبول ہوتی ہیں — قضاء و قدر تو رُک نہیں سکتی اور اللہ تعالیٰ اپنی حکمتِ کاملہ سے ہر ایک کام کرتا ہے لیکن اکثر دُعاؤں میں اپنی مُراد کے مطابق کامیابی ہو جاتی ہے اور ایک قطعی اور یقینی امر یہ ہے کہ دُعا کا نتیجہ خواہ کچھ ہی ہونے والا ہو۔ جواب ضرور مل جاتا ہے۔ خواہ وہ جواب حسبِ مراد ہو اور خواہ خلافِ مراد ہو۔

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۶ صفحہ ۲ مورخہ ۹؍فروری ۱۹۰۶ء

اللہ تعالیٰ دُعا سے ناراض نہیں ہوتا

فرمایا :

زلزلہ کے بارے میں مَیں نے یہ توجہ نہیں کی کہ کب اور کس وقت واقع ہوگا، کیونکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس میں اخفاء چاہتا ہے۔ انسان کے مُلکی رازوں میں بھی اخفاء ہوتا ہے، ایسا ہی اللہ تعالیٰ کے کاموں میں بھی اخفاء ہوتا ہے، اس واسطے مَیں ڈرتا ہوں کہ اس کے متعلق زیادہ دریافت کرنے کی کوشش کرنا کہیں بیہودگی نہ سمجھی جاوے۔ تاہم اللہ تعالیٰ غفورٌ رحیم ہے۔ وُہ دُعا کرنے سے ناراض نہیں ہوتا۔ لکھا ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو کہا گیا۔ کہ اگر تو فلاں اشخاص کے متعلق ستر دفعہ بھی دُعا کرے تب بھی قبول نہ ہوگی تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے کہا کہ مَیں ستر سے بھی زیادہ دفعہ دُعا کروں گا۔ ایسا ہی حضرت ابراہیمؑ نے قومِ لُوط کے متعلق مجادلہ کیا۔ حالانکہ مجادلہ کرنا سُوءِ ادب ہے۔ کیونکہ مجادلہ میں بے دلیل درخواست ہوتی ہے لیکن چونکہ یہ دُعا کا رنگ تھا۔ خدا تعالیٰ نے اس کو ناپسند نہیں فرمایا۔

فرمایا :

زلزلہ کے متعلق بہت خطرہ ہے اور اس کا علاج بجُز دُعا کے اَور کچھ نظر نہیں آیا۔ راتوں کو اُٹھ کر تہجد میں دُعائیں کرو تاکہ خدا تعالیٰ رحم کرے۔

میّت کے نام پر قبرستان میں کھانا تقسیم کرنا

ایک شخص نے سوال کیا کہ میّت کے ساتھ جو لوگ روٹیاں پکا کر یا اَور کوئی شئے لے کر باہر قبرستان میں لے جاتے ہیں اور میّت کو دفن کرنے کے بعد مساکین میں تقسیم کرتے ہیں۔ اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

فرمایا :

سب باتیں نیّت پر موقوف ہیں۔ اگر یہ نیّت ہو کہ اس جگہ مساکین جمع ہو جایا کرتے ہیں اور مُردے کو صدقہ پہنچ سکتا ہے۔ ادھر وُہ دفن ہو ادھر مساکین کو صدقہ دے دیا جاوے تاکہ اس کے حق میں مفید ہو اور وہ بخشا جاوے۔ تو یہ ایک عمدہ بات ہے۔ لیکن اگر صرف رسم کے طور پر یہ کام کیا جاوے تو جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا ثواب نہ مُردے کے لیے اور نہ دینے والوں کے واسطے اس میں کچھ فائدے کی بات ہے۔

میّت کے لئے اسقاط ایک شخص نے سوال کیا کہ کسی شخص کے مر جانے پر جو اسقاط کرتے ہیں اس کے متعلق کیا حکم ہے ؟

فرمایا :

بالکل بدعت ہے۔ اور ہرگز اس کے واسطے کوئی ثبوت سنّت اور حدیث سے ظاہر نہیں ہو سکتا۔[1]

۱۸ر فروری ۱۹۰۶ء

خدا تعالیٰ ظالم نہیں فرمایا :

خدا تعالیٰ ظالم نہیں اور نہ انسان کی طرح چڑچڑا ہے۔ جب کسی کو عذاب ملتا ہے تو وہ دراصل اس انسان کے اپنے ہی اعمال کی ایک حالت ہوتی ہے۔

خدا تعالیٰ کو آزمانا نہیں چاہیئے ایک شخص نے عرض کی۔ میرے باپ کی دُکان خراب حالت میں ہو گئی ہے۔ اگر وہ دُرست ہو جاوے تو مَیں مرزا صاحب کو مان لُوں گا۔

فرمایا :

خدا تعالیٰ کو ان باتوں کے ساتھ آزمانا نہیں چاہیئے۔ مَیں تعجب کرتا ہوں ان لوگوں کی حالت پر جو اس قسم کے سوال کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کو کسی کی کیا پرواہ ہے۔ کیا یہ لوگ خدا تعالیٰ پر اپنے ایمان لانے کا احسان رکھتے ہیں؟ جو شخص سچائی پر ایمان لاتا ہے وہ خود گناہوں سے پاک ہونے کا ایک ذریعہ تلاش کرنے والا ہے؛ ورنہ خدا تعالیٰ کو اس کی کیا حاجت ہے؟ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم سب کے سب مُرتد ہو جاؤ تو وُہ ایک اور نئی قوم پیدا کرے گا جو اس سے پیار کرے گی۔ جو شخص گناہ کرتا ہے اور کافر بنتا ہے وُہ خدا تعالےٰ کا کچھ نقصان نہیں کرتا اور جو ایمان لاتا ہے وہ خدا تعالیٰ کا کچھ بڑھا نہیں دیتا۔ ہر ایک شخص اپنا ہی فائدہ یا نقصان کرتا ہے۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ پر احسان رکھ کر اور شرطیں لگا کر ایمان لانا چاہتے ہیں۔ ان کی وہ حالت ہے

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ، صفحہ ۲ مورخہ ۱۶ر فروری ۱۹۰۶ء

کہ ایک شخص جو سخت پیاس میں مبتلا ہے پانی کے چشمہ پر جاتا ہے مگر وہ کھڑا ہو کر کہتا ہے کہ اے چشمہ اگر تیرا پانی تب پیوں گا جبکہ تو مجھے ایک ہزار روپیہ نکال کر دیوے۔ بتاؤ۔ اس کو چشمہ سے کیا جواب ملے گا؟ یہی کہ جا پیاس سے مر۔ مجھے تیری حاجت نہیں۔ خدا تعالیٰ غنی بے نیاز ہے۔[1]

۱۹ر فروری ۱۹۰۶ء

عملی کمزوریاں خدا تعالیٰ کے فضل سے دُور ہو جاتی ہیں

ایک دوست نے جو باہر سے تشریف لائے تھے اس جگہ کی جماعت کے ایک شخص کی عملی کمزوری کی شکایت کی۔

فرمایا:۔

جیسے جیسے جماعت بڑھتی جاتی ہے اس قسم کی مشکلات بھی پیدا ہوتے جاتے ہیں کیونکہ ہر قسم کے لوگ داخل ہو جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ چاہے تو رفتہ رفتہ ان کی کمزوریاں بھی دُور ہو جاتی ہیں۔[2]

۲۰ر فروری ۱۹۰۶ء

امریکہ میں دو جگہ سخت زلزلہ کا ذکر تھا۔ فرمایا:

بحالت مجموعی تاریخ میں دیکھا جاتے تو ایسا سلسلہ زلازل جو تمام دنیا پر محیط ہو گیا ہو کبھی نظر نہیں آتا۔ اس میں ایک تنبیہ ہے جس سے سمجھنے والے فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔ کسوف خسوف بھی پہلے اس طرف ہوا تھا پھر دُوسرے سال امریکہ میں ہوا تھا۔

باوا نانک کے بظاہر مسلمان نہ ہونے کی حکمت

حضرت باوا نانک کا ذکر تھا۔ فرمایا:

چولہ اور مسلمانوں کی مصاحبت اور دیگر تمام

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۸ صفحہ ۲ مورخہ ۲۳ر فروری ۱۹۰۶ء

[2] بدر جلد ۲ نمبر ۸ صفحہ ۲ مورخہ ۲۳ر فروری ۱۹۰۶ء

اُمور صاف بتلاتے ہیں کہ بابا نانک مُسلمان تھے، لیکن ان کا اس طرح سے ظاہر نہ ہونا بھی ایک بڑی مصلحت اپنے اندر رکھتا ہے کیونکہ وہ اس طرح کُھلے طور پر تمام تعلقات چھوڑ کر مُسلمانوں میں شامل ہوتے تو اکیلے ہوتے۔ برخلاف اس کے اب ایک بڑی جماعت کئی لاکھ آدمیوں کی ساتھ لیکر وُہ مسلمان ہیں[1]۔

بلا تاریخ

بچّوں اور عورتوں کے بارہ میں بعض نصائح (جو حضُور نے گھر میں بیان فرمائیں)

(مرتبہ حضرت صاحبزادہ میاں بشیر الدین محمود احمد صاحب)
(منقول از رسالہ تشحیذ الاذہان)

پاکیزہ مزاح

ایک روز کسی بیمار بچّہ نے کسی سے کہانی کی فرمائش کی تو اس نے جواب دیا کہ ہم تو کہانی سُنانا گُناہ سمجھتے ہیں۔ حضور علیہ السّلام نے فرمایا:

گُناہ نہیں۔ کیونکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی کبھی کبھی کوئی مذاق کی بات فرمایا کرتے تھے اور بچّوں کو بہلانے کے لیے اس کو روا سمجھتے تھے۔ جیسا کہ ایک بڑھیا عورت نے آپؐ سے دریافت کیا کہ حضرت کیا مَیں بھی جنّت میں جاؤں گی؟ فرمایا نہیں۔ وُہ بڑھیا یہ سُنکر رونے لگی۔ فرمایا۔ روتی کیوں ہے؟ بہشت میں جوان داخل ہوں گے۔ بوڑھے نہیں ہوں گے یعنی اس وقت سب جوان ہوں گے۔

اسی طرح سے فرمایا کہ:

ایک صحابی کی داڑھ میں درد تھا۔ وُہ چھوہارا کھاتا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چھوہارا نہ کھا کیونکہ تیری داڑھ میں درد ہے۔ اس نے کہا کہ مَیں دُوسری داڑھ سے کھاتا ہوں۔

پھر فرمایا کہ:

ایک بچّہ کے ہاتھ سے ایک جانور جس کو حُمیر کہتے ہیں چھُوٹ گیا۔ وُہ بچّہ رونے لگا۔ اس بچّہ کا نام عُمیر تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عُمَیْرُ! مَا فَعَلَتْ بِکَ حُمَیْرُ؟ اے عمیر حمیر نے کیا کیا؟

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۸ صفحہ ۲ مورخہ ۲۳ فروری ۱۹۰۶ء

لڑکے کو قافیہ پسند آگیا۔ اس لیے چُپ ہوگیا۔

بچوں کو تنبیہہ کرنا ضروری ہے

ایک بچّہ کی خبر لگی کہ اس نے کوئی شرارت کی ہے۔ یعنی آگ سے کچھ جلا دیا ہے۔

فرمایا :

بچوں کو تنبیہہ کر دینا بھی ضروری ہے۔ اگر اس وقت ان کو شرارتوں سے منع نہ کیا جاوے تو بڑے ہو کر انجام اچھا نہیں ہوتا۔ بچپن میں اگر لڑکے کو کچھ تادیب کی جاوے تو وہ اس کو خوب یاد رہتی ہے کیونکہ اس وقت حافظہ قوی ہوتا ہے[1]۔

اظہارِ تشکر

ایک دن حضور علیہ السلام بیمار تھے۔ ایک شخص کو کچھ چیزیں فواکہ کی قسم سے لانے کے لیے امرتسر بھیجا۔ جب وہ آیا تو اس وقت حضرت کی طبیعت زیادہ ناساز تھی اس وقت ایک میوہ کی خواہش ہوئی جو اس شخص سے منگوایا تھا۔ لیکن وہ امرتسر سے نہیں لایا تھا۔ تھوڑی دیر ہوئی کہ قاضی نظیر حسین صاحب تحصیلدار تشریف لائے اور وہی پھل ساتھ لائے۔ آپ نے فرمایا ؛

ہمارے گھر کے لوگوں کو ان چیزوں کے کھاتے وقت خیال کرنا چاہیئے کہ آج سے چھبیس یا ستائیس برس پہلے خدا تعالیٰ کا وعدہ شائع کیا گیا تھا کہ یَأْتُوْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ وَ يَأْتِيْكَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ۔ ان سب لوگوں کے آنے سے پہلے خدا تعالیٰ نے اُن کے آنے کی خبر بھی دی۔ اور یہ بھی اطلاع دی تھی کہ اُن کے کھانے کے سامان بھی دُور دُور سے تیرے پاس لاؤں گا۔ ان باتوں کو دیکھ کر کتنا بھروسہ کرنا چاہیئے کہ خود بخود بغیر ہماری کوششوں کے ہر قسم کے سامان مہیا کرتا ہے۔

گلے شکوے کرنا اچھا نہیں ہے

ایک روز ایک عورت نے کسی دوسری عورت کا گلہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ :

---

[1] نوٹ از ایڈیٹر :۔ اس موقعہ پر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت صاحب بچوں کو ہر وقت مارنے اور جھڑکتے رہنے سے بھی سخت منع کرتے ہیں۔ ہر ایک کام ایک اندازہ تک ہونا چاہیئے۔ مندرجہ بالا ذکر سے مُراد حضور علیہ السلام کی یہ ہے کہ بچّہ کو بالکل آوارہ نہیں چھوڑ دینا چاہیئے۔ (ایڈیٹر)

دیکھو۔ یہ بہت بُری عادت ہے جو خصوصاً عورتوں میں پائی جاتی ہے۔ چونکہ مرد اَور کام بہت رکھتے ہیں، اس لیے ان کو شاذ ونادر ہی ایسا موقعہ ملتا ہے کہ بے فکری سے بیٹھ کر آپس میں باتیں کریں اور اگر ایسا موقعہ بھی ملے تو ان کو اَور بہت سی باتیں ایسی مِل جاتی ہیں جو وہ بیٹھ کر کرتے ہیں لیکن عورتوں کو نہ علم ہوتا ہے اور نہ کوئی ایسا کام ہوتا ہے۔ اس لیے سارے دن کا شغل سوائے گِلہ اور شکایت کے کچھ نہیں ہوتا۔ ایک شخص تھا اس نے کسی دُوسرے کو گنہگار دیکھ کر خوب اُس کی نکتہ چینی کی اور کہا کہ تُو دوزخ میں جائے گا۔ قیامت کے دن خدا تعالیٰ اس سے پُوچھے گا کہ کیوں تجھ کو میرے اختیارات کس نے دیئے ہیں؟ دوزخ اور بہشت میں بھیجنے والا تو مَیں ہی ہوں تُو کون ہے؟ اچھا جا مَیں نے تجھ کو دوزخ میں ڈالا اور یہ گنہگار بندہ جس کا تو گِلہ کیا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ یہ ایسا ہے ویسا ہے اور دوزخ میں جائے گا۔ اس کو مَیں نے بہشت میں بھیج دیا ہے۔ سو ہر ایک انسان کو سمجھنا چاہیئے کہ ایسا نہ ہو کہ مَیں ہی اُلٹا شکار ہو جاؤں۔

غیبت سے بچو فرمایا:

دل تو اللہ تعالیٰ کی صندوقچی ہوتا ہے اور اس کی کُنجی اس کے پاس ہوتی ہے۔ کسی کو کیا خبر کہ اس کے اندر کیا ہے؟ تو خواہ مخواہ اپنے آپ کو گناہ میں ڈالنا کیا فائدہ؟ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک شخص بڑا گنہگار ہوگا۔ خدا تعالیٰ اُس کو کہے گا کہ میرے قریب ہو جا۔ یہانتک کہ اس کے اَور لوگوں کے درمیان اپنے ہاتھ سے پردہ کر دے گا اور اس سے پُوچھے گا کہ تو نے فلاں گناہ کیا۔ فلاں گناہ کیا۔ لیکن چھوٹے چھوٹے گناہ گنائے گا۔ وُہ کہے گا کہ ہاں یہ گناہ مجھ سے ہوئے ہیں۔ خدا تعالیٰ فرمائے گا کہ اچھا آج کے دن مَیں نے تیرے سب گناہ معاف کیئے اور ہر ایک گناہ کے بدلے دس دس نیکیوں کا ثواب دیا۔ تب وہ بندہ سوچے گا کہ جب ان چھوٹے چھوٹے گناہوں کا دس دس نیکیوں کا ثواب ملا ہے تو بڑے بڑے گناہوں کا تو بہت ہی ثواب ملے گا۔ یہ سوچ کر وُہ بندہ خود ہی اپنے بڑے بڑے گناہ گنائے گا کہ اے خدا مَیں نے تو یہ گناہ بھی کیئے ہیں تب اللہ تعالیٰ اُس کی بات سُن کر ہنسے گا اور فرمائے گا کہ دیکھو میری مہربانی کی وجہ سے یہ بندہ ایسا دلیر ہو گیا ہے کہ اپنے گناہ خود ہی بتلاتا ہے۔ پھر اُسے حکم دے گا کہ جا بہشت کے آٹھوں دروازوں میں سے جس سے تیری طبیعت چاہے داخل ہو جا۔ تو کیا خبر ہے کہ خدا تعالیٰ کا اس سے کیا سلوک ہے یا اس کے دل میں کیا ہے۔ اس لیے غیبت کرنے سے بکلّی پرہیز کرنا چاہیئے۔[1]

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۱ صفحہ ۱۰ مورخہ ۹ رمارچ ۱۹۰۶ء

۱۹؍مارچ ۱۹۰۶ء

ایک نشان فرمایا :

اس فکر میں ہوں اور توجہ کرتا ہوں کہ اگر پتہ لگ جائے کہ کس ماہ میں آئندہ زلزلہ آنے والا ہے تو یہ پھر ایک بڑا نشان ہو جاتا ہے متعصب آدمی کا تو کیا ذکر ہے۔ لیکن غور کرنے والے کے واسطے یہ ایک بڑا نشان ہے۔

ایک الزامی نکتہ فرمایا :

عیسائیوں کے خدا سے تو آدمؑ ہی اچھا رہا کیونکہ آدم کے سامنے تو فرشتوں نے سجدہ کیا تھا اور ایک شیطان جس نے سجدہ نہیں کیا تھا وہ ذلیل کیا گیا اور نکالا گیا۔ برخلاف اس کے عیسائیوں کا خدا شیطان کے پیچھے پیچھے لگتا پھرا۔ اور شیطان کہہ سکتا ہے کہ چونکہ اس نے مجھے سجدہ نہیں کیا تھا۔ اس واسطے ذلیل ہوا۔ اور پھانسی دیا گیا۔

یسوع مسیح کا ایک کمزور انسان ہونا ثابت ہے فرمایا :

عیسائی لوگ یسوع کی تعریف میں کہا کرتے ہیں کہ وہ بے گناہ تھا۔ حالانکہ بے گناہ ہونا کوئی خوبی نہیں۔ خوبی تو اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اعلیٰ درجہ کے تعلقات ہوں اور انسان قربِ الٰہی کو حاصل کرے۔ چونکہ خدا تعالیٰ جانتا تھا کہ یسوع کی لوگ حد سے زیادہ ناجائز عزت کریں گے۔ اس واسطے پہلے ہی سے اس کا وہ حال ہوا جس سے ہر بات میں اس کا عجز اور کمزور انسان ہونا ثابت ہوتا ہے۔

معنی التوفّی فرمایا :

ہمارے مخالف کہتے ہیں کہ حضرت عیسٰیؑ کا یہ قول کہ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي (المائدۃ : ۱۱۸) اس کے یہ معنی ہیں کہ جب تُو نے مجھے آسمان پر اُٹھا لیا۔ اگر قیامت کے دن حضرت عیسٰیؑ یہ کلمہ بولے گا تو گویا

وُہ کبھی فوت ہی نہیں ہوگا؟ کیونکہ قیامت کے دن بھی آسمان پر ہی جانے کا ذکر ہوگا۔ مرنے کا تو کوئی ذکر ہی نہیں۔ اور اگر اس آیت کے یہ معنے لیے جائیں کہ جب مَیں فوت ہوگیا یعنی مَر گیا۔ لیکن موت قیامت کے دن وارد ہوگی تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ عیسائی آجتک نہیں بگڑے اور ان کا مذہب راستی پر ہے۔

تسبیح بعد کی ایجاد ہے

ایک شخص نے ذکر کیا کہ مخالف کہتے ہیں کہ یہ لوگ نمازیں تو پڑھتے ہیں لیکن تسبیحیں نہیں رکھتے۔

فرمایا:

صحابہؓ کے درمیان کہاں تسبیحیں ہوتی تھیں۔ یہ تو ان لوگوں نے بعد میں باتیں بنائی ہیں۔

فرمایا:

ایک شخص کا ذکر ہے کہ وہ لمبی تسبیح ہاتھ میں رکھا کرتا تھا اور کوچہ میں سے گذر رہا تھا۔ راستہ میں ایک بڑھیا نے دیکھا کہ خدا کا نام تسبیح پر گن رہا ہے۔ اس نے کہا کہ کیا کوئی دوست کا نام گن کر لیتا ہے۔ اس نے اسی جگہ تسبیح پھینک دی۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے حساب ہیں ان کو کون گن سکتا ہے[1]۔

یکم اپریل ۱۹۰۶ء

وحیِ الٰہی

وحیِ الٰہی اَخَّرَہُ اللّٰہُ اِلٰی وَقْتٍ مُّسَمًّی کا ذکر تھا۔

فرمایا:

اس سے پہلے دن دُعا کے رنگ میں الہام ہوا تھا کہ رَبِّ اَخِّرْ وَقْتَ ھٰذَا دُوسرے دن اس دُعا کی قبولیت کے اظہار میں یہ الہام ہوا۔ خود ہی اللہ تعالیٰ دُعا کراتا ہے اور خود اس کو قبول کرتا ہے۔

طریقِ ادب

ڈاکٹر نور محمد صاحب[1] نے ذکر کیا کہ لاہور میں ایک شخص نے جو اپنی جماعت کا ہے مجھ سے ذکر کیا کہ پٹیالہ میں کسی فقیر نے پیشگوئی

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۱۲ صفحہ ۲ مورخہ ۲۲؍ مارچ ۱۹۰۶ء ؎
نیز الحکم جلد ۱۰ نمبر ۱۰ صفحہ ۱ مورخہ ۲۴؍ مارچ ۱۹۰۶ء

کی ہے کہ فلاں تاریخ کو زلزلہ آئے گا اور وہ تاریخ قریب ہے۔ مَیں نے کہا کہ اس کی طرف ہرگز توجہ نہیں کرنی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے جو اپنا رسُول بھیجا ہے۔ جبتک اس کے ذریعہ سے کوئی خبر نہ ملے ہرگز کوئی دُوسری بات قابلِ اعتبار نہیں۔

حضرت نے فرمایا:

یہی طریقِ ادب ہے۔ ایسے لوگوں کی باتوں پر جو فقیر بنے پھرتے ہیں یقین کر لینا ایک اِلحاد ہے اور ایمان سے خارج ہونا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ سب لوگوں کو ایک ہی حلقے میں لائے اور اسی کے ذریعہ سے تمام خبریں دُوسروں کو پہنچاوے تو پھر کسی دوسرے شخص کو درمیان میں لانا اور یقین کرنا کہ اس کو زلزلہ کے دن کی خبر دی گئی ہے یہ ایک شرک کی بنیاد ہے۔

ہمیں جب زلزلہ کے متعلق الہام ہوا تب ہم خیموں میں گئے۔ اور اب جب اس کی تاخیر کی خبر دی گئی تو ہم واپس اپنے مکانوں میں آ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نکتہ نواز ہے۔ ایسا ہی نکتہ گیر ہے۔ بعض دفعہ انسان سمجھتا ہے کہ تھوڑی سی بات ہے مگر وہ بات اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہو جاتی ہے۔

ایک نئی تصنیف

فرمایا:

ہم نے ایک نیا رسالہ لکھنا شروع کیا ہے جس کا نام "حقیقۃ الوحی" ہوگا۔ بعض لوگ الہام اور وحی کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ وہ نہیں جانتے کہ وحی اور الہام کی حقیقت کیا ہے؟

بمبئی

بمبئی کا ذکر تھا کہ ایک جزیرہ ہے اور سمندر کے پانی کو روک کر اکثر جگہ مکانات بنائے گئے ہیں۔ فرمایا:

مجھے بھی کئی دفعہ خیال آیا ہے کہ جب سخت زلزلہ آئے گا تو اس وقت بمبئی کا کیا حال ہوگا؟

زلزلہ کے بارہ میں

فرمایا

چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں دیر کر دی ہے۔ اس واسطے مخالفین کی شوخیاں بڑھتی جائیں گی اور وہ گالیاں دینے میں اَور بھی تیزی دکھائیں گے۔

"پھر چلے آتے ہیں یارو! زلزلہ آنے کے دن" فرمایا

پیسہ اخبار جو ایک لاکھ چھپا ہے اور ایک ایک پرچہ کو کئی کئی آدمی پڑھیں گے تو اس طرح زلزلہ والی پیشگوئی کئی لاکھ آدمیوں تک پہنچ جائے گی۔ اس نظم[1] میں ہم نے لوگوں کو نیک نصائح کی ہیں اور مخلوق کو توبہ کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے اور اسلام کی طرف دعوت کی ہے۔ ایڈیٹر نے لکھا ہے کہ مجھے اس کے ساتھ اتفاق نہیں تو کیا وہ نہیں چاہتا کہ لوگ نیک بنیں؟

امرتسر میں ایک رشید فرمایا:

امرتسر ایک ایسی جگہ ہے جس میں مادہ رُشد کے لوگ حق کو قبول کرنے والے کم ہوتے ہیں۔ آج وہاں سے ایک خط آیا ہے جس میں ایک شخص لکھتا ہے کہ میں کتاب چشمۂ مسیحی پڑھ کر اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اسلام کے واسطے اس قسم کی تائید اور اخلاص ایک مفتری کی تحریر میں نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے میں آپ کے مریدوں میں شامل ہوتا ہوں۔ میرا نام مبائعین میں لکھا جائے۔

فرمایا:

مجھے خوشی ہوئی کہ اس کتاب کے ذریعہ سے ایک جان بچ گئی۔[2]

۷/اپریل ۱۹۰۶ء

خدا تعالیٰ کی لا انتہا قدرتوں پر ایمان پیدا کرو

اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ (النمل: ۴۱)

کے معنے ایک شخص نے پوچھے تو فرمایا:

ایک پل میں عرشِ بلقیس کے آجانے میں اِستبعاد کیا ہے؟ اصل میں ایسے اعتراض ان لوگوں کے دلوں

---

[1] حاشیہ۔ "پھر چلے آتے ہیں یارو زلزلہ آنے کے دن" والی نظم مراد ہے۔ (مرتب)

[2] بدر جلد ۲ نمبر ۱۴ صفحہ ۳ مورخہ ۵/اپریل ۱۹۰۶ء

میں اُٹھتے ہیں۔ اور وہی ایسی باتوں کی تاویل کرنے پر دوڑتے ہیں جن کو خدا تعالیٰ کی قدرتوں پر پورا پورا یقین نہیں آتا۔ ہم تو یہی جانتے ہیں۔ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (البقرة : ۱۰۷) ایک واقعہ کا انکار صرف اپنے جیسوں کے ناقص تجربے کی بنا پر نہایت بُری بات ہے۔

دیکھو جب تک تار برقی نہ نکلی تھی اس وقت اگر کوئی بیان کرتا کہ ایک سیکنڈ میں اتنی دُور تک خبر پہنچ جاتی ہے تو کون یقین کرتا مگر اب جب مشاہدہ میں آگیا تو سب نے مان لیا۔ ویسے ہی خدا تعالیٰ کی لاانتہا قُدرتوں کا احاطہ کون کرسکتا ہے۔ جب معمولی باتیں انسان کی سمجھ میں نہیں آسکتیں تو خدا تعالےٰ کے بعض اَفعال اگر سمجھ میں نہ آئیں تو ان کا انکار نہیں چاہیئے بلکہ سچے دل سے ایمان لانا چاہیئے، کیونکہ جتنا کسی کو خدا تعالیٰ پر یقین ہو اتنی ہی وہ اس کی مدد کرتا ہے اور جیسی ایمان کی حالت ہو اتنا ہی اسے اسباب میں ڈالتا ہے۔ خود ہم نے خدا تعالیٰ کی ایسی قدرتوں کے نمونے دیکھے۔ دیکھو عبداللہ سنوری والا کُرتہ جس پر بغیر کسی ظاہری اسباب کے سُرخ نشان پڑ گئے تھے اور ہم نے کشف میں دیکھا کہ دستخط کراتے ہوئے بارگاہِ الٰہی سے وہ چھینٹا پڑا۔ ایسا ہی دانت میں سخت درد تھا۔ طبیب نے مشورہ دیا۔ علاج دنداں اخراجِ دنداں۔ مگر بعد ازاں الہام ہوا۔ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ (الشعراء : ۸۱) تو معاً وہ درد جاتا رہا۔

ایسا ہی ایک دفعہ میں سخت بیمار ہوا حتٰی کہ سورہ یٰسین بھی تین دفعہ سُنائی گئی۔ میرے دل میں ڈالا گیا کہ کچھ تسبیحیں پڑھ کر دریا کی ریت اور پانی بدن پر مَلوں۔ چنانچہ ایسا کرنے پر وہ بیماری جاتی رہی۔ خدا تعالےٰ پر کامل ایمان پیدا کرو تاکہ ایسے شبہات سے نجات ہو۔

(یہ خلاصہ ہے اس تقریر کا جو حضور علیہ السلام نے فرمائی)

فاتحہ خوانی اور اسقاط

عرض کیا گیا کہ جب کوئی مسلمان مرجائے تو اس کے بعد جو فاتحہ خوانی کا دستور ہے۔ اس کی شریعت میں کوئی اصل ہے یا نہیں؟ فرمایا :

نہ حدیث میں اس کا ذکر ہے نہ قرآن شریف میں نہ سُنّت میں۔

عرض کیا گیا کہ اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ دُعائے مغفرت ہی ہے؟ فرمایا :

نہ اسقاط درست نہ اس طریق سے دُعا ہے کیونکہ بدعتوں کا دروازہ کھل جاتا ہے[1]۔

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۱۶ صفحہ ۳ مورخہ ۱۹ را پریل ۱۹۰۶ء

۱۴؍اپریل ۱۹۰۶ء

طُوری مشاہدات

فرمایا : خدا تعالیٰ اپنے وجود کو آپ دوبارہ ثابت کرنا چاہتا ہے جیساکہ کوہ طُور پر تجلیاتِ الٰہیہ کا نمونہ دکھایا گیا تھا۔ایسا ہی اب بھی دکھایا جائے گا۔جس طرح فرعون کے پاس رسُول بھیجا گیا تھا وہی الفاظ ہم کو بھی الہام ہوتے ہیں کہ تُو بھی ایک رسُول ہے جیساکہ فرعون کی طرف ایک رسُول بھیجا گیا تھا۔بجُز طُوری مشاہدات کے اب دُنیا کے لوگ سیدھے نہیں ہو سکتے۔[1]

۱۷؍اپریل ۱۹۰۶ء

معجزات کے بارہ میں سنتِ الٰہی

فرمایا : بعض لوگ یہ خواہش رکھتے ہیں کہ اُن کے مانگے ہوئے معجزات ان کو دکھائے جائیں۔یہ دُرست نہیں۔اللہ تعالیٰ کی یہ سُنّت نہیں۔جس حد تک خدا تعالیٰ کا قانونِ قدرت تشفّی دینے کا ہے۔اگر اس حد تک تشفّی نہ ہو جائے تو پھر مؤاخذہ کے لائق انسان ہو جاتا ہے۔

جماعت میں داخل ہونیوالوں کی قبولیت

فرمایا : خدا تعالیٰ نے ہمیں فرمایا ہے کہ جو لوگ اس جماعت میں داخل ہوں گے وہ اُن کو قبول کرے گا۔باقی جو لوگ اپنی ضِد پر قائم رہتے ہیں اور شقاوت کی راہ سے انکار کرتے ہیں وہ راستباز نہیں ٹھہر سکتے۔

دینی عقل تقویٰ سے تیز ہوتی ہے

فرمایا : دینی عقل اَور ہے اور دُنیوی عقل اَور ہے۔جو لوگ دُنیوی عقل میں ریاضت کرنے والے ہیں وہ یہ دعویٰ

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۱۷ صفحہ ۲ مورخہ ۲۶؍اپریل ۱۹۰۶ء

نہیں کر سکتے کہ اُن کو ساتھ ہی دینی عقل بھی حاصل ہو گئی ہے بلکہ دینی عقل تقویٰ سے تیز ہوتی ہے۔
خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے لَا یَمَسُّہٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (الواقعة : ۸۰) جس قدر پاکیزگی بڑھتی ہے اسی قدر معرفت بھی بڑھتی جاتی ہے[۱]

---

۲۴ ر اپریل ۱۹۰۶ء

جماعت کی ایمانی حالت مضبوط ہوتی جائیگی

(میاں معراج الدین صاحب عمرؔ کے قلم سے)۔

آج صُبح کی گاڑی میں سوار ہو کر میں قریب ایک بجے کے قادیان پہنچا۔ تھوڑے عرصہ بعد اذان نماز ہوئی۔ وضو کر کے میں چھوٹی مسجد میں پہنچا تو دیکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام چھوٹے حجرے میں تشریف فرما ہیں اور آپ کے پاس مولوی سید محمد احسن صاحب اور مولوی محمد علی صاحب بیٹھے تھے۔ اور میاں غلام رسُول حجام امرتسری کچھ اپنا حال بیان کر رہا تھا۔ اس پر حضور نے فرمایا کہ:

آپ صبر کریں۔ ہماری جماعت کی حالت ابتدائی ہے۔ یہ ابھی کچے درخت کی طرح ہیں۔ دیکھو بڑے سے بڑا درخت شیشم یا کوئی اور جب چھوٹا ہوتا ہے تو بہت تھوڑی طاقت سے بلکہ ناخن سے اُکھڑ سکتا ہے۔ اسی طرح ہماری جماعت کے بعض لوگ ابھی ایمانی حالت میں ایسے ہی کمزور ہیں۔ جیسے درخت بڑا ہو کر ایسا مضبوط ہوتا جاتا ہے کہ اس پر آدمی چڑھتے ہیں تو وہ ٹوٹتا نہیں۔ ایسے ہی ان کی ایمانی حالت رفتہ رفتہ مضبوط ہو جائے گی اور پھر مضبوط درخت کی طرح جاگزین ہو جائے گی[۲]

---

۲۶ ر اپریل ۱۹۰۶ء

غیر معمولی ایام

فرمایا: یہ دن ایسے ہیں کہ گویا آسمان کی زمین کے ساتھ کُشتی ہے۔ بالکل غیر معمولی دن ہیں اور غیر معمولی واقعات ہر طرف سے پیش آ رہے ہیں اور

---

[۱] بدر جلد ۲ نمبر ۱۷ صفحہ ۲ مورخہ ۲۶ ر اپریل ۱۹۰۶ء

[۲] بدر جلد ۲ نمبر ۲۰ صفحہ ۳ مورخہ ۱۷ ر مئی ۱۹۰۶ء

اپنے غیر معمولی ہونے میں روز بروز بڑھتے جاتے ہیں۔ کہیں زلازل ہیں۔ کہیں طوفان آرہے ہیں کہیں لڑائیوں میں مخلوق ماری جاتی ہے۔ کہیں طوفان سے لوگ تباہ ہو رہے ہیں کہیں آگ لگ رہی ہے مگر افسوس کہ لوگ ان سب باتوں کو معمولی سمجھ کر اپنی غفلت میں حسبِ معمول سوئے ہوئے ہیں اور کچھ فکر نہیں کرتے۔ خدا تعالیٰ کا منشاء اور ہے اور لوگوں کے ارادے کچھ اور ہیں۔ راستباز اطاعت اور اعمال سے پہچانا جاتا ہے۔ جس صورت میں ہم ان لوگوں کے سامنے نشان پیش کرتے ہیں اور قرآن اور حدیث کے نصوص دکھاتے ہیں اور پھر وہ انکار کرتے ہیں تو وہ لوگ راستباز نہیں کہلا سکتے۔ خدا تعالیٰ کو کیا پرواہ ہے کہ یہ لوگ تعداد میں زیادہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کثرت اور تعداد کے رُعب میں نہیں آتا۔ قَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْرُ (سبا: ۱۴) دیکھو حضرت نوحؑ کے وقت کس قدر مخلوق غرقِ آب ہوئی اور ان کے بالمقابل جو لوگ بچ گئے ان کی تعداد کس قدر تھی۔

پیرزادگی کا مرض

فرمایا:

پیرزادگی کا مرض دِق اور سِل سے بدتر ہے کیونکہ اس میں رعونت اور تکبّر کا مادہ ہوتا ہے اور خواہ مخواہ ایک عظمت اپنی دکھاتے ہیں اور فقیری کا دم مارتے رہتے ہیں۔[1]

۵ر مئی ۱۹۰۶ء

طبقہ لولاک

الہامِ الٰہی لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ کا تذکرہ تھا فرمایا:

اللہ تعالیٰ کی کمال رضاجوئی کی حالت میں یہ طبقہ خدمت گذاران کا لولاک کا حکم رکھتا ہے اور یہ بات صاف ہے کہ اگر یہ طبقہ لولاک کا نہ ہو تو افلاک کی خلقت عبث و فضول ہے۔ افلاک کا بنانا محض اس طبقہ لولاک کی خاطر ہے۔

فرمایا: یہ دراصل رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے حق میں تھا، لیکن ظلّی طور پر ہم پر اس کا اطلاق

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۱۷ صفحہ ۲ مورخہ ۲۶ را پریل ۱۹۰۶ء

ہوتا ہے۔

مرقومہ بالا الہام الٰہی یہ میری کتاب[1] .... الخ کا ذکر تھا۔

فرمایا :

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو احباب ہماری جماعت میں خدمتِ دین میں سرگرم ہیں اللہ تعالےٰ ان کو درجہ و عظمت دینا چاہتا ہے[2]۔

۸؍مئی ۱۹۰۶ء (بوقت عصر)

پُورے جوش سے خدا تعالیٰ کی طرف جُھک جائیں فرمایا :

جب تک کہ انسان بالکل خدا تعالیٰ کا نہ ہو جائے وہ کچھ نہ کچھ مَسِ عذاب اس دُنیا میں پاتا ہے مَیں دیکھتا ہوں کہ ہماری جماعت کے بعض افراد دُنیوی آرائش اور آرام کی طرف جُھکے ہوتے ہیں اور اس میں مصروف ہیں۔ ان کو چاہیئے کہ اپنی عملی حالت کو دُرست کریں اور خدا تعالیٰ کی طرف پورے جوش اور طاقت کے ساتھ جُھک جاویں۔

کمزوروں کے حق میں بُرا نہ بولنے کی تلقین فرمایا

جب تمہارے بھائیوں میں سے کوئی کمزور ہو تو اس کے حق میں بُرا بولنے میں جلد بازی نہ کرو۔ بہت لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ پہلے ان کی حالت خراب ہوتی ہے پھر یکدفعہ ایک تبدیلی کا وقت اُن پر آجاتا ہے جیسا کہ ان کی جسمانی حالت بہت سے مرحلے طے کرتی ہے۔ پہلے نُطفہ ہوتا ہے پھر خون کا لوتھڑا۔ اور ایک ذلیل سی حالت ہوتی ہے۔ پھر رفتہ رفتہ ترقی کرتا ہے۔ ایسے ہی انبیاء کے سوائے سب لوگوں کو تمام مرحلے طے کرنے پڑتے ہیں۔ مأمور من اللہ کی صُحبت سے انسان دُرست ہو جاتا ہے۔ اگر ہر شخص گھر سے ہی ابدال میں سے بنکر آتا تو پھر سلسلہ بیعت کی ضرورت ہی کیا ہوتی؟ سلسلہ میں داخل ہو کر کمزور آدمی رفتہ رفتہ طاقت پکڑتا

---

[1] حاشیہ۔ ڈائری نویس صاحب نے اس کتاب کا نام نہیں لکھا۔ (مرتب)

[2] بدر جلد ۲ نمبر ۰، صفحہ ۳ مورخہ ۳۱؍دسمبر ۱۹۰۸ء

ہے۔صحابہؓ کی پہلی حالت پر غور کرو۔جب کافر مومن بن سکتا ہے تو کیا ایک فاجر صالح نہیں بن سکتا؟انسان پر کئی حالتیں آتی ہیں اور کئی تغیرات واقع ہوتے ہیں۔[1]

---

۱۰ رمئی ۱۹۰۶ء

مباہلہ اعلیٰ درجہ کا ہتھیار ہے

احمد مسیح عیسائی کے حضرت کو مباہلہ کے واسطے بُلانے کا ذکر تھا۔ (جس کا جواب منظوری گذشتہ اخبار میں شائع ہو چکا ہے) فرمایا:

مباہلہ ایک آخری فیصلہ ہوتا ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نصاریٰ کو مباہلہ کے واسطے طلب کیا تھا مگر ان میں سے کسی کو جرأت نہ ہوئی۔اب بھی عیسائیوں کے دلوں پر حق کا رُعب طاری ہے اور امید نہیں کہ کوئی بشپ مباہلہ کے میدان میں آوے۔لیکن اگر کوئی آئے گا تو ہمیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ایک بڑی کامیابی دے گا۔مباہلہ دشمن پر زد کرنے کا ایک اعلیٰ درجہ کا ہتھیار ہے۔

مہدی کے بارہ میں مسلمانوں میں اختلافات

فرمایا:

اس زمانہ میں مُسلمانوں کے ساتھ بھی بحث مباحثہ فضول ہے کیونکہ جن حدیثوں اور روایتوں اور عقائد کی بناء پر وہ ہم سے مباحثہ کرنا چاہتے ہیں۔اُن کے بارے میں خود ان کے اپنے درمیان بڑے بڑے اختلاف موجود ہیں۔کوئی کہتا ہے کہ مہدی فاطمی ہوگا۔کوئی کہتا ہے کہ عباسی ہوگا۔کوئی کہتا ہے کہ حسینی ہوگا۔کوئی کہتا ہے کہ پیدا ہوگا۔کوئی کہتا ہے کہ غار میں سے نکلے گا۔کوئی کہتا ہے کہ اُمّت میں سے ایک فرد ہوگا۔کوئی کہتا ہے کہ وہی عیسیٰ ہی مہدی ہوگا۔غرض اس قدر اختلافات کے ساتھ تعجب ہے کہ پھر یہ ہمارا مقابلہ کرتے ہیں۔وہ نہیں سمجھتے کہ آنے والا حَکَم ہے۔وہ تمام بحثوں کا خاتمہ کرتا ہے اور اختلافی امور کے درمیان میں سے ایک سچی راہ پیش کرتا ہے اور وہی ماننے کے قابل ہے۔[2]

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۲۰ صفحہ ۳ مورخہ ۱۷ رمئی ۱۹۰۶ء

[2] بدر جلد ۲ نمبر ۲۰ صفحہ ۳ مورخہ ۱۷ رمئی ۱۹۰۶ء

۱۲؍مئی ۱۹۰۶ء

میڈیکل سکول کے خارج شدہ طلباء کو

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نصیحت

میڈیکل سکول کے جن طلباء نے اپنے اُستادوں سے ناراض ہوکر اتفاق کر کے مدرسہ جانا بند کر دیا ہے۔ ان میں سے دو طالب علم (عبدالحکیم صاحب اور ایک اَور) قادیان میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ۱۲؍مئی کو حاضر ہوئے۔ اور اپنا واقعہ گذشتہ اور پرنسپل کا ۳۱؍مئی تک داخل ہو جانے کی اجازت دے دینے کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ :

آجکل اس قسم کی کارروائیاں گورنمنٹ کے ساتھ بغاوت کی طرف منسوب کی جاتی ہیں اور ان سے بچنا چاہیئے۔ میرے نزدیک اب اس معاملہ کو ترقی نہیں دینا چاہیئے اور پرنسپل صاحب کی اجازت سے فائدہ حاصل کر کے داخل ہوجانا چاہیئے۔ جن اُستادوں کے ساتھ تم نے ناراضگی کا اظہار کیا ہے ان کو اندر ہی اندر ضرور تنبیہ کی گئی ہوگی۔ اور امید نہیں کہ وُہ آئندہ تمہارے ساتھ بُرا سلوک کریں۔ گورنمنٹ ایسے لوگوں کو بغیر بازپُرس نہیں چھوڑتی گو عام اظہار ایسی بات کا نہ کیا جاوے۔

علاوہ اس کے تمہیں چاہیئے کہ اگر انہوں نے بداخلاقی کی ہے تو تم ان سے اخلاق سیکھو اور اگر تمہیں کبھی ایسی افسری کا موقعہ ملے تو تم اخلاق کا برتاؤ اپنے شاگردوں اور ماتحتوں کے ساتھ کرو۔ اور جو قسمیں تم نے ضد پر کھائی ہیں وہ ناجائز ہیں۔ ناجائز قسم پر قائم رہنا گناہ ہے۔ خدا تعالیٰ نے اسلامی شریعت میں یہی حکم دیا ہے کہ ناجائز قسموں اور ناجائز اقراروں کو توڑ دیا جاوے۔ وقت کو ضائع کرنا اچھا نہیں۔ اپنے آپ کو پریشانی میں مت ڈالو اور اپنے مدرسہ میں داخل ہو جاؤ۔

۲۰؍مئی ۱۹۰۶ء

ایک الہام اور ایک رویاء کا پورا ہونا چوہدری اللہ داد صاحب مرحوم کا ذکر تھا۔ فرمایا : بڑے مخلص آدمی تھے۔ ایسا آدمی پیدا ہونا مشکل ہے۔

بدر جلد ۲ نمبر ۱ صفحہ ۲ مورخہ ۲۴؍مئی ۱۹۰۶ء

فرمایا :

جو الہام الٰہی نازل ہوا تھا کہ "دو شہتیر ٹوٹ گئے"

ان میں سے ایک شہتیر تو مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم تھے۔ دُوسرے چوہدری صاحب معلوم ہوتے ہیں۔

فرمایا :

یہ جو رویا دیکھا تھا کہ مولوی عبدالکریم صاحب کی قبر کے پاس دو اَور قبریں ہیں وہ بھی پورا ہوا۔ ایک قبر الٰہی بخش صاحب ساکن مالیر کوٹلہ کی بنی اور دُوسری چوہدری صاحب مرحوم کی بنی۔

مخالف مُلہموں کے واسطے فیصلہ کی آسان راہ

الہام الٰہی اُرِیْحُكَ وَلَا اُجِیْحُكَ وَ اُخْرِجُ مِنْكَ قَوْمًا کا ذکر تھا جس کے معنی ہیں مَیں تجھے راحت دوں گا اور تجھے بڑھاؤں گا اور تجھے تباہ نہ کروں گا اور تجھ سے ایک قوم نکالوں گا۔ فرمایا :

اس وحی الٰہی کو مدّنظر رکھ کر ہمارے مخالف ملہمین آسانی کے ساتھ فیصلہ کر سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ خدا تعالےٰ نے ان لوگوں کو جواب دیا ہے جو اس کوشش میں ہیں کہ ہم کو بے نشان کر دیں۔ خدا تعالیٰ نے ان کا ردّ کر دیا ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی محبت اور فضل و کرم کے خاص الفاظ ہیں جو کاذب کے حق میں نہیں بولے جاتے۔ اب مخالف ملہموں کے واسطے راستہ آسان ہے۔ چاہیئے کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایسا الہام شائع کریں کہ یہ شخص ہلاک ہو جائے گا۔ ایک تازہ مثال ایسے ملہم کی تو چراغ دین کے وجود میں قائم ہو چکی ہے اَور بھی جو چاہیے آزمائش کرے۔ ہم تو خدا تعالےٰ کی ہزار حلف کھا کر کہتے ہیں کہ یہ جو ہم پر نازل ہوا یہ خدا کا کلام ہے جیسا کہ قرآن شریف خدا تعالیٰ کا کلام ہے۔ یہ ایک خدا تعالیٰ کا نشان ہے اور فیصلہ کی آسان راہ ہے جس کا جی چاہے اختیار کرے[1]۔

۳۰/مئی ۱۹۰۶ء

مسیح ہمیشہ فتح پائے گا

فرمایا :

ہر ایک نبی جو دُنیا میں آتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کے کسی نہ کسی اِسم کا

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۲۳ صفحہ ۴ مورخہ ۷/جون ۱۹۰۶ء

پرتو ہوتا ہے۔ مسیح موعود پر اللہ تعالیٰ کے غالب ہونے والے نام کا پرتو ہے۔ صوفیوں نے بھی لکھا ہے کہ آنے والا مسیح ہمیشہ فتح پائے گا اور کبھی مغلوب نہ ہو گا۔ دشمن ہزار اس کی مخالفت کریں مگر وہ ایسا وجود ہے کہ اس کو ہمیشہ فتح ہی ہو گی شکست تو اس نے کھائی ہی نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کے بغیر نجات نہیں

ڈاکٹر عبدالحکیم کا ذکر تھا۔ فرمایا:

جو شخص یہ کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے بغیر نجات ہو سکتی ہے۔ وہ جھوٹا ہے۔ خدا تعالیٰ نے جو بات ہم کو سمجھائی ہے وہ بالکل اس کے برخلاف ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران : ۳۲) اے رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ان لوگوں کو کہدے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے پیار کرتے ہو تو آؤ میری پیروی کرو تم خدا تعالیٰ کے محبوب بن جاؤ گے۔ بغیر متابعت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کوئی شخص نجات نہیں پاسکتا۔ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بغض رکھتے ہیں اُن کی کبھی خیر نہیں۔ اس کے لیے مناسب نہ تھا کہ وہ تفسیر لکھنے بیٹھتا کیونکہ نہ تو ظاہری علوم سے اس کو کچھ حصّہ تھا اور نہ باطنی طہارت اور پاکیزگی کو وہ حاصل کر چکا تھا۔ اسی واسطے مَیں نے کبھی اس کی تفسیر کو نہیں پڑھا کیونکہ اس میں تضییعِ اوقات ہے۔ ایسے آدمی کی کتاب کو پڑھنا صرف اپنے وقت کو خراب کرنا ہے۔ جاہل آدمی پھر متکبر کبھی نیک انجام نہیں پاسکتا۔

ایک الہام

فرمایا:

چند سال ہوئے مجھے الہام ہوا تھا۔

سرانجامِ جاہل جہنّم بود ✽ کہ جاہل نکو عاقبت کم بود

جماعت کی حفاظت کے بارہ میں ایک مبشر رؤیا اور اس کی تعبیر

فرمایا:

اللہ تعالیٰ جب ایک باغ لگاتا ہے اور کوئی اس کو کاٹنا چاہتا ہے تو خدا تعالیٰ اس شخص پر کبھی راضی نہیں ہو سکتا۔

مدت کی بات ہے میں نے ایک خواب دیکھا تھا کہ میں ایک گھوڑے پر سوار ہوں اور باغ کی طرف جاتا ہوں اور میں اکیلا ہوں۔ سامنے سے ایک لشکر نکلا جس کا یہ ارادہ ہے کہ ہمارے باغ کو کاٹ دیں۔ مجھ پر ان کا کوئی خوف طاری نہیں ہوا۔ اور میرے دل میں یہ یقین ہے کہ میں اکیلا ان سب کے واسطے کافی ہوں۔ وہ لوگ اندر باغ میں چلے گئے اور اُن کے پیچھے میں بھی چلا گیا۔ جب میں اندر گیا تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ وہ سب کے سب مَرے پڑے ہیں اور ان کے سر اور ہاتھ اور پاؤں کاٹے ہوتے ہیں اور اُن کی کھالیں اُتری ہوئی ہیں۔ تب خدا تعالےٰ کی قدرتوں کا نظارہ دیکھ کر مجھ پر رقت طاری ہوئی اور میں رو پڑا کہ کس کا مقدور ہے کہ ایسا کر سکے۔

فرمایا:

اس لشکر سے ایسے ہی آدمی مُراد ہیں جو جماعت کو مُرتد کرنا چاہتے ہیں اور ان کے عقیدوں کو بگاڑنا چاہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہماری جماعت کے باغ کے درختوں کو کاٹ ڈالیں۔ خدا تعالیٰ اپنی قدرت نمائی کے ساتھ ان کو ناکام کرے گا۔ اور ان کی تمام کوششوں کو نیست و نابُود کر دے گا۔

فرمایا:

یہ جو دیکھا گیا ہے کہ اس کا سَر کٹا ہوا ہے۔ اس سے یہ مُراد ہے کہ ان کا تمام گھمنڈ ٹوٹ جائے گا اور ان کے تکبّر اور نخوت کو پامال کیا جائے گا۔ اور ہاتھ ایک ہتھیار ہوتا ہے جس کے ذریعہ سے انسان دشمن کا مقابلہ کرتا ہے۔ ہاتھ کے کاٹے جانے سے مراد یہ ہے کہ ان کے پاس مقابلہ کا کوئی ذریعہ نہیں رہے گا اور پاؤں سے انسان شکست پانے کے وقت بھاگنے کا کام لے سکتا ہے لیکن ان کے پاؤں بھی کٹے ہوئے ہیں جس سے یہ مراد ہے کہ ان کے واسطے کوئی جگہ فرار کی نہ ہوگی اور یہ جو دیکھا گیا ہے کہ ان کی کھال بھی اُتری ہوئی ہے اس سے یہ مُراد ہے کہ اُن کے تمام پردے فاش ہو جائیں گے اور ان کے عیوب ظاہر ہو جائیں گے۔

دلیلِ صداقت

فرمایا:

اگر ہم افترا کرتے ہیں تو خدا تعالیٰ خود ہمارا دشمن ہے اور ہمارے لیے بچاؤ کی صورت ہو ہی نہیں سکتی۔ لیکن اگر یہ کاروبار خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور مصائبِ اسلامی کے واسطے اللہ تعالیٰ نے خود ایک سامان بنایا ہے تو اس کا مقابلہ خدا تعالیٰ کو کس طرح پسند آسکتا ہے۔ بڑا بدقسمت ہے جو اس کو توڑنا چاہتا ہے۔

خُدا کا جلال خدا کے رسُول کے جلال سے وابستہ ہے

فرمایا:

یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بے ادبی سے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ خدا تعالیٰ کے جلال کے اظہار کے واسطے ہے اور نادان نہیں جانتے کہ جبتک خدا تعالیٰ کے نبی اور اس کے رسُول کا جلال نہ ہو۔ خدا تعالیٰ کا جلال وہ کس طرح ظاہر کر سکتے ہیں؟

ڈاکٹر عبد الحکیم

فرمایا:

اگر ڈاکٹر عبد الحکیم کو تقویٰ صحیح ہوتا تو وہ کبھی تفسیر لکھنے کا نام نہ لیتا کیونکہ وہ اس کا اہل نہیں ہے۔ اس کی تفسیر میں ایک ذرہ روحانیت نہیں اور نہ ظاہری علم کا کچھ حصّہ ہے۔

صلیب توڑی جانیکے کے قابل ہی ہے

فرمایا:

صلیب بھی خطا کار ہے کہ وہ اوّل یسُوع پر غالب آئی اور اس کو مُردہ سا کر دیا اور پھر اس کی اُمّت پر غالب آئی اور اس کو اپنا پرستار بنایا۔ اس واسطے صلیب بھی اس قابل ہے کہ توڑی جاوے۔

سچے الہام کی خصوصیات

فرمایا:

الہام الٰہی کی عبارت عموماً مقفّیٰ ہوتی ہے اور اس میں ایک شوکت ہوتی ہے اور اس میں سے کلامِ الٰہی کی ایک خوشبو آتی ہے۔

چوہدری اللہ داد مرحوم

چوہدری اللہ داد صاحب مرحوم کا ذکر تھا۔ فرمایا کہ:

قبرستان کے متعلق جو الہامِ الٰہی تھا کہ اُنْزِلَ فِیْھَا رَحْمَۃٌ اس کے مستحق چوہدری صاحب موصوف بھی ہوتے۔

سچی توحید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان لانے سے ہی مل سکتی ہے

فرمایا :

توحید آسمان سے نازل ہوتی ہے جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ بغض رکھتے ہیں۔ (جیسا کہ ڈاکٹر عبدالحکیم خاں وغیرہ جو کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان لانے کی کچھ ضرورت نہیں یہود و نصاریٰ خود بخود نجات پا جائیں گے) انکو کبھی توحید مل ہی نہیں سکتی۔ سارا قرآن شریف اس سے بھرا ہوا ہے۔ جو لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اُن کے اندر سے ایمان کی کیفیت کو سلب کر لیتا ہے۔[1]

مسیح موعود علیہ السلام کی نبوّت

ایک شخص نے سوال کیا کہ آپ نبی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ فرمایا کہ :

تمام اکابر اس بات کو مانتے چلے آئے ہیں کہ اس امتِ مرحومہ کے درمیان سلسلہ مکالمات الٰہیہ کا ہمیشہ جاری ہے اس معنے سے ہم نبی ہیں، ورنہ ہم اپنے آپ کو اُمتی کیوں کہتے ؟ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ جو فیضان کسی کو پہنچ سکتا ہے وہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے پہنچ سکتا ہے۔ اس کے سوائے اَور کوئی ذریعہ نہیں۔ ایک اصطلاح کے جدید معنے اپنے پاس سے بنا لینا دُرست نہیں ہے۔ حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ آنے والا مسیح نبی بھی ہوگا اور اُمتی بھی ہوگا۔ اُمتی تو وہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے فیض حاصل کر کے تمام کمال حاصل کرے۔ لیکن جو شخص پہلے ہی سے نبوّت کا درجہ پا چکا ہے وہ اُمتی کس طرح سے بن سکے گا؟ وہ تو پہلے ہی سے نبی ہے۔

سائل نے سوال کیا کہ اگر اسلام میں اس قسم کا نبی ہو سکتا ہے تو آپ سے پہلے کون نبی ہوا ہے ؟ حضرت نے فرمایا :۔

یہ سوال مجھ پر نہیں بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ہے۔ انہوں نے صرف ایک کا نام نبی رکھا ہے۔ اس سے پہلے کے کسی آدمی کا نام نبی نہیں رکھا۔ اس سوال کا جواب دینے کا اس واسطے مَیں ذمہ دار نہیں[1] ہوں۔

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۲۳ صفحہ ۳-۴ مورخہ ۷ رجون ۱۹۰۶ء

۱۳ مئی ۱۹۰۶ء

ایک رؤیا

فرمایا :

تین چار روز ہوئے مَیں نے خواب میں دیکھا تھا کہ بہت سے چھوٹے زنبور ہیں اور مَیں ان کو مارتا ہوں۔ اس سے مراد یہی مخالف دشمن ہیں جو احمق ہیں اور غوغا مچاتے ہیں۔

مخالفین کی تباہی دلائل کے ذریعہ ہوگی

یہ بھی حکمتِ الٰہی ہے کہ ایک طرف تو خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ جوش دیا کہ خلقت کو ہدایت دیں اور ان کو راہ راست پر لاویں اور دُوسری طرف ابوجہل جیسوں کو جوش دیا کہ مخالفت میں شور و غوغا مچائیں۔ مذکورہ بالا رؤیا کے مطابق مخالفوں کی تباہی بذریعہ دلائل اور بذریعہ نشاناتِ الٰہی کے ہے۔ دشمن خود بخود ہلاک ہو رہے ہیں کیونکہ یہ زمانہ تلوار کا نہیں۔ خدا تعالیٰ آپ سامان پیدا کرتا ہے۔

رفعِ درجات کے لیے ابتلا ضروری ہیں

حیدر آباد کے مولوی محمد سعید صاحب نے اپنے ابتلاؤں کا ذکر کیا۔ فرمایا :

جب تک انسان ابتلاء کی برداشت نہ کرے۔ خدا تعالیٰ کے پاس اس کو درجہ نہیں مل سکتا۔

رُوحانی انقلاب کیلئے خدا تعالیٰ کے فضل کی ضرورت ہے

فرمایا:-

ہم غریب اور ضعیف ہیں نہ تلوار ہمارے ہاتھ میں ہے اور نہ ہم اس امر کے واسطے مامور ہیں کہ تلوار چلائیں اور نہ ہمارے پاس جنگ کے سامان ہیں۔ لیکن ہماری تلوار آسمان پر ہے۔ دُنیا میں جس عظیم الشان انقلاب کو ہم چاہتے ہیں کہ لوگ خدا تعالےٰ کی طرف جُھکیں اور اس کی ہستی پر ایمان لاویں وہ ہمارے اختیار میں نہیں۔ کتابوں کے لکھنے سے بھی کچھ نہیں ہوتا۔ گو ایک ہرے بھرے باغ کی طرح دلائل کا مجموعہ ہم نے اکٹھا کیا ہے لیکن اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتا۔ خدا تعالیٰ اپنے فضل سے کچھ کرے گا۔ میرا قلب محسوس کرتا ہے کہ اس وقت دُنیا ایسی سخت غفلت میں پڑی ہوئی ہے کہ بغیر الیم اور شدید عذاب

کے ماننے والے نہیں۔ حدیثوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ نہیں فرمایا کہ آنے والا مسیح مُردوں کو زندہ کرتا پھرے گا بلکہ یہ فرمایا کہ زندوں کو مارے گا۔ (جیسا کہ طاعون وغیرہ نشانات میں ہلاکت ہو رہی ہے[۱]) ؛

بلا تاریخ

خواتین کیلئے خصوصی نصائح

(رقم فرمودہ صاحبزادہ میاں بشیر الدین محمود احمد صاحب)

غیبت فرمایا :

غیبت کرنے والے کی نسبت قرآن کریم میں ہے کہ وہ اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھاتا ہے۔ عورتوں میں یہ بیماری بہت ہے۔ آدھی رات تک بیٹھی غیبت کرتی ہیں اور پھر صبح اُٹھ کر وہی کام شروع کر دیتی ہیں۔ لیکن اس سے بچنا چاہیئے۔ عورتوں کی خاص سُورت قرآن شریف میں ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے بہشت میں دیکھا کہ فقیر زیادہ تھے اور دوزخ میں دیکھا کہ عورتیں بہت تھیں۔

فخر و مباہات فرمایا کہ :

عورتوں میں چند عیب بہت سخت ہیں اور کثرت سے ہیں۔ ایک شیخی کرنا کہ ہم ایسے اور ایسے ہیں۔ پھر یہ کہ قوم پر فخر کرنا کہ فلاں تو کمینی ذات کی عورت ہے یا فلاں ہم سے نیچی ذات کی ہے۔ پھر یہ کہ اگر کوئی غریب عورت ان میں بیٹھی ہوئی ہے تو اس سے نفرت کرتی ہیں اور اس کی طرف اشارہ شروع کر دیتی

---

[۱] بدر جلد ۲ نمبر ۲۳ صفحہ ۳ مورخہ ۷ رجون ۱۹۰۶ء

کہ کیسے غلیظ کپڑے پہنے ہیں۔زیور اس کے پاس کچھ بھی نہیں۔

خاوند کی اطاعت

فرمایا کہ :

عورت پر اپنے خاوند کی فرمانبرداری فرض ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر عورت کو اس کا خاوند کہے کہ یہ ڈھیر اینٹوں کا اُٹھا کر وہاں رکھ دے اور جب وہ عورت اس بڑے اینٹوں کے انبار کو دُوسری جگہ پر رکھ دے تو پھر اس کا خاوند اس کو کہے کہ پھر اس کو اصل جگہ پر رکھ دے تو اس عورت کو چاہیئے کہ چون وچرا نہ کرے بلکہ اپنے خاوند کی فرمانبرداری کرے۔

عورتوں کے حقوق

فرمایا :

عورتیں یہ نہ سمجھیں کہ ان پر کسی قسم کا ظلم کیا گیا ہے کیونکہ مرد پر بھی اس کے بہت سے حقوق رکھے گئے ہیں بلکہ عورتوں کو گویا بالکل کُرسی پر بٹھا دیا ہے اور مرد کو کہا ہے کہ ان کی خبر گیری کر۔اس کا تمام کپڑا کھانا اور تمام ضروریات مرد کے ذمّہ ہیں۔

دیکھو کہ موچی ایک جُوتی میں بددیانتی سے کچھ کا کچھ بھر دیتا ہے صرف اس لیے کہ اس سے کچھ بچ رہے تو جورو بچوں کا پیٹ پالوں۔سپاہی لڑائی میں سَر کٹاتے ہیں صرف اس لیے کہ کسی طرح جورو بچوں کا گذارہ ہو۔بڑے بڑے عہدیدار رشوت کے الزام میں پکڑے ہوئے دیکھے جاتے ہیں۔وہ کیا ہوتا ہے ؟ عورتوں کے لیے ہوتا ہے۔عورت کہتی ہے کہ مجھ کو زیور چاہیئے کپڑا چاہیئے۔مجبوراً بیچارے کو کرنا پڑتا ہے۔لیکن خدا تعالیٰ نے ایسی طرزوں سے رزق کمانا منع فرمایا ہے۔

یہانتک عورتوں کے حقوق ہیں کہ جب مرد کو کہا گیا ہے کہ ان کو طلاق دو۔تو مہر کے علاوہ ان کو کچھ اَور بھی دو۔کیونکہ اس وقت تمہاری ہمیشہ کے لیے اس سے جدائی لازم ہوتی ہے۔پس لازم ہے کہ اُن کے ساتھ نیک سلوک کرو۔

توَفّی کے معنی

قرآن شریف کے ترجمہ کی بابت ذکر ہوا تو فرمایا :

دیکھو توفّی کے معنے ہمارے مخالف مولوی مرنے کے کرتے ہیں۔لیکن جب مسیح کے بارہ میں یہ

نفظ آجاوے تو اس کا اور ہی مطلب بتاتے ہیں کہ آسمان پر مع جسم عنصری کے چڑھ گیا۔ حضرت یوسفؑ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جب یہ لفظ آجاوے۔ تب تو وفات کے معنے وہی موت کئے جاتے ہیں۔ افسوس! چاہیئے تو تھا کہ اگر معنے بدلنے ہی ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بدلے جاتے۔

آسمان پر جانا ناممکن ہے

فرمایا :

قرآن شریف تو بتاتا ہے کہ آسمان پر جانا تمہارا ناممکن ہے۔ جیساکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کہدے کہ مَیں ایک بشر رسول ہوں۔ مَیں آسمان پر کیونکر چلا جاؤں اور پھر قرآن شریف میں ہے مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ۔ (البقرة : ۳۷)۔

معراج کی حقیقت

پھر فرمایا کہ :

مخالف مولوی ہماری مخالفت میں معراج کی حدیث پیش کرتے ہیں حالانکہ حضرت عائشہؓ کا مذہب تھا کہ جو کوئی کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع جسم عنصری آسمان پر گئے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تہمت لگاتا ہے۔ اسی طرح اور ائمہ اور اصحاب کرامؓ کا بھی یہی مذہب رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک نورانی جسم کے ساتھ آسمان پر گئے نہ اس جسم کے ساتھ۔ ایسا ہی شاہ ولی اللہ صاحب کا بھی مذہب تھا۔ اور شاہ عبد العزیز بھی یہی لکھتے ہیں کہ اس جسم کے ساتھ آسمان پر جانا نہیں ہوتا بلکہ ایک اور نورانی جسم ملتا ہے جس سے کہ انسان آسمان پر جاتا ہے۔

بندہ کی فضیلت الہام میں نہیں، اعمالِ صالحہ میں ہے

ایک شخص نے تحریر کیا کہ یہاں اور بہت لوگوں کو الہام ہوتا ہے۔ مجھ کو خواب تک نہیں آتی۔ آپ دُعا کریں کہ مجھ کو بھی الہام ہوا کریں کیونکہ میری عمر کا ایک بہت بڑا حصّہ اس میں گذرا ہے۔ اس لیے کوئی ایسی بات بتائیں جس سے میری مُراد پُوری ہو جاوے۔ اس پر جو حضرت نے حکم تحریر کیا ہے وہ اس قابل ہے کہ ناظرین رسالہ ہذا بھی اس سے مطلع کئے جاویں۔ کیونکہ یہ اس امام برحق کے الفاظ ہیں جس کا ایک ایک لفظ ہمارے لیے جواہرات سے بڑھ کر قیمت رکھتا ہے۔ (ایڈیٹر تشحیذ)

حضرت علیہ السلام نے جواب دیا:۔

السلام علیکم۔ الہام خدا تعالیٰ کا فعل ہے۔ بندہ کی الہام میں فضیلت نہیں۔ بلکہ اعمالِ صالحہ میں فضیلت ہے۔ اور اس میں کہ خدا تعالیٰ اس سے راضی ہو جاتے۔ سو نیک کاموں میں کوشش چاہیے تاکہ موجبِ نجات ہو۔ والسلام۔ مرزا غلام احمد

مسیح موعود کے لیے نمازیں جمع کی جائیں گی

چونکہ کچھ مدت سے حضرت کی طبیعت دن کے دُوسرے حصہ میں اکثر خراب ہو جاتی ہے۔ اس لیے نماز مغرب اور عشاء گھر میں باجماعت پڑھ لیتے ہیں۔ باہر تشریف نہیں لا سکتے۔ ایک دن نماز مغرب کے بعد چند عورتوں کو مخاطب کر کے فرمایا جو سُننے کے قابل ہے۔ (ایڈیٹر تشحیذ)

فرمایا:

کوئی یہ نہ دل میں گمان کرلے کہ یہ روز گھر میں جمع کر کے نماز پڑھا دیتے ہیں اور باہر نہیں جاتے۔ یہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی کی کہ آنیوالا شخص نماز جمع کیا کرے گا۔ سو چھ مہینے تک تو باہر جمع کرواتا رہا ہوں۔ اب مَیں نے کہا کہ عورتوں میں بھی اس پیشگوئی کو پُورا کر دینا چاہیئے۔ چونکہ بغیر ضرورت کے نماز جمع کرنا ناجائز ہے اس لیے خدا تعالیٰ نے مجھ کو بیمار کر دیا اور اس طرح سے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کو پورا کر دیا۔ ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو پورا کرے۔ کیونکہ وہ پورا نہ ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ جھوٹے ٹھہرتے ہیں۔ اس لیے ہر ایک کو وہ بات جو اس کے اختیار میں ہو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے کے موافق پوری کر دینی چاہیئے اور خدا تعالیٰ خود بھی سامان مہیا کر دیتا ہے جیسا کہ مجھ کو بیمار کر دیا تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو پورا کر دے۔ جیسا کہ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابیؓ سے فرمایا کہ تیرا اس وقت کیا حال ہو گا جبکہ تیرے ہاتھ میں کسریٰ کے سونے کے کڑے پہنائے جائیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب کسریٰ کا ملک فتح ہوا۔ تو حضرت عمرؓ نے اس کو سونے کے کڑے جو لُوٹ میں آتے تھے، پہنائے۔ حالانکہ سونے کے کڑے یا کوئی اَور چیز سونے کی مردوں کے لیے ایسی ہی حرام ہے جیسا کہ اَور حرام چیزیں ہیں۔ لیکن چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے یہ بات نکلی تھی اس لیے پُوری کی گئی۔ اسی طرح ہر ایک دُوسرے انسان کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو پُورا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

دو زرد چادروں سے مُراد

فرمایا کہ:

دیکھو میری بیماری کی نسبت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

پیشگوئی کی تھی جو اسی طرح وقوع میں آئی۔ آپ نے فرمایا تھا کہ مسیح آسمان پر سے جب اُترے گا تو دو زرد چادریں اس نے پہنی ہوئی ہوں گی تو اسی طرح مجھ کو دو بیماریاں ہیں ایک اُوپر کے دھڑ کی اور ایک نیچے کے دھڑ کی۔ یعنی مراق اور کثرتِ بول۔ ہمارے مخالف مولوی اس کے معنے یہ کرتے ہیں۔ کہ وُہ سچ مچ جوگیوں کی طرح دو چادریں اوڑھے ہوئے آسمان نیچے اُتریں گے۔ لیکن یہ غلط ہے۔ چونکہ معبّروں نے ہمیشہ زرد چادر کے معنے بیماری کے ہی لکھے ہیں۔ ہر ایک شخص جو زرد چادر دیکھے یا کوئی اَور زرد چیز تو اس کے معنے بیماری کے ہی ہوں گے اور ہر ایک شخص جو ایسا دیکھے آزما سکتا ہے کہ اس کے معنے یہی ہیں۔

صلح پسندی کے ساتھ مذہب کی غیرت ضروری ہے

دو عورتوں کے جھگڑے پر فرمایا کہ :
قرآن شریف میں آیا ہے وَالصُّلْحُ خَيْرٌ (النسآء:۱۲۹)
اس لیے اگر آپس میں کوئی لڑائی جھگڑا ہو جائے تو صُلح کر لینی چاہیئے کیونکہ اس میں خیر اور برکت ہے۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ غیر مذاہب کے ساتھ بھی یہ بات رکھی جائے بلکہ اُن کے ساتھ سخت مذہبی عداوت رکھنا چاہیئے۔ جبتک مذہب کی غیرت نہ ہو انسان کا مذہب ٹھیک نہیں ہوتا۔ اب یہ جو ہندو عیسائی ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں نکالتے ہیں تو کیا ہم اُن کے ساتھ صُلح رکھ سکتے ہیں بلکہ ان کی مجلسوں میں بیٹھنا اور ان کے ساتھ دوستی کرنا اور ان کے گھروں میں جانا تو معصیت میں داخل ہے

جھگڑوں کی بنیاد بدظنّی ہوتی ہے

ہاں آپس میں جو ایک فرقہ میں ہوں تو لڑائی جھگڑا کی زیادہ تر بنیاد بدظنّی ہوتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ دوزخ میں دو تہائی آدمی بدظنّی کی وجہ سے داخل ہوں گے۔ خدا تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ قیامت کے دن مَیں لوگوں سے پُوچھوں گا کہ اگر تم مجھ پر بدظنّی نہ کرتے تو یہ کیوں ہوتا۔ حقیقت میں اگر لوگ خدا تعالےٰ پر بدظنّی نہ کرتے تو یہ کیوں ہوتا۔ حقیقت میں اگر لوگ خدا تعالیٰ پر بدظنی نہ کرتے تو اس کے احکام پر کیوں نہ چلتے۔ انہوں نے خدا تعالیٰ پر بدظنی کی اور کُفر اختیار کیا۔ اور بعض تو خدا کے وجُود تک کے منکر ہو گئے۔ تمام فسادوں اور لڑائیوں کی وجہ یہی بدظنّی ہے۔

پیشگوئیوں کے مطابق زلزلوں کا وقوع

زلزلہ کی نسبت باتوں میں فرمایا کہ :
قرآن شریف میں زلزلہ آنے کی خبر دی گئی ہے کہ مسیح کے وقت ایسے زلزلے آئیں گے کہ شِدّت میں نہایت ہی سخت ہوں گے۔ اَبتک ان مولویوں نے

یہ سب باتیں قیامت پر اُٹھا چھوڑی تھیں مگر یہ جو پیشگوئی ہے کہ حمل دار عورتوں کے حمل گر جائیں گے تو قیامت کے دن عورتوں کو حمل بھی ہوں گے؟ یہ بات کچھ بھوپال کے نواب صدیق حسن خاں نے سمجھی ہے لیکن افسوس کہ اب تک کوئی مولوی نہیں سمجھا کہ قیامت کو عورتوں کے حمل کہاں ہوں گے؟ کئی مسائل ہیں جن کا ظاہر ہونا مسیح کے وقت میں بیان کیا گیا تھا یہانتک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص کھڑا ہوگا اور کہے گا کہ یہ کون شخص ہے کہ ہمارے مذہب کے خلاف باتیں بناتا ہے جو آجتک نہیں سُنیں۔

جیسا کہ مَیں نے پہلے کہا ہے کہ ان نشانوں میں سے ایک زلزلہ بھی ہے کہ عُلماء اس کو قیامت کے وقت قرار دیتے ہیں۔ اب دیکھو کہ یہ دونوں زلزلے جو آئے ہیں کیا ایسے کبھی پہلے بھی دیکھے یا سُنے تھے؟ جو اصل میں قرآن شریف کی اس پیشگوئی کے مطابق آئے[1]۔

بلا تاریخ[2]

حقیقی مصلح اور واعظین میں فرق

آجکل کے ایک مشہور لیڈر قوم کا ذکر تھا کہ وہ کہتا ہے کہ ان دنوں مسلمان وعظ کی مجلس میں نہیں آتے لیکن اگر رنڈیوں کا راگ ناچ ہو تو وہاں خوب جمع ہو جاتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا:۔

یہ بات درست ہے، لیکن اس کا اصل باعث واعظین کی حالتیں ہے۔ آجکل کے وعظ کرنیوالے ہی ایسے ہیں کہ وہ خود پرلے درجہ کے دُنیادار اور بے عمل اور بدکار ہیں۔ اور اُن کے وعظ میں نہ کوئی تاثیر ہے اور نہ کوئی لذت ہے اور

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۲۳ صفحہ ۴-۵ مورخہ ۷؍ جون ۱۹۰۶ء
(منقول از رسالہ تشحیذ الاذہان جلد ۱ نمبر ۲ بابت جون ۱۹۰۶ء)

[2] حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان ملفوظات پر کوئی تاریخ درج نہیں۔ لیکن اندازہ ہے کہ یہ ارشادات جون ۱۹۰۶ء کے پہلے تین ہفتوں کی کسی تاریخ کے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (خاکسار مرتب)

نہ کوئی کشش ہے۔ برخلاف اس کے رنڈیوں کے راگ میں خراب کاروں کے واسطے ایک لذت ہے گو وہ ظاہری ہے اور بدی کی طرف ہے۔ مگر لوگ ایک ظاہری لذت کی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں۔ اگر واعظین کے وعظ میں کشش اور لذت ہوتی تو وہ سب کو کھینچ کر اپنی طرف لے آتے۔ ہر ایک مصلح، ریفارمر، ولی، نبی میں چار باتوں کا ہونا ضروری ہے۔

اوّل اس میں ایک بصیرت ہو جس سے وہ علمی مسائل کو ایسے رنگ میں پیش کرے جس سے سُننے والوں کو ایک لذت حاصل ہو۔ کیونکہ نامعقول بات سے انسان کے دل میں ایک خلش رہتی ہے اور معقول بات خواہ مخواہ پسندیدہ ہوتی ہے اور اس میں ایک لذت ہوتی ہے جیسا کہ شربت میں طبعاً ایک لذت محسوس ہوتی ہے۔

دوئم یہ کہ اس میں ایک عملی طاقت ہو۔ خود عالم باعمل ہو۔ صدق، وفا اور شجاعت اس میں پائی جاتی ہو، کیونکہ جو شخص خود عمل کرنے والا نہیں۔ اس کا اثر دوسروں پر ہرگز نہیں ہو سکتا۔

سوئم یہ کہ اس میں کشش ہو۔ کوئی نبی نہیں جس میں قوتِ جاذبہ نہ ہو۔ ہر ایک مامور کو ایک قوتِ جاذبہ عطا کی جاتی ہے کہ وہ اپنی جگہ بیٹھا ہوا دوسروں کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور لوگ اس کی طرف کھنچے ہوئے چلے آتے ہیں۔

چہارم یہ کہ وہ خوارق اور کرامات دکھائے اور نشانات کے ذریعہ سے لوگوں کے ایمان کو پختہ کرے۔

ان وعظ کرنے والے لوگوں میں ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی نہیں پائی جاتی۔

ضرورتِ امام

نادان لوگ کہتے ہیں کہ امام کی ضرورت کیا ہے؟ سب لوگ نماز حج وغیرہ فرائض اپنی اپنی جگہ ادا کر رہے ہیں۔ مگر یہ لوگ جھوٹا کہتے ہیں۔ فی زمانہ ان کے درمیان نہ اندرونی خوبیاں ہیں اور نہ بیرونی۔ اللہ تعالیٰ نے جو اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ میں ایسے لوگوں کا ذکر کیا وہ انعامات ان کے درمیان کہاں پائے جاتے ہیں۔ یہ لوگ تو خود ہی تاریکی میں پڑے ہوتے ہیں۔ اخلاق خراب ہیں۔ اعمال خراب ہیں۔ ایمان نہیں۔ دین صرف ایک رسم رہ گیا ہے جس میں خالی استخوان ہے اور مغز نہیں۔ بیرونی حملوں کا یہ حال ہے کہ کوئی خاندان ایسا نہیں جس میں کوئی نہ کوئی مُرتد نہ ہو گیا ہو۔ وہ جو مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوئے تھے اور جن کے کانوں میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا کلمہ پڑھا گیا تھا۔ اب گرجوں میں بیٹھ کر ایک خدا کے ساتھ دوسرے اور تیسرے خدا بناتے ہیں۔ اور مُردوں کی پرستش کرتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) گالیاں دیتے ہیں۔ اسلامی سلطنتوں کا یہ حال ہے کہ سب سے زیادہ فخر سلطانِ روم پر کیا جاتا ہے جو رات دن یورپ کی سلطنت سے خوفزدہ رہتا ہے اور بمشکل اپنی زندگی کے دن کاٹ رہا ہے وہ کونسی خوش قسمتی کی بات ہے جو اس وقت مسلمانوں کے درمیان پائی جاتی ہے۔ ہر پہلو سے ان کے حالات پر رونا آتا

ہے۔ایک اہل الرائے ان کے حال سے بالکل ناامیدی ظاہر کرتا ہے۔

ہمارا ہتھیار دُعا ہے

دشمن بداندیش صرف عداوت کے سبب ہماری ہر بات اور ہر فعل پر اعتراض کرتا ہے کیونکہ اس کا دل خراب ہے اور جب کسی کا دل خراب ہوتا ہے تو پھر چاروں طرف اندھیرا ہی نظر آتا ہے۔ یہ نادان کہتے ہیں کہ وہ اپنی جگہ پر بیٹھے ہیں اور کچھ کام نہیں کرتے۔ مگر وہ خیال نہیں کرتے کہ مسیح موعود کے متعلق کہیں یہ نہیں لکھا کہ وہ تلوار پکڑے گا اور نہ یہ لکھا ہے کہ وہ جنگ کرے گا بلکہ یہی لکھا ہے کہ مسیح کے دم سے کافر مریں گے یعنی وہ اپنی دُعا کے ذریعہ سے تمام کام کرے گا۔ اگر مَیں جانتا کہ میرے باہر نکلنے سے اور شہروں میں پھرنے سے کچھ فائدہ ہو سکتا ہے تو مَیں ایک سیکنڈ بھی یہاں نہ بیٹھتا مگر مَیں جانتا ہوں کہ پھرنے میں سوائے پاؤں گھسانے کے اور کوئی فائدہ نہیں ہے اور یہ سب مقاصد جو ہم حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ صرف دُعا کے ذریعہ سے حاصل ہو سکیں گے۔ دُعا میں بڑی قوتیں ہیں۔

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک بادشاہ ایک ملک پر چڑھائی کرنے کے واسطے نکلا۔ راستہ میں ایک فقیر نے اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور کہا کہ تم آگے مت بڑھو ورنہ مَیں تمہارے ساتھ لڑائی کروں گا۔ بادشاہ حیران ہوا اور اس سے پوچھا کہ تُو ایک بے سروسامان فقیر ہے تو کس طرح میرے ساتھ لڑائی کرے گا؟ فقیر نے جواب دیا کہ مَیں صبح کی دُعاؤں کے ہتھیار سے تمہارے مقابلہ میں جنگ کروں گا۔ بادشاہ نے کہا مَیں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یہ کہہ کر وہ واپس چلا گیا۔

غرض دُعا میں خدا تعالیٰ نے بڑی قوتیں رکھی ہیں۔ خدا تعالیٰ نے مجھے بار بار بذریعہ الہامات کے یہی فرمایا ہے کہ جو کچھ ہوگا دُعا ہی کے ذریعہ سے ہوگا۔ ہمارا ہتھیار تو دُعا ہی ہے اور اس کے سوائے اور کوئی ہتھیار میرے پاس نہیں۔ جو کچھ ہم پوشیدہ مانگتے ہیں خدا تعالیٰ اس کو ظاہر کر کے دکھا دیتا ہے۔ گذشتہ انبیاء کے زمانہ میں بعض مخالفین کو نبیوں کے ذریعہ سے بھی سزا دی جاتی تھی مگر خدا جانتا ہے کہ ہم ضعیف اور کمزور ہیں۔ اس واسطے اس نے ہمارا سب کام اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ اسلام کے واسطے اب یہی ایک راہ ہے جس کو خشک مُلّا اور خشک فلسفی نہیں سمجھ سکتا۔ اگر ہمارے واسطے لڑائی کی راہ کھلی ہوتی تو اس کے لیے تمام سامان بھی مہیا ہو جاتے۔ جب ہماری دُعائیں ایک نقطہ پر پہنچ جائیں گی تو جھوٹے خود بخود تباہ ہو جائیں گے۔ نادان دشمن جو سیاہ دل ہے وہ کہتا ہے کہ انکو سوائے سونے اور کھانے کے اور کچھ کام ہی نہیں۔ مگر ہمارے نزدیک دُعا سے بڑھ کر اور کوئی تیز ہتھیار ہی نہیں۔ سعید وہ ہے جو اس بات کو سمجھے کہ خدا تعالیٰ اب دین کو کس راہ سے ترقی دینا چاہتا ہے۔[1]

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۲۵ صفحہ ۴ مورخہ ۲۱ رجون ۱۹۰۶ء

بلا تاریخ[1]

کامل تعلیم کے اوصاف

ایک فرقۂ مذہبی کا ذکر آیا کہ وہ صرف چند باتوں کے ترک پر زور دیتے ہیں اور بس۔ فرمایا:۔

یہ تعلیم ناقص ہے۔ صرف ترک سے وصول نہیں ہوتا کیونکہ ترک مستلزمِ وصول نہیں۔ اس کی مثال اس طرح سے ہے کہ ایک شخص نے لاہور جانا ہے اور گورداسپور نہیں جانا۔ صرف اتنے سے کہ وہ گورداسپور نہیں گیا یہ امر حاصل نہیں ہو سکتا کہ وہ لاہور پہنچ گیا ہے۔ ترکِ معاصی اور شئے ہے اور نیکیوں کا حصول اور قربِ الٰہی دوسری شئے ہے۔ عیسائیوں نے بھی اس معاملہ میں بڑا دھوکا کھایا ہے اور اسی واسطے انہوں نے کفارہ کا غلط مسئلہ ایجاد کیا ہے کہ یسوع کے پھانسی ملنے سے ہمارے گناہ دور ہو گئے۔ اوّل تو یہ بات ہی غلط ہے کہ ایک شخص کا پھانسی ملنا سبب کے گناہ دُور کر دے۔ دوم اگر گناہ دُور بھی ہو جاویں تو صرف گناہ کا موجود نہ ہونا کوئی خوبی کی بات نہیں ہے۔ بہت کیڑے مکوڑے اور بھیڑ بکریاں دُنیا میں موجود ہیں جن کے ذمہ کوئی گناہ نہیں لیکن وہ خدا تعالیٰ کے مقربوں میں سے نہیں شمار ہو سکتے اور ایسا ہی کثرت سے اس قسم کے ابلہ اور سادہ لوح لوگ موجود ہیں جو کوئی گناہ نہیں کرتے نہ چوری، نہ زنا، نہ جھوٹ، نہ بدکاری، نہ خیانت، لیکن ان گناہوں کے نہ کرنے کے سبب وہ مقربانِ الٰہی میں شمار نہیں ہو سکتے۔ انسان کی خوبی اس میں ہے کہ وہ نیکیاں اختیار کرے اور خدا تعالیٰ کو راضی کرنے کے کام کرے اور معرفتِ الٰہی کے مدارج حاصل کرے اور رُوحانیت میں ترقی کرے اور ان لوگوں میں شامل ہو جاوے جو بڑے بڑے انعام حاصل کرتے ہیں۔ اس کے واسطے قرآنِ شریف میں دونو باتوں کی تعلیم دی گئی ہے۔ ایک ترکِ گناہ اور دوم حصولِ قربِ الٰہی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ابرار کی دو صفتیں ہیں ایک یہ کہ وہ کافوری شربت پیتے ہیں جس سے گناہوں کے جوش ٹھنڈے ہو جاتے ہیں اور پھر زنجبیلی شربت پیتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں مشکل گھاٹیوں کو طے کرتے ہیں۔ وہ آیت کریمہ اس طرح سے ہے۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۔ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ۔ (الدھر: ۶-۷)

پھر فرمایا:۔

وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا (الدھر: ۱۸)

---

[1] ان ملفوظات پر کوئی تاریخ تو درج نہیں۔ اندازاً جون ۱۹۰۶ء کے آخری ہفتہ یا جولائی ۱۹۰۶ء کے پہلے عشرہ کے معلوم ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (خاکسار مرتب)

ایسے لوگ جو خدا میں محو ہیں خدا تعالیٰ نے اُن کو وہ شربت پلایا ہے جس نے ان کے دل اور خیالات اور ارادات کو پاک کر دیا۔ نیک بندے وہ شربت پی رہے ہیں جس کی ملونی کافور ہے وہ اس چشمہ سے پیتے ہیں جس کو وہ آپ ہی چیرتے ہیں۔ اور میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں کہ کافور کا لفظ اس واسطے اس آیت میں اختیار فرمایا گیا ہے کہ لغتِ عرب میں کفر دبانے اور ڈھانکنے کو کہتے ہیں۔ سو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے ایسے خلوص سے انقطاع اور رجوع الی اللہ کا پیالہ پیا ہے کہ دُنیا کی محبت بالکل ٹھنڈی ہو گئی ہے۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ تمام جذبات دل کے خیال سے ہی پیدا ہوتے ہیں اور جب دل ان نالائق خیالات سے بہت ہی دُور چلا جاوے اور کچھ تعلقات ان سے باقی نہ رہیں تو وہ جذبات بھی آہستہ آہستہ کم ہونے لگتے ہیں یہانتک کہ نابود ہو جاتے ہیں۔ سو اس جگہ خدا تعالیٰ کی یہی غرض ہے اور وہ اس آیت میں یہی سمجھاتا ہے کہ وہ اس کی طرف کامل طور سے جُھک گئے۔ وہ نفسانی جذبات سے بہت ہی دُور نکل گئے اور ایسے خدا تعالیٰ کی طرف جُھکے کہ دنیا کی سرگرمیوں سے اُن کے دل ٹھنڈے ہو گئے اور ان کے جذبات ایسے دب گئے جیسا کہ کافور زہریلے مادوں کو دبا دیتا ہے اور پھر فرمایا کہ وہ لوگ اس کافوری پیالہ کے بعد وہ پیالے پیتے ہیں جن کی ملونی زنجبیل ہے

اب جاننا چاہیئے کہ زنجبیل دو لفظوں سے مرکب ہے یعنی زَنَا اور جَبَل سے اور زَنَا لغتِ عرب میں اُوپر چڑھنے کو کہتے ہیں اور جبل پہاڑ کو۔ اس کے ترکیبی معنے یہ ہیں کہ پہاڑ پر چڑھ گیا۔ اب جاننا چاہیئے کہ انسان پر ایک زہریلی بیماری کے فرو ہونے کے بعد اعلیٰ درجہ کی صحت تک دو حالتیں آتی ہیں۔ ایک وہ حالت جبکہ زہریلے مواد کا جوش بکلی جاتا رہتا ہے اور خطرناک مادوں کا جوش رُو با صلاح ہو جاتا ہے اور سمّی کیفیات کا حملہ بخیرو عافیت گذر جاتا ہے اور ایک مہلک طوفان جو اُٹھا تھا نیچے دب جاتا ہے، لیکن ہنوز اعضاء میں کمزوری باقی ہوتی ہے کوئی طاقت کا کام نہیں ہو سکتا۔ ابھی مردہ کی طرح افتاں و خیزاں چلتا ہے۔ دوسری وہ حالت ہے کہ جب اصل صحت عود کر آتی ہے اور بدن میں طاقت بھر جاتی ہے اور قوت کے بحال ہونے سے یہ حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے کہ بلا تکلف پہاڑ کے اوپر چڑھ جاوے اور نشاطِ خاطر سے اُونچی گھاٹیوں پر دوڑتا چلا جاوے۔ سو سلوک کے تیسرے مرتبہ میں یہ حالت میسّر آتی ہے۔ ایسی حالت کی نسبت اللہ تعالیٰ آیت موصوفہ میں اشارہ فرماتا ہے کہ انتہائی درجہ کے باخدا لوگ وہ پیالے پیتے ہیں جن میں زنجبیل ملی ہوئی ہے یعنی وہ رُوحانی حالت کی پوری قوت پا کر بڑی بڑی گھاٹیوں پر چڑھ جاتے ہیں اور بڑے مشکل کام اُن کے ہاتھ سے انجام پذیر ہوتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی راہ میں حیرت ناک جانفشانیاں دکھلاتے ہیں۔

اس جگہ یہ بھی واضح رہے کہ علمِ طب کی رو سے زنجبیل وہ دوا ہے جسے ہندی میں سونٹھ کہتے ہیں۔ وہ حرارتِ غریزی کو بہت قوت دیتی ہے اور دستوں کو بند کرتی ہے اور اس کا زنجبیل اسی واسطے نام رکھا گیا ہے کہ گویا وہ

کمزور کو ایسا قوی کرتی ہے اور ایسی گرمی پہنچاتی ہے جس سے وہ پہاڑوں پر چڑھ سکے۔ ان متقابل آیتوں کے پیش کرنے سے جن میں ایک جگہ کافور کا ذکر ہے اور ایک جگہ زنجبیل کا، خدا تعالیٰ کی یہ غرض ہے کہ تا اپنے بندوں کو سمجھائے کہ جب انسان جذباتِ نفسانی سے نیکی کی طرف حرکت کرتا ہے تو پہلے پہل اس حرکت کے بعد یہ حالت پیدا ہوتی ہے کہ اس کے زہریلے مواد نیچے دبائے جاتے ہیں اور نفسانی جذبات رُوبکمی ہونے لگتے ہیں جیسا کہ کافور زہریلے مواد کا جوش بالکل جاتا رہے اور ایک کمزور صحت جو ضعف کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہے حاصل ہو جاتی ہے تو پھر دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ وہ ضعیف بیمار زنجبیل کے شربت سے قوت پاتا ہے اور زنجبیلی شربت خدا تعالیٰ کے حُسن وجمال کی تجلّی ہے جو رُوح کی غذا ہے۔ جب اس تجلّی سے انسان قوت پکڑتا ہے تو پھر بلند اور اُونچی گھاٹیوں پر چڑھنے کے لائق ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی راہ میں ایسی حیرت ناک سختی کے کام دکھلاتا ہے کہ جب تک یہ عاشقانہ گرمی کسی کے دل میں نہ ہو، ہرگز ایسے کام دکھلا نہیں سکتا۔ سو خدا تعالیٰ نے اس جگہ ان دو حالتوں کے سمجھانے کے لیے عربی زبان کے دو لفظوں سے کام لیا ہے۔ ایک کافور جو نیچے دبانے والے کو کہتے ہیں اور دوسرے زنجبیل جو اوپر چڑھنے والے کو کہتے ہیں اور اس راہ میں یہی دو حالتیں سالکوں کے لیے واقع ہیں۔[1]

۱۴؍جولائی ۱۹۰۶ء

قبل نماز ظہر

بے ثباتیٔ دنیا

ایک معزز خاندانی ہندو دیوان صاحب جو صرف حضرت کی ملاقات کے واسطے قادیان آئے تھے قبل نماز ظہر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خواہش ظاہر کی کہ ان کو کچھ نصیحت کی جائے۔

حضرت نے فرمایا:۔

ہر ایک شخص کا ہمدردی کا رنگ جُدا ہوتا ہے۔ اگر آپ ڈاکٹر کے پاس جائیں تو وہ آپ کے ساتھ یہی ہمدردی کر سکتا ہے کہ آپ کی کسی بیماری کا علاج کرے اور اگر آپ حاکم کے پاس جائیں تو اس کی ہمدردی یہ ہے کہ کسی ظالم کے ظلم سے بچائے ایسا ہی ہر ایک کی ہمدردی کا رنگ جُدا ہے۔ ہماری طرف سے ہمدردی یہ ہے کہ ہم آپ کو نصیحت کرتے ہیں کہ دُنیا روزے چند ہے۔ اگر یہ خیال دل میں پختہ ہو جائے تو تمام جھوٹی خوشیاں پامال ہو جاتی اور انسان خدا تعالیٰ کی طرف اپنا دل لگاتا ہے۔ لمبے منصوبے اور ناجائز کارروائیاں انسان اسی واسطے

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۲۶، ۲۷، ۲۸ صفحہ ۳ بابت ۲۸؍جون ۵، ۱۲؍جولائی ۱۹۰۶ء

کرتا ہے کہ اس کو معلوم نہیں کہ زندگی کے ایام کتنے ہیں۔ جب انسان جان لیتا ہے کہ موت اس کے آگے کھڑی ہے تو پھر وہ گناہ کے کاموں سے رُک جاتا ہے۔ خدا رسیدہ لوگوں کو ہر روز اپنے اور اپنے دوستوں کے متعلق معلوم ہوتا رہتا ہے کہ ان کے ساتھ کیا پیش آنے والا ہے۔ اس واسطے وہ دُنیا کی باتوں پر خوش نہیں ہو سکتے اور نہ اُن پر تسلی پکڑ سکتے ہیں۔

دیکھو اس وقت ملک میں طاعون پھیلی ہوئی ہے۔ خدا تعالیٰ نے مجھے اس کے متعلق ایسے وقت میں اطلاع دی تھی جبکہ یہاں طاعون کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ اسی وقت میں نے لوگوں کو اس کے متعلق اطلاع کر دی تھی۔ یاد رکھو۔ جب غفلت اور دُنیا پرستی بہت بڑھ جاتی ہے تو پھر تباہیوں کے آنے کا وقت ہوتا ہے۔ میں بار بار کہہ چکا ہوں کہ جب تک یہ لوگ شرارت کو نہ چھوڑیں گے اور اپنی اصلاح نہ کریں گے اور اپنے اخلاق درست نہ کر لیں گے تب تک یہ بیماری ملک سے دُور نہ ہوگی۔

ایسا ہی دوسری بلا زلزلہ کی ہے۔ ہمارے ملک کے لوگ اس قسم کے خوفناک زلزلوں سے کبھی آگاہ نہ تھے۔ کبھی اتفاقی کوئی زلزلہ آجاتا تھا۔ لیکن اب نہایت خوفناک زلزلے آتے ہیں اور خدا تعالیٰ نے مجھے بار بار اطلاع دی ہے کہ ہنوز ایک سخت تباہ کن زلزلہ آنے والا ہے۔ جس سے یہ مطلب ہے کہ لوگ کسی طرح خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کریں۔ وہ ربّ جس نے پیدا کیا ہے اس کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ جب انسان خدا تعالیٰ کی طرف جُھکتا ہے تو اُس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اس کی عمر زیادہ ہو جاتی ہے اور خوفناک صدموں کے وقت وہ بچایا جاتا ہے۔

بدظنی

سارے گناہوں کی جڑ بدظنی ہے۔ لکھا ہے کہ جب کافر لوگ جہنم میں ڈالے جائیں گے انہیں کہا جائے گا کہ یہ تمہاری بدظنی کا نتیجہ ہے۔ خدا تعالیٰ کا رسول تمہارے پاس آیا۔ اس نے تمہیں نیکی کی بات سکھائی۔ توبہ اور استغفار کا سبق دیا پر تم نے اس کی مخالفت کی۔ اور اس پر بدظنی کر کے کہا کہ تجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی الہام نہیں ہوتا۔ تُو سب باتیں اپنے پاس سے بنا کر کہتا ہے۔

دیکھو ہم خدا تعالیٰ سے خبر پاکر مخلوق کو اطلاع دیتے ہیں کہ ایک سخت زلزلہ آنے والا ہے۔ تم نیکی اختیار کرو۔ بدیوں سے بچو۔ اپنی اصلاح کرو اور خدا تعالیٰ سے ڈرو تاکہ تم مصیبت کے وقت میں بچائے جاؤ اور تم پر رحم کیا جاوے۔ اس کے جواب میں یہ لوگ اخباروں میں اور خطوں میں ہم کو گندی گالیاں دیتے ہیں اور ہر طرح سے ستانے کی کوشش کرتے ہیں اور دُکھ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تُو جھوٹا ہے اور افتراء کرتا ہے مگر ہمارا فرض ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو خبر ہم کو دی ہے وہ ہم ان لوگوں کو پہنچا دیں۔ ایک شخص ایک گاؤں میں رہنے والا یقیناً جانتا ہے کہ صبح ہوتے یہ گاؤں ہلاک ہو جائے گا۔ پھر اگر وہ گاؤں کے رہنے والوں کو اس طوفان سے

مطلع نہ کرے تو کیا کرے ؟ یہی حال حضرت نوحؑ کے زمانہ میں ہوا تھا جبکہ حضرت نوحؑ کشتی بناتے تھے تو لوگ ہنستے تھے اور ٹھٹھا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ دیکھو یہ کیسا دیوانہ ہے کہ خشکی پر شہر میں کشتی بناتا ہے۔ مگر وہ نہ جانتے تھے کہ وہ خود ہی غلطی پر ہیں اور حضرت نوحؑ کی کارروائی درست اور راست ہے۔ اسی طرح آجکل بھی گو امساکِ باراں ہے مگر قسم قسم کے طوفانوں اور زلازل سے دُنیا پر عذاب آنے والے ہیں۔ جیسا کہ پہلے زمانوں کی تمام شرارتیں اور مفاسد آجکل جمع ہو گئے ہیں۔ ایسا ہی پہلے زمانوں میں جو عذاب اور بلائیں متفرق وقتوں میں وارد ہوا کرتی تھیں وہ سب کی سب اب اس زمانہ میں جمع ہو گئی ہیں۔

جس قدر قانون بڑھتا جاتا ہے ساتھ ہی فریب اور دھوکہ بھی بڑھتا جاتا ہے۔ سرکار اس واسطے قانون بناتی ہے کہ ملک میں امن پھیلے۔ شریر لوگ اسی قانون میں سے ایک ایسی بات نکالتے ہیں کہ ان کو اپنی شرارت کے پورا کرنے کا اور بھی موقعہ مل جائے۔ اگر کوئی کسی کا قرضدار ہوتا ہے تو اسی فکر میں رہتا ہے کہ قرضہ کی میعاد گذر چکی ہے اور نہیں سوچتا کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک کوئی میعاد نہیں۔

غیر مذہب والوں سے خوش خُلقی

مذکورہ بالا ہندو صاحب نے عرض کیا کہ مجھے تو لوگ ڈراتے تھے کہ مرزا صاحب تو کسی کے ساتھ بات نہیں کرتے اور ہندوؤں کے ساتھ بہت بد خلقی سے پیش آتے ہیں میں نے یہ سب بات اس کے برخلاف پائی ہے اور آپ کو اعلیٰ درجہ کا خلیق اور مہمان نواز دیکھا ہے۔

حضرت نے فرمایا :-

لوگ جھوٹی خبریں اُڑا دیتے ہیں۔ ہمیں خدا تعالیٰ نے وسیع اخلاق سکھلائے ہیں۔ بلکہ ہمیں افسوس ہے کہ ہم پوری طرح سے آپ کے ساتھ اخلاقِ حسنہ کا اظہار نہیں کر سکتے کیونکہ آپ کی قومی رسم کے مطابق ہمارا کھانا کھا لینا جائز نہیں۔ ایسے ہندو مہمانوں کے کھانے کے انتظام ہم کسی ہندو کے ہاں کر لیا کرتے ہیں لیکن اس کھانے کی ہم خود نگرانی نہیں کر سکتے۔ ہمارے اصول میں داخل نہیں کہ اختلافِ مذہبی کے سبب کسی کیساتھ بد خلقی کریں اور بد خلقی مناسب بھی نہیں، کیونکہ نہایت کار ہمارے نزدیک غیر مذہب والا ایک بیمار کی مانند ہے جس کو صحتِ رُوحانی حاصل نہیں۔ پس بیمار تو اور بھی قابلِ رحم ہے جس کے ساتھ بہت خلق اور حلم اور نرمی کیساتھ پیش آنا چاہیئے۔ اگر بیمار کے ساتھ بد خلقی کی جاوے تو اس کی بیماری اور بھی بڑھ جائے گی۔ اگر کسی میں کجی اور غلطی ہے تو محبت کے ساتھ سمجھانا چاہیئے۔

ہمارے بڑے اصول دو ہیں۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق صاف رکھنا اور اس کے بندوں کے ساتھ ہمدردی اور اخلاق سے پیش آنا۔ (بدر جلد ۲ نمبر ۲۹ صفحہ ۳ مورخہ ۱۹ جولائی ۱۹۰۶ء)

بلا تاریخ[1]

سچے مذہب کی پہچان

ایک ہندو نے حضرت اقدس کی خدمت میں عرض کی کہ سچے مذہب کی کیا شناخت ہے؟ دُنیا میں اس قدر مذاہب پھیلے ہوئے ہیں ان میں سے کس طرح شناخت کریں کہ سب سے افضل اور اعلیٰ مذہب قابلِ قبول کونسا ہے؟

حضرت نے فرمایا:

جس مذہب میں سب سے زیادہ تعظیمِ الٰہی اور سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کا سامان ہو وہی سب سے اعلیٰ مذہب ہے۔ انسان اسی چیز کی قدر زیادہ کرتا ہے جس کا علم اس کو زیادہ حاصل ہوتا ہے مثلاً ایک شخص کو معلوم ہو کہ فلاں مکان میں ایک سانپ پھرتا ہے اور وہ آدمیوں کو کاٹتا ہے تو وہ شخص کبھی جرأت نہ کرے گا کہ رات کو ایسے مکان میں جاکر سوئے۔ اگر کسی کو معلوم ہو جائے کہ اس کھانے میں جو میرے آگے رکھا ہے زہر ہے تو وہ ہرگز کبھی ایک لقمہ بھی اس کھانے میں سے نہ اُٹھائے گا۔ اگر کسی گاؤں میں طاعون ہو اور لوگ مر رہے ہوں تو کوئی شخص اس گاؤں میں جانے کا حوصلہ نہیں کرتا۔ جس کو معلوم ہو کہ جنگل میں شیر رہتا ہے وہ اس جنگل میں ہرگز داخل نہیں ہوتا۔ ان سب کا اصل علم اور معرفت ہے جس چیز کا علم انسان کو بخوبی ہو جاوے اور اس کے متعلق معرفتِ تام پیدا ہو جاوے۔ انسان اس کے برخلاف بالکل نہیں کر سکتا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ لوگ گناہ کو ترک نہیں کرتے؟ اس کا سبب یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کی ہستی کا کامل علم اور معرفتِ تام اُن کو حاصل نہیں۔

یہ جو کہا جاتا ہے اور اقرار کیا جاتا ہے کہ ہم خدا پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ صرف ایک رسمی ایمان ہے ورنہ دراصل گناہ سوز معرفت حاصل نہیں ہے۔ اگر وہ حاصل ہو تو ممکن ہی نہیں کہ انسان پھر گناہ کر سکے۔ ہر شئے کی قدر اس کی پہچان اور معرفت سے ہوتی ہے۔ دیکھو۔ ایک جاہل گنوار کو ایک قیمتی پتھر لعل یا موتی مل جاوے تو وہ حد درجہ اس کو دو چار پیسہ میں فروخت کر دے گا۔ یہی مثال ان نادانوں کی ہے جنہوں نے خدا تعالیٰ کو نہیں پہچانا وہ الٰہی احکام کے بالمقابل دو چار پیسوں کی زیادہ قدر کرتے ہیں۔ جہاں کوئی دنیوی تھوڑا سا فائدہ نظر آتا ہے۔ وہاں اپنا ایمان فروخت کر دیتے ہیں۔ جھوٹی گواہیاں عدالتوں میں جاکر دو آنہ یا چار آنہ کے بدلے دیتے ہیں۔ انکے نزدیک خدا تعالیٰ کے اس پاک حکم کی قدر کہ جھوٹ نہ بولو اور سچی گواہی دو اس سے بڑھ کر نہیں کہ دو چار آنہ کی خاطر اس کو چھوڑ دیں اور بیچ ڈالیں۔ خدا تعالیٰ کی آیتوں کو تھوڑے مول پر بیچنے کے یہی معنے ہیں کہ انسان تھوڑے سے

---

[1] قیاس ہے کہ شائد جولائی سنہ ۱۹۰۶ء کی کسی تاریخ کی یہ ڈائری ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (مرتب)

ظاہری فائدہ کی خاطر احکامِ الٰہی کی بے قدری کرتا ہے۔

آجکل جو مذاہب لوگوں میں رائج ہیں وہ سب قومی مذاہب ہیں یعنی ایک قومیت کی ترویج کی جاتی ہے۔ ورنہ سچا مذہب وہ ہے جو خدا تعالیٰ کے خوف سے شروع ہوتا ہے اور خوف اور محبت کی جڑھ معرفت ہے پس مذہب وہ اختیار کرنا چاہیئے جس سے خدا تعالیٰ کی معرفت اور گیان بڑھ جائے اور خدا تعالیٰ کی تعظیم دلوں میں بیٹھ جائے۔ جس مذہب میں صرف پُرانے قصے ہوں وہ ایک مُردہ مذہب ہے۔ دیکھو خدا وہی ہے جو پہلے تھا اس کی عبادت سے جو پھل پہلے لوگ پا سکتے تھے وہی پھل اب بھی پا سکتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے اپنے اخلاق بدل نہیں ڈالے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ یہ لوگ صرف ایک خشک لکڑی کی طرح ہیں جس کے ساتھ کوئی پھل نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے خدا تعالیٰ کو پہچانا ہی نہیں۔ اگر پہچانتے تو ان پر ضرور برکات نازل ہوتے مگر اس راہ میں بہت مشکلات ہیں اور یہ بڑی قوت والوں کا کام ہے اور خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے جس کو چاہے قوت عطا فرمائے اگر انسان تلاش میں لگا رہے تو ہو سکتا ہے کہ کسی وقت اس کو قوت عطا ہو جائے۔ استقامت شرط ہے ہمت کے ساتھ خدا تعالیٰ کو تلاش کرو تو اسے پالو گے۔[1]

بلا تاریخ[2]

گناہ اور ان کی بخشش

ایک شخص نے حضرت صاحب کی خدمت میں عرض کی کہ دُنیا میں لوگ بہت گنہگار ہوں گے مگر میرے جیسا گنہگار تو کوئی نہ ہوگا۔ مَیں نے بڑے بڑے سخت گناہ کئے ہیں۔ میری بخشش کس طرح ہوگی؟

حضرت نے فرمایا:۔

دیکھو۔ خدا تعالیٰ جیسا غفور اور رحیم کوئی نہیں۔ اللہ تعالیٰ پر یقین کامل رکھو کہ وہ تمام گناہوں کو بخش سکتا ہے اور بخش دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر دُنیا بھر میں کوئی گنہگار نہ رہے تو مَیں ایک اور اُمّت پیدا کروںگا جو گناہ کرے اور مَیں اس کے گناہ بخش دوں۔ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام غفور ہے اور ایک رحیم۔ یاد رکھو کہ گناہ ایک زہر ہے اور ہلاکت ہے مگر توبہ اور استغفار ایک تریاق ہے۔ قرآن شریف میں آیا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَ یُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ (البقرۃ: ۲۲۳) اللہ تعالیٰ اُن لوگوں سے پیار کرتا ہے جو توبہ کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ پاک ہو جاویں۔ خدا تعالیٰ نے ہر ایک شے میں ایک حکمت رکھی ہے۔ اگر

---

[1] الحکم جلد ۱۰ نمبر ۲۶ صفحہ ۹ مورخہ ۲۴ جولائی ۱۹۰۶ء

[2] قیاس ہے کہ غالباً یہ جولائی ۱۹۰۶ء کے دوسرے ہفتہ کی ڈائری ہے۔ واللّٰہ اعلم بالصواب (مرتب)

آدم گناہ کرکے توبہ نہ کرتا اور خدا تعالیٰ کی طرف نہ جھکتا تو صفی اللہ کا لقب کہاں سے پاتا؟ اگر کوئی انسان ایسا اپنے آپ کو دیکھتا کہ جیسا ماں کے پیٹ سے نکلا ہے اور اپنے اندر کوئی گناہ نہ دیکھتا تو اس کے دل میں تکبر پیدا ہوتا جو تمام گناہوں سے بڑا گناہ ہے اور شیطان کا گناہ ہے۔ شیطان نے گھمنڈ کیا کہ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا اسی واسطے وہ شیطان بن گیا۔ گناہ جو انسان سے صادر ہوتا ہے وہ نفس کو توڑنے کے واسطے ہے۔ جب انسان سے گناہ ہوتا ہے تو وہ اپنی بدی کا اقرار کرتا ہے اور اپنے عجز کو یقین کرکے خدا تعالیٰ کی طرف جھکتا ہے جس طرح مکھی کے دو پر ہیں کہ ایک میں زہر ہے اور دوسرے میں تریاق ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اگر تمہارے کھانے پینے کی چیز میں مکھی پڑے تو وہ اپنا صرف ایک پر اس کے اندر ڈبوتی ہے جس میں زہر ہے پر تم اس کو نکالنے سے پہلے اس کا دوسرا پر بھی ڈبولو کہ وہ اس کے بالمقابل تریاق ہے۔ یہ مثال انسان کے گناہ اور توبہ کی ہے۔ اگر گناہ صادر ہو جائے تو توبہ کرو کہ وہ اس کے واسطے تریاق ہے اور گناہ کے زہر کو دُور کر دیتی ہے۔ عاجزی اور تضرع سے خدا تعالیٰ کے حضور میں جھکو تا کہ تم پر رحم کیا جاوے۔ اگر گناہ نہ ہوتا تو ترقی بھی نہ ہوتی۔ جو شخص جانتا ہے کہ میں نے گناہ کیا ہے اور اپنے آپ کو ملزم دیکھتا ہے وہ خدا تعالیٰ کی طرف جھکتا ہے تب اس پر رحم کیا جاتا ہے اور وہ ترقی پکڑتا ہے۔ لکھا ہے۔ اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَہٗ۔ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے کہ گویا اس نے کبھی گناہ کیا ہی نہیں۔ لیکن توبہ سچے دل کے ساتھ ہونی چاہیئے اور نیتِ صادق کے ساتھ چاہیئے کہ انسان پھر کبھی اس گناہ کا مرتکب نہ ہوگا گو بعد میں بہ سبب کمزوری کے ہو جاوے لیکن توبہ کرنے کے وقت اپنی طرف سے یہ پختہ ارادہ اور سچی نیت رکھتا ہو کہ آئندہ یہ گناہ نہ کرے گا۔ نیت میں کسی قسم کا فساد نہ ہو بلکہ پختہ ارادہ ہو کہ قبر میں داخل ہونے تک اس بدی کے قریب نہ آئے گا تب وہ توبہ قبول ہو جاتی ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو امتحان میں ڈالتا ہے تا کہ ان کو انعام دیوے۔ انعام حاصل کرنے کے واسطے امتحانوں کا پاس کرنا ضروری ہے۔

نماز کے اندر دُعا

فرمایا:۔ نماز کے اندر ہی اپنی زبان میں خدا تعالیٰ کے حضور دُعا کرو۔ سجدہ میں، بیٹھ کر، رکوع میں، کھڑے ہو کر، ہر مقام پر اللہ تعالیٰ کے حضور دُعا کرو۔ بیشک پنجابی زبان میں دُعائیں کرو۔ جن لوگوں کی زبان عربی نہیں اور عربی سمجھ نہیں سکتے۔ اُن کے واسطے ضروری ہے کہ نماز کے اندر ہی قرآن شریف پڑھنے اور مسنون دُعائیں عربی میں پڑھنے کے بعد اپنی زبان میں بھی خدا تعالیٰ سے دُعائیں مانگے اور عربی دُعاؤں کا اور قرآن شریف کا بھی ترجمہ سیکھ لینا چاہیئے۔ نماز کو صرف جنتر منتر کی طرح نہ پڑھو بلکہ اس کے معانی اور حقیقت سے معرفت حاصل کرو۔ خدا تعالیٰ سے دُعا کرو کہ ہم تیرے گنہگار بندے ہیں اور نفس غالب ہے تو ہم کو معاف کر اور دُنیا اور آخرت کی آفتوں سے ہم کو بچا۔

آجکل لوگ جلدی جلدی نماز کو ختم کرتے ہیں اور پیچھے لمبی دُعائیں مانگنے بیٹھتے ہیں۔ یہ بدعت ہے۔ جس نماز میں تضرع نہیں۔ خدا تعالیٰ کی طرف رُجوع نہیں۔ خدا تعالیٰ سے رقت کے ساتھ دُعا نہیں وہ نماز تو خود ہی ٹوٹی ہوئی نماز ہے۔ نماز وہ ہے جس میں دُعا کا مزا آجاوے۔ خدا تعالیٰ کے حضور میں ایسی توجہ سے کھڑے ہو جاؤ کہ رقت طاری ہو جائے جیسے کہ کوئی شخص کسی خوفناک مقدمہ میں گرفتار ہوتا ہے اور اُس کے واسطے قید یا پھانسی کا فتویٰ لگنے والا ہوتا ہے۔ اس کی حالت حاکم کے سامنے کیا ہوتی ہے۔ ایسے ہی خوفزدہ دل کے ساتھ اللہ تعالےٰ کے سامنے کھڑا ہونا چاہیئے۔ جس نماز میں دل کہیں ہے اور خیال کسی طرف ہے اور منہ سے کچھ نکلتا ہے وہ ایک لعنت ہے جو آدمی کے منہ پر واپس ماری جاتی ہے اور قبول نہیں ہوتی۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ (الماعون: ۵،۶)

لعنت ہے اُن پر جو اپنی نماز کی حقیقت سے ناواقف ہیں۔ نماز وہی اصلی ہے جس میں مزا آجاوے۔ ایسی ہی نماز کے ذریعہ سے گناہ سے نفرت پیدا ہوتی ہے اور یہی وہ نماز ہے جس کی تعریف میں کہا گیا ہے کہ نماز مومن کا معراج ہے۔ نماز مومن کے واسطے ترقی کا ذریعہ ہے۔

اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ (هود: ۱۱۵)

نیکیاں بدیوں کو دُور کر دیتی ہیں۔ دیکھو بخیل سے بھی انسان مانگتا رہتا ہے تو وہ بھی کسی نہ کسی وقت کچھ دے دیتا ہے اور رحم کھاتا ہے۔ خدا تعالیٰ تو خود حکم دیتا ہے کہ مجھ سے مانگو اور میں تمہیں دوں گا۔ جب کبھی کسی امر کے واسطے دعا کی ضرورت ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی طریق تھا کہ آپ وضو کر کے نماز میں کھڑے ہو جاتے اور نماز کے اندر دُعا کرتے۔

دُعا کے معاملہ میں حضرت عیسیٰؑ نے خوب مثال بیان کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک قاضی تھا جو کسی کا انصاف نہ کرتا تھا اور رات دن اپنی عیش میں مصروف رہتا تھا ایک عورت جس کا ایک مقدمہ تھا وہ ہر وقت اس کے دروازے پر آتی اور اُس سے انصاف چاہتی۔ وہ برابر ایسا کرتی رہتی یہانتک کہ قاضی تنگ آگیا اور اس نے بالآخر اس مقدمہ کا فیصلہ کیا اور اس کا انصاف اُسے دیا۔ دیکھو کیا تمہارا خدا قاضی جیسا بھی نہیں کہ وہ تمہاری دُعا سُنے اور تمہیں تمہاری مُراد عطا کرے۔ ثابت قدمی کے ساتھ دُعا میں مصروف رہنا چاہیئے، قبولیت کا وقت بھی ضرور آہی جائے گا۔ استقامت شرط ہے [۱]

[۱] بدر جلد ۲ نمبر ۳۰ صفحہ ۳ مورخہ ۲۶ رجولائی ۱۹۰۶ء

۱۶؍جولائی ۱۹۰۶ء

ڈاکٹر عبدالحکیم

ڈاکٹر عبدالحکیم کا ذکر تھا۔ فرمایا:۔
وہ ہم سے ہی کیا پھرا ہے وہ تو خود اسلام سے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی پھر گیا ہے۔ افسوس تو ان مولویوں اور مسلمانوں پر ہے جو اسلام کا دعویٰ کر کے ایک ایسے آدمی کی حمایت کرتے ہیں اور اس کا ساتھ دیتے ہیں جو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو بھی ضروری نہیں جانتا اور اس کے نزدیک گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارے بغض کے سبب یہ لوگ ایسے کام کرتے ہیں کہ خود ہی اسلام کی مخالفت کر رہے ہیں۔

چراغ دین

چراغ دین مسیح بنتا تھا۔ عیسائیوں نے اس کی امداد کی۔ مگر خدا تعالیٰ کے مسیح کے بالمقابل وہ ناکام رہا۔ ہمارا دعویٰ بھی مسیح ہونے کا ہے لیکن ہمارے ساتھ عیسائی لوگ سخت عداوت رکھتے ہیں۔ اور چراغ دین کا دعویٰ بھی مسیح ہونے کا تھا مگر اس کی امداد اور نصرت میں کھڑے ہوگئے۔ وجہ یہ ہے کہ وہ جھوٹا تھا اور یہ بھی جھوٹے ہیں جو انسان کو خدا بناتے ہیں۔ جھوٹا جھوٹے کا حامی اور ناصر بن جاتا ہے، لیکن صادق کا ساتھ صرف وہی لوگ دے سکتے ہیں جو راستباز ہوں اور ایسے ہمیشہ تھوڑے ہوتے ہیں۔[1]

بلا تاریخ

خواتین کیلئے خصوصی نصائح

(ایک پرانی تحریر سے اقتباس)

(۱) ماتم کی حالت میں جزع فزع اور نوحہ یعنی سیاپا کرنا اور چیخیں مار کر رونا اور بے صبری کے کلمات زبان پر لانا یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ جن کے کرنے سے ایمان کے جانے کا اندیشہ ہے اور یہ سب رسمیں ہندوؤں سے لی گئی ہیں۔ جاہل مسلمانوں نے اپنے دین کو بھلا دیا اور ہندوؤں کی رسمیں اختیار کر لیں۔ کسی عزیز اور پیارے کی موت کی حالت میں مسلمانوں کے لیے قرآنِ شریف میں یہ حکم ہے کہ صرف اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کہیں۔ یعنی ہم خدا تعالیٰ کا مال اور مِلک ہیں۔ اُسے اختیار ہے جب چاہے اپنا مال لے لے اور اگر رونا ہو تو صرف آنکھوں سے آنسو بہانا جائز ہے اور جو اس سے زیادہ کرے وہ شیطان سے ہے۔

(۲) دوم برابر ایک سال تک سوگ رکھنا اور نئی نئی عورتوں کے آنے کے وقت یا بعض خاص دنوں میں سیاپا

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۳۰ صفحہ ۴ مورخہ ۲۶ جولائی ۱۹۰۶ء

کرنا اور باہم عورتوں کا سر ٹکرا کر چلانا رونا اور کچھ کچھ مُنہ سے بھی بکواس کرنا اور پھر برابر ایک برس تک بعض چیزوں کا پکانا چھوڑ دینا اس عذر سے کہ ہمارے گھر میں یا ہماری برادری میں ماتم ہو گیا ہے۔ یہ سب ناپاک رسمیں اور گناہ کی باتیں ہیں جن سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

(۳) سیاپا کرنے کے دنوں میں بے جا خرچ بھی بہت ہوتے ہیں۔ حرامخور عورتیں شیطان کی بہنیں جو دُور دُور سے سیاپا کرنے کے لیے آتی ہیں اور مکر و فریب سے مُنہ کو ڈھانپ کر اور بھینسوں کی طرح ایک دوسرے سے ٹکرا کر چیخیں مار کر روتی ہیں ان کو اچھے اچھے کھانے کھلائے جاتے ہیں اور اگر مقدور ہو تو اپنی شیخی اور بڑائی جتلانے کے لیے صدہا روپیہ کا پُلاؤ اور زردہ پکا کر برادری وغیرہ میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس غرض سے کہ لوگ واہ واہ کریں کہ فلاں شخص نے مرنے پر اچھی کرتوت دکھلائی۔ اچھا نام پیدا کیا۔ سو یہ سب شیطانی طریق ہیں جن سے توبہ کرنا لازم ہے۔

(۴) اگر کسی عورت کا خاوند مر جائے تو گو وہ عورت جوان ہی ہو دوسرا خاوند کرنا ایسا بُرا جانتی ہے جیسا کہ کوئی بڑا بھاری گناہ ہوتا ہے اور تمام عمر بیوہ اور رانڈ رہ کر یہ خیال کرتی ہے کہ میں نے بڑے ثواب کا کام کیا ہے اور پاکدامن بیوی ہو گئی ہوں۔ حالانکہ اس کے لیے بیوہ رہنا سخت گناہ کی بات ہے۔ عورتوں کے لیے بیوہ ہونے کی حالت میں خاوند کر لینا نہایت ثواب کی بات ہے۔ ایسی عورت حقیقت میں بڑی نیک بخت اور ولی ہے جو بیوہ ہونے کی حالت میں بُرے خیالات سے ڈر کر کسی سے نکاح کرلے اور نابکار عورتوں کے لعن طعن سے نہ ڈرے۔ ایسی عورتیں جو خدا اور رسول کے حکم سے روکتی ہیں خود لعنتی اور شیطان کی چیلیاں ہیں۔ جن کے ذریعہ سے شیطان اپنا کام چلاتا ہے جس عورت کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پیارا ہے اُس کو چاہیئے کہ بیوہ ہونے کے بعد کوئی ایماندار اور نیک بخت خاوند تلاش کرلے اور یاد رکھے کہ خاوند کی خدمت میں مشغول رہنا بیوہ ہونے کی حالت کے وظائف سے صدہا درجہ بہتر ہے۔

(۵) عورتوں میں ایک خراب عادت یہ بھی ہے کہ وہ بات بات میں مردوں کی نافرمانی کرتی ہیں اور ان کی اجازت کے بغیر ان کا مال خرچ کر دیتی ہیں اور ناراض ہونے کی حالت میں بہت کچھ بُرا بھلا اُن کے حق میں کہہ دیتی ہیں۔ ایسی عورتیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُول کے نزدیک لعنتی ہیں۔ ان کا نماز روزہ اور کوئی عمل منظور نہیں۔ اللہ تعالیٰ صاف فرماتا ہے کہ کوئی عورت نیک نہیں ہو سکتی جب تک پوری پوری خاوند کی فرمانبرداری نہ کرے اور دلی محبّت سے اس کی تعظیم نہ بجالائے اور پسِ پشت اس کے لیے اس کی خیر خواہ نہ ہو۔

اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عورتوں پر لازم ہے کہ اپنے مَردوں کی تابعدار رہیں ورنہ ان کا کوئی عمل منظور نہیں اور نیز فرمایا ہے کہ اگر غیر خدا کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو مَیں حکم کرتا کہ عورتیں اپنے خاوندوں کو

سجدہ کیا کریں۔ اگر کوئی عورت اپنے خاوند کے حق میں کچھ بدزبانی کرتی ہے یا اہانت کی نظر سے اس کو دیکھتی ہے اور حکم ربانی سُن کر بھی باز نہیں آتی تو وہ لعنتی ہے۔ خدا اور رسُول اس سے ناراض ہیں۔ عورتوں کو چاہیئے کہ اپنے خاوندوں کا مال نہ چُراویں اور نامحرم سے اپنے تئیں بچاتیں اور یاد رکھنا چاہیئے کہ بجز خاوند اور ایسے لوگوں کے جنکے ساتھ نکاح جائز نہیں اور جتنے مرد ہیں ان سے پردہ کرنا ضروری ہے جو عورتیں نامحرم لوگوں سے پردہ نہیں کرتیں شیطان انکے ساتھ ساتھ ہے۔

عورتوں پر یہ بھی لازم ہے کہ بدکار اور بدوضع عورتوں کو اپنے گھروں میں نہ آنے دیں اور نہ اُن کو اپنی خدمت میں رکھیں کیونکہ یہ سخت گناہ کی بات ہے کہ بدکار عورت نیک عورت کی ہم صحبت ہو۔

(۶) عورتوں میں یہ بھی ایک بدعادت ہوتی ہے کہ جب کسی عورت کا خاوند کسی اپنی مصلحت کے لیے دوسرا نکاح کرنا چاہتا ہے تو وہ عورت اور اس کے اقارب سخت ناراض ہوتے ہیں اور گالیاں دیتے اور شور مچاتے ہیں اور بندۂ خدا کو ناحق ستاتے ہیں ایسی عورتیں اور ان کے اقارب بھی نابکار اور خراب ہیں۔ کیونکہ اللہ جلّ شانہٗ نے اپنی حکمتِ کاملہ سے جس میں صدہا مصالح ہیں مردوں کو اجازت دے رکھی ہے کہ وہ اپنی کسی ضرورت یا مصلحت کے وقت چار تک بیویاں کر لیں۔ پھر جو شخص اللہ اور اس کے رسُول کے حکم کے مطابق کوئی نکاح کرتا ہے تو اس کو کیوں بُرا کہا جاوے۔ ایسی عورتیں اور ایسے ہی اس عادت والے اقارب جو خدا اور اس کے حکموں کا مقابلہ کرتے ہیں نہایت مردود اور شیطان کے بہن بھائی ہیں کیونکہ وہ خدا اور رسول کے فرمودہ سے منہ پھیر کر اپنے ربِ کریم سے لڑائی کرنا چاہتے ہیں۔ اور اگر کسی نیک دل مسلمان کے گھر میں ایسی بدذات بیوی ہو تو اُسے مناسب ہے کہ اس کو سزا دینے کے لیے دوسرا نکاح ضرور کرے۔[1]

(۷) بعض جاہل مسلمان اپنے ناطہ رشتہ کے وقت یہ دیکھ لیتے ہیں کہ جس کے ساتھ اپنی لڑکی کا نکاح کرنا منظور ہے۔ اس کی پہلی بیوی بھی ہے یا نہیں۔ پس اگر پہلی بیوی موجود ہو تو ایسے شخص سے ہرگز نکاح کرنا نہیں چاہتے۔ سو یاد رکھنا چاہیئے کہ ایسے لوگ بھی صرف نام کے مسلمان ہیں اور ایک طور سے وہ ان عورتوں کے مددگار ہیں جو اپنے خاوندوں کے دوسرے نکاح سے ناراض ہوتی ہیں۔ سو ان کو بھی خدا تعالیٰ سے ڈرنا چاہیئے۔

(۸) ہماری قوم میں یہ بھی ایک بدرسم ہے کہ دوسری قوم کو لڑکی دینا پسند نہیں کرتے بلکہ حتی الوسع لینا بھی پسند نہیں کرتے۔ یہ سراسر تکبر اور نخوت کا طریقہ ہے جو احکام شریعت کے بالکل برخلاف ہے۔ بنی آدم سب خدا تعالیٰ کے بندے ہیں۔ رشتہ ناطہ میں یہ دیکھنا چاہیئے کہ جس سے نکاح کیا جاتا ہے وہ نیک بخت اور نیک وضع آدمی ہے اور کسی ایسی آفت میں مبتلا تو نہیں جو موجبِ فتنہ ہو اور یاد رکھنا چاہیئے کہ اسلام میں قوموں کا کچھ بھی لحاظ

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۳۰ صفحہ ۱۲ مورخہ ۲۶ جولائی ۱۹۰۶ء

نہیں۔صرف تقویٰ اور نیک بختی کا لحاظ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (الحجرات ۱۴)
یعنی تم میں سے خدا تعالیٰ کے نزدیک زیادہ تر بزرگ وہی ہے جو زیادہ تر پرہیزگار ہے۔

(۹) ہماری قوم میں ایک یہ بھی بدرسم ہے کہ شادیوں میں صدہا روپیہ کا فضول خرچ ہوتا ہے۔ سو یاد رکھنا چاہیئے کہ شیخی اور بڑائی کے طور پر برادری میں بھاجی تقسیم کرنا اور اس کا دینا اور کھانا یہ دونو باتیں عندالشرع حرام ہیں۔ اور آتشبازی چلانا اور رنڈی بھڑوؤں ڈوم ڈھاریوں کو دینا یہ سب حرام مطلق ہے ناحق روپیہ ضائع جاتا ہے اور گناہ سر پر چڑھتا ہے۔ سو اس کے علاوہ شرح شریف میں تو صرف اتنا حکم ہے کہ نکاح کرنے والا بعد نکاح کے ولیمہ کرے یعنی چند دوستوں کو کھانا پکا کر کھلا دیوے۔

(۱۰) ہمارے گھروں میں شریعت کی پابندی میں بہت سستی کی جاتی ہے بعض عورتیں زکوٰۃ دینے کے لائق ہیں اور بہت سا زیور ان کے پاس ہے مگر وہ زکوٰۃ نہیں دیتیں۔ بعض عورتیں نماز روزہ کے ادا کرنے میں بہت کوتاہی کرتی ہیں۔ بعض عورتیں شرک کی رسمیں بجالاتی ہیں جیسے چیچک کی پوجا۔ بعض فرضی دیویوں کی پوجا کرتی ہیں۔ بعض ایسی نیازیں دیتی ہیں جن میں یہ شرط رکھ دیتی ہیں کہ عورتیں کھاویں کوئی مرد نہ کھاوے یا حقہ نوش نہ کھاوے بعض جمعرات کی چوکی بھرتی ہیں۔ مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ سب شیطانی طریق ہیں۔ ہم صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ان لوگوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ آؤ خدا تعالیٰ سے ڈرو ورنہ مرنے کے بعد ذلّت اور رسوائی سے سخت عذاب میں پڑوگے اور اس غضبِ الٰہی میں مبتلا ہو جاؤ گے جس کی انتہا نہیں۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی[۱]

خاکسار مرزا غلام احمد از قادیان

۲۹ جولائی ۱۹۰۶ء

بزرگانِ اسلام اور علماءِ وقت

امرت سر کے ایک شریف خاندان کا ایک ممبر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا

اثنائے گفتگو میں حضرت نے کہا کہ
کیا آپ امرت سر میں ہمارے لیکچر میں موجود تھے؟

شریف۔ میں اس لیکچر میں موجود تھا اور آپ کی کرسی کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ نادانوں نے شرارت

---

[۱] بدر جلد ۲ نمبر ۳۱ صفحہ ۱۲ مورخہ ۲ ر اگست ۱۹۰۶ء

کی مگر اس وقت ان کو کون سمجھاتا۔

حضرت اقدس - ہاں اس وقت ان لوگوں کو سمجھانا محال تھا۔ اس وقت تو ان لوگوں کا وہ حال تھا جیسا کہ تاجروں کا قصہ ہے کہ چند تاجر کسی جگہ راہ میں جاتے تھے کہ قزاقوں نے اُن پر حملہ کیا۔ تجار کے ہمراہ ایک حکیم بھی تھا کسی نے حکیم کو کہا کہ ان کو نصیحت کرو۔ حکیم نے جواب دیا کہ اس وقت ان لوگوں کو نصیحت کرنا بے فائدہ ہے۔ یہ نفس پرستی میں اندھے ہیں کہ ان کو اس وقت کوئی نصیحت کارگر نہیں ہوسکتی۔ ہمارا منشاء اس لیکچر میں یہ تھا کہ اسلام کی خوبیاں بیان کی جائیں۔ مگر افسوس ہے کہ ان لوگوں نے شرارت کی۔

شریف - ان کا قصور ہی کیا ہے وہ اندھے ہیں ان کو بصیرت نہیں۔

حضرت اقدس - زیادہ تر افسوس تو علماء پر ہے جو عوام کو دھوکہ میں ڈالتے ہیں۔ دیکھو اسلام پر کس قدر انحطاط کا زمانہ ہے کہ علماء کی حالت ایسی گندی ہے۔

شریف - علماء کیوں ایسا نہ کریں جبکہ ان کے واسطے ذریعہ معاش صرف اسی میں ہے۔ آپ نے دیکھا یا سُنا ہوگا۔ آجکل امرتسر کے مولوی ثناء اللہ صاحب حضرت امام ابوحنیفہ کے حق میں کیسے کیسے خراب کلمات لکھ کر اشتہار دے رہا ہے۔ یہی علماء لوگ اسلام میں فتنہ ڈالتے ہیں۔

حضرت اقدس - ائمہ کے حق میں سخت کلامی کرنا بہت ہی نامناسب امر ہے۔ جس زمانہ میں یہ بزرگ گذرے ہیں اگر وہ دین کی خدمت نہ کرتے تو ہزارہا خرابیاں پیدا ہوجاتیں۔ یہ لوگ اسلام میں بطور چار دیواری کے تھے انہوں نے جو کچھ کیا خدا تعالیٰ کے واسطے کیا اور شریر لوگوں کو حد سے بڑھنے سے بچایا۔ ان کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے۔ ان لوگوں نے اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈالا اور بے نفس ہوکر اسلام کی خدمت کی۔ ان لوگوں کی طرح وہ نہ تھے کہ ہر وقت دُنیا کو مقدم رکھتے۔

خواجہ کمال الدین صاحب - ان علماء کا تو یہی نمونہ کافی ہے جو ثناء اللہ نے عدالت کے اندر حضور کے برخلاف گواہی کی خاطر دکھایا (یعنی بیان کیا کہ جھوٹ، چوری، زنا جو کچھ مسلمان کرلے اس کے تقویٰ میں کچھ فرق نہیں آتا۔ ایڈیٹر)

شریف - ان لوگوں میں دُنیا طلبی ہے۔ دین نہیں رہا۔

دُعا کے اصول

اس کے بعد شریف مرد نے اپنے بعض ذاتی اُمور کے واسطے دُعا کے لیے حضرت کی خدمت میں درخواست کی جس پر حضرت نے فرمایا:

مَیں آپ کے واسطے انشاء اللہ دُعا کروں گا۔ مگر مَیں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ اصُولِ دُعا میں سے یہ بات ہے کہ جب تک انسان کو کسی کے حالات کے ساتھ پُورا تعلق نہ ہو تب تک وہ رقت اور درد اور توجہ نہیں ہوسکتی جو

دُعا کے واسطے ضروری ہے اور اس قسم کے حضور اور توجہ کا پیدا کرنا دراصل اختیاری امر نہیں ہے۔ دُعا میں کوشش ہر دو طرف سے ہونی ضروری ہے۔ دُعا کرنے والا خدا تعالیٰ کے حضور میں توجہ کرنے میں کوشش کرے اور دُعا کرانے والا اس کو توجہ دلانے میں مشغول رہے۔ بار بار یاد دلائے خاص تعلق پیدا کرے۔ صبر اور استقامت کے ساتھ اپنا حالِ زار پیش کرتا رہے۔ تو خواہ مخواہ کسی نہ کسی وقت اس کے لیے درد پیدا ہو جائے گا۔ دُعا بڑی شئے ہے جبکہ انسان ہر طرف سے مایوس ہو جائے تو آخری حیلہ دُعا ہے جس سے تمام مشکلات حل ہو جاتے ہیں۔ مگر ایسی توجہ کی دُعا ضرور ایک وقت چاہتی ہے اور یہ بات انسان کے اختیار میں نہیں کہ کسی کے واسطے دل میں درد پیدا کر لے۔

ایک صُوفی کا ذکر ہے کہ وہ راستہ میں جاتا تھا کہ ایک لڑکا اس کے سامنے گر پڑا۔ اور اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ صُوفی کے دل میں درد پیدا ہوا۔ اور اسی جگہ خدا تعالیٰ کے آگے دُعا کی اور عرض کی کہ اے خدا تو اس لڑکے کی ٹانگ کو درست کر دے ورنہ تو نے اس قصاب کے دل میں درد کیوں پیدا کیا۔

میرا مذہب یہ ہے کہ کیسی ہی مشکلات مالی یا جانی انسان پر پڑیں۔ ان سب کا آخری علاج دُعا ہے خدا تعالیٰ ہر شئے کا مالک ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور کر سکتا ہے اور ہر شئے پر اس کا قبضہ ہے۔ انسان کسی حاکم یا افسر کے ساتھ اپنا معاملہ صاف کرتا ہے اور اس کو راضی کرتا ہے تو وہ اسے بہت سا فائدہ پہنچا دیتا ہے۔ کیا خدا تعالیٰ جو حقیقی حاکم اور مالک ہے اس کو نفع نہیں دے سکتا؟ مگر دُعا کا معاملہ ایسا نہیں کہ انسان دُور سے گولی چلا دے اور چلا جائے بلکہ جس شخص سے دُعا کرانی چاہیئے اس کے ساتھ تعلق پیدا کرنا چاہیئے۔ دیکھو بازار میں آپ کو ایک شخص اتفاقیہ طور پر مل جاوے اور آپ اس کو پکڑ لیں اور کہیں کہ تو میرا دوست بن جا تو وہ کس طرح دوست بن سکتا ہے؟ دوستی کے واسطے تعلقات کا ہونا ضروری ہے اور وہ رفتہ رفتہ ہو سکتے ہیں۔

ہم تو چاہتے ہیں اور خواہش رکھتے ہیں کہ تمام بنی نوع کے واسطے دل میں سچا درد پیدا ہو جاوے مگر یہ امر اپنے ہاتھ میں نہیں، نہ اپنے واسطے، نہ عزیز و اقارب کے واسطے، نہ بیوی بچے کے واسطے ایسے درد کا پیدا ہونا محض خدا تعالیٰ کے فضل پر منحصر ہے۔ لیکن تعلقات کا ہونا بہت ضروری ہے۔

کہتے ہیں کہ کوئی شخص شیخ نظام الدین صاحب ولی اللہ کے پاس اپنے کسی ذاتی مطلب کے لیے دُعا کرانے کے واسطے گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میرے واسطے دُودھ چاول لے آ۔ اس شخص کے دل میں خیال آیا کہ عجیب ولی ہے۔ میں اس کے پاس اپنا مطلب لے کر آیا ہوں تو اس نے میرے آگے اپنا ایک مطلب پیش کر دیا ہے مگر وہ چلا گیا اور دُودھ چاول پکا کر لے آیا۔ جب وہ کھا چکے تو انہوں نے اس کے واسطے دُعا کی اور اس کی مشکل حل ہو گئی۔ تب نظام الدین صاحب نے اس کو بتلایا کہ میں نے تجھ سے دُودھ چاول اس واسطے مانگے تھے کہ جب تو

دُعا کرانے کے واسطے آیا تھا، تو تُو میرے واسطے بالکل اجنبی آدمی تھا اور میرے دل میں تیرے واسطے کوئی ہمدردی کا ذریعہ نہ تھا۔ اِس واسطے تیرے ساتھ ایک تعلقِ محبت پیدا کرنے کے واسطے مَیں نے یہ بات سوچی تھی۔

ایسا ہی توریت میں حضرت اسحٰق کا قصہ ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو کہا کہ جا تو میرے واسطے شکار لے آ اور پکا کر مجھے کھلا تاکہ مَیں تجھے برکت دوں اور تیرے واسطے دُعا کروں۔ اس قسم کے بہت سے قصّے اولیاء کے حالات میں درج ہیں اور ان میں حقیقت یہی ہے کہ دُعا کرنے والے اور کرانے والے کے درمیان تعلق ہونا چاہیئے۔

انسان پر جس قدر مصائب مالی یا جانی وارد ہوتے ہیں وہ سب خدا تعالیٰ کی ناراضمندی کے سبب سے ہوتے ہیں۔ انسان کو چاہیئے کہ اپنی حالت میں تبدیلی کرے اور خدا تعالیٰ کو راضی کرے۔ تب تمام تکالیف دُور ہو جاتی ہیں۔ دُنیا کی تمام اشیاء اور تمام دل انسانوں کے خدا تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ دیکھو جب تم کسی کے گھر میں جاؤ اور گھر والا تم پر راضی ہو تو اس کے تمام نوکر تمہاری خاطر کریں گے اور تمہارے ساتھ ادب سے پیش آئیں گے، لیکن اگر تم آقا کو ناراض کر دو تو کوئی نوکر تمہاری پرواہ نہ کریگا بلکہ سب بے عزّتی کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے۔[1]

بلا تاریخ[2]

دُعا اور اس کی قبولیت

فرمایا:-

میرے ساتھ عادت اللہ یہ ہے کہ جب مَیں کسی امر کے واسطے توجہ کرتا ہوں اور دُعا کرتا ہوں تو اگر وہ توجہ اپنے کمال کو پہنچ جائے اور دُعا اپنے انتہائی نقطہ کو حاصل کرلے تب ضرور اس کے متعلق کچھ اطلاع دی جاتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جب انسان خدا تعالیٰ سے دُعا کرتا ہے تو اکثر خدا تعالیٰ اپنے بندے کی دُعا قبول کرتا ہے لیکن بعض دفعہ خدا تعالیٰ اپنی بات منواتا ہے۔ دو دوستوں کی آپس میں دوستی کے قائم رہنے کی یہی نشانی ہوتی ہے کہ کبھی اِس نے اُس کی بات مان لی اور کبھی اُس نے اس کی بات مان لی۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ ہمیشہ ایک ہی دوسرے کی بات مانتا رہے اور وہ اپنی بات کبھی نہ منوائے۔ جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ ہمیشہ اس کی دُعا قبول ہوتی رہے اور اسی کی خواہش پوری ہوتی رہے وہ بڑی غلطی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ کاملہ سے قرآن شریف میں دو آیتیں نازل فرمائی ہیں۔ ایک میں فرمایا ہے اُدْعُوْنِیْٓ

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۳۱ صفحہ ۳ مورخہ ۲ اگست ۱۹۰۶ء

[2] غالباً یہ جولائی ۱۹۰۶ء کی کسی تاریخ کے ملفوظات ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب (مرتب)

اَسْتَجِبْ لَكُمْ (المؤمن : ۶۱) تم دعا مانگو میں تمہیں جواب دوں گا۔ دوسری آیت میں فرمایا ہے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ ... الخ (البقرۃ : ۱۵۶) یعنی ضرور ہے کہ تم پر قسما قسم کے ابتلاء پڑیں اور امتحان آئیں اور آزمائشیں کی جاویں تاکہ تم انعام حاصل کرنے کے مستحق ٹھہرو۔ خدا تعالیٰ اپنے بندوں کی آزمائش کرتا ہے لیکن جو لوگ استقامت اختیار کرتے ہیں خدا تعالیٰ اُنکو ضائع نہیں ہونے دیتا۔ دُعا کے بعد کامیابی اپنی خواہش کے مطابق ہو یا مصلحتِ الٰہی کوئی دوسری صورت پیدا کر دے ہر حال میں دُعا کا جواب ضرور خدا تعالیٰ کی طرف سے مل جاتا ہے ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ دُعا کے واسطے اس کی حد تک جو ضروری ہے تضرع کی جاوے اور پھر جواب نہ ملے۔

گناہوں سے بچنے کا واحد ذریعہ

گناہوں سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ خوفِ الٰہی دل میں پیدا ہو۔ بغیر اس کے انسان گناہوں سے بچ نہیں سکتا اور خوف بغیر معرفت کے پیدا نہیں ہو سکتا جب کسی کے سر پر ننگی تلوار لٹک رہی ہو اور اس کو یقین ہو کہ اگر فلاں کام میں کروں گا تو یہ تلوار میرے سر میں لگے گی پھر وہ کس طرح وہ کام کر سکتا ہے؟ اس کو یقین ہے کہ وہ تلوار اس کو دُکھ دے گی۔ اس قسم کا یقین اگر خدا تعالیٰ پر ہو اور اس کی عظمت اور اس کا جلال اس کے دل میں گھر کر جائے تو کسی طرح ممکن نہیں کہ وہ بدی کا ارتکاب کرے۔ خدا تعالیٰ کی یہ سنت نہیں کہ وہ انسان کی طرح کسی کو اپنا چہرہ دکھائے۔ بلکہ وہ زبردست نشانات کے ساتھ اپنی ہستی کا ثبوت دیتا ہے۔ جب ہم ۴ اپریل کو زلزلہ آیا تو ہمارے عزیز محمد اسمٰعیل میڈیکل کالج میں پڑھتے تھے وہ ذکر کرتے ہیں کہ اُن کے کالج میں ایک لڑکا دہریہ تھا جب زلزلہ آیا تو وہ بھی رام رام پکارنے لگا۔ لیکن جب زلزلہ گذر گیا اور ہوش ٹھکانے لگے تو پھر کہنے لگا کہ مجھ سے غلطی ہوئی ہے کہ میں نے رام رام کہا۔

خدا تعالیٰ کے اقتداری نشانات اس کی ہستی کا ثبوت دے دیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے ہم کو خبر دی ہے کہ ایک سخت زلزلہ آنے والا ہے۔ وہ دن دُنیا کے واسطے ایک غیر معمولی دن ہوگا جس سے لوگ جان لیں گے کہ خدا تعالیٰ موجود ہے۔ لوگ شیطانی خیالات میں ایسے پڑے ہوئے ہیں کہ ایک قدم پیچھے نہیں ہٹانا چاہتے۔ مگر خدا تعالیٰ جب چاہتا ہے تو وہ ایسی ہیبت ڈال دیتا ہے کہ لوگ تمام بدیوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ جب تک خدا کسی کو نہ کھینچے وہ کس طرح کھینچا جا سکتا ہے۔ ہمارا بھروسہ تو صرف خدا تعالیٰ پر ہے وہ قوم جو ہم کو کافر کہتی ہے اس سے ہم اُمید ہی کیا کر سکتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ہی سچا بادشاہ اور سچا حکمران ہے۔ جب تک کہ آسمان پر کچھ نہیں ہوتا زمین پر کچھ نہیں ہو سکتا۔

طبیب اپنے بیماروں کے واسطے دُعا کیا کریں

فرمایا:- طبیب کے واسطے بھی مناسب ہے،

کہ اپنے بیمار کے واسطے دُعا کیا کرے کیونکہ سب ذرہ ذرہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ خدا تعالیٰ نے اس کو حرام نہیں کیا کہ تم حیلہ کرو۔ اس واسطے علاج کرنا اور اپنے ضروری کاموں میں تدابیر کرنا ضروری امر ہے لیکن یاد رکھو کہ مؤثرِ حقیقی خدا تعالیٰ ہی ہے۔ اسی کے فضل سے سب کچھ ہو سکتا ہے۔ بیماری کے وقت چاہیئے کہ انسان دوا بھی کرے اور دُعا بھی کرے۔ بعض وقت اللہ تعالیٰ مناسبِ حال دوائی بھی بذریعہ الہام یا خواب تبلا دیتا ہے اور اس طرح دُعا کرنے والا طبیب علمِ طب پر ایک بڑا احسان کرتا ہے۔ کئی دفعہ اللہ تعالےٰ ہم کو بعض بیماریوں کے متعلق بذریعہ الہام کے علاج بتا دیتا ہے۔ یہ اس کا فضل ہے۔[1]

یکم اگست ۱۹۰۶ء

صدمات پر صبر

حافظ محمد ابراہیم صاحب جن کی بیوی کل شام کو فوت ہو چکی ہے۔ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حافظ صاحب کو مخاطب کر کے حضرت نے فرمایا کہ:

آپ پر اپنی بیوی کے مرنے کا بہت صدمہ ہوا ہے۔ اب آپ صبر کریں تاکہ آپ کے واسطے ثواب ہو۔ آپ نے اپنی بیوی کی بہت خدمت کی ہے۔ باوجود اس معذوری کے کہ آپ نابینا ہیں۔ آپ نے خدمت کا حق ادا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پاس اس کا اجر ہے۔ مرنا تو سب کے واسطے مقدر ہے۔ آخر ایک نہ ایک دن سب کے ساتھ یہی حال ہونے والا ہے۔ مگر غربت کے ساتھ بے شر ہو کر مسکینی اور عاجزی میں جو لوگ مرتے ہیں ان کی پیشوائی کے واسطے گویا بہشت آگے آتا ہے جیسا کہ حضرت عیسیٰ نے لعزر کے متعلق بیان کیا ہے۔

نماز میں دُعا

نماز کے اندر اپنی زبان میں دُعا مانگنی چاہیئے۔ کیونکہ اپنی زبان میں دُعا مانگنے سے پورا جوش پیدا ہوتا ہے سورۃ فاتحہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے وہ اسی طرح عربی زبان میں پڑھنا چاہیئے اور قرآنِ شریف کا حصّہ جو اس کے بعد پڑھا جاتا ہے وہ بھی عربی زبان میں ہی پڑھنا چاہیئے اور اس کے بعد مقررہ دُعائیں اور تسبیح بھی اسی طرح عربی زبان میں پڑھنی چاہئیں لیکن ان سب کا ترجمہ سیکھ لینا چاہیئے اور ان کے علاوہ پھر اپنی زبان میں دُعائیں مانگنی چاہئیں تاکہ حضورِ دل پیدا ہو جاوے۔ کیونکہ جس نماز میں حضورِ دل نہیں وہ نماز نہیں۔ آجکل لوگوں کی عادت ہے کہ نماز تو ٹھونگے دار پڑھ لیتے ہیں۔ جلدی جلدی نماز کو ادا کر لیتے ہیں جیسا کہ کوئی بیگار ہوتی ہے۔ پھر پیچھے سے لمبی لمبی دُعائیں مانگنا

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۳۲ صفحہ ۳ مورخہ ۹ راگست ۱۹۰۶ء نیز الحکم جلد ۱۰ نمبر ۲۸ صفحہ ۹ مورخہ ۱۰ راگست ۱۹۰۶ء

شروع کرتے ہیں۔ یہ بدعت ہے۔ حدیث شریف میں کسی جگہ اس کا ذکر نہیں آیا کہ نماز سے سلام پھیرنے کے بعد پھر دُعا کی جاوے۔ نادان لوگ نماز کو تو ٹیکس جانتے ہیں اور دُعا کو اس سے علیحدہ کرتے ہیں۔ نماز خود دُعا ہے۔ دین و دنیا کی تمام مشکلات کے واسطے اور ہر ایک مصیبت کے وقت انسان کو نماز کے اندر دُعائیں مانگنی چاہئیں۔

نماز کے اندر ہر موقعہ پر دعا کی جاسکتی ہے۔ رکوع میں بعد تسبیح، سجدہ میں بعد تسبیح، التحیات کے بعد، کھڑے ہو کر رکوع کے بعد بہت دُعائیں کرو تاکہ مالا مال ہو جاؤ۔ چاہیئے کہ دُعا کے واسطے رُوح پانی کی طرح بہہ جاوے۔ ایسی دُعا دل کو پاک و صاف کر دیتی ہے۔ یہ دُعا میسّر آوے تو پھر خواہ انسان چار پہر تک دُعا میں کھڑا رہے۔ گناہوں کی گرفتاری سے بچنے کے واسطے اللہ تعالیٰ کے حضور دُعائیں مانگنی چاہئیں۔

دُعا ایک علاج ہے جس سے گناہ کی زہر دُور ہو جاتی ہے بعض نادان لوگ خیال کرتے ہیں کہ اپنی زبان میں دُعا مانگنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ یہ غلط خیال ہے۔ ایسے لوگوں کی نماز تو خود ہی ٹوٹی ہوئی ہے۔[1]

یکم ستمبر ۱۹۰۶ء

مخالفت ہمیشہ راستبازوں کی ہوتی ہے

ایک اخبار کی مخالفانہ اور تعصّب اور جھُوٹ سے بھری ہوئی تحریر پیش ہوئی۔ فرمایا:۔

یہ لوگ لکھ لیں جو کچھ ان کا جی چاہتا ہے مگر کب تک؟ آخر کار سچائی سچائی ہے اور جھُوٹ جھُوٹ ہے اور دُنیا کے سامنے جلد کھُل جائے گا کہ حق پر کون ہے اور جھوٹے خود بخود مٹ جائیں گے کیونکہ جھوٹ کو کبھی فروغ نہیں ہو سکتا۔

فرمایا:۔

تعجّب ہے ان لوگوں پر کہ نہایت بے باکی سے کہہ دیتے ہیں کہ کوئی زلزلہ نہیں آئے گا۔ یہ سب پیشگوئیاں جھُوٹی ہیں۔ اُن کو چاہیئے تھا کہ انتظار کرتے اور ایسی جلد بازی سے تکذیب نہ کرتے۔ دنیوی عدالتوں میں ایک مقدمہ پیش ہوتا ہے تو اس جگہ بھی انسان خوفزدہ رہتا ہے اور بیہودہ گوئی سے یہ نہیں کہتا پھرتا کہ مجھ کو ڈگری حاصل ہو جائے گی۔ چہ جائیکہ خدا تعالیٰ کی عدالت میں مقدمہ پیش ہے اور یہ لوگ اتراتے پھرتے ہیں۔

فرمایا کہ:۔

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۳۲ صفحہ ۴ مورخہ ۹؍ اگست ۱۹۰۶ء نیز الحکم جلد ۱۰ نمبر ۲۸ صفحہ ۹ مورخہ ۱۰؍ اگست ۱۹۰۶ء

مخالفت ہمیشہ راستبازوں کی ہوتی ہے۔ جھوٹوں کی کوئی مخالفت نہیں کرتا۔ بلکہ لوگ اُن کے ساتھ ہو جاتے ہیں اور یہ سُنّت اللہ ہے۔ ہر نبی کے زمانہ میں کوئی نہ کوئی جھوٹا مدعی بھی ضرور پیدا ہوتا ہے۔ حضرت عیسیٰ کے زمانہ میں بھی دو اور شخصوں نے مسیح ہونے کا دعویٰ کیا تھا مگر یہودیوں نے ان دونو کی کچھ مخالفت نہ کی اور نہ ان کو کچھ ستایا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیچھے پڑ گئے اور اُن کو دُکھ دیا اور مقدمہ بنایا اور سخت مخالفت کی اور بالآخر صلیب پر چڑھا کر چھوڑا۔

ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ تو کفارِ عرب نے ہرگز اس کی مخالفت نہ کی نہ اس کو ستایا نہ دُکھ دیا بلکہ کئی لاکھ آدمی اس کے ساتھ ہو گئے۔ برخلاف اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت سے سخت تکلیفیں دیں اور شہر سے نکال دیا۔ قتل کے منصوبے باندھے اور ہر طرح کی ایذا کے درپے ہوئے یہی ہمیشہ سے سنت اللہ جاری ہے کہ سچے کے ساتھ ایک دو جھوٹے مُدعی بھی کھڑے ہوتے ہیں۔ سچا باوجود سخت مخالفتوں کے کامیاب ہو جاتا ہے اور جھوٹا باوجود اس کے کہ اس کی کوئی مخالفت نہیں ہوتی ناکام اور نامراد مرتا ہے ایسا ہی ہمارے زمانہ میں بھی ہمارے دعویٰ کے ساتھ کئی ایک جھوٹے مدعیٔ الہام اور وحیٔ الٰہی کے پیدا ہوئے ہیں جن میں سے بعض نہایت نامرادی کے ساتھ مر بھی گئے جیسا کہ لاہور میں ایک شخص مہدی ہونے کا دعویٰ دار تھا اس کی کوئی مخالفت نہیں کرتا تھا۔ لاہور میں ایک شخص مُلا محمد بخش بھی الہام کا مدعی ہے۔ اپنے الہامات شائع کرتا ہے۔ کوئی اس کی مخالفت میں اشتہار نہیں دیتا۔ نہ اس کو ستایا جاتا ہے نہ دُکھ دیا جاتا ہے کیونکہ وہ جھُوٹا ہے لیکن ہمارے مقابلہ میں شیطان کو ہلاکت نظر آتی ہے۔ اس واسطے وہ لوگوں کو مخالفت کے لیے جوش دلاتا ہے یہی قدیم سے خدا تعالیٰ کی سنت چلی آتی ہے۔ صادق کی مخالفت سخت ہوتی ہے تاکہ اس کی کامیابی ایک بڑا نمایاں اشتہار ہو۔[1]

---

۹ ستمبر ۱۹۰۶ء

مسیح موعودؑ کا کام

فرمایا:۔

ہمارے سامنے جو کام آیا ہے وہ آسان نہیں بلکہ نہایت مشکل کام ہے ہمارے دو کام ہیں۔ اندرونی طور پر قوم کو درست کرنا اور تقویٰ و طہارت کا گمشدہ راستہ ان کو دوبارہ دکھانا اور اس پر چلانا اور دوسرا بیرونی حملوں کا روکنا اور کسرِ صلیب کرنا۔ یہ ہر دو کام ایسے مشکل ہیں کہ بغیر اللہ تعالیٰ کے خاص معجزہ نما کاموں کے معمولی انسانی کوششوں سے کبھی یہ کام پُورا نہیں ہو سکتا۔ ہمارے بے وقوف مخالف نادانی

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۳۶ صفحہ ۴ مورخہ ۶ ستمبر ۱۹۰۶ء

کے ساتھ مسیح کو آسمان پر چڑھائے بیٹھے ہیں اور خیال نہیں کرتے کہ اتنے عرصہ تک اس نامعقول عقیدہ نے کیا فساد ڈالا ہے جو آئندہ اس عقیدۂ فاسدہ کی پیروی سے اُن کو کچھ حاصل ہو جائے گا خدا تعالیٰ علیم اور حکیم ہے اور عمیق در عمیق باتوں کا واقف کار ہے۔ اس کی حکمت نے جو راہ اختیار کی ہے۔ اسی پر چلنے سے اسلام کا بول بالا ہو سکتا ہے یسوع تو خود داغی ہو چکے کہ ان کے نام پر اس قدر شرک ہوتا ہے۔ اب ان کی آمد میں اسلام کے واسطے کوئی فائدہ کی صورت نہیں بن سکتی۔ اسلام کے واسطے بیرونی اور اندرونی فساد اس حد تک پہنچ چکے ہیں کہ ظاہری عقل کے مطابق تو اب یاس اور ناامیدی کے سوائے اور کچھ باقی نہیں ہے۔ دین کی اشاعت کے لیے جو سامان اور طاقتیں عیسائیوں کے پاس ہیں کہ ایک ایک کتاب کو کئی کئی لاکھ چھاپتے ہیں اور مُفت تقسیم کرتے ہیں وہ بات مسلمانوں کو کہاں حاصل ہے؟ یہاں تو ایک چھوٹا سا رسالہ چھاپنا ہو تو اس کے واسطے بھی سامان بمشکل حاصل ہوتا ہے۔

غرض ظاہری دولت اور طاقت اور سعی کے ذریعہ سے ہم فتح نہیں پا سکتے۔ بلکہ ہمارا ہتھیار ہے صرف دعا اور توجہ الی اللہ۔ یہ بھاری مہم صرف دُعا کے عظیم الشان ذریعہ سے سر ہوگی۔

ڈاکٹر عبدالحکیم نادانی سے اعتراض کرتا ہے کہ یہ ایک جگہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ کیوں ایسا نہیں کرتے کہ شہر بہ شہر گشت کریں۔ یہ اس کی غلطی ہے۔ اگر میں جانتا کہ ملکوں میں پھرنے سے فائدہ حاصل ہو سکتا ہے تو میں ضرور ہی ایسا کرتا۔ حدیث شریف میں دجّال کے متعلق آیا ہے کہ لَا یَدَانِ لِاَحَدٍ بِقِتَالِہٖ۔ اس کے ساتھ جنگ کرنے کے ہاتھ کسی کے پاس نہ ہوں گے۔ زمینی اسباب کے ساتھ ہم اس دجّال کا مقابلہ نہیں کر سکتے کیونکہ زمینی اسباب خود اس کے پاس بہت ہیں۔ ہمارے پاس کوئی ایسا اعلیٰ ہتھیار ہونا چاہیئے جو اس کے پاس نہ ہو تب تو ہم فتح پا سکتے ہیں۔ آجکل مخلوق پر دُنیا کی حُبّ حد سے زیادہ غالب ہے۔ اس کو ہم نکالنا چاہتے ہیں اور اسی کو نکالنا سب سے زیادہ مشکل کام ہے۔ لکھا ہے کہ سب سے آخر جو چیز نفس سے نکلتی ہے وہ دُنیا کی محبت ہے۔ بجز ایک آسمانی طاقت کے ہمارے واسطے کوئی کامیابی کی راہ نہیں۔

فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ نے ہم کو سُورہ فاتحہ میں یہ دُعا سکھائی کہ اے خدا نہ تو ہمیں مغضوب علیہم میں سے بنائیو اور نہ ضالین میں سے۔ اب سوچنے کا مقام ہے کہ ان ہر دو کا مرجع حضرت عیسیٰؑ ہی ہیں۔ مغضوب علیہ وہ قوم ہے جس نے حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ عداوت کرنے اور اُن کو ہر طرح سے دُکھ دینے میں غلو کیا۔ اور ضالین وہ لوگ ہیں جنہوں نے اُن کے ساتھ محبت کرنے میں غلو کیا اور خدائی صفات ان کو دے دیئے۔ صرف ان دونو کی حالت سے بچنے کے واسطے ہم کو دُعا سکھلائی گئی ہے۔ اگر دجّال ان کے علاوہ کوئی اور ہوتا تو یہ دُعا اس طرح ہوتی کہ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَلَا الدَّجَّالِ۔ یہ ایک پیشگوئی ہے جو کہ اس زمانہ کے ہر دو قسم کے شر سے آگاہ کرنے کے واسطے مسلمانوں

کو چپکے سے خبردار کرتی ہے۔ یہ عیسائیوں کے مشن ہی ہیں جو کہ اس زمانہ میں ناخنوں تک زور لگا رہے ہیں کہ اسلام کو سطح دُنیا سے نابود کر دیں۔ اسلام کے واسطے یہ سخت مضر ہو رہے ہیں اور باوجود ایسے سخت صدمات دیکھنے کے پھر خیال اور وہمی باتوں کے پیچھے پڑنا اور دجال کو کسی اور جگہ تلاش کرنا سخت غلطی میں داخل ہے ہمارے سامنے تو ایک ایسا خطرناک دجال موجود ہے کہ اس کی نظیر پہلی اُمتوں میں موجود نہیں۔ کوئی انسانی طاقت اور ہاتھ اس کو زیر نہیں کر سکتا۔ ہاں خدا کے ہاتھوں سے یہ کام ہوگا۔ یہ کام جو ہمارے درپیش ہے اور جس کا ہم نے دعویٰ کیا ہے کہ ہم کسرِ صلیب کے واسطے آئے ہیں۔ یہ ہمارے واسطے کوئی تھوڑا سا غم نہیں۔ کیونکہ ہمارا اصل کام پورا نہ ہو تو پھر معجزات اور کرامات بھی کوئی شئے نہیں۔ ایک طبیب اگر بیمار کا علاج نہیں کر سکتا اور بازی اچھی لگا لیتا ہے تو یہ امر اس کی طبابت کے دعویٰ کو مفید نہیں ہو سکتا۔ پس ہم کو بڑا غم جو دامنگیر ہے وہ یہی ہے کہ کسرِ صلیب کا کام پورا ہو جائے۔

دوسرا پہلو غم کا اندرونی، قوم کے متعلق ہے جو سیدھی بات کو اُلٹا سمجھتے ہیں اور دوست کو دشمن خیال کرتے ہیں۔ افسوس تو یہ ہے کہ ہماری دشمنی کی خاطر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی دشمنی کرتے ہیں اور جو باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں تائیدی ثبوت ہو وہ اگر ہم میں پایا جاوے تو اس ثبوت سے بھی انکار کر جاتے ہیں۔ مثلاً قرآن شریف کی یہ آیت کہ اگر رسول خدا تعالیٰ پر اپنی طرف سے کوئی بات بناتا تو فوراً ہلاک کیا جاتا۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر ایک بڑی دلیل ہے کہ دعویٰ نبوت کیا تھا آپ تیئیس ۲۳ سال تک کامیاب ہی ہوتے چلے آئے۔ بہت سے اکابر نے اس دلیل کو کفار کے سامنے پیش کیا ہے۔ مگر اب چونکہ یہ دلیل ہمارے سلسلہ کی بھی تائید کرتی ہے۔ اس واسطے اس سے قطعاً انکار کر بیٹھے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ کوئی دلیل ہی نہیں۔ مفتری بڑی مہلت پا سکتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ دلیل تو ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے خاص ہے۔ دوسرے انبیاء کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔ نادان نہیں جانتے کہ کیا دلیل بھی خاص اور مخصوص ہوا کرتی ہے؟ جو دلیل خاص ہے وہ تو بجائے خود ایک دعویٰ ہے نہ کہ دلیل۔ ایسی ہی غلطی عیسائی لوگ کیا کرتے ہیں کہ جب کوئی بات یسوع کے متعلق پیش کی جاتی ہے کہ اس نے فلاں کام کیوں کیا؟ تو کہہ دیتے ہیں کہ وہ تو خدا تھا اور اس کے واسطے جائز تھا جو چاہتا کرتا۔ بیوقوف نہیں جانتے کہ دعویٰ خُدائی تو بجائے خود ایک دعویٰ ہے نہ کہ دلیل۔ یہ دعویٰ بطور دلیل کے کس طرح پیش ہو سکتا ہے۔

سو جھوٹے دعویٰ والا کبھی سرسبز نہیں ہوا۔ کبھی کسی کاذب کو اتنی مہلت نہیں ملی جتنی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی۔ افسوس آتا ہے کہ ہماری عداوت کے سبب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی دشمنی کی جاتی ہے۔ جو تبدیلی ہم اس وقت قوم کے درمیان چاہتے ہیں وہ کسی آسمانی طاقت کے ذریعہ سے ہو سکتی ہے۔ ورنہ زمینی لوگوں کے

اختیار میں نہیں کہ وہ عظیم الشان کام کر دکھلائیں۔ ابتدائے اسلام میں بھی جو کچھ ہوا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعاؤں کا نتیجہ تھا جو کہ مکّہ کی گلیوں میں خدا تعالیٰ کے آگے رو رو کر آپ نے مانگیں۔ جس قدر عظیم الشان فتوحات ہوئیں کہ تمام دُنیا کے رنگ ڈھنگ کو بدل دیا۔ وہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعاؤں کا اثر تھا۔ ورنہ صحابہؓ کی قوت کا تو یہ حال تھا کہ جنگِ بدر میں صحابہؓ کے پاس صرف تین تلواریں تھیں اور وہ بھی لکڑی کی بنی ہوئی تھیں۔

قوم کو چاہیئے کہ جہاں تک ہو سکے تقویٰ اور طہارت کو اختیار کرے اور خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرے تب ہی کچھ بن سکے گا۔[1]

۱۹؍ستمبر ۱۹۰۶ء

کوئی بیماری لا علاج نہیں

ایک بیمار حضرت صاحب کی خدمت میں پیش ہوا اور اس نے دُعا کے واسطے عرض کی اور اپنی حالت پر مایوسی کا اظہار کیا۔

حضرت نے فرمایا:۔

میرا مذہب یہ ہے کہ کوئی بیماری لا علاج نہیں۔ ہر ایک بیماری کا علاج ہو سکتا ہے جس مرض کو طبیب لا علاج کہتا ہے اس سے اس کی مراد یہ ہے کہ طبیب اس کے علاج سے آگاہ نہیں ہے۔ ہمارے تجربہ میں یہ بات آچکی ہے کہ بہت سی بیماریوں کو اطباء اور ڈاکٹروں نے لا علاج بیان کیا مگر اللہ تعالیٰ نے اس سے شفا پانے کے واسطے بیمار کے لیے کوئی نہ کوئی راہ نکال دی بعض بیمار بالکل مایوس ہو جاتے ہیں۔ یہ غلطی ہے۔ خدا تعالیٰ کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیئے اس کے ہاتھ میں سب شفاء ہے۔

سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب مدراس والے ایک ضعیف آدمی ہیں۔ ان کو مرضِ ذیابیطس بھی ہے اور ساتھ ہی کاربنکل نہایت خوفناک شکل میں نمودار ہوا اور پھر عمر بھی بڑھاپے کی ہے۔ ڈاکٹروں نے نہایت گھرا چہرہ دیا اور ان کی حالت نہایت خطرناک ہو گئی یہانتک کہ ان کی نسبت خطرہ کے اظہار کے خطوط آنے لگے۔ تب مَیں نے ان کے واسطے بہت دُعا کی تو ایک روز اچانک ظہر کے وقت الہام ہوا

آثارِ زندگی

اس الہام کے بعد تھوڑی دیر میں مدراس سے تار آیا کہ اب سیٹھ صاحب موصوف کی حالت روبصحت ہے۔

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۳۷ صفحہ ۴ مورخہ ۱۳؍ستمبر ۱۹۰۶ء نیز الحکم جلد ۱۰ نمبر ۳۲ صفحہ ۴ مورخہ ۱۷؍ستمبر ۱۹۰۶ء

بیمار کو چاہیئے کہ توبہ استغفار میں مصروف ہو۔ انسان صحت کی حالت میں کئی قسم کی غلطیاں کرتا ہے۔ کچھ گناہ حقوق اللہ کے متعلق ہوتے ہیں اور کچھ حقوقِ عباد کے متعلق ہوتے ہیں۔ ہر دو قسم کی غلطیوں کی معافی مانگنی چاہیئے اور دنیا میں جس شخص کو نقصان پہنچایا پہنچا یا ہو اس کو راضی کرنا چاہیئے اور خدا تعالیٰ کے حضور میں سچی توبہ کرنی چاہیئے توبہ سے یہ مطلب نہیں کہ انسان جنتر منتر کی طرح کچھ الفاظ منہ سے بولتا رہے بلکہ سچے دل سے اقرار ہونا چاہیئے کہ میں آئندہ یہ گناہ نہ کروں گا اور اس پر استقلال کے ساتھ قائم رہنے کی کوشش کرنی چاہیئے تو خدا تعالیٰ الغفور الرحیم ہے۔ وہ اپنے بندوں کے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ اور وہ ستار ہے۔ بندوں کے گناہوں پر پردہ ڈالتا ہے۔ تمہیں ضرورت نہیں کہ مخلوق کے سامنے اپنے گناہوں کا اظہار کرو۔ ہاں خدا تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔[1]

---

۲۴ ستمبر ۱۹۰۶ء

آریہ مت کی موت کا سبب

آریوں کا ذکر تھا کہ اب تو آریہ صاحبان خود ہی اقرار کرنے لگے ہیں کہ آریہ مذہب مُردہ مذہب ہے اور ایک سو سال تک نیست و نابود ہو جائے گا۔ جب حضور نے پیشگوئی کی تھی کہ آریہ مذہب ایک سو سال تک دُنیا سے مفقود ہو جائے گا۔ تو اس وقت آریوں نے بڑا شور مچایا تھا کہ یہ مذہب ہمیشہ قائم رہے گا مرزا صاحب نے غلط کہا ہے۔ اب تعجب ہے کہ وہی آریہ صاحبان خود ہی اپنے لیکچروں اور رسالوں میں بیان فرماتے ہیں کہ آریہ مذہب مُردہ ہے۔

حضور کی پیشگوئی آریہ مذہب کے متعلق فروری ۱۹۰۳ء میں جب شائع ہوئی تھی کہ ایک صدی نہ گذرے گی جو اس مذہب پر موت وارد ہو جائے گی۔ تو اس وقت پنڈت رام بھجدت نے بڑے زور سے اس کی مخالفت کی تھی اور خود قادیان آکر اپنے لیکچر میں اس پیشگوئی کا ذکر کیا تھا۔ اب وہی پنڈت رام بھجدت صاحب ہیں جنہوں نے ۱۱؍ستمبر کے اخبار پرکاش میں فرمایا ہے کہ موجودہ آریہ سماج کبھی بھی سو برس سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتا بلکہ نیست و نابود ہو جاوے گا اور اس کے علاوہ نئے آریہ دھرمپال صاحب نے اپنے رسالہ اندر میں آریہ سماج کی موت پر ایک مضمون لکھ دیا ہے۔ غالباً موخر الذکر صاحب اسی واسطے آریہ بنے تھے کہ آریہ مت کی موت کو ثابت کرنے میں جلدی کریں۔ غرض یہ ذکر تھا جس پر حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ :

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۴۰ صفحہ ۴ مورخہ ۴؍اکتوبر ۱۹۰۶ء

کوئی مذہب ہو۔ خواہ قوم ہو خواہ جماعت ہو بغیر رُوحانیت کے کوئی قائم نہیں رہ سکتا۔ جب تک خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق پختہ نہ ہو کوئی مذہب دُنیا میں کس طرح ٹھہر سکتا ہے چونکہ آریہ مذہب میں رُوحانیت نہیں ہے اس واسطے اس کا قیام محال ہے۔ سارے انبیاء صرف خدا کو جانتے تھے۔ برخلاف اس کے ان کے پیٹ ہزاروں فریبوں سے بھرے ہوئے ہیں اور ان میں رُوحانیت کا کوئی حصّہ نہیں۔ خدا کی قدرت ہے کہ جس قدر انبیاء دُنیا میں آئے وہ دُنیاوی معاملات میں ایسے تھے کہ ان کو پانچ روپے کی بھی نوکری نہ مل سکتی۔ مگر چونکہ وہ خدا کے بنے اس واسطے دین و دُنیا میں وہ مالا مال ہو گئے۔

حقیقۃ الوحی کے مطالعہ کی تلقین

فرمایا:- حقیقۃ الوحی کے تین سو سے زائد صفحات لکھے گئے ہیں۔ اس کتاب میں ہر قسم کے دلائل لکھے گئے ہیں۔ جماعت کے لوگوں کو چاہیئے کہ اس کو بغور مطالعہ کریں۔ جن لوگوں کو فرصت شوق اور فہم حاصل ہوگا اور اس کو بغور مطالعہ کریں گے۔ ان میں ایک طاقت پیدا ہو جائے گی اور وہ پھر اس بات کے محتاج نہ رہیں گے کہ ایسے سوالات کے جوابات کسی سے دریافت کریں۔ جماعت کے سب لوگوں کو چاہیئے کہ یہ طاقت اپنے اندر پیدا کریں۔ کیونکہ مخالفین کی عادت ہے کہ خواہ مخواہ چھیڑ دیتے ہیں اور بعض ایسے شریر ہوتے ہیں کہ خود تو اعتراض کر دیتے ہیں اور جب دوسرا آدمی جواب دینے لگے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم تو کوئی اعتراض نہیں کرتے ہم نے تو یونہی ایک بات کہی تھی۔ ہماری عادت تو بحث کرنے کی نہیں ایسے لوگ بڑے خبیث ہوتے ہیں ان کو ضرور جواب دینا چاہیئے اور مختصر جواب دینا چاہیئے تاکہ جلدی ان کو شرمندگی حاصل ہو۔

علاوہ ازیں مختصر اور معقول جواب ہر امر کے واسطے یاد رکھنا چاہیئے کیونکہ آجکل دنیا دار دینی معاملات کی طرف توجہ نہیں رکھتے اور دینی باتوں کے سُننے میں اپنا تضیع اوقات خیال کرتے ہیں۔ پس ایسے لوگوں کو مختصر بات سُنانی چاہیئے جو کہ فوراً ان کے دماغ میں چلی جاوے اور اپنا اثر کر جائے۔

غلام دستگیر قصوری

غلام دستگیر قصوری کے ذکر پر فرمایا:- اس نے ایک ایسا مباہلہ کیا تھا جس کی نظیر پہلے بھی اسلامی دُنیا میں موجود ہے جس کا اس نے خود ہی اپنے رسالہ میں ذکر کیا ہے کہ ایک بزرگ محمد طاہر نام تھے ان کے زمانہ میں دو شخص پیدا ہوئے۔ ایک نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا تھا اور ایک نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا تھا جس پر مولوی محمد طاہر صاحب نے خدا تعالیٰ کے حضور میں دُعا کی کہ یا الٰہی اگر یہ مدعی جھوٹے ہیں تو ان کو ہلاک کر۔ اور اگر ان کو نہ ماننے میں مَیں جھوٹا ہوں تو مجھے ہلاک کر۔ چونکہ وہ دونو کاذب تھے۔ اس واسطے ہر دو ہلاک ہو گئے۔ غلام دستگیر نے بھی اسی طرح مباہلہ کیا تھا اور لکھا تھا کہ مَیں وہی دُعا کرتا ہوں جو کہ محمد طاہر نے کی تھی چونکہ اس کے مقابل میں جو

شخص تھا وہ سچا ہے اس واسطے غلام دستگیر خود ہلاک ہو گیا[1]

بلا تاریخ[2]

نمازِ تراویح

اکمل صاحب آف گولیکی نے بذریعہ تحریر حضرت سے دریافت کیا کہ رمضان شریف میں رات کو اُٹھنے اور نماز پڑھنے کی تاکید ہے۔ لیکن عموماً محنتی مزدور۔ زمیندار لوگ جو ایسے اعمال بجالانے میں غفلت دکھاتے ہیں اگر اول شب میں ان کو گیارہ رکعت تراویح بجائے آخر شب کے پڑھادی جاویں تو کیا یہ جائز ہوگا؟

حضرت اقدس نے جواب میں فرمایا:۔

کچھ حرج نہیں پڑھ لیں

توکل علی اللہ

کسی دشمن کا ذکر تھا کہ وہ شر کرے گا اور حضور کو تکلیف پہنچانے کی کوشش کرے گا۔ فرمایا:۔

ہم اس بات سے کب ڈرتے ہیں وہ بے شک کرے بلکہ ہم خوش ہیں کہ وہ ایسا کرے کیونکہ ایسے ہی موقعہ پر اللہ تعالیٰ ہمارے واسطے نشانات دکھلاتا ہے۔ ہم خوب دیکھ چکے ہیں کہ جب کبھی کسی دشمن نے ہمارے ساتھ بدی کے واسطے منصوبہ کیا خدا تعالیٰ نے ہمیشہ اس میں سے ایک نشان ہماری تائید میں ظاہر فرمایا۔ ہمارا بھروسہ خدا پر ہے انسان کچھ چیز نہیں۔

باوا نانک مسلمان تھے

ایک سکھ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ باوا صاحب کا ذکر آیا۔ حضرت نے فرمایا کہ:۔

باوا صاحب مسلمان تھے اور نماز پڑھتے تھے۔ سکھ لوگ بڑی غلطی کرتے ہیں۔ جو اپنے گورو کے مذہب کو چھوڑ کر بے ہودہ باتوں کے پیچھے پڑ گئے ہیں اور بُت پرست ہندوؤں کے ساتھ اپنے تعلقات پیدا کر لیے ہیں۔

اس سکھ نے جواب دیا کہ بے شک باوا صاحب فرما گئے ہیں کہ بے نماز کُتّا ہوتا ہے اور صبح سویرے اُٹھ کر وضو کر کے نماز پڑھنی چاہیئے[3]

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۳۹ صفحہ ۴ مورخہ ۲۷؍ستمبر ۱۹۰۶ء

[2] غالباً اکتوبر ۱۹۰۶ء کے پہلے ہفتہ کی یہ ڈائری ہے۔ (مرتب)

[3] بدر جلد ۲ نمبر ۴۲ صفحہ ۴ مورخہ ۱۸؍اکتوبر ۱۹۰۶ء

۱۵؍اکتوبر ۱۹۰۶ء

پیشگوئی بڑا معجزہ ہوتی ہے

پیشگوئیوں اور معجزات کا ذکر تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ:۔

پہلے انبیاء کی کتابوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بڑا معجزہ پیشگوئی ہی ہے۔ پیشگوئی کے سوائے دوسرے معجزات میں کئی قسم کے شبہات ہوتے ہیں اور وہ صرف ایک عارضی بات ہوتی ہے۔ بہت سے تماشہ کرنے والے بھی ایسے کام کرتے ہیں کہ لوگ حیرت میں رہ جاتے ہیں۔ مگر کوئی تماشہ کرنے والا پیشگوئی کے کام میں پیش دستی نہیں کر سکتا۔

خواجہ کمال الدین صاحب نے عرض کیا کہ اس زمانہ میں یا تو بالخصوص پیشگوئی ایک نمایاں معجزہ ہے کیونکہ فلسفی اور سائنسدان لوگوں نے دوسرے معجزات کے متعلق کچھ نہ کچھ راز بیان کئے ہیں، لیکن پیشگوئی کے متعلق چونکہ وہ کچھ سمجھ نہیں سکے کہ اس میں کیا راز ہو سکتا ہے یا کس ظاہری سائنس کے مطابق پیش گوئی کی جا سکتی ہے۔ اس واسطے پیشگوئی کا انہوں نے صاف انکار کر دیا ہے کہ پیشگوئی کوئی ہوتی ہی نہیں۔ لہٰذا اس زمانہ میں پیشگوئی کرنا اور اس کا ثابت کر دینا معجزہ دکھلانے کا یہی سب سے بڑا ذریعہ ہے جس میں دنیا دار عاجز ہیں۔

حضرت نے فرمایا کہ:۔

پیشگوئیوں پر ہی پہلے انبیاء بھی زور دیتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بہت سی پیشگوئیاں کیں جن میں سے بہت پوری ہو چکی ہیں کیونکہ ان کے پورا ہونے کا وقت آ گیا تھا۔ چنانچہ آپ نے ایک بڑی آگ کے نمودار ہونے کی پیشگوئی کی تھی اور اس کے متعلق تمام نشانات اور علامات کا ذکر کیا تھا۔ وہ پیشگوئی جب صحیح بخاری وغیرہ کتب میں درج ہو گئی اور وہ کتابیں عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاتھ میں پہنچ چکیں تو اس وقت نمودار ہوئی اس پر مخالف عیسائی بھی آج تک حیران ہیں کہ یہ کیا بات تھی کہ اتنی صدیوں کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی ایسی صراحت کے ساتھ پوری ہوئی۔

مولوی عبداللہ غزنوی

مولوی عبداللہ صاحب غزنوی کا ذکر تھا۔ فرمایا کہ:

وہ اچھے آدمی تھے۔ مرد صالح تھے۔ خدا تعالیٰ نے انکو ہمارے دعویٰ کے زمانہ سے پہلے ہی اُٹھا لیا تاکہ وہ کسی ابتلا میں نہ پڑیں۔ مَیں نے اُن کو خواب میں بھی دیکھا تھا۔ انہوں نے میری تصدیق کی اور کہا کہ جب مَیں دُنیا میں تھا تو مَیں ایسے آدمی کے پیدا ہونے کا منتظر تھا۔

گذشتہ اکابر قابلِ مواخذہ نہیں ہونگے

فرمایا:-
گذشتہ بزرگ جو گذر چکے ہیں اگر انہوں نے مسئلہ وفاتِ مسیح کو نہ سمجھا ہو اور اس میں غلطی کھائی ہو تو اس سبب سے ان پر مؤاخذہ نہیں کیونکہ ان کے سامنے یہ بات کھول کر بیان نہیں کی گئی تھی اور یہ مسائل ان کی راہ میں نہ تھے۔ انہوں نے اپنی طرف سے تقویٰ و طہارت میں حتی الوسع کوشش کی۔ ان لوگوں کی مثال اُن یہودی فقہاء کے ساتھ دی جاسکتی ہے جو کہ بنی اسرائیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے پہلے گذر چکے تھے اور ان کا عقیدہ پختہ تھا کہ آخری نبی جو آنے والا ہے وہ حضرت اسحٰقؑ کی اولاد میں سے ہوگا اور اسرائیلی ہوگا وہ مر گئے اور بہشت میں گئے۔ لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے یہ مسئلہ روشن ہو گیا کہ آنے والا آخری نبی بنی اسمٰعیل میں سے ہے اور ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا تب بنی اسرائیل میں سے جو لوگ ایمان نہ لائے وہ کافر قرار دیئے گئے اور لعنتی ہوئے اور آج تک ذلیل اور خوار اور دربدر مصیبت زدہ ہو کر پھر رہے ہیں۔

سلطنتِ عثمانیہ

سُلطانِ رُوم کا کچھ ذکر تھا۔ فرمایا:-
ان لوگوں میں رُوحانیت نہیں معلوم ہوتی ورنہ وہ یورپ کے محتاج نہ ہوتے۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ حرمین کی حفاظت کرتا ہے یہ غلط ہے بلکہ حرمین اس کی حفاظت کر رہے ہیں۔ ورنہ وہ کرتا ہی کیا ہے؟ آج تک بدوؤں تک کا انتظام نہیں کرسکا۔ ہر سال غریب حاجی اس کثرت کے ساتھ قتل کئے جاتے ہیں اور لُوٹے جاتے ہیں اور وہ کچھ انسداد نہیں کرسکتا۔ اگر اسلامی رُوحانیت اس میں ہوتی تو وہ اکیلا بیس سلطنتوں کے مقابلہ کے واسطے بھی کافی تھا چہ جائیکہ اب اپنی سلطنت کا سنبھالنا بھی مشکل ہو رہا ہے۔ سب مخلوق خدا تعالیٰ کی ہے اور سب کے دل اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں اور وہ سب پر غالب ہے جو خُدا کا بنتا ہے خدا اسے سب پر غالب کر دیتا ہے اور وہ کسی کا محتاج نہیں رہتا۔[1]

۱۸ر اکتوبر ۱۹۰۶ء

جماعتی تصانیف مرکز سے منظور ہو کر شائع ہوں

دہلی سے ایک دوست کی تحریری تحریک پیش ہوئی کہ اپنی جماعت کے بہت سے دوست سلسلہ کی تائید میں کتابیں لکھتے ہیں مگر ان کے چھپوانے کا

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۴۲ صفحہ ۴ مورخہ ۱۸ر اکتوبر ۱۹۰۶ء

کوئی انتظام نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے ایک سرمایہ کے ساتھ ایک کمپنی بنانی چاہیئے اور ایک کارخانہ مطبع کا بنانا چاہیئے جو کہ دہلی میں قائم ہو۔

اس پر حضرت نے فرمایا کہ :۔

ہمیں ایسی کمپنی بنانے کی ثلج صدر نہیں اور ہمیں معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا انجام اچھا ہو۔ بہت سے لوگ اس قسم کے بھی ہوتے ہیں جو دینی علوم سے پوری طرح واقف نہیں ہوتے ان کی تصانیف بجائے فائدہ کے ضرررساں ہوتی ہیں۔ اس قسم کی تصانیف پہلے قادیان میں آنی چاہئیں اور یہاں لوگ اس کو دیکھیں اور اس پر غور کریں کہ آیا وہ چھپنے کے قابل بھی ہیں یا کہ نہیں۔ اوّل تو اس قسم کے آدمی پیدا ہو جانے چاہئیں جو دینی علوم سے پُوری واقفیت رکھنے والے ہوں۔ عالم باعمل ہوں تاکہ ان کی تحریر اور تقریر کا دوسروں پر اثر بھی ہو سکے۔ ایک آدمی جس کے دل میں یہ بات ہو کہ خدا کے واسطے کام کرے وہ کروڑوں آدمی سے بہتر ہے۔

مولوی سیّد محمد احسن صاحب

فرمایا :۔

مولوی سیّد محمد احسن صاحب بحث مباحثہ کے کام میں اور مناظرہ میں یکتا ہیں۔ وہ پورے تحصیل یافتہ ہیں۔ علم حدیث اور علمِ فقہ کے بڑے ماہر ہیں۔ مخالف مولویوں کے مقابلہ میں سلسلہ تصانیف کا کام خُوب کر سکتے ہیں۔ ہر شخص کا کام نہیں کہ ایسے امور میں مداخلت کرے۔

کلام پڑھ کر پھُونکنا

ایک دوست نے سوال کیا کہ مجھے قرآنِ شریف کی کوئی آیت بتلائی جاوے کہ مَیں پڑھ کر اپنے بیمار کو دم کروں تاکہ اس کو شفا ہو۔

حضرت نے فرمایا :۔

بیشک قرآن شریف میں شفا ہے۔ رُوحانی اور جسمانی بیماریوں کا وہ علاج ہے مگر اس طرح کے کلام پڑھنے میں لوگوں کو ابتلاء ہے۔ قرآن شریف کو تم اس امتحان میں نہ ڈالو۔ خدا تعالیٰ سے اپنے بیمار کے واسطے دُعا کرو۔ تمہارے واسطے یہی کافی ہے [1]

۲۰ر اکتوبر ۱۹۰۶ء

صاحب نور کابلی رضی اللہ عنہ

صاحب نور مرحوم کا ذکر تھا۔ حضرت نے

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۴۳ صفحہ ۴ مورخہ ۲۵ر اکتوبر ۱۹۰۶ء

احمد نور کو مخاطب کرکے فرمایا کہ
خدا اس کو بہشت نصیب کرے۔ مَیں اس کی اچانک موت کی خبر سُنکر صدمہ سے خود بیمار ہوگیا تھا اس واسطے جنازہ پڑھنے کے واسطے باہر نہ آسکا۔
مولوی احمد نور صاحب نے ذکر کیا کہ رات بھر قرآن شریف پڑھتا رہا تھا اور صبح کو بالکل تندرست دکان پر بیٹھا تھا۔ اچانک موت آگئی۔
دوسرے لوگوں نے ذکر کیا کہ نیک آدمی تھا۔ دنیاوی دھندوں جھگڑوں کے ساتھ کوئی تعلق نہ تھا علیحدہ رہتا تھا۔
حضرت نے فرمایا:۔
وہ تو دنیوی تعلقات پہلے ہی چھوڑ کر اور ہجرت کرکے قادیان میں آبسا تھا۔[2]

بلا تاریخ[3]

نماز میں بے حضوری کا علاج

ایک شخص نے سوال کیا کہ جب میں نماز میں کھڑا ہوتا ہوں تو مجھے حضورِ قلب حاصل نہیں ہوتا۔ کیا اس صورت میں میری نماز ہوتی ہے یا نہیں؟
فرمایا کہ:۔
انسان کی کوشش سے جو حضورِ قلب حاصل ہوسکتا ہے وہ یہی ہے کہ مسلمان وضو کرتا ہے۔ اپنے آپ کو کشاں کشاں مسجد تک لے جاتا ہے۔ نماز میں کھڑا ہوتا ہے اور نماز پڑھتا ہے۔ یہاں تک انسان کی کوشش ہے اس کے بعد حضورِ قلب کا عطا کرنا خدا تعالیٰ کا کام ہے۔ انسان اپنا کام کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ بھی ایک وقت پر اپنی عطا نازل کرتا ہے۔ نماز میں بے حضوری کا علاج بھی نماز ہی ہے۔ نماز پڑھتے جاؤ۔ اس سے سب دروازے رحمت کے کُھل جاویں گے۔[4]

---

[1] یہ صاحب نُور مرحوم کے بھائی تھے یہ دونوں بھائی صاحبزادہ عبد اللطیف شہیدؓ کے مرید تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان لاکر ہجرت کرکے قادیان میں مقیم ہوگئے۔ (مرتب)

[2] بدر جلد ۲ نمبر ۴۳ صفحہ ۴ مورخہ ۲۵؍ اکتوبر ۱۹۰۶ء

[3] غالباً اکتوبر ۱۹۰۶ء کے ابتدائی ایام کے یہ ملفوظات ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب (مرتب)

[4] بدر جلد ۲ نمبر ۴۳ صفحہ ۱۳ مورخہ ۲۵؍ اکتوبر ۱۹۰۶ء

۲۸ ؍اکتوبر ۱۹۰۶ء

(صبح کی سیر)

قرآن شریف کی رخصتوں پر عمل کرنا بھی تقویٰ ہے

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ معلوم کرکے کہ لاہور سے شیخ محمد چٹو آئے ہیں اور احباب بھی آئے ہیں۔ محض اپنے خُلقِ عظیم کی بناء پر باہر نکلے غرض یہ تھی کہ باہر سیر کو نکلیں گے۔ احباب سے ملاقات کی تقریب ہوگی۔ چونکہ پہلے سے لوگوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ حضرت اقدس باہر تشریف لائیں گے اس لیے اکثر احباب چھوٹی مسجد میں موجود تھے۔ جب حضرت اقدس اپنے دروازے سے باہر آئے تو معمول کے موافق خدام پروانہ وار آپ کی طرف دوڑے۔ آپ نے شیخ صاحب کی طرف دیکھ کر بعد سلام مسنون فرمایا:۔

حضرت اقدس۔ آپ اچھی طرح سے ہیں؟ آپ تو ہمارے پُرانے ملنے والوں میں سے ہیں۔

بابا چٹو۔ شکر ہے۔

حضرت اقدس۔ (حکیم محمد حسین قریشی کو مخاطب کرکے) یہ آپ کا فرض ہے کہ ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ ان کے کھانے ٹھہرنے کا پورا انتظام کردو۔ جس چیز کی ضرورت ہو مجھ سے کہو اور میاں نجم الدین کو تاکید کردو کہ ان کے کھانے کے لیے جو مناسب ہو اور پسند کریں وہ تیار کرے۔

حکیم محمد حسین۔ بہت اچھا حضور۔ انشاء اللہ کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔

حضرت اقدس۔ (بابا چٹو کو خطاب کرکے) آپ تو مسافر ہیں۔ روزہ تو نہیں رکھا ہوگا؟

بابا چٹو۔ نہیں مجھے تو روزہ ہے مَیں نے رکھ لیا ہے۔

حضرت اقدس۔ اصل بات یہ ہے کہ قرآن شریف کی رخصتوں پر عمل کرنا بھی تقویٰ ہے۔ خدا تعالیٰ نے مسافر اور بیمار کو دوسرے وقت رکھنے کی اجازت اور رخصت دی ہے اس لیے اس حکم پر بھی تو عمل رکھنا چاہیئے۔ مَیں نے پڑھا ہے کہ اکثر اکابر اس طرف گئے ہیں کہ اگر کوئی حالتِ سفر یا بیماری میں روزہ رکھتا ہے تو یہ معصیت ہے۔ کیونکہ غرض تو اللہ تعالیٰ کی رضا ہے نہ اپنی مرضی اور اللہ تعالیٰ کی رضا فرمانبرداری میں ہے جو حکم وہ دے اس کی اطاعت کی جاوے اور اپنی طرف سے اس پر حاشیہ نہ چڑھایا جاوے۔ اس نے

---

[1] پہلے یہ فرقہ اہلحدیث میں شامل تھے۔ بعد میں چکڑالوی مسلک اختیار کرلیا۔ حضور کی خدمت میں جب آئے تو چکڑالوی تھے (مرتب)

تو یہی حکم دیا ہے مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ (البقرۃ : ۱۸۵)
اس میں کوئی قید اور نہیں لگائی کہ ایسا سفر ہو یا ایسی بیماری ہو۔ میں سفر کی حالت میں روزہ نہیں رکھتا اور ایسا ہی بیماری کی حالت میں۔ چنانچہ آج بھی میری طبیعت اچھی نہیں اور میں نے روزہ نہیں رکھا۔ چلنے پھرنے سے بیماری میں کچھ کمی ہوتی ہے اس لیے باہر جاؤں گا۔ کیا آپ بھی چلیں گے۔

بابا چٹو۔ نہیں میں تو نہیں جا سکتا۔ آپ ہو آئیں۔ یہ حکم تو بے شک ہے مگر سفر میں کوئی تکلیف نہیں پھر کیوں روزہ نہ رکھا جاوے۔

حضرت اقدس۔ یہ تو آپ کی اپنی رائے ہے۔ قرآن شریف نے تو تکلیف یا عدم تکلیف کا کوئی ذکر نہیں فرمایا اب آپ بوڑھے ہو گئے ہیں۔ زندگی کا اعتبار کچھ نہیں۔ انسان کو وہ راہ اختیار کرنی چاہیئے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو جاوے اور صراطِ مستقیم مل جاوے۔

بابا چٹو۔ میں تو اسی لیے آیا ہوں کہ آپ سے کچھ فائدہ اُٹھاؤں۔ اگر یہی راہ سچی ہے تو ایسا نہ ہو کہ ہم غفلت ہی میں مر جاویں۔

حضرت اقدس۔ ہاں یہ بہت عمدہ بات ہے۔ میں تھوڑی دُور ہو آؤں۔ آپ آرام کریں۔ (یہ کہہ کر حضرت اقدس سیر کو تشریف لے گئے)[1]

(قبل دوپہر)

اَلصُّلْحُ خَيْرٌ[2]

حضرت حجۃ اللہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور دو بھائیوں کے کسی باہمی نزاع کا ذکر خواجہ صاحب نے کیا۔ یہ امر انسانی فطرت کے خلاف نہیں کہ باہم نزاع ہو۔ حقیقی بھائیوں میں بھی ہو جاتا ہے اور انسانی اَمزِجہ کا اختلاف جو خدا تعالیٰ کی ہستی کا بیّن اور واضح ثبوت ہے اس امر کا مقتضی ہے کہ اختلافِ رائے اور اختلافِ خیال سے کبھی نزاع بھی پیدا ہو مگر وہ نزاع قابلِ ذکر یا قابلِ لحاظ نہیں ہوا کرتا جہاں خدا تعالیٰ کی رضا کو مقدم کر کے اپنے نزاع کو چھوڑ دیا جاوے۔ بہر حال دو بھائیوں کے نزاع کا ذکر تھا اور خواہش یہ کی گئی تھی کہ حضور ارشاد فرماویں گے تو ان میں سے کسی کو بھی شکایت باقی نہ رہے گی اس پر حضور نے عام طور پر فرمایا:۔

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۴ صفحہ ۱۴ مورخہ ۳۱ جنوری ۱۹۰۷ء ٭ [2] سورۃ النساء : ۱۲۹

مَیں صلح کو پسند کرتا ہوں اور جب صلح ہو جاوے پھر اس کا ذکر بھی نہیں کرنا چاہیئے کہ اس نے کیا کہا یا کیا کیا تھا مَیں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص جس نے مجھے ہزاروں مرتبہ دجّال اور کذّاب کہا ہو اور میری مخالفت میں ہر طرح کوشش کی ہو اور وہ صلح کا طالب ہو تو میرے دل میں خیال بھی نہیں آتا اور نہیں آسکتا کہ اس نے مجھے کیا کہا تھا اور میرے ساتھ کیا سلوک کیا تھا ہاں خدا تعالیٰ کی عزت کو ہاتھ سے نہ دے۔

یہ سچی بات ہے کہ جو شخص چاہتا ہے کہ اس کی وجہ سے دوسروں کو فائدہ پہنچے اس کو کینہ ور نہیں ہونا چاہیئے اگر وہ کینہ ور ہو تو دوسروں کو اس کے وجود سے کیا فائدہ پہنچے گا؟ جہاں ذرا اس کے نفس اور خیال کے خلاف ایک امر واقع ہوا وہ انتقام لینے کو آمادہ ہو گیا۔ اسے تو ایسا ہونا چاہیئے کہ اگر ہزاروں نشتروں سے بھی مارا جاوے پھر بھی پروا نہ کرے۔

میری نصیحت یہی ہے کہ دو باتوں کو یاد رکھو۔ ایک خدا تعالیٰ سے ڈرو۔ دوسرے اپنے بھائیوں سے ایسی ہمدردی کرو جیسی اپنے نفس سے کرتے ہو۔ اگر کسی سے کوئی قصور اور غلطی سرزد ہو جاوے تو اسے معاف کرنا چاہیئے نہ یہ کہ اس پر زیادہ زور دیا جاوے اور کینہ کشی کی عادت بنالی جاوے۔

نفس انسان کو مجبور کرتا ہے کہ اس کے خلاف کوئی امر نہ ہو اور اس طرح پر وہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تخت پر بیٹھ جاوے اس لیے اس سے بچتے رہو۔ مَیں سچ کہتا ہوں کہ بندوں سے پورا خُلق کرنا بھی ایک موت ہے مَیں اس کو ناپسند کرتا ہوں کہ اگر کوئی ذرا بھی کسی کو توں تاں کرے تو وہ اس کے پیچھے پڑ جاوے۔ مَیں تو اس کو پسند کرتا ہوں کہ اگر کوئی سامنے بھی گالی دے دے تو صبر کر کے خاموش ہو رہے۔

انبیاء کی سختی

بعض لوگ اپنی نادانی سے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ نبی بعض اوقات سختی کرتے ہیں وہ اس امر کو سمجھ نہیں سکتے کہ ان کی سختی کا رنگ اَور ہے۔ اس میں کینہ ملا ہوا نہیں ہوتا وہ اپنے نفس کے لیے نہیں کرتے۔ اس میں کوئی ذاتی غرض ان کی مدنظر نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالےٰ کی عزت کے لیے اور اس کی اپنی اصلاح کے لیے۔

دیکھو ماں بچے کو بعض وقت مارتی بھی ہے اور سخت مارتی ہے۔ دوسرا دیکھنے والا کہہ سکتا ہے کہ کیسی بے دردی سے مار رہی ہے مگر وہ اس سے ناواقف ہے کہ اس کی شفقت کا اندازہ کر سکے۔ اگر ماں کی محبت اور ہمدردی کی اُسے خبر ہوتی تو وہ ایسا وہم نہ کرتا۔ کیا یہ سچ نہیں کہ اگر بچے کو ذرا بھی درد ہو تو ماں ساری رات بے قرار رہتی اور اس کی خدمت گذاری میں گذار دیتی ہے۔ دوسرا کون ہے جو اس شفقت اور ہمدردی کا مقابلہ کر سکے۔ اسی طرح پر نبی کی سختی ہوتی ہے اس کے دل میں ایک درد اور کوفت ہوتی ہے خدا تعالیٰ کی مخلوق کی اصلاح کے لیے۔ وہ چاہتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے عذاب سے بچ جاوے۔ اگر اپنے کسی خادم پر سختی کرتا ہے تو شفیق ماں کی طرح راتوں

اُٹھ اُٹھ کر دُعائیں بھی تو اسی کے لیے کرتا ہے۔ غرض ماں باپ اور شفیق اُستاد کی سختی سختی نہیں وہ تو عین رحمت اور شفقت ہے۔ ایسا ہی عادل بادشاہ کی سختی بھی سختی نہیں۔ نادانی سے لوگ اعتراض کر اُٹھتے ہیں اور شور مچاتے ہیں عادل بادشاہ ہمیشہ اپنی رعایا کی بھلائی اور خیر خواہی چاہتا ہے۔

میں بار بار یہی کہوں گا کہ نفس پرستی کی شیخی خدا تعالےٰ کو ہرگز پسند نہیں ہے اس لیے اس قسم کے نزاعوں کو یکدم چھوڑنا چاہیئے[1]

یاد رکھو۔ اگر ایک بھی راستباز ہوگا وہ ہزاروں کو اپنی طرف کھینچ لائے گا اور راستباز وہ ہے جو اس کے اور اس کے نفس کے درمیان ہزاروں کوس کا فاصلہ ہو۔ مذہب کی جڑ یہی ہے۔ تقویٰ اور خدا ترسی اور مذہب یہی ہے دکانداری کا نام دین نہیں ہے[2]

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے دعویٰ کی صداقت کے دلائل

اس تقریر کے دوران ہی میں شیخ صاحب بھی تشریف لے آئے اور جب حضرت اقدس کو اپنی طرف متوجہ پایا تو پھر آپ سے سلسلہ کلام شروع کیا۔ وہ مکالمہ درج ذیل ہے :۔

بابا چٹو۔ قرآن سے اپنا دعویٰ پیش کریں۔

حضرت اقدس۔ میرا دعویٰ انہیں دلائل سے ثابت ہے جن سے قرآن شریف خدا تعالیٰ کا کلام ثابت ہوتا ہے پس پہلے آپ یہ بتائیں کہ آپ نے قرآن شریف کو کیوں مانا ہے؟ جو طریق آپ پیش کریں گے اسی طرح پر میرا دعویٰ ثابت ہو جائے گا۔

بابا چٹو۔ قرآن کو تو اسی طرح مانا ہے جس طرح خدا کو مانا ہے۔

حضرت اقدس۔ آخر وہ صورت بھی تو آپ بتائیں کہ کس طرح مانا ہے؟ خدا تعالیٰ تو اپنی قدرتوں سے شناخت ہوا ہے مگر قرآن شریف کے ماننے کے وجوہات آپ کے پاس کیا ہیں؟ نرا زبان سے کہہ دینا کہ میں اس کو خدا تعالیٰ کا کلام مانتا ہوں دوسرے کی تسلی کا موجب تو نہیں ہوا کرتا۔ ہر نبی اور رسُول جو خدا تعالیٰ کی طرف

---

[1] اس مقام پر حضرت حجۃ اللہ پہنچے تھے کہ ایک بھائی نے فوراً ہی اپنے دوسرے بھائی سے السلام علیکم کہہ کر ہاتھ ملا لیا اور صلح کر لی۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء (ایڈیٹر الحکم)

[2] الحکم جلد ۱۰ نمبر ۴۲ صفحہ ۳ مورخہ ۱۰؍دسمبر ۱۹۰۶ء

سے مامور ہو کر آیا کرتا ہے وہ بھی اپنے صدقِ دعویٰ کے دلائل اور نشانات رکھا کرتا ہے۔ یونہی اگر اس کے کہنے ہی پر ماننے والے ہوں تو پھر دلائل کیوں پوچھیں؟ اس لیے دلائل ہوتے ہیں۔ مگر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ لوگ نری منقولی باتوں کے محتاج نہیں ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ اُن کی سچائی کے لیے ان کی تائید میں خارق عادت نشانات ظاہر فرماتا ہے۔ پھر ان نشانات سے بھی فائدہ اُٹھانے والے سب نہیں ہوتے۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کے دلائل کچھ تھوڑے تھے؟ مگر پھر بھی یہودیوں اور عیسائیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو (معاذ اللہ) جھوٹا کہہ دیا۔ ان کی تو کتابوں میں بھی آپ کی پیشگوئیاں موجود تھیں۔ اسی طرح پر میری سچائی ثابت ہوسکتی ہے لیکن اس کے لیے اصل اور آسان راہ وہی ہے جو آپ اُن دلائل کو پیش کریں جن سے آپ نے قرآن شریف کو قبول کیا ہے۔

(حضرت حجۃ اللہ اس طرز پر کلام فرما رہے تھے کہ بابا چٹو نے اپنی عمر اور آدابِ مجلس کا کچھ بھی لحاظ نہ کر کے آپ کا قطعِ کلام کیا اور درمیان ہی میں بول اُٹھے کہ مجھے یہی علم پہنچا ہے کہ سب نبیوں پر قرآن نازل ہوا تھا۔

حضرت اقدس۔ اب آپ نے ایک اور دعویٰ کر دیا۔ اچھا آپ یہ تو بتائیں کہ کوئی دعویٰ بلا دلیل تو نہیں ہوا کرتا۔ آپ یہ امر ثابت کریں کہ یہودی جو اس وقت موجود ہیں۔ وہ توریت کا درس کرتے ہیں یا قرآن شریف کا؟ اور قرآن شریف ان پر توریت کے ذریعہ اتمامِ حجت کرتا ہے یا نہیں؟ ایسا ہی عیسائیوں کے پاس انجیل موجود ہے۔ کیا وہ اس انجیل کو پڑھتے ہیں یا قرآن شریف کو؟ آپ کے اس دعویٰ کا کیا مطلب ہے؟ اور اس کا کیا ثبوت ہے؟ کیا یہودیوں اور عیسائیوں کے پاس توریت اور انجیل کے سوا یہ قرآن بھی تھا؟

بابا چٹو۔ نہیں۔ ان کے پاس قرآن تو نہ تھا مگر نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ وہ بھی کرتے تھے۔

حضرت اقدس۔ پھر کیا اس سے یہ ثابت ہوا کہ اُن پر بھی قرآن شریف اُترا تھا؟ یہ تو سچ ہے کہ بعض احکام مشترکہ چلے آئے ہیں اور بعض احکام ایسے ہوتے ہیں کہ ایک اُمت اور قوم کے لیے خاص ہوتے ہیں۔ جیسے یہودیوں میں اونٹ کا گوشت کھانا یا بیت المقدس کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھنا۔ اور بھی بہت سے احکام ایسے دونو قوموں میں ہیں جو اُن کے لیے مخصوص تھے۔ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم وقت اور موقعہ کے حسب حال ہوتی ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت چونکہ ہر قسم کے فساد کمال تک پہنچ چکے تھے اس لیے ان کی اصلاح کے لیے جو تعلیم دی گئی وہ کامل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ خاتم الکتب قرآن مجید نازل ہوا۔ اور آپ پر نبوت ختم ہو گئی۔

(حضرت اقدس اس موقعہ پر بھی لمبی تقریر کرنا چاہتے تھے مگر افسوس کہ بابا چٹو کی جلد بازی نے پھر انہیں

قطعِ کلام پر دلیر کر دیا اور جھٹ بول اُٹھے کہ)
مَیں چاہتا ہوں کہ بیعت سے محروم نہ ہوں۔
حضرت اقدس۔ یہ تو خدا تعالیٰ کے فضل پر موقوف ہے۔ وہ جس کو چاہے ہدایت دے یہ میرا کام نہیں۔ ہاں مَیں اپنی سچائی کا ثبوت دے سکتا ہوں اور ایسا ثبوت دے سکتا ہوں جو انسانی طاقت سے بالاتر ہو اور جس کی نظیر پہلے انبیاء اور مرسلین کے سوا نہ ملتی ہو۔
بابا چٹو۔ ہاں ٹھیک ہے۔
حضرت اقدس۔ پھر قصہ مختصر ہے۔
(یہ جملہ بالطبع چاہتا ہے کہ حضرت اقدس اب اپنے ثبوتِ دعویٰ پر دلائل بیان کریں۔ مگر سید محمد یوسف صاحب کو جو چیز اندر ہی اندر دُکھ دے رہی تھی وہ باہر نکلے بغیر رہ نہ سکتی تھی اور ان کا مقصد یہ معلوم ہوتا تھا کہ ان کے جُبّہ و دستار کی فضیلت جاتی رہے گی اگر اس موقعہ پر انہوں نے کلام نہ کیا۔ اس لیے وہ بے اختیار ہو کر بولے)
بابا صاحب آپ کا سوال نہیں سمجھے۔ میں جواب دیتا ہوں۔
اس پر بابا چٹو نے کہا کہ ہاں مولوی صاحب بیان کریں گے۔ اس لیے حضرت اقدس نے فرمایا کہ
ان کو اختیار ہے کہ یہ بیان کریں[1]
جب مولوی سید محمد یوسف صاحب اسی سلسلہ گفتگو میں آدابِ مجلس کے خلاف دخل در معقولات دینے لگے تو پھر سلسلہ کلام بابا چٹو کے اشارے سے یوں شروع ہوا۔
وکیل بابا چٹو۔ آپ کا سوال یہ ہے کہ قرآن کو ہم نے کیونکر مانا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کو ہم نے اس لیے مانا کہ مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوئے۔
حضرت اقدس۔ یہ تو عجیب دلیل ہے۔ اس طرح پر تو ہر شخص اپنی کتاب اور اپنے مذہب کی حقانیت آسانی سے ثابت کر سکتا ہے۔ صرف یہ کہہ کر کہ مَیں ہندوؤں یا عیسائیوں کے گھر میں پیدا ہوا ہوں آپ کی اس دلیل میں اور قرآن مجید کے مقابلہ میں مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا کہنے والوں میں کیا فرق ہے؟ کیا آپ بتا سکتے ہیں؟
وکیل بابا چٹو۔ جب سب مسلمان قرآن کو متفق طور پر مانتے ہیں پھر اس کے لیے کسی اور دلیل کی حاجت ہی نہیں۔
حضرت اقدس۔ یہ تو خوب جواب ہے۔ جو شخص مسلمانوں کے گھر میں پیدا نہ ہوا ہو کیا اس کو بھی یہی دلیل دو گے؟

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۴ صفحہ ۱۴-۱۵ مورخہ ۳۱ جنوری ۱۹۰۷ء

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کے اعتقاد کے موافق قرآن مجید کی حقانیت کی دلیل اب پیدا ہوئی جب تیرہ سو سال گذر گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت معاذ اللہ کوئی ہی نہ تھی۔

وکیل بابا چٹو۔ اس وقت دلیل کی حاجت ہی کیا تھی؟

حضرت اقدس۔ تو آپ کے اس جواب کے موافق قرآن شریف اب ثابت ہوا۔ اس وقت تک محض ایک بے ثبوت کتاب تھی۔ یہ تو بڑے افسوس کی بات ہے کہ آپ کوئی دلیل ہی پیش نہیں کر سکتے بجز اس کے کہ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا (المائدۃ: ۱۰۵) یہ تو کفار بھی کہتے تھے۔ اگر یہ اُصول آپ قرآن مجید کی حقانیت کا پیش کریں گے کہ سب فرقے مانتے ہیں تو پھر ثابت ہوگا کہ دوسرے مذاہب سچے ہیں کیونکہ وہ بھی تو اپنی مذہبی کتاب کو مانتے ہیں۔

وکیل بابا چٹو۔ ہم ان کی بات کیوں مانیں۔ ہم کہدیں گے لَنَآ اَعْمَالُنَا۔ (البقرۃ: ۱۴۰)

حضرت اقدس۔ مَیں بہت افسوس سے ظاہر کرتا ہوں کہ آپ لوگوں نے اسلام کی حالت پر غور ہی نہیں کی اور قرآن کریم کو سمجھا ہی نہیں۔ اسلام تو اس وقت بتیس دانتوں میں زبان ہو رہا ہے۔ ہر طرف سے اس پر حملے اور اعتراض ہو رہے ہیں۔ اگر یہی جواب دیا جاوے تو پھر کیا فائدہ ہوگا؟

مَیں نے پہلے بھی کہا ہے۔ اب بھی یہ کہتا ہوں کہ اگر یہ طریق استدلال صحیح ہو تو قطعی فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ فرقوں کا مختلف[1] طور پر ایک بات کو مان لینا اس کی حقانیت کی دلیل نہیں ہوا کرتا۔ اور یہ ہتھیار اس زمانہ میں ہمارے لیے کام نہیں دے سکتا۔ اگر ایک پادری آپ پر اعتراض کرے اور آپ اس کے جواب میں یہ کہہ دیں کہ چونکہ سب فرقے مان رہے ہیں اس لیے ہم قرآن مجید کو خدا کی کتاب مانتے ہیں تو آپ ہی بتائیں کہ اس کا کیا اثر ہوگا؟

مَیں آپ کو سچ سچ کہتا ہوں اور محض خدا کے لیے کہتا ہوں کہ آپ اس معاملہ پر غور کریں۔ ضد اور تعصّب اور بات ہے اور حق کو قبول کرنا اور شئے ہے۔ مَیں نے بھی مرنا ہے اور آپ نے بھی ایک دن ضرور مرنا ہے۔ پھر کیوں موت کو سامنے رکھ کر میرے معاملہ میں غور نہیں کرتے کیا اس امر میں مَیں خدا تعالیٰ پر افترا کر سکتا ہوں۔ مَیں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مَیں مفتری نہیں ہوں۔ مجھے خدا تعالیٰ نے اس صدی پر امام بنا کر بھیجا ہے اور اپنے وعدوں کے موافق بھیجا ہے اور مَیں اس میں آپ پر جبر نہیں کرتا کہ آپ ضرور اس کو مان لیں کیونکہ قرآن مجید میں تو یہ حکم ہے لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (البقرۃ: ۲۵۷) ہاں یہ سچ

---

[1] سہو کاتب معلوم ہوتا ہے "متفق طور پر" ہونا چاہیئے۔ (مصحح)

ہے کہ میں یہ حق رکھتا ہوں کہ اپنے دعویٰ کی سچائی پر دلائل پیش کروں اور اسی لیے میں نے کہا تھا کہ جن دلائل سے قرآن مجید کا کلامِ الٰہی ہونا ثابت ہوتا ہے اسی طرح پر میرا ثبوت ہے مگر آپ وہ طرزِ استدلال پیش نہیں کرتے اور میری بات سنتے نہیں پھر میں کیا کروں۔

میں پھر کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے ہمیں روشن دلائل دیئے ہیں۔ انہیں ہم ایک ترازو میں رکھتے ہیں اور دوسری طرف ان دلائل کو رکھتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی سچائی کے دلائل ہیں پھر یہ دونو پلڑے برابر ہوں گے۔ میں جس طرح کتاب اللہ کو مانتا ہوں کہ وہ خدا تعالیٰ کی کتاب ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر فی الواقعہ نازل ہوئی۔ اسی طرح پر میں اس وحی پر ایمان لاتا ہوں جو مجھ پر اُترتی ہے۔ میں اس کو خدا ہی کا کلام اور خالص کلام یقین کرتا ہوں۔ میں قرآن شریف کا ایک خادم ہوں اور یہ وحی جو مجھ پر اُترتی ہے یہ قرآن شریف کی سچائی کا ایک روشن ثبوت ہے۔

نبوت کے فقط یہ معنے ہیں کہ خدا تعالیٰ سے کلام کرے اور قدرتی معجزات دکھائے یہ آپ کا حق ہے کہ قرآن شریف سے اس کے معارض ثابت کریں۔

میں پھر کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کا وہ کلام جو مجھ پر اُترتا ہے میں اس پر اسی طرح ایمان لاتا ہوں جیسے قرآن شریف پر یعنی جیسے قرآن شریف خدا تعالیٰ ہی کا کلام ہے وہ وحی بھی اسی کی طرف سے ہے۔

وکیل باباچٹو۔ میں اس امر میں آپ کی تکذیب کرتا ہوں۔ اگر تکذیب نہ کرتا تو آپ کی بیعت کر لیتا۔

حضرت اقدس۔ تو کیا پھر آپ مجھے مفتری علی اللہ سمجھتے ہیں؟

وکیل باباچٹو۔ نہیں میں نہیں کہتا کیونکہ لَا تَجَسَّسُوْا پر میرا عمل ہے۔

حضرت اقدس۔ میں آپ سے اور کچھ نہیں کہتا بجز اس کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن پکڑ لو۔ سعادت اسی میں ہے۔

وکیل بابا۔ زندہ رسول کے موافق ہو تو مان لیں۔ میں آپ کو مجدد بھی نہیں مان سکتا۔

حضرت اقدس۔ پھر سہل راہ یہ ہے کہ مباہلہ کر لو۔

وکیل بابا۔ میں موجود ہوں۔

حضرت اقدس۔ یہ تو آپ بھی جانتے ہوں گے کہ سادہ لوح کی تکذیب کچھ چیز نہیں۔ اس لیے پہلے ضروری ہے کہ آپ پر اتمامِ حجت ہو لے۔ میں نے ایک کتاب حقیقۃ الوحی لکھی ہے۔ آپ اس کو خوب غور سے پڑھ لیں اور میرے دلائل پر غور کر لیں۔ اس کے بعد بھی اگر بعد امتحان آپ میری تکذیب کریں تب آپ کو مباہلہ کا اختیار ہے۔

وکیل بابا۔ بہت اچھا میں تعمیل کروں گا۔

(اور اس وقت بار بار کہتا تھا کہ مَیں جھوٹا ہوں تو میرا مرنا ہی بہتر ہے) اس کے بعد مباہلہ کے لیے مندرجہ ذیل اقرار نامہ لکھا گیا:۔

مباہلہ کیلئے اقرار نامہ

جو حکیم مولوی محمد یوسف صاحب سیاح سے ۲۸؍اکتوبر ۱۹۰۶ء کو قبل ظہر ہوا۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

مباہلہ سے پہلے کتاب حقیقۃ الوحی کو آپ پڑھ لیں اور خوب غور سے سمجھ لیں۔ اس کے بعد بھی اگر آپ میری تکذیب کریں تو مباہلہ ہوگا مگر پہلے دس سوال اس کتاب سے کروں گا۔ اُن کے جواب لوں گا تاکہ معلوم ہو آپ نے سمجھ لیا ہے جو دس سوال مَیں کروں گا ان کا جواب انہیں الفاظ میں دینا ہوگا جو مَیں نے لکھے ہیں اور پھر ایک شخص اس وقت لکھتا جاوے گا اور کتاب سے مقابلہ ہوگا۔ اگر موافق نہ ہوا تو پھر کتاب دیکھنی ہوگی اور پھر اس طرح پر دس سوال ہوں گے۔

مکرر یہ بات یاد رہے کہ متفرق مقامات کتاب حقیقۃ الوحی سے دس طور کی باتیں میں مولوی حکیم محمد یوسف صاحب سے دریافت کروں گا اور یہ ایک لازمی امر ہوگا کہ ہر ایک سوال کا کتاب کے موافق پُورا پورا جواب دیں۔ کسی حصہ میں کمی نہ ہو۔ اور اگر کسی سوال کے جواب دینے میں پُورا جواب نہ پایا جاوے تو پھر لازم ہوگا کہ دوبارہ کتاب کو اوّل سے آخر تک دیکھیں اور پھر نئے دس سوال انتخاب کئے جاویں گے۔ اگر اس میں بھی کسی جواب کے دینے میں کمی ہو تو یہی قاعدہ جاری رہے گا جب تک دس سوال کا پورے طور پر جواب نہ دیں۔

حکیم محمد یوسف صاحب نے یہ بھی اقرار کیا کہ وہ کتاب پڑھ کر جب اس غرض کے لیے آئیں گے تو وہ دن اس مطلب کے لیے شمار نہ ہوگا اور وہ خود اس مطلب کے لیے آئیں گے۔ اس کتاب کے پُورے دیکھنے سے ایک دن پہلے ہمیں اطلاع دیں تاکہ سوالات کے انتخاب کے لیے وقت مِل سکے۔

المعتصم بحبل الفتاح سید محمد یوسف سیاح بقلم ۲۸؍اکتوبر

دستخط ہندی بابا چٹو

مرزا غلام احمد عفی عنہ

گواہ شد: خواجہ کمال الدین وکیل [1]

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۵ صفحہ ۲،۳ مورخہ ۱۰؍فروری ۱۹۰۷ء

بلا تاریخ[1]

حقیقی مسلمان کا مقصد

حقیقی مسلمان کا یہ مقصد نہیں ہوا کرتا کہ اس کو خوابیں آتی رہیں بلکہ اس کا مقصد تو ہمیشہ یہ ہونا چاہیئے کہ

اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جائے

اور جہاں تک اس کی طاقت اور ہمت میں ہے اس کو راضی کرنے کی سعی کرے۔ اگرچہ یہ سچ ہے کہ یہ بات نرے مجاہدہ اور سعی سے نہیں ملتی بلکہ یہ بھی خدا تعالیٰ کے فضل اور توفیق پر موقوف ہے۔ مگر اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ وہ رحیم کریم ایسا ہے کہ اگر کوئی اس کی طرف بالشت بھر آتا ہے تو وہ ہاتھ بھر آتا ہے اور اگر کوئی معمولی رفتار سے اسکی طرف قدم اٹھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف دوڑ کر آتا ہے۔ غرض مومن کبھی ان باتوں کو اپنی زندگی کا مقصد تجویز نہیں کرتا کہ اُسے خوابیں آنے لگیں یا کشوف ہوں یا الہامات ہوں۔ وہ تو ہمیشہ یہی چاہتا ہے کہ خدا تعالیٰ اس سے راضی ہو جاوے۔ اللہ تعالیٰ کی مقادیر اور قضا سے راضی ہو جانا بھی سہل امر نہیں۔ یہ ایک مشکل اور تنگ راہ ہے۔ اس سے ہر کوئی گذر نہیں سکتا۔

پس جب انسان ان اغراض کو مدّ نظر رکھے گا کہ خدا تعالیٰ اس سے راضی ہو جاوے اور وہ خدا تعالیٰ سے راضی ہو جاوے اور متّقی اور مخلص مومن ہو کر اعمالِ صالحہ بجا لاوے تو ایسے لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے جو معاملات ہوا کرتے ہیں اور جو سُنّت اللہ اس کی جاری ہے وہ اس کے ساتھ بھی ضرور ہی ہوگی۔ اس کی خواہش کی حاجت ہی کیا۔ خود اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ (حٰمٓ السجدہ: ۳۱) یعنی جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور پھر انہوں نے سچی استقامت دکھائی یعنی ہر قسم کے مصائب اور مشکلات عسر یسر میں انہوں نے قدم آگے ہی بڑھایا اور ہر قسم کے امتحانوں میں وہ پاس ہو گئے تو پھر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان پر ملائکہ کا نزول ہوتا ہے جو اُن کو خوشخبریاں دیتے ہیں کہ ہم تمہارے ولی ہیں۔ اس حیاتِ دُنیا میں تمہیں کوئی غم اور حزن نہ ہوگا۔ یا دوسری جگہ فرمایا اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (البقرۃ: ۲۵۸) یعنی اللہ تعالیٰ مومنوں کا ولی ہوتا ہے اور انہیں ہر قسم کی تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔

میں نے ایسے لوگ دیکھے ہیں کہ جن کو اس بات کا ٹھرک ہوتا ہے کہ انہیں کشف ہو اور بعض کشفِ قبور، تسخیر

---

[1] اس ڈائری پر کوئی تاریخ درج نہیں۔ آخر میں ایڈیٹر صاحب الحکم نے "پُرانی یاد داشت سے" کے الفاظ لکھے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پُرانے ملفوظات ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب (خاکسار مرتب)

وغیرہ بیہودہ باتوں کی طرف توجہ کرتے ہیں مگر مَیں اپنے تجربہ سے کہتا ہوں کہ یہ چیزیں کچھ بھی نہیں۔ اصل بات یہی ہے کہ انسان کا دل خدا تعالیٰ کی خالص محبت سے اس طرح پر لبریز ہو جاوے جیسے کہ عطر کا شیشہ بھرا ہوا ہو۔ اور خدا تعالیٰ اس سے خوش ہو جاوے۔ یہ مُراد اگر مل جاوے تو اس سے بڑھ کر اَور کوئی مُراد نہیں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ سے ایسا قرب اور تعلق ہو کہ اس کا دل اللہ تعالیٰ کا تخت گاہ ہو تو یہ ناممکن ہے کہ یہ اس کے انوار و برکات سے مستفیض نہ ہو اور اس کا کلام نہ سُنے۔

اگر چاہتے ہو کہ اس کا کلام سُنو تو اس کا قُرب حاصل کرو۔ مگر یہ یاد رکھو کہ اصل مقصود تمہارا یہ نہ ہو۔ ورنہ میرا اپنا یہی مذہب ہے کہ یہ بھی ایک قسم کا شرک ہوگا[1] کیونکہ خدا تعالیٰ کی رضا جوئی اور اس کی محبت کی غرض اصل تو یہ ہوئی کہ الہام ہوں یا کشوف ہوں اور پھر باریک طور پر اس کے ساتھ نفسانی غرض یہ ملی ہوئی ہوتی ہے کہ اس سے ہماری شہرت ہو۔ لوگوں میں ہم ممتاز ہوں۔ ہماری طرف رجوع ہو۔ یہ باتیں صافی تعلقات میں ایک روک ہو جاتی ہیں اور اکثر اوقات شیطان ایسے وقت پر قابو پا لیتا ہے۔ وہ باریک نفسانی غرض کو پا لیتا ہے۔ پھر نفسانی خواہشیں بھی آنے لگتی ہیں اور اس طرح پر آخر موقعہ پر شیطان ہلاک کر دیتا ہے۔ اس لیے نہایت امن کی راہ یہی ہے کہ انسان اپنی غرض کو صاف کرے اور خالصتاً دُو بخدا ہو۔ اس کے ساتھ اپنے تعلقات کو صاف کرے اور بڑھائے اور وجہ اللہ کی طرف دوڑے۔ وہی اس کا مقصود اور محبوب ہو اور تقویٰ پر قدم رکھ کر اعمالِ صالحہ بجا لاوے۔ پھر سنّت اللہ اپنا کام آپ کرے گی۔ اس کی نظر نتائج پر نہ ہو بلکہ نظر تو اسی ایک نقطہ پر ہو۔ اس حد تک پہنچنے کے لیے اگر یہ شرط ہو کہ وہاں پہنچ کر سب سے زیادہ سزا ملے گی تب بھی اسی کی طرف جاوے۔ یعنی کوئی ثواب یا عذاب اس کی طرف جانے کا اصل مقصد نہ ہو۔ محض خدا تعالیٰ ہی اصل مقصد ہو۔ جب وفاداری اور اخلاص کے ساتھ اس کی طرف آئے گا اور اس کا قرب حاصل ہوگا تو یہ وہ سب کچھ دیکھے گا جو اس کے وہم و گمان میں بھی کبھی نہ گذرا ہوگا اور کشوف اور خواب تو کچھ چیز ہی نہ ہوں گے۔ پس مَیں تو اس راہ پر چلانا چاہتا ہوں اور یہی اصل غرض ہے اسی کو قرآن شریف میں فلاح کہا ہے قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَکّٰہَا[2] (الشمس: ۱۰)

---

[1] اللہ اکبر۔ اللہ تعالیٰ سے کیسی محبّت اور اخلاص حضور کا ہے اور توحید کے کس اعلیٰ مقام پر آپ کا قدم ہے۔ (نوٹ از ایڈیٹر الحکم)

[2] الحکم جلد ۱۰ نمبر ۴۲ صفحہ ۳-۴ مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۹۰۶ء

۵ نومبر ۱۹۰۶ء

استقامت

حیدر آباد سے ایک صاحب عابد حسین نام کا خط تجدید بیعت کے واسطے حضرت کی خدمت میں پہنچا۔ حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا کہ:۔

"آپ کی جدید بیعت منظور ہے۔ آئندہ استقامت رکھیں اور خدا تعالیٰ سے استقامت کیلئے دُعا کرتے رہیں۔
مرزا غلام احمد"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی صاحبِ شریعت نبی نہیں آسکتا

اس امر کا ذکر تھا کہ آنحضرت کے بعد کوئی نبی صاحبِ شریعت نہیں ہوسکتا۔ حضرت نے فرمایا:۔

یہی درست ہے کہ کوئی نبی صاحبِ شریعت نہیں ہوسکتا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ پر ایسا مت کہو کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بات بڑے علم اور فہم کی ہے اور وہ اصل حقیقت سے آگاہ تھیں کہ خدا تعالیٰ نے سلسلہ مکالمات اور مخاطبات کو تو بند نہیں کر دیا۔ البتہ کوئی شریعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہیں اور نہ کوئی شخص ہوسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت کے سوائے براہِ راست خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کر سکے۔

گوشت خوری

ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے ایک ہندو کے ساتھ گوشت خوری کے متعلق اپنی گفتگو کا ذکر کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ:۔

اللہ تعالیٰ کے فعل سے استدلال کرنا چاہیئے۔ دُنیا میں جیسا کہ ہزاروں نباتات ہیں اور مختلف ضرورتوں کے واسطے انسان کی خدمت کے واسطے کارآمد ہیں۔ ایسا ہی ہزاروں جانور بھی ہیں جو کہ انسان کی بہت سی ضرورتوں کے واسطے کارآمد ہوتے ہیں اور ضرورتاً ہندو لوگ بھی استعمال کرتے ہیں۔ بیماری کے وقت مچھلی کا تیل پیتے ہیں۔ علاوہ ازیں گوشت خور قومیں ہمیشہ فاتح رہی ہیں۔

حضرت مولوی نورالدین صاحب نے ذکر کیا کہ راولپنڈی میں ایک ہندو ہماری خاطر خربوزے لایا اور ان کو تراش کر اور صاف کر کے اور مصری لگا کر ہمارے آگے رکھا اور گوشت خوری کے مسئلہ کو

پیش کیا۔میں نے کہا کہ ہم تو گوشت نہیں کھاتے جیسا کہ ہم گھاس بھی نہیں کھاتے دیکھو ہم خربوزہ بھی نہیں کھاتے۔کیونکہ اگر ہم خربوزہ کھانے والے ہوتے تو تم کو یہ کانٹ چھانٹ نہ کرنی پڑتی۔کچھ تم نے اُوپر سے کاٹ کر پھینک دیا اور کچھ اندر سے نکال کر پھینک دیا۔پھر جو درمیان میں رہا اس پر بھی مصری لگائی اور ایک مرکب مصفّٰی چیز بنا کر ہمارے آگے رکھی۔اس مرکب کو ہم کھاتے ہیں۔ایسا ہی انسان گوشت خور بھی نہیں بلکہ ایک معجون مرکب کو کھاتا ہے جو کئی ایک مصالحہ جات اور گھی اور گوشت وغیرہ سے مل کر بنتا ہے۔

میر ناصر نواب صاحب نے فرمایا کہ :

اگر گوشت خوری گناہ ہوتا تو ہزاروں لاکھوں بھیڑ بکریاں جو کہ ذبح کی جاتی ہیں ان کے سبب سے خدا تعالیٰ کی ناراضگی انسان پر وارد ہوتی۔کیونکہ تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ جب کبھی کسی بادشاہ یا قوم نے کسی دوسری قوم پر ظلم کیا اور بہ سبب ظلم کے ان کو یا اُن کے بچوں کو قتل کیا تو خدا تعالیٰ کا عذاب ضرور ان پر نازل ہوا اور خدا تعالیٰ نے اس سلطنت اور قوم کو ہلاک کر دیا۔لیکن ہمیشہ سے جانور ذبح کئے جاتے ہیں جو لاکھوں کروڑوں ہوتے ہیں اور خود ان قوموں کے درمیان ہوتے ہیں جو فاتح قومیں ہیں اور اس وجہ سے ان پر کوئی عذاب نازل نہیں ہوتا۔

فرمایا :۔

خدا تعالیٰ کے کام بے نیازی کے بھی ہیں اور وہ رحم بھی کرنے والا ہے۔لیکن میرا عقیدہ یہی ہے کہ اس کی رحمت غالب ہے انسان کو چاہیئے کہ دُعا میں مصروف رہے۔آخر کار اس کی رحمت دستگیری کرتی ہے۔[1]

۷؍نومبر ۱۹۰۶ء

حالتِ زمانہ

ذکر تھا کہ ہر ایک شخص جو فی زمانہ بڑا بننا چاہتا ہے یا شہرت حاصل کرنا چاہتا ہے وہ اپنی عزت کے حصول کے ذرائع میں یہ ایک ضروری جزو قرار دیتا ہے کہ سلسلۂ حقہ کے ساتھ کچھ نہ کچھ عداوت کا اظہار کرتا رہے۔

حضرت نے فرمایا :۔

ان لوگوں کی مثال اس پٹھان کی طرح ہے جس کے متعلق رافضی کہا کرتے ہیں کہ اس کو کسی شیعہ نے کہا کہ سُنی تو

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۴۵ صفحہ ۴ مورخہ ۸؍نومبر ۱۹۰۶ء

وہ ہوتا ہے جو حضرت علیؓ کے ساتھ بمقدار جو بغض رکھتا ہو تو اُس نے جواب دیا الحمد للہ امن بمقدار خربوزہ دارم۔ یہی حال ان لوگوں کا ہے جس کو دیکھو ہمارے ساتھ بڑھ چڑھ کر بغض رکھنے میں فخر کرتا ہے۔

دجال

حدیثوں سے ثابت ہے کہ دجال گرجے سے نکلے گا۔ وہ ایک ہزار برس تک دَیر (یعنی گرجے) میں مقید تھا۔ اس کے بعد وہ دُنیا میں نکلا اور مسلمانوں کے برخلاف اپنی کوششوں کو شروع کیا۔ حدیثوں میں اس کا نام دجال آیا ہے اور پہلی کتابوں میں اس کو اژدہا اور شیطان کر کے لکھا ہے۔ دراصل وہ ایک ہی ہے اور گرجے سے نکلنے کے الفاظ صفائی کے ساتھ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ کون ہے اور کہاں رہتا ہے اور اس کی کیا کرتوت ہے۔

آنے والا مصلح

فرمایا:-
آنے والے مصلح اور مجدد کے مختلف نام پہلی کتابوں میں لکھے ہیں۔ مطلب ان سب کا ایک ہی ہے اور ایک ہی آدمی کی طرف سب اشارے ہیں۔ مسیح، مہدی، ایک فارسی الاصل شخص وغیرہ۔ مگر سب سے عظیم الشان کام جو اس کا ہے یعنی گمشدہ ایمان کو دوبارہ قائم کرنا، اس کے لحاظ سے اس کو اسی اُمت کا ایک شخص فارسی الاصل کہکر بیان کیا گیا ہے کہ اگر ایمان تمام جہان سے مفقود ہو کر ثریا پر بھی چلا گیا ہو گا تب بھی وہ اس کو واپس زمین پر قائم کر دے گا۔

دو قسم کے کام ہوتے ایک رفعِ شر کے اور دوسرے جلبِ خیر کے۔ اس جگہ جلبِ خیر کے کام کا ذکر کرتے ہوئے اُسے اس اُمت کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

مولوی محمد علی صاحب کی تعریف

ریویو آف ریلیجنز کا ذکر تھا۔ ایک صاحب نے تعریف کی کہ اس کے مضامین نہایت اعلیٰ ہوتے ہیں۔

فرمایا:-
اس کے ایڈیٹر مولوی محمد علی صاحب ایک لائق اور فاضل آدمی ہیں۔ ایم۔ اے پاس ہیں اور اس کیساتھ دینی مناسبت رکھتے ہیں۔ ہمیشہ اوّل درجہ پر پاس ہوتے رہے ہیں اور ای۔ اے۔ سی میں ان کا نام درج تھا۔ مگر سب باتوں کو چھوڑ کر یہاں بیٹھ گئے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان کی تحریر میں برکت ڈالی ہے۔

ترکِ دُنیا

فرمایا:-
ترکِ دُنیا کے یہ معنے نہیں ہیں کہ انسان سب کام کاج چھوڑ کر گوشہ نشینی اختیار کر لے۔ ہم اس بات سے منع نہیں کرتے کہ ملازم اپنی ملازمت کرے اور تاجر اپنی تجارت میں مصروف رہے اور

زمیندار اپنی کاشت کا انتظام کرے، لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ انسان کو ایسا ہونا چاہیئے کہ ؎

دست در کار و دل بایار

انسان خدا تعالیٰ کی رضا مندی پر چلے۔ کسی معاملہ میں شریعت کے برخلاف کوئی کام نہ کرے جب خدا تعالیٰ مقدم ہو تو اسی میں انسان کی نجات ہے۔ دنیا داروں میں مداہنہ کی عادت بہت بڑھ گئی ہے۔ جس مذہب والے سے ملے اسی کی تعریف کردی۔ خدا تعالیٰ اس سے راضی نہیں۔ صحابہؓ میں بعض بڑے دولت مند تھے اور دنیا کے تمام کاروبار کرتے تھے اور اسلام میں بہت سے بادشاہ گذرے ہیں جو درویش سیرت تھے۔ تختِ شاہی پر بیٹھے ہوئے ہوتے تھے لیکن دل ہر وقت خدا تعالیٰ کے ساتھ ہوتا۔ مگر آجکل تو لوگوں کا یہ حال ہے کہ جب دُنیا کی طرف جھکتے ہیں تو ایسے دُنیا کے ہوجاتے ہیں کہ دین پر ہنسی کرتے ہیں۔ نماز پر اعتراض کرتے ہیں اور وضو پر ہنسی اُڑاتے ہیں۔ یہ لوگ ساری عُمر تو دنیوی علوم کے پڑھنے میں گذار دیتے ہیں اور پھر دین کے معاملات میں رائے زنی کرنے لگتے ہیں۔ حالانکہ انسان کسی مضمون میں عمیق اسرار تب ہی نکال سکتا ہے جب اس کو اس امر کی طرف زیادہ توجہ ہو۔ ان لوگوں کو دین کے متعلق مصالح، معارف اور حقائق سے بالکل بے خبری ہے۔ دُنیا کی زہریلی ہوا کا ان لوگوں کے دلوں پر زہرناک اثر ہے۔

دنیائے فانی

فرمایا:۔ دُنیا کا انجام تو ظاہر ہے اور اس کا نتیجہ ہر روز ہمارے سامنے اپنی مثالیں پیش کرتا رہتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آج ایک شخص زندہ ہے اور کل فوت ہوجاتا ہے۔ طاعون کی موت کو دیکھو کتنی جلدی آجاتی ہے۔ آناً فاناً سینکڑوں مر جاتے ہیں۔ گورنمنٹ نے بھی ٹکریں ماریں اور تدبیریں کیں مگر آج تک کچھ بن نہیں سکا۔ خدا تعالیٰ کا کون مقابلہ کرسکتا ہے۔ دنیا کبھی وفا نہیں کرسکتی۔ انسان ضرور مر جائے گا اور گھر تو قبر ہی ہے۔ پس دُنیا کے ساتھ دل لگانے سے کیا فائدہ حاصل ہوسکتا ہے؟

ذاتِ خدا

ایک ذات در پردہ ہے جو اپنے وجود کو اپنے قہری نشانات کے ساتھ دُنیا پر ظاہر کرتی ہے تاکہ دُنیا کو معلوم ہو کہ وہ موجود ہے۔ عقلمند آدمی اس کے نشانات سے اس کو پہچانتا ہے۔

اسلام اور دیگر مذاہب

فرمایا:۔ عیسائیوں کا کیا دین ہے کہ ایک انسان کو خدا بنایا گیا ہے اور ہند میں تو اکثر عیسائی اس قسم کے ہیں کہ اگر آج ان کی تنخواہ بند ہوجاوے تو عیسائیت کو چھوڑ کر فوراً علیحدہ ہو بیٹھیں۔ دوسری طرف آریہ ہیں کہ اُن کے نزدیک گناہ معاف ہی نہیں ہوسکتے۔ سؤر اور کُتّے بنتے ہی ہمیشہ بنتے چلے

جاؤ۔عیسائیوں نے توبہ رکھی تو ایسی کہ اخلاقِ انسانی کا ہی ستیاناس کر دیا۔ زنا کرو۔ چوری کرو۔ خیانت کرو جھوٹ بولو۔ بس مسیح کفّارہ ہو گئے۔ چلو چھٹی ہوئی۔ آریہ کہتے ہیں جب انسان گناہ کر چکا تو ہزار پچھتائے، ہزار روئے گناہ معاف ہو ہی نہیں سکتا۔ ایک ادنیٰ مالک اپنے نوکر کو معاف کر سکتا ہے پر خدا کی لغات میں معافی کا لفظ ہی نہیں۔ اسلام نے ان دونو کے درمیان صحیح اور سچی راہ دکھائی ہے کہ انسان جب دل سے پشیمان ہوتا اور اپنے رب کی طرف جھکتا ہے تو رفتہ رفتہ اُسے خدا تعالیٰ کی طرف سے نیکیوں کی توفیق ملتی ہے اور ایک گناہ سوز محبت اس کے کاروبار میں اثر دکھاتی ہے۔ ذرہ ذرہ خدا تعالیٰ کے تابع ہے، بغیر اس کی اطاعت کے ہرگز کچھ بن نہیں سکتا۔ اب تو لوگ ہماری باتوں پر ہنسی ٹھٹھا کرتے ہیں۔ یہ لوگ ہمارے کہنے سے تو نہیں سمجھتے مگر زمانہ خود ان کو سمجھائے گا۔

حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ

ایک شخص نے سوال کیا کہ یہ جو صوفیوں نے بنایا ہوا ہے کہ توجہ کے واسطے اس طرح بیٹھنا چاہیئے اور پھر اس طرح دل پر چوٹ لگانی چاہیئے اور ذکرِ اَرّہ اور دیگر اس قسم کی کتابیں۔ کیا یہ جائز ہیں؟

فرمایا:۔

یہ جائز نہیں ہیں بلکہ سب بدعات ہیں۔ حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہ۔ ہمارے واسطے اللہ تعالیٰ کی پاک کتاب قرآن شریف کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب سلوک کے واسطے کافی ہے جو باتیں اب ان لوگوں نے نکالی ہیں یہ باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ میں ہرگز نہ تھیں۔ یہ صرف ان لوگوں کا اختراع ہے اور اس سے بچنا چاہیئے۔ ہاں ہم یہ کہتے ہیں کہ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (التوبۃ : ۱۱۹) صادق کی صحبت میں رہو تو خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت سے امور میں مشکلات آسان ہو جاتی ہیں۔ شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ بڑے خدا رسیدہ اور بڑے قبولیت والے انسان تھے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ جس نے خدا تعالیٰ کا راہ دیکھنا ہو وہ قرآن شریف کو پڑھے اب اگر ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ طریق پر کچھ بڑھائیں اور نئی باتیں ایجاد کریں یا اس کے برخلاف چلیں تو یہ کفر ہوگا۔ اس زمانہ میں جیسا کہ علماء کے درمیان بہت سے فرقے بن گئے ہیں۔ ایسا ہی فقراء کے درمیان بھی بہت سے فرقے بن گئے ہیں۔ اور سب اپنی اپنی باتیں نئی طرز کی نکالتے ہیں۔ تمام زمانہ کا یہ حال ہو رہا ہے کہ ہر جگہ اصلاح کی ضرورت ہے۔ اسی واسطے خدا تعالیٰ نے اس زمانہ میں وہ مجدد بھیجا ہے جس کا نام مسیح موعود رکھا گیا ہے اور جس کا انتظار مدت سے ہو رہا تھا اور تمام نبیوں نے اس کے متعلق پیشگوئیاں کی تھیں اور اس سے پہلے زمانہ کے بزرگ خواہش رکھتے تھے کہ وہ اس کے وقت کو پائیں۔[1]

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۴۶ صفحہ ۴۔۵ مورخہ ۱۵ر نومبر ۱۹۰۶ء

۱۸ر نومبر ۱۹۰۶ء

دفعِ شر کیلئے باطنی تدابیر

اس بات کا ذکر تھا کہ بعض شہروں میں جہاں طاعون کا خوف تھا۔ گورنمنٹ چوہے مروانے کا انتظام کر رہی ہے اور ایک اخبار والے نے جو سناتن ہندو ہے اور کسی جی کا مارنا گناہ سمجھتا ہے اس تجویز کی اس پیرایہ میں تردید کی ہے کہ چونکہ چوہوں میں طاعون کا مادہ ہوتا ہے اس واسطے ان کو پکڑنا اور مارنا خود بخود طاعون کے ردّی مادہ کو منتشر کرتا ہے۔

حضرت نے فرمایا:۔

یہ ظاہری تدابیر ہیں مگر جب تک باطنی تدبیر نہ کی جاوے طاعون کا اس ملک سے جانا ناممکن ہے۔ ممکن ہے کہ جیسا کہ اس اخبار والے نے لکھا ہے۔ طاعونی چوہوں کو پکڑنا اور ہاتھ لگانا وغیرہ بھی کسی حد تک ضرر رساں ہو۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ یہ سب حیلے کیمیاگروں کے سے خیال ہیں کہ شاید اس بُوٹی سے سونا بن جاوے۔ شاید اُس سے سونا بن جاوے۔ خدا تعالیٰ اس وقت شمشیر برہنہ لے کر کھڑا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ دنیا اس کے وجود پر ایمان لائے۔ جب تک دنیا کے لوگ اپنی بدکاریوں اور ضد اور تعصب اور فحش گوئی کو چھوڑ کر اور خدا تعالیٰ کے نشانات کی تحقیر سے توبہ کرکے نیکی اختیار نہ کریں تب تک خدا تعالیٰ اس عذاب کو اُن کے سر سے دُور نہ کرے گا۔

تعجب ہے کہ ہماری گورنمنٹ ظاہری اسباب کو لیتی ہے مگر خدا تعالیٰ کی طرف نہیں جُھکتی پہلے اسلامی بادشاہوں کے متعلق سُنا جاتا ہے کہ وہ ایسے مصائب کے وقت راتوں کو اُٹھ کر رو رو کر دُعائیں کرتے تھے۔ جو لوگ خدا تعالیٰ کو سچے دل سے ماننے والے ہوتے ہیں وہ یہ تماشا دیکھ لیتے ہیں کہ ذرہ ذرہ اس کے اختیار میں ہے۔ یہاں تک کہ ہمارے سر کے بال بھی گنے ہوئے ہیں۔ برخلاف اس کے آجکل کے تعلیمیافتوں کا یہ حال ہے کہ اپنی گفتگو میں لفظ انشاء اللہ بھی بولنا خلافِ تہذیب سمجھتے ہیں۔ کتابوں کی کتابیں پڑھ جاؤ کہیں خدا تعالیٰ کا نام تک نہیں آتا۔ لیکن اب وقت آگیا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی ہستی کو منوانا چاہتا ہے۔[۱]

---

[۱] البدر جلد ۲ نمبر ۴۷ صفحہ ۴ مورخہ ۲۲ر نومبر ۱۹۰۶ء

۲۹ر نومبر ۱۹۰۶ء

عمل صالح

ایک درویش حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے ذکر کیا کہ پہلے میں بہت وظائف پڑھتا تھا اور مجھ پر فتوحات کا دروازہ کُھلا تھا اور آمد ہوتی تھی مگر کچھ عرصہ کے بعد وہ حالت جاتی رہی۔ اب باوجود بہت وظائف پڑھنے کے کچھ نہیں آتا۔ کوئی ایسا طریق بتلائیں کہ پھر وہ بات شروع ہو جاوے۔

حضرت نے فرمایا:۔

فتوحات وغیرہ مقاصد کو مدِّ نظر رکھنا ہماری شریعت کے نزدیک شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت صرف اللہ کی خاطر کرنی چاہیئے۔ اس میں کسی اور بات کو نہ ملاؤ اور نہ کوئی اور نیّت رکھو۔ عمل صالح وہ ہے جس میں کوئی فساد نہ ہو۔ اگر انسان کچھ دین کا بننا چاہے اور کچھ دُنیا کا بننا چاہے تو یہ محض ایک فساد ہے۔ ایسی حالت سے بچنا چاہیئے۔ خدا تعالیٰ ایسے آدمیوں کو پسند نہیں کرتا۔ عمل صالح وہ ہے جو محض خدا تعالیٰ کے واسطے ہو۔ پھر خدا تعالیٰ اپنے بندے کی پرورش آپ کرتا ہے اور اس کے واسطے گذارے کی صورتیں خود بخود ظاہر ہو جاتی ہیں مگر یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے۔ انسان کے واسطے مناسب نہیں کہ اپنی عبادت کے وقت ایسی باتوں کا خیال دل میں لائے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہارا رزق آسمان پر ہے دیکھو جب انسان کسی دوسرے انسان کے ساتھ محبت رکھتا ہے تو اس میں بھی خالص محبت وہ سمجھی جاتی ہے جس کے درمیان کوئی غرض نہ ہو۔ اصلی محبت کا نمونہ دُنیا کے اندر ماں کی محبت میں قائم ہے کہ وہ اپنے بچے سے کسی غرض کے واسطے محبت نہیں کرتی بلکہ وہ محبت طبعی ہوتی ہے۔ اگر کوئی بادشاہ بھی کسی عورت کو کہے کہ تو اپنے بچے کے واسطے اتنی تکلیف نہ اُٹھا۔ اس کو اپنے حال پر چھوڑ دے۔ مرے یا زندہ رہے کوئی باز پُرس تجھ سے نہیں ہوگی تو وہ عورت بادشاہ پر بجائے خوش ہونے کے سخت ناراض ہوگی کہ یہ میرے بچے کے حق میں موت کا کلمہ مُنہ سے نکالتا ہے اور محبت کا جوش دو طرفہ ہوتا ہے۔ بچہ نابالغ ہوتا ہے۔ اس کو کوئی سمجھ نہیں کہ دوست کیا ہے اور دشمن کیا۔ مگر ہر حالت میں ماں کی طرف دوڑتا ہے اور اسی سے اُنس پکڑتا ہے۔ دل را بدل رہیست والا معاملہ ہے۔ جب بچہ نادان ہو کر ماں کی محبت کے عوض میں محبت کرتا ہے تو خدا ایک بچے سے بھی گیا گذرا ہے کہ وہ تمہاری محبت کا عوض تم کو نہ دے گا؟ وہ ضرور محبت کرنے والوں کیساتھ محبت کرتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب انسان نرم رفتار سے خدا تعالیٰ کی طرف چلتا ہے تو خدا تعالیٰ دوڑ کر اس کی طرف آتا ہے۔ جب انسان کا دل خالص ہو جاتا ہے تو پھر دُنیا کچھ چیز نہیں وہ تو خود بخود خدمت کرنے کے واسطے تیار ہو جاتی ہے لیکن وظائف کے ساتھ خواہش کرنا کہ دُنیا مِل جاوے یہ ایک بُت پرستی ہے اور

اس سے سالک کو سخت پرہیز درکار ہے۔ جب خدا مل جاوے تو پھر دُنیا کچھ شئے نہیں۔ جو لوگ دنیا کے پیچھے پڑتے ہیں دنیا اُن سے بھاگتی ہے اور جو دُنیا کو چھوڑتے ہیں دنیا خود بخود اُن کے پیچھے آتی ہے [1]

۲۴ر دسمبر ۱۹۰۶ء

حق کا غلبہ

قبل از نماز ظہر بہت سے دوست تشریف لاچکے تھے جو کہ مسجد مبارک میں حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت اس امر کا ذکر تھا کہ غیر مذاہب کے لوگ احمدی جماعت کے آگے نہیں ٹھہرتے۔

حضرت نے فرمایا کہ:-

جیسا ہمارے مخالفین نے جو کہ عام مسلمان ہیں ہماری مخالفت میں حق کو چھوڑ رکھا ہے اس واسطے اس مقابلہ میں کھڑے نہیں ہوسکتے۔ ایسا ہی غیر مذاہب کے لوگوں کا حال ہے۔ اگر وہ کسی مجلس میں ہمارے برخلاف بات کریں تو اپنی اندرونی باتوں کا اظہار کراکر خود بخود شرمندہ ہوجاتے ہیں۔ پس ہمارے مقابلہ میں وہ بھی عاجز ہوجاتے ہیں اور یہ بھی عاجز ہوجاتے ہیں۔

سیالکوٹ کے تاجروں کی ہڑتال

ذکر تھا کہ سیالکوٹ کے تجار نے بہ سبب محصول چنگی میں زیادتی کے دوکانیں بند کردی تھیں اور چند روز کا نقصان اُٹھا کر پھر خود بخود کھول دیں۔

فرمایا:-

اس طرح کا طریق گورنمنٹ کی مخالفت میں برتنا ان کی بے وقوفی تھی۔ جس سے اُن کو خود ہی باز آنا پڑا۔ محصول تو دراصل پبلک پر پڑتا ہے۔ آسمانی اسباب کے سبب سے بھی جب کبھی قحط پڑ جاتا ہے تو تاجر لوگ نرخ بڑھا دیتے ہیں۔ اس وقت کیوں دکانیں بند نہیں کردیتے؟

امراضِ سینہ کا علاج

ایک دوست کا ذکر تھا کہ وہ مرض سل و دق میں مبتلا ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ

ہم نے ایک شخص کو دیکھا تھا کہ وہ امراضِ سینہ میں گرفتار تھا۔ ڈاکٹر نے اس کو مشورہ دیا کہ سمندر کے کنارے

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۵۰ صفحہ ۳ مورخہ ۱۳ر دسمبر ۱۹۰۶ء

کچھ مدت رہے۔ ایسا کرنے سے وہ بالکل تندرست ہوگیا اور اب تک زندہ ہے۔

صادقوں کی مخالفت

سیالکوٹ کا ذکر تھا کہ اب مخالفوں کا چنداں زور نہیں رہا۔ حضرت نے فرمایا:۔

جب کسی کی مخالفت شروع ہوتی ہے تو ایک فریق ضرور تھک کر رہ جاتا ہے۔ مدّعی اگر کاذب ہو تو وہ لوگوں کی مخالفت سے تنگ آکر تھک جاتا ہے اور اپنا کام چھوڑ دیتا ہے اور اگر وہ صادق ہو تو اس کے مخالف اپنی مخالفت میں بالآخر تھک کر رہ جاتے ہیں۔ یہی حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوا۔ اور یہی حال تمام انبیاء کے زمانہ میں ہوتا رہا۔ صادق ہمیشہ کامیاب ہوتا ہے۔ لیکن مخالفوں کے درمیان جہاں تعصب اور بے وقوفی دونو باتیں مل جاویں وہاں بہت ہی زہریلا اثر ہوتا ہے۔

دلیلِ صداقت

فرمایا:۔ جتنے لوگ مباہلہ کرنے والے ہمارے مقابلہ میں آئے۔ خدا تعالیٰ نے سب کو ہلاک کر دیا۔ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے آپ موت مانگی۔ مخالفوں کو چاہیئے کہ اس بات پر غور کریں کہ اس کی وجہ کیا ہے کہ جو شخص مقابلہ میں آتا ہے وہی ہلاک ہو جاتا ہے۔ اگر یہ سلسلہ خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں تو پھر کیا سبب ہے کہ خدا تعالیٰ اس کے مقابلین کو نیست کر دیتا ہے اور اس کو دن بدن سرسبزی ہوتی جاتی ہے؟ ہمارے مخالفوں میں بہت سے لوگ اس قسم کے بھی ہیں جو کہ سچے دل سے ہمارے برخلاف دعائیں مانگتے رہے اور ہم کو اسلام کا دشمن جان کر ناکیں رگڑتے رہے۔ لیکن کیا خدا تعالیٰ اسلام کا بھی دشمن تھا کہ اس نے ان لوگوں کو ہلاک کر دیا جو کہ سچے مسلمان تھے اور ان کے بالمقابل جس کو وہ اسلام کا دشمن اور دجال یقین کرتے تھے اس کو خدا تعالیٰ نے زندہ رکھا اور اس کے سلسلہ کو روز بروز ترقی دی۔[1]

۲۵ر دسمبر ۱۹۰۶ء

صبح کی سیر

رُوح ازلی اور ابدی نہیں ہے

۲۵ر کی صبح کو جب حضرت اقدس سیر کے واسطے باہر تشریف لے گئے تو ایک

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۵۲ صفحہ ۳، ۵ مورخہ ۲۷ر دسمبر ۱۹۰۶ء

مجمع کثیر آپ کے ہمراہ تھا جن میں اکثر حصہ سیالکوٹ کے ضلع کے احمدی برادران کا تھا جو کہ اپنے لائق مہتمم چوہدری مولا بخش صاحب کے ہمراہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔

ایک شخص نے چند ایک سوالات پیش کئے۔ پہلا سوال یہ تھا کہ جبکہ خدا تعالیٰ ازل سے خالق ہے اور ابد تک ہے اور ارواح بھی ہمیشہ اس کی خلق میں شامل ہیں اور ہمیشہ چلی جائیں گی تو پھر آریوں کے اعتقاد کے مطابق رُوح بھی ازلی اور ابدی ہوا۔

فرمایا:۔

یہ بات درست نہیں۔اس سوال میں مغالطہ دیا گیا ہے۔ خدا تعالیٰ ہمیشہ سے خالق ہے مگر اس کی تمام صفات کو دیکھنا چاہیئے۔ وہ محی ہے اور ممیت بھی ہے۔ اثبات بھی کرتا ہے تو محو بھی کرتا ہے پیدا بھی کرتا ہے فنا بھی کرتا ہے اس بات کی کیا دلیل ہے کہ رُوح کو فنا نہیں اور کہ یہی رُوح ہمیشہ سے چلے آتے ہیں۔ وہ جب تک کسی کو چاہے رکھے۔ ہر ایک چیز فنا ہو جانے والی ہے۔ باقی رہنے والی ذات صرف خدا کی ہی ہے۔ رُوح میں جبکہ ترقی بھی ہوتی ہے اور تنزل بھی ہوتا ہے تو پھر اس کو ہمیشہ کے واسطے قیام کس طرح ہو سکتا ہے؟ جب تک رُوح کا قیام ہے وہ امرِ الٰہی کے قیام کے نیچے ہے۔ خدا تعالیٰ کے امر کے ماتحت ہی کسی کا قیام ہو سکتا ہے اور وہی فنا بھی کرتا ہے۔ وہ ہمیشہ خالق بھی ہے اور ہمیشہ خلق کو مٹاتا بھی ہے۔ مسلمان قدامت کا قائل ہے مگر قدامتِ نوعی کا نہ کہ قدامتِ شخصی کا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ہم نہیں جانتے کہ پہلے کیا چیزیں اور کیا نہ تھیں۔ اگر اس کے برخلاف قدامتِ شخصی کا عقیدہ رکھا جاوے تو وہ دہریت میں داخل ہونا ہوتا ہے۔[1]

۲۶؍دسمبر ۱۹۰۶ء

(تقریر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جو حضور نے بعد نماز ظہر و عصر جامع مسجد میں کھڑے ہو کر فرمائی)

اب صاحبو! آرام سے سُن لو۔ اگرچہ میری طبیعت بیمار ہے اور مَیں اس لائق نہ تھا کہ کھڑا ہو کر ایک لمبی تقریر کرتا تاہم مَیں نے خیال کیا کہ لوگ دُور دُور سے آئے ہیں تاکہ ہماری باتیں سُنیں۔ ایسی صورت میں کچھ نہ کہنا معصیت میں داخل ہوگا۔ لہٰذا باوجود حالتِ بیماری کے مَیں نے مناسب جانا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے جو ہدایت دی ہے میں اس سے سب لوگوں کو اطلاع دوں۔[2]

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۵۲ صفحہ ۳ تا ۵ مورخہ ۲۷؍دسمبر ۱۹۰۶ء [2] بدر میں ہے "ہدایت دوں" بدر جلد ۶ نمبر ۱، ۲ صفحہ ۱۱

کلمہ طیبہ کی حقیقت

مَیں کئی بار ظاہر کر چکا ہوں کہ تمہیں صرف اتنے پر خوش نہیں ہونا چاہیئے کہ ہم مسلمان کہلاتے ہیں اور لا الٰہ الا اللہ کے قائل ہیں۔ جو لوگ قرآن پڑھتے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صرف زبانی قیل و قال سے کبھی راضی نہیں ہوتا اور نہ نری زبانی باتوں سے کوئی خوبی انسان کے اندر پیدا ہو سکتی ہے جب تک عملی حالت درست نہ ہو۔ کچھ بھی نہیں بنتا۔ یہودیوں[1] پر بھی ایک زمانہ ایسا آیا تھا کہ ان میں نری زبان درازی ہی رہ گئی تھی اور انہوں نے صرف زبانوں کی باتوں پر ہی کفایت کر لی تھی۔ زبان سے تو وہ بہت کچھ کہتے تھے مگر دل میں طرح طرح کے گندے خیالات اور زہریلے مواد بھرے ہوتے تھے۔ یہی وجہ تھی جو اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر طرح طرح کے عذاب نازل کئے اور ان کو مختلف مصیبتوں میں ڈالا اور ذلیل کیا یہاں تک کہ انہیں سؤر اور بندر بنایا۔

اب غور کا مقام ہے۔ کیا وہ توراۃ کو نہیں مانتے تھے؟ وہ ضرور مانتے تھے اور نبیوں کے بھی ماننے والے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے اتنی ہی بات کو پسند نہ کیا کہ وہ نرے زبان سے ماننے والے ہوں اور ان کے دل زبان سے متفق نہ ہوں۔

خوب یاد رکھنا چاہیئے۔ اگر کوئی شخص زبان سے کہتا ہے کہ مَیں خدا کو وحدہٗ لاشریک مانتا ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لاتا ہوں۔ اور ایسا ہی اور ایمانی امور کا قائل ہوں لیکن اگر یہ اقرار صرف زبان ہی تک ہے اور دل معترف نہیں تو یہ زبانی باتیں ہوں گی اور نجات اس سے نہیں مل سکے گی جب تک انسان کا دل ایمان نہ لائے اور اس کا ایمان لانا یہی ہوگا کہ وہ عملی حالت میں ان امور کو ظاہر کر دے۔ اس وقت تک کوئی بات بنتی نہیں۔[2]

مَیں سچ کہتا ہوں کہ اصل مراد تب ہی حاصل ہوتی ہے جب سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ

---

[1] بدر میں ہے:۔
"قرآن شریف میں یہودیوں کے قصے درج ہیں۔ ان پر خدا تعالیٰ کے بڑے بڑے فضل پہلے ہوتے لیکن جب اُن پر ایسا زمانہ آیا کہ ان کی باتیں صرف زبان تک محدود رہ گئیں اور ان کے دل دغا اور خیانت اور خیالاتِ بد سے پُر ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے طرح طرح کے عذاب ان پر وارد کئے۔" (بدر جلد ۶ نمبر ۱-۲ صفحہ ۱۱)

[2] بدر سے:۔
"جو ایمان صرف زبان پر ہے اور دل کے ساتھ تعلق نہیں رکھتا وہ گندہ، ناکارہ اور کمزور ہے۔ وہ نہ اس جہان میں تمہارے کسی کام آ سکتا ہے اور نہ اُس جہان میں۔" (بدر حوالہ مذکور)

ہو اور درحقیقت دُنیا پر دین کو مقدم کر دے۔

یاد رکھو۔ مخلوق کو انسان دھوکہ دے سکتا ہے اور لوگ یہ دیکھ کر کہ پنج وقت نماز پڑھتا ہے یا اور نیکی کے کام کرتا ہے دھوکہ کھا سکتے ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ دھوکہ نہیں کھا سکتا۔ اس لیے اعمال میں ایک خاص اخلاص ہونا چاہیئے یہی ایک چیز ہے جو اعمال میں صلاحیت اور خوبصورتی پیدا کرتی ہے۔

اب یاد رکھنا چاہیئے کہ کلمہ جو ہم ہر روز پڑھتے ہیں اس کے کیا معنے ہیں؟ کلمہ کے یہ معنے ہیں کہ انسان زبان سے اقرار کرتا ہے اور دل سے تصدیق کہ میرا معبود، محبوب اور مقصود خدا تعالےٰ کے سوا اور کوئی نہیں۔ اِلٰہ کا لفظ محبوب اور اصل مقصود اور معبود کے لیے آتا ہے۔ یہ کلمہ قرآن شریف کی ساری تعلیم کا خلاصہ ہے جو مسلمانوں کو سکھایا گیا ہے۔ چونکہ ایک بڑی اور مبسوط کتاب کا یاد کرنا آسان نہیں۔ اس لیے یہ کلمہ سکھا دیا گیا تاکہ ہر وقت انسان اسلامی تعلیم کے مغز کو مدِنظر رکھے[1] اور جب تک یہ حقیقت انسان کے اندر پیدا نہ ہو جاوے۔ سچ یہی ہے کہ نجات نہیں۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ

یعنی جس نے صدقِ دل سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کو مان لیا وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ لوگ دھوکہ کھاتے ہیں۔ اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ طوطے کی طرح لفظ کہہ دینے سے انسان جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اگر اتنی ہی حقیقت اس کے اندر ہوتی تو پھر سب اعمال بے کار اور نکمے ہو جاتے اور شریعت (معاذ اللہ) لغو ٹھہرتی۔ نہیں! بلکہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ مفہوم جو اس میں رکھا گیا ہے وہ عملی رنگ میں انسان کے دل میں داخل ہو جاوے۔ جب یہ بات پیدا ہو جاتی ہے تو ایسا انسان فی الحقیقت جنت میں داخل ہو جاتا ہے[2]۔ نہ صرف مرنے کے بعد بلکہ اسی زندگی میں وہ جنت میں ہوتا ہے۔

---

[1] بدر سے:۔ "اللہ تعالیٰ حکیم ہے۔ اس نے ایک مختصر سا کلمہ سُنا دیا ہے۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ جب تک خدا کو مقدم نہ کیا جاوے جب تک خدا کو معبود نہ بنایا جاوے جب تک خدا کو مقصود نہ ٹھہرایا جاوے انسان کو نجات حاصل نہیں ہو سکتی۔" (بدر جلد ۶ نمبر ۱-۲ صفحہ ۱۱)

[2] بدر سے:۔ "خدا تعالےٰ الفاظ سے تعلق نہیں رکھتا۔ وہ دلوں سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ درحقیقت اس کلمہ کے مفہوم کو اپنے دل میں داخل کر لیتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی عظمت پورے رنگ کے ساتھ اُن کے دلوں میں بیٹھ جاتی ہے۔ وہ جنت میں داخل ہو جاتے ہیں۔

جب کوئی شخص سچے طور پر کلمہ کا قائل ہو جاتا ہے تو بجز خدا کے اور کوئی اس کا پیارا نہیں رہتا۔ بجز خدا کے کوئی اس کا معبود نہیں رہتا اور بجز خدا کے کوئی اُس کا مطلوب باقی نہیں رہتا۔

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یہ سچی بات ہے اور جلد سمجھ میں آجاتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے سوا انسان کا کوئی محبوب اور مقصود نہ رہے تو پھر کوئی دُکھ یا تکلیف اُسے ستا ہی نہیں سکتی۔ یہ وہ مقام ہے جو ابدال اور قطبوں کو ملتا ہے۔

آپ یہ خیال نہ کریں کہ ہم کب بُتوں کی پرستش کرتے ہیں۔ ہم بھی تو اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرتے ہیں۔ یاد رکھو یہ تو ادنیٰ درجہ کی بات ہے کہ انسان بتوں کی پرستش نہ کرے۔ ہندو لوگ جن کو حقائق کی کوئی خبر نہیں اب بُتوں کی پرستش چھوڑ رہے ہیں۔ معبود کا مفہوم اسی حد تک نہیں کہ انسان پرستی یا بُت پرستی تک ہو اور بھی معبود ہیں اور یہی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ ہوائے نفس اور ہوس بھی معبود ہیں۔ جو شخص نفس پرستی کرتا ہے یا اپنی ہوا و ہوس کی اطاعت کر رہا ہے اور اس کے لیے مَر رہا ہے وہ بھی بُت پرست اور مشرک ہے۔ یہ لَا نفیٔ جنس ہی نہیں کرتا بلکہ ہر قسم کے معبودوں کی نفی کرتا ہے خواہ وہ انفسی ہوں یا آفاقی۔ خواہ وہ دل میں چھپے ہوئے بُت ہیں یا ظاہری بُت ہیں۔ مثلاً ایک شخص بالکل اسباب ہی پر توکل کرتا ہے تو یہ بھی ایک قسم کا بُت ہے۔ اس قسم کی بت پرستی تپ دق کی طرح ہوتی ہے جو اندر ہی اندر ہلاک کر دیتا ہے۔ موٹی قسم کے بُت تو جھٹ پٹ پہچانے جاتے ہیں اور اُن سے مخلصی حاصل کرنا بھی سہل ہے اور مَیں دیکھتا ہوں کہ لاکھوں ہزاروں انسان اُن سے الگ ہوگئے اور ہو رہے ہیں۔ یہ ملک جو ہندوؤں سے بھرا ہوا تھا کیا سب مسلمان ان میں سے ہی نہیں ہوئے؟ پھر انہوں نے بُت پرستی کو چھوڑا یا نہیں؟ اور خود ہندوؤں میں بھی ایسے فرقے نکلتے آتے ہیں جو اَب بُت پرستی نہیں کرتے۔ لیکن یہاں تک ہی بُت پرستی کا مفہوم نہیں ہے۔ یہ تو سچ ہے کہ موٹی بت پرستی چھوڑ دی ہے مگر ابھی تو ہزاروں بُت انسان بغل میں لیے پھرتا ہے اور وہ لوگ بھی جو فلسفی اور منطقی کہلاتے ہیں۔ وہ بھی ان کو اندر سے نہیں نکال سکتے۔

اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے سوا یہ کیڑے اندر سے نکل نہیں سکتے یہ بہت ہی باریک کیڑے ہیں اور سب سے زیادہ ضرر اور نقصان ان کا ہی ہے۔ جو لوگ جذباتِ نفسانی سے متاثر ہو کر اللہ تعالیٰ کے حقوق اور حدود سے باہر ہو جاتے ہیں اور اس طرح پر حقوق العباد کو بھی تلف کرتے ہیں وہ ایسے نہیں کہ پڑھے لکھے نہیں بلکہ ان میں ہزاروں کو مولوی فاضل اور عالم پاؤ گے اور بہت ہوں گے جو فقیہہ اور صوفی کہلاتے ہوں گے مگر باوجود ان باتوں کے وہ بھی ان امراض میں مبتلا نکلیں گے ان بُتوں سے پرہیز کرنا ہی تو بہادری ہے اور اُن کو شناخت کرنا ہی کمال دانائی اور دانشمندی ہے۔ یہی بُت ہیں جن کی وجہ سے آپس میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

وہ مقام جو ابدال کا مقام ہے اور وہ جو قطب کا مقام ہے اور وہ جو غوث کا مقام ہے وہ یہی ہے کہ کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ پر دل سے ایمان ہو اور اس کے سچے مفہوم پر عمل ہو۔" (بدر جلد ۶ نمبر ۱-۲ صفحہ ۱۱)

نفاق پڑتا ہے اور ہزاروں کُشت و خُون ہو جاتے ہیں۔ ایک بھائی دوسرے کا حق مارتا ہے اور اسی طرح ہزاروں ہزار بدیاں اُن کے سبب سے ہوتی ہیں۔ ہر روز اور ہر آن ہوتی ہیں اور اسباب پر اس قدر بھروسہ کیا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ کو محض ایک عضو معطّل قرار دے رکھا ہے۔ بہت ہی کم لوگ ہیں جنہوں نے توحید کے اصل مفہوم کو سمجھا ہے۔ اور اگر انہیں کہا جاوے تو جھٹ کہہ دیتے ہیں کیا ہم مسلمان نہیں اور کلمہ نہیں پڑھتے؛ مگر افسوس تو یہ ہے کہ انہوں نے اتنا ہی سمجھ لیا ہے کہ بس کلمہ منہ سے پڑھ دیا اور یہ کافی ہے۔

مَیں یقیناً کہتا ہوں کہ اگر انسان کلمہ طیبہ کی حقیقت سے واقف ہو جاوے اور عملی طور پر اس پر کاربند ہو جاوے تو وہ بہت بڑی ترقی کر سکتا ہے اور خدا تعالیٰ کی عجیب در عجیب قدرتوں کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔

یہ امر خوب سمجھ لو کہ مَیں جو اس مقام پر کھڑا ہوں۔ مَیں معمولی واعظ کی حیثیت سے نہیں کھڑا ہوں اور کوئی کہانی سُنانے کے لیے نہیں کھڑا ہوں بلکہ میں تو ادائے شہادت کے لیے کھڑا ہوں مَیں نے وہ پیغام جو اللہ تعالیٰ نے مجھے دیا ہے، پہنچا دینا ہے۔ اس امر کی مجھے پروا نہیں کہ کوئی اُسے سُنتا ہے یا نہیں سنتا اور مانتا ہے یا نہیں مانتا۔ اس کا جواب تم خود دو گے۔ مَیں نے فرض ادا کرنا ہے۔ مَیں جانتا ہوں بہت سے لوگ میری جماعت میں داخل تو ہیں اور وہ توحید کا اقرار بھی کرتے ہیں مگر مَیں افسوس سے کہتا ہوں کہ وہ مانتے نہیں۔ جو شخص اپنے بھائی کا حق مارتا ہے یا خیانت کرتا ہے یا دوسری قسم کی بدیوں سے باز نہیں آتا مَیں یقین نہیں کرتا کہ وہ توحید کا ماننے والا ہے[1] کیونکہ یہ ایک ایسی نعمت ہے کہ اس کو پاتے ہی انسان میں ایک خارق عادت تبدیلی ہو جاتی ہے۔ اس میں بغض، کینہ، حسد، ریا وغیرہ کے بُت نہیں رہتے اور خدا تعالیٰ سے اس کا قرب ہوتا ہے۔ یہ تبدیلی اسی وقت ہوتی ہے اور اسی وقت وہ سچا موحّد بنتا ہے۔ جب یہ اندرونی بُت تکبّر، خود پسندی، ریاکاری، کینہ و عداوت، حسد و بخل، نفاق و بدعہدی وغیرہ کے دُور ہو جاویں۔ جب تک یہ بُت اندر ہی ہیں۔ اس وقت تک لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے میں کیونکر سچا ٹھہر سکتا ہے؟ کیونکہ اس میں تو کُل کی نفی مقصود ہے پس یہ پکی بات ہے کہ صرف مُنہ سے کہہ دینا کہ خدا کو وحدہٗ لاشریک مانتا ہوں کوئی نفع نہیں دے سکتا۔ ابھی مُنہ سے کلمہ پڑھتا ہے اور ابھی کوئی امر ذرا مخالفِ مزاج ہوا اور غصہ اور غضب کو خدا بنا لیا۔

---

[1] بدر سے:۔ "خدا کے واحد ماننے کے ساتھ یہ لازم ہے کہ اس کی مخلوق کی حق تلفی نہ کی جاوے جو شخص اپنے بھائی کا حق تلف کرتا ہے اور اس کی خیانت کرتا ہے وہ لا الٰہ الا اللہ کا قائل نہیں۔"

(بدر جلد ۶ نمبر ۱ و ۲ صفحہ ۱۲)

مَیں بار بار کہتا ہوں کہ اس امر کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جب تک یہ مخفی معبود موجود ہوں ہرگز توقع نہ کرو کہ تم اس مقام کو حاصل کر لوگے جو ایک سچے موحّد کو ملتا ہے جیسے جب تک چُوہے زمین میں ہیں مت خیال کرو کہ طاعون سے محفوظ ہو۔ اسی طرح پر جب تک یہ چُوہے اندر ہیں اس وقت تک ایمان خطرہ میں ہے[1]۔ جو کچھ میں کہتا ہوں اس کو خوب غور سے سُنو اور اس پر عمل کرنے کے لیے قدم اُٹھاؤ۔ مَیں نہیں جانتا کہ اس مجمع میں جو لوگ موجود ہیں آئندہ ان میں سے کون ہوگا اور کون نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مَیں نے تکلیف اُٹھا کر اس وقت کچھ کہنا ضروری سمجھا ہے تا مَیں اپنا فرض ادا کر دوں۔

پس کلمہ کے متعلق خلاصہ تقریر کا یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی تمہارا معبود اور محبوب اور مقصود ہو۔ اور یہ مقام اسی وقت ملے گا جب ہر قسم کی اندرونی بدیوں سے پاک ہو جاؤ گے اور اُن بتوں کو جو تمہارے دل میں ہیں نکال دوگے۔

نماز کی حقیقت

بعد اس کے سُنو۔ دوسرا امر نماز ہے جس کی پابندی کے لیے بار بار قرآن شریف میں کہا گیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھو کہ اسی قرآن مجید میں ان مُصلّیوں پر لعنت کی ہے جو نماز کی حقیقت سے ناواقف ہیں اور اپنے بھائیوں سے بُخل کرتے ہیں اصل بات یہ ہے کہ نماز اللہ تعالیٰ کے حضور ایک سوال ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کی بدیوں اور بدکاریوں سے محفوظ کر دے۔ انسان درد اور فرقت میں پڑا ہوا ہے اور چاہتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا قرب اسے حاصل ہو۔ جس سے وہ اطمینان اور سکینت اسے ملے جو نجات کا نتیجہ ہے مگر یہ بات اپنی کسی چالاکی یا خوبی سے نہیں مل سکتی جب تک خدا نہ بُلاوے یہ جا نہیں سکتا۔ جب تک وہ پاک نہ کرے یہ پاک نہیں ہو سکتا[2]۔ بہتیرے لوگ اس پر گواہ ہیں کہ بارہا یہ جوش طبیعتوں میں پیدا ہوتا ہے کہ فلاں گناہ دُور ہو جاوے جس میں وہ مبتلا ہیں لیکن ہزار کوشش کریں دُور نہیں ہوتا باوجودیکہ نفسِ لوّامہ ملامت کرتا ہے لیکن پھر بھی لغزش ہو جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ گناہ سے پاک کرنا خدا تعالیٰ ہی کا کام ہے۔ اپنی طاقت سے کوئی نہیں ہو سکتا۔ ہاں یہ سچ ہے کہ اس کے لیے سعی کرنا ضروری امر ہے۔

---

[1] بدر سے:۔ "جب تک کُل جھوٹے معبود جو کہ چوہوں کی طرح انسان کے دل کی زمین کو وبازدہ کرتے ہیں بھسم نہ کر دیئے جائیں تب تک انسان صاف نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ زمینی چوہے طاعون لانے والے ہوتے ہیں ایسا ہی یہ چُوہے انسان کے دل کو خراب کر کے اُسے ہلاکت تک پہنچا دیتے ہیں۔" (بدر جلد ۶ نمبر ۱-۲ صفحہ ۱۲)

[2] بدر سے:۔ "طرح طرح کے طوق اور قسم قسم کے زنجیر انسان کی گردن میں پڑے ہوئے ہیں اور وہ بہتیرا چاہتا ہے کہ یہ دور ہو جاویں پر وہ دُور نہیں ہوتے۔" (بدر جلد ۶ نمبر ۱-۲ صفحہ ۱۲)

غرض وہ اندر جو گناہوں سے بھرا ہوا ہے اور جو خدا تعالیٰ کی معرفت اور قرب سے دُور جا پڑا ہے اس کو پاک کرنے اور دُور سے قریب کرنے کے لیے نماز ہے۔ اس ذریعہ سے ان بدیوں کو دُور کیا جاتا ہے اور اس کی بجائے پاک جذبات بھر دیئے جاتے ہیں۔ یہی سِر ہے جو کہا گیا ہے کہ نماز بدیوں کو دُور کرتی ہے یا نماز فحشاء یا منکر سے روکتی ہے۔

پھر نماز کیا ہے؟ یہ ایک دُعا ہے جس میں پُورا درد اور سوزش ہو اسی لیے اس کا نام صلوٰۃ ہے۔ کیونکہ سوزش اور فرقت اور درد سے طلب کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بد ارادوں اور بُرے جذبات کو اندر سے دُور کرے اور پاک محبت اس کی جگہ اپنے فیضِ عام کے ماتحت پیدا کر دے۔

صلوٰۃ کا لفظ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ نِرے الفاظ اور دُعا ہی کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ضروری ہے کہ ایک سوزش، رِقت اور درد ساتھ ہو۔ خدا تعالیٰ کسی دُعا کو نہیں سُنتا جب تک دُعا کرنے والا موت تک نہ پہنچ جاوے۔ دُعا مانگنا ایک مشکل امر ہے اور لوگ اس کی حقیقت سے محض ناواقف ہیں۔ بہت سے لوگ مجھے خط لکھتے ہیں کہ ہم نے فلاں وقت فلاں امر کے لیے دُعا کی تھی مگر اس کا اثر نہ ہوا اور اس طرح پر وہ خدا تعالیٰ سے بدظنی کرتے ہیں اور مایوس ہو کر ہلاک ہو جاتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ جب تک دُعا کے لوازم ساتھ نہ ہوں وہ دُعا کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔

دُعا کے لوازم میں سے یہ ہے کہ دل پگھل جاوے اور رُوح پانی کی طرح حضرتِ احدیت کے آستانہ پر گرے اور ایک کرب اور اضطراب اس میں پیدا ہو اور ساتھ ہی انسان بے صبر اور جلد باز نہ ہو بلکہ صبر اور استقامت کے ساتھ دُعا میں لگا رہے پھر توقع کی جاتی ہے کہ وہ دُعا قبول ہوگی۔

نماز بڑی اعلیٰ درجہ کی دُعا ہے مگر افسوس لوگ اس کی قدر نہیں جانتے اور اس کی حقیقت صرف اتنی ہی سمجھتے ہیں کہ رسمی طور پر قیام رکوع سجود کر لیا اور چند فقرے طوطے کی طرح رٹ لیے خواہ اُسے سمجھیں یا نہ سمجھیں ایک اور افسوسناک امر پیدا ہو گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ پہلے ہی مسلمان نماز کی حقیقت سے ناواقف تھے اور اس پر توجہ نہیں کرتے تھے۔ اس پر بہت سے فرقے ایسے پیدا ہو گئے جنہوں نے نماز کی پابندیوں کو اُڑا کر اس کی جگہ چند وظیفے اور وِرد قرار دے دیئے۔ کوئی نوشاہی ہے۔ کوئی چشتی ہے کوئی کچھ ہے کوئی کچھ۔ یہ لوگ اندرونی طور پر اسلام اور احکامِ الٰہی پر حملہ کرتے ہیں اور شریعت کی پابندیوں کو توڑ کر ایک نئی شریعت قائم کرتے ہیں۔ یقیناً یاد رکھو کہ ہمیں اور ہر ایک طالبِ حق کو نماز ایسی نعمت کے ہوتے ہوئے کسی اور بدعت کی ضرورت نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی تکلیف یا ابتلا کو دیکھتے تو فوراً نماز میں کھڑے ہو جاتے تھے اور ہمارا اپنا اور ان راستبازوں کا جو پہلے ہو گذرے ہیں۔ ان سب کا تجربہ ہے کہ " نماز سے بڑھ کر خدا کی طرف لے

جانے والی کوئی چیز نہیں"۔

جب انسان قیام کرتا ہے تو وہ ایک ادب کا طریق اختیار کرتا ہے۔ ایک غلام جب اپنے آقا کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو وہ ہمیشہ دست بستہ کھڑا ہوتا ہے۔ پھر رکوع بھی ادب ہے جو قیام سے بڑھ کر ہے اور سجدہ ادب کا انتہائی مقام ہے۔ جب انسان اپنے آپ کو فنا کی حالت میں ڈال دیتا ہے اس وقت سجدہ میں گر پڑتا ہے۔ افسوس ان نادانوں اور دُنیا پرستوں پر جو نماز کی ترمیم کرنا چاہتے ہیں اور رکوع سجود پر اعتراض کرتے ہیں۔ یہ تو کمال درجہ کی خوبی کی باتیں ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ جب تک انسان اس عالم سے حصّہ نہ رکھتا ہو جہاں سے نماز آتی ہے[۱]۔

نماز ایسی چیز ہے جو جامع حسنات ہے اور دافعِ سیئات ہے۔ مَیں نے پہلے بھی کئی مرتبہ بیان کیا ہے کہ نماز کے جو پانچ وقت مقرر کئے ہیں اس میں ایک حقیقت اور حکمت ہے۔ نماز اس لیے ہے کہ جس عذاب شدید میں پڑنے والا مبتلا ہے وہ اس سے نجات پالیوے۔ اوقاتِ نماز کے لیے لکھا ہے کہ وہ زوال کے وقت سے شروع ہوتی ہے۔ یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جب انسان غنی ہوتا ہے تو وہ طاغی ہو جاتا ہے اور حدود اللہ سے نکل جاتا ہے لیکن جب اس کو کوئی دُکھ اور درد پہنچے تو پھر یہ فطرتاً دوسرے کی مدد چاہتا ہے اور اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ پس جب اس پر ابتداءِ مصیبت ہو تو اسی وقت سے گویا نماز شروع ہو جاتی ہے مثلاً ایک شخص پر غیر متوقع گورنمنٹ کی طرف سے وارنٹ گرفتاری جاری ہو گیا کہ فلاں امر کے متعلق تم اپنا جواب دو۔ یہ پہلا مرحلہ ہے جو مصیبت کا آغاز ہوا۔ اور اس کے امن و سکون میں زوال شروع ہو گیا۔ یہ وقت ظہر کی نماز سے مشابہ ہے[۲]۔

---

[۱] کتابت کی غلطی سے عبارت نامکمل رہ گئی ہے۔ بدر میں یہ عبارت یوں درج ہے :-

"جب تک کہ انسان اس عالَم میں سے حصہ نہ لے جس سے نماز اپنی حد تک پہنچتی ہے تب تک انسان کے ہاتھ میں کچھ نہیں۔ مگر جس شخص کا یقین خدا پر نہیں وہ نماز پر کس طرح یقین کر سکتا ہے"۔

(بدر جلد ۶ نمبر ۱-۲ صفحہ ۱۲ مورخہ ۱۰ر جنوری ۱۹۰۶ء)

[۲] بدر میں یہ مضمون یوں بیان ہوا ہے :-

"حالتِ اوّل زوال سے شروع ہوتی ہے۔ اس سے پہلے انسان اپنے آپ کو غنی سمجھتا ہے اور طاقتور جانتا ہے اور روزِ روشن کی طرح اس کے تمام امور ایک جلوہ رکھتے ہیں اور ان پر کوئی تاریکی نہیں ہوتی۔ وہ اپنے آپ کو غیر محتاج کی طرح خیال کرتا ہے اور ایک پوری راحت اور آرام کی صورت میں اپنے آپ کو دیکھتا ہے اچانک اس پر ایک وقت آتا ہے کہ وہ زوال کے ساتھ ایک مشابہت رکھتا ہے وہ ابتداءِ مصیبت کا وقت (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

پھر بعد اس کے جب وہ عدالت میں حاضر ہوا اور بیانات ہونے کے بعد اس پر فردِ قرار دادِ جُرم لگ گئی اور شہادت گذر گئی تو اس کی مصیبت اور کرب پہلے سے زیادہ بڑھ گیا۔ یہ گویا عصر کا وقت ہے۔ کیونکہ عصر کی نماز کا وہ وقت ہے جب سُورج کی روشنی بہت ہی کم ہو جاوے۔ یہ عصر کا وقت اس پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اس کی عزت و توقیر بہت گھٹ گئی[1] اور اب وہ مجرم قرار پا گیا۔ اس کے بعد مغرب کا وقت آتا ہے۔ یہ وہ وقت ہے جب آفتاب غروب ہو جاتا ہے اور یہ اس وقت سے مشابہ ہے جب حاکم نے اپنا آخری حکم اس کے لیے سُنا دیا اور عشاء کا وقت اس سے مشابہ ہے کہ جب وہ جیل چلا جاوے[2] اور پھر فجر کا وقت ہے جب اس کی رہائی ہو جاوے[3] ان حالات کے ماتحت ایسے انسان کا درد و سوزش ہر آن بڑھتی جاوے گی۔ یہانتک کہ آخر اس کی سوزش و اضطراب اس کے لیے وہ وقت لے آوے کہ وہ نجات پا جاوے۔

اور یہ جو پہلے مَیں نے بیان کیا ہے قیام، رکوع اور سجود کے متعلق، اس میں انسانی تضرّع کی ہیئت کا نقشہ دکھایا گیا ہے۔ پہلے قیام کرتا ہے۔ جب اس پر ترقی کرتا ہے تو پھر رکوع کرتا ہے اور جب بالکل فنا ہو جاتا ہے تو پھر سجدہ میں گر پڑتا ہے۔ مَیں جو کچھ کہتا ہوں صرف تقلید اور رسم کے طور پر نہیں بلکہ اپنے تجربہ سے کہتا ہوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

ہوتا ہے اور دُکھ، درد اور محتاجی کا احساس شروع ہوتا ہے۔ قبل ازیں اس کو معلوم نہ تھا کہ مجھ پر ایسا وقت آنے والا ہے۔ اچانک بیٹھے بیٹھے یہ حالت شروع ہو جاتی ہے جیسا کہ گھر میں آرام سے بیٹھے ہوئے اچانک کسی کے پاس گورنمنٹ کی طرف سے وارنٹ آتا ہے اور کسی جُرم پر جواب طلبی کی جاتی ہے۔ یہ مصیبت کا پہلا مرحلہ ہے اور نماز ظہر کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔ چونکہ انسان کی راحت اور جمعیت میں ایک زوال آگیا ہے۔"

(بدر جلد ۶ نمبر ۱-۲ صفحہ ۱۲ مورخہ ۱۰ر جنوری ۱۹۰۷ء)

[1] بدر سے:- "اور اس کے نُور کی رُوح کھینچ لی گئی ہے۔" (بدر جلد ۶ نمبر ۱-۲ صفحہ ۱۴)

[2] بدر سے:- "کیونکہ تمام روشنی جاتی رہی اور چاروں طرف سے اس پر تاریکی چھا گئی اور وہ قید خانے میں پڑا ہے۔" (بدر حوالہ مذکور)

[3] بدر سے:- "اس لمبی تاریکی کے بعد پھر فجر کا وقت آتا ہے جبکہ وہ قید خانہ سے رہائی پانے لگتا ہے اور دوبارہ اس پر روشنی کا پرتَو پڑتا ہے اور اس کے اردگرد نُور چمکتا ہے۔ یہ پانچ اوقات انسان کے حال پر لازم رکھے گئے ہیں اور ان پانچوں حالتوں کی یاد میں جو کہ اس پر آنے والی ہیں وہ روزانہ خدا تعالیٰ کے حضور میں دُعائیں کرتا ہے کہ وہ ان مشکلات سے بچایا جاوے۔" (بدر حوالہ مذکور)

بلکہ ہر کوئی اس کو اس طرح پر پڑھ کر اور آزما کر دیکھ لے[1] اس نسخہ کو ہمیشہ یاد رکھو اور اس سے فائدہ اُٹھاؤ کہ جب کوئی دُکھ یا مصیبت پیش آوے تو فوراً نماز میں کھڑے ہو جاؤ اور جو مصائب اور مشکلات ہوں انکو کھول کھول کر اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کرو کیونکہ یقیناً خدا ہے اور وہی ہے جو ہر قسم کی مشکلات اور مصائب سے انسان کو نکالتا ہے وہ پُکارنے والے کی پُکار کو سنتا ہے۔ اس کے سوا کوئی نہیں جو مددگار ہو سکے۔ بہت ہی ناقص ہیں وہ لوگ کہ جب اُن کو مشکلات پیش آتی ہیں تو وہ وکیل، طبیب یا اور لوگوں کی طرف تو رجُوع کرتے ہیں مگر خدا تعالیٰ کا خانہ بالکل خالی چھوڑ دیتے ہیں۔ مومن وہ ہے جو سب سے اوّل خدا تعالیٰ کی طرف دوڑے۔

یہ امر بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ نہ ہو اور رجوع نہ کرو تو اس سے اس کی ذات میں کوئی نقص پیدا نہیں ہو سکتا اور وہ تمہاری کچھ بھی پروا نہیں رکھتا جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے:۔

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ (الفرقان: ۷۸)

یعنی ان کو کہدو کہ میرا رب تمہاری پروا کیا رکھتا ہے اگر تم سچے دل سے اس کی عبادت نہ کرو۔ جیسا کہ وہ رحیم و کریم ہے ویسا ہی وہ غنی بے نیاز بھی ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ طاعون نے کیا کیا اور زلزلوں نے کیا دکھایا؟ گھروں کے گھر اور شہروں کے شہر تباہ ہو گئے اور ہزاروں لاکھوں خاندان ہمیشہ کے لیے مِٹ گئے مگر اللہ تعالیٰ کو اس کی کیا پروا باوجود اس کے کہ وہ بہت ہی رحم کرنے والا ہے مگر بے نیاز بھی ہے۔ نوح کے وقت، لُوط کے وقت، موسیٰ کے وقت کیا ہوا؟ کیا جو قومیں اور بستیاں اس وقت ہلاک ہوئیں وہ انسان نہ تھے؟ وہ بھی انسان تھے اور تم بھی انسان ہو لیکن جب اُس نے دیکھا کہ وہ باز نہیں آتے اور حق کا انکار کرتے ہیں تو آخر خدا تعالیٰ کا قہر نازل ہوا اور آن کی آن میں انہیں مٹا دیا۔ مگر یاد رکھو اور خوب یاد رکھو۔ صرف اتنی ہی بات کہ ہم نے مان لیا ہے کافی نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ مجرد اقرار نہیں چاہتا۔ وہ چاہتا ہے کہ جو اقرار تم نے کیا ہے اسے کر کے دکھا دو۔ بعض لوگ اعتراض کر دیتے ہیں کہ فلاں شخص بیعت میں داخل تھا پھر وہ طاعون سے کیوں مر گیا؟ میں کہتا ہوں کہ مَیں اس کا ذمہ دار ہوں کہ کیوں مر گیا؟ اپنے اندر کے طاعون سے مر گیا۔ اللہ تعالیٰ ہرگز ہرگز ظلّام نہیں ہے وہ اپنے سچے بندوں کو محفوظ رکھتا ہے اور ان میں اور ان کے غیروں میں فرق رکھ دیتا ہے۔ مجھے ان لوگوں پر بہت ہی تعجب آتا ہے کہ جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے بیعت کی ہوئی تھی ہم پر یہ مصیبت کیوں آئی؟ وہ نادان نہیں جانتے کہ خدا تعالیٰ نے ان پر ظُلم نہیں کیا۔ نِری بیعت اور زبانی اقرار کیا بنا سکتا ہے؟ جب تک دل صاف نہ ہو اور اللہ تعالیٰ سے سچا پیوند قائم نہ ہو۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نوح علیہ السلام سے

---

[1] بدر سے:۔ "وہ بڑا بدقسمت ہے جو اس نسخہ کو آزما کر نہیں دیکھتا اور اس سے فائدہ حاصل نہیں کرتا۔"

(بدر جلد ۶ نمبر ۱-۲ صفحہ ۱۳)

وعدہ کیا تھا کہ مَیں تیرے اہل کو بچالوں گا، لیکن جب ان کا بیٹا ہلاک ہونے لگا تو نوح علیہ السلام نے دُعا کی اور اس امر کو پیش کیا۔ خدا تعالیٰ نے اس کا کیا جواب دیا؟ یہی کہ تو جاہل مت بن وہ تیرے اہل میں سے نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے اعمال صالح نہیں ہیں۔ گویا وہ چھپا ہوا مرتد تھا۔ پھر جب انہیں اپنے ایسے بیٹے کے لیے دُعا کرنے پر یہ جواب ملا تو اور کون ہوسکتا ہے جو خدا تعالیٰ سے تو سچا تعلق پیدا نہیں کرتا اور اپنے اعمال اور حال میں اصلاح نہیں کرتا اور چاہتا ہے کہ اس کے ساتھ وہ معاملہ ہو جو اس کے مخلص اور وفادار بندوں سے ہوتا ہے۔ یہ سخت نادانی اور غلطی ہے۔

سچے خُدا پرست بنو

اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا۔
مَیں جانتا ہوں۔ بہت سے لوگ ہیں جو چھپے ہوئے مُرتد ہیں۔ بہت سے ایسے ہیں جو باوجود اس کے کہ وہ بیعت میں داخل ہیں اور پھر مجھے خط لکھتے ہیں کہ فلاں شخص نے مجھے کہا کہ جب تک تیرے گھر بیٹا نہ ہو وہ کیونکر سچا ہوسکتا ہے؟۔ یہ نادان اتنا نہیں جانتے کہ کیا خدا نے مجھے اس لیے بھیجا ہے کہ مَیں لوگوں کو بیٹے دوں؟ کسی کے گھر بیٹا ہو یا بیٹی مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں اور نہ مَیں اس لیے بھیجا گیا ہوں۔ مَیں تو اس لیے آیا ہوں کہ تا لوگوں کے ایمان درست ہوں پس جو لوگ چاہتے ہیں کہ انکے ایمان درست ہوں اور خدا تعالیٰ سے ان کا سچا تعلق پیدا ہو ان کو میرے ساتھ تعلق رکھنا چاہیئے خواہ بیٹے مریں یا جئیں[1]۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (الانفال: ۲۹)

جو لوگ ایسے خطوط لکھتے ہیں یا اپنے دل میں ایسے خیالات رکھتے ہیں وہ یاد رکھیں اور خوب یاد رکھیں کہ وہ مجھ پر نہیں خدا تعالیٰ پر اعتراض کرتے ہیں۔ یقیناً سمجھو کہ میرے پیچھے آنا ہے اور سچے مسلمان بننا ہے تو پہلے بیٹوں کو مار لو۔ بابا فریدؒ کا مقولہ بہت صحیح ہے کہ جب کوئی بیٹا مر جاتا تو لوگوں سے کہتے کہ ایک کتورہ (کُتّی کا بچہ) مرگیا ہے اس کو دفن کردو۔

پس کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچا تعلق پیدا نہیں کرسکتا جب تک باوجود اولاد کے بے اُولاد نہ ہو اور باوجود مال کے دل میں مفلس و محتاج نہ ہو اور باوجود دوستوں کے بے یار و مددگار نہ ہو۔ یہ ایک مشکل مقام ہے جو انسان کو حاصل کرنا چاہیئے۔ اسی مقام پر پہنچ کر وہ سچا خدا پرست بنتا ہے۔ یہ جو قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ مَیں شرک نہیں بخشوں گا۔ اس کا مفہوم نادانوں نے اتنا ہی سمجھ لیا ہے کہ اس سے بت پرستی مراد ہے۔

---

[1] بدر سے:۔ "نہ کہ لوگ مُرید ہو کر آزمائش کیا کریں کہ بیٹے پیدا ہوتے ہیں یا کہ نہیں۔"
(بدر جلد ۶ نمبر ۱-۲ صفحہ ۱۳)

نہیں اتنی ہی بات نہیں بلکہ اس سے وہ سب محبوب مراد ہیں جو انسان اپنے لیے بنالیتا ہے ایسے لوگ دیکھے گئے ہیں کہ جب انہیں ذرا بھی تکلیف یا مصیبت پہنچے یا کوئی اولاد مرجاوے تو فوراً خدا تعالیٰ سے تعلق توڑ بیٹھتے ہیں اور شکوہ اور شکایت کرنے لگتے ہیں۔ یہ سخت مشرک اور اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں پس تم ایسے مت بنو اور اس قسم کے خیالات کو دل سے نکال دو اور اس کی ترکیب یہی ہے کہ نہایت خشوع اور خضوع کے ساتھ اپنی نمازوں میں دُعائیں کرو اور اس کی توفیق چاہو۔

مَیں کھول کر کہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص میری بیعت اس لیے کرتا ہے کہ اُسے بیٹا ملے یا فلاں عہدہ ملے یعنی شرطی باتوں پر بیعت کرتا ہے تو وہ آج نہیں۔کل نہیں۔ ابھی الگ ہوجاوے اور چلا جاوے۔مجھے ایسے آدمیوں کی ضرورت نہیں اور نہ خدا کو اُن کی پروا ہے۔

یقیناً سمجھو۔اس دُنیا کے بعد ایک اور جہان ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔اس کے لیے تمہیں اپنے آپ کو تیار کرنا چاہیئے۔یہ دُنیا اور اس کی شوکتیں یہاں ہی ختم ہوجاتی ہیں مگر اس کی نعمتوں اور خوشیوں کا کوئی بھی انتہا نہیں ہے۔

مَیں سچ کہتا ہوں کہ جو شخص ان سب باتوں سے الگ ہوکر خدا تعالیٰ کی طرف آتا ہے وہی مومن ہے اور جب ایک شخص خدا کا ہوجاتا ہے تو پھر یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ خدا تعالیٰ اُسے چھوڑ دے۔یہ مت سمجھو کہ خدا ظالم ہے۔جو شخص خدا تعالیٰ کے لیے کچھ کھوتا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ پالیتا ہے۔اگر تم خدا تعالیٰ کی رضا کو مقدم کرلو اور اولاد کی خواہش نہ کرو تو یقیناً اور ضروری سمجھو کہ اولاد مِل جاوے گی۔اور اگر مال کی خواہش نہ ہو تو وہ ضرور دیدے گا تم دو کوششیں مت کرو کیونکہ ایک وقت دو کوششیں نہیں ہوسکتی ہیں اور وہ یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کو پانے کی سعی کرو۔[1]

مَیں پھر کہتا ہوں کہ اسلام کی اصل جڑ توحید ہے یعنی خدا تعالیٰ کے سوا کوئی چیز انسان کے اندر نہ ہو اور خدا اور اُس کے رسولوں پر طعن کرنے والا نہ ہو خواہ کوئی بَلا یا مصیبت اس پر آئے۔کوئی دُکھ یا تکلیف یہ اُٹھائے مگر اس کے منہ سے شکایت نہ نکلے بَلا جو انسان پر آتی ہے وہ اس کے نفس کی وجہ سے آتی ہے خدا تعالیٰ ظلم نہیں کرتا۔ ہاں کبھی کبھی صادقوں پر بھی بَلا آتی ہے مگر دوسرے لوگ اُسے بَلا سمجھتے ہیں درحقیقت وہ بَلا نہیں ہوتی وہ ایلام برنگ انعام ہوتا ہے۔اس سے خدا تعالیٰ کے ساتھ ان کا تعلق بڑھتا ہے اور ان کا مقام بلند ہوتا ہے اس کو دوسرے لوگ

---

[1] بدر سے :۔

"جو لوگ درحقیقت خدا کے واسطے دُنیا کو چھوڑ دیتے ہیں خدا تعالیٰ انہیں دنیا بھی دیتا ہے پس تم خدا کے واسطے مال کی خواہش چھوڑ دو اور اس کے واسطے اولاد کے خیال کو ذلیل جانو تو تم کو خدا مال اور اولاد سب کچھ دے گا وہ سب کچھ دیتا ہے مگر وہ نہیں چاہتا کہ اس کا کوئی شریک ہو۔" (بدر جلد ۵ نمبر ۱ صفحہ ۱۱)

سمجھ ہی نہیں سکتے لیکن جن لوگوں کو خدا تعالیٰ سے تعلق نہیں ہوتا اور ان کی شامتِ اعمال ان پر کوئی بلا لاتی ہے تو وہ اور بھی گمراہ ہوتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے فرمایا ہے:

فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ فَزَادَھُمُ اللّٰہُ مَرَضًا (البقرۃ: ۱۱)

پس ہمیشہ ڈرتے رہو اور خدا تعالیٰ سے اس کا فضل طلب کرو۔ تا ایسا نہ ہو کہ تم خدا تعالیٰ سے قطع تعلق کرنے والوں میں ہو جاؤ۔ جو شخص خدا تعالیٰ کی قائم کردہ جماعت میں داخل ہوتا ہے۔ وہ خدا تعالیٰ پر کوئی احسان نہیں کرتا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے کہ اس نے اس کو ایسی توفیق عطا کی۔ وہ اس بات پر قادر ہے کہ ایک قوم کو فنا کر کے دوسری پیدا کرے۔ یہ زمانہ لوطؑ اور نوحؑ کے زمانہ سے ملتا ہے۔ بجائے اس کے کہ کوئی شدید عذاب آتا اور دنیا کا خاتمہ کر دیتا اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل اور رحم سے اصلاح چاہی ہے اور اس سلسلہ کو قائم کیا ہے۔

بدیوں کو دُور کرنے کیلئے مرسلین کا آنا ضروری ہے

یہ بھی مت سمجھو کہ ہم خود ہی بدیوں سے باز آ سکتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے عیسائی اور یہودی موجود تھے اور توریت اور انجیل بھی موجود تھی۔ پھر تم خود ہی بتاؤ کہ کیا وہ لوگ فسق و فجور اور ہر قسم کے جرائم اور معاصی سے باز آگئے تھے؟ نہیں بلکہ باوجود ان کتابوں کے موجود ہونے کے بھی وہ حدود اللہ سے نکل گئے تھے۔ سُنّت اللہ یہی ہے کہ جب زمین فسق و فجور سے بھر جاتی ہے تو اس کے روکنے والی قوت آسمان سے آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایک شخص کو آسمان سے بھیج دیتا ہے جس کے ذریعہ لوگوں کو توبہ کی توفیق ملتی ہے۔ جو یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت موجود تھے وہ ہزار سال سے ویسے ہی رہے تھے لیکن جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت میں داخل ہو گئے وہ فرشتے بن گئے۔ اگر انسان خود ہی کر سکتا تو بگڑتا ہی کیوں؟ اور پھر نبیوں کی ضرورت ہی کیا تھی؟ خدا تعالیٰ کے مُرسل اسی غرض کے لیے تو آیا کرتے ہیں اور ضرور آتے ہیں۔ ہاں سُنّت اللہ اسی طرح جاری ہے کہ جب خزاں کا وقت آتا ہے تو درختوں کے پتے گر جاتے ہیں نہ پھل ہوتا ہے نہ پھول نہ خوشبو بلکہ خوشبو کی جگہ بدبو ہوتی ہے اور خوبصورتی کی بجائے بدصورتی ہوتی ہے۔ لیکن پھر یک دفعہ جب بہار کا موسم آتا ہے تو پھر تدریجی طور پر سب کچھ بحال ہو جاتا ہے۔ یہی سلسلہ رُوحانی عالم میں ہے۔ جب دیکھو کہ ایمان اور اعمالِ صالحہ میں خزاں کا دَور شروع ہے اور ہر طرف پھل، پھول اور پتے تک گر رہے ہیں تب سمجھو کہ بہار آئی۔ انبیاء علیہم السلام کا وقت بہار سے مشابہ ہے۔ مَیں نے سب کتابیں دیکھی ہیں۔ توریت اور انجیل کو خوب پڑھا ہے مگر مَیں حلفاً کہتا ہوں کہ جو ثبوت قرآن مجید نے دیا ہے۔ ہرگز ہرگز کسی دوسری کتاب نے نہیں دیا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں جس قدر قصے شریروں اور بدکاروں کے بیان کئے ہیں ساتھ ہی یہ بیان کیا کہ یہ اس وقت موجود ہیں۔ اس سے غرض کیا تھی؟ اصل غرض یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ جب ایک یا دو قسم کی بدیوں

کے دُور کرنے کے لیے رسولوں کا آنا ضروری تھا پھر جہاں اس قدر بدیاں پھیل رہی ہیں اور تمام شرارتیں جمع ہو گئی ہیں۔ وہاں کیوں ضروری نہیں؟ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت حق تھی اور عین ضرورت کے وقت تھی۔ یہ ان لوگوں پر حُجت ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے ہیں۔ وہ سوچیں کہ جو بداعمالیاں کبھی کسی زمانہ میں پیدا ہوئیں اور اُن کے لیے رسول آیا۔ پھر جب اُن کا مجموعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہو گیا یہانتک کہ کہنا پڑا کہ بحر و بر میں فساد پیدا ہو گیا۔ اس زمانہ میں ایسی ہوا چلی ہوئی تھی کہ سب بگڑ گئے تھے[1] آریہ ورت کے لیے پنڈت دیانند نے شہادت دی ہے کہ وہ بھی بگڑا ہوا تھا۔ جگن ناتھ اور سومنات وغیرہ بُت خانے اسی وقت کے ہیں۔ گویا اتنی بڑی خزاں تھی کہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اور وہ وقت بالطبع چاہتا تھا کہ ایک عظیم الشان مصلح پیدا ہو۔ جو ان تمام فسادوں کی اصلاح کرے۔ چنانچہ اس وقت کے حسبِ حال آپؐ پیدا ہوئے۔ یہ بڑا نشان ہے۔ پھر یہ دیکھنا چاہیئے کہ آپ نے آکر کیا کیا؟ اس وقت جو حالت ملک اور قوم بلکہ دنیا کی ہو رہی تھی اس کی تفصیل کی حاجت نہیں۔ سب شہادت دیتے ہیں اور خود قرآن مجید نے شہادت دی ہے وہ ان میں شائع ہوتا تھا اگر کوئی امر جو اُن کے حالات کے متعلق اس میں بیان کیا گیا ہے خلاف واقعہ ہوتا تو وہ شور مچا دیتے کہ جھوٹ کہا ہے لیکن کسی کو انکار کی گنجائش ہی نہ تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وقت کیفیت اور کمیت کے لحاظ سے بہت بڑی خزاں کا وقت تھا اور اسی کے مقابل میں بہار بھی وہ آئی کہ اس کی نظیر نہ پہلے ملتی ہے اور نہ آئندہ ہوگی۔ اس لیے کہ آئندہ تو اسی بہار کا سماں ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قریب کا زمانہ تھا اور وہ بھی ایک بہار کا وقت تھا مگر اس وقت جو ترقی یا تبدیلی ہوئی وہ اس سے ہی ظاہر ہے کہ آپ نے بارہ آدمی تیار کئے جو بارہ حواری مشہور ہیں۔ ان میں سے ایک نے جو بڑا مخلص سمجھا جاتا تھا۔ تیس روپے لے کر گرفتار کرا دیا اور دوسرے نے جس کو بہشت کی کُنجیاں دی گئی تھیں تین مرتبہ لعنت کی اور باقی بھاگ گئے مگر اس کے مقابلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جماعت تیار کی وہ صدق و اخلاص میں ایسی وفادار تھی کہ اس نے بھیڑ بکری کی طرح سر کٹوا دیئے۔ اس سے بڑھ کر حیرت انگیز تبدیلی کیا ہوگی وہ جو ہر قسم کے عیبوں اور معاصی میں مصروف رہنے والی قوم تھی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن کے نیچے آئے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ وہ مخلصانہ پیوند کیا کہ اُٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے اللہ ہی سے محبت کرتے تھے۔

یہ دو نشان ایسے زبردست ہیں کہ جو شخص تعصب سے خالی ہو کر ان پر تدبر کرے گا اور ضرور کرنا

---

[1] بدر سے:۔ "وہ ایسا زمانہ تھا کہ جاہل اپنی جہالت میں حد سے گذر چکے تھے اور اہل کتاب بھی بگڑ گئے تھے۔"

(بدر جلد ۶ نمبر ۱۰ صفحہ ۱۴)

چاہیئے اس کو ایک دفعہ اقرار کرنا پڑے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی تھے۔

مسلمانوں کی موجودہ حالت کی اصلاح کیلئے مُرسل کا ظہور

اب یہ زمانہ جس میں ہم ہیں اس کی حالت پر نظر کرو کون کہہ سکتا ہے کہ اس میں مسلمانوں کی اندرونی حالت میں تغیر نہیں ہوا۔ ان کی عملی اور اعتقادی حالت بگڑ گئی ہے۔ ان کی اخلاقی حالت تباہ ہوگئی ہے جس پہلو سے دیکھو اور جس حیثیت سے نظر کرو اسے دیکھ کر رونا آتا ہے۔ بیرونی حالت دیکھتے ہیں تو وہ اور بھی قابلِ افسوس ہے۔ اسی ملک میں لاکھوں مُرتد ہوگئے ہیں۔ یہ وہ دین تھا کہ ایک بھی مُرتد ہو جاتا تو قیامت آجاتی مگر اب یہ حالت ہے کہ دو چار روپیہ کے لالچ میں آکر گرجا میں جاکر مُرتد ہو جاتے ہیں۔ آپس میں ایک دوسرے کے حقوق تلف کرتے ہیں۔ قرضہ لے کر دینے کا نام نہیں لیتے۔ طرح طرح کے معاصی اور فسق و فجور میں مبتلا ہیں۔ اب کیا یہ حالتِ زمانہ ایسی تھی کہ خدا تعالیٰ چُپ رہتا اور اس کی اصلاح کے لیے کسی کو نہ بھیجتا؟ اگر وہ چپ رہتا تو پھر عذاب آتا اور اس کو تباہ کر دیتا۔ مگر نہیں اُس نے اپنی رحمت سے ایک شخص کو بھیج دیا ہے جو تم ہی میں سے آیا ہے۔ اس کے آنے کی غرض یہی ہے کہ تا وہ فساد مٹا دیئے جاویں جو اسلام میں سے آیا ہے اس کے آنے کی غرض یہی ہے کہ تا وہ فساد مٹا دیئے جاویں جو اسلام میں اور مسلمانوں میں پیدا ہو چکے ہیں اور جنہوں نے اُن کو اس ذلیل حالت تک پہنچا دیا ہے۔ لیکن یاد رکھو اس کا آنا فضول ہو جاتا ہے۔ اگر لوگ اس بات کو مضبوط نہ پکڑیں جو وہ لے کر آیا ہے صرف اتنی بات پر خوش ہو جانا کہ ہم میں ایک رسُول آیا ہے کافی نہیں۔ جب حضرت لُوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب آیا۔ کیا وہ اس وقت زندہ نہ تھے؟ یا موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں اسرائیلیوں پر بعض عذاب آئے تو وہ ان کے ساتھ نہ تھے؟ اتنے پر خوش نہ ہو کہ ہمارے پاس خُدا کا مُرسل ہے جو شخص اس دھوکہ میں ہے۔ قریب ہے کہ وہ ہلاک ہو جاوے۔ خدا تعالیٰ کسی کی رعایت نہیں کرتا۔

یاد رکھو اسلام ایک موت ہے۔ جب تک کوئی شخص نفسانی جذبات پر موت وارد کرکے نئی زندگی نہیں پاتا اور خدا ہی کے ساتھ بولتا، چلتا، پھرتا، سُنتا، دیکھتا نہیں۔ وہ مسلمان نہیں ہوتا۔

دیکھو یہ چھوٹی سی بات نہیں اور معمولی امر نہیں کہ اس نے ایک شخص کو بھیجا اور تمہیں آنے والے عذاب سے ڈرایا۔ یہ اس کا بڑا بھاری فضل اور رحمت کا نشان ہے اس کو حقیر مت سمجھو۔ اس کی قدر کرو۔ مجھے اس شہادت کو ادا کرنا پڑتا ہے جو میرے ذمہ ہے۔

سُنو! مجھے دکھایا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے قہری نشان نازل ہوں گے۔ زلزلے آئیں گے اور طاعون کی موتیں ہوں گی اس لیے میں تمہیں اس سے پہلے کہ خدا تعالیٰ کا عذاب نازل ہو تمہیں اور ہر سُننے والے کو متنبہ اور آگاہ کرتا ہوں کہ توبہ کرو۔ ہر شخص جو عذاب سے پہلے توبہ کرتا ہے اور اپنی اصلاح کے لیے تبدیلی کر لیتا ہے وہ خدا تعالیٰ کے

رحم کا اُمیدوار ہو سکتا ہے لیکن جب عذاب نازل ہوگیا۔ پھر توبہ کا دروازہ بند ہوگا۔ اس وقت جو امن کی حالت ہے توبہ کرو اور اصلاح کے لیے قدم بڑھاؤ۔ میری باتوں کو اس طرح مت سُنو۔ جس طرح پر لڑکے کہانیاں سُنا کرتے ہیں اُٹھو اور تبدیلیاں کرو۔

جب مصیبت آگئی پھر خواہ کوئی ہزار کہے کہ دُعا کرو کچھ فائدہ نہ ہوگا کیونکہ عذاب تو آچکا۔ ہاں اب وقت ہے۔

اصلاح کے ذرائع

تبدیلی اور اصلاح کس طرح ہو؟ اس کا جواب وہی ہے کہ نماز سے جو اصل دُعا ہے۔ قرآن شریف پر تدبّر کرو اس میں سب کچھ ہے۔ نیکیوں اور بدیوں کی تفصیل ہے اور آئندہ زمانہ کی خبریں ہیں وغیرہ۔ بخوبی سمجھ لو کہ یہ وہ مذہب پیش کرتا ہے جس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کے برکات اور ثمرات تازہ بہ تازہ ملتے ہیں۔ انجیل میں مذہب کو کامل طور پر بیان نہیں کیا گیا۔ اُس کی تعلیم اُس زمانہ کے حسبِ حال ہو تو ہو۔ لیکن وہ ہمیشہ اور ہر حالت کے موافق ہرگز نہیں۔ یہ فخر قرآن مجید ہی کو ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں ہر مرض کا علاج بتایا ہے اور تمام قویٰ کی تربیت فرمائی ہے اور جو بدی ظاہر کی ہے اس کے دُور کرنے کا طریق بھی بتایا ہے اس لیے قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہو اور دُعا کرتے رہو اور اپنے چال چلن کو اس کی تعلیم کے ماتحت رکھنے کی کوشش کرو۔

روزہ

پھر تیسری بات جو اسلام کا رُکن ہے وہ روزہ ہے۔ روزہ کی حقیقت سے بھی لوگ واقف ہیں۔ اصل یہ ہے کہ جس ملک میں انسان جاتا نہیں اور جس عالَم سے واقف نہیں اسکے حالات کیا بیان کرے۔ روزہ اتنا ہی نہیں کہ اس میں انسان بھوکا پیاسا رہتا ہے بلکہ اس کی ایک حقیقت اور اس کا اثر ہے جو تجربہ سے معلوم ہوتا ہے۔ انسانی فطرت میں ہے کہ جس قدر کم کھاتا ہے اسی قدر تزکیہ نفس ہوتا ہے اور کشفی قوتیں بڑھتی ہیں۔ خدا تعالیٰ کا منشا اس سے یہ ہے کہ ایک غذا کو کم کرو اور دوسری کو بڑھاؤ۔ ہمیشہ روزہ دار کو یہ مدِّنظر رکھنا چاہیئے کہ اس سے اتنا ہی مطلب نہیں ہے کہ بھوکا رہے بلکہ اُسے چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کے ذکر میں مصروف رہے تاکہ تبتّل اور انقطاع حاصل ہو۔ پس روزے سے یہی مطلب ہے کہ انسان ایک روٹی کو چھوڑ کر جو صرف جسم کی پرورش کرتی ہے دوسری روٹی کو حاصل کرے جو رُوح کی تسلّی اور سیری کا باعث ہے اور جو لوگ محض خدا کے لیے روزے رکھتے ہیں اور نِرے رسم کے طور پر نہیں رکھتے انہیں چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح اور تہلیل میں لگے رہیں جس سے دوسری غذا انہیں مل جاوے۔

حج

ایسا ہی حج بھی ہے۔ حج سے صرف اتنا ہی مطلب نہیں کہ ایک شخص گھر سے نکلے اور سمندر چیر کر چلا جاوے اور رسمی طور پر کچھ لفظ منہ سے بول کر ایک رسم ادا کر کے چلا آوے۔ اصل

بات یہ ہے کہ حج ایک اعلیٰ درجہ کی چیز ہے جو کمال سلوک کا آخری مرحلہ ہے۔ سمجھنا چاہیئے کہ انسان کا اپنے نفس سے انقطاع کا یہ حق ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کی محبت میں کھویا جاوے اور تعشق باللہ اور محبتِ الٰہی ایسی پیدا ہو جاوے کہ اس کے مقابلہ میں نہ اُسے کسی سفر کی تکلیف ہو اور نہ جان و مال کی پروا ہو نہ عزیز و اقارب سے جُدائی کا فکر ہو جیسے عاشق اور مُحب اپنے محبوب پر جان قربان کرنے کو تیار ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی کرنے سے دریغ نہ کرے۔ اس کا نمونہ حج میں رکھا ہے۔ جیسے عاشق اپنے محبوب کے گرد طواف کرتا ہے اسی طرح حج میں بھی طواف رکھا ہے یہ ایک باریک نکتہ ہے۔ جیسا بیت اللہ ہے ایک اس سے بھی اُوپر ہے۔ جب تک اس کا طواف نہ کرو یہ طواف مفید نہیں اور ثواب نہیں۔ اس کا طواف کرنے والوں کی بھی یہی حالت ہونی چاہیئے جو یہاں دیکھتے ہو کہ ایک مختصر سا کپڑا رکھ لیتے ہیں۔ اسی طرح اس کا طواف کرنے والوں کو چاہیئے کہ دُنیا کے کپڑے اُتار کر فروتنی اور انکساری اختیار کرے اور عاشقانہ رنگ میں پھر طواف کرے۔ طواف عشقِ الٰہی کی نشانی ہے اور اس کے معنے یہ ہیں کہ گویا مرضاتِ اللہ ہی کے گرد طواف کرنا چاہیئے اور کوئی غرض باقی نہیں۔

زکوٰۃ

اسی طرح پر زکوٰۃ ہے۔ بہت سے لوگ زکوٰۃ دے دیتے ہیں۔ مگر وہ اتنا بھی نہیں سوچتے اور سمجھتے کہ یہ کس کی زکوٰۃ ہے۔ اگر کُتّے کو ذبح کر دیا جاوے یا سؤر کو ذبح کر ڈالو تو وہ صرف ذبح کرنے سے حلال نہیں ہو جائے گا۔ زکوٰۃ تزکیہ سے نکلی ہے۔ مال کو پاک کرو اور پھر اس میں سے زکوٰۃ دو۔ جو اس میں سے دیتا ہے اُس کا صدق قائم ہے لیکن جو حلال حرام کی تمیز نہیں کرتا وہ اس کے اصل مفہوم سے دُور پڑا ہوا ہے اس قسم کی غلطیوں سے دست بردار ہونا چاہیئے اور ان ارکان کی حقیقت کو بخوبی سمجھ لینا چاہیئے تب یہ ارکان نجات دیتے ہیں ورنہ نہیں اور انسان کہیں کا کہیں چلا جاتا ہے۔ یقیناً سمجھو کہ فخر کرنے کی کوئی چیز نہیں ہے[1] اور خدا تعالیٰ کا کوئی انفسی یا آفاقی شریک نہ ٹھہراؤ اور اعمالِ صالحہ بجا لاؤ۔ مال سے محبت نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آل عمران: ۹۳) یعنی تم بِرّ تک نہیں پہنچ سکتے جب تک وہ مال خرچ نہ کرو جس کو تم عزیز رکھتے ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کو اپنا اُسوہ بناؤ اور دیکھو کہ وہ زمانہ تھا جب صحابہؓ نے نہ اپنی جان کو عزیز سمجھا نہ اولاد اور بیویوں کو۔ بلکہ ہر ایک اُن میں سے اس بات کا حریص تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں شہید ہو جاؤں۔ تم حلفاً بیان کرو کیا

---

[1] بدر سے:۔ "انسان کو اپنے اعمال پر فخر نہیں کرنا چاہیئے اور نہ خوش ہونا چاہیئے جب تک ایسا ایمانِ خالص حاصل نہ ہو جائے کہ انسان کی عبادت میں خدا تعالےٰ کے ساتھ کوئی شریک نہ ہو۔"

(بدر جلد ۶ نمبر ۱، ۲ صفحہ ۱۵)

تمہارے اندر یہ بات ہے؟ جب ذرا سا بھی ابتلاء آجاوے تو گھبرا جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ ہی کی شکایت کرنے لگتے ہیں ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کبھی مسلمان نہیں کہلا سکتے۔

مَیں بار بار یہی کہتا ہوں کہ تمہارا اُسوہ حسنہ وہی ہو جو صحابہؓ کا تھا۔ میرا کہنا تو صرف کہہ دینا ہے۔ توفیق کا عطا کرنا اللہ تعالیٰ کے فضل کی بات ہے۔ اس بات کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھو کہ تمہارے اعمال اور افعال میں اخلاص ہو۔ ریاکاری اور بناوٹ نہ ہو۔ کیونکہ تم جانتے ہو اگر کوئی شخص سونے کی بجائے پیتل لے کر بازار میں جاوے تو وہ فوراً پکڑا جاویگا اور آخر اُسے جیل میں جا کر اپنی جعلسازی کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ پس اسی طرح پر خدا تعالیٰ کے حضور دھوکا نہیں چل سکتا۔ انسان کو دھوکا لگ سکتا ہے مگر وہاں نہیں ہو سکتا۔ جو چاہتا ہے کہ وہ خدا کا اور خدا اس کا ہو جاوے اسے چاہیئے کہ وہ خدا تعالیٰ کی راہ میں ننگا ہو جاوے۔

یہ مت سمجھو کہ مَیں تمہیں اس امر سے منع کرتا ہوں کہ تم تجارت نہ کرو یا زراعت اور نوکری یا دوسرے ذرائع معاش سے تمہیں روکتا ہوں۔ ہرگز نہیں۔ میرا یہ مطلب نہیں ہے بلکہ میرا مطلب یہ ہے ؎

دل بایار دست بکار

تمہارا اُسوہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کوئی تجارت اور بیع وشریٰ انہیں ذکر اللہ سے نہیں روکتا۔ ہزاروں لاکھوں کی تجارت میں بھی وہ خدا تعالیٰ سے ایک لحظہ کے لیے جُدا نہیں ہوتے۔ اس لیے تمہارا فخر اور دستاویز ایسے اعمال ہونے چاہئیں جو حقیقی ایمان کے بعد پیدا ہوتے ہیں۔

سچی خواب مدارِ نجات نہیں

مَیں اس امر کا افسوس سے ذکر کرتا ہوں کہ بعض لوگ مَیں نے دیکھے ہیں جن کی زندگی کا بڑا مقصد یہی ہوتا ہے کہ انہیں خواب آجاتے ہیں یا آنے چاہئیں۔ وہ سارا زور اسی امر پر دیتے ہیں۔ میرے نزدیک یہ ابتلاء ہے جو لوگ اس وہم میں مبتلا ہیں وہ یاد رکھیں۔ اس امر سے نجات وابستہ نہیں ہے۔ کبھی یہ سوال نہیں ہوگا تجھے کتنے خواب آئے تھے۔ مَیں نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جنہوں نے چوری میں سزا پائی اور جب سزا پاکر آئے اور اُن سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ چوری کرنے گئے تھے۔ خواب میں معلوم ہو گیا تھا کہ ایسا ہوگا۔ بڑے بڑے بدکار جو کنجر کہلاتے ہیں انہیں بھی سچی خواب آسکتی ہے۔ یہاں ہمارے ایک چوہڑی تھی اس کو بھی خواب آجاتے تھے۔ پس تم ابتلاء میں مت پھنسو۔ خدا تعالیٰ سے اپنے تعلقات بڑھاؤ اور اس کو راضی کرو۔ اپنے اعمال میں ایک خوبصورتی پیدا کرو انسان کو چاہیئے کہ اس امر کا مطالعہ کرے کہ کیا قرآن شریف کے موافق مَیں نے اپنے اعمال کو بنا لیا ہے یا نہیں؟ اگر یہ بات نہیں ہے تو خواہ اس کو ہزاروں خواب آئیں بیہودہ اور بے فائدہ ہیں۔ قرآن شریف میں یہی حکم ہے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پُورا پُورا ادا کرو۔ ان میں ریا، خیانت، شرارت باقی نہ ہو۔ وہ خالصتہً للہ ہوں۔

پس پہلے اس بات کو پیدا کرو۔ پھر اس کے ثمرات خود بخود حاصل ہوں گے۔

ہمارا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ بُری چیزیں ہیں یا بُرا طریق ہے۔ نہیں نہیں۔ اصل مطلب یہ ہے کہ بداستعمالی بُری شے ہے۔ بیمار کا فرض یہ ہے کہ وہ اوّل علاج کرائے نہ یہ کہ علاج تو کرائے نہیں اور کہے مجھے الف لیلہ کی سیر کے دو چار ورق سُنا دو۔ اسی طرح کشوف اور رؤیا روحانی سیر ہیں۔ جب رُوحانی بیماریوں کا علاج ہو جاوے گا اور رُوحانی صحت درست ہو گی اس وقت سیر بھی مفید ہوگی۔

جب انسان اپنے نفس کو کھو دیتا ہے اور غیر اللہ کی طرف التفات نہیں رہتی اور کسی کو اپنی نظر میں نہیں دیکھتا اور خدا ہی کو دیکھتا اور اس کو ہی سُناتا ہے تو پھر خدا تعالیٰ بھی اس کو سُناتا ہے مگر وہ لوگ جن کے باوجودیکہ دو کان ہوتے ہیں مگر وہ حرص، ہوا، غصہ، کینہ وغیرہ ہر قسم کی طاقتوں کی باتیں سُنتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کی بات کیونکر سُن سکتے ہیں۔ ہاں ایک قوم ہوتی ہے جو باقی سب کو ذبح کر ڈالتے ہیں اور سب طرف سے کانوں کو بند کر لیتے ہیں۔ نہ کسی کی سُنتے ہیں نہ کسی کو سُناتے ہیں۔ انہیں ہی خدا بھی اپنی سناتا ہے اور ان کی سُنتا ہے اور وہی مبارک ہوتا ہے

پس اگر اس قوم میں داخل ہونا چاہتے ہو تو ان کے نقشِ قدم پر چلو۔ جب تک یہ بات پیدا نہ ہو ایسی آوازوں اور خوابوں پر ناز نہ کرو۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ حدیث میں اضغاث احلام اور حدیث النفس کا ذکر موجود ہے۔ یہ کوئی چیز نہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک تو حمل حقیقی ہوتا ہے جب مدتِ مقررہ نو ماہ گذر جاتے ہیں تو لڑکا یا لڑکی پیدا ہو جاتی ہے۔ ایک اس کے مقابلہ میں حمل کاذب ہوتا ہے بعض عورتیں رات دن اولاد کی خواہش کرتی رہتی ہیں جس سے رجاء کی مرض پیدا ہو جاتی ہے اور جھوٹا حمل ہو کر پیٹ پھُولنے لگتا ہے اور حمل کی علامات

۱؎ بدر سے:۔ "خوابوں کے ذریعہ سے کوئی شخص نجات نہیں پا سکتا۔ یہ طریق بُرا نہیں مگر اس کی بداستعمالی نقصان رساں ہے۔" (بدر جلد ۲ نمبر ۱۰۲ صفحہ ۱۶)

۲؎ بدر سے:۔ "بیمار کو چاہیئے کہ اوّل اپنا علاج کرائے۔ اگر بیمار اپنا علاج نہ کرے اور چند قصے سُننے لگے تو اس سے وہ اچھا نہ ہو جائے گا۔ ایک شخص جو اپنی خراب صحت کے سبب دو چار روز میں مرنے والا ہے اگر وہ کہے کہ میں امریکہ کی سیر کے واسطے جاتا ہوں تاکہ دُنیا کے عجائبات دیکھوں تو یہ اس کی نادانی ہے۔ اس کو تو چاہیئے کہ اوّل اپنا علاج کرائے۔ جب تندرست ہو جائے تو پھر سیر بھی کر سکتا ہے۔ حالتِ بیماری میں تو سیر و سیاحت اور بھی نقصان رساں ہوگی۔" (بدر حوالہ مذکور)

۳؎ بدر سے:۔ "ایک کان جو ہزاروں طرف لگا ہوا ہے اور شرک کے ساتھ بھرا ہوا ہے اور جذباتِ نفسانی اور ہوا و ہوس کی متابعت میں پڑ رہا ہے وہ کیونکر خدا تعالیٰ کے کلام کو سُن سکتا ہے۔" (بدر حوالہ مذکور)

ظاہر ہوتی ہیں لیکن نو ماہ کے بعد پانی کی مشک نکل جاتی ہے۔ ایسا ہی حال ان کشوف اور خوابوں کا ہے جبتک انسان محض خدا ہی کا نہ ہو جاوے۔ یہ کچھ بھی چیز نہیں۔ انسان کی عزت اسی میں ہے اور یہی سب سے بڑی دولت اور نعمت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو۔ جب وہ خدا کا مقرب ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہزاروں برکات اس پر نازل کرتا ہے زمین سے بھی اور آسمان سے بھی اس پر برکات اُترتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیخکنی کے لیے قریش نے کس قدر زور لگایا۔ وہ ایک قوم تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تنِ تنہا۔ مگر دیکھو! کون کامیاب ہوا۔ اور کون نامراد رہے۔

نصرت اور تائید خدا تعالیٰ کے مقرب کا بہت بڑا نشان ہے۔ دوسرے یہ کہ ایسا شخص خزاں کے وقت آتا ہے اور بہار ہو جاتی ہے۔ وہ لوگ جو خدا کی طرف سے نہ ہوں اور اس قسم کی شیخیاں مارنے والے ہوں انکی مثال ایسی ہے جیسے مُردار پر بیٹھے ہوں۔[1] مگر جو خدا تعالیٰ کے ساتھ ہے حیّ و قیوم خدا اس کے ساتھ ہے وہ خود زندہ ہے اُسے زندہ کرے گا۔ وہ اپنے وعدوں کو جو اُس سے کئے ہیں سچا کر دکھائے گا۔[2]

میری نصیحت بار بار یہی ہے کہ جہاں تک ہو سکے اپنے نفسوں کا بار بار مطالعہ کرو۔ بدی کا چھوڑ دینا یہ بھی ایک نشان ہے اور خدا تعالیٰ ہی سے چاہو کہ وہ تمہیں توفیق دے کیونکہ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ (الصافات:۹۷) قویٰ بھی اس نے ہی پیدا کئے ہیں۔[3]

پھر مَیں ایک اور نقص بھی دیکھتا ہوں۔ بعض لوگ تھک جاتے ہیں۔ میرے پاس ایسے خطوط آتے ہیں جن میں لکھنے والوں نے ظاہر کیا کہ ہم چار سال یا اتنے سال تک نماز پڑھتے رہے دُعائیں کرتے رہے۔ کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ ایسے لوگوں کو میں مُخنّث سمجھتا ہوں تھکنا نہیں چاہیئے۔

گر نباشد بدوست راہ بُردن ٭ شرطِ عشق است در طلب مُردن

مَیں تو یہاں تک کہتا ہوں اگر تمہیں چالیس برس گذر جاویں تب بھی تھکے نہیں اور باز نہ آوے خواہ جذبات بڑھتے

---

[1] بدر سے :۔ "وہ اس مُردار سے کیا حاصل کر سکتا ہے۔" (بدر جلد ۶ نمبر ۱، ۲ صفحہ ۱۶)

[2] بدر سے :۔ "جبتک خدا تعالیٰ کے وعدے جو اس کے ساتھ ہوتے ہیں پورے نہ ہوویں تب تک وہ مرتا نہیں اور اس کے سلسلہ میں کچھ کمی نہیں آتی۔" (بدر جلد ۶ نمبر ۱، ۲ صفحہ ۱۶)

[3] بدر سے :۔ "بدیوں کو چھوڑ دینا کسی کے اختیار میں نہیں۔ اس واسطے راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر تہجد میں خدا کے حضور دُعائیں کرو۔ وہی تمہارا پیدا کرنے والا ہے خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ۔ پس اور کون ہے جو ان بدیوں کو دُور کر کے نیکیوں کی توفیق تم کو دے۔" (بدر حوالہ مذکور ص۱۶)

ہی جاویں۔ اللہ تعالیٰ دُعا کرنے والوں کو ضائع نہیں کرتا۔[1] جب تضرع سے دُعا کرتا ہے اور مصیبت میں مبتلا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ یہ شخص بچایا جاوے اور وہ بچایا جاتا ہے کیونکہ

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ (البقرة : ۲۲۳)

یاد رکھو جو شخص مرا ہے اور ہلاک ہوا ہے وہ تھکنے سے مرا ہے۔ خدا تعالیٰ سے مانگنا اور دُعا کرنا موت ہے ہر شخص جو خدا تعالیٰ سے مانگتا ہے ضرور پاتا ہے مگر وہ آپ ہی بدظنی کرتا ہے تب حاصل نہیں ہوتا۔

اس کے بعد آپ نے دیر تک جماعت کے لیے دُعا کی۔[2]

۲۷ر دسمبر ۱۹۰۶ء

تقریر

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمودہ ۲۷ر دسمبر ۱۹۰۶ء بعد نماز ظہر و عصر مسجد اقصیٰ قادیان

میں[3] نے جو کچھ کل بیان کیا تھا اس میں سے کچھ حصہ باقی رہ گیا تھا اس لیے میں نے مناسب اور ضروری سمجھا کہ اس حصہ کو بیان کر دوں تاکہ وہ مکمل ہو جاوے۔

---

[1] بدر سے :- یقیناً خدا رحیم کریم اور حلیم ہے۔ وہ دُعا کرنے والوں کو ضائع نہیں کرتا۔ تم دُعا میں مصروف رہو اور اس بات سے مت گھبراؤ کہ جذباتِ نفسانی کے جوش سے گناہ صادر ہو جاتا ہے۔ وہ خدا سب کا حاکم ہے وہ چاہے تو فرشتوں کو بھی حکم کر سکتا ہے کہ تمہارے گناہ نہ لکھے جاویں۔ دیکھو دُعا کے ساتھ عذاب جمع نہیں ہوتا۔ گر دُعا صرف زبان سے نہیں ہوتی بلکہ دعا وہ ہے کہ ؎

جو منگے سو مر رہے مرے سو منگن جا"

(بدر جلد ۶ نمبر ۱-۲ صفحہ ۱۶)

[2] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۲ صفحہ ۳ تا ۱۱ مورخہ ۱۷ر جنوری ۱۹۰۷ء

[3] بدر سے :- "میں نے کل جو کچھ بیان کیا تھا۔ اس کی تکمیل بسبب بیماری کے نہ ہوئی۔"

(بدر جلد ۶ نمبر ۳ صفحہ ۸ مورخہ ۱۷ جنوری ۱۹۰۷ء)

مذہبی آزادی پر اظہارِ تشکر

سمجھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سلسلہ جو نئے طور سے قائم کیا ہے[1] اسے قائم ہوتے ہی مصائب اور مشکلات پیدا ہو گئے اندرونی اور بیرونی طور پر طرح طرح کے دُکھ اس کو دیئے گئے[2] مگر بیرونی طور پر جو دُکھ دیا گیا ہے اس پر افسوس نہیں اس لیے کہ وہ دُکھ صرف زبان کا دُکھ ہے اور اس دُکھ کے مقابلہ میں یہ کچھ چیز نہیں جو ابتدائے اسلام اور غربتِ اسلام کے وقت اُن لوگوں کو اُٹھانا پڑا جو اسلام میں داخل ہوئے۔ وہ دُکھ اس قسم کے تھے کہ اُن کو بیان کرنے سے بھی دل کانپ جاتا ہے کہ وہ کیسے سنگدل انسان تھے کہ انہوں نے صرف مسلمان ہونے پر اُن کو طرح طرح کی مشکلات اور مصائب میں ڈالا اور بہتوں کو بے دردی سے ایذائیں دیں اور قتل کر ڈالا لیکن اس زمانہ میں جو آزادی کا زمانہ ہے اس قسم کی کوئی تکلیف نہیں دے سکتے۔ صرف زبان سے دُکھ دیتے ہیں اور یہ کچھ چیز نہیں۔

ہم پر خدا تعالیٰ کا بڑا فضل اور احسان ہے اور ہم اس کا شکر نہیں کر سکتے کہ اُس نے محض اپنے فضل سے ایسی گورنمنٹ کے ماتحت کر دیا جس کی وجہ سے ہمارے مخالف ہمارے خلاف اپنے جوشِ مخالفت میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ یہ اسی گورنمنٹ کی آزادی اور انصاف پسندی کا ہی سبب ہے کہ وہ جوش ہمارے مخالف ظاہر نہیں کر سکتے جو انہیں ہمارے لیے ہونا چاہیئے۔ وہ دانت پیستے ہیں اور اگر اُن کے اختیار میں ہوتا تو ہمیں نیست و نابود کر کے ہی خوش ہوتے۔ مگر انہیں کوئی قابو نہیں ملتا۔

مَیں اس امر پر غور کر کے اور پچھلے دُکھوں کو جو ابتدائے اسلام میں مسلمانوں کو پہنچے یاد کر کے خدا تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر کرتا ہوں جس نے محض اپنے ہی فضل و کرم سے ہمیں ایسی نیک خیال گورنمنٹ عطا کی۔ وہ کیسا رحیم و کریم خدا ہے۔ جب اس نے چاہا کہ ضعفِ اسلام کے وقت یہ سلسلہ قائم کرے خود ہی اس نے انتظام کر دیا کہ ایسی گورنمنٹ کو بھیج دیا جو امن پسند ہے۔ مَیں یہ بات ریاکاری سے نہیں کہتا۔ مَیں یقیناً جانتا ہوں کہ ریاکار اور خوشامدی منافق ہوتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے فضل سے ہم نفاق کو دُور کرنے آئے ہیں اور واقعات ہمیں مجبور کرتے ہیں کہ اس گورنمنٹ کی تعریف کریں اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے شکر گذار ہوں۔ ہم اپنے ہی حالاتِ زندگی کو دیکھتے

---

[1] بدر سے:۔ ”اللہ تعالیٰ نے یہ سلسلہ اس واسطے قائم کیا ہے کہ لوگ نئے طور پر اس کی ہستی پر ایمان اور یقین حاصل کریں۔“ (بدر جلد ۶ نمبر ۳ صفحہ ۸ مورخہ ۱۷؍ جنوری ۱۹۰۷ء)

[2] بدر سے:۔ ”یہ ایذا رسانی صرف بیرونی لوگوں کی طرف سے نہیں جو غیر مذاہب کے لوگ ہیں بلکہ اندرونی لوگوں کی طرف سے بھی جو کہ مسلمان کہلاتے ہیں ہم دُکھ دیئے جاتے ہیں اور وہ لوگ ہماری مخالفت میں کوئی بات چھوڑ نہیں سکتے۔“ (بدر حوالہ مذکور)

ہیں کہ اس وقت کس امن اور آزادی کے ساتھ اس سلسلہ کی اشاعت کر رہے ہیں۔ پچیس[۲۵] سال سے زیادہ عرصہ سے
ہم اس اشاعت کے کام میں لگے ہوئے ہیں اور پوری آزادی اور امن سے اُسے کر رہے ہیں۔ خود گورنمنٹ کے
ملکوں (بلادِ یورپ) میں سولہ ہزار اشتہار دعوتِ اسلام کا میں نے جاری کیا۔ اور وہ اشتہارات معمولی آدمیوں
میں تقسیم نہیں کئے گئے بلکہ معززین کو بھیجے گئے (جن میں شاہی خاندان کے ممبر اور گورنمنٹ کے اعلیٰ عہدے دار
اور ارکین شامل تھے) یہاں تک کہ ملکہ معظمہ کو بھی ایک کتاب دعوتِ اسلام کی بھیجی گئی اور انہوں نے ایسی محبت
اور قدر سے اُسے دیکھا کہ بذریعہ تار ایک اور نسخہ اس کا منگوایا۔ یہ عجیب بات ہے۔ یہ کیسا خدا تعالیٰ کا ہم پر فضل
اور احسان ہے کہ اس نے ایسی جگہ ہمیں بھیجا جہاں ہر طرح پوری آزادی کے ساتھ اپنے فرض کو ادا کر سکتے ہیں۔
مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ ہم اس کی نظیر دوسری جگہ نہیں پا سکتے۔ لوگ اس پر تعجب کریں گے یا خام خیالی اور ظاہر
پرستی کی وجہ سے میری ان باتوں کو خوشامد پر قیاس کریں گے۔ مگر مَیں حلفاً کہتا ہوں کہ اگر یہ سلسلہ مکہ معظمہ میں
جاری ہوتا تو ہر روز دو چار خون ہوتے۔ ایسا ہی مدینہ یا روم میں ہوتا تو کوئی سزا پاتا، کوئی کوئی دُکھ پاتا۔ غرض کسی نہ
کسی مصیبت کا سامنا رہتا۔ ایسا ہی کابل میں ہوتا تو قسم قسم کے حملے ہوتے اور تجربہ نے ثابت بھی کر دیا ہے سب
کو معلوم ہے کہ ہمارے دو معزز دوست کابل میں شہید ہو چکے ہیں۔ انہوں نے وہاں کوئی بغاوت نہیں کی، خون
نہیں کیا اور کوئی سنگین جرم نہیں کیا۔ صرف یہ کہا کہ جہاد حرام ہے۔ مَیں سچ کہتا ہوں کہ انہوں نے اس سے زیادہ
ہرگز نہیں کہا جو مَیں یہاں گورنمنٹ کو عیسائی مذہب کی بابت سُنا چکا ہوں۔ وہ نہایت نیک، راستباز اور خاموش
تھے۔ مولوی عبد اللطیف صاحب تو بہت ہی کم گو تھے۔ مگر کسی خود غرض نے جا کر امیر کابل کو کہدیا اور انہیں ان
کے خلاف بھڑکایا کہ یہ شخص جہاد کا مخالف ہے اور آپ کے عقاید کا مخالف ہے۔ اس پر وہ ایسی بے رحمی سے
قتل ہوئے کہ سخت سے سخت دل بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا اور اس امر پر غور کرکے کہ وہ کیا گناہ تھا جس
کے بدلہ میں وہ قتل کئے گئے بے اختیار ہر شخص کو کہنا پڑے گا کہ یہ سخت ظلم ہے جو آسمان کے نیچے ہوا ہے۔ اب
اس کے مقابلہ میں ہماری تیس سالہ کارروائی کو دیکھو۔ بار بار پادریوں اور عیسائیوں کے مذہب پر حملہ ہوا ہے اور
انہیں بتایا گیا ہے کہ تم سخت غلطی پر ہو۔ تمہاری تثلیث غلط ہے۔ کفارہ باطل ہے مگر کبھی ان مسائل کی غلطیوں
کے ظاہر کرنے پر اور یہ بیان کرنے پر کہ اسلام ہی سچا مذہب ہے اور یہی نجات کا ذریعہ ہے اور آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم ہی افضل الرسل ہیں اور ان کی کامل اتباع ہی سے نجات ملتی ہے۔ کوئی وارنٹ گرفتاری کا گورنمنٹ کی

---

[۱] بدر سے:۔ "اور ملک میں نہایت معزز تھے اور ہزاروں آدمی اُن کے مُرید تھے اور دربار کابل میں ان
کی بڑی عزت تھی۔"

(بدر جلد ۲ نمبر ۳ صفحہ ۸)

طرف سے جاری نہیں ہوا۔ اور نہیں پوچھا گیا کہ تم اپنے مذہب کی اشاعت کیوں کرتے ہو؟ پھر بتاؤ کہ ہم اگر اس کی اس آزادی اور امن کے لیے اس کی تعریف کریں اور اس کے لیے شکر گذاری کا جوش ظاہر کریں تو یہ خوشامد ہو سکتی ہے؟ یہ تو امرِ واقعہ کا اظہار ہے اور اگر کوئی ایسا نہ کرے تو مَیں یقیناً کہتا ہوں کہ وہ خدا تعالیٰ کے حضور سخت گنہگار ہے۔ مَیں نے خوب غور کیا ہے اور تجربہ نے ہمیں بتا دیا ہے کہ اس قوم کی فطرت میں ہے کہ باوجودیکہ ہم نے عیسائی مذہب کی غلطیوں اور کمزوریوں کو سختی سے سخت طریق سے ظاہر کیا ہے مگر اس نے یہ سمجھ کر جو آزادی اُس نے عیسائیوں کو دی ہے کہ وہ دوسرے مذاہب کا ردّ کریں اور اپنے دین کی اشاعت کریں اسکے سایہ میں ہونے کی وجہ سے ویسے ہی حقدار ہیں اور اُن کے فطرتی انصاف نے اس مساوات کو توڑنے کا ارادہ نہیں کیا۔ ہر ایک کو اپنے مذہب کی اشاعت کے لیے پوری آزادی دی ہے بلکہ اس سے بھی عجیب تر یہ بات ہے کہ جب ایک جنٹلمین پادری نے مجھ پر اقدامِ قتل کا مقدمہ کیا تو گورنمنٹ نے اپنے انصاف کا کامل نمونہ دکھایا۔ اگر ہمارے ساتھ کوئی کینہ ہوتا تو یہ عمدہ موقعہ تھا کہ ہمیں دُکھ دیا جاتا۔ لیکن مَیں دیکھتا تھا کہ کوئی رعایت اس جنٹلمین پادری کی میرے مقابلہ میں نہیں کی جاتی تھی۔ صاحبِ ضلع مجھے عزّت سے بُلاتے تھے اور کرسی دیتے رہے۔ انجام کار جب انہیں بخوبی معلوم ہو گیا کہ وہ مقدمہ محض شرارت سے مجھ پر بنایا گیا ہے اور سراسر جھُوٹا ہے تو اس نے کہا کہ یہ بدذاتی مجھ سے نہیں ہو سکتی کہ سزا دے دوں۔ چنانچہ اس نے عزّت کے ساتھ مجھے بَری کیا۔[1]

اور یہ بات مجھ سے ہی خاص نہیں بلکہ سب کے لیے یکساں حقوق حاصل ہیں۔ اگر ہمیں یہ تجربہ ذاتی بھی نہ ہوتا تو بھی ہم شکر گذاری کے لیے بہت سے سامان پاتے ہیں اور علاوہ بریں یہ بات ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کسی قوم کو اس قدر اقبال مندی اور غیر ملکوں پر اس قدر فتوحات نہیں دیتا جب تک اس میں خوبی نہ ہو اور یہ تو ایک کھُلی کھُلی بات ہے کہ اس وقت اگر گورنمنٹ نہ ہو تو سب کے سب آپس ہی میں لڑ کر مر جاویں۔ یہ ایسا ثالث ہے کہ اُس نے اپنے انصاف اور اقبال سے باہمی جھگڑوں سے بچا لیا ہے۔ ہماری جماعت کا ہر ایک آدمی سوچ کر دیکھ لے کہ کیا اس کا کسی اَور جگہ گذارہ ہو سکتا ہے۔ وہ اگر اس سلطنت کے سایہ میں نہ ہو تو اس کے دشمن اسے قسم قسم کے عذاب دے کر ہلاک کر دیں۔ اگر کوئی جاہل یہ سمجھے کہ ہاں کسی اور جگہ گذارہ ہو سکتا ہے تو مَیں اُسے حیوانات میں سمجھتا ہوں۔

---

[1] بدر سے:۔ "مَیں نے سُنا ہے کہ اس کے پاس میرے برخلاف سفارشیں کی گئیں تو اس نے جواب دیا کہ مجھ سے ایسی بدذاتی نہیں ہو سکتی کہ مَیں ایک شریف آدمی کو بے گناہ سزا دوں۔ پس اس نے مجھے عزّت کے ساتھ بَری کیا اور عدالت میں مجھے مبارکباد کہی۔" (بدر جلد ۶ نمبر ۳ صفحہ ۸ مورخہ ۱۷ جنوری ۱۹۰۷ء)

دن رات ہم اپنے منصب کی وجہ سے اسی کام میں لگے ہوئے ہیں کہ عیسائی مذہب کی غلطیوں سے لوگوں کو آگاہ کریں اور ہم اس کام میں لگے ہوئے ہیں لیکن گورنمنٹ کو باوجود عیسائی ہونے کے کوئی تعلق نہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے اور اس کے احسانوں میں سے ایک نشان ہے جو اُس نے ہمارے لیے ظاہر کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس درخت کا نشوونما کرنا چاہتا ہے۔ اس کے لیے اچھی زمین تجویز ہوتی ہے جہاں وہ لگایا جاتا ہے اور اس کی آبپاشی اور نشوونما کے دوسرے سامان وہاں اُسے بہم پہنچائے جاتے ہیں اور جسے ستیاناس کرنا چاہتا ہے اُسے ایسی زمین میں جگہ ملتی ہے جہاں وہ کُچلا جاتا ہے۔ پس اسی طرح پر یہ بیج جو ہمارے سلسلہ کا بیج ہے ایسی زمین میں لگایا گیا ہے جو اس کی ترقی اور نشوونما کے لیے بہت ہی مفید اور مبارک ہے کیونکہ یہاں کوئی آفت اسکو نقصان نہیں پہنچا سکتی اور وہ اپنے دشمنوں سے محفوظ ہے اور اس کا بڑا بھاری ذریعہ یہ گورنمنٹ ہے جبکہ یہ احسان ہم پر ہے تو ہمارا فرض ہے کہ اس احسان شناسی کے بعد اس کا شکریہ ادا کریں کیونکہ خدا تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ۔ (الرحمٰن : ۶۱)

اس سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ مسلمان احسان کرے تو اس کے بدلہ میں احسان کرو اور اگر غیر مذہب والا کرے تو نیش زنی کرو۔ یہ تو خبیث کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہی منشا ہے کہ کوئی ہو جو احسان کرتا ہے۔ اس کے ساتھ احسان کرنا فرض ہے۔ احسان کی تو یہ طاقت ہے کہ اگر ایک کُتّے کو تم ٹکڑا ڈال دو تو وہ بار بار تمہاری طرف آئے گا خواہ تم اُسے مار کر بھی نکالو مگر وہ تمہیں دیکھ کر اس احسان کے شکریہ کے لیے دُم ہلا دے گا۔ پھر وہ انسان تو کُتّے سے بھی بدتر ہے جو انسان ہو کر احسان شناسی سے کام نہیں لیتا۔

مَیں اپنی جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ ان نادان، تنگ خیال اور سفلہ مزاج ملاؤں سے نفرت اور پرہیز کریں جو بغاوت پسند ہیں اور ناحق خون کرکے غازی بنتے ہیں[1]۔ میری جماعت کے ہر فرد کو لازم ہے کہ وہ گورنمنٹ کی قدر کریں اور پوری اطاعت اور وفاداری کے ساتھ اس کے احسانات کے شکر گذار ہوں اور یقیناً سمجھ لیں کہ جو شخص مخلوق کا شکر نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر گذار بھی نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے پنجاب کو منتخب کرنے کی حکمت

غرض اللہ تعالیٰ کے احسانات میں سے ایک یہ بڑا احسان ہے کہ اس نے اس سلسلہ کو گورنمنٹ انگلشیہ کی حکومت میں قائم کیا جو آزادی پسند اور امن دوست گورنمنٹ ہے اور اللہ تعالیٰ کے احسانات میں سے یہ دوسرا احسان ہے کہ اس نے اس سلسلہ کو پنجاب میں قائم کرنا پسند فرمایا اور اس سرزمین کو اس کے لیے منتخب کیا۔ ہندوستان بھی تو تھا پھر کیا وجہ ہے اور اس میں کیا

[1] بدر سے :- "ان کے کام کو حقارت کی نگاہ سے دیکھو" (بدر جلد ۲ نمبر ۳ صفحہ ۹)

حکمت ہے کہ پنجاب کو ترجیح دی؟ اس میں جو حکمت ہے وہ تجربہ سے معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ پنجاب کی زمین نرم ہے اور اس میں قبولِ حق کا مادہ ہندوستان کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے مجھے کئی مہینے تک دلّی اور دوسری جگہ رہنے کا اتفاق ہوا ہے مگر انہوں نے قبول نہیں کیا اور برخلاف اسکے پنجاب میں لوگوں نے مجھے اس وقت قبول کیا جب دوسروں نے نہیں کیا۔ حالانکہ میں نے انکو اپنے دعویٰ کے دلائل سناتے قرآن اور حدیث کو انکے سامنے پیش کیا، نشانات پیش کئے مگر انہوں نے نہیں مانا (الا ماشاءاللہ) پس یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس ملک میں اُس نے اِس سلسلہ کو قائم کیا۔ علاوہ بریں یہ ملک حق رکھتا تھا کہ یہ سلسلہ قائم ہو کیونکہ چالیس پچاس برس تک سکھوں کا دھکا کھا چکا تھا۔ بچوں کو تو ان دکھوں اور تکلیفوں کی خبر نہیں اور مَیں بھی اس وقت بچہ تھا۔ اس لیے پورا علم تو نہیں مگر جس قدر علم مجھے ہے وہ ایسا ہی ہے جیسا رؤیت کا علم ہوتا ہے۔ اس وقت اگر بانگ دی جاتی تو اس کی سزا بجز اس کے اور کچھ نہیں ہوتی تھی کہ بانگ دینے والا قتل کیا جاوے۔ حالانکہ یہ لوگ جانتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ جب وہ سنکھ وغیرہ بجاتے ہیں تو ہم کبھی اُن کے مزاحم نہیں ہوتے اور نہ انہیں تکلیف دیتے ہیں مگر بانگ سے انہیں ایسی ضد تھی کہ جونہی کسی نے دی وہ قتل کیا گیا جس جگہ مَیں اس وقت کھڑا ہوں یہ کارداروں کی جگہ تھی اور دارالحکومت نہیں بلکہ دارالظلم تھا۔ جب انگریزی عدالت کا شروع شروع میں دخل ہوا۔ اس وقت یہاں ایک کاردار رہتا تھا[۱]۔ اس کا ایک سپاہی مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے گیا۔ اُس نے مُلّاں کو کہا کہ بانگ دے۔ مگر مُلّاں نے بہت ہی آہستہ آہستہ بانگ کہی۔ سپاہی نے کہا کہ اونچی آواز سے بانگ کیوں نہیں دیتا جو دوسروں تک بھی پہنچ جائے؟ مُلّاں نے کہا مَیں اونچی آواز سے بانگ کیونکر دوں کیا میں پھانسی چڑھوں؟ اس پر سپاہی نے کہا کہ نہیں تو کوٹھے پر چڑھ کر بہت اونچی آواز سے بانگ دے کیونکہ وہ جانتا تھا کہ سلطنت کی تبدیلی ہو چکی ہے۔ آخر جب مُلّاں نے سپاہی کے کہنے سے بلند آواز سے اذان دی تو ایک شور مچ گیا اور کاردار کے پاس جا کر شکایت کی گئی کہ ہمارے آٹے بھرشٹ ہو گئے اور ہم اور ہمارے بچے بھوکے رہے۔ ہم پر ظلم ہوا۔ اس پر کاردار نے کہا کہ اچھا پکڑ لاؤ۔ مُلّاں کو پکڑ کر لے گئے۔ وہ نیک بخت سپاہی بھی مُلّاں کے پیچھے پیچھے گیا۔ جب مُلّاں کاردار کے سامنے گیا تو کاردار نے اُس سے پوچھا کہ تُو نے بانگ دی ہے؟ سپاہی نے آگے بڑھ کر کہا کہ اس نے نہیں دی بانگ تو مَیں نے دی ہے۔ جب کاردار نے یہ سُنا تو اُس نے شکایت کرنے والوں کو کہا کہ اندر جا کر بیٹھو۔ لاہور میں تو گائے ذبح ہوتی ہے[۲]

---

[۱] بدر سے:۔ "ابتدا میں انگریزوں کا دخل پنجاب پر ہوا اور ہنوز لوگوں کو عام خبر نہ تھی اور کاردار وہی پُرانے تھے اور مقامِ عدالت بھی وہی پُرانے تھے کہ ایک مسلمان سپاہی باہر سے یہاں قادیان میں آیا اور ایک مسجد میں نماز پڑھنے گیا۔" (بدر جلد ۶ نمبر ۳ صفحہ ۹)

[۲] بدر سے:۔ "گورنمنٹ انگریزی کی پہلی برکت تھی جو کہ ہم کو حاصل ہوئی تھی۔ کیونکہ بانگ دعوتِ اسلام کا ایک طریقہ ہے جو مختصر الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے۔" (بدر حوالہ مذکور)

اذان بھی ایک اسلامی دعوت ہے اور اس حالت میں اسلام کی اجمالی دعوت ہے حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ اور حَیَّ عَلَی الْفَلَاح کا کیا مطلب ہے؟ یہی کہ مسلمان ہو جاؤ۔ مگر یہ لوگ اسلام کے دشمن تھے۔ اس لیے اس بانگ کے دشمن تھے۔ ایسا ہی ایک واقعہ ہوشیار پور میں ہوا۔ وہاں کسی شخص نے بانگ دی تو اس کے خلاف عدالت میں مقدمہ دائر کیا گیا۔ صاحب ضلع نے اس مقدمہ کو نہایت حیرانی سے سُنا۔ انہوں نے حکم دیا کہ اس شخص کو حاضر کرو۔ چنانچہ جب وہ حاضر ہوا تو اُسے کہا گیا کہ اچھا بانگ دو اور جس قدر اُونچی آواز سے تم نے وہاں دی ہے اسی قدر آواز سے یہاں بھی دو اور اپنے سررشتہ دار کو بھی کہا کہ تم بھی خیال رکھو اس سے کیا تکلیف ہوتی ہے۔ بانگ دینے والے نے آہستہ آواز سے بانگ دی تو شکایت کرنے والوں نے کہا کہ اس نے اُونچی آواز میں دی تھی اب یہاں آہستہ دیتا ہے۔ تب اسے کہا گیا کہ خوب زور سے دو۔ آخر اُس نے بانگ دی۔ جب وہ ختم کر چکا تو صاحب نے سررشتہ دار سے پوچھا کہ تمہیں کچھ تکلیف ہوئی؟ اس نے کہا کہ نہیں صاحب۔ صاحب نے کہا کہ ہم کو بھی کوئی تکلیف نہیں ہوئی اور اُسے کہا کہ جاؤ بیشک جاکر بانگ دو کچھ ہرج نہیں ہے۔[1]

---

[1] بدر میں یہ واقعہ یوں درج ہے:۔

"مسلمان کے مسجد میں بلند آواز سے اذان کہنے پر تمام پنڈت برہمن جمع ہوئے اور فریاد کرتے ہوئے مجسٹریٹ ضلع کے پاس پہنچے جو کہ انگریز تھا اور اس کے سامنے شکایت کی کہ ہم پر بڑا سخت ظلم ہوا ہے کہ ایک مسلمان نے بانگ دی ہے اور اس بانگ نے سخت نقصان کیا ہے کیونکہ اس سے ہماری چیزیں بھرشٹ ہو گئی ہیں۔ نہ آٹے گوندھے ہوئے پکانے کے کام کے رہے نہ روٹیاں پکی ہوئی کھانے کے لائق رہیں۔ نہ کپڑا پہننے کے قابل رہا۔ گھر کے سب برتن بھرشٹ ہو گئے۔ مجسٹریٹ دانا تھا۔ اس نے کہا کہ وہ بڑی پُرتاثیر اذان معلوم ہوتی ہے۔ اس مؤذن کو فوراً بلایا چنانچہ وہ مؤذن طلب کیا گیا اور مجسٹریٹ کے سامنے حاضر ہوا۔ ایک طرف غریب مؤذن اکیلا کھڑا تھا اور دوسری طرف پنڈتوں، برہمنوں اور کھتریوں کے گروہ کے گروہ داد فریاد کرتے ہوئے جمع تھے۔ انگریز نے اس مؤذن کو کہا کہ ہم تمہاری اذان سُننا چاہتے ہیں تم ہمارے سامنے اسی طرح اذان کہو۔ چنانچہ اس نے اذان کہی۔ صاحب نے کہا کہ اس اذان سے تو کوئی ایسی بات معلوم نہیں ہوتی اور ہندوؤں کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ کیا اس مُلّاں نے اسی طرح اذان بانگ دی تھی؟ اس پر سب برہمن اور اُن کے ساتھی چلا اُٹھے کہ نہیں حضور وہ بانگ تو بلند آواز سے تھی۔ تب مجسٹریٹ نے کہا کہ تم نے یہ بانگ بہت آہستہ کہی ہے۔ تم بلند آواز سے بانگ کہو۔ تب اس نے بہت بلند آواز سے بانگ کہی جس کو مجسٹریٹ نہایت غور سے سُنتا رہا اور بعد ختم ہونے کے تعجب کے ساتھ اپنے سررشتہ دار کی طرف منہ کر کے کہنے لگا کہ اس بانگ سے تو ہمارا کچھ بھرشٹ نہیں ہوا۔ کیا تم پر کوئی ایسا اثر ہوا ہے کہ تمہاری کوئی چیز بھرشٹ ہو گئی ہو؟ (باقی اگلے صفحہ پر)

پُرامن دَورِ حکومت

اب خیال کرو کہ انگریزوں کا قدم کس قدر مبارک ہے اور ان کے آنے سے کس قدر ترقیات ہوئی ہیں۔ کتابوں کی اشاعت ہی کی طرف دیکھو کیسی ہو رہی ہے۔ ایک شخص کتے شاہ نام کہنے لگا کہ میرے مُرشد ہمیشہ صحیح بخاری کی تلاش میں رہا کرتے تھے اور پنج وقت اس کے ملنے کے لیے دُعا کیا کرتے تھے اور کبھی کبھی مایوس ہو کر رونے لگتے تھے اور اس قدر روتے کہ ہچکیاں بندھ جاتی تھیں اور اب یہ حال ہے کہ صحیح بخاری تین چار روپے کو مِل جاتی ہے۔ لیکن اُس وقت یہ حال تھا کہ کسی مُلّاں کے پاس بھی اگر کوئی کتاب ہوتو بس کنز، قدوری، کافیہ تک ہی اس کی تعداد ہو سکتی تھی اور اس وقت اس قدر خزانے نکل آئے ہیں کہ کوئی ان کو گن بھی نہیں سکتا۔

غرض میں سچ کہتا ہوں کہ گورنمنٹ کا قدم ڈالنا اس سلسلہ کے لیے بطور ارہاص تھا۔ ارہاص یہ ہوتا ہے کہ اصل چیز کے ظہور سے پہلے علامات ظاہر ہوں[1]۔ اب غور کرکے دیکھ لو کہ یہ کیسے صاف صاف نشان ہیں۔ کتابوں کے ذخیرے نکل آئے۔ ان کے چھاپنے اور شائع کرنے میں ہر قسم کی آسانیاں ہو گئیں۔ ارکانِ مذہبی کے ادا کرنے میں کوئی روک اور مزاحمت نہیں۔ کوئی بانگ اور نماز سے روک نہیں سکتا یا تو وہ وقت تھا کہ گائے کے بدلے خون ہو جاتے تھے مجھے معلوم ہے کہ ایک وقت سکھوں کے عہد میں محض ایک جانور کے لیے سات ہزار آدمی مارے گئے۔ اور بٹالہ کا ایک واقعہ مشہور ہے۔ بھنڈاری جو وہاں کے رئیس ہیں ان کی حکومت تھی۔ ایک سید شام کو دروازے میں داخل ہوا تو وہاں گائے بھینسوں کا بڑا ہجوم تھا۔ اُس نے تلوار کی نوک سے ایک گائے کو ہٹایا۔ جس کی وجہ سے اس کی دُم کے پاس ذرا سی خراش ہو گئی۔ برہمن اُسے پکڑ کر لے گئے اور اس جرم میں اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا گیا۔ اس قسم کے ظُلم اور سختیاں ہوتی تھیں۔ اب بتاؤ کہ ہم لوگ جنہوں نے اس قدر مصیبتیں اُٹھائی ہیں اگر اس کا انکار کریں[2] تو پھر خدا کا انکار کرنے والے ٹھہریں گے۔ اس وقت ایسا امن ہے کہ جو چاہے اور جس طرح چاہے عبادت کرے، بانگ دے، کوئی روکنے والا نہیں۔ اس لیے ہمارا فرض ہے کہ خدا تعالےٰ کی اس نعمت (گورنمنٹ انگلشیہ) کا شکریہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

سر رشتہ دار ہنسا اور کہا کہ کچھ نہیں۔ تب مجسٹریٹ نے کہا کہ یہ پنڈت شریر معلوم ہوتے ہیں۔ ان سب کے مچلکے لیے جاویں اور اگر آئندہ کوئی ایسی شرارت کریں تو اُن کو سزا دی جاوے۔" (بدر جلد ۶ نمبر ۳ صفحہ ۹، ۱۰ مورخہ ۱۷؍جنوری ۱۹۰۷ء)

[1] بدر سے:۔ "کسی امر کے ظہور سے پہلے مقدمہ اور پیش خیمہ ہوتا ہے۔ انگریزوں کا آنا اسلام کی ترقی کا مقدمہ ہے۔" (بدر جلد ۶ نمبر ۳ صفحہ ۹)

[2] بدر سے:۔ "اگر اب اس نعمت کا انکار کریں تو خدا کا انکار ہوگا۔ کیونکہ خدا ہی نے یہ نعمت بھیجی ہے۔" (بدر جلد ۶ نمبر ۳ صفحہ ۹)

ادا کریں اور اس کی قدر کریں۔ مگر افسوس ہے کہ مسلمانوں نے جیسا شکر گذاری کا حق تھا ادا نہیں کیا۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ جب امن ہو گیا تھا تو خدا تعالےٰ کی طرف زیادہ توجہ کرتے اور عبادت میں مشغول ہوتے۔ مگر نماز تو درکنار بانگ تک کے روادار نہیں ہیں بلکہ ناگفتنی عیبوں میں مبتلا ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ یہ امن تو اس لیے تھا کہ نیکی میں ترقی کریں مگر انہوں نے اس کے برخلاف کیا۔ یہ سچ ہے کہ امن کی حالت دو پہلو رکھتی ہے خواہ انسان نیکی میں ترقی کرے یا شراب خانے میں چلا جاوے مگر میں افسوس سے ظاہر کرتا ہوں کہ مسلمانوں نے اس سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش نہیں کی۔ مگر ہماری جماعت کو چاہیئے کہ وہ اس سے فائدہ اُٹھائے[1]

حالتِ زمانہ ضرورتِ امام کی داعی ہے

میں یہ کہہ چکا ہوں کہ پنجاب میں یہ سلسلہ کیوں قائم ہوا؟ سکھوں کا زمانہ ایسا تھا جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مکّہ میں قریش کا زمانہ تھا۔ اب تک بھی کہ ان کے عہد کو گذرے پچاس ساٹھ سال ہونے کو آئے پھر بھی دوسرے ہندوؤں کی نسبت ان کی حالت وحشیانہ پائی جاتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ انسانی فطرت کا تنزّل ہو گیا تھا اور قریب تھا کہ لوگ جانوروں کی سی زندگی بسر کرنے لگیں۔ صرف دُم کی کسر باقی رہ گئی تھی۔ مسلمانوں سے بعض کی حالت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ انہوں نے کچھ پہن لی تھی اور سکھ ہو گئے تھے اس لیے یہ ملک حق رکھتا تھا کہ خدا تعالیٰ اس سلسلہ کو یہاں ہی قائم کرتا کیونکہ جو ملک زیادہ جہالت میں ہو اس کا حق ہوتا ہے کہ اس کی اصلاح ہو یہی وجہ تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عرب کا حق سب سے بڑھ کر تھا کیونکہ وہاں کی حالت ایسی خراب ہو چکی تھی کہ کسی دوسری جگہ اس کی نظیر پائی نہیں جاتی تھی۔ ان کی حالت ایسی وحشیانہ تھی کہ اس کو بیان کرتے ہوئے بھی شرم آجاتی ہے۔ وہ بالکل خلیع الرسن ہو چکے تھے۔ قمار باز وہ تھے۔ شرابخور وہ تھے۔ یتیموں کا مال مار کر کھا جاتے تھے۔ زنا کرنے میں دلیر اور بے باک تھے۔ غرض خیانت، بد دیانتی اور ہر قسم کے فسق و فجور اور معصیت

---

[1] بدر سے :- "اس قدر امن پاکر تو مسلمانوں کو لازم تھا کہ اور بھی زیادہ دین کی طرف توجہ کرتے لیکن برخلاف اس کے اب تو مساجد بھی خالی پڑی ہیں۔ پہلے تو یہ شکایت تھی کہ سکھ اذان نہیں کہنے دیتے اور اب یہ ہے کہ اذان کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتا۔ دنیا کے جھگڑوں میں اور ناگفتنی عیبوں میں ایسے مبتلا ہوتے ہیں کہ دین کو بالکل بھول ہی گئے ہیں۔ چاہیئے تھا کہ نیکی میں ترقی کرتے نہ کہ بدی میں۔ امن کی حالت میں انسان کو اختیار ہوتا ہے کہ خواہ مساجد کو آباد کرے اور خواہ قمار خانے کو۔ لیکن افسوس ہے کہ مسلمان نیکی کی طرف نہیں جُھکے اور انہوں نے بدی کو اختیار کیا ہے مگر ہماری جماعت کو چاہیئے کہ وہ ایسا نہ کرے بلکہ اس امر کی قدر دانی کرے۔"

(بدر جلد ۶ نمبر ۹ - ۱۰ مورخہ ۱۷ ؍جنوری ۱۹۰۷ء)

میں دلیر تھے۔ اس لیے ضرورت تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہاں ہی آتے جہاں نہ حقوق اللہ کی پروا کی جاتی تھی اور نہ حقوق العباد کی کوئی رعایت باقی تھی۔ جیسا کہ مَیں نے کل ذکر کیا تھا کہ خدا تعالیٰ نے جو یہ ذکر قرآن مجید میں کیا ہے کہ اگلے انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے وقت ایسے ایسے خبیث موجود تھے کہ اُن کی مختلف بدیاں ذکر کی ہیں اور پھر اس کے بعد یہ فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت آدم سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جس قدر بدیاں مختلف اوقات میں پیدا ہوئیں وہ آپ کے وقت میں سب جمع ہو گئی تھیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ زمانہ بالطبع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرورت کو پُکار پکار کر بیان کر رہا تھا اور یہ ایک امر آپ کی سچائی کی دلیل ہے اور یہ ایسی واضح دلیل ہے کہ اس کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ عام طور پر سب جانتے ہیں کہ جب مثلاً کوئی بیماری درجہ کمال تک پہنچ جاوے اور وہ ایسی عالمگیر ہو جاوے کہ ہر طرف موت ہی موت نظر آنے لگے تو عادت اللہ یہی ہے کہ اس وقت کوئی نہ کوئی علاج اس کا نکل آتا ہے اور گورنمنٹ کو بھی اس کے انسداد اور علاج کی طرف خاص توجہ ہونے لگتی ہے وہ دیکھتی ہے کہ یہ اندھیر ہوا کہ موت ہی موت ہونے لگی۔ اسی طرح پر روحانی نظام ہے جب کسی ملک اور قوم کی حالت بگڑ جاتی ہے اور وہ انسانیت کے جامہ سے نکل کر وحشیانہ حالت میں آجاتی ہے اور ہر قسم کی بدیوں اور بدکاریوں میں مبتلا ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی اصلاح کا کوئی سامان پیدا کر دیتا ہے۔ یہ بالکل صاف بات ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے دلائل

پس جب عرب کی حالت ایسی خراب ہو گئی تو ضروری تھا کہ اس کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ کسی کامل انسان کو بھیجتا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا۔ جو ایسے وقت آئے کہ دنیا آپ کی اصلاح کے لیے پُکار رہی تھی۔ یہ خدا تعالیٰ کے رحم کا تقاضا تھا اور مسلمانوں کے لیے یہ فخر اور ناز کا مقام ہے کہ آپکی بعثت کے وقت زمانہ کی حالت آپکی سچائی کی ایک روشن دلیل ہے پھر اسکے بعد آپؐ نے جو اصلاح کی وہ بھی آپکی حقانیت کی دلیل ہے کیونکہ جب ایک طبیب بیماروں میں آوے اور مختلف قسم کے مریض موجود ہوں۔ کوئی طاعون میں مبتلا ہو۔ کوئی دِق سِل کا شکار اور کوئی ذات الریہ اور ذات الجنب وغیرہ میں اور پھر وہ طبیب اپنے علاج سے اکثروں کو اچھا کرے تو اس کے حاذق اور ڈاکٹر ماننے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ بلا تکلّف ماننا پڑیگا کہ وہ کامل طبیب ہے لیکن جبکہ وہ سب ہی کو اچھا کر دے اور جو دعویٰ کرے اس کو پورا کر دکھائے اور ایسا کہ اس کی نظیر ہی نہ مل سکے تو پھر اس کے کمال میں کوئی شک ہی نہیں ہو سکتا۔ اسے راستباز اور اپنے فن میں یکتا ماننا پڑے گا۔ یہی حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے کہ وہ ایسے وقت آئے کہ ضرورت پُکار رہی تھی اور پھر اپنی تاثیرات سے ان تمام رُوحانی مریضوں کو جو اس وقت پڑے ہوئے تھے اچھا کر دیا۔ میں دیکھتا ہوں اور دعویٰ سے کہتا ہوں کہ دو دلیلیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی سچائی کی ایسی جمع ہوئی ہیں کہ نہ حضرت موسیٰ کو ملیں اور نہ حضرت عیسیٰ کو (علیہما السلام) سب جانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو ایسی قوم میں آئے جو تورات پڑھتے تھے اور فقیہوں فریسیوں کے تابع تھے۔ یہ سچ ہے کہ ان میں غافل دُنیادار بھی تھے لیکن پھر بھی تورات پڑھی جاتی تھی۔ بیت المقدس قبلہ موجود تھا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس قوم میں آئے وہ تو کسی بات کے بھی قائل نہ تھے نہ اُن میں کوئی شریعت تھی اور نہ وہ کسی کتاب کے قائل اور پابند بلکہ اکثر تو خدا تعالیٰ کے بھی قائل نہ تھے۔ وہ کہتے تھے۔

مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ (الجاثیۃ: ۲۵)

وہ جو کچھ سمجھتے تھے اسی دنیا کو سمجھتے تھے کہ آگے جا کر کسی نے کیا دیکھا ہے۔ یہی دُنیا ہی دُنیا ہے۔ اس آیت میں دہر کا لفظ اسی لیے بیان کیا ہے تاکہ ظاہر کیا جاوے کہ وہ دہریہ تھے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس وقت عرب میں قریباً تمام بیہودہ اور باطل مذہب جمع ہوئے تھے۔ وہ گویا ایک چھوٹا سا نقشہ تھا جو گندے اور افراط تفریط کے طریق تھے۔ وہ عملی طور پر اس میں دکھائے گئے تھے۔ جیسے کسی ملک کا نقشہ ہو۔ اس میں سب مقام موٹے موٹے دکھائے جاتے ہیں۔ اسی طرح وہاں کی حالت تھی۔ یہ کیسی بڑی روشن دلیل آپ کی سچائی کی ہے کہ ایسی قوم اور ایسے ملک میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا۔ جو انسانیت کے دائرہ سے نکل چکا تھا۔

مَیں بڑے زور سے کہتا ہوں کہ خواہ کیسا ہی پکا دشمن ہو اور خواہ وہ عیسائی ہو یا آریہ جب وہ ان حالات کو دیکھے گا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے عرب کے تھے اور پھر اس تبدیلی پر نظر کرے گا جو آپ کی تعلیم اور تاثیر سے پیدا ہوئی تو اسے بے اختیار آپ کی حقانیت کی شہادت دینی پڑے گی۔ موٹی سی بات ہے کہ قرآن مجید نے اُن کی پہلی حالت کا تو یہ نقشہ کھینچا ہے۔ يَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ (محمد: ۱۳) یہ تو ان کی کفر کی حالت تھی پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک تاثیرات نے ان میں تبدیلی پیدا کی تو ان کی یہ حالت ہوگئی يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا (الفرقان: ۶۵) یعنی وہ اپنے رب کے حضور سجدہ کرتے ہوئے اور قیام کرتے ہوئے راتیں کاٹ دیتے ہیں جو تبدیلی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے وحشیوں میں کی اور جس گڑھے سے نکال کر جس بلندی اور مقام تک انہیں پہنچایا۔ اس ساری حالت کے نقشہ کو دیکھنے سے بے اختیار ہو کر انسان رو پڑتا ہے کہ کیا عظیم الشان انقلاب ہے جو آپ نے کیا۔ دُنیا کی کسی تاریخ اور کسی قوم میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ یہ نری کہانی نہیں۔ یہ واقعات ہیں جن کی سچائی کا ایک زمانہ کو اعتراف کرنا پڑا ہے۔

(۴) قرآن مجید تو ایسی کتاب ہے کہ وہ ان میں پڑھی جاتی تھی اور یہ سب باتیں اس میں درج ہیں۔ کفار سُنتے تھے جہاں وہ اس کی مخالفت کے لیے ہر قسم کی کوششیں کرتے تھے۔ اگر یہ باتیں غلط ہوتیں تو وہ آسمان سر پر اُٹھا لیتے کہ یہ ہم پر اتہام اور الزام ہے۔ یہ معمولی بات نہیں بلکہ بہت ہی قابلِ غور مقام ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی سچائی پر ہزاروں ہزار دلائل ہیں۔ لیکن یہ پہلو آپ کی حقانیت کے ثبوت میں ایک علمی پہلو ہے جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اور جس دلیل کو کوئی توڑ نہیں سکتا۔ یا تو عربوں کی وہ حالت تھی اور یا یہ تبدیلی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَللّٰہُ اَللّٰہُ فِیْ اَصْحَابِیْ[1] اللہ تعالیٰ کے نام سے ناواقف اور اس سے دُور پڑی ہوئی قوم کو اس مقام تک پہنچا دینا کہ پھر ان کی نظر ماسوی اللہ سے خالی ہو جاوے۔ یہ چھوٹی سی بات نہیں ہے۔

(۲) پھر آپ کی حقانیت پر ایک اور دلیل بھی عجیب تر ہے جس کی نظیر دوسرے مذاہب میں پائی نہیں جاتی اور وہ آپ کے دیئے ہوئے مذہب کا زندہ مذہب ہونا ہے۔ زندہ مذہب وہ مذہب ہوتا ہے جس کی زندگی کے آثار ہر وقت ثابت ہوتے رہتے ہیں۔ اس کے ثمرات اور برکات اور تاثیرات کبھی مُردہ نہیں ہوتے بلکہ ہر زمانہ میں تازہ بتازہ پائے جاتے ہیں۔ جو درخت خریف کے دنوں میں ٹنڈ ہو جاتے ہیں اور کوئی پھل پھول اور پتا ان کا نظر نہیں آتا بلکہ نری خشک لکڑیاں نظر آتی ہیں انہیں دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ پھلدار درخت ہے[2] لیکن جب ربیع کا موسم شروع ہوتا ہے اور خزاں کا دَور ختم ہو جاتا ہے تو پھلدار درختوں کی شان ہی الگ ہوتی ہے۔ ان میں پھل پھول شروع ہو جاتے ہیں جیسے یہ خریف اور ربیع کا دَور جسمانی رنگ میں ہے اسی طرح پر رُوحانی طور پر دین میں بھی خریف اور ربیع کے دو سلسلے ہوتے ہیں۔ ایک صدی جب گذر جاتی ہے تو لوگوں میں سُستی اور غفلت اور دین کی طرف سے لاپرواہی شروع ہو جاتی ہے اور ہر قسم کی اخلاقی کمزوریاں اور عملی اور اعتقادی غلطیاں اُن میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ یہ زمانہ غفلت اور لاپرواہی کا خریف کے زمانہ سے مشابہ ہوتا ہے[3] اس کے بعد دوسرا دَور شروع ہوتا ہے اور یہ ربیع کا زمانہ ہے۔ یہی وہ زمانہ ہے جس کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر صدی کے سر پر اللہ تعالیٰ ایک مجدد کو بھیج دیتا ہے جو نئے سرے سے دین کو تازہ کرتا ہے۔

پس یہ مجدد کا اور اسلام کا تازہ بتازہ رہنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی حقانیت کی دلیل ہے کیونکہ اسی سے اس مذہب کی زندگی ثابت ہوتی ہے۔ غور کرو کہ جن باغوں کے لیے خریف ہی ہو اور ربیع میں وہ اپنا کوئی نمونہ نہ

---

[1] بدر سے :- "میرے اصحاب میں اللہ ہی اللہ ہے۔ ان کا رنگ ہی بدل گیا تھا۔"

(بدر جلد ۹ نمبر ۲ صفحہ ۱۱ مورخہ ۷؍ جنوری ۱۹۱۰ء)

[2] بدر سے :- "اس وقت کوئی شناخت نہیں کر سکتا کہ ان درختوں کے درمیان پھل دینے والا زندہ درخت کونسا ہے اور مُردہ درخت کونسا ہے۔" (بدر حوالہ مذکور)

[3] بدر سے :- "مرورِ زمانہ سے وہ اصلیت نہیں رہتی۔ چھ سات دن میں تو بدن کا کپڑا بھی میلا ہو جاتا ہے۔"

(بدر حوالہ مذکور)

دکھائیں اور ان میں تازگی اور شگفتگی پیدا نہ ہو۔ پھر وہ کیا بچیں گے۔ آخر وہ تو کاٹ کر جلا لیے جائیں گے۔ یہی حال اس وقت دوسرے مذاہب کا ہو رہا ہے۔ ان پر خزاں کا اثر تو ہو چکا مگر ربیع کا دَور اُن میں نہیں آتا۔ اور خود انکے ماننے والے تسلیم کرتے ہیں کہ ان میں وہ برکات، تاثیرات اور ثمرات جو ایک زندہ مذہب میں ہونے چاہئیں، نہیں ہیں تو پھر ان کی اپنی شہادت کے موجود ہوتے ہوئے کسی اور دلیل کی کیا حاجت ہے؟

ہندو مذہب اور عیسائیت

ہندوؤں اور عیسائیوں کے مذہب پر تو خزاں کا تصرف اور دخل ہو چکا۔ ان میں کوئی تاثیرات اور نشانات نہیں ہیں۔ مَیں علانیہ کہتا ہوں کہ ان میں زندہ مذہب کی برکات نہیں ہیں۔ اگر مَیں جھوٹ کہتا ہوں تو مَیں ہر سزا کے لیے جو وہ میرے لیے تجویز کریں تیار ہوں، لیکن پسچ یہی ہے کہ وہ روحانیت سے خالی ہیں اور بالکل مر چکے ہیں۔ ان میں زندگی کے آثار بالکل نہیں۔ وہ بے حس و حرکت پڑے ہوئے ہیں، اور ان مذاہب کو ماننے والے صرف ایک مُردہ کو لیے ہوئے ہیں کیونکہ وہ خدا جس پر کامل یقین اس سے سچا تعلق پیدا کر دیتا ہے اور جس تعلق سے پھر نجات ملتی ہے وہ اُن کے نزدیک ایک وہمی ہستی ہے جس پر کوئی روشن دلیل نہیں ہے۔ کیا کوئی ان میں ایسا شخص ہے جو یہ دعویٰ کرے کہ مَیں نے خدا تعالیٰ کو خود بولتے سُنا ہے؟ اس نے میری دُعاؤں کا جواب دیا ہے؟ یا اُس نے اپنے فضل سے غیروں میں امتیاز کے لیے کوئی خارق عادت نشانات ایسے دیئے ہیں جس سے اس میں اور اس کے غیروں میں امتیاز قائم ہو جاوے اگر کوئی ایسا شخص ہے تو اس کا نشان دو۔ اور اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر اس امر کے تسلیم کرنے میں سب طرح[1] سے کام نہ لو کہ فی الحقیقت یہ مذہب خزاں کا نشانہ ہو چکے ہیں۔

خدا تعالیٰ کی ہستی پر یہی یہ واضح دلیل ہے کہ خود وہ اپنے بندے سے کلام کرے اور نشانات ظاہر ہوں اور کوئی دلیل اس کے مقابلہ میں نہیں آ سکتی باقی صرف قیاسات ہیں۔

آریوں کے عقیدہ کے موافق خدا کی ہستی پر کوئی دلیل نہیں

ویدکی رو سے یہ طے شدہ امر ہے کہ اب کوئی نشان ظاہر نہیں ہو سکتا اور خدا تعالیٰ کسی سے کلام نہیں کرتا اور خواہ کوئی شخص کتنا ہی اُسے پکارے اس کی پکار کا جواب اُسے مل ہی نہیں سکتا۔ کبھی ایک بار خدا تعالیٰ نے کلام کیا تھا مگر اب وہ خاموش ہے۔ جب یہ اصول اور عقیدہ ہو تو بتاؤ اس سے انسان کو خدا تعالیٰ کے وجود پر یقین لانے کے لیے کیا تسلی ہو سکتی ہے اور اس سے وہ یقین کیونکر پیدا ہو سکتا ہے جس سے انسان حقیقی نجات حاصل کرے۔

یہ تو سچی بات ہے کہ خدا تعالیٰ کے وجود پر ایمان لانے کے لیے دلائل کی حاجت ہے اگر مصنوعات اور

---

[1] نقل مطابق اصل

مخلوقات اس کے وجود پر دلائل ہیں، مثلاً یہ کہ چاند سورج بطور نشان کے ہیں تو اُن کے عقیدہ کے موافق اللہ تعالیٰ کی ہستی پر یہ دلیل نہیں ہو سکتی کیونکہ ان کے مذہب کے موافق ارواح یعنی جیو خود بخود ہیں اور وہ اناد ی ہیں۔ خدا تعالیٰ نے ان کو پیدا ہی نہیں کیا۔ جب وہ پیدا شدہ ہی نہیں ہیں تو اپنے پیدا کرنے والے پر دلیل کس طرح ہو سکتے ہیں۔

اسی طرح پران کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ذرات جن کو اجسام کہتے ہیں یہ بھی خود بخود ہیں۔ پرمیشر کا صرف اتنا کام ہے کہ وہ ان کو جوڑ جاڑ دیتا ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ جب وہ عظیم الشان کام خود بخود ہیں تو جوڑنے جاڑنے کے لیے اس کی کیا حاجت ہے؟ وہ بھی خود بخود ہو جائے گا۔ اس لیے آریوں کے عقیدہ کے موافق پرمیشر کے وجود پر کوئی دلیل نہیں۔ اگر ان سے پوچھا جاوے کہ پرمیشر کے وجود پر کیا دلیل ہے؟ تو جواب یہی ہے کہ کوئی نہیں۔ نہایت کار وہ یہ کہیں گے کہ وہ ارواح اور مواد کو جوڑتا جاڑتا ہے۔ سو یہ کچی اور بیہودہ بات ہے۔ کوئی عقلمند انسان اسکو ماننے کیلئے تیار نہیں ہو سکتا۔

اسلام کے نزدیک خدا تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت

برخلاف اس کے اسلام یہ سکھاتا ہے کہ کوئی چیز خود بخود نہیں خواہ وہ ارواح ہوں یا اجسام، سب کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ ہر چیز کا مبدء فیض اور سرچشمہ وہی ہے۔ اس لحاظ سے اس کے مصنوعات پر نظر کر کے ہم اس کو پہچان سکتے ہیں۔ پس یہ دلیل اگر کام دے سکتی ہے اور مفید ہو سکتی ہے تو مسلمانوں کے لیے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اتنی ہی معرفت مسلمانوں کو نہیں دی بلکہ اپنی شناخت اور معرفت کے اور بہت سے نشانات ان کو دیئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے۔

لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (یونس: ۶۵)

اور پھر فرماتا ہے:۔

إِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ (حٰم السجدۃ: ۳۱)

یعنی جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور پھر اس پر انہوں نے استقامت دکھائی اور کوئی مشکل اور مصیبت انہیں اس اقرار سے پھرا نہیں سکی ان پر ملائکہ کا نزول ہوتا ہے۔ یہ بڑا بھاری طریق ہے خدا کو پہچاننے کا۔ اس سے وہ یقین پیدا ہوتا ہے جو انسان کو نجات کا وارث بنا دیتا ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کے وجود پر کامل یقین پیدا ہو جاوے تو انسان کی زندگی میں ایک معجزہ نما تبدیلی ہوتی ہے وہ گناہ آلود زندگی سے نکل آتا ہے اور پاکیزگی اور طہارت کا جامہ پہن لیتا ہے اور یہی نجات ہے جو اس کو گناہ سے بچا لیتی ہے۔ اس کے ثمرات اور برکات خدا تعالیٰ پر کامل یقین اور توکل پیدا ہونے لگتے ہیں اور معجزات اور نشانات مشاہدہ کرائے جاتے ہیں۔

اب چونکہ زمین و آسمان پر مدت ہائے دراز گذر گئی ہیں اس لیے نرا اُن کا وجود یقین کے لیے کافی نہیں۔ اگر یہ کافی

ہوتے تو لوگ دہریہ کیوں بنتے ؟[2] مَیں یقیناً کہتا ہوں کہ دوسرے لوگ دہریوں کو خدا تعالیٰ کی ہستی پر قائل نہیں کر سکتے۔ لیکن ہمارے سامنے لاؤ۔ یہ تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ مان جاوینگے مگر ہم یہ دعویٰ سے کہتے ہیں کہ وہ لاجواب ہو جائیں گے۔ وہ طریق جس سے ہم دہریوں اور دوسروں پر حجّت قائم کرتے ہیں وہ کیا ہے ؟ خدا تعالیٰ کے اقتداری نشان اور اقتداری پیشگوئیاں۔ اسلام پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل اور رحم ہے کہ ایک سچّا مسلمان یہانتک ترقی کر سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس کو مکالمہ مخاطبہ نصیب ہو جاتا ہے مگر یہ سب کچھ تقویٰ سے نصیب ہوتا ہے۔

تقویٰ تمام دینی علوم کی کُنجی ہے

جہاں قرآن شریف میں تقویٰ کا ذکر کیا ہے وہاں بتایا ہے کہ ہر ایک علم (اس سے اُخروی علم مراد ہے زمینی اور دنیوی علم مراد نہیں) کی جڑ تقویٰ ہی ہے اور تمام نیکیوں کی جڑ یہی تقویٰ ہے متقی کا خدا تعالیٰ خود مُتکفّل ہوتا ہے اور اس کے لیے عجیب در عجیب نشان ظاہر کرتا ہے۔ قرآن شریف نے شروع میں ہی فرمایا۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (البقرۃ: ۳) پس قرآن شریف کے سمجھنے اور اس کے موافق ہدایت پانے کے لیے تقویٰ ضروری امر ہے۔ ایسا ہی دوسری جگہ فرمایا لَا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (الواقعۃ: ۸۰) دوسرے علوم میں یہ شرط نہیں۔ ریاضی، ہندسہ وہیئت وغیرہ میں اس امر کی شرط نہیں کہ سیکھنے والا ضرور متقی اور پرہیزگار ہو۔ بلکہ خواہ کیسا ہی فاسق وفاجر ہو وہ بھی سیکھ سکتا ہے مگر علمِ دین میں خشک منطقی اور فلسفی ترقی نہیں کر سکتا اور اس پر وہ حقائق اور معارف نہیں کُھل سکتے جس کا دل خراب ہے اور تقویٰ سے حصّہ نہیں رکھتا اور پھر کہتا ہے کہ علومِ دین اور حقائق اس کی زبان پر جاری ہوتے ہیں وہ جھوٹ بولتا ہے۔ ہرگز ہرگز اُسے دین کے حقائق اور معارف سے حصّہ نہیں ملتا بلکہ دین کے لطائف اور نکات کے لیے متقی ہونا شرط ہے جیسا کہ یہ فارسی شعر ہے :۔

عروسِ حضرتِ قرآں نقاب آنگہ بر دارد
کہ دارالملکِ معنی را کند خالی زہر غوغا

جب تک یہ بات پیدا نہ ہو اور دارالملکِ معنے خالی نہ ہو، وہ غوغا کیا ہے ؟ یہی فسق وفجور دنیا پسندی ہے۔ ہاں یہ جُدا امر ہے کہ چور کی طرح کچھ کھلائے تو کہہ دے[3]۔ لیکن جو روح القدس سے بولتے ہیں وہ بجز تقویٰ کے

---

[1] بدر سے :۔ "خدا تعالیٰ کی شناخت کے واسطے یہ ایک بڑا طریق ہے کہ نشانات کا مشاہدہ کرایا جاوے۔ جب ایک سلسلہ نشانات اور کرامات کو مدت دراز گذر جاتی ہے تو لوگ دہریہ مزاج ہو جاتے ہیں اور بیہودہ باتیں بنانے لگتے ہیں۔" (بدر جلد ۶ نمبر ۳ صفحہ ۱۲ مورخہ ۱۷ جنوری ۱۹۰۷ء)

[2] بدر سے :۔ "اللہ تعالیٰ نے اس بات کو حرام کیا ہے کہ فسق وفجور اور شماتت کیساتھ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نہیں ہوسکتے یہ خوب یاد رکھو کہ تقویٰ تمام دینی علوم کی کنجی ہے۔ انسان تقویٰ کے سوا ان کو نہیں سیکھ سکتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ الٓمّٓ۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ۔ (البقرۃ:۲-۳) یہ کتاب تقویٰ کرنے والوں کو ہدایت کرتی ہے اور وہ کون ہیں؟ اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ (البقرۃ:۴) جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ یعنی ابھی وہ خدا نظر نہیں آتا اور پھر نماز کو کھڑی کرتے ہیں یعنی نماز میں ابھی پورا سرور اور ذوق پیدا نہیں ہوتا تاہم بے لطفی اور بے ذوقی اور وساوس میں ہی نماز کو قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے کچھ خرچ کرتے ہیں اور جو کچھ تجھ پر یا تجھ سے پہلے نازل کیا گیا ہے اس پر ایمان لاتے ہیں۔

یہ متقی کے ابتدائی مدارج اور صفات ہیں۔ جیسا کہ میں نے ایک مرتبہ بیان کیا تھا بظاہر یہاں اعتراض ہوتا ہے کہ جب وہ خدا پر ایمان لاتے ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں، خرچ کرتے ہیں اور ایسا ہی خدا کی کتابوں پر ایمان لاتے ہیں، پھر اس کے سوائے ہدایت کیا ہوئی؟ یہ تو گویا تحصیل حاصل ہوئی۔ يُنْفِقُوْن میں دونو باتیں داخل ہیں۔ یعنی دوسروں کو روٹی یا کپڑا یا مال دیتا ہے اور یا قویٰ خرچ کرتا ہے۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ عبارتیں اور یہ الفاظ اسی حد تک جو بیان کی گئی ہیں انسان کے کمال سلوک اور معرفتِ تامہ پر دلالت نہیں کرتے۔ اگر ہدایت کا انتہائی نقطہ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ ہی تک ہو تو پھر معرفت کیا ہوئی؟[1] اس لیے جو شخص قرآن مجید کی ہدایت پر کاربند ہوگا وہ معرفت کے اعلیٰ مقام تک پہنچے گا۔ اور وہ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ سے نکل کر مشاہدہ کی حالت تک ترقی کرے گا گویا خدا تعالیٰ کے وجود پر عین الیقین کا مقام ملیگا۔

اسی طرح پر نماز کے متعلق ابتدائی حالت تو یہی ہوگی جو یہاں بیان کی کہ وہ نماز کو کھڑی کرتے ہیں یعنی نماز

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

کسی کو دینی علوم بھی حاصل ہو جائیں۔ ہاں چور کی طرح کوئی دوسروں کی بات لے کر بیان کردے تو وہ مالِ مسروقہ ہے لیکن وہ کلام جو روح القدس کی تائید کے ساتھ ہوتا ہے وہ تقویٰ کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ تمام دینی علوم کی کنجی تقویٰ ہی ہے۔" (بدر جلد ۶ نمبر ۳ صفحہ ۱۱ مورخہ ۱۷ر جنوری ۱۹۰۷ء)

---

[1] بدر سے:- "پہلا ایمان غیب پر ہے لیکن اگر ایمان صرف غیب تک محدود رہے تو اس میں کیا فائدہ؟ وہ تو ایک سُنی سُنائی بات ہے۔ اس کے بعد معرفت اور مشاہدہ کا درجہ حاصل کرنا چاہیئے جو کہ اس ایمان کے بعد رفتہ رفتہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بطور انعام کے عطا ہوتا ہے اور انسان کی حالت غیب سے منتقل ہو کر علمِ شہود کی طرف آجاتی ہے۔ جن باتوں پر وہ پہلے غیب کے طور پر ایمان لاتا تھا اب ان کا عارف بن جاتا ہے اور اس کو رفتہ رفتہ وہ درجہ عطا ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اسی دنیا میں دیکھ لیتا ہے۔ پس غیب پر ایمان لانے کو آگے ترقی دی جاتی ہے اور وہ مشاہدہ کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔" (بدر حوالہ مذکور)

گویا گری پڑتی ہے گرنے سے مراد یہ ہے کہ اس میں ذوق اور لذت نہیں بے ذوقی اور وساوس کا سلسلہ ہے اس لیے اس میں وہ کشش اور جذب نہیں کہ انسان جیسے بھوک پیاس سے بیقرار ہوکر کھانے اور پانی کے لیے دوڑتا ہے اسی طرح پر نماز کے لیے دیوانہ وار دوڑے، لیکن جب وہ ہدایت پاتا ہے تو پھر یہ صورت نہیں رہے گی اُس میں ایک ذوق پیدا ہو جائے گا۔ وساوس کا سلسلہ ختم ہو کر اطمینان اور سکینت کا رنگ شروع ہوگا۔ کہتے ہیں کسی شخص کی کوئی چیز گم ہوگئی تو اس نے کہا کہ ذرا ٹھہر جاؤ نماز میں یاد آجائیگی یہ نماز کاملوں کی نہیں ہوا کرتی کیونکہ اُن میں تو شیطان انہیں وسوسہ ڈالتا ہے لیکن جب کامل کا درجہ ملے گا تو ہر وقت نماز ہی میں رہے گا اور ہزاروں روپیہ کی تجارت اور مفاد بھی اس میں کوئی ہرج اور روک نہیں ڈال سکتا۔ اسی طرح پر باقی جو کیفیتیں ہیں وہ نرے قال کے رنگ میں نہ ہوں گی ان میں حالی کیفیت پیدا ہو جائے گی اور غیب سے شہود پر پہنچ جاوے گا یہ مراتب نرے سُنانے ہی کو نہیں ہیں کہ بطور قصہ تم کو سُنا دیا اور تم بھی تھوڑی دیر کے لیے شکر خوش ہوگئے۔ نہیں یہ ایک خزانہ ہے اس کو مت چھوڑو۔ اس کو نکال لو۔ یہ تمہارے اپنے ہی گھر میں ہے اور تھوڑی سی محنت اور سعی سے اس کو پا سکتے ہو۔

ایک شخص کے پاس کنواں ہو اور وہ اس کے گھر ہی میں ہو۔ لیکن وہ کیسا بدنصیب ہے اگر اسے اس کا علم نہ ہو۔ اسی طرح اس مسلمان سے کون زیادہ بدنصیب ہے جس کو خدا تعالیٰ وعدہ دیتا ہے کہ میں اپنے کلام سے مشرف کروں گا مگر وہ اس کی طرف توجہ نہ کرے۔ یہ خدا تعالیٰ کا بڑا فضل ہے اور اسلام سے خاص ہے۔ کسی آریہ سے پوچھو کہ تم وعدہ ہی دکھاؤ وہ یہ بھی نہیں دکھا سکتے۔ ماتم زدہ اور مُردہ وہ مذہب ہے جس کے الہام پر مہر لگ گئی اور ویران اور اُجڑا ہوا وہ باغ ہے جس پر خزاں کا قبضہ ہو چکا لیکن ربیع کا اثر اس پر نہیں ہو سکتا۔

کیسے افسوس اور تعجب کا مقام ہے کہ انسانی فطرت پر تو مہر نہ لگی اس میں تو معرفت حقیقی کی وہی بھوک پیاس موجود ہے لیکن الہام پر مُہر لگا دی گئی جو معرفتِ الٰہی کا سرچشمہ تھا افسوس بھوک میں غذا پھینک دی گئی اور پیاس کی حالت میں پانی لے لیا گیا۔

عیسائیت اور اسلام

ایسا ہی عیسائی مذہب کا حال ہے۔ باوجود ہزاروں ضعف اور غربت کے ایک عاجز انسان کو خدا بنانا اور بات ہے یہ تو نری لاف زنی ہے۔ زبان سے کہدیا لیکن ہم کہتے ہیں کہ اس کی خدائی مان کر جو فضل تم پر ہوا اور جو معرفت بڑھی ہے اُسے بھی تو پیش کرو۔ یہ کیسا میزبان ہے کہ دعوت کرکے بُلایا ہے اور بھوک پیاس بھی لگی ہوئی ہے۔ ہاتھ دُھلا دیتے ہیں مگر نہ روٹی دیتا ہے اور نہ پانی۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ وجہ یہی ہے کہ وہ مُردہ مذہب ہیں۔ ان میں زندگی کے آثار اور زندگی کی حس و حرکت نہیں۔ وہ خشک ٹہنیاں ہیں۔ ان میں اب پھل پھول نہیں نکل سکتے۔ یہ صرف اسلام ہی ہے جو زندہ مذہب ہے۔ یہی ہے جس کا ربیع ہمیشہ آتا ہے جبکہ اس کے درخت سر سبز ہوتے ہیں اور شیریں اور لذیذ پھل دیتے ہیں اسکے

سوا اور کوئی مذہب یہ خوبی نہیں رکھتا۔ اگر اس میں سے یہ خوبی نکال دی جاوے تو یہ بھی مُردہ ہو جاتا۔ مگر نہیں وہ زندہ مذہب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر زمانہ میں اس کی زندگی کا ثبوت دیا ہے چنانچہ اس زمانہ میں بھی اس نے اپنے فضل سے اس سلسلہ کو اسی لیے قائم کیا ہے تا وہ اسلام کے زندہ مذہب ہونے پر گواہ ہو اور تا خدا کی معرفت بڑھے اور اس پر ایسا یقین پیدا ہو جو گناہ اور گندگی کو بھسم کر جاتا ہے اور نیکی اور پاکیزگی پھیلاتا ہے۔

موجودہ زمانہ کی حالت

یہ زمانہ سخت ابتلا کا زمانہ ہے۔ ہر قسم کے جرائم کا مجموعہ ہے۔ ہر قسم کی ضلالت پورے جوش میں ہے۔ وہ لوگ جو مسلمان کہلاتے ہیں ہر قسم کے عیب اور معاصی ان میں پائے جاتے ہیں۔ زانی، شرابی، قمارباز، بددیانت اور خائن ہیں۔ قرضہ دیا جاوے تو دیتے نہیں عہد کرتے ہیں تو توڑتے ہیں۔ دوسروں کے حقوق کو پامال کرنے اور ظلم کرنے میں دلیر ہیں۔ یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں۔ غرض وہ کونسا عیب اور جُرم ہے جو نہیں کرتے۔ مَیں یقیناً کہتا ہوں کہ ان کی وہی حالت ہو رہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت قریش کی تھی۔ پھر اس قسم کے فسق و فجور کے ساتھ ایک اور خطرناک ابتلا دوسرے مذاہب کا ہے۔ وہ ہر قسم کے لالچ دے کر مُرتد کر لیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کئی لاکھ مسلمان عیسائی ہو چکے ہیں۔ اب اندرونی طور پر تو مسلمانوں کی وہ حالت ہے جو مَیں نے ابھی بیان کی ہے اور بیرونی حالت وہ ہے جو عیسائی اور آریہ اور دوسرے مذاہب اسلام سے گمراہ کرنے کے لیے اپنی تدبیروں کو کام میں لا رہے اور اس طرح پر نہ اندرونی حالت کو دیکھ کر آرام آتا ہے اور نہ بیرونی حالت کو دیکھ کر کوئی راحت ہو سکتی ہے۔

پھر جبکہ اس حد تک اسلام کی حالت ہو گئی ہے تو کیا خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ کہ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ (الحجر: ۱۰) بالکل غلط ہو گیا؟ کیا حق نہ تھا کہ اس وقت اس کی حفاظت کی جاتی؟ مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ یہ قوم پورا پورا صدمہ ضرلیف کا اُٹھا چکی ہے اب ضروری ہے کہ اسے ربیع کا حصہ ملے اور اسلام کے پاک درخت کے پھل پھول نکلیں۔ سکھوں کے عہد میں اسلام کو جو صدمہ پہنچا ہے وہ بہت ہی ناگوار ہے۔ مساجد گرا دی گئیں۔ وحشیانہ حالت ایسی تھی کہ بانگ اور نماز تک سے روکا جاتا اور شاید ہی کوئی مسلمان ایسا ہو جسے قرآن آتا ہو۔ اپنی حالت بھی انہوں نے سکھوں کی سی بنا لی۔ کچھ پہن لیے اور مونچھیں بڑھا لیں اور السلام علیکم کی جگہ واہگورو جی کی فتح رہ گئی۔ یہ تو وہ حالت تھی جو سکھوں کے عہد میں ہوئی۔ اب جب امن ہوا تو فسق و فجور میں ترقی کی اور ادھر عیسائیوں نے ہر قسم کے لالچ دیکر ان کو عیسائی بنانا چاہا اور ان کا وار خالی نہیں گیا۔ ہر گرجا میں ہر شریف قوم کی لڑکیاں اور لڑکے پاؤ گے جو مُرتد ہو کر ان میں مل گئے ہیں۔ وہ کیسا دردناک واقعہ ہوتا ہے جب کسی شریف خاندان کی لڑکی کو پھسلا کر لے جاتے ہیں اور پھر وہ بے پردہ ہو کر پھرتی ہے اور ہر قسم کے معاصی سے حصہ لیتی ہے۔ ان حالات کو دیکھ کر ایک معمولی

عقل کا آدمی بھی کہہ اُٹھے گا کہ یہ زمانہ بالطبع تقاضا کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے مدد آوے۔ ان لوگوں کا تو ہم منہ بند نہیں کر سکتے جو کہیں کہ اسلام اور مسلمانوں کا کچھ نہیں بگڑا۔ ایسے لوگوں کے نزدیک تو اگر سب کے سب دہریہ ہو جائیں تب بھی کچھ نہیں بگڑے گا لیکن سچی بات یہی ہے کہ اس وقت اسلام خدا کی مدد کا سخت محتاج ہے۔

خدا تعالیٰ نے مجھے اس صدی کا مجدد کر کے بھیجا ہے

اور یہ کیسی خوشی کی بات ہے کہ خدا تعالیٰ نے ایسے وقت میں اسلام کو بے مدد نہیں چھوڑا۔ اس نے اپنے قانون کے موافق مجھے بھیجا ہے تا میں اسے زندہ کروں مگر تعجب اور افسوس کا مقام ہے کہ باوجودیکہ زمانہ کی حالت مجدد کی داعی تھی اور مولویوں سے پوچھو وہ اقرار کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ہر صدی پر ایک مجدد آئے گا۔ لیکن جب اُن سے پوچھا جاوے کہ اب بتاؤ اس صدی کا مجدد کون ہے؟ تو جواب نہیں دیتے۔ حالانکہ چوبیس سال صدی میں سے گذر گئے اور جب میں پیش کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے مجھے اس صدی کا مجدد کر کے بھیجا ہے تو انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں دجال آیا۔ اور ابھی کہتے ہیں کہ ایک نہیں تیس دجال آنے والے ہیں۔

افسوس باوجود اس سرگردانی کے کیا تمہارے حصہ میں دجال ہی آیا ہے۔ کیا کہیں یہ بھی لکھا ہے کہ پہلے مجدد آئیں گے مگر چودھویں صدی پر جو سب سے زیادہ فتنوں کی صدی ہے دجال آئے گا۔ موجودہ حالت تو کھول کھول کر پکار رہی ہے کہ اصلاح کی ضرورت ہے مگر یہ ابھی اور فساد چاہتے ہیں۔ یہ پکّی بات ہے کہ جب زمین پر معصیت اور پاپ پھیل جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اصلاح کے لیے کسی کو بھیجتا ہے اور اب وہ حالت ہو چکی تھی اس لیے اب بھی اسی نے یہ سلسلہ قائم کیا ہے۔

حالتِ زمانہ کے بعد وہ نشانات ہیں جو اس سلسلہ کی سچائی کے لیے ظاہر ہوئے اور ان نشانات سے وہ نشانات مراد ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرار دئے تھے اور قبل از وقت بتا دیئے تھے۔ منجملہ ان کے ایک کسوف خسوف کا نشان ہے۔ مولوی جب تک یہ نشان پورا نہیں ہوا تھا رو رو کر اس حدیث کو پڑھا کرتے تھے۔ مولوی محمد لکھو کے والے نے اپنی کتاب احوال الآخرت میں اس نشان کو بڑے زور شور سے بیان کیا ہے کہ مہدی کے زمانہ میں رمضان کے مہینے میں کسوف اور خسوف ہوگا۔ دار قطنی کھول کر دیکھ لو کہ کیا یہ حدیث اس میں موجود ہے یا نہیں؟ لیکن جب یہ نشان پورا ہوا اور نہ ایک دفعہ بلکہ دو مرتبہ۔ ایک مرتبہ اس ملک میں ہوا۔ دوسری مرتبہ امریکہ میں ہوا۔ اس میں حکمت یہ

---

[1] بدر سے:۔ "کیا سبب ہے کہ اس صدی کے سر پر آکر وہ حدیث بھی جھوٹی ہو گئی جو تیرہ سو [۱۳۰۰] سال تک ٹھیک ثابت ہوتی چلی آتی تھی؟" (بدر جلد ۶ نمبر ۳ صفحہ ۱۳ مورخہ ۱۷ ؍ جنوری ۱۹۰۷ء)

تھی کہ تا دو مرتبہ حجت پُوری ہو جاوے اور اس ملک میں اس لیے کہ چونکہ وہ ملک عیسائی مذہب کی اشاعت کرتے ہیں۔ ان پر بھی اتمامِ حجت ہو۔ اب بتاؤ کہ علاوہ اور بے شمار نشانات کے یہ زبردست نشان ظاہر ہوا۔ اور اس کو پورا ہوئے بھی دس گیارہ سال گذر گئے۔ اگر حقیقی مدعی موجود نہ تھا تو پھر یہ نشان کس لیے ظاہر ہوا؟ نشان پورا ہو چکا مگر تم ابھی تک حقیقی دعویدار کو دجال اور واجب القتل کہے جاتے ہو۔ میرے ایک دوست نے بیان کیا کہ جب یہ نشان پورا ہوا تو ایک مولوی غلام مرتضیٰ نام نے خسوفِ قمر کے وقت اپنی رانوں پر ہاتھ مار مار کر (جیسے کوئی سیاپا کرتا ہے۔ ایڈیٹر) کہا کہ اب دُنیا گمراہ ہوگی۔ خیال تو کرو کیا وہ خدا تعالیٰ سے بڑھ کر دُنیا کا خیر خواہ تھا، اس نے کیسی غلطی کھائی۔ اگر انصاف اور خدا ترسی ہوتی تو میرے معاملہ میں اس کے بعد خاموش ہو جاتے۔ مگر نہیں اور بھی دلیر ہوئے۔ یہ کسوف خسوف کا نشان حدیث ہی میں بیان نہیں ہوا۔ بلکہ قرآن مجید نے بھی اس کو بیان کیا ہے۔

پھر قرآن شریف میں ایک اور نشان بتایا گیا تھا کہ اس زمانہ میں طاعون کثرت سے پھیلے گی۔ احادیث میں بھی یہ پیشگوئی تھی۔ قرآن مجید میں لکھا تھا۔ اِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا (بنی اسرائیل : ۵۹) اور دوسری جگہ صاف طور پر بتایا گیا تھا کہ وہ ایک زمینی کیڑا ہوگا (دابۃ الارض) آخری زمانہ میں بہت سے لوگ اس سے مریں گے۔ اب کوئی بتائے کہ کیا اس نشان کے پورا ہونے میں کوئی شک وشبہ باقی رہ گیا ہے؟

پھر اس آخری زمانے کے نشانات میں بتایا گیا تھا کہ نہریں نکالی جاویں گی اور نئی آبادیاں ہوں گی پہاڑ چیرے جاویں گے۔ کتابوں اور اخباروں کی اشاعت ہوگی۔ اور یہ بھی لکھا تھا وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ (التکویر : ۵) یعنی ایک ایسی نئی سواری نکلے گی جس کی وجہ سے اُونٹنیاں بے کار ہو جائیں گی اور ایسا ہی حدیث میں بھی فرمایا گیا تھا لَيُتْرَكَنَّ الْقِلَاصُ فَلَا يُسْعٰى عَلَيْهَا۔ اب دیکھ لو کہ ریل کے اجراء سے یہ پیشگوئی کیسی صاف صاف پُوری ہو گئی۔ اور عنقریب جب مکہ تک ریل آئے گی تو اور بھی اس کا نظارہ قابلِ دید ہوگا۔ جب وہاں کے اُونٹ بے کار ہو جائیں گے۔ مگر مَیں افسوس سے ظاہر کرتا ہوں کہ انہوں نے محض میرے ساتھ بخل کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک پر بھی حملہ کیا اور آپ کی پیشگوئیوں کی تکذیب کی۔ وہ امر جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت ثابت ہوتی تھی۔ میری عداوت کی وجہ سے اُسے مٹانا چاہا ہے۔ مجھ سے عداوت ہی سہی لیکن آپ کی پیشگوئی کو کیوں پامال کر دیا؟ مَیں سچ کہتا ہوں کہ طاعون اور ریل کے اجراء وغیرہ کی پیشگوئیوں کا محض اس وجہ سے انہوں نے انکار کیا کہ اُن سے میری سچائی ثابت ہوتی تھی جس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انہیں کوئی تعلق محبت کا باقی نہیں کیونکہ یہ کبھی نہیں ہوا کہ دشمن کو آزار پہنچانے کیلئے

محبوب کے نشانات کو پامال کر دیا جاوے مگر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان معجزات اور نشانات کو جو اس زمانہ میں ظاہر ہوئے پامال کرنے کی کوشش کی ہے۔ جو نشانات اور معجزات آپ کے وقت میں ظاہر ہوئے وہ اس زمانہ کے لوگوں تک محدود تھے اور اس زمانہ کے لیے وہ "شنیدہ کے بود مانند دیدہ" کے مصداق تھے۔ لیکن چونکہ آپ کا دامنِ نبوت بہت وسیع ہے اور اس زمانہ کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے یہ معجزات رکھے تھے اور وہ ظاہر ہوئے لیکن میری مخالفت اور عداوت کی وجہ سے انہوں نے بخل سے مٹانا چاہا ہے ایک طرف تو آپ کی محبت اور آپ کی اتباع کا دعویٰ ہے۔ دوسری طرف جب نشان ظاہر ہوتا ہے تو انکار کر دیتے ہیں۔

یہ تو وہ نشانات تھے جو اس زمانہ کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے وحی پاکر بیان کئے تھے مگر اس کے سوا نشانات کا ایک اور بھی نیا سلسلہ ہے۔ یہ وہ نشانات ہیں جو خدا تعالیٰ نے میرے ہاتھ پر ظاہر کئے جن کی قبل از وقت خبر دی گئی۔ اُن کی تعداد بہت بڑی ہے۔

منجملہ ان کے ایک زلزلہ کی پیشگوئی ہے جو اگرچہ قرآن شریف میں بھی اس کی خبر دی گئی تھی لیکن خدا تعالےٰ نے مجھے بھی اس کا علم دیا جیسا کہ براہین احمدیہ اور دوسری کتابوں میں مَیں نے درج کر دیا۔ اور پھر جن دنوں مَیں گورداسپور میں تھا "زلزلہ کا دھکا" الہام ہوا تھا جو انہیں ایام میں اخبارات میں شائع کر دیا گیا اور پھر عَفَتِ الدِّیَارُ مَحَلُّهَا وَ مُقَامُهَا بھی الہام ہوا تھا اور یہ پیشگوئی ۴ راپریل گذشتہ کو پوری ہوگئی اور پھر اسی کے ضمن میں اَور زلزلوں کی پیشگوئیاں تھیں جو آتے رہے۔ منجملہ ان کے ایک بھاری زلزلہ کی پیشگوئی تھی۔ "پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی"۔ چنانچہ وہ بھاری زلزلہ بھی آگیا۔ مگر افسوس تو یہ ہے کہ محض میری عداوت کی وجہ سے قرآن شریف کی پیشگوئی کا بھی انکار کر دیا۔ یہ ان کی ایمانی حالت ہے جو کچھ میرے تصدیق دعویٰ میں ظاہر ہو خواہ وہ قرآن مجید میں بھی موجود ہو یہ اس سے ضرور انکار کر دیتے ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ کی قدرت ہے کہ نشان پر نشان ظاہر ہو رہے ہیں۔ یہ لوگ کہاں تک خدا تعالیٰ کی قدرتوں کا مقابلہ کریں گے اور میرے ساتھ کشتی لڑیں گے۔ جو لوگ حقیقۃ الوحی کو جب وہ شائع ہوگی پڑھیں گے تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس قدر نشانات کا سلسلہ ہے۔ مَیں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر بیان کرتا ہوں کہ ایک لاکھ سے بھی زیادہ نشان ظاہر ہو چکے ہیں۔ اب غور کرو کہ اگر کوئی شخص خدا تعالیٰ کی طرف سے نہ ہو تو کیا اس کی اس قدر نصرت اور تائید ہوا کرتی ہے؟ پھر جبکہ اُسے یہ بھی کہا جائے کہ وہ خدا کا دشمن اور خدا اس کا دشمن ہے۔

جس قدر مقدمات مجھ پر کئے گئے یا کرائے گئے ان میں میرے ہی مخالفوں کو ناکامی اور نامرادی ہوئی اور خدا تعالیٰ نے مجھے ہی بامُراد کیا۔ آتمارام کے سامنے یہ ناکام ہوئے۔ جہلم میں انہیں نامرادی ہوئی اور اس

سے پہلے وہ شرمندہ ہوئے۔

ماسوا اس کے ایک اور بات میں پیش کرتا ہوں جو بہت ہی صاف اور بدیہی بات ہے۔ براہین احمدیہ کے زمانہ میں جسکو تینتیس ۳۳ سال کے قریب گذرے۔ کیونکہ کتاب تالیف پہلے ہوتی ہے اور پھر طبع ہوتی ہے۔ اس کو شائع ہوئے بھی چھبیس ۲۶ سال گذرے۔ اور وہ تالیف اس سے بہت پہلے ہوئی۔ اس میں اس قدر پیشگوئیاں ہیں کہ میں اس وقت ان سب کو بیان نہیں کر سکتا۔ نمونہ کے طور پر میں ایک کو بیان کرتا ہوں۔

ایک زبردست نشان جو ہر روز پورا ہوتا ہے

اس کتاب براہین احمدیہ میں اللہ تعالیٰ مجھے ایک دُعا سکھاتا ہے یعنی بطور الہام فرماتا ہے :۔

رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْنَ

یعنی مجھے اکیلا مت چھوڑ اور ایک جماعت بنا دے۔ پھر دوسری جگہ وعدہ دیتا ہے :۔

یَأْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ

ہر طرف سے تیرے لیے وہ زر اور سامان جو مہمانوں کے لیے ضروری ہیں اللہ تعالیٰ خود مہیا کرے گا اور وہ ہر ایک راہ سے تیرے پاس آئیں گے۔ اور پھر فرمایا :۔

یَأْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ۔ لَا تُصَعِّرْ لِخَلْقِ اللّٰہِ وَلَا تَسْئَمْ مِّنَ النَّاسِ

ہر ایک طرف اور ہر ایک راہ سے تیرے پاس مہمان آئیں گے اور اس قدر کثرت سے آئیں گے کہ قریب ہے تو اُن سے تھک جاوے یا بدخُلقی کرے۔ اس لیے پہلے سے بتا دیا کہ نہ تو اُن سے تھکے اور نہ اُن سے بدخُلقی کرے۔

یہ پیشگوئیاں اس براہین احمدیہ میں موجود ہیں۔ جن کو شائع ہوئے چھبیس سال کا عرصہ گذرتا ہے اور جس کی تالیف پر تینتیس ۳۳ سال گذرتے ہیں۔ یہ وہ کتاب ہے جو مخالفوں کے پاس بھی موجود ہے اور گورنمنٹ میں بھی بھیجی گئی اور مکہ مدینہ اور بخارا میں بھی اس کے نسخے پہنچے۔ اب تو اس میں یہ الہامات درج نہیں کر دیئے گئے۔

اب غور کرو کہ جس زمانہ میں یہ پیشگوئی شائع ہوئی یا لوگوں کو بتائی گئی اس وقت کوئی شخص یہاں آتا تھا؟ میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ کوئی مجھے جانتا بھی نہ تھا۔ اور کبھی سال بھر میں بھی ایک خط یا مہمان نہ آتا تھا۔ میں بالکل ایک گمنامی کی حالت میں پڑا ہوا تھا۔ یہ ہندو جو یہاں رہتے ہیں اور اب گالیاں دیتے ہیں اور ہر قسم کی مخالفت کرتے اور خباثت دکھاتے ہیں۔ ان کو قسم دو اور یا وہ بغیر قسم ہی بتائیں کہ کیا ان لوگوں میں سے کوئی ہمارے پاس تھا؟ یہ سب سے پہلے گواہ ہیں اور انہوں نے خدا تعالیٰ کے ان نشانات کو دیکھا ہے اور اب وہ چھپاتے ہیں اس طرح پر گویا سب سے پہلے جہنم کے لیے تیار ہیں۔

آریہ سماج والے ملاوامل اور شرمپت راٹنے یہاں موجود ہیں۔ یہ میرے ساتھ عموماً آیا جایا کرتے تھے میرے ساتھ براہینِ احمدیہ چھپوایا کرتے اور اس کے پروف بھی انہوں نے دیکھے ہیں اور جب ہم امرتسر جاتے تھے تو کسی کو معلوم بھی نہ ہوتا تھا کہ کہاں گئے اور وہاں جا کر کوئی نہیں جانتا تھا کہ کہاں رہے۔ اب اگر وہ ایمان رکھتے ہیں اور دھرم رکھتے ہیں تو وہ جواب دیں۔

مَیں سچ کہتا ہوں کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کے بہت سے نشانات دیکھے ہیں اور وہ گواہ ہیں لیکن قوم اور برادری کے ڈر سے خاموش ہیں۔ وہ کیوں اس شہادت کو ظاہر نہیں کرتے؟ یہ سچائی کا خون کرنا ہے وہ عنقریب جان لیں گے کہ ان کا انجام کیا ہے۔ وہ قسم کھا کر بتائیں کہ کیا یہ رجوع لوگوں کا تھا؟ کیا اسی طرح فتوحات آتی تھیں؟ اسی طرح پر خطوط آتے تھے؟ تم نے یہ عبارتیں پڑھی تھیں۔ اگر یہ سچ ہے اور تمہارے سامنے قبل از وقت ایسی حالت میں کہ کوئی مجھے جانتا بھی نہ تھا، خدا تعالیٰ سے وحی پا کر مَیں نے خبر دی تھی اور وہ پوری ہوئی تو پھر بتاؤ کہ کیا یہ انسان کا اپنا کلام ہے کہ اس طرح پر قبل از وقت خبر دے اور ایک زمانہ دراز کے بعد وہ پوری ہو جاوے؟ ایک آدمی جو گمنامی کی حالت میں ہے اس کو اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ تیرے لیے ایک زمانہ آتا ہے کہ تو عالم میں مشہور ہو جائیگا۔ فَحَانَ اَنْ تُعَانَ وَتُعْرَفَ بَیْنَ النَّاسِ۔ ایک زمانہ آئے گا کہ تیری مدد کی جائے گی اور تو لوگوں میں شناخت کیا جائے گا۔ کیا یہ انسانی کام اور منصوبہ ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے کہ پہلے ایک واقعہ کی خبر دیتا ہے کیونکہ علمِ غیب اسی کو ہے اور یہ اسی کا خاصہ ہے اور وہ اپنے مرسلین پر ایسے ظاہر کرتا ہے۔ جب یہ بات ہے تو پھر سوچو کہ مر کر خدا تعالیٰ کے سامنے جانا ہے۔ اس کا کیا جواب ہے؟ کیا باوجودیکہ تم نے اپنی آنکھوں سے ان نشانات کو دیکھا اور تم اُن کے گواہ ٹھہرے اور سُننے سُنانے گواہ نہیں بلکہ رؤیت کے گواہ اور وہ بھی ایسے کہ دُنیا بھر میں جواب نہ دے سکیں۔ یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کی حُجّت تم پر قائم ہے۔ مَیں حلفاً کہتا ہوں سب سے زیادہ حُجّت تم پر قائم ہے۔ اگرچہ ساری دُنیا پر حُجّت ہے مگر تم پر سب سے زیادہ ہے۔ میرا وجود اس وقت نہ ہونے کے برابر تھا۔ ایک محض وجود تھا۔ پھر جب کہ خدا تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا اور جس کا تمہیں علم دے دیا گیا تھا اسی طرح پُورا ہونا آسان بات نہیں ہے۔ دیکھو یہ کیسا بزرگ نشان ہے، ایسا نشان ہے جو ہر روز تازہ بتازہ پورا ہو رہا ہے۔

یہ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نازل نہیں کرتا۔ وہ رحیم و کریم خدا ہے لیکن جب انسان شوخی کرتا ہے تو اُسے ڈرنا چاہیئے۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ اسی قادیان میں طاعون نہیں ہوا تھا تو مَیں نے شائع کر دیا تھا۔ اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ہندوؤں کے تو گھر خالی ہو جاویں اور میرے گھر کا چوہا بھی نہ مرے۔ مَیں پھر کھول کر کہتا ہوں کہ یہ اور اس قسم کے بہت سے نشانات یہاں کے ہندوؤں نے دیکھے ہیں جو اگرچہ سب دُنیا پر حُجّت ہیں لیکن ان پر سب سے زیادہ حجّت ہے۔ وہ مجھے اور میری جماعت کو طرح طرح

کی اذیتیں دینے اور دُکھ دینے کے ارادوں میں رہتے ہیں مگر وہ یاد رکھیں کہ خدا ہے اور ضرور ہے اور وہ بے باک اور شوخ کو سزا دیئے بغیر نہیں چھوڑتا۔

جماعت کیلئے نصیحت

آخرکار میں اپنی جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ تم دشمن کے مقابلہ پر صبر اختیار کرو۔ تم گالیاں سُن کر چُپ رہو۔ گالی سے کیا نقصان ہوتا ہے۔ گالی دینے والے کے اخلاق کا پتہ لگتا ہے۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ اگر تم کو کوئی زدوکوب بھی کرے تب بھی صبر سے کام لو۔ یہ یاد رکھو کہ اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے ان لوگوں کے دل سخت نہ ہوتے تو وہ کیوں ایسا کرتے۔ یہ خدا کا فضل ہے کہ ہماری جماعت امن جُو ہے۔ اگر وہ ہنگامہ پرداز ہوتی تو بات بات پر لڑائی ہوتی اور پھر اگر ایسے لڑنے والے ہوتے اور ان میں صبر و برداشت نہ ہوتی تو پھر ان میں اور ان کے غیروں میں کیا امتیاز ہوتا؟

ہمارا مذہب یہی ہے کہ ہم بدی کرنے والے سے نیکی کرتے ہیں۔ یہی گھر جو سامنے موجود ہے اس کے متعلق میرے لڑکے مرزا سلطان احمد نے مقدمہ کیا تھا۔ باوجودیکہ میرے لڑکے نے مقدمہ کیا تھا اور یہ سخت ایذا دینے والے دشمن تھے مگر میں نے کہا کہ میں اظہار نہیں دوں گا۔ کیا اس وقت میں نے سلطان احمد کی رعایت کی تھی یا اُن کی؟ اور اُن کی دشمنیوں کا خیال رکھا یا ان کے ساتھ نیکی کی؟ یہ ایک ہی بات نہیں۔ جب جب ان کو میری مدد کی ضرورت ہوئی میں نے اُن کو مدد دی ہے اور دیتا رہتا ہوں۔ جب ان کو مصیبت آئی یا کوئی بیمار ہوا تو میں نے کبھی سلوک یا دوا دینے سے دریغ نہیں کیا۔ ایسی حالت میں کہ ہم ان سے سلوک کرتے ہیں اور ان کی سختیوں پر صبر کرتے ہیں تم اُن کی بدسلوکیوں کو خدا پر چھوڑ دو۔ وہ خوب جانتا ہے اور اچھا بدلہ دینے والا ہے۔ میں تمہیں بار بار کہتا ہوں کہ ان سے نرمی کرو اور خدا تعالیٰ سے دُعا کرو۔ مگر یہ بھی یاد رکھو کہ دُعائیں منظور نہ ہوں گی جب تک تم متقی نہ ہو اور تقویٰ اختیار کرو۔ تقویٰ کی دو قسم ہیں۔ ایک علم کے متعلق دوسرا عمل کے متعلق۔ علم کے متعلق تو میں نے بیان کر دیا کہ عُلومِ دین نہیں آتے اور حقائق معارف نہیں کھلتے جب تک متقی نہ ہو اور عمل کے متعلق یہ ہے کہ نماز۔ روزہ اور دوسری عبادات اس وقت تک ناقص رہتی ہیں جب تک متقی نہ ہو۔

اس بات کو بھی خوب یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کے دو حکم ہیں۔ اوّل یہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ نہ اس کی ذات میں نہ صفات میں نہ عبادات میں۔ اور دوسرے نوعِ انسان سے ہمدردی کرو۔ اور احسان سے یہ مراد نہیں کہ اپنے بھائیوں اور رشتہ داروں ہی سے کرو بلکہ کوئی ہو۔ آدم زاد ہو اور خدا تعالیٰ کی مخلوق میں کوئی بھی ہو۔ مت خیال کرو کہ وہ ہندو ہے یا عیسائی۔ میں تمہیں سچ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارا انصاف اپنے ہاتھ میں لیا ہے وہ نہیں چاہتا کہ تم خود کرو۔ جس قدر نرمی تم اختیار کرو گے اور جس قدر فروتنی اور تواضع کرو گے اللہ تعالیٰ

اسی قدر تم سے خوش ہوگا۔ اپنے دشمنوں کو تم خدا تعالیٰ کے حوالے کرو۔ قیامت نزدیک ہے۔ تمہیں اُن تکلیفوں سے جو دشمن تمہیں دیتے ہیں گھبرانا نہیں چاہیئے۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ ابھی تم کو اُن سے بہت دُکھ اُٹھانا پڑے گا کیونکہ جو لوگ دائرہ تہذیب سے باہر ہو جاتے ہیں۔ اُن کی زبان ایسی چلتی ہے جیسے کوئی پُل ٹوٹ جاوے تو ایک سیلاب پھوٹ نکلتا ہے۔ پس دیندار کو چاہیئے کہ اپنی زبان کو سنبھال کر رکھے۔

یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب انسان کسی کا مقابلہ کرتا ہے تو اسے کچھ نہ کچھ کہنا ہی پڑتا ہے جیسے مقدمات میں ہوتا ہے۔ اس لیے آرام اسی میں ہے کہ تم ایسے لوگوں کا مقابلہ ہی نہ کرو۔ سدِّباب کا طریق رکھو اور کسی سے جھگڑا مت کرو۔ زبان بند رکھو۔ گالیاں دینے والے کے پاس سے چپکے سے گذر جاؤ گویا سُنا ہی نہیں اور ان لوگوں کی راہ اختیار کرو جن کے لیے قرآن شریف نے فرمایا ہے وَ اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا۔ اگر یہ باتیں اختیار کرلوگے تو یقیناً یقیناً اللہ تعالیٰ کے سچے مخلص بن جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کو کسی رپورٹ کی حاجت نہیں۔ وہ خود دیکھتا ہے اور سُنتا ہے اگر تم تین ہو تو چوتھا خدا ہوتا ہے۔ اس لیے خدا کو اپنا نمونہ دکھاؤ۔

اگر تمہارے نفسانی جوش اور بدزبانیاں ایسی ہیں جیسے تمہارے دشمنوں کی ہیں پھر تم ہی بتاؤ کہ تم میں اور تمہارے غیروں میں کیا فرق اور امتیاز ہوا؟ تمہیں تو چاہیئے کہ ایسا نمونہ دکھاؤ کہ جو مخالف خود شرمندہ ہو جاوے۔ بڑا ہی عقلمند اور حکیم وہ ہے جو نیکی سے دشمن کو شرمندہ کرتا ہے۔

ہمیں اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا ہے کہ نرمی اور رفق سے معاملہ کرو۔ اپنی ساری مصیبتیں اور بلائیں خدا تعالیٰ پر چھوڑ دو۔ یقیناً سمجھو اگر کوئی شخص ایسا ہے کہ ہر شخص کی شرارت پر صبر کرتا ہے اور خدا پر اُسے چھوڑتا ہے۔ تو خدا تعالیٰ اُسے ضائع نہیں کرے گا۔ اگرچہ دنیا میں ایسے آدمی موجود ہیں جو ہنسی کریں گے اور ان باتوں کو سُن کر ٹھٹھا کریں گے مگر تم اس کی پروا نہ کرو۔ خدا تعالیٰ خود اس کے لیے موجود ہے۔ وہ خدا پُرانا نہیں ہوگیا جیسے انسان بڈھا ہو کر پیرِ فرتوت ہو جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ وہی ہے جو موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے وقت تھا اور وہی خدا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت تھا۔ اس کی وہی طاقتیں اب بھی ہیں جو پہلے تھیں۔ لیکن جو کچھ مَیں کہتا ہوں تم اس پر عمل نہ کرو تو میری جماعت میں نہ رہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے مصالح کو خوب جانتا ہے۔ لوگ مجھے کہتے ہیں کہ فلاں شخص نے ہمیں مارا اور مسجد سے نکال دیا۔ مَیں یہی جواب دیتا ہوں کہ اگر تم جواب دو تو میری جماعت میں سے نہیں۔ تم کیا چیز ہو۔ صحابہؓ کی حالت کہ اُن کے کسقدر خُون گرائے گئے۔ پس تمہارے لیے اُسوۂ حسنہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہے۔ دیکھو وہ کیسے دُنیا سے باہر ہو گئے تھے۔ انسان میں جس قدر جوش ہوتے ہیں وہ دُنیا کے لیے ہی ہوتے ہیں۔ کسی ہنگامہ کی خبر، دُنیا کا مال، عزت یا اولاد

خدا سے آتی ہے[2]۔ اس کے سوا جُھوٹی عزتوں کا کیا ہے۔ نبیوں سے بڑھ کر عزت کسی کی نہیں۔
مگر دیکھو انہیں کیسے کیسے دُکھ دیئے گئے۔ نمازیں ان پر گندے گوبر ڈالے گئے۔ قتل کے ارادے کئے گئے اور آخر مکہ سے نکالا گیا لیکن خدا تعالیٰ کے حضور آپ کی وہ عزت اور عظمت ہے کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ (آل عمران: ۳۲) رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو خدا تعالیٰ کی محبت کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ بغیر اس کے یہ مقام مل ہی نہیں سکتا۔

اب بتاؤ کہ کیا یہ اطاعت کا کام ہے کہ دشمن کا ایسا دشمن بنے کہ جب تک اُسے پیس نہ لے اور تکلیف اور دُکھ نہ پہنچا لے صبر ہی نہ کرے۔ یہ مَیں جانتا ہوں کہ انسانی فطرت میں یہ بات ہے کہ گالی سے مشتعل ہو جاتا ہے مگر اس سے ترقی کرنی چاہیئے۔ جو دُکھ دیتے ہیں انہیں سمجھو کہ وہ کچھ چیز نہیں[2]۔ اگر تم پر خدا راضی ہے۔ لیکن اگر خدا تعالیٰ ناراض ہے تو خواہ ساری دُنیا تم سے خوش ہو وہ بے فائدہ ہے۔

یہ بھی یاد رکھو کہ اگر تم مداہنہ سے دوسری قوموں کو ملو تو کامیاب نہیں ہو سکتے۔ خدا ہی ہے جو کامیاب کرتا ہے اگر وہ راضی ہے تو ساری دُنیا ناراض ہو تو پروا نہ کرو۔ ہر ایک جو اس وقت سُنتا ہے یاد رکھے کہ تمہارا ہتھیار دُعا ہے اس لیے چاہیئے کہ دُعا میں لگے رہو۔

یہ یاد رکھو کہ معصیت اور فسق کو نہ واعظ دُور کر سکتے ہیں اور نہ کوئی اَور حیلہ۔ اُس کے لیے ایک ہی راہ ہے اور وہ دُعا ہے۔ خدا تعالیٰ نے یہی ہمیں فرمایا ہے۔ اس زمانہ میں نیکی کی طرف خیال آنا اور بدی کو چھوڑنا چھوٹی سی بات نہیں ہے۔ یہ انقلاب چاہتی ہے اور یہ انقلاب خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور یہ دُعاؤں سے ہوگا۔

ہماری جماعت کو چاہیئے کہ راتوں کو رو رو کر دُعائیں کریں۔ اس کا وعدہ ہے اُدْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ (المومن: ۶۱) عام لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ دعا سے مراد دنیا کی دُعا ہے۔ وہ دُنیا کے کیڑے ہیں۔ اس لیے اس سے پرے نہیں جا سکتے۔ اصل دُعا دین ہی کی دُعا ہے[3]۔ لیکن یہ مت سمجھو کہ ہم گنہگار ہیں یہ دُعا کیا ہوگی اور ہماری تبدیلی

---

[1] بدر سے :۔ "دراصل کوئی شخص عزت کو پا نہیں سکتا جب تک کہ آسمان سے اس کو عزت نہ ملے۔ سچی اور پاک عزت خدا سے ہی ملتی ہے۔" (بدر حوالہ مذکور صفحہ ۵)

[2] بدر سے :۔ "تم کو جو دُکھ اور گالیاں دی جاتی ہیں وہ کچھ چیز نہیں۔ اس کی ہرگز پروا نہ کرو۔ اور انسانوں کے راضی رکھنے کے پیچھے نہ پڑو۔ بلکہ اپنے خدا کو راضی کرو۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا یہی مضمون ہے کہ اگر تم لوگوں کو راضی رکھنے کے واسطے ان کے ساتھ مداہنت سے پیش آؤ گے تو اس میں تم کو ہرگز کامیابی نہیں ہوگی۔" (بدر حوالہ مذکور)

[3] بدر سے :۔ "اصل دُعا دین کے واسطے ہے اور اصل دین دُعا میں ہے۔" (بدر حوالہ مذکور)

کیسے ہو سکے گی؟ یہ غلطی ہے۔ بعض وقت انسان خطاؤں کے ساتھ ہی ان پر غالب آسکتا ہے۔ اس لیے کہ اصل فطرت میں پاکیزگی ہے۔ دیکھو پانی خواہ کیسا ہی گرم ہو لیکن جب وہ آگ پر ڈالا جاتا ہے تو وہ بہرحال آگ کو بُجھا دیتا ہے اس لیے کہ فطرتاً برودت اس میں ہے۔ ٹھیک اسی طرح پر انسان کی فطرت میں پاکیزگی ہے۔ ہر ایک میں یہ مادہ موجود ہے وہ پاکیزگی کہیں نہیں گئی۔ اسی طرح تمہاری طبیعتوں میں خواہ کیسے ہی جذبات ہوں رو کر دُعا کرو گے تو اللہ تعالیٰ دُور کر دے گا۔

اس کے بعد آپ نے نہایت درد سے ایک لمبی دُعا کی۔[۱][۲]

جنوری ۱۹۰۷ء[۳]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات

فرمایا:-

حضرت عیسیٰ کے معجزے تو ایسے ہیں کہ اس زمانے میں وہ بالکل معمولی سمجھے جا سکتے ہیں اَکْمَہ سے رَاد شب کور ہے۔ اب ایسا بیمار معمولی حکیمی سے بھی اچھا ہو سکتا ہے۔ احیاءِ موتیٰ سے مراد بھی خطرناک مریضوں کا تندرست ہونا ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں یہ باتیں کچھ بھی نہیں۔[۴]

۱۵؍جنوری ۱۹۰۷ء

دعویٰ اور مذہب

فرمایا کہ:-

طاعون کی موت بالخصوص موت ہے۔ نمونہ جس سے چند گھنٹوں میں فیصلہ ہو جائے طاعون نہیں تو اور کیا ہے؟

مولوی محمد حسین کا ذکر آیا کہ وہ رجوع کیونکر کرے گا۔ فرمایا:-

---

۱ بدر سے:- "اس سے مت گھبراؤ کہ ہم گناہ سے ملوث ہیں گناہ اس میل کی طرح ہے جو کپڑے پر ہوتی ہے اور دُور کی جا سکتی ہے۔" (بدر حوالہ مذکور صفحہ ۱۶)

۲ الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳ صفحہ ۲ تا ۵ مورخہ ۲۴؍جنوری ۱۹۰۷ء

۳ ان ملفوظات پر کوئی تاریخ درج نہیں۔ جنوری کے پہلے یا دوسرے ہفتے کے معلوم ہوتے ہیں۔ (مرتب)

۴ بدر جلد ۶ نمبر ۶ صفحہ ۴ مورخہ ۷؍فروری ۱۹۰۷ء

اللہ تعالیٰ کے آگے کوئی مشکل بات نہیں۔ وہ جب چاہے دل پھیر دے۔ وہ اگر غور کرے تو اس کے لیے یہی ایک نشان کافی ہے کہ براہینِ احمدیہ کے ریویو کے زمانہ میں مَیں اکیلا تھا اور اب یَأْتُوْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ کی پیشگوئی پوری ہو رہی ہے۔ باقی رہے عقائد۔ سو ان میں تو کوئی اتنا بڑا فرق نہیں۔ صرف سمجھ کا پھیر ہے۔ پہلے لیجئے وفاتِ مسیح کو۔ سو اس مسئلہ میں خود اُن کے اپنے علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ پس ہیں ایک قول کو ترجیح دینے سے یہ کیونکر بُرا کہہ سکتے ہیں۔ تَوَفَّيْتَنِيْ کے معنوں میں جھگڑا ہے۔ مگر میرے نزدیک تو جو معنے کریں ہمارا مطلب حاصل ہے۔ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ کے اگر یہ معنے ہوں کہ جب تو نے مجھے اُٹھا لیا تو پھر تو ہی اُن کا نگرانِ حال تھا۔ اس صورت میں بھی یہ ظاہر ہے کہ آپ دوبارہ دُنیا میں تشریف نہیں لائے۔ ورنہ یہ حصر نہ کرتے۔ پھر معراج کو لو۔ ہمارا یہ مذہب ہرگز نہیں کہ وہ ایک خواب تھا یا صرف رُوح گئی بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عین بیداری میں معراج ہوا اور ایک لطیف جسم بھی ساتھ تھا۔ مگر یہ باطنی امور ہیں۔ خشک مُلّاں اسے کیا سمجھیں ؟

پھر مکالمۂ الٰہی کا دعویٰ ہے۔ یہ بھی کوئی نئی بات نہیں۔ سنت اللہ سے بھی یہ بات ثابت ہے اور انسان کے دل کی تڑپ بھی یہی چاہتی ہے۔ فتوح الغیب میں بھی ایسا ہی لکھا ہے اور اشاعت السنۃ میں بھی چھپا تھا۔ وَلَهُمْ مُكَالِمَاتٌ مجدد صاحب نے بھی یہی لکھا ہے اور ولی و نبی میں قلت و کثرت مکالمات کا فرق بتایا ہے یہ نبی کا لفظ صرف انہی معنوں میں ہے اور اپنی اپنی اصطلاح ہے ورنہ خاتم النبیین کے بعد کوئی نبی نہیں۔ عوام الناس کو بدظن کرنے کے لیے ہم پر طرح طرح کے الزام لگائے جاتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں ملائکہ کے منکر ہیں کبھی کچھ۔ حالانکہ ہم ملائک پر، خدا کی کتابوں پر، احادیثِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر، بہشت، دوزخ، عذابِ قبر، تقدیر، حشرِ اجساد سب پر صدقِ دل سے ایمان لاتے ہیں۔ ہم ایسے امور کی تفاصیل خدا کے حوالے کرتے ہیں کیونکہ محتاط مذہب یہی ہے کہ انسان مجمل پر ایمان لاوے اور تفاصیل کو حوالہ بخدا کر دے۔ باقی رہا شریعت کا عملی حصہ، سو ہمارے نزدیک سب سے اول قرآن مجید ہے۔ پھر احادیثِ صحیحہ جن کی سُنت تائید کرتی ہے۔ اگر کوئی مسئلہ ان دونوں میں نہ ملے تو پھر میرا مذہب تو یہی ہے کہ حنفی مذہب پر عمل کیا جاوے کیونکہ ان کی کثرت اس بات کی دلیل ہے کہ خدا تعالیٰ کی مرضی یہی ہے۔ مگر ہم کثرت کو قرآن مجید و احادیث کے مقابلہ میں ہیچ سمجھتے ہیں۔ انکے بعض مسائل ایسے ہیں کہ قیاسِ صحیح کے بھی خلاف ہیں۔ ایسی حالت میں احمدی علماء کا اجتہاد اولیٰ بالعمل ہے دیکھو مفقود الخبر کیلئے نوّے برس یا کم و بیش میعاد رکھی ہے۔ یہ ہی نہیں کہدیا کہ وہ نکاح نہ کرے۔ یہ واہیات ہے۔

حکیم الامت نے عرض کیا کہ حضور شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ جس ملک میں جس مذہب کی کتابیں بسہولت میسّر آئیں اس پر عمل ہونا چاہیئے۔

فرمایا:۔

بیشک ہماری طرف حنفی مذہب کی کتابیں ہی ہیں۔ اعمال کی اصل رُوح تو معرفتِ الٰہی واخلاص ہے۔ یہ نہ ہو تو یہ لفظی جھگڑے ہیچ ہیں ہماری بعثت کی ایک بھاری غرض یہ ہی ہے کہ ہم مسلمانوں کو عملاً مسلمان بنادیں [1]

بلا تاریخ [2]

چند فقہی مسائل

(۱) ایک شخص کا سوال حضرت صاحب کی خدمت میں پیش ہوا کہ روزہ دار کو آئینہ دیکھنا جائز ہے یا نہیں۔ فرمایا:۔

جائز ہے

(۲) اسی شخص کا ایک اور سوال پیش ہوا کہ حالتِ روزہ میں سر کو یا داڑھی کو تیل لگانا جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا:۔

جائز ہے

(۳) اسی شخص کا ایک اور سوال پیش ہوا کہ روزہ دار کی آنکھ بیمار ہو تو اس میں دوائی ڈالنی جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا:۔

یہ سوال ہی غلط ہے۔ بیمار کے واسطے روزہ رکھنے کا حکم نہیں۔

(۴) اسی شخص کا یہ سوال پیش ہوا کہ جو شخص روزہ رکھنے کے قابل نہ ہو۔ اس کے عوض مسکین کو کھانا کھلانا چاہئیے۔ اس کھانے کی رقم قادیان کے یتیم فنڈ میں بھیجنا جائز ہے یا نہیں؟

ایک ہی بات ہے خواہ اپنے شہر میں کسی مسکین کو کھلائے یا یتیم اور مسکین فنڈ میں بھیج دے۔

(۵) سوال پیش ہوا کہ روزہ دار کو خوشبو لگانا جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا:۔

جائز ہے

(۶) سوال پیش ہوا کہ روزہ دار آنکھوں میں سُرمہ ڈالے یا نہ ڈالے؟ فرمایا:۔

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۶ صفحہ ۴ مورخہ ۷ ؍فروری ۱۹۰۷ء

[2] "المفتی" کے زیرِ عنوان "بدر" میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یہ ملفوظات استفتا کے جواب میں بلا تاریخ درج ہیں۔ (مرتب)

مکروہ ہے اور ایسی ضرورت ہی کیا ہے کہ دن کے وقت سُرمہ لگائے۔ رات کو سُرمہ لگا سکتا ہے۔

(۷) ایک شخص کا سوال حضرت صاحب کی خدمت میں پیش ہوا کہ جو شخص بسبب ملازمت کے ہمیشہ دَورہ میں رہتا ہو اس کو نمازوں میں قصر کرنی جائز ہے یا نہیں؟

فرمایا:-

جو شخص رات دن دَورہ پر رہتا ہے اور اسی بات کا ملازم ہے وہ حالت دَورہ میں مسافر نہیں کہلا سکتا۔ اس کو پوری نماز پڑھنی چاہیئے۔

(۸) ایک شخص کا سوال حضرت صاحب کی خدمت میں پیش ہوا کہ نمازِ فجر کی اذان کے بعد دوگانہ فرض سے پہلے اگر کوئی شخص نوافل ادا کرے تو جائز ہے یا نہیں؟

فرمایا:-

نمازِ فجر کی اذان کے بعد سُورج نکلنے تک دو رکعت سُنت اور دو رکعت فرض کے سوا اور کوئی نماز نہیں ہے۔

(۹) ایک شخص نے حضرت سے سوال کیا کہ بندوق کی گولی سے جو حلال جانور ذبح کرنے سے پہلے مرجائے اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

فرمایا:-

گولی چلانے سے پہلے تکبیر پڑھ لینی چاہیئے۔ پھر اس کا کھانا جائز ہے۔[1]

۱۶ر جنوری ۱۹۰۷ء

مسیح موعودؑ کے بارہ میں ایک حدیث

آج حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام باہر سَیر کو تشریف لے گئے۔ راستہ میں حضرت مولوی سید محمد احسن فاضل امروہی نے مسیح موعود کے متعلق ایک حدیث نواس بن سمعان کی جو حاشیہ مسند احمد بن حنبل پر چڑھی ہوئی ہے کے دو جُملے پیش کئے۔ ایک جُملہ ہے تُقْبَضُ لَهُ الْاَرْضُ یعنی مسیح موعود کے لیے زمین طے کی جاوے گی جس سے ریل اور اگنبوٹ وغیرہ کی طرف اشارہ ہے چنانچہ کتب و رسالہ جات تبلیغ اسلام کے یورپ و امریکہ وغیرہ ممالک میں انہی ذرائع سے شائع ہو رہے ہیں۔

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۶ صفحہ ۴ مورخہ ۷ر فروری ۱۹۰۷ء

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ
بیشک اس سے پہلے کسی مامور من اللہ کے لیے طی الارض واقع نہیں ہوا۔ اور نہ یہ اسباب ظاہر ہوئے تھے۔
دوسرا جملہ اس حدیث میں سے مولوی صاحب نے یہ پیش کیا۔ مَنْ مَسَّ ابْنَ مَرْیَمَ یَکُوْنُ لَہٗ اَرْفَعُ قَدْرًا وَ یُعْظَمُ مَسُّہٗ یعنی جو شخص کہ چھوئے گا مسیح موعود کو اس کی قدر خدا تعالیٰ کے نزدیک بہت بلند ہوگی اور اس کا مس کرنا وچھونا اس کے حلقۂ خادمین میں داخل ہونا خدا تعالیٰ کے نزدیک بڑی عظمت رکھتا ہے۔
سبحان اللہ! حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس حدیث کی خبر بھی نہیں۔ قریباً اکتیس برس کا الہام مطبوعہ براہینِ احمدیہ میں درج ہے کہ "بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے" اس الہام کا مضمون قریباً حدیث مذکورہ سے ملتا ہے۔

۲۴؍جنوری ۱۹۰۷ء

حضرت اقدس بوقت صبح مع احباب باہر سیر کو تشریف لے جاتے ہیں۔ آج جب

ریاء

حضرت اقدس باہر تشریف لائے تو پہلے ایک بھائی نومسلم نے دُعا کے لیے عرض کی۔ حضرت مولوی نورالدین صاحب نے فرمایا کہ حضور یہ شخص اپنی قوم میں واعظ بھی ہے۔
حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:۔
وعظ و اعمال صالحہ کا فائدہ تب ہی ہوتا ہے کہ محض خدا کے لیے ہو۔ اس میں کوئی غرض نہ ہو۔ ریائی عمل کو خدا تعالیٰ قبول نہیں فرماتا۔ اگر عمل میں کسی اور کو شریک سمجھا جاوے تو خدا کئے ہوئے عمل کو رد کر دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ جس کے لیے تم نے یہ عمل کیا ہے اس سے اس کا ثواب بھی لو۔
بعد ازاں قادیان کے آریوں کے تعصب اور ان کی حق پوشی کا ذکر ہوا کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کے بڑے بڑے نشانات بینات دیکھ کر اُن کو چھپا رہے ہیں۔
اثنائے راہ میں آج کا الہام بیان فرمایا:۔
اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا[1] یعنی اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے اے اہلِ بیت! ناپاکی دُور کر دے اور تم کو بالکل پاک کر دے پھر پچیس چھبیس برس

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳ صفحہ ۱۴ مورخہ ۲۴؍جنوری ۱۹۰۷ء

کا ایک پُرانا الہام بیان فرمایا جو کسی شخص کے متعلق ہے :۔

"فَارْتَدَّا عَلٰۤی اٰثَارِھِمَا وَ وُھِبَ لَهٗ الْجَنَّةُ[1] اتنے میں طاقت بالا اس کو کھینچ کرلے گئی"۔

صبح کی سنتوں کے بعد نفل

مفتی محمد صادق صاحب نے ایک شخص کے خط میں سے بیان کیا کہ وہ پوچھتا ہے کہ جب صبح روشن ہو جائے تو اس وقت فرضوں سے پہلے صبح کی سنتوں کے بعد نوافل کی نماز درست ہو سکتی ہے یا نہیں؟

حضرت اقدس و مولوی نورالدین صاحب نے فرمایا کہ :۔

دو رکعت سُنّت کے سوا فرضوں سے پہلے اور کوئی نماز جائز نہیں۔

حلِ مشکلات

پھر مفتی محمد صادق صاحب نے ایک شخص کا خط پیش کیا کہ وہ پوچھتا ہے کہ مشکلات و مصائب کے وقت کیا کرنا چاہیئے؟

حضرت اقدس نے فرمایا کہ :۔

استغفار بہت پڑھے اور اپنے قصوروں کی اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرے۔[2]

۲۶؍ جنوری ۱۹۰۷ء

(بوقت ظہر)

ایک احمدی بھائی کا خط پیش کیا گیا کہ مَیں نے ایک احمدی بھائی کے دو بیٹوں کا معالجہ کیا تھا ایک ان میں سے شفایاب ہوا اور دوسرا مر گیا اور اس بھائی نے دس روپے فیس کے دیئے تھے کیا وہ میرے لیے جائز ہیں ؟

فرمایا:۔

ہاں جائز ہے

ولیمہ

تعریفِ ولیمہ بھی اس ضمن میں پوچھی گئی تھی۔ فرمایا کہ :۔

ولیمہ یہ ہے کہ نکاح کرنے والا نکاح کے بعد اپنے احباب کو کھانا کھلائے۔[3]

---

[1] (ترجمہ از مرتب) پھر وہ دونوں پچھلے پاؤں واپس لوٹ گئے اور اس کو جنّت عطا کی گئی (مرتب)

[2] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۴ صفحہ ۷ مورخہ ۳۱؍ جنوری ۱۹۰۷ء

[3] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۵ صفحہ ۱۱ مورخہ ۱۰؍ فروری ۱۹۰۷ء

۲۷؍جنوری ۱۹۰۷ء

(بوقتِ سیر)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مع احباب بوقت صبح باہر سیر کو تشریف لے گئے۔ راستہ میں آریوں کے تعصب اور ان نشانات بیّنات الٰہی کا ذکر ہوا جو خدا تعالیٰ نے اُن کو دکھائے اور پھر بھی اپنی ضد پر اڑے رہے ہیں۔

سلسلہ کے ساتھ مصری لوگوں کی دلچسپی و توجہ کا ذکر ہوا کہ وہ لوگ حضور کی تصانیف چاہتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ:۔

عربی کتابوں کی کثیر تعداد ان کو ارسال کی جاوے۔

حضرت امام بخاریؒ اور وفاتِ مسیح

تھوڑی دُور گئے تھے کہ حضرت اقدس کو طبیعت میں ناسازی معلوم ہوئی اور واپس لوٹ آئے۔ واپس آتے ہوئے کتاب صحیح بخاری کا ذکر ہوا کہ اب بہت سستی ہوگئی ہے۔ ایک زمانہ میں صدہا روپیہ سے نہ ملتی تھی اور آجکل صحیح بخاری مصر کی چھپی ہوئی اڑھائی روپیہ سے مل سکتی ہے۔

حضرت اقدس نے فرمایا:۔

بخاری والے وفاتِ مسیح پر زبردست دلائل پیش کئے ہیں۔ مُتَوَفِّيْكَ کے معنی مُمِيْتُكَ کے لکھے ہیں اور پھر اسی پر بس نہیں کی بلکہ بطور تظاہر آیات وفاتِ مسیح کے لیے آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ کو پیش کیا اور وہ حدیث لکھی جس میں نبی علیہ السلام نے اپنے متعلق آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ فرمائی اور اس میں تَوَفَّيْتَنِيْ کے معنے وفات کے ظاہر فرمائے[1]

۲۸؍جنوری ۱۹۰۷ء

(بوقتِ ظہر)

چند مسائل

حضرت اقدس ظہر کی نماز میں تشریف لائے تو مندرجہ ذیل سوالات خطوط سے حضرت کے حضور میں پیش ہوئے۔

(۱) ایک شخص کا سوال پیش ہوا کہ میری پہلی بیوی کو جلدی اولاد ہو جاتی ہے جس کے باعث وہ کمزور ہوگئی

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۴ صفحہ ۱۵ مورخہ ۳۱؍جنوری ۱۹۰۷ء

ہے کیا مَیں دوسرا نکاح کرسکتا ہوں یا نہیں ؟

حضرت نے فرمایا :۔

اس کو ہر صورت اختیار ہے

(۲) سوال پیش ہوا کہ بعض لوگ یہ عذر کرتے ہیں کہ جس کی عورت آگے موجود ہو اس کو ہم ناطہ نہیں دیتے۔

حضرت نے فرمایا :۔

پھر وہ اس سے تو مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ (النسآء : ۴) کو بند کرنا چاہتے ہیں۔

(۳) پھر ایک شخص کا سوال پیش ہوا کہ مجھ سے گناہ ہو جاتا ہے اور پھر توبہ کر لیتا ہوں۔ پھر گناہ ہو جاتا ہے کیا علاج کروں ؟

حضرت نے فرمایا :۔

پھر توبہ کرے اور اس کا کیا علاج ہے ؟

(۴) سوال پیش ہوا کہ بندوق کے شکار کے متعلق کیا حکم ہے ؟

حضرت نے فرمایا :۔

تکبیر پڑھ کر بندوق مارے، شکار مر جاوے تو حلال ہے [1]

۲۹ر جنوری ۱۹۰۷ء

(صبح کی سیر)

دشنام دہی کا انجام

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بوقت صبح مع احباب باہر سیر کو تشریف لے گئے۔ مُرتد ڈاکٹر عبدالحکیم کے تذکرہ پر حضرت نے فرمایا کہ :۔

ایک آریہ اخبار نے باوجود ہمارے مذہبی مخالف کے لکھا کہ عبدالحکیم کا آپ کو گالیاں دینا اس کی سفلہ پن کو ظاہر کرتا ہے۔ نہایت نامناسب امر ہے۔

ایک صاحب نے کہا عبدالحکیم کہتا ہے۔ جعفر زٹلی جو مرزا صاحب کو سخت گالیاں دیتا رہا ہے اُس کو کیا ہوا جو مجھے کچھ ہوگا۔

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۵ صفحہ ۴ مورخہ ۱۰؍ فروری ۱۹۰۷ء

حضرت نے فرمایا:۔
اس کو پادری عبداللہ آتھم، لیکھرام، چراغدین ساکن جموں اور دوسرے مباہلین کے احوال سے عبرت پکڑنی چاہیئے۔
اسی سیر کے دَوران کے مزید ملفوظات بدر سے:۔

کلمہ طیبہ کی اصل رُوح

مَیں نے عرض کیا کہ حضور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ بار بار پڑھنے اور اس کے ذکر کا بھی ثواب ہے یا نہیں؟ فرمایا:۔
دل میں خدا تعالیٰ سے تعلق؛ تو
پھر زیادہ تشریح طلب کرنے پر فرمایا:۔
اصل بات یہ ہے کہ میرا مذہب یہ نہیں کہ زبانی جمع خرچ کیا جاوے۔ ان طریقوں میں بہت سی غلطیاں ہیں ان تمام اذکار کی اصل روح اس پر عمل کرنا ہے۔ ایک دفعہ صحابہ کرامؓ اللہ بآواز بلند کہہ رہے تھے تو حضرتؐ نے فرمایا تمہارا خدا بہرہ نہیں۔ تو مطلب یہ ہے کہ کلمہ سے مراد ہے توحید کو قائم رکھنا اور اس کے رسول کی اطاعت۔ اب ثواب اس میں ہے کہ ہر بات میں اللہ کو مقدم رکھے اور اللہ پر پورا پورا ایمان لائے۔ اس کی صفات کے خلاف کوئی کلام کوئی کام نہ کرے حتیٰ کہ خیال بھی نہ لائے۔ وہ جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (النور: ۳۸) اس سے بھی یہی مراد ہے کہ دُنیا کے کاموں میں بھی میرے احکام کو نہیں بُھلاتے۔ دیکھو اس وقت ہم ان طریقوں کی طرح ذکر نہیں کر رہے مگر حقیقت میں اسی کی عظمت و جلال کا ذکر ہے۔ پس یہی ذکر ہے۔[1][2]

الہام کا معاملہ بڑا نازک ہوتا ہے

ایک صاحب نے ایک شخص مرید کے کچھ الہامات حضرت اقدس کو سنائے[3]

---

[1] اس سے مراد قاضی محمد اکمل صاحب گولیکی ہیں۔ (مرتب)

[2] بدر جلد ۶ نمبر ۷ صفحہ ۸ مورخہ ۱۴ فروری ۱۹۰۷ء

[3] بدر سے:۔ "عرض کیا گیا ایک نوجوان احمدی یہ الہامات سُناتا ہے۔ رؤیا میں خلقت نے مجھے سجدہ کیا۔ بہشت کی سیر کی اور الہام اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ۔
فرمایا: "یہ بڑے ابتلاء کا مقام ہے۔ میرا مذہب تو یہ ہے کہ جب تک درخشاں نشان اس کے ساتھ بار بار نہ لگائے جاویں تب تک الہامات کا نام لینا بھی سخت گناہ اور حرام ہے۔ پھر یہ بھی دیکھنا ہے کہ قرآن مجید اور میرے الہامات کے خلاف تو نہیں۔ اگر ہے تو یقیناً خدا کا نہیں بلکہ شیطانی القاء ہے۔ اصل میں ایسے تمام لوگوں کی نسبت میرا تجربہ ہے کہ انجام کار ہلاک ہوتے ہیں۔ اپنے اعمال کی طرف خیال نہیں کرتے۔ یہ نہیں دیکھتے کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت نے فرمایا:۔

الہام کا بڑا نازک معاملہ ہے۔ انسان کو اپنے اعمال صاف کرنا چاہیئے۔ الہام کا مہبط صاف ہونا چاہیئے۔ اب جو خدا تعالیٰ کی چلائی ہوئی ہوا چل رہی ہے۔ یہی ہوا بعض انسانوں کے جسموں کے لیے مفید اور بعض کے لیے مفسد ہوگی۔ اگر کسی کا اندر غلیظ ہو۔ معدہ گندہ ہو اور بیمار ہو تو اس کو اچھی غذا مضر ہوگی۔ ایسا ہی خدا کا کلام ہے۔ ابھی تھوڑے روز ہوئے فقیر مرزا ساکن دوالمیال ضلع جہلم جس نے ہماری مخالفت میں لوگوں کو الہام سنایا کہ مجھے عرش سے آواز آئی ہے کہ مرزا جھوٹا ہے رمضان میں مر جاوے گا اور اسی پر اس نے بس نہیں کی بلکہ لوگوں کو کہا کہ یہ معمولی بات نہ سمجھو۔ میرا دستخط لے لو کہ یہ بات ضرور ہونے والی ہے اور خود اس نے اپنا دستخط کرکے اور بہت سے لوگوں کو اپنے الہام کا گواہ ٹھہرایا اور ان کے بھی دستخط لیے۔ جب رمضان کا مہینہ آیا تو خود ہی مر گیا۔

(بوقتِ ظہر)

طاعون کا علاج

عام نمازیوں سے پیشتر ہی حضرت اقدس نماز ظہر کے لیے مسجد میں تشریف لے آئے۔ کسی نے ذکر کیا کہ بعض قرب وجوار کے دیہات

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

ہمارے قلب کا اللہ سے کیسا تعلق ہے اور ان الہامات میں پڑ جاتے ہیں۔ ان سے عُجب و استکبار پیدا ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ پھر کسی کی بات پسند نہیں کرتے اور ہر سچی بات کو اپنے اوہام کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں۔ جب مطابق نہیں پاتے تو انکار کرتے اور ہلاکت کے گڑھے میں گرتے ہیں۔ ان لوگوں کے دلوں میں ایک قسم کا گند ہوتا ہے اور شیطان متسلط ہونے کے لیے ایک عجیب راہ نکال لیتا ہے۔ استغفار پڑھنا چاہیئے اور بالکل ان باتوں سے کلی طور سے مجتنب۔ ورنہ یاد رکھیں کہ یہ بڑے خطرے کا مقام ہے۔ خدا تعالیٰ کسی کے الہام کو نہیں پوچھے گا۔ بیشک یہ الہام انعامِ الٰہی سے ہے مگر دیکھو ہوا بنفسہٖ تو ایک بڑی اور مفرح ذات چیز ہے مگر ایک روڑی پر گذرے تو کثافت پھیلائے گی۔ یہی حال ہے ایسے لوگوں کا۔ میں سمجھتا ہوں۔ مخلوق نے کیا سجدہ کرنا تھا۔ شیطان اور اس کی ذریت نے سجدہ کیا ہوگا کہ ہم تیرے ساتھ ہیں۔ بیشک گمراہی پھیلا۔

عرض کیا گیا۔ حضور ایسے لوگوں کی نسبت ہم تو اس لیے کچھ نہیں کہتے کہ وہ آپ کی تصدیق کرتے ہیں۔ فرمایا:۔

یہ جھوٹ بات ہے ان کے دلوں میں گند پنہاں ہے۔ ان کے جھوٹے الہامات کو شیطانی کہا جائے تو فوراً ہماری بھی تکذیب کریں۔

آپ نے بہت تاکیدی الفاظ سے پورے جوش میں تقریر فرمائی۔ (بدر جلد ۲ نمبر ۷ مورخہ ۱۴ فروری ۱۹۰۵ء)

میں طاعون ہے۔
حضرت نے فرمایا:۔
اس دفعہ یہ بیماری زیادہ ترخطرناک صورت میں ہے۔سارے موسم سرما میں بھی اکثر مقامات میں ترقی پر رہی ہے، اعتدالی ایام میں اَور بھی خطرناک ہوگی۔بجز توبہ واستغفار اس کا کوئی علاج نہیں۔

نمازِ ظُہر کے بارہ میں حضور کا طریق

فرمایا:۔
مولوی نورالدین صاحب کو بلاؤ کہ نماز پڑھی جاوے۔
مولوی صاحب بلائے گئے اور ڈیڑھ بجے نماز ظہر ادا کی گئی۔فرض کی نماز باجماعت ادا کرکے حضرت اندر تشریف لے گئے۔حضرت اقدس کا مدام یہی اُصول ہے کہ آپ ظہر کی پہلی چار سُنتیں گھر میں ادا کرکے باہر تشریف لاتے ہیں۔پچھلی دو سُنتیں بھی جاکر اندر پڑھتے ہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر ادائے فرض کے بعد مسجد میں بیٹھنا منظور ہو تو پچھلی دو سُنتیں فرضوں کے بعد مسجد میں ہی ادا فرماتے ہیں۔[1]

۳۰؍جنوری ۱۹۰۸ء

(بوقت ظہر)
آج ظہر کی نماز میں حضرت اقدس تشریف لائے۔آپ کی طبیعت قدرے علیل معلوم ہوتی تھی۔اس وقت کوئی تذکرہ نہیں ہوا۔نماز باجماعت ادا فرماکر اندر تشریف لے گئے عصر کی نماز میں آپ اذان ہونے کے بعد جلدی تشریف لے آئے۔
فرمایا:۔

مولوی صاحب کو بُلاؤ۔نماز ادا کی جائے

فرمایا:۔
درد گُردہ ہو رہا ہے۔سرد ہوا تیز چلتی ہے تو درد شروع ہوجاتا ہے۔پھر آپ بیٹھ گئے۔مولوی محمد علی صاحب و مفتی محمد صادق صاحب بھی آگئے۔ان کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا:۔
رسول (THE CIVIL & MILITARY GEZETTE) میں کوئی نئی خبر آپ نے پڑھی ہے؟

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۴ صفحہ ۹ مورخہ ۳۱؍جنوری ۱۹۰۸ء

مولوی صاحب نے عرض کی کہ یورپ کی تار خبروں سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض جگہ سخت سردی پڑ رہی ہے حتیٰ کہ انجنوں میں بھی پانی جم جاتا ہے۔
آپ نے پوچھا کہ

کیا غیر معمولی سردی لکھا ہے یا کہ معمولی؟

مولوی صاحب نے عرض کی کہ غیر معمولی سردی کی تار خبریں درج ہیں۔ اتنے میں مولوی محمد احسن صاحب بھی آ گئے۔ انہوں نے عرض کی کہ حضور کا الہام ہے ؎

پھر بہار آئی تو آئے ثلج کے آنے کے دن

ثلج برف کے معنے ہیں اور یہ غیر معمولی سردی اس پیشگوئی کو پورا کر رہی ہے۔ اتنے میں حضرت حکیم الامت تشریف لے آئے۔ نماز کی جماعت کھڑی ہو گئی۔ آپ نماز باجماعت ادا فرما کر اندر تشریف لے گئے۔[1]

۳۱؍جنوری ۱۹۰۷ء

(بوقت عصر)

خطوط کے جواب میں حضور کا طریق

حضرت اقدس نماز عصر میں تشریف لائے مفتی صاحب سے فرمایا کہ:

بعض شکایتیں آئی ہیں کہ خطوں کا جواب نہیں ملتا۔ خطوں کے جواب لکھے جاویں۔...... واضح ہو کہ حضرت اقدس امام ہمام علیہ السلام کے نام جو خطوط آتے ہیں وہ براہِ راست چٹھی رساں حضرت اقدس کو جا کر دیتا ہے اور سب خطوں کو حضرت اقدس خود ملاحظہ فرماتے ہیں۔ اکثر جواب لکھنے کے لیے ہدایتیں کر کے منشی کو سپرد فرماتے ہیں۔ ناسازیٔ طبع نہ ہو اور فرصت ہو تو بہت کا جواب خود تحریر فرماتے ہیں۔[2]

۹؍فروری ۱۹۰۷ء

خط سے سوال پیش ہوا کہ مکان میں میرا پانچ سو روپیہ کا حصہ ہے۔ اس حصہ میں مجھ پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۵ صفحہ ۴ مورخہ ۱۰؍فروری ۱۹۰۷ء

[2] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۵ صفحہ ۱۰-۱۱ مورخہ ۱۰؍فروری ۱۹۰۷ء

حضرت نے فرمایا:۔

جواہرات ومکانات پر کوئی زکوٰۃ نہیں

بوقتِ عصر

طاعون کے ذکر پر فرمایا کہ:۔

اس وقت جو بے وقت بارش متواتر برس رہی ہے۔ واللّٰہُ اَعْلَم اس سے طاعونی کیڑے ہی پرورش پا رہے ہیں۔[1]

۱۰/ فروری ۱۹۰۷ء

مینجر گورو کل گوجرانوالہ کا ایک اَور خط حضرت صاحب کے نام آیا جس کا جواب حضور نے مفتی صاحب کو لکھنے کے لیے فرمایا۔ چنانچہ مفصلہ ذیل خط لکھا گیا۔

جناب مینجر صاحب گورو کل گوجرانوالہ تسلیم ! آپ کا دوسرا خط حضرت کی خدمت میں پہنچا جس میں آپ نے ظاہر کیا ہے کہ آپ نصف گھنٹہ سے زیادہ وقت نہیں دے سکتے اور ایک عالم کے واسطے بسبب اس کے علم کے اتنا وقت کافی ہے۔ بجواب گذارش ہے کہ حضرت فرماتے ہیں کہ اہم مذہبی امور پر گفتگو کرنے کے واسطے اتنا تھوڑا وقت کسی صورت میں کافی نہیں ہوسکتا۔ اس واسطے ہم ایسی مجلس میں شریک نہیں ہوسکتے۔ اگر آپ کم ازکم تین گھنٹہ کا وقت ہمارے مضمون کے واسطے رکھتے تو ممکن تھا کہ ہم خود جاتے یا اپنا کوئی فاضل دوست اپنا مضمون دے کر بھیج دیتے ہم کسی طرح سمجھ ہی نہیں سکتے کہ ایسے مضامینِ عالیہ میں صرف آدھ گھنٹہ کی تقریر کافی ہے۔ ہم رسوم کے پابند نہیں ہم پابندِ احقاق ہیں۔ باقی آپ کا یہ فرمانا کہ بڑے عالم کے واسطے نصف گھنٹہ کافی ہے۔ مجھے تعجب ہے کہ یہ بات کیونکر آپ درست قرار دیتے ہیں جبکہ آپ کے وید مقدس کے لکھنے والوں نے اپنی باتوں کو ختم نہ کیا جب تک کہ وہ ایک گدھے کے بوجھ کے برابر نہ ہوگئے تو پھر آپ ہم سے یہ اُمید کیونکر رکھتے ہیں۔ ایک نکتہ معرفت کا قبل ازکمیں گلا گھونٹنا درحقیقت سچائی کا خون کرنا ہے جس کو کوئی راستباز پسند نہیں کرے گا۔ اگر علم اور فضل کا معیار حد درجے کے اختصار اور تھوڑے سے وقت میں ہوتا تو چاہیئے تھا کہ وید صرف چند سطروں میں ختم ہوجاتا۔ مجھے افسوس ہے کہ اس تھوڑے وقت نے مجھے اس اشتراک سے محروم رکھا۔ کیا خداتعالیٰ کی ذات صفات کی نسبت کچھ بیان کرنا اور پھر رُوح اور مادہ میں جو فلاسفی مخفی ہے اس کو کھولنا آدھ گھنٹہ کا کام ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ لفظ ہی

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۷ صفحہ ۱۲ مورخہ ۲۴/ فروری ۱۹۰۷ء

سوءِ ادب میں داخل ہے جن لوگوں کو محض شراکت کا فخر حاصل کرنا مقصود ہے وہ جو چاہیں کریں مگر ایک محقق ناتمام تقریر سے خوش نہیں ہو سکتا۔ سچائی کو ناتمام چھوڑنا ایسا ہے جیسا کہ بچہ اپنے پورے دنوں سے پہلے پیٹ سے ساقط ہو جائے آئندہ آپ کو اختیار ہے۔

خادمِ مسیح موعود محمد صادق عفا اللہ عنہ [1]
۱۷؍ فروری ۱۹۰۷ء

۱۱؍ فروری ۱۹۰۷ء

(بوقتِ ظہر)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنا

مفتی صاحب نے کسی شخص کا سوال خط سے پیش کیا کہ میں نے ایک بیوہ عورت کے ساتھ نکاح کا ارادہ کیا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے خواب میں دیکھا کہ آپ نے اس کے ساتھ نکاح سے منع فرمایا کیا اس پر عمل کیا جاوے یا نہیں؟

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ:۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مَنْ رَآنِی فَقَدْ رَأَى الْحَقَّ لہٰذا اس پر عمل کیا جاوے۔

چند فقہی مسائل

① پھر خط سے سوال پیش ہوا کہ کئی اشخاص نے ایک گائے قربانی کرنے کے لیے خریدی تھی جن میں سے ایک احمدی تھا۔ غیر احمدیوں نے اس کو اس وجہ سے اس گائے کا حصہ قیمت واپس دے دیا کہ اس کا حصہ قربانی میں رکھنے سے قربانی نہ ہوگی۔ اس لیے اس شخص نے لکھا کہ میں اپنی قربانی کا حصہ نقد قادیان میں بھیج سکتا ہوں یا نہیں؟

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:۔

اس کو لکھو کہ قربانی کا جانور اس قیمت سے لے کر وہاں ہی قربانی کر دے۔

عرض کی گئی کہ اس کا حصہ قیمت جو گائے کے خریدنے میں تھا وہ بہت تھوڑا ہے۔ اس سے دُنبہ بکرا خرید نہیں سکے گا۔

حضرت نے فرمایا:۔

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۸ صفحہ ۵ مورخہ ۲۱؍ فروری ۱۹۰۷ء نیز دیکھیے الحکم جلد ۱۱ نمبر ۷ صفحہ ۱۳ مورخہ ۲۴؍ فروری ۱۹۰۷ء

اس کو لکھو کہ تم نے جبکہ اپنے اُوپر قربانی ٹھہرائی ہے اور طاقت ہے تو اب تم پر اس کا دینا لازم ہے اور اگر طاقت نہیں تو پھر اس کا دینا لازم نہیں۔

(۲) خط سے سوال پیش ہوا کہ مَیں بوقتِ سحر بماہِ رمضان اندر بیٹھا ہوا بے خبری سے کھاتا پیتا رہا۔ جب باہر نکل کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ سفیدی ظاہر ہو گئی ہے۔ کیا وہ روزہ میرے اوپر رکھنا لازم ہے یا نہیں؟

حضرت نے فرمایا کہ :۔

بے خبری میں کھایا پیا تو اس پر اس روزہ کے بدلے میں دوسرا روزہ لازم نہیں آتا۔

(۳) پھر سوال پیش ہوا کہ کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ سے فرضی روزے مراد ہیں یا اور روزے مراد ہیں؟ فرمایا:۔

کُتِبَ سے فرضی روزے مراد ہیں [۱]

---

۱۲ فروری ۱۹۰۷ء

(بوقتِ ظہر)

افغانستان میں مذہبی آزادی نہیں ہے

ایک مولوی صاحب حدودِ افغانستان سے حضرت کی ملاقات کے لیے آئے ہوئے تھے۔ مصافحہ کے بعد حضرت نے ان کے کوائفِ سفر و صعوبتِ راہ کی حالت دریافت فرمائی بعد ازاں حکومتِ افغانستان کی عدمِ حریت و آزادی کے متعلق ذکر ہوا[۲]

فرمایا کہ :۔

اخبارات میں جو آجکل لکھا جا رہا ہے کہ حکومت افغانستان میں ہر مذہب کے لوگوں کو عام آزادی حاصل ہے سراسر دروغ بے فروغ ہے کیونکہ اگر افغانستان میں ہندوستان جیسی حریت و آزادی ہر مذہب کے لوگوں کو حاصل ہوتی تو اخوندزادہ حضرت مولوی عبداللطیفؓ کو اس بیدردی سے اختلافِ مذہب کے سبب اس حکومت میں ہلاک نہ کیا جاتا۔[۳]

---

[۱] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۷ صفحہ ۱۳-۱۴ مورخہ ۲۴ فروری ۱۹۰۷ء

[۲] بدر سے :۔ "افغانستان کا ذکر تھا کہ اگر ہماری جماعت کے لوگ جو کہ اس جگہ میں تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھیں تو امید ہے کہ بہت فائدہ ہو فرمایا :۔ اگر ایک شخص بھی تمہارے ذریعہ سے دین کو اچھی طرح سمجھ لے تو یہ ایک بڑے ثواب کا کام ہے۔" (بدر جلد ۶ نمبر ۸ صفحہ ۴)

[۳] بدر سے :۔ "خیر ہم خدا تعالیٰ پر اُمید رکھتے ہیں کہ وہ ضرور کوئی نہ کوئی راہ پیدا کر دے گا جس سے ان ممالک میں پوری تبلیغ ہو گی۔" (بدر جلد ۶ نمبر ۸ صفحہ ۴ مورخہ ۲۱ فروری ۱۹۰۷ء)

تازہ وحی

بعدازاں حضرت نے خداتعالیٰ کی تازہ وحی کا ذکر فرمایا جو پہلے درج ہو چکی ہے اور اس میں سے مندرجہ ذیل فقرہ سنایا:۔

آسمان ٹوٹ پڑا سارا معلوم نہیں کیا ہونیوالا ہے

تشریح میں فرمایا:۔

اگرچہ کثرت بارش سے بھی آسمان کا ٹوٹ پڑنا مراد ہو سکتا ہے مگر ان الہامات کی تشریح میں ہم کسی پہلو پر زور نہیں دیتے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے جس رنگ وصورت میں چاہا، واقع ہوں گے۔ ان الہامات سے معلوم ہوتا ہے کہ وحشت ناک امر واقع ہونے والا ہے جس سے لوگ متحیر و خوف زدہ ہو جاویں گے لہٰذا خداتعالیٰ نے ان کی طرف سے حکایتاً بیان فرمایا ہے کہ معلوم نہیں کیا ہونے والا ہے۔

فرمایا:۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ وقت دُور نہیں ہے۔ قریب آگیا ہے۔

پھر حضرت اقدس نے فاضل امروہی سے استفسار فرمایا کہ:۔

خطوط سے معلوم ہوتا ہوگا آپ کی طرف بارش زور سے برس رہی ہے یا نہیں؟

مولوی صاحب نے عرض کی۔ اُس طرف اتنی بارش نہیں ہے جس قدر اِس طرف برس رہی ہے پھر حضرت نے بیماری طاعون کا حال پوچھا۔ مولوی صاحب نے عرض کی کہ بیماری اس طرف بہت ہے۔ پھر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

مولوی ثناء اللہ امرتسری

ثناء اللہ لکھتا ہے کہ سعداللہ کی وفات کی پیشگوئی پوری نہیں ہوئی۔ حالانکہ یہ پیشگوئی روز روشن کی طرح پوری ہوگئی ہے حقیقۃ الوحی میں اس پیشگوئی کے پورا ہونے کے متعلق زبردست دلائل لکھے جاویں گے۔

مولوی محمد حسین بٹالوی

فرمایا:۔

ثناء اللہ بہ نسبت محمد حسین بٹالوی کے بدگوئی میں بڑھ گیا ہے۔

محمد حسین بٹالوی کا ذکر ہوا۔ فاضل امروہی نے عرض کی کہ ایک وہ زمانہ تھا کہ اس نے کہا تھا کہ مَیں نے ہی ان کو یعنی حضور کو عروج پر چڑھایا تھا اور مَیں ہی گراؤں گا مگر معاملہ برعکس ہوا۔ اس جگہ تو یوماً فیوماً ترقی ہو رہی ہے اور شرق وغرب کی مخلوق آپہنچی ہے اور محمد حسین اکیلا طرید رہ گیا ہے۔ اکثر احباب نے اس کو چھوڑ دیا ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ اشاعت السنّۃ سے اس کو تین سو روپیہ تک بچ جاتا تھا۔ اب کوئی اس سے پوچھے کہ کیا حال ہے۔ حضرت نے فرمایا:۔

محمد حسین ہمیشہ ہمارے پاس آیا جایا کرتا تھا۔ پندرہ روز تک بٹالہ میں نہیں ٹھہر سکتا تھا بلکہ ہمارے پاس آجاتا تھا۔ ایک دفعہ اس کے متعلق اس کے باپ نے ایک سخت ناگوار اشتہار دینا چاہا تھا اور محمد حسین نے مجھے کہا کہ میرے باپ کو اس امر سے منع کرو۔ چنانچہ ہم نے اس کو اس امر سے روکا تھا۔

میر ناصر نواب صاحب نے خواب بیان کیا کہ تھوڑے روز ہوئے میں نے محمد حسین کو خواب میں دیکھا کہ سامنے سے چلا آتا ہے اور میرے ساتھ مصافحہ کرنے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ تو میں نے بھی اس کے ساتھ مصافحہ کیا اتنے میں مجھے آواز آئی۔ جو جُھکے آپ سے اس سے جُھک جائیے۔

بوقت عصر

احوالِ افغانستان

حضرت اقدس مسجد میں تشریف لائے تو نو وارد افغان مولوی صاحب سے بزبانِ فارسی استفسار فرمایا کہ آپ کے ملک میں سردی کا کیا حال ہے۔ انہوں نے عرض کی ہمارے ملک میں بہت سردی ہوتی ہے۔ بالخصوص تین ماہ میں سخت سردی پڑتی ہے۔ فصل برف کے نیچے دب جاتے ہیں۔

حضرت نے پوچھا کہ

افغانستان میں عربی کی کیا کیا کتابیں لوگ پڑھتے ہیں۔

افغان مولوی صاحب نے عرض کی کہ فقہ کا زیادہ رواج ہے۔ قدوری۔ کنز۔ شرح وقایہ۔ ہدایہ پڑھ لیتے ہیں۔ زیادہ علوم سے اکثر علماء بے بہرہ ہوتے ہیں۔ حدیث کے علم کا رواج افغانستان میں نہیں ہے۔ سفر ریل میں ایک افغان مولوی مجھے ملا۔ میرے پاس بخاری شریف دیکھ کر کہا۔ تم وہابی ہو۔

حضرت حکیم الاُمّت نے فرمایا خود مؤلف بخاری شریف کو ان لوگوں کے بھائی بندوں نے بخارا سے جلاوطن کر دیا تھا۔

بعد ازاں نماز کھڑی ہوگئی۔ ادائے نماز کے بعد حضرت اندر تشریف لے گئے۔[1]

۱۳ر فروری ۱۹۰۷ء

(بوقت ظہر)

مسٹر ویب کا ذکر

مفتی صاحب نے مسٹر ویب باشندہ امریکہ کا خط حضرت اقدس کو سُنایا۔ حضرت نے فرمایا:۔

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۷ صفحہ ۱۱ مورخہ ۲۴ر فروری ۱۹۰۷ء

ڈیب اگر دلی کوشش کرتا تو ضرور اس کا اثر لوگوں میں ہوتا کیونکہ

سخن کز دل بروں آید نشیند لاجرم بر دل

ڈیب اہلِ امریکہ کو کیا کوستا ہے اس کو اپنے دل کو کوسنا چاہیئے۔ اس نے ہمارے سلسلہ کی طرف پوری توجہ نہیں کی بلکہ بدگوئی کے ساتھ ہندوستان سے واپس چلا گیا تھا۔ اس سے تو ہمارے نزدیک عبداللہ ٹُم بدرجہا بہتر ہے جس نے ایک جماعت مسلمانوں کی بنالی ہے۔

فاضل امروہی نے عرض کیا کہ ڈیب کے متعلق حضور نے ایک پیشگوئی کی تھی جبکہ وہ قادیان میں آنے کا ارادہ رکھتا تھا کہ وہ یہاں نہیں آئے گا اور واپس چلا جاوے گا اور جس بات کے لیے واپس گیا تھا وہ بھی اس کو نصیب نہ ہوئی چنانچہ واپس جاکر نادم ہوا۔

(بوقتِ عصر)

اہلِ مغرب میں تبلیغ

قبل نمازِ عصر حضرت اقدس مسجد میں تشریف لائے۔ مولوی محمد علی صاحب کو فرمایا کہ :۔

اگر اہلِ امریکہ و یورپ ہمارے سلسلہ کی طرف توجہ نہیں کرتے تو وہ معذور ہیں اور جب تک ہماری طرف سے ان کے آگے اپنی صداقت کے دلائل نہ پیش کئے جاویں وہ انکار کا حق رکھتے ہیں۔ ہماری صداقت کے دلائل و حقیقتِ اسلام پر ایک مستقل کتاب انگریزی میں چھاپ کر ان کو پیش کی جاوے۔ جن باتوں کو ہمارے مخالف مسلمان ان کے آگے پیش کرتے ہیں ان میں بہت غلطیاں ہیں۔ مثلاً حیاتِ مسیح، مسئلہ ختمِ نبوت، مکالماتِ الٰہی کے متعلق اس زمانہ کے مسلمانوں نے سخت غلطی کھائی ہے۔ اس کتاب میں ان مسائل کی تنقیح اور ہمارے سلسلہ کے دلائل صداقت لکھے جاویں۔

ڈیب نے ایک چٹھی لکھی کہ جو معجزات اب پیش کئے جاتے ہیں ان پر سب ٹھٹھے کئے جاتے ہیں۔ ان سب باتوں کے لیے ایک مستقل کتاب جامع ہو جس میں یہ سب مضمون لکھے جاویں۔[1]

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۸ صفحہ ۹ مورخہ ۱۰؍مارچ ۱۹۰۷ء

بدر سے :۔ "مولوی محمد علی صاحب کو بُلا کر حضرت اقدس نے فرمایا کہ :۔

ہم چاہتے ہیں کہ یورپ امریکہ کے لوگوں پر تبلیغ کا حق ادا کرنے کے واسطے ایک کتاب انگریزی زبان میں لکھی جاوے اور یہ آپ کا کام ہے۔ آجکل جو ان ملکوں میں اسلام نہیں پھیلتا اور اگر کوئی مسلمان ہوتا بھی ہے تو (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۱۵ ؍فروری ۱۹۰۷ء

الہام کی کیفیت

ایک الہام کا ذکر تھا فرمایا :۔
یاد نہیں لیکن لکھا ہوا ہے۔

پھر فرمایا :۔
بعض دفعہ الہامِ الٰہی ایسی سرعت کے ساتھ ہوتا ہے جیساکہ ایک پرندہ پاس سے نکل جاتا ہے اور اگر اسی وقت لکھ نہ لیا جاوے یا اچھی طرح سے یاد نہ کرلیا جاوے تو بھول جانے کا خوف ہوتا ہے۔

ایک الہام

آج کی وحی الٰہی "اس ہفتہ میں کوئی باقی نہ رہے گا" کے متعلق فرمایا کہ :۔
ابھی ٹھیک طور پر نہیں کہہ سکتے کہ اس الہام میں ہفتہ سے کیا مراد ہے اور یہ کس کے متعلق ہے۔

حضرت مولوی نورالدین صاحب نے عرض کیا کہ بعض اس قسم کے الہامات کسی خاص مکان اور خاص زمانہ کے متعلق ہوتے ہیں۔

فرمایا :۔
درست ہے۔ دانیال کی کتاب میں صدہا سال کو ہفتہ کہا گیا ہے اور دنیا کی عمر بھی ایک تبلائی گئی ہے۔ اس جگہ ہفتہ سے مراد سات ہزار سال ہیں۔ ایک دن ایک ہزار سال کے برابر ہوتا ہے جیساکہ قرآن شریف میں آیا ہے۔ اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (الحج : ۴۸) تیرے رب کے نزدیک ایک دن تمہارے ہزار سال کے برابر ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

وہ بہت کمزوری کی حالت میں رہتا ہے۔ اس کا سبب یہی ہے کہ وہ لوگ اسلام کی اصل حقیقت سے واقف نہیں ہیں اور نہ اُن کے سامنے اصل حقیقت کو پیش کیا گیا ہے۔ ان لوگوں کا حق ہے کہ ان کو حقیقی اسلام دکھلایا جاوے جو خدا تعالیٰ نے ہم پر ظاہر کیا ہے۔ وہ امتیازی باتیں جو کہ خدا تعالیٰ نے اس سلسلہ میں رکھی ہیں۔ وہ ان پر ظاہر کرنی چاہئیں اور خدا تعالیٰ کے مکالمات مخاطبات کا سلسلہ ان کے سامنے پیش کرنا چاہیئے اور ان سب باتوں کو جمع کیا جاوے جن کے ساتھ اسلام کی عزت اس زمانہ میں وابستہ ہے۔ ان تمام دلائل کو ایک جگہ جمع کیا جاوے جو اسلام کی صداقت کے واسطے خدا تعالیٰ نے ہم کو سمجھائے ہیں۔ اس طرح ایک جامع کتاب تیار ہو جاوے تو امید ہے کہ اس سے ان لوگوں کو بہت فائدہ حاصل ہو۔"

(بدر جلد ۶ نمبر ۸ صفحہ ۴ مورخہ ۲۱ ؍فروری ۱۹۰۷ء)

دنیا کی عمر اور اس کا انجام

فرمایا:- آخر ایک دن اس دنیا کا خاتمہ ہونے والا ہے اور سب فنا ہو جائینگے اور اس فنا کا وقت دنیا کی عمر کے مطابق ساتویں ہزار سال کے بعد معلوم ہوتا ہے۔ یہ گنتی ہم حضرت آدم سے کرتے ہیں مگر اس سے یہ مراد نہیں کہ اس سے پہلے انسان نہ تھا یا دُنیا نہ تھی بلکہ ایک خاص مورثِ اعلیٰ سے اس گنتی کو لیا جاتا ہے جس کا نام آدم تھا۔ جیسا کہ اوّل میں وہ آدم تھا ایسا ہی آخر میں ایک آدم ہے۔ حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ اس دنیا کی عمر کے روز میں گویا عصر کا وقت تھا۔ جبکہ وہ عصر کا وقت تھا تو خود اندازہ ہو سکتا ہے کہ اب کتنا وقت باقی ہوگا۔ انجیل سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اب دُنیا کی عمر تھوڑی باقی ہے۔

حضرت مولوی نورالدین صاحب نے عرض کیا کہ اس قسم کے الفاظ جیسا کہ قیامت فنا وغیرہ ہیں بعض جگہ کسی خاص قرن اور خاص قوم کے متعلق آتے ہیں۔

فرمایا:-

یہ درست ہے اور خدا تعالیٰ قدیم سے خالق چلا آتا ہے لیکن اس کی وحدت اس بات کو بھی چاہتی ہے کہ کسی وقت سب کو فنا کر دے۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ (الرحمٰن: ۲۷) سب جو اس پر ہیں فنا ہو جانے والے ہیں خواہ کوئی وقت ہو۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ وقت کب آئے گا۔ مگر ایسا وقت ضرور آنے والا ہے۔ یہ اس کے آگے ایک کرشمۂ قدرت ہے۔ وہ چاہے پھر خلقِ جدید کر سکتا ہے۔

تمام آسمانی کتابوں سے ظاہر ہے کہ ایسا وقت ضرور آنے والا ہے۔ خدا کی قدرت کا خیال کیا جاوے تو یہ بات مستبعد اور قابلِ تجویز نہیں رہی۔ زلزلہ کا ایک دھکا لگتا ہے تو شہروں کے شہر ویران ہو جاتے ہیں۔ اس سے خدا تعالیٰ کی قدرتوں کا اظہار ہوتا ہے۔ جب امن کا زمانہ ہوتا ہے تو لوگوں کو منطق یاد آتی ہے اور باتیں بناتے ہیں لیکن جب خدا تعالیٰ ایک ہاتھ دکھاتا ہے تو تمام فلسفہ بھول جاتا ہے۔ ڈاکٹر میر محمد اسماعیل ذکر کرتے ہیں کہ ۴ را پریل ۱۹۰۵ء والے زلزلہ میں ان کے کالج کا ایک ہندو لڑکا دہریہ بے ساختہ رام رام بول اُٹھا۔ جب زلزلہ تھم گیا تو پھر کہنے لگا کہ مجھ سے غلطی ہوئی تھی۔ غرض ایسے لوگ درست نہیں ہوتے جب تک کہ اللہ تعالیٰ عجوبۂ قدرت نہ دکھائے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور جب تک کہ ایسا نہ ہو توحید قائم نہیں ہوتی۔

کیا ہر طاعونی موت شہادت ہے؟

ذکر آیا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ طاعون کوئی عذابِ الٰہی نہیں بلکہ یہ تو ایک شہادت ہے۔

فرمایا:-

---

[1] نقل مطابق اصل۔ (مرتب)

شہادت تو مومن کے واسطے ہوتی ہے جو پہلے ہی سے خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنے نفس کو قربان کر چکا ہوتا ہے اس کی موت ہر حالت میں شہادت ہے۔ لیکن یہ ایک عام قانون بنانا کہ ہر ایک شخص جو طاعون سے مرتا ہے وہ شہید ہے تو پھر کیا چوہڑے، چمار، ہندو، آریہ، عیسائی، دہریہ، بُت پرست جو ہزارہا طاعون سے مر رہے ہیں وہ سب درجۂ شہادت کو حاصل کر رہے ہیں؟ سید عبدالحی عرب نے مولوی ثناء اللہ کو کہا تھا کہ امرتسر کا رسل بابا طاعون کے عذاب سے ہلاک ہوا ہے تو ثناء اللہ نے کہا کہ وہ شہادت کی موت مرا ہے تو عرب صاحب نے کہا پھر خوب ہے میں دُعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ آپ کو بھی اس قسم کی شہادت کی موت دے۔

غرض شہادت نفس طاعونی موت میں شامل نہیں ہے بلکہ شہادت کا درجہ تو ان مومنوں کے واسطے ہے جو اپنی زندگی میں اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی راہ میں وقف کر چکے ہیں۔ طاعونی عذاب حضرت موسیٰ کے زمانہ میں بھی اُن کے مخالفوں پر پڑا تھا اور پھر حضرت عیسیٰ کے بعد بھی یہ عذاب ان کے مخالفوں پر وارد ہوا تھا اور اب بھی خدا تعالیٰ نے بطور نشان کے یہ عذاب نازل فرمایا ہے۔

آدم کا بہشت

ایک شخص کا سوال حضرت صاحب کی خدمت میں پیش ہوا کہ بہشت میں جو لوگ داخل ہوں گے وہ لوگ نکالے نہیں جاویں گے تو پھر آدم اور حوا کیوں نکالے گئے تھے؟

حضرت نے فرمایا کہ:۔

آدم جس بہشت سے نکالا گیا تھا وہ زمین پر ہی تھا بلکہ تورات میں اس کی حدود بھی بیان کی گئی ہیں نصوص قرآنیہ سے یہی ثابت ہے کہ انسان کے رہنے اور مرنے کے واسطے یہی زمین ہے جو شخص اس کے برخلاف کچھ مذہب رکھتا ہے وہ خدا تعالیٰ کے کلام کی بے ادبی کرتا ہے۔

بلا تاریخ

قرض پر زکوٰۃ

ایک شخص کا سوال حضرت کی خدمت میں پیش ہوا کہ جو روپیہ کسی شخص نے کسی کو قرضہ دیا ہوا ہے کیا اس پر اس کو زکوٰۃ دینی لازم ہے؟

فرمایا:۔ نہیں۔

اعتکاف

ایک شخص کا سوال حضرت اقدس کی خدمت میں پیش ہوا کہ جب آدمی اعتکاف میں ہو تو اپنے دنیوی کاروبار کے متعلق بات کر سکتا ہے یا نہیں؟

فرمایا:۔

بدر جلد ۶ نمبر ۷ صفحہ ۴-۵ مورخہ ۱۴ر فروری ۱۹۰۷ء

سخت ضرورت کے سبب کرسکتا ہے اور بیمار کی عیادت کے لیے اور حوائجِ ضروری کے واسطے باہر جاسکتا ہے۔[1]

۱۶؍فروری ۱۹۰۸ء

(بوقتِ ظہر)

مباحثات تحریری ہوں

مونگھیر کی جماعت اور وہاں کے کسی مباحثہ کا ذکر ہوا۔فرمایا:۔
تحریری سوالات ہوں تو ہماری طرف سے بھی مخالفین کے لیے تحریری جواب دیا جاوے اور زبانی مباحثات مظنۂ فساد ہوتے ہیں۔

قصیدۂ اعجازیہ

قاضی ظفرالدین متوفی کے قصیدہ کا ذکر ہوا جو اس نے حضرت کے قصیدہ کے مقابلہ میں بنایا تھا اور اس کو خدا نے اتنی فرصت نہیں دی کہ شائع کرسکے۔اب اس کو ثناء اللہ چھاپتا ہے۔حضرت نے فرمایا:۔

قصیدہ بنانے والا تو اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ گیا اور جہان سے رخصت ہوگیا اور وہ اس کو اپنی زندگی میں بھی شائع نہ کرسکا۔ثناء اللہ کو تو اتنی لیاقت نہیں کہ اس کی تصحیح کرسکے۔[2]

۱۷؍فروری ۱۹۰۸ء

خدا تعالیٰ کا غضب اور آفاتِ سماوی

حضرت حکیم الاُمت نے کسی شخص کا مقولہ بیان فرمایا کہ وہ کہتا ہے کہ زلزلے بیماریاں آیا ہی کرتی ہیں۔ان کو خدا تعالیٰ کے غضب سے کیا تعلق ہے؟

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:۔

ایسے لوگوں کو خدا تعالیٰ پر ایمان نہیں ہوتا۔قرآن کریم کے منکر ہیں۔دہریے ہیں۔کیا موسیٰ،نوح علیہما السلام کے وقت میں یونہی بیماریاں آتی تھیں یا کہ خدا تعالیٰ نے ان کا کوئی سبب بیان فرمایا ہے؟

فرمایا:۔

اس دفعہ طاعون خطرناک شکل پکڑتی جاتی ہے۔ہمیں تو اس سے خوشی ہوتی ہے۔کیونکہ اس سے خدا تعالیٰ

---

[1] بدر جلد ۷ نمبر ۸ صفحہ ۵ مورخہ ۲۷؍فروری ۱۹۰۸ء

[2] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۷ صفحہ ۱۲ مورخہ ۲۶؍فروری ۱۹۰۸ء

کی ہستی اور دُنیا کی ناپائیداری اہلِ دُنیا پر ثابت ہو رہی ہے۔

خدا را بخدا تواند شناخت

سوفسطائی جو حقیقتِ اشیاء کے منکر ہیں ان کا جواب یہی لکھا ہے کہ جب ان کو آگ میں ڈالا جاتا ہے تب حقیقتِ اشیاء کے قائل ہو جاتے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ اپنی ہستی کا ثبوت دُنیا پر واضح فرما رہا ہے۔

سعد اللہ لدھیانوی

سعد اللہ لدھیانوی کا ذکر ہوا تو فرمایا:۔

مَیں نے اپنے قصیدہ انجامِ آتھم میں اسکے متعلق لکھا تھا۔

اٰذَیْتَنِیْ خُبْثًا فَلَسْتُ بِصَادِقٍ

اِنْ لَمْ تَمُتْ بِالْخِزْیِ یَا ابْنَ بِغَاءِ

یعنی خباثت سے تُونے مجھے ایذا دی ہے۔ پس اگر تو اب رسوائی سے ہلاک نہ ہوا تو مَیں اپنے دعویٰ میں سچا نہ ٹھہروں گا اے سرکش انسان!

فرمایا:۔

اسی طرح سعد اللہ نے بھی میرے حق میں لکھا ہے کہ تیرا اخذ یمین اور قطع وتین اور تیرا سلسلہ تباہ ہوگا۔ اب یہ اس نے مباہلہ کر لیا تھا۔ دیکھو اب کون تباہ و ہلاک ہوا۔ یہی مباہلہ کا نتیجہ تھا کہ وہ لکھتا ہے کہ یہ کذّاب ہے۔ اب دیکھو کہ کذّاب کا یہی حال ہوا کرتا ہے کہ اس کے مقابل پر مومن اور سچے ہلاک ہوتے جاویں؟ ہر امر میں کاذب غالب ہو اور اس کو خدا کی نصرت ملتی جاوے اور خدا تعالیٰ سچوں پر تباہی اور ہلاکت وارد کرتا جاوے؟

ہماری صداقت کا آفتاب چڑھ آیا ہے۔ کیا خدا تعالیٰ دجّالوں اور کاذبوں کے ساتھ ایسا ہی کرتا آیا ہے کہ کاذبوں کو مہلت دیتا جاوے اور اُن کے مقابل سچوں کو ہلاک کرتا جاوے؟ کیا اس بات کا ثبوت کسی سابق زمانہ میں کوئی بھی گذرا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ایسا کیا ہو؟ دراصل اب دنیا میں دہریت پھیل گئی ہے۔ اب تو ہماری صداقت کا آفتاب چڑھ آیا ہے۔ یہ وہ امور ہیں جن سے خدا تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت ملتا ہے۔[1]

(بوقتِ ظہر)

خدا تعالیٰ کے اذن کے بغیر کوئی سبب مؤثر نہیں

آج کل جو خطرناک امراض ترقی پذیر ہو رہے ہیں ان کے متعلق

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۷ صفحہ ۱۱ مورخہ ۲۴ فروری ۱۹۰۷ء

ذکر ہونے پر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تقریر فرمارہے تھے۔ جب خاکسار[1] حاضر ہوا تو کلمات ذیل برزبان دُرافشاں جاری تھے:۔

توحید اسلام ہی کی توحید ہے۔ اسلام سکھلاتا ہے کہ جو زہریلے ذرات انسان کے اندر جاکر خطرناک امراض کا باعث ہوتے ہیں۔ وہ سب خدا تعالیٰ کے حکم کے ماتحت چلتے اور اثر پذیر ہوتے ہیں۔ بغیر اذنِ الٰہی کوئی ذرہ اثر نہیں کر سکتا۔ لہٰذا خدا تعالیٰ کے آگے تضرع و زاری کرنی چاہیئے کہ وہ زہریلے ذرات و مواد کے اثر سے محفوظ رکھے۔ اگر زہریلے ذرات و مواد انسان کے اندر خود بخود اثر پذیر ہوتے تو پھر ان ذرات کے آگے ہاتھ جوڑنے پڑتے کہ اثر نہ کریں مگر ایسا امر نہیں ہے بلکہ کوئی چیز و ذرہ خدا تعالیٰ کے حکم و اذن کے سوا اثر نہیں کر سکتا۔[2]

۱۲؍فروری ۱۹۰۷ء

(بوقت ظہر)

ایک الہام کی تشریح

ذکر ہوا کہ اخبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ طاعون روز بروز ترقی پکڑتی جاتی ہے۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا:۔

شاید وہ جو ہمارا الہام ہے ایک ہفتہ تک ایک بھی باقی نہ رہے گا، یہ خاص اشخاص کے متعلق ہو اور اس کا ظہور اس شکل میں ہو۔

کل دہلی سے خط آیا ہے کہ مولوی عبدالمجید دہلوی جو ہمارا سخت معاند تھا یکایک مرگیا۔ ایسا ہی ایک اور بڑے معاند کی مرگِ مفاجات کا ذکر تھا۔

نواب بہاولپور کا حسنِ خاتمہ

نواب بہاولپور کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا:۔

میرے نزدیک اس کا خاتمہ اچھا ہوا۔ اس خاندان کا پیر غلام فرید صاحب مرحوم ساکن چاچڑاں) ہمارا معتقد تھا۔ نواب بہاولپور شاید اس نوجوانی کی عمر میں واپس آتا تو غلطیوں میں مرتکب ہوجاتا۔ اس کا حسنِ خاتمہ بطور یادگار رہے گا۔

---

[1] یعنی ایڈیٹر صاحب الحکم (مرتب)

[2] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۸ صفحہ ۹ مورخہ ۱۰؍مارچ ۱۹۰۷ء

(بوقت عصر)

آدابِ تلاوت

ایک صاحب نے سوال کیا کہ قرآن شریف کس طرح پڑھا جاوے؟ حضرت اقدس نے فرمایا :-

قرآن شریف تدبر و تفکر و غور سے پڑھنا چاہیئے ۔ حدیث شریف میں آیا ہے رُبَّ قَارٍ یَلْعَنُہُ الْقُرْاٰنُ۔ یعنی بہت ایسے قرآن کریم کے قاری ہوتے ہیں جن پر قرآن کریم لعنت بھیجتا ہے ۔ جو شخص قرآن پڑھتا اور اس پر عمل نہیں کرتا اس پر قرآن مجید لعنت بھیجتا ہے ۔ تلاوت کرتے وقت جب قرآن کریم کی آیت رحمت پر گذر ہو تو وہاں خدا تعالیٰ سے رحمت طلب کی جاوے اور جہاں کسی قوم کے عذاب کا ذکر ہو تو وہاں خدا تعالیٰ کے عذاب سے خدا تعالیٰ کے آگے پناہ کی درخواست کی جاوے اور تدبر و غور سے پڑھنا چاہیئے اور اس پر عمل کیا جاوے ۔[1]

بلا تاریخ

امیر حبیب اللہ خان والیٔ افغانستان

یہ ڈائری اس وقت کی ہے جبکہ حضرت اقدس اندر کے مکان میں ہوتے ہیں اور اس کو صاحبزادہ حضرت مرزا محمود احمد صاحب نے لکھ کر اپنے رسالہ تشحیذ الاذہان کے جلد ۲ نمبر ا میں درج کیا ہے ۔ وہاں سے ہم درج کرتے ہیں :-

"امیر حبیب اللہ خاں والیٔ افغانستان کی آمد پر فرمایا کہ :-

لوگ اس کے لیے بڑے بڑے جلسے کرتے ہیں اور اس کے آنے پر خوش ہیں ۔ مگر ہم اس کا آنا نہ آنا برابر سمجھتے ہیں ۔ ہم اس آدمی کی پرواہ کیا کرتے ہیں جو خدا تعالیٰ کے احکام پر عمل نہ کرے ۔ ہمارا بادشاہ خدا ہے اور امیر حبیب اللہ اس کا مجرم ہے کیونکہ اس نے بلا کسی حق کے صاحبزادہ عبد اللطیف کو صرف اس لیے کہ وہ گورنمنٹ انگریزی سے جہاد کرنا ناجائز قرار دیتے تھے قتل کیا اور پھر نہایت بیدردی کے ساتھ ۔ ایسے شخص کے لیے خدا تعالیٰ فرماتا ہے مَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُہٗ جَھَنَّمُ (النسآء : ۹۴) یعنی جو شخص کہ ایک مومن کو بلا کسی کافی عذر کے قتل کر دے پس اس کی سزا جہنم ہے ۔ پس ہم تو الٰہی فیصلہ کے منتظر ہیں اور یہی نہیں بلکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسے شخص پر میرا غضب نازل ہوگا ۔ پس خدا کے غضب سے اور کونسی چیز ہے جو خطرناک ہے ۔

مسواک کو پسند فرمانا

حضرت صاحب مسواک کو بہت پسند فرماتے ہیں اور علاوہ مسواک کے اور مختلف چیزوں سے دن میں کئی دفعہ دانتوں کو صاف کرتے

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۸ صفحہ ۱۵ مورخہ ۱۰ ؍ مارچ ۱۹۰۷ء

ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی یہی سُنت تھی۔ پس سب کو چاہیئے کہ اس طرف بھی توجہ رکھا کریں۔

آزمائش کے بغیر ایمان کوئی حقیقت نہیں رکھتا

فرمایا:- لوگ سمجھ لیتے ہیں کہ ہم مومن ہیں اور مسلمان ہیں لیکن دراصل وہ نہیں ہوتے۔ زبانی اقرار تو ایک آسان بات ہے لیکن کرکے دکھانا اور بات ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ (العنکبوت ۳) یعنی کیا لوگ گمان کرتے ہیں کہ وہ مومن اور پکے ایماندار ہیں اور ابھی وہ آزمائے نہیں گئے۔ پس جب تک آزمائش نہ ہو ایمان کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ بہت لوگ ہیں جو آزمائش کے وقت پھسل جاتے ہیں اور تکلیف کے وقت ان کا ایمان ڈگمگا جاتا ہے۔

ایک یہودی کا قصہ ہے جو کہ ایک بڑا طبیب گذرا ہے اور جس کا نام ابوالخیر تھا کہ ایک دفعہ وہ ایک کوچہ میں سے گذر رہا تھا جبکہ اس نے ایک شخص کو یہ پڑھتے ہوئے سُنا کہ اَحَسِبَ النَّاسُ الآیۃ۔ اگرچہ وہ یہودی تھا۔ اُس نے آیت کو سُنکر اپنے ہاتھوں سے ایک دیوار پر ٹیک لگالی اور سر جھکا کر رونے لگا۔ جب رو چکا تو اپنے گھر آیا اور جب وہ سو گیا تو اس نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور انہوں نے آکر فرمایا کہ اے ابوالخیر تعجب ہے کہ تیرے جیسا فضل و کمال والا انسان مسلمان نہ ہو۔ صبح جب اُٹھا تو اُس نے تمام شہر میں اعلان کر دیا کہ میں آج مذہبِ اسلام قبول کرتا ہوں۔

فرمایا کہ

یہود کا قبولِ اسلام

یہودی اگرچہ آجکل بہت تھوڑے ہیں لیکن وہ اصل میں بہت سے مسلمان ہو گئے تھے جیسا کہ اوپر ایک قصہ بیان بھی کیا ہے کچھ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور کچھ دیگر سلاطین کے زمانہ میں۔ ایک شخص کا قصہ ہے کہ اس نے ایک یہودی کو بہت نصیحت کی کہ تو مسلمان ہو جا۔ اُس یہودی نے جواب دیا کہ میں جانتا ہوں کہ اسلام کوئی آسان مذہب نہیں۔ صرف مُنہ سے کہدینا کوئی بڑی بات نہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ میں نے اپنے ایک بیٹے کا نام خالد رکھا تھا یعنی ہمیشہ رہنے والا اور دوسرے دن میں اس کو گاڑ بھی آیا تھا۔ پس صرف نام رکھانے سے کچھ نہیں ہوتا۔ مگر انسان کا نام رکھا ہوا اگر خطا جاتا ہے تو خدا کا نہیں۔ خدا جس کا نام رکھتا ہے وہی ٹھیک ہوتا ہے۔

خواب اور تعبیر

ایک دفعہ ہمارے والد صاحب نے ایک خواب دیکھا کہ آسمان سے تاج اُترا اور انہوں نے فرمایا یہ تاج غلام قادر کے سر پر رکھ دو (آپ کے بڑے بھائی) مگر اس کی تعبیر اصل میں ہمارے حق میں تھی جیسا کہ اکثر دفعہ ہو جاتا ہے کہ ایک عزیز کے لیے خواب دیکھو اور وہ دوسرے کے

لیے پوری ہو جاتی ہے۔ اور دیکھو کہ غلام قادر تو وہی ہوتا ہے جو قادر کا غلام اپنے آپ کو ثابت بھی کر دے اور انہیں دِنوں میں مجھ کو بھی ایسی ہی خوابیں آتی تھیں۔ پس میں دل میں سمجھتا تھا کہ یہ تعبیر اُلٹی کرتے ہیں۔ اصل میں اس سے مَیں مراد ہوں۔ سیّد عبد القادر جیلانی ؒ نے بھی لکھا ہے کہ ایک زمانہ انسان پر ایسا آتا ہے کہ اس کا نام عبد القادر رکھا جاتا ہے جیسا کہ میرا نام بھی خدا تعالیٰ نے الہام کے ذریعہ سے عبد القادر رکھا ہے۔

حُقّہ نوشی

فرمایا کہ:-

انسان عادت کو چھوڑ سکتا ہے بشرطیکہ اس میں ایمان ہو اور بہت سے ایسے آدمی دُنیا میں موجود ہیں جو اپنی پُرانی عادات کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ جو ہمیشہ سے شراب پیتے چلے آئے ہیں۔ بڑھاپے میں آ کر جبکہ عادت کا چھوڑنا خود بیمار پڑنا ہوتا ہے بلا کسی خیال کے چھوڑ بیٹھتے ہیں اور تھوڑی سی بیماری کے بعد اچھے بھی ہو جاتے ہیں۔ مَیں حُقّہ کو نہ منع کرتا اور نہ جائز قرار دیتا ہوں مگر ان صورتوں میں کہ انسان کو کوئی مجبوری ہو۔ یہ ایک لغو چیز ہے اور اس سے انسان کو پرہیز کرنا چاہیئے۔[1]

---

۲۵ ر فروری ۱۹۰۷ء

(بوقتِ ظُہر)

نشانات کا ظُہور

فرمایا:-

اب تو اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر اتمامِ حجّت کر دی ہے۔ نشان پر نشان ظاہر ہو رہا ہے وہ جو حدیث میں آیا ہے کہ جیسے تسبیح کے دانے ٹوٹ پڑتے ہیں۔ اسی طرح متواتر نشان ظاہر ہوں گے اسی وقت کے لیے تھا چنانچہ تم دیکھ رہے ہو کہ ایک نشان پورا ہو رہتا ہے تو اس کے ساتھ ہی دوسرا پُورا ہو جاتا ہے۔

طاعون کے متعلق ایک شخص نے ذکر کیا کہ لدھیانہ میں پانچ جنازے ایک گھر کے ایک ہی وقت میں نکلے۔ دوسرے نے یہاں سے بارہ ۱۲ چودہ ۱۴ کوس کے فاصلہ پر ایک گاؤں کا ذکر کیا کہ وہاں نو ۹ آدمی ایک کُنبہ کے اکٹھے رات کو چنگے بھلے سوئے اور صُبح سات ۷ مُردہ پائے گئے۔ پھر کچھ دیر کے بعد ایک لڑکا مر گیا۔

آپ نے فرمایا:-

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۹ صفحہ ۱۰ مورخہ ۲۸ ر فروری ۱۹۰۷ء

یہ خدا تعالیٰ کے قہری نشان ہیں۔ افسوس کہ لوگ اس پر بھی نہیں سمجھتے۔ الہام اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ (الرعد: ۱۲) سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ جب تک خلقت رجوع الی الحق نہ کرے گی یہ بیماری نہ جائے گی۔ دیکھو اس سال سب کی رائے یہ بندھی تھی کہ طاعون سے یہ ملک بہت کچھ پاک ہو گیا ہے اور اب عنقریب بالکل صاف ہو جائے گا مگر اس سال پہلے سالوں سے بڑھ کر حملہ ہوا ہے۔ ایسا حملہ کہ کئی گھرانے تباہ ہو گئے ہیں بعض گاؤں کے گاؤں خالی ہو گئے۔ وہ جو قرآن مجید میں ہے وَاِنْ مِّنْ قَرْیَۃٍ اِلَّا نَحْنُ مُھْلِکُوْھَا قَبْلَ یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ اَوْ مُعَذِّبُوْھَا عَذَابًا شَدِیْدًا (بنی اسرائیل: ۵۹) سب کچھ پورا ہو رہا ہے۔ قادیان کے متعلق مجھے الہام ہوا تھا لَوْلَا الْاِکْرَامُ لَھَلَکَ الْمَقَامُ۔ یعنی یہ گاؤں بھی ہلاکت کا مستوجب تھا مگر اکرام کے سبب محفوظ رکھ لیا گیا جس کے متعلق اِنَّہٗ اٰوَی الْقَرْیَۃَ ہے۔ اٰوٰی کے معنے تمام لغت کی کتابوں میں یہی لکھے ہیں کہ کسی مصیبت کے بعد پناہ دینا۔ قرآن مجید میں بھی انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی (الضحٰی: ۷) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے قادیان میں کچھ عذاب طاعون آنا تھا اور پھر اس کے بعد حفاظت ہوگی۔

شرع میں حیلہ

عاجز اکمل نے آیت خُذْ بِیَدِکَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّہٖ وَلَا تَحْنَثْ (صٓ: ۴۵) کی نسبت پوچھا کہ اگر اس کے وہ معنی کئے جاویں جو عام مفسروں نے کئے ہیں تو شرع میں حیلوں کا باب کُھل جائے گا۔

آپ نے فرمایا:۔

چونکہ حضرت ایوبؑ کی بیوی بڑی نیک، خدمتگذار تھی اور آپ بھی متقی صابر تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے تخفیف کر دی اور ایسی تدبیر سمجھا دی جس سے قسم بھی پوری ہو جائے اور ضرر بھی نہ پہنچے۔ اگر کوئی حیلہ اللہ تعالیٰ سمجھائے تو وہ شرع میں جائز ہے کیونکہ وہ بھی اسی راہ سے آیا جس سے شرع آئی۔ اس لیے کوئی ہرج کی بات نہیں۔[1]

---

۲۶ / فروری ۱۹۰۷ء

(بوقتِ ظُہر)

حضرت اقدس نے جو رسالہ "قادیان کے آریہ اور ہم" لکھا ہے وہ چھپ کر شائع ہو گیا ہے۔ بعض مخالفین کو بھی ارسال کرنے کے لیے فرمایا۔

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۹ صفحہ ۶ مورخہ ۲۸ / فروری ۱۹۰۷ء

فرمایا:۔
قلوب کئی قسم کے ہوتے ہیں بعض کو نثر سے بعض کو نظم سے اثر ہوتا ہے۔ایک شخص کو صرف ہماری براہین احمدیہ کی نظم سے اثر ہوا۔اور وہ ہمارے پاس پہنچا۔

"پھر بہار آئی تو آئے ثلج کے آنیکے دن"

سال گذشتہ کا الہام ہے۔اس کے متعلق ذکر ہوا کہ ہر طرف سے خبریں آرہی ہیں کہ اس سال غیر معمولی سردی پڑی ہے اور یہ پیشگوئی پوری ہوگئی۔

(بوقتِ عصر)
آریوں کے گندے اعتقادات کا ذکر ہوا۔فرمایا:۔
آریوں کا اعتقاد ہے کہ خدا نے تو کچھ پیدا ہی نہیں کیا اور اولاد حرام طور پر حاصل کرنے کے شائق ہیں۔[1]

یکم مارچ ۱۹۰۷ء

طاعون زدہ گاؤں سے باہر کھلی جگہ ڈیرہ لگانا چاہیئے

ایک دوست نے ذکر کیا کہ ہمارے گاؤں میں طاعون ہے۔فرمایا کہ:۔
گاؤں سے فوراً باہر نکل جاؤ اور کھلی ہوا میں اپنا ڈیرہ لگاؤ۔مت خیال کرو کہ طاعون زدہ جگہ سے باہر نکلنا انگریزوں کا خیال ہے اور اس واسطے اس کی طرف توجہ کرنا فرض نہیں۔یہ بات نہیں طاعون والی جگہ سے باہر نکلنا یہ فیصلہ شرعی ہے۔گندی ہوا سے اپنے آپ کو بچاؤ۔جان بوجھ کر ہلاکت میں مت پڑو اور راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر دُعائیں کرو اور خدا تعالیٰ سے اپنے گناہ بخشواؤ کہ وہ قادر خدا ہے اور سب کچھ اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے باوجود ان احتیاطوں کے اگر تقدیر الٰہی آجاوے تو صبر کرو۔[2]

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۹ صفحہ ۱۱ مورخہ ۱۷؍ مارچ ۱۹۰۷ء

[2] بدر جلد ۶ نمبر ۲۰ صفحہ ۶ مورخہ ۱۶؍ مئی ۱۹۰۷ء

۳؍مارچ ۱۹۰۷ء

(قبل نماز ظہر)

دین کو مقدم رکھیں

سید حبیب اللہ صاحب آئی۔سی۔ایس مجسٹریٹ[1] آگرہ[2] بمعہ ایک عزیز رفیق کے قبل نماز ظہر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کو مخاطب کرکے حضرت نے فرمایا کہ :۔

اتنی تکلیف اُٹھا کر اس جگہ کوئی شخص بغیر قوتِ ایمانی کے نہیں آسکتا۔ دنیا داری کے خیال سے تو یہاں آنا گویا اپنے وقت کو ضائع کرنا سمجھا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔

فرمایا :۔

دین اور دُنیا ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے سوائے اس حالت کے جب خدا چاہے تو کسی شخص کی فطرت کو ایسا سعید بنائے کہ وہ دنیا کے کاروبار میں پڑکر بھی اپنے دین کو مقدم رکھے۔ ایسے شخص بھی دُنیا میں ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک شخص کا ذکر تذکرۃ الاولیاء میں ہے کہ ایک شخص ہزارہا روپیہ کے لین دین کرنے میں مصروف تھا۔ ایک ولی اللہ نے اس کو دیکھا اور کشفی نگاہ اس پر ڈالی تو اسے معلوم ہوا کہ اس کا دل باوجود اس قدر لین دین روپیہ کے خدا تعالیٰ سے ایک دم غافل نہ تھا۔ ایسے ہی آدمیوں کے متعلق خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔ (النور : ۳۸) کوئی تجارت اور خرید و فروخت ان کو غافل نہیں کرتی۔ اور انسان کا کمال بھی یہی ہے کہ دنیوی کاروبار میں بھی مصروفیت رکھے اور پھر خدا کو بھی نہ بھُولے۔ وہ ٹٹو کس کام کا ہے جو بروقت بوجھ لادنے کے بیٹھ جاتا ہے اور جب خالی ہو تو خوب چلتا ہے۔ وہ قابلِ تعریف نہیں۔ وہ فقیر جو دنیوی کاموں سے گھبرا کر گوشہ نشین بن جاتا ہے وہ ایک کمزوری دکھلاتا ہے۔ اسلام میں رہبانیت نہیں۔ ہم کبھی نہیں کہتے کہ عورتوں کو اور بال بچوں کو ترک کردو اور دنیوی کاروبار کو چھوڑ دو۔ نہیں بلکہ ملازم کو چاہیئے کہ وہ اپنی ملازمت کے فرائض ادا کرے اور تاجر اپنی تجارت کے کاروبار کو پورا کرے لیکن دین کو مقدم رکھے[3]۔

---

[1] "جو گورنمنٹ انڈیا کی طرف سے امیرِ کابل کے ہمراہ تھے۔" (الحکم جلد ۱۱ نمبر ۹ صفحہ ۱۰)

[2] الحکم نے مجسٹریٹ الٰہ آباد لکھا ہے۔ (مرتب)

[3] الحکم میں ہے :۔ "تجارت کرو۔ نوکری کرو۔ دُنیا کے کام کرو مگر خدا تعالیٰ کو نہ بھُولو۔ جو لوگ بیوی بچوں اور روزگارِ دنیا کے تعلقات میں ہو کر خدا تعالیٰ سے غافل ہو جاتے ہیں وہ نامرد ہوتے ہیں۔

(الحکم جلد ۱۱ نمبر ۹ صفحہ ۱۰ مورخہ ۱۷؍مارچ ۱۹۰۷ء)

اس کی مثال خود دنیا میں موجود ہے کہ تاجر اور ملازم لوگ باوجود اس کے کہ وہ اپنی تجارت اور ملازمت کو بہت عمدگی سے پُورا کرتے ہیں۔ پھر بھی بیوی بچے رکھتے ہیں اور ان کے حقوق برابر ادا کرتے ہیں۔ ایسا ہی ایک انسان ان تمام مشاغل کے ساتھ خدا تعالیٰ کے حقوق کو ادا کر سکتا ہے اور دین کو دُنیا پر مقدم رکھ کر بڑی عمدگی سے اپنی زندگی گذار سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ تو انسان کا فطرتی تعلق ہے کیونکہ اس کی فطرت خدا تعالیٰ کے حضور میں اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ (الاعراف: ۱۷۳) کے جواب میں قَالُوۡا بَلٰی کا اقرار کر چکی ہوئی ہے۔

یاد رکھو کہ وہ شخص جو کہتا ہے کہ جنگل میں چلا جائے اور اس طرح دنیوی کدورتوں سے بچ کر خدا کی عبادت کرے وہ دُنیا سے گھبرا کر بھاگتا ہے اور نامردی اختیار کرتا ہے۔ دیکھو ریل کا انجن بے جان ہو کر ہزاروں کو اپنے ساتھ کھینچتا ہے اور منزلِ مقصود پر پہنچاتا ہے۔ پھر افسوس ہے اس جاندار پر جو اپنے ساتھ کسی کو بھی کھینچ نہیں سکتا۔ انسان کو خدا تعالیٰ نے بڑی بڑی طاقتیں بخشی ہیں۔ اس کے اندر طاقتوں کا ایک خزانہ خدا تعالیٰ نے رکھ دیا ہے لیکن وہ کسل کے ساتھ اپنی طاقت کو ضائع کر دیتا ہے اور عورت سے بھی گیا گذرا ہو جاتا ہے۔ قاعدہ ہے کہ جن قویٰ کا استعمال نہ کیا جائے وہ رفتہ رفتہ ضائع ہو جاتے ہیں۔ اگر چالیس دن تک کوئی شخص تاریکی میں رہے تو اس کی آنکھوں کا نُور جاتا رہتا ہے۔

ہمارے ایک رشتہ دار تھے انہوں نے فصد کرایا تھا۔ جراح نے کہہ دیا کہ ہاتھ کو حرکت نہ دیں۔ انہوں نے بہت احتیاط کے سبب بالکل ہاتھ کو نہ ہلایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۴۰ دن کے بعد وہ ہاتھ بالکل خشک ہو گیا۔ انسان کے قویٰ خواہ رُوحانی ہوں اور خواہ جسمانی جب تک کہ اُن سے کام نہ لیا جائے وہ ترقی نہیں کر سکتے[1] بعض لوگ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ جو شخص اپنے قویٰ سے خوب کام لیتا ہے اس کی عمر بڑھ جاتی ہے۔ بے کار ہو کر انسان مُردہ ہو جاتا ہے

بیکار رہوا تو آفت آئی مے[2]

مہمان کا حق

سید حبیب اللہ صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ:۔

آج میری طبیعت علیل تھی اور مَیں باہر آنے کے قابل نہ تھا مگر آپ کی اطلاع ہونے پر مَیں نے سوچا کہ مہمان کا حق ہوتا ہے جو تکلیف اُٹھا کر آیا ہے اس واسطے میں اس حق کو ادا کرنے کیلئے باہر آگیا ہوں۔

علماءِ زمانہ کا رویّہ

فرمایا:۔

خدا کی قدرت ہے کہ ہمارے سلسلہ کے متعلق علماءِ زمانہ نے بے دیکھے سمجھے

---

[1] الحکم سے:۔ "انسان کو خدا نے دل تدبّر و تفکّر کے لیے دیا ہے۔ لوگ تدبّر و تفکّر سے کام نہیں لیتے۔ اس سے دل سیاہ ہو جاتے ہیں۔" (الحکم جلد ۱۱ نمبر ۹ صفحہ ۱۰ مورخہ ۱۷ مارچ ۱۹۰۷ء)

[2] بدر جلد ۶ نمبر ۱۱ صفحہ ۶ مورخہ ۱۴ مارچ ۱۹۰۷ء

فتویٰ دیدیا اور ہم کو نصاریٰ سے بھی بدتر لکھا۔ ان کو چاہیئے تھا کہ پہلے ہمارے حالات کی تحقیقات کرتے ہماری کتابیں اچھی طرح سے پڑھ لیتے پھر جو انصاف ہوتا وہ کرتے۔ تعجب ہے کہ یہ لوگ اب تک اسلام کی حالت سے غافل ہیں گویا ان کو معلوم ہی نہیں کہ اسلام کس شکنجہ میں پڑا ہے۔ اسلام کی اندرونی حالت بھی اس وقت خراب ہے اور بیرونی حالت بھی خراب ہو رہی ہے۔

وفات وحیاتِ مسیح

سارا زور ان لوگوں کا اس بات پر ہے کہ حضرت عیسیٰ زندہ آسمان پر بیٹھے ہیں۔ حالانکہ نہیں سوچتے کہ یہ بات تو قرآن شریف میں لکھی ہے کہ وہ فوت ہو چکے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر شہادت دی ہے کہ میں ان کو مُردوں میں دیکھ آیا ہوں۔ قرآن شریف میں پہلے توفّی کا لفظ ہے اور رفع اس کے بعد[1] ہے۔ پھر یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ حضرت عیسیٰؑ کے زندہ ماننے میں اسلام کو کیا فائدہ حاصل ہے۔ سوائے اس کے کہ عیسائیوں کے جھوٹے خدا کو ایک خصوصیت حاصل ہو جاتی ہے اور عیسائی لوگ حضرت عیسیٰ کو خدا بنا لیتے ہیں۔ اور جاہل مسلمانوں کو دھوکہ دے کر عیسائی بنا لیتے ہیں۔ یسوع کو زندہ ماننے کا یہ نتیجہ ہے کہ ایک لاکھ مسلمان مُرتد ہو کر عیسائی ہو گیا۔ یہ نسخہ تو آزمایا جا چکا ہے۔ اب چاہیئے کہ دوسرا نسخہ بھی چند روز آزمالیں جو ہم کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ فوت ہو چکے ہیں۔ قاعدہ ہے کہ جب ایک دوائی سے فائدہ حاصل نہ ہو تو انسان دوسری کو استعمال کرلے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ عیسائیت کو مٹانے کے واسطے اس سے بڑا اور کوئی ہتھیار نہیں کہ جس وجود کو وہ خدا بناتے ہیں اُسے مُردوں میں داخل ثابت کیا جائے۔ پہلے پادری لوگ قادیان میں بہت آیا کرتے تھے اور خیموں میں ڈیرے لگاتے تھے اور وعظ کیا کرتے تھے مگر جب سے ہم نے یہ دعویٰ کیا ہے انہوں نے قادیان آنا بالکل چھوڑ دیا ہے۔ ایسا ہی لاہور میں لارڈ بشپ نے ایک بڑے مجمع میں مسیح کی زندگی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ایک بڑا لیکچر دے کر حضرت مسیح کی فضیلت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ثابت کرنی چاہی تھی۔ تب کوئی مسلمان بھی اس کا جواب نہ دے سکا۔ لیکن ہماری جماعت میں سے مفتی محمد صادق صاحب نے اُٹھ کر جواب دیا اور کہا کہ قرآن شریف اور انجیل ہر دو سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰؑ فوت ہو چکے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں کیونکہ آپ سے فیض حاصل کر کے معجزات دکھانے والے اب تک موجود ہیں۔ اس سے بشپ لاچار ہو گیا[2] اور اس

---

[1] الحکم سے:۔ "رفع کے لفظ کو لیے پھرتے ہیں حالانکہ قرآن شریف میں مسیح علیہ السلام کے فوت ہونے کا بار بار ذکر ہو چکا ہے۔" (الحکم جلد ۱۱ نمبر ۹ صفحہ ۱۰ مورخہ ۱۷ مارچ ۱۹۰۷ء)

[2] الحکم سے:۔ "آخر اس نے جواب دیا کہ تم مرزائی معلوم ہوتے ہو۔ ہمارے مخالف مسلمانوں نے اس وقت کہا کہ یہ لوگ کافر تو ہیں مگر ہمارے کام آئے۔ ہم کو مدد دی اور ہماری عزت رکھ لی۔" (الحکم حوالہ مذکور)

نے ہماری جماعت کے ساتھ گفتگو کرنے سے بالکل گریز کیا۔

ہمارے اُصول عیسائیوں پر ایسے تبر ہیں کہ وہ ان کا ہرگز جواب نہیں دے سکتے۔ یہ مولوی لوگ بڑے بدقسمت ہیں جو ترقی اسلام کی راہ روکتے ہیں۔ عیسائیوں کا تو سارا منصوبہ خود بخود ٹوٹ جاتا ہے جبکہ ان کا خدا ہی مرگیا تو پھر باقی کیا رہا؟

اسلام کیلئے موسم بہار کی آمد

اسلام نے بڑے بڑے مصائب کے دن گذارے ہیں۔ اب اس کا خزاں گذر چکا ہے اور اب اس کے واسطے موسم بہار ہے اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا۔ تنگی کے بعد فراخی آیا کرتی ہے۔ مگر ملّاں لوگ نہیں چاہتے کہ اسلام اب بھی سرسبزی اختیار کرے۔ اسلام کی حالت اس وقت اندرونی بیرونی سب خراب ہو چکی ہوئی ہے۔ ظاہری سلطنت اسلامی جو کچھ ہے وہ بھی نہایت ضعف کی حالت میں ہے اور اندرونی حالت یہ ہے کہ ہزاروں گرجاؤں میں جا بیٹھے ہیں اور بہت سے دہریہ ہو گئے ہیں۔ جب یہ حالت اسلام کی ہو چکی تو کیا وہ خدا جس کا وعدہ تھا کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر: ۱۰) ہم نے ہی یہ ذکر نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ کیا وقت نہیں آیا کہ اب بھی اسلام کی حفاظت کرے؟

چودہویں صدی کا مجدد

فرمایا:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ لوگ تکذیب کرتے ہیں کہ اس صدی کے مجدد کو نہیں مانتے۔ کیا آپ نے نہیں فرمایا تھا کہ ہر صدی کے سر پر ایک مجدد ہوگا؟ صدی سے پچیس ۲۵ سال گذر چکے یعنی پورا چوتھا حصہ صدی کا طے ہو گیا ہے۔ اب بتائیں کہ وہ مجدد کون ہے اور کہاں ہے؟ ہم سے پہلے سب لوگ اس مجدد کے منتظر تھے بلکہ صدیق حسن خاں کا یہ خیال تھا کہ شاید میں ہی بن جاؤں اور عبد الحی لکھنو والے کا بھی ایسا ہی خیال تھا۔ مگر اپنے خیال سے کیا بنتا ہے جب تک خدا تعالیٰ کسی کو نہ بنائے کون بن سکتا ہے جس کو خدا تعالیٰ کسی کام پر مامور کرتا ہے وہ اس کو عمر عطا کرتا ہے۔ اسے اس کے کام کے واسطے توفیق عطا کرتا ہے۔ اس کے لیے اسباب مہیا کرتا ہے۔ دوسرے لوگ اپنے خیال ہی میں مرکھپ جاتے ہیں اور ان سے کچھ بن نہیں سکتا۔ کوئی جھوٹا تحصیلدار بھی بنے تو دو چار روز کے بعد گرفتار ہو کر جیل خانہ میں چلا جاتا ہے چہ جائیکہ کوئی خدا کی طرف سے مامور اپنے آپ کو کہے حالانکہ وہ مامور نہ ہو[1]

---

[1] الحکم سے:۔ اب دیکھو جو شخص انسانی سلطنت میں جھوٹا دعویدار تحصیلداری یا چپڑاسی ہونے کا کرے اس کو پکڑا جاتا ہے اور سزا دی جاتی ہے۔ پھر کیا خدا کی سلطنت میں ایسا اندھیرا چل سکتا ہے؟ خدا تعالیٰ فرماتا ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

قِیَامٌ فِیْ مَا اَقَامَ اللّٰہُ

ایک صاحب نے اپنا ایک خواب بیان کیا جس میں کسی بڑے کام کے کرنے کی طرف اشارہ تھا مگر اس کام کے واسطے سامان سردست مہیا نہ تھے اور ان کا منشا تھا کہ خواب کی بناء پر فوراً اس کام کو شروع کر دیں۔ حضرت نے فرمایا کہ :۔

بعض خوابیں مدت کے بعد پوری ہونے والی ہوتی ہیں۔ جب تک کہ اس کام کے واسطے اللہ تعالیٰ اسباب مہیا نہ کرے تب تک صبر کے ساتھ انتظار کرنا چاہیئے۔ دیکھو حضرت یوسفؑ پر جس قدر مصائب آئے وہ سب بے وقت خواب سُنانے کی وجہ سے آئے۔ شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ فقیر کو چاہیئے کہ قِیَامٌ فِیْ مَا اَقَامَ اللّٰہُ پر عمل کرے۔ یعنی جہاں خدا تعالیٰ نے کھڑا کیا ہے وہاں کھڑا رہے جب تک کہ خدا تعالیٰ خود وہاں سے نکلنے کے سامان نہ بنائے [۱]

نماز میں امام

ذکر ہوا کہ چکڑالوی کا عقیدہ ہے کہ نماز میں امام آگے نہ کھڑا ہو بلکہ صف کے اندر ہو کر کھڑا ہو۔ فرمایا :۔

امام کا لفظ خود ظاہر کرتا ہے کہ وہ آگے کھڑا ہو۔ یہ عربی لفظ ہے اور اس کے معنی ہیں وہ شخص جو دوسرے کے آگے کھڑا ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ چکڑالوی زبانِ عربی سے بالکل جاہل ہے۔ [۲]

ایمانی طاقت علم سے پیدا ہوتی ہے

بات یہ ہے کہ ایمانی طاقت علم کے سوا پیدا نہیں ہوتی۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت صحابہؓ نے بھیڑ بکریوں کی طرح اپنی جانیں دے دی تھیں۔ اُن کو حق کا علم ہو گیا تھا۔ پھر انہوں نے اپنے بیوی بچوں کو نہ دیکھا۔ مَیں نے جو کتاب حقیقۃ الوحی لکھی ہے اس کو جو شخص حرف بحرف پڑھ لے گا میں نہیں خیال کرتا کہ پھر وہ یہ خیال کرے کہ میں وہی ہوں جو اس کے خیال میں پڑھنے سے پہلے تھا۔ جو شخص ہمارے سلسلہ کو آہستگی اور ٹھنڈے دل سے دیکھے گا۔ مَیں خیال کرتا ہوں کہ وہ ہمیں حق پر پائے گا۔ سچائی میں خدا تعالیٰ نے ایک قوت رکھی ہے۔ سچائی دلوں کو خود اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے تو لوہے میں بھی ایک کشش کی خاصیت رکھی ہے تو کیا سچ میں کوئی جذب نہیں ہے ؟ سچ میں ایک کشش ہے وہ خود بخود دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ (الحاقۃ:۴۵تا۴۷) یعنی اگر یہ نبی ہمارے اوپر بعض باتیں جھوٹی بنالیتا تو ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے اور اس کی رگِ جان کو کاٹ دیتے۔ یہ آیت صاف بیان کر رہی ہے کہ خدا تعالیٰ پر کوئی جھوٹی وحی والہام بنانے والا جلدی پکڑا جاتا اور ناکامیاب ہو کر مرتا ہے۔" (الحکم جلد ۱۱ نمبر ۹ صفحہ ۱ مورخہ ۱۷؍ مارچ ۱۹۰۷ء)

[۱] بدر جلد ۶ نمبر ۱۱ صفحہ ۵ مورخہ ۱۴؍ مارچ ۱۹۰۷ء [۲] بدر جلد ۶ نمبر ۱۲ صفحہ ۸ مورخہ ۲۸؍ مارچ ۱۹۰۷ء

عذاب سے بچنے کیلئے اپنی اصلاح کریں

دُنیا میں ایک دہریت پھیل رہی ہے۔ تحصیلِ دنیا کے لیے ہر وقت دوڑ دھوپ میں لوگ لگے ہوئے ہیں۔ اس کے لیے مجلسیں ہوتی ہیں اور شور و پکار ہے کہ یہ کرو وہ کرو مگر اسلام کی بہبودی کا کسی کو کوئی فکر نہیں۔ ایسی غفلت میں پھنسے ہوئے ہیں کہ عذاب کے سوائے ان سے غفلت رفع نہیں ہوتی۔ ہمیں خدا تعالیٰ نے صدہا بار بتایا ہے کہ خدا کے عذاب کے دن نزدیک ہیں اور جب تک لوگوں کے دل سیدھے نہ ہو جاویں خدا تعالیٰ کے عذاب پیچھا نہ چھوڑیں گے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (الرعد: ۱۲) یعنی خدا تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت کو درست نہ کریں۔ طاعون کو دفع کرنے کے لیے بیچارے چوہوں کے مارنے کے درپے ہو رہے ہیں۔ یہ نہیں سوچتے کہ جب تک ان کے اندر کا چوہا نہ مرے گا اس وقت تک طاعون ان کا ہرگز پیچھا نہ چھوڑے گی۔ پس اپنی اصلاح کریں اور خدا تعالیٰ سے ڈریں۔ اگر یہ لوگ اپنی اصلاح کریں تو خدا تعالیٰ کو کیا ضرورت ہے کہ ہلاک ہی کرے جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ (النساء: ۱۴۸) کہ خدا تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر کرو اور ایمان لے آؤ۔

ہمارے مسلمان سلاطین کا ذکر ہے کہ جب کوئی بلا آتی تھی تو بادشاہ دُعا و زاری بدرگاہِ ربّ العالمین کرتے تھے اور رعیت کو نیکیوں کی طرف رغبت دلاتے تھے۔ جب ٹیکہ لگایا جانا شروع ہوا تو میں نے کتاب کشتی نوح لکھی تھی اور اس میں مَیں نے ظاہر کیا تھا کہ اس ٹیکہ سے جو مَیں آسمانی ٹیکہ پیش کرتا ہوں بہتر ہے۔ آخر وہی بات سچی ثابت ہوئی جو ہم نے پیش کی تھی۔ شاید کسی کو کسی وقت سمجھ آجاوے۔ طاعون تو اب ہاتھ دھو کر لوگوں کے پیچھے ہو پڑی ہے۔

قادیان کے کسی شخص کا ذکر ہوا کہ فلاں جگہ طاعون ہے اور وہ وہاں بار بار جاتا رہا۔ آخر وہ طاعون میں گرفتار ہو کر مر گیا۔

حضرت اقدس نے فرمایا:۔

جبکہ ایک جگہ آگ برستی ہے تو اس جگہ جانے کی کیا ضرورت ہے؟

مخالفین کا مباہلہ

فرمایا:۔

اس ملک کے کئی ایک آدمی جو ہمیں گالیاں دیتے رہتے تھے اور پیچھا نہ چھوڑتے تھے۔ جب ان کی مدت نزدیک آئی تو خود ہی انہوں نے مباہلہ کر دیا کہ یا الٰہی! ہم میں سے جو جھوٹا ہے اس کو ہلاک کر دے آخر وہ خود ہی ہلاک ہو کر ہماری سچائی پر مُہر کر گئے۔ ایسا ہی ابوجہل نے بدر کے دن نبی علیہ السلام سے مباہلہ کیا تھا۔ ابوجہل نے کہا تھا کہ جو ہم دونوں میں سے قطع رحم کرنے والا اور مفسد ہو اسے خدا اس کو آج ہلاک کر دے۔ آخر خدا تعالیٰ نے ابوجہل

کو اسی دن ہلاک کر دیا اور اس کی دُعا قبول ہو کر اس پر ہی پڑی۔[1]

بلا تاریخ

دسویں محرم کو شربت اور چاول کی تقسیم

قاضی ظہور الدین صاحب اکمل نے سوال کیا کہ محرم دسویں کو جو شربت و چاول وغیرہ تقسیم کرتے ہیں اگر یہ للہ بہ نیت ایصالِ ثواب ہو تو اس کے متعلق حضور کا کیا ارشاد ہے؟

فرمایا:۔

ایسے کاموں کے لیے دن اور وقت مقرر کر دینا ایک رسم و بدعت ہے اور آہستہ آہستہ ایسی رسمیں شرک کی طرف لے جاتی ہیں۔ پس اس سے پرہیز کرنا چاہیئے کیونکہ ایسی رسموں کا انجام اچھا نہیں۔ ابتداء میں اسی خیال سے ہو مگر اب تو اس نے شرک اور غیر اللہ کے نام کا رنگ اختیار کر لیا ہے اس لیے ہم اسے ناجائز قرار دیتے ہیں جب تک ایسی رسوم کا قلع قمع نہ ہو عقائدِ باطلہ دُور نہیں ہوتے۔

دو افراد کا جمعہ

یہ مسئلہ پیش ہوا کہ دو احمدی کسی گاؤں میں ہوں تو وہ بھی جمعہ پڑھ لیا کریں یا نہ؟ حضور نے مولوی محمد احسن صاحب سے خطاب فرمایا تو انہوں نے عرض کی کہ دو سے جماعت ہو جاتی ہے۔ اس لیے جمعہ بھی ہو جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا:۔

ہاں پڑھ لیا کریں۔ فقہاء نے تین آدمی لکھے ہیں۔ اگر کوئی اکیلا ہو تو وہ اپنی بیوی وغیرہ کو پیچھے کھڑا کر کے تعداد پوری کر سکتا ہے۔

روزۂ وصال

ایک شخص کا سوال حضرت کی خدمت میں پیش ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے دن روزہ رکھنا ضروری ہے یا کہ نہیں؟

فرمایا:۔ ضروری نہیں ہے

روزۂ محرّم

اسی شخص کا سوال پیش ہوا کہ محرّم کے پہلے دس دن کا روزہ رکھنا ضروری ہے یا کہ نہیں؟

فرمایا:۔ ضروری نہیں ہے

چھیٹہ

اسی شخص کا سوال پیش ہوا کہ برائے برآمدگی مراد یا سیرابی ملک یا بطور چھیٹہ جو لوگ ذبیحہ دیتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا کہ:۔ جائز نہیں ہے۔

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۵ صفحہ ۱۰-۱۱

جھنڈیا بودی

جھنڈ یعنی بودی رکھی جاتی ہے اس کے متعلق کیا حکم ہے۔ فرمایا:۔
ناجائز ہے۔ ایسا نہیں چاہیئے۔

محرم پر تابوت کا بنانا

اسی شخص کا سوال پیش ہوا کہ محرم پر جو لوگ تابوت بناتے ہیں اور محفل کرتے ہیں۔ اس میں شامل ہونا کیسا ہے؟

فرمایا کہ:۔ گناہ ہے۔[1]

۹ر مارچ ۱۹۰۷ء

رُسول کے ذریعہ رُوحانی پرورش

الہام الٰہی "ہزاروں تیرے پروں کے نیچے ہیں" پر فرمایا کہ:۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو رسول آتا ہے اس کے ذریعہ سے ایک باطنی پرورش انسانوں کی ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے اول نزولِ فیضان اس پر ہوتا ہے پھر اس کے ذریعہ سے دوسروں کو بھی حاصل ہوتا ہے جیساکہ مولوی معنوی صاحب فرماتے ہیں ؎

قطب شیر و صید کردن کارِ او ۔ باقیاں ہستند باقی خوارِ او

اصل غرض جو تقویٰ اور ایمان سے ہے وہ تو سب کو حاصل ہو ہی جاتی ہے کسی کو بلا واسطہ اور کسی کو بالواسطہ۔ اصل مقصود تو یہ ہے کہ انسان کامل ایمان حاصل کرے اور ابدی نجات کو پالے۔ اگر یہ بات خدا تعالیٰ کے فضل سے حاصل ہو جائے تو پھر اس کی مثال ایسی ہے۔ جیساکہ کچھ آدمی راہ چلتے ہیں اور کچھ دوسرے ان کے ذریعہ راہ کو پہچانتے ہیں۔ منزلِ مقصود پر پہنچکر سب برابر ہو جاتے ہیں۔ باعتبارِ بہشت میں داخل ہو جانے کے تو سب مومن برابر ہی ہو جائیں گے۔[2]

۱۰ر مارچ ۱۹۰۷ء

(بوقت دس بجے دن)

دنیوی معاملات کے سبب کسی سے بغض نہ رکھیں

ڈاکٹر یعقوب بیگ صاحب
حکیم محمد حسین صاحب قریشی

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۱۱ صفحہ ۵ مورخہ ۱۴ر مارچ ۱۹۰۷ء

[2] بدر جلد ۶ نمبر ۱۱ صفحہ ۴ مورخہ ۱۴ر مارچ ۱۹۰۷ء

ڈاکٹر حکیم نور محمد صاحب، حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ، بابو غلام محمد صاحب لاہور سے آکر حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت اقدس ملاقات کے واسطے قریب دس بجے صبح کے مسجد مبارک میں تشریف لائے اور قریب دو گھنٹہ کے تشریف فرما رہے۔ چند آدمیوں نے بیعت کی اور مختلف مسائل پر گفتگو ہوتی رہی۔ دو ایک دوستوں کے درمیان کسی دنیوی امر پر اختلاف اور باہمی رنج کا ذکر تھا۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ:

دیکھو آجکل موسم کی حالت بہت خراب ہو رہی ہے اور ایک غیر معمولی تغیر زمانے کی حالت میں نظر آتا ہے آسمان ہر وقت غبار ناک رہتا ہے گویا کہ وہ بھی اُداس ہو رہا ہے۔ چاہیئے کہ آپس میں جلد صفائی کریں معلوم نہیں کہ کس کی موت آجائے۔ مَیں تو یہ بھی سُننا نہیں چاہتا کہ اختلاف کی کیا باتیں ہیں معلوم نہیں کہ کس کی زندگی ہے اور کون اس سال میں مر جائے گا۔

جب تک سینہ صاف نہ ہو دُعا قبول نہیں ہوتی۔ اگر کسی دنیوی معاملہ میں ایک شخص کے ساتھ بھی تیرے سینہ میں بغض ہے تو تیری دُعا قبول نہیں ہو سکتی۔ اس بات کو اچھی طرح سے یاد رکھنا چاہیئے اور دنیوی معاملہ کے سبب کبھی کسی کے ساتھ بغض نہیں رکھنا چاہیئے۔ اور دنیا اور اس کا اسباب کیا ہستی رکھتا ہے کہ اس کی خاطر تم کسی سے عداوت رکھو۔

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے کیا عمدہ واقعہ بیان کیا ہے کہ دو شخص آپس میں سخت عداوت رکھتے تھے۔ ایسا کہ وہ اس بات کو بھی ناگوار رکھتے تھے کہ ہر دو ایک آسمان کے نیچے ہیں۔ ان میں سے ایک قضائے کار فوت ہو گیا۔ اس سے دوسرے کو بہت خوشی ہوئی۔ ایک روز اس کی قبر پر گیا اور اس کو اُکھاڑ ڈالا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس کا نازک جسم خاک آلود ہے اور کیڑے اس کو کھا رہے ہیں۔ ایسی حالت دیکھ کر دُنیا کے انجام کا نظارہ اسکی آنکھوں کے آگے پھر گیا اور اس پر سخت رقت طاری ہوئی اور اتنا رویا کہ اس کی قبر کی مٹی کو تر کر دیا اور پھر اس کی قبر کو درست کرا کر اس پر لکھوایا ؎

مکن شادمانی بمرگِ کسے
کہ دہرت پس از وے نماند بسے

خدا کا حق تو انسان کو ادا کرنا ہی چاہیئے مگر بڑا حق برادری کا بھی ہے جس کا ادا کرنا نہایت مشکل ہے۔ ذرا سی بات پر انسان اپنے دل میں خیال کرتا ہے کہ فلاں شخص نے میرے ساتھ سخت کلامی کی ہے۔ پھر علیحدہ ہو کر اپنے دل میں اس بدظنی کو بڑھاتا رہتا ہے اور ایک رائی کے دانے کو پہاڑ بنا لیتا ہے اور اپنی بدظنی کے مطابق اس کینے کو زیادہ کرتا رہتا ہے۔ یہ سب بغض ناجائز ہیں۔

لِلّٰہ بغض

ہم بھی بعض دفعہ کسی پر ناراض ہوتے ہیں۔ مگر ہماری ناراضگی دین کے واسطے اور اللہ کے لیے ہے جس میں نفسانی جذبات کی ملونی نہیں اور دنیوی خواہشات کا کوئی حصہ نہیں ہمارا بغض اگر کسی کے ساتھ ہے تو وہ خدا تعالیٰ کے واسطے ہے اور اس واسطے وہ بغض ہمارا نہیں بلکہ خود خدا تعالیٰ کا ہی ہے کیونکہ اس میں کوئی ہماری نفسانی یا دنیوی غرض نہیں۔ ہم کسی سے کچھ لینا نہیں چاہتے نہ کسی سے کوئی خواہش رکھتے ہیں۔ جوشِ نفسانی اور للّٰہی جوش میں فرق کے واسطے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک واقعہ سے سبق حاصل کرو۔

حضرت علیؓ کا ایک سبق آموز واقعہ

لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کا ایک کافر پہلوان کے ساتھ جنگ شروع ہوا۔ بار بار آپ اس کو قابو کرتے تھے وہ قابو سے نکل جاتا تھا۔ آخر اس کو پکڑ کر اچھی طرح سے جب قابو کیا اور اس کی چھاتی پر سوار ہو گئے اور قریب تھا کہ خنجر کے ساتھ اس کا کام تمام کر دیتے کہ اس نے نیچے سے آپ کے مُنہ پر تھوک دیا۔ جب اس نے ایسا فعل کیا تو حضرت علیؓ اس کی چھاتی سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور اس کو چھوڑ دیا اور الگ ہو گئے۔ اس پر اُس نے تعجب کیا اور حضرت علیؓ سے پُوچھا کہ آپ نے اس قدر تکلیف کے ساتھ پکڑا۔ اور میں آپ کا جانی دشمن ہوں اور خون کا پیاسا ہوں پھر باوجود ایسا قابو پا چکنے کے آپ نے مجھے اب چھوڑ دیا۔ یہ کیا بات ہے؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ بات یہ ہے کہ ہماری تمہارے ساتھ کوئی ذاتی عداوت نہیں۔ چونکہ تم دین کی مخالفت کے سبب مسلمانوں کو دُکھ دیتے ہو اس واسطے تم واجب القتل ہو اور مَیں محض دینی ضرورت کے سبب تم کو پکڑتا تھا۔ لیکن جب تم نے میرے منہ پر تھوک دیا اور اس میں مجھے غصّہ آیا تو مَیں نے خیال کیا کہ یہ اب نفسانی بات درمیان میں آگئی ہے اب اس کو کچھ کہنا جائز نہیں تاکہ ہمارا کوئی کام نفس کے واسطے نہ ہو۔ جو ہو سب اللہ تعالیٰ کے واسطے ہو۔ جب میری اس حالت میں تغیر آئیگا اور یہ غصہ دُور ہو جائے گا تو پھر وہی سلوک تمہارے ساتھ کیا جائے گا۔ اس بات کو سُنکر کافر کے دل پر ایسا اثر ہوا کہ تمام کُفر اس کے دل سے خارج ہو گیا اور اس نے سوچا کہ اس سے بڑھ کر اور کونسا دین دُنیا میں اچھا ہو سکتا ہے جس کی تعلیم کے اثر سے انسان ایسا پاک نفس بن جاتا ہے۔ پس اس نے اسی وقت توبہ کی اور مسلمان ہو گیا۔

غرض انسانوں کو چاہیئے کہ دنیوی کدورتوں کے سبب باہم رنجش پیدا نہ کریں اور پھر یہ دن تو وبا اور زلازل اور قہرِ الٰہی کے دن ہیں۔ ان میں خدا تعالیٰ کے خوف سے لرزاں رہنا چاہیئے۔

مولویوں کے پیرو کار

ایک شخص نے ذکر کیا کہ بعض مولوی قسماقسم کے افتراء کر کے لوگوں کو بہکاتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا:۔

ان کے ہاتھ سوائے افتراء پردازی کے اور کیا ہے؟ لیکن جو لوگ ان کے پھندے میں پھنس جاتے ہیں وہ خود کمزور اور ضعیف ہیں اور دُنیا داری میں ایسے پھنسے ہوئے ہیں کہ دین کی ان کو ہرگز کوئی خبر ہی نہیں۔ وہ خود سوچ فکر

سے کام نہیں لیتے ورنہ ایسے شریر لوگوں کے شر سے محفوظ رہتے جو ہماری باتوں کو تراش خراش کر افتراء کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

کتاب حقیقۃ الوحی کیلئے قسم

فرمایا:۔ کتاب حقیقۃ الوحی میں ہم نے تمام قسم کی باتوں کو مختصر طور پر جمع کر دیا ہے اور اُس میں قسم دی ہے کہ لوگ کم از کم اوّل سے آخر تک اس کو پڑھ لیں۔ دوسرے کی قسم کا نہ ماننا بھی تقویٰ کے برخلاف ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دوسرے کی قسم پوری ہونے دی تھی اور حضرت عیسٰیؑ نے بھی دوسرے آدمی کی قسم کو پورا کیا تھا۔ غرض ہم ایک نیک کام کے واسطے قسم دیتے ہیں کہ وہ بلا سوچے سمجھے گالیاں نہ دیں اور مخالفت نہ کریں کم از کم ہمارے دلائل کو ایک دفعہ بغور مطالعہ کریں خواہ تھوڑا تھوڑا کرکے پڑھیں۔ پھر انکو معلوم ہو جائے گا کہ حق کس بات میں ہے۔

(بوقتِ ظہر)

طلباء کی سٹرائیک

علی گڑھ کالج کے طالب علم مولوی غلام محمد صاحب نے وہاں کے طلباء کی سٹرائیک اور اپنے استادوں کی مخالفت کا ذکر کرتے ہوئے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں عرض کیا کہ اس جماعت (فرقہ احمدیہ) کا کوئی لڑکا اس سٹرائیک میں شامل نہیں ہوا۔ میاں محمد دین۔ عبدالغفار خاں وغیرہ سب علیحدہ رہے لیکن عزیز احمد ان طلباء کے ساتھ شریک رہا اور باوجود ہمارے سمجھانے کے باز نہ آیا اور چونکہ بعض اخباروں میں اس قسم کے مضمون نکلے تھے کہ مسیح موعود کا پوتا علیگڑھ کالج میں ہے اس وجہ سے عام طور پر عزیز احمد کا رشتہ حضور کے ساتھ سب کو معلوم ہونے کے سبب وہاں کے اراکین نے اس امر پر تعجب ظاہر کیا کہ عزیز احمد اس مفسدہ میں ایسا حصہ لیتا ہے۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

عزیز احمد نے اپنے استادوں اور افسروں کی مخالفت میں مفسد طلباء کے ساتھ شمولیت کا جو طریق اختیار کیا ہے یہ ہماری تعلیم اور ہمارے مشورہ کے بالکل مخالف ہے لہٰذا وہ اس دن سے وہ اس بغاوت میں شریک ہے ہماری جماعت سے علیحدہ اور ہماری بیعت سے خارج کیا جاتا ہے۔ ہم ان لڑکوں پر خوش ہیں جنہوں نے اس موقعہ پر ہماری تعلیم پر عمل کیا۔ بہت سے لوگ بیعت میں آکر داخل ہو جاتے لیکن جب وہ شرائط بیعت پر عمل نہیں کرتے تو خود بخود اس سے خارج ہو جاتے ہیں۔ یہی حال عزیز احمد کا تھا۔ اس میں خصوصیت نہ تھی اور یہ امر کہ ہمارا وہ

پوتا ہے اس وجہ سے وہ ہمارا رشتہ دار ہے سو وا ضح ہو کہ ہم ایسے رشتوں کی کوئی پروا نہیں کرتے۔ ہمارے رشتے سب اللہ تعالیٰ کے واسطے ہیں۔ عزیز احمد کا باپ خود ہم سے برگشتہ ہے اور ہم اس کو اپنا بیٹا نہیں سمجھتے تو پھر عزیز احمد کا پوتا ہونا کیسا؟ عزیز احمد کو چاہیئے تھا کہ اس معاملہ میں اوّل ہم سے مشورہ کرتا یا اس مثال کو دیکھتا جو پہلے میڈیکل کالج لاہور میں قائم ہو چکی تھی کہ جب طلباء نے لاہور میں اپنے پروفیسروں کی مخالفت میں سڑائیک کیا تھا تو جو لڑکے اس جماعت میں شامل تھے ان کو مَیں نے حکم دیا تھا کہ وہ اس مخالفت میں شامل نہ ہوں اور اپنے استادوں سے معافی مانگ کر فوراً کالج میں داخل ہو جاویں۔ چنانچہ انہوں نے میرے حکم کی فرمانبرداری کی اور اپنے کالج میں داخل ہو کر ایک ایسی نیک مثال قائم کی کہ دوسرے طلباء بھی فوراً داخل ہو گئے۔ عزیز احمد کو اس واقعہ کی خبر ہو گی کیونکہ اخبار میں چھپ چکا تھا۔ اور اگر خبر نہ ہوتی تو اس کے واسطے ضروری تھا کہ اوّل مجھ سے مشورہ کرتا یا اپنے ساتھیوں کے مشورہ پر چلتا۔ اس کا علیگڑھ میں جانا بھی اس کے باپ کے مشورہ اور حکم سے تھا نہ کہ ہمارا اس میں کوئی حکم تھا۔ لیا ہی مخالفتِ استادان میں شمولیت ہمارے کسی تعلق کی وجہ سے نہیں اور اسی وجہ سے اس کو خارج از بیعت کیا جاتا ہے جب تک کہ وہ اپنے فعل سے توبہ کر کے اپنے استادوں سے معافی نہ مانگے[1] ہاں دوسرے طلباء مولوی غلام محمد صاحب وغیرہ نے علی گڑھ جانے سے پہلے ہم سے مشورہ لیا تھا اور ہم نے یہی مشورہ دیا تھا کہ وہاں کے لڑکوں کی صحبت سے بچتے رہیں اور کسی بدی میں شامل نہ ہوں تو ہرج نہیں کہ وہاں جائیں۔ انسان ضرورتاً پاخانہ میں بھی جاتا ہے مگر اپنے

---

[1] **مرزا عزیز احمد صاحب کی تجدید بیعت**

مرزا عزیز احمد صاحب نے میانوالی سے جہاں آپ بتقریب موسمی رخصت مقیم ہیں مفصلہ ذیل خط حضرت کی خدمت میں بھیجا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

بخدمت امام زمان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام — السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

فدوی اپنے گذشتہ قصوروں کی معافی طلب کرتا ہے اور التجا کرتا ہے کہ اس خاکسار کی گذشتہ کوتاہیوں کو معاف کر کے زمرۂ تابعین میں شامل کیا جائے۔ نیز اس عاجز کے حق میں دُعا فرماویں کہ آئندہ اللہ تعالیٰ ثابت قدم رکھے۔

حضور کا عاجز — عزیز احمد"

اس کے جواب میں حضرت صاحب نے فرمایا کہ:۔

ہم وہ قصور معاف کرتے ہیں۔ آئندہ اب تم پرہیزگار اور سچے مسلمانوں کی طرح زندگی بسر کرو اور بُری صحبتوں سے پرہیز کرو۔ بُری صحبتوں کا انجام آخر بُرا ہی ہوا کرتا ہے"! (بدر جلد ۶ نمبر ۴۲ مورخہ ۱۷؍ اکتوبر ۱۹۰۷ء)

آپ کو نجاست سے بچائے رکھتا ہے۔

عاجز[1] کو مخاطب کر کے حضور نے فرمایا کہ:۔

ان باتوں کو عام اطلاع کے واسطے اخبار بدر میں شائع کر دیں[2]۔

وفاتِ مسیح علیہ السلام

مخالفین کے اس مذہب کا ذکر تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر چلے گئے ہیں اور پھر قیامت سے پہلے دُنیا میں آئیں گے اور چالیس سال تک اس زمین پر رہیں گے اور عیسائیوں کی خوب خبر لینگے اور اُن کو بتائیں گے کہ تمہارا دین باطل ہے اور کسرِ صلیب کریں گے اور پھر اس زمین پر فوت ہو جائیں گے۔

حضرت نے فرمایا کہ:۔

اس عقیدہ کو قرآن شریف کی اس آیت کے آگے پیش کرنا چاہیئے کہ

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ ۚ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ۚ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۔ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۔ (المائدہ: ۱۱۷، ۱۱۸)

"یعنی قیامت کے روز اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ کو کہیں گے کہ اے عیسیٰ بن مریم کیا تُو نے لوگوں کو یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو خُدا کر کے مانو اور اللہ کو چھوڑ دو؟ تو حضرت عیسیٰ جواب دیں گے کہ یا اللہ تُو پاک ہے مجھے کب لائق تھا کہ مَیں ایسا کلمہ بولتا جو حق نہیں ہے۔ اگر مَیں کہتا تو تجھے معلوم ہوتا۔ تُو جانتا ہے جو کچھ کہ میرے نفس میں ہے اور مَیں نہیں جانتا کہ تیرے نفس میں کیا ہے تُو علام الغیوب ہے۔ مَیں نے تو انہیں سوائے اس کے کچھ نہیں کہا جو تُو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے اور جب تک کہ مَیں ان میں رہا۔ مَیں اُن کا

---

[1] یعنی ایڈیٹر صاحب بدر۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب (مرتب)

[2] بدر جلد ۶ نمبر ۱۱ صفحہ ۵ مورخہ ۱۴ مارچ ۱۹۰۷ء

نگران رہا اور جب تُو نے مجھے وفات دے دی اس کے بعد تو خود ان کا نگران تھا (مجھے کچھ خبر نہیں) اور تو ہر بات کو دیکھتا ہے۔"

اب اس جگہ سوچنے کے قابل یہ بات ہے کہ قیامت کا دن ہوگا اور سب لوگ اللہ تعالیٰ کے حضور میں کھڑے ہوں گے اور وہ گھڑی ہوگی جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ ھٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُھُمْ (المآئدۃ : ۱۲۰) وہ دن ہوگا جبکہ سچ بولنے والوں کو ان کا سچ نفع دے گا۔ اچھا تو ایسے وقت میں حضرت عیسٰےؑ خدا تعالیٰ کو یہ کہیں گے کہ میں جب تک دُنیا میں تھا تب تو اُن کو وحدانیت کا وعظ کرتا تھا۔ بعد کی خبر نہیں انہیں کیا ہوگیا۔ قطع نظر اس بات کے کہ وہ اس وقت زمین میں مدفون ہیں یا کہیں آسمان پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس جگہ یہ امر سب سے زیادہ قابلِ غور ہے کہ اگر وہ قیامت سے پہلے دُنیا میں آئیں گے اور چالیس سال تک رہیں گے اور عیسائیوں کو انہیں اور ان کی ماں کو خدا بنانے کے سبب خوب سزا بھی دیں گے اور پھر ان کی اصلاح بھی کریں گے اور ماننے والوں کو مسلمان بنائیں گے تو پھر قیامت کے دن اُن کا جواب یہ کیوں ہونا چاہیئے کہ مجھے تو کچھ خبر نہیں کہ میرے بعد کیا ہوا اور کیا نہ ہوا بلکہ انہیں تو یہ جواب دینا چاہیئے کہ اے باری تعالیٰ میں نے تو ان کے ایسے عقیدے کے سبب ان کو خوب سزائیں دی ہیں اور ان کی صلیب کو توڑا ہے اور چالیس سال تک اُن کی خوب خبر لی ہے۔

سو دیکھنا چاہیئے کہ اگر مسیح دوبارہ دنیا میں آوے گا تو کیا اس کا یہ جواب جو قرآن شریف میں درج ہے سچا ہوگا اور اگر ان ملّانوں کی بات درست مان لی جاوے تو روزِ قیامت حضرت عیسٰیؑ کو ایسا جواب دینے سے کیا انعام ملے گا؟ نادان یہ بھی نہیں جانتے کہ ایسی باتیں بنا کر وہ ایک خدا کے نبی کو نعوذ باللہ جھوٹ بولنے والا قرار دے رہے ہیں اور پھر جھوٹ بھی قیامت کے دن اور پھر وہ بھی خدا تعالیٰ کے دربار میں نعوذ باللہ من ذالک۔

خشیتِ الٰہی ایمان سے پیدا ہوتی ہے

ذکر تھا کہ باوجود اس قدر وبا اور تکالیف کے لوگوں میں شوخی بڑھی ہوئی ہے اور کچھ پروا نہیں کرتے۔ فرمایا:۔

خدا تعالیٰ پر پورا ایمان ہو تو انسان کے دل میں خوف اور خشیت بھی ہوتی ہے۔ جیسے ایمان کم ہوتا جاتا ہے ویسے ہی خشیت بھی کم ہوتی جاتی ہے۔

دنیا میں عذابِ الٰہی کا باعث شوخی اور تکذیب ہے

فرمایا:۔

میرا مذہب سچائی کے ساتھ اس بات پر قائم ہے کہ جس قدر لوگ نُوحؑ اور لُوطؑ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا دیگر پیغمبروں کے زمانہ میں ہلاک ہوئے اگر وہ انبیاء کے ساتھ شوخی سے پیش نہ آتے اور ان کی تکذیب نہ کرتے تو معمولی طور پر زندگی بسر کرتے۔ دنیا میں جو گناہ فسق و فجور

کے کرتا ہے ان کے واسطے جزا کا وقت آخرت میں رکھا گیا ہے۔ اس دنیا میں عذاب جب آتا ہے وہ انبیاء کی تکذیب کی وجہ سے زیادہ تر آتا ہے۔ اگر فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بدسلوکی نہ کرتا تو چند دن اور دُنیا میں سلطنت کر لیتا۔ معمولی گناہوں کے واسطے محاسبہ اور مؤاخذہ کا دن قیامت ہے۔ لیکن وہ گناہ جس پر خدا تعالیٰ بڑی غیرت دکھلاتا ہے وہ اس کے فرستادوں کی تکذیب اور اُن کے ساتھ شوخی سے پیش آنا ہے جبکہ شوخی حد سے بڑھ جاتی ہے اور خدا تعالیٰ کے پاک نبیوں کو دُکھ دیا جاتا ہے اور اس کے برخلاف ظلم اور شرارت اور بدمعاشی سے کام لیا جاتا ہے تو اس وقت خدا تعالیٰ ایسے لوگوں کو اسی دُنیا میں عذاب کا مزا چکھاتا ہے۔ اگر یہ لوگ انکسار اختیار کرتے تو ہلاک نہ ہوتے۔ حضرت عیسیٰ نے اپنے مخالفوں کو کہا تھا کہ تم کنجروں سے بدتر ہو کیونکہ وہ گناہ کرتے ہیں پر اپنے آپ کو گناہگار سمجھ کر انکسار اختیار کرتے ہیں اور تم گناہ کرتے ہو اور اس پر خوش ہوتے ہو اور کارِ ثواب جانتے ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنے پاک کلام میں فرماتا ہے مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَ اٰمَنْتُمْ (النسآء ۱۴۸) یعنی اگر تم شکریہ ادا کرو اور ایمان لاؤ تو خدا نے تمہیں عذاب کر کے کیا لینا ہے۔ یہ تمہارے بداعمال ہی تم کو عذاب میں گراتے ہیں۔

امریکہ میں تبلیغ

یہ اعتراض ناجائز ہے کہ امریکہ میں آپ کی تبلیغ نہیں پہنچی پھر وہاں عذاب کیوں آیا۔ ہماری تبلیغ بہت ہو چکی ہے۔ ابتداء میں مَیں نے ایک اشتہار سولہ ہزار چھپوا کر یورپ امریکہ میں روانہ کیا تھا اور اسی اشتہار کو پڑھ کر امریکہ سے محمد ویب نے خط و کتابت شروع کی تھی جبکہ وہ مسلمان بھی نہ ہوا تھا۔ اس کے بعد ڈوئی کے متعلق پیشگوئی کے اشتہارات امریکہ میں کثرت سے تقسیم ہوئے اور امریکہ کی بہت سی اخباروں میں ہماری تصویر اور ہمارے حالات چھپے جس کو لاکھوں آدمیوں نے پڑھا اور ان کے درمیان اس سلسلہ کی تبلیغ ہو چکی ہے۔

عذاب کے متعلق سنتِ الٰہی

علاوہ ازیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ قدیم سے سُنت اللہ اسی طور پر جاری ہے کہ جب عذابِ الٰہی آتا ہے تو بدوں کے ساتھ جو نیک ملے جلے ہوتے ہیں۔ اُن میں سے بھی بعض کو پیٹتا ہے۔ پھر اُن کا حشر اپنے اپنے اعمال کے مطابق ہوتا ہے۔ دیکھو حضرت موسیٰؑ کے وقت میں پلوٹھے ہلاک ہوئے تھے تو پلوٹھوں کا اس میں کیا قصور تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں قحط پڑا۔ تو ظاہر ہے کہ اس کا اثر سب پر ہوا تھا نہ یہ کہ صرف بعض پر ہوا ہو۔ یہ لوگ سُنت اللہ سے بے خبر ہیں جو اس قسم کے اعتراض کرتے ہیں۔

صدقات اور توبہ سے بَلا ٹل جاتی ہے

فرمایا:- تمام مذاہب کے درمیان یہ امر متفق ہے کہ صدقہ خیرات کے ساتھ بَلا ٹل جاتی ہے اور بَلا کے آنے کے متعلق اگر خدا تعالیٰ پہلے سے خبر دے تو وہ وعید کی

پیش گوئی ہے۔ پس صدقہ وخیرات سے اور توبہ کرنے اور خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے سے وعید کی پیش گوئی بھی ٹل سکتی ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اس بات کے قائل ہیں کہ صدقات سے بلا ٹل جاتی ہے۔ ہندو بھی مصیبت کے وقت صدقہ خیرات دیتے ہیں۔ اگر بلا ایسی شئے ہے کہ ٹل نہیں سکتی تو پھر صدقہ خیرات سب عبث ہو جاتے ہیں۔

آتھم اور لیکھرام کا رویّہ

آتھم اور لیکھرام میں بھی فرق تھا کہ پیش گوئی کو سُن کر آتھم خوف کھا گیا۔ اسی وقت بھری مجلس میں کانوں کو ہاتھ لگا کر کہنے لگا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی گالی نہیں دی۔ اور تمام شوخیاں چھوڑ دیں۔ اس واسطے اس کو چند روز اور مہلت مل گئی۔ لیکن برخلاف اس کے لیکھرام نے شوخی اختیار کی اور روز بروز شوخی میں بڑھتا گیا۔ پس اس کو میعاد کے دنوں کی بھی پوری مہلت نہ دی گئی۔ اگر وہ بھی آتھم کی طرح خاموش ہو جاتا اور خدا سے ڈرتا تو اس کے ایام میں بھی تاخیر دی جاتی۔ ایسا ہی احمد بیگ نے چونکہ کوئی نمونہ نہ دیکھا ہوا تھا۔ اُس نے خوف نہ کھایا اور جلد ہلاک ہوا اور پچھلے خوفزدہ ہو گئے اور مہلت حاصل کی۔

یہ کبھی نہیں ہوا کہ کسی نبی کو سب نے مان لیا ہو۔ اختلاف تو ضرور ہوتا ہی ہے۔ کچھ نہ کچھ مخالفت ضرور باقی رہتی ہے۔ ہر نبی کے وقت میں ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے۔

قرآن مشکل نہیں ہے

فرمایا:۔ بعض نادان لوگ کہا کرتے ہیں کہ ہم قرآن شریف کو نہیں سمجھ سکتے اس کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہیئے کہ یہ بہت مشکل ہے۔ یہ ان کی غلطی ہے۔ قرآن شریف نے اعتقادی مسائل کو ایسی فصاحت کے ساتھ سمجھایا ہے جو بے مثل اور بے مانند ہے اور اس کے دلائل دلوں پر اثر ڈالتے ہیں یہ قرآن ایسا بلیغ اور فصیح ہے کہ عرب کے بادیہ نشینوں کو جو بالکل ان پڑھ تھے سمجھا دیا تھا تو پھر اب کیونکر اس کو نہیں سمجھ سکتے۔[1]

قبل از نماز عصر

تفریحی سفر

ریاست جموں کے ایک معزز ہندو اہلکار ساکن قادیان حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر تھے۔ اثنائے گفتگو میں انہوں نے کشمیر کی آب و ہوا کی تعریف کرتے ہوئے عرض کیا کہ جناب بھی کبھی کشمیر کی سیر کے واسطے تشریف لاویں۔

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۱۲ صفحہ ۴-۵ مورخہ ۲۱ مارچ ۱۹۰۷ء

فرمایا:۔

ہمارا یہ مذہب نہیں کہ صرف تفریح کے واسطے یا سیر و تماشا کے واسطے کوئی سفر کریں۔ ہاں جس دینی کاروبار میں ہم مصروف ہیں اگر اس کی ضرورتوں میں ہم کو کوئی سفر پیش آجاوے۔ اور خدمتِ دین کے واسطے کشمیر جانا بھی ضروری پڑ جاوے تو پھر ہم تیار ہیں کہ اس ملک کو جاویں۔

آریوں کیلئے قابلِ توجہ

رسالہ جدیدہ "قادیان کے آریہ اور ہم" کا تذکرہ تھا۔ فرمایا کہ:۔ سُنا گیا تھا کہ مخاطب آریوں میں سے ایک کہتا تھا کہ ہم بذریعہ اشتہار شبھ چنتک کے مضمون کی تردید کر دیتے ہیں حضرت صاحب رسالہ نہ لکھیں۔ مگر ہم نے کہا کہ اب رسالہ کا نکلنا نہیں رُک سکتا۔ ان کو چاہیئے کہ بعد رسالہ کے نکلنے کے تصدیق یا تکذیب میں قسم کھالیں۔ تمام ہندوستان کے آریوں کو چاہیئے کہ اس امر پر غور کریں۔ ان کے واسطے اسلام پر حملہ کرنا حرام ہے جب تک کہ اس بات کا فیصلہ نہ کریں۔ اُن کو چاہیئے کہ ایک ڈیپوٹیشن بنا کر ملاوامل اور شرمپت کے پاس آویں اور ان کو حلف دے کر پوچھیں کہ کیا وہ ہمارے نشانات کے گواہ ہیں یا کہ نہیں ہیں؟ ہماری یہ ایک چھوٹی سی کتاب ہے مگر اس نے آریوں کا فیصلہ کر دیا ہے۔

تمام ادیانِ باطلہ پر حُجّت

فرمایا:۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ذریعہ سے تمام ادیانِ باطلہ پر حجت قائم کر دی ہے اور ہر ایک مذہب کے متعلق ایک ایسی بات پیش کی گئی ہے جو قطعاً لاجواب ہے۔ آریوں کے واسطے اوّل تو اسی کتاب کا مضمون ہے کہ خود آریہ ہمارے نشانات کے پورا ہونے کے گواہ ہیں جس سے وہ کبھی انکار نہیں کر سکتے۔ پھر ان کا مسئلہ نیوگ اندر ہی اندر ان کے دلوں کو ملزم اور خوار کر رہا ہے۔ پھر اُن کا یہ مذہب کہ خدا تعالیٰ کسی کا خالق نہیں وغیرہ ایسی باتیں ظاہر ہوئی ہیں کہ کوئی آریہ جواب نہیں دے سکتا۔ سکھوں کی ہدایت کے واسطے خدا تعالیٰ نے چولا صاحب ظاہر کر دیا ہے جس پر صاف لکھا ہے کہ اسلام کے سوائے کوئی مذہب مقبول نہیں اور اس سے ثابت ہے کہ باوا نانک کا مذہب کیا تھا۔ عیسائیوں کے خدا کی خود قبر ہی نکل آئی ہے اور ہمارے مخالف مسلمانوں پر بھی حجت قائم ہے کیونکہ قرآن شریف حضرت عیسیٰؑ کی وفات کا قائل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کو مُردوں میں دیکھا ہے[1]

مسیح موعودؑ کیلئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام

فرمایا:۔ یہ عجیب بات ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۱۱ صفحہ ۶ مورخہ ۱۴ مارچ ۱۹۰۷ء

نے مسیح موعود کو سلام کہا ہے اور وصیت کی ہے کہ مسیح موعود کو میرا سلام کہہ دینا۔ اب اگر آنے والا مسیح وہی ہے، جو آسمان پر نبیوں کے درمیان موجود ہے تو وہ تو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ہو کر دُنیا میں آئے گا۔ چاہیئے تھا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سلام لے کر مسلمانوں کے پاس آتا نہ یہ کہ جب وہ یہاں آوے تو اس جہان کے لوگ اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام پہنچائیں۔ یہ تو وہی مثل ہوئی کہ "گھر سے میں آؤں اور خبریں تم سناؤ" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سلام پیغام صاف بتلاتا ہے کہ وہ اُمت میں سے پیدا ہونے والا ایک شخص ہے جس کی ملاقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں ہوئی۔[1]

بلا تاریخ[2]

عورتوں کیلئے ضروری نصائح

(رقم فرمودہ حضرت صاحبزادہ بشیر الدین محمود احمد)

ایک لڑکی کی اس کی ساس کے ساتھ اچھی طرح نہیں بنتی تھی۔ لڑکی نے بر سبیلِ شکایت اور گلہ کچھ عورتوں کے سامنے کہا کہ بُرا مقام ہے جس میں میری ساس وغیرہ رہتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کو بہت بُرا منایا کہ :۔

شہر تو کوئی بُرا ہوتا ہی نہیں۔ اگر کسی شہر کو بُرا کہا جائے تو اس سے مُراد اس کے شہر والے ہوتے ہیں پس نہایت قابلِ افسوس ہے اس عورت کی حالت جو ایسا فقرہ اپنی زبان پر لاتی ہے یا اور اس طرح اپنے خاوند اور اس کے والدین کی بُرائی کرتی ہے۔

اور اس کے بعد اس عورت کو بہت سمجھایا اور کہا کہ :۔

خدا تعالیٰ ایسی باتیں پسند نہیں کرتا۔ یہ مرض عورتوں میں بہت کثرت سے ہوا کرتا ہے کہ وہ ذرا سی بات پر بگڑ کر اپنے خاوند کو بہت کچھ بھلا بُرا کہتی ہیں بلکہ اپنی ساس اور سُسر کو بھی سخت الفاظ سے یاد کرتی ہیں۔ حالانکہ وہ اس کے خاوند کے بھی قابلِ عزت بزرگ ہیں۔ وہ اس کو ایک معمولی بات سمجھ لیتی ہیں اور ان سے لڑنا وہ

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۱۳ صفحہ ۹ مورخہ ۲۸ مارچ ۱۹۰۷ء

[2] یہ ملفوظات "اندرونی ڈائری" کے زیرِ عنوان الحکم نے شائع کئے جن پر کوئی تاریخ درج نہیں۔ "اندرونی ڈائری" کا مطلب یہ ہے کہ گھر کے اندر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو ارشادات فرمائے۔ (مرتب)

ایسا ہی سمجھتی ہیں جیسا کہ محلہ کی اَور عورتوں سے جھگڑا۔ حالانکہ خدا تعالیٰ نے ان لوگوں کی خدمت اور رضا جوئی ایک بہت بڑا فرض مقرر کیا ہے یہانتک کہ حکم ہے کہ اگر والدین کسی لڑکے کو مجبور کریں کہ وہ اپنی عورت کو طلاق دیدے تو اس کے لڑکے کو چاہیئے کہ وہ طلاق دیدے۔ پس جبکہ ایک عورت کی ساس اور سُسر کے کہنے پر اس کو طلاق مِل سکتی ہے تو اَور کونسی بات رہ گئی ہے۔ اس لیے ہر ایک عورت کو چاہیئے کہ ہر وقت اپنے خاوند اور اس کے والدین کی خدمت میں لگی رہے اور دیکھو کہ عورت جو کہ اپنے خاوند کی خدمت کرتی ہے تو اس کا کچھ بدلہ بھی پاتی ہے۔ اگر وہ اس کی خدمت کرتی ہے تو وہ اس کی پرورش کرتا ہے مگر والدین تو اپنے بچہ سے کچھ نہیں لیتے وہ تو اس کے پیدا ہونے سے لے کر اس کی جوانی تک اس کی خبر گیری کرتے ہیں اور بلا کسی اجر کے اس کی خدمت کرتے ہیں اور جب وہ جوان ہوتا ہے تو اس کا بیاہ کرتے اور اس کی آئندہ بہبودی کے لیے تجاویز سوچتے اور اس پر عمل کرتے ہیں اور پھر جب وہ کسی کام پر لگتا ہے اور اپنا بوجھ آپ اُٹھانے اور آئندہ زمانہ کے لیے کسی کام کرنے کے قابل ہو جاتا ہے تو کس خیال سے اس کی بیوی اس کو اپنے ماں باپ سے جُدا کرنا چاہتی ہے یا کسی ذرا سی بات پر سب وشتم پر اُتر آتی ہے اور یہ ایک ایسا ناپسند فعل ہے جس کو خدا تعالیٰ اور مخلوق دونو ناپسند کرتے ہیں۔

خدا تعالیٰ نے انسان پر دو ذمہ واریاں مقرر کی ہیں۔ ایک حقوق اللہ اور ایک حقوق العباد۔ پھر اس کے دو حصے کئے ہیں یعنی اوّل تو ماں باپ کی اطاعت اور فرماں برداری اور پھر دوسری مخلوق الٰہی کی بہبودی کا خیال۔ اور اسی طرح ایک عورت پر اپنے ماں باپ اور خاوند اور ساس سُسر کی خدمت اور اطاعت۔ پس کیا بدقسمت ہے جو اِن لوگوں کی خدمت نہ کر کے حقوقِ عباد اور حقوق اللہ دونو کی بجا آوری سے مُنہ موڑتی ہے۔

کسی نام سے بُری فال لینا

کسی لڑکی کا نام جنّت تھا۔ کسی شخص نے کہا کہ یہ نام اچھا نہیں کیونکہ بعض اوقات انسان آواز مارتا ہے کہ جنّت گھر میں ہے؟ اور اگر وہ نہ ہو تو گویا اس سے ظاہر ہے کہ دوزخ ہی ہے۔ یا کسی کا نام برکت ہو اور یہ کہا جائے کہ گھر میں برکت نہیں تو گویا نحوست ہوئی۔ فرمایا:۔

یہ بات نہیں ہے۔ نام کے رکھنے سے کوئی ہرج نہیں ہوتا اور اگر کوئی کہے کہ برکت اندر نہیں ہے تو اس کا تو مطلب یہ ہے کہ وہ انسان اندر نہیں ہے نہ یہ کہ برکت نہیں یا اگر کہے کہ جنّت نہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ جنّت نہیں اور دوزخ ہے بلکہ یہ کہ وہ انسان اندر نہیں جس کا نام جنّت ہے۔

کسی اور نے کہا کہ حدیث میں بھی حرمت آئی ہے۔

فرمایا کہ:۔

میں ایسی حدیثوں کو ٹھیک نہیں جانتا اور ایسی حدیثوں سے اسلام پر اعتراض ہوتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کے

بتائے ہوئے نام عبداللہ، عبدالرحیم اور عبدالرحمٰن جو ہیں ان پر بھی بات لگ سکتی ہے۔ کیونکہ جب ایک انسان کہتا ہے کہ عبدالرحمٰن اندر نہیں تو اس کا یہ مطلب تو نہیں ہو سکتا کہ عبدالشیطان اندر ہے بلکہ یہ ہے کہ وہ شخص جس کا نام نیک فال کے طور پر رکھا جاتا ہے تا وہ شخص بھی اس نام کے مطابق ہو۔

بہادر شاہ ظفر سے انگریزوں کا سلوک

ذکر ہوا کہ خاندانِ مغلیہ کے آخری بادشاہ کے وقت جو کچھ انگریزوں نے سلوک کیا ہے اس پر ایک اخبار نے بہت سا شور مچایا ہے اور اس کو بُرا منایا ہے۔

فرمایا:۔

یہ بات نہیں۔ خدا تعالیٰ کسی قوم پر یا کسی خاص شخص پر ظلم نہیں کرتا۔ جب انسان خود کوئی گناہ کرتا ہے تو اس وقت اس کی تادیب کے لیے خدا تعالیٰ اس پر مصیبتیں نازل فرماتا ہے۔ بہادر شاہ سے اور اُس کے چند پہلے بزرگوں سے چونکہ بہت کچھ خطائیں سرزد ہوئیں۔ خدا تعالیٰ نے ان کو اس بات کے لائق نہ دیکھا کہ وہ حکومت کر سکیں۔ تب انگریزوں کو ان پر مسلط کر دیا۔ گر وہ ایسے کام نہ کرتے تو خدا تعالیٰ بھی ایسا نہ کرتا۔ بلکہ میرے خیال میں خدا تعالیٰ نے بہادر شاہ پر بہت بڑا احسان کیا کیونکہ اس طرح تکلیفیں برداشت کر کے اس کے گناہ معاف ہو گئے اور جو سلوک انگریزوں نے کیا وہ تو فاتح قومیں کیا ہی کرتی ہیں۔ اگر بہادر شاہ فتحیاب ہو جاتا تو کیا وہ ایسا نہ کرتا؟

معالج کیلئے ضروری صفات

ایک صاحب گھر میں آئے۔ طب کا ذکر شروع ہوا۔ فرمایا کہ:۔

طبیب میں علاوہ علم کے جو اس کے پیشہ کے متعلق ہے ایک صفت نیکی اور تقویٰ بھی ہونی چاہیئے ورنہ اس کے بغیر کچھ کام نہیں چلتا۔ ہمارے پچھلے لوگوں میں اس کا خیال تھا اور لکھتے ہیں کہ جب نبض پر ہاتھ رکھے تو یہ بھی کہے سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا (البقرۃ: ۳۳) یعنی اے خداوند بزرگ ہمیں کچھ علم نہیں مگر وہ جو تُو نے سکھایا۔

شفا محض اللہ کے فضل سے حاصل ہوتی ہے

فرمایا:۔ دیکھو پچھلے دنوں میں مبارک احمد کو خسرہ نکلا تھا اس کو اس قدر کھجلی ہوتی تھی کہ وہ پلنگ پر کھڑا ہو جاتا تھا اور بدن کی بوٹیاں توڑتا تھا۔ جب کسی بات سے فائدہ نہ ہوا تو مَیں نے سوچا کہ اب دُعا کرنی چاہیئے۔ مَیں نے دُعا کی اور دُعا سے ابھی فارغ ہی ہوا تھا کہ میں نے دیکھا کہ کچھ چھوٹے چھوٹے چوہوں جیسے جانور مبارک احمد کو کاٹ رہے ہیں۔ ایک شخص نے کہا کہ ان کو چادر میں باندھ کر باہر پھینک دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ جب میں نے بیداری میں دیکھا تو مبارک احمد کو بالکل آرام ہو گیا تھا۔ اسی طرح دستِ شفا جو مشہور ہوتے ہیں۔ اس میں کیا

ہوتا ہے وہی خدا تعالیٰ کا فضل اور کچھ نہیں۔

قبولیتِ دُعا کا ایک طریق

فرمایا کہ:۔
دُعا میں بعض دفعہ قبولیت نہیں پائی جاتی تو ایسے وقت اس طرح سے بھی دُعا قبول ہو جاتی ہے کہ ایک شخص بزرگ سے دُعا منگوائیں اور خدا تعالیٰ سے دُعا مانگیں کہ وہ اس مرد بزرگ کی دُعاؤں کو سُنے۔ اور بارہا دیکھا گیا ہے کہ اس طرح دُعا قبول ہو جاتی ہے۔ ہمارے ساتھ بھی بعض دفعہ ایسا واقعہ ہوا ہے اور پچھلے بزرگوں میں بھی دیکھا جاتا ہے۔ جیسا کہ باوا غلام فریدؒ ایک دفعہ بیمار ہوئے اور دُعا کی مگر کچھ بھی فائدہ نظر نہ آیا۔ تب آپ نے اپنے ایک شاگرد کو جو نہایت ہی نیک مرد اور پارسا تھے (شاید شیخ نظام الدینؒ یا خواجہ قطب الدینؒ) دُعا کے لیے فرمایا۔ انہوں نے بہت دُعا کی مگر پھر بھی کچھ اثر نہ پایا گیا۔ یہ دیکھ کر انہوں نے ایک رات بہت دُعا مانگی کہ اے میرے خدا۔ اس شاگرد کو وہ درجہ عطا فرما کہ اس کی دُعائیں قبولیت کا درجہ پائیں۔ اور صبح کے وقت ان کو کہا کہ آج ہم نے تمہارے لیے یہ دُعا مانگی ہے۔ یہ سُنکر شاگرد کے دل میں بہت ہی رقت پیدا ہوئی اور اس نے اپنے دل میں کہا کہ جب انہوں نے میرے لیے ایسی دُعا کی ہے تو آؤ پہلے انہیں ہی شروع کرو اور انہوں نے اس قدر زور شور سے دُعا مانگی کہ باوا غلام فریدؒ کو شفا ہو گئی۔

آفات کے وقت دُعا کی ضرورت

بارش سخت زور سے ہو رہی تھی اور کوئی وقت ایسا نہ ہوتا تھا کہ بادل پھٹے۔ مکانوں کے گرنے کا سخت اندیشہ ہو رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ

ہمیشہ بارشوں یا آندھیوں یا اور طوفانوں میں خدا تعالیٰ سے دُعا مانگنی چاہیئے کہ وہ ہمارے لیے اس عذاب میں کوئی بہتری کی ہی صورت پیدا کرے اور ہر ایک شر سے محفوظ رکھے جو اس سے پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح پیغمبرِ خُدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسے وقتوں میں دُعا مانگا کرتے تھے اور جب بارش یا آندھی آتی تھی تو گھبرائے سے معلوم ہوتے تھے اور کبھی اندر جاتے تھے اور کبھی باہر جاتے تھے کہ کہیں قیامت تو نہیں آگئی۔ گو قیامت کی بہت سی نشانیاں ان کو بتائی گئی تھیں اور ابھی مسیح کی آمد کا بھی انتظار تھا مگر پھر بھی وہ خیال کرتے تھے کہ خدا تعالیٰ بڑا بے نیاز ہے اس لیے سب کو چاہیئے کہ اس کی بے نیازی سے ڈرتے رہیں اور ہمیشہ ایسے موقعوں پر خصوصیت سے دُعائیں لگے رہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا مہد میں کلام

فرمایا کہ:۔
حضرت عیسیٰؑ کی نسبت لکھا ہے کہ وہ مہد میں بولنے لگے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ پیدا ہوتے ہی یا دو چار مہینہ کے بولنے لگے بلکہ اس سے مطلب ہے کہ جب وہ

دو چار برس بڑے ہوتے کیونکہ یہی وقت تو بچوں کا پنگھوڑوں میں کھیلنے کا ہوتا ہے اور ایسے بچے کے لیے باتیں کرنا کوئی تعجب انگیز امر نہیں۔ ہماری لڑکی امۃ الحفیظ بھی بڑی باتیں کرتی ہے۔[1]

۴؍مارچ ۱۹۰۶ء

دل کی استقامت کیلئے استغفار کی ضرورت

امرتسر سے برادر احمد حسین صاحب کا خط حضرت کی خدمت میں آیا جس میں دل کے خوف کا علاج حضرت سے پوچھا ہوا تھا اور لکھا تھا کہ سُنا گیا ہے کہ حضور نے فرمایا ہے کہ پچیس۲۵ دن سے پہلے سب لوگ یہاں چلے آئیں اور ڈوئی کے نشان پر مبارکباد تھی۔ اس کے جواب میں حضور نے تحریر فرمایا:۔

"دل کی استقامت کے لیے بہت استغفار پڑھتے رہیں۔"

آفات سے بچنے کا طریق

"اور میں نے کسی کو نہیں کہا کہ زلزلہ یا طاعون سے ڈر کر قادیان میں آجائیں۔ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہیں اور خدا تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہیں اور زلزلہ کے دن قریب آتے جاتے ہیں جس سے جانوں کا بہت نقصان ہوگا مگر نہیں معلوم کہ وہ نہایت سخت زلزلہ کب آئے گا۔ ڈوئی کا مرنا حقیقت میں بڑی فتح ہے۔ تمام اخباروں میں اس کا ذکر ہے۔"

ایک تازہ نشان

ذکر تھا کہ آجکل بہت سے شہروں میں سخت طاعون ہے اور قادیان کے اردگرد بھی بہت طاعون ہے۔ صرف گاؤں میں نسبتاً آرام ہے۔

فرمایا:۔

ہر ایک خبر کا حال نسبتاً ہی معلوم ہوتا ہے دوسری جگہوں میں قہرِ الٰہی کی آگ برس رہی ہے مگر جب سے کہ یہ الہام ہوا ہے کہ

"یا اللہ! اب شہر کی بلائیں بھی ٹال دے"

تب سے قادیان میں گویا امن ہے۔ یہ بھی ایک تازہ نشان ہے اور سوچنے والوں کے واسطے ازدیادِ ایمان کا موجب ہے۔

خواص کی موت کا نشان

ذکر آیا کہ اب تو اخباروں میں بڑے بڑے آدمیوں کے مرنے کی خبریں آرہی ہیں۔ فرمایا:۔

---

[1] الحکم جلد ۱۰ نمبر ۱۱ صفحہ ۱۰۔ ۱۱ مورخہ ۳۱؍مارچ ۱۹۰۶ء

یہ اس الہام الٰہی کے منشاء کے مطابق ہے جس میں خبر دی گئی ہے کہ مِنَ النَّاسِ وَ الْعَامَّۃِ یعنی طاعون میں اس حصّہ خاص کے لوگ بھی ہلاک ہوں گے اور عام بھی۔

جہنّم کا عذاب دائمی نہیں ہوگا

ایک دوست کا خط پیش ہوا کہ چکڑالوی مُلاں نے اپنا مذہب یہ شائع کیا ہے کہ جب انسان مرجاتا ہے تو ساتھ ہی رُوح بھی مَرجاتی ہے اور قیامت کے دن پھر ہر دو زندہ کئے جاویں گے تاکہ ایسا نہ ہو کہ کسی کو جو پہلے مرا ہے زیادہ مدت تک عذاب ہو اور جو قیامت کے قریب مرے گا اس کو عذاب تھوڑی مدت ہو۔

حضرت نے فرمایا:۔

یہ چکڑالوی کی جہالت کا خیال ہے۔ یہ اعتراض تو تب وارد ہو سکتا ہے جبکہ جہنّم کا عذاب ہمیشہ کے واسطے ہو جس سے انسان کے واسطے کبھی بھی چھٹکارا ہونے والا نہیں ہے اور ہمیشہ کے واسطے وہ جہنّم میں رہے گا۔ یہ مذہب بالکل غلط ہے اور قرآنِ شریف اور حدیث کے بالکل برخلاف ہے۔ قرآنِ شریف سے یہ امر ثابت ہے کہ ایک وقت عذاب کا گذار کر انسان رفتہ رفتہ عذاب جہنّم سے بچایا جائے گا۔ خدا تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ یہ بات بالکل غیر معقول ہے کہ جس انسان کو خدا تعالیٰ نے آپ پیدا کیا ہے اور وہ اس کی مخلوق ہے اور اس کی کی ہتھی میں اس کے خلق کا حصّہ ہے وہ اس کو ایسا عذاب دیدے کہ کبھی اس کے واسطے نجات ہی نہ ہو۔ یہ مذہب تو آریوں کا ہے کہ انسان کے واسطے نجات کبھی نہیں۔ وہ کسی نہ کسی جُون میں پڑا رہے گا، لیکن معلوم نہیں ہوتا ہے کہ لاکھوں کروڑوں کیڑے مکوڑے کب تک انسان بنیں گے۔ ایک ایک قطرے میں صدہا کیڑے پائے جاتے ہیں آریوں کا پرمیشر کیا دیالو ہے کہ کلجگ آگیا مگر تا حال کوئی صورت مکتی کی انسانوں کے واسطے پیدا نہیں ہوئی۔[1]

بلا تاریخ

بچّے کے کان میں اذان

حکیم محمد عمر صاحب نے فیروز پور سے دریافت کیا کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو مسلمان اس کے کان میں اذان کہتے ہیں۔ کیا یہ امر شریعت کے مطابق ہے یا صرف ایک رسم ہے؟ فرمایا:۔

یہ امر حدیث سے ثابت ہے اور نیز اس وقت کے الفاظ کان میں پڑے ہوئے انسان کے اخلاق اور حالات پر ایک اثر رکھتے ہیں۔ لہٰذا یہ رسم اچھی ہے اور جائز ہے۔

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۱۳ صفحہ ۴ مورخہ ۲۸ مارچ ۱۹۰۷ء

نشان کے پورا ہونے پر دعوت دینا جائز ہے

خانصاحب عبدالحمید نے کپورتھلہ سے حضرت کی خدمت میں ڈوئی کے شاندار نشان کے پورا ہونے کی خوشی پر دوستوں کو دعوت دینے کی اجازت حاصل کرنے کے واسطے خط لکھا۔

حضرت نے اجازت دی اور فرمایا کہ :-

تحدیث بالنعمۃ کے طور پر ایسی دعوت کا دینا جائز ہے۔

مسافر کی تعریف

ایک صاحب محمد سعید الدین کا ایک سوال حضرت کی خدمت میں پیش ہوا کہ میں اور میرے بھائی ہمیشہ تجارت عطریات وغیرہ میں سفر کرتے رہتے ہیں کیا ہم نماز قصر کیا کریں۔ فرمایا :-

سفر تو وہ ہے جو ضرورتاً گاہے گاہے ایک شخص کو پیش آوے نہ یہ کہ اس کا پیشہ ہی یہ ہو کہ آج یہاں کل وہاں اپنی تجارت کرتا پھرے۔ یہ تقویٰ کے خلاف ہے کہ ایسا آدمی آپ کو مسافروں میں شامل کر کے ساری عمر نماز قصر کرنے میں ہی گذار دے۔

صنعتِ کُفار سے فائدہ حاصل کرنا جائز ہے

ایک شخص کا سوال پیش ہوا کہ جب ریل دجّال کا گدھا ہے تو ہم لوگ اس پر کیوں سوار ہوں ؟ فرمایا :-

کُفار کی صنعت سے فائدہ اُٹھانا منع نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ گھوڑی کو گدھے کے ساتھ ملانا دجل ہے پس ملانے والا دجال ہے لیکن آپ برابر خچر پر سواری کرتے تھے۔ اور ایک کافر بادشاہ نے ایک خچر آپ کو بطور تحفہ کے بھیجی تھی اور آپ اس پر برابر سواری کرتے رہے[1]

---

۱۹ مارچ ۱۹۰۷ء

ڈوئی کی ہلاکت کا نشان

فرمایا :-

ڈوئی کے ساتھ کوئی ہمارا ذاتی جھگڑا نہ تھا بلکہ وہ مذہب عیسوی کا اس زمانہ میں ایک ہی پیغمبر تھا اور تمام دنیا کے مسلمانوں کو ہلاک کرنے کے واسطے دُعا اور کوشش میں مصروف

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۱۳ صفحہ ۴ مورخہ ۲۸ مارچ ۱۹۰۷ء

تھا۔ پس اس کی ہلاکت سے اسلام اور عیسائیت کے مابین فیصلہ ہو گیا ہے وہ جو حدیثوں میں آیا ہے کہ مسیح موعود خنزیر کو قتل کرے گا وہ خنزیر یہی ڈوئی تھا اور اتنا بڑا آدمی تھا کہ اس کے مرنے کی تاریں فوراً تمام دُنیا میں دی گئی تھیں اور صدہا اخباروں میں اس کا ذکر چھپا کرتا تھا اور سب لوگ اُسے بخوبی جانتے ہیں لیکھرام وغیرہ کے حالات تو اسی ملک میں محدود تھے اور ممکن ہے کہ ان کے متعلق پیشگوئی اور پھر ان کی موت کی خبر ان ممالک میں نہ پہنچی ہو۔ مگر اس کے متعلق کوئی ایسا نہیں کہہ سکتا۔ لیکھرام تو صرف پنجاب اور بعض علاقہ جاتِ ہند میں مشہور تھا ورنہ ایک گمنام اور بے نشان آدمی تھا لیکن ڈوئی کے نام اور حالات سے یورپ اور امریکہ کے بادشاہ بھی واقف تھے۔ اس نے ایک دفعہ دُنیا کے گرد دورہ کیا تھا اور ہند کے جزیرہ سیلون میں بھی آیا تھا۔ جو شخص ایسے عظیم الشان نشان کا بھی انکار کرے وہ بہت ہی بے حیا ہو گا اور اس کا جُرم قابلِ عفو نہ ہو گا۔ قدرتِ خدا! اُدھر ڈوئی مرا اِدھر بذریعہ الہام ہم کو اس کی موت کی خبر دی گئی اور ساتھ ہی الہام ہوا۔

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّادِقِیْنَ

یہ اس مباہلہ کی طرف اشارہ تھا جو اس کے اور میرے درمیان ہو چکا تھا کہ خدا تعالیٰ نے صادق کو فتح دی۔

لیکھرام کی موت

ذکر تھا کہ ایک آریہ کہتا تھا کہ ہم لوگ تناسخ کے قائل ہیں۔ ہم میں کوئی مرتا نہیں اور لیکھرام مرا نہیں بلکہ زندہ ہے۔

حضرت نے فرمایا:۔

لیکھرام نے جب خود مباہلہ کیا تھا۔ اپنے پرمیشر کے آگے وید پیش کر کے فیصلہ چاہا تھا کہ سچے اور جھوٹے کے درمیان فیصلہ ہو جائے اور میرے حق میں پیشگوئی کی تھی کہ مرزا صاحب تین سال میں مر جائیں گے اور مَیں نے خدا تعالیٰ سے الہام پا کر پیشگوئی کی تھی کہ وہ چھ سال میں مر جائے گا۔ تو پھر جب وہ اس مباہلہ کے نتیجہ میں مر گیا اور اپنی موت سے خود شہادت دے گیا کہ اسلام سچا ہے اور وید جھوٹے ہیں تو اب اس کو زندہ کہنا کیا معنے رکھتا ہے؟ اور اگر بہر حال تناسخ ہی درست ہوتا تو پھر بھی کسی کو کیا معلوم ہے کہ وہ کس کیڑے یا چرندے یا چار پائے کی جُون میں ہے اور کس عذاب اور دُکھ میں گرفتار ہے۔

ویدوں کی حیثیت

فرمایا:۔

تعجب ہے کہ آریہ لوگ ویدوں کے کیوں شیدائی بنے پھرتے ہیں۔ نہ اُن میں کوئی معجزہ ہے نہ کوئی نشان ہے نہ کوئی عمدہ تعلیم ہے۔ بلکہ ان لوگوں نے اس کو دیکھا نہیں۔ اس کو پڑھا نہیں۔ ان کے بڑے بڑے پنڈت اس کے فہم سے قاصر ہیں۔ کیونکہ اوّل تو سنسکرت خود مُردہ زبان ہے پھر ویدوں کی سنسکرت اَور بھی نرالی ہے۔ باوجود اس قدر جہالت کے یہ لوگ شوخیاں دکھاتے ہیں اور نہیں جانتے کہ شوخی

اچھی نہیں ہوتی۔اس کا انجام بد ہوتا ہے۔اپنی شوخیوں سے ہی آدمی مارا جاتا ہے۔

کثرتِ ملاقات کی برکات

سیالکوٹ کے ایک مولوی صاحب کا ذکر ہوا کہ وہ ایک جگہ مخالف مولویوں کے ساتھ مباحثہ کرنے گئے ہیں۔

فرمایا :۔

مباحثات کا حق ان کو نہیں پہنچتا کیونکہ وہ ہماری ملاقات سے بہت تھوڑا حصہ لیے ہوئے ہیں اوران کو ہماری صحبت میں رہنے کا اتفاق بہت تھوڑا ہوا ہے اور جو ہوا ہے اس کو بہت مدت گذر چکی ہے۔یہاں رات دن نئے دلائل پیدا ہوتے ہیں۔صرف کتابوں کے دیکھنے سے کام نہیں چلتا بلکہ حاضری شرط ہے کیونکہ علم میں دن بدن ترقی ہوتی ہے۔

حضرت مولوی محمد احسن صاحب کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا :۔

ہاں یہ حق آپ کو پہنچتا ہے کیونکہ آپ کی توجہ دن رات اسی کام کی طرف ہے۔پُرانی باتیں بھی آپ کے ذہن نشین ہیں اور تازہ باتیں بھی آپ کے دماغ میں ہیں اور آپ کو اس سلسلہ کے اموراور دلائل سے اچھی طرح واقفیت ہے جب تک ایسا آدمی نہ ہو اس سے خطرہ ہے کہ لاعلمی کے سبب کہیں ٹھوکر کھائے۔

مسلمان کیلئے فری میسن ہونا اِرتداد کا حکم رکھتا ہے

امیر کابل کا ذکر تھا کہ اس کے فری میسن ہونے کے سبب اس کی قوم اس پر ناراض ہے۔ فرمایا :۔

اس ناراضگی میں وہ حق پر ہیں کیونکہ کوئی موحد اور سچا مسلمان فری میسن میں داخل نہیں ہوسکتا۔اس کا اصل شعبہ عیسائیت ہے اور بعض مدارج کے حصول کے واسطے کھُلے طور پر بپتسمہ لینا ضروری ہوتا ہے۔اس لیے اس میں داخل ہونا ایک ارتداد کا حکم رکھتا ہے[1]

---

۲۰ ؍مارچ ۱۹۰۷ء

دُعا جامع کرنی چاہیئے

ایک دوست نے کسی خاص چیز کے حصول کے واسطے عرض کیا۔ فرمایا کہ :

یہی دُعا کرو کہ جو امر اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہتر ہے وہی ہوجائے کیونکہ بعض دفعہ انسان ایک چیز کو اپنے

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۱۳ صفحہ ۹ مورخہ ۲۸ ؍مارچ ۱۹۰۷ء

لیے بہتر سمجھ کر خدا تعالیٰ سے دُعا مانگتا ہے وہ حاصل ہو جاتی ہے لیکن اور شر اس سے پیدا ہوتا ہے جو پہلے شر سے بڑھ کر ہوتا ہے اس واسطے دُعا جامع کرنی چاہیئے۔ مَیں آپ کے واسطے دُعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ آپ کو محفوظ رکھے اور دراصل محفوظ رکھنے والا وہی ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کی دوبارہ آمد

فرمایا:۔
ایک دفعہ حضرت عیسیٰؑ زمین پر آئے تھے تو اس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ کئی کروڑ مشرک دُنیا میں ہو گئے۔ دوبارہ آکر وہ کیا بنائیں گے کہ لوگ ان کے آنے کے خواہشمند ہیں۔[1]

۱۲؍مارچ ۱۹۰۷ء

پھر بہار آئی تو آئے ثلج کے آنے کے دن[2]

فرمایا کہ:
دیکھو۔ ثلج کے آنے کے دن والی پیشگوئی کس طرح پوری ہو گئی اور مَیں نے اس کے دو پہلو لیے تھے ایک تو یہ کہ خدا تعالیٰ کچھ ایسے نشان دکھائے جن کی وجہ سے لوگوں پر حجت قائم ہو جائے اور دل تسکین پکڑ جائے اور دوسرا یہ کہ سخت بارش اور سردی اور ژالہ باری ہو جو ایک زمانہ دراز سے کبھی نہ ہوئی ہو۔ تو خدا تعالیٰ نے یہ دونو پہلو پورے کر دیئے۔ یہ نشان اس طرح متواتر ظہور میں آئے کہ نہ صرف پنجاب بلکہ یورپ اور امریکہ پر بھی حجت قائم ہو گئی یعنی ڈوئی کی موت سے۔ کیونکہ جب ڈوئی نے کہا کہ میں دُعا کرتا ہوں کہ اسلام بالکل تباہ ہو جائے اور اُمید کرتا ہوں کہ میری دُعا قبول ہو گی تو اس وقت مَیں نے ایک اشتہار شائع کیا اور اس میں ڈوئی سے مباہلہ کیا کہ تُو تو حضرت عیسیٰ کو خدا اور عیسائیت کو سچا سمجھتا ہے مگر مَیں اس کے برخلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایک انسان اور خدا تعالیٰ کا نبی مانتا ہوں اور اسلام کو سچا مذہب جانتا ہوں۔ پس ہم میں سے جو جھوٹا ہو گا وہ سچے کے سامنے مر جائے گا اور مَیں نے یہ بھی لکھا کہ اگر تُو مباہلہ نہ کرے گا تو بھی تُو ضرور ہلاک ہو گا۔ اس کے مقابلہ میں ڈوئی نے لکھا کہ میں کیڑوں مکوڑوں کا مقابلہ نہیں کرنا چاہتا اور اگر مَیں چاہوں تو اُن کو پاؤں کے نیچے کچل

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۱۹ صفحہ ۵ مورخہ ۹؍مئی ۱۹۰۷ء

[2] بدر میں یہ ملفوظات تشحیذ الاذہان سے نقل کئے گئے ہیں۔ (مرتب)

دوں۔ اور یہ ڈوئی امریکہ کا ایک شخص تھا جس کا دعویٰ تھا کہ مَیں نبی ہوں اور اس کا اثر امریکہ سے لے کر یورپ تک پڑا تھا اور کہتے ہیں کہ سات کروڑ روپے کا مالک تھا۔ پس اس مباہلہ کے بعد اس کا روپیہ چھینا گیا اور صیحون گاؤں جس کو اس نے بسایا تھا اس میں سے نکالا گیا۔ پھر فالج پڑا اور ایسا پڑا کہ پچکاری سے پاخانہ نکالتے تھے اور آخر فروری ۱۹۰۷ء میں مَر ہی گیا۔

پس یہ ایک نشان تھا جس نے تمام یورپ اور امریکہ پر اور سعد اللہ کی موت نے ہندوستان پر حجت قائم کر دی ہے۔ اور یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ شخص بھی ہمارا سخت دشمن تھا۔ پس ان دو نشانوں اور دوسرے کئی نشانوں نے مل کر دُنیا پر شُمع کی پیشگوئی کا پورا ہونا ثابت کر دیا۔ اور پھر یہی نہیں اصل الفاظ میں بھی یہ پیشگوئی کُھلے طور سے پوری ہو گئی یعنی اس موسم بہار کے موسم میں جیسا کہ لکھا گیا تھا کہ بہار کے موسم میں ایسا ہوگا۔ ایسی سخت سردی اور بارش اور ژالہ باری ہوئی ہے کہ دُنیا چیخ اُٹھی ہے۔ جیسا کہ آج (۱۲ر مارچ ۱۹۰۷ء) کو بھی بارش ہو رہی ہے اور سخت سردی پڑ رہی ہے۔ پس یاد رکھنا چاہیئے کہ کیسے کُھلے الفاظ میں اور کیسی صریح یہ پیشگوئی تھی جو کہ اپنے ہر ایک پہلو پر پُوری ہوئی۔

طاعون کا نشان

فرمایا:۔ ہندوستان میں چاروں طرف طاعون پھیل رہی ہے اور قریباً گیارہ برس ہو گئے کہ یہ مرض یہاں ترقی کر رہا ہے اور اب کے سال تو بہت ہی تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ معلوم نہیں کہ کب تک اس کا دور دورہ رہے کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب تک لوگ اپنے دلوں کو صاف نہیں کریں گے مَیں اس مرض کو نہیں ہٹاؤں گا۔ اور باوجود انگریزوں کے زور لگانے کے اس کا اب تک تو علاج کوئی نہیں نکلا۔ ٹیکہ ایجاد کیا وہ بھی ناکارہ ثابت ہوا۔ چُوہے مروائے اس سے بھی کچھ فائدہ نہ ہوا۔ اب مچھر مروانے کی کوشش کر رہے ہیں مگر طاعون اسی طرح تیزی پر شروع ہے بلکہ اَور بھی بڑھ رہا ہے۔ مگر مجھ کو خدا تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ تیرے گھر کی چار دیواری میں رہنے والوں کو اس مرض سے بچاؤں گا اور دیکھو کہ اب تک کئی دفعہ اس نواح میں سخت طاعون پڑ چکی ہے اور گاؤں کے گاؤں خالی ہو گئے ہیں اور خود قادیان میں بھی طاعون کئی دفعہ پڑ چکا ہے مگر اس گھر کو خدا تعالیٰ نے بچائے رکھا اور کوئی آدمی بھی اس مرض سے نہیں مَرا بلکہ اس گھر کا کوئی چُوہا بھی ہلاک نہیں ہوا۔ پس کیا ہی خدا تعالیٰ کا فضل اور رحم ہے۔[1]

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۱۷ صفحہ ۶ مورخہ ۲۵ر اپریل ۱۹۰۷ء

۲۸ مارچ ۱۹۰۷ء

(بوقتِ ظہر)

صدقہ جاریہ

ایک شخص کا خط حضرت کی خدمت میں پیش ہوا کہ انسان اپنی زندگی میں کس طرح کا صدقہ جاریہ چھوڑ جائے کہ مرنے کے بعد قیامت تک اس کا ثواب ملتا رہے۔

فرمایا کہ:۔

قیامت تک کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتے۔ ہاں ہر ایک عمل انسان کا جو اس کے مرنے کے بعد اس کے آثار دُنیا میں قائم رہیں وہ اس کے واسطے موجبِ ثواب ہوتا ہے۔ مثلاً انسان کا بیٹا ہو اور وہ اسے دین سکھلائے اور دین کا خادم بنائے تو یہ اسکے واسطے صدقہ جاریہ ہے جسکا ثواب اس کو ملتا رہے گا۔ اعمال نیت پر موقوف ہیں۔ ہر ایک عمل جو نیک نیتی کے ساتھ ایسے طور سے کیا جائے کہ اس کے بعد قائم رہے وہ اس کے واسطے صدقہ جاریہ ہے۔

طاعون سے بچنے کا طریق

ذکر ہوا کہ اس سال طاعون بہت پھیل رہی ہے اور پچھلے سالوں کی طرح صرف عام لوگ گرفتار نہیں ہوئے بلکہ خواص اور بڑے بڑے امیر ہلاک ہو رہے ہیں جیسا کہ اخباروں میں درج ہو رہا ہے۔

فرمایا:۔

باوجود اس سختی کے جو طاعون کے سبب وارد ہو رہی ہے لوگ اس طرف ابتک نہیں آتے کہ دُنیوی حیلے تو سب فضول ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف جُھکنا چاہیئے بلکہ ابھی تک لوگ یہی تجاویز پیش کرتے ہیں کہ مچھروں کو مارو اور پسوؤں کو مارو لیکن جب تک اپنے آپ کو مارنے کی طرف متوجہ نہ ہوں گے وہ کبھی نجات نہ پائیں گے۔

محنت کا پھل

ذکر تھا کہ جو لوگ دراصل خدا تعالیٰ کے عابد نہیں ہیں لیکن ریا کے طور پر یا غلط راہ پر چل کر لبی عبادتیں کرتے ہیں ان کو بھی کچھ کچھ ظاہری قبولیت اور فوائد حاصل ہو ہی جاتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا:۔

چونکہ ایک محنتِ شاقہ اُٹھاتے ہیں اس کا عوض کچھ نہ کچھ ان کو دے دیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک گبر چالیس سال تک ایک جگہ آگ پر بیٹھا رہا اور اس کی پرستش میں مصروف رہا۔ چالیس سال کے بعد جب وہ اُٹھا تو لوگ اس کے پاؤں کی مٹی آنکھ میں ڈالتے تھے تو اُن کی آنکھ کی بیماری اچھی ہو جاتی تھی۔ اس بات کو دیکھ کر ایک صوفی گھبرایا اور اس نے سوچا کہ جھُوٹے کو یہ کرامت کس طرح سے مل گئی اور وہ اپنی حالت میں مذبذب ہوگیا

اس پر ہاتف کی آواز اُسے پہنچی جس نے کہا کہ تُو کیوں گھبراتا ہے ہا سوچ کہ جب جھوٹے اور گمراہ کی محنت کو خدا تعالیٰ نے ضائع نہیں کیا تو جو سچا اُس کی طرف جائے گا اس کا کیا درجہ ہوگا؟ اور اس کو کس قدر انعام ملے گا تم اس زمانہ میں نہیں دیکھتے کہ پادری لوگ باوجود جھوٹے ہونے کے اپنی محنت کے سبب چالیس کروڑ اپنے ساتھ لیے پھرتے ہیں۔

توفّی کے معنی

فرمایا:-
آج علیگڑھ سے ماسٹر محمد دین صاحب کا خط آیا ہے۔ انہوں نے خوب لطیفہ لکھا ہے کہ مصر کے اخباروں میں بھی ڈوئی کے مرنے کی خبریں لکھی ہیں۔ ایک عربی اخبار تو لکھتا ہے کہ مَاتَ ڈوئی اور دوسرا لکھتا ہے کہ توفی ڈوئی۔ آپس میں تو انہوں نے فیصلہ کر دیا کہ توفی کے معنے مات کے ہیں لیکن ہمارے مولوی کہیں عربی اخباروں کو پڑھ کر اس کی جگہ بھی یہ معنے نہ کریں کہ ڈوئی مرا نہیں۔ آسمان پر چلا گیا ہے۔[1]

۱۴ر مارچ ۱۹۰۷ء

(بوقتِ سیر)

ایک الہام کا پورا ہونا

صبح نو بجے کے قریب حضرت اقدس مع خدام سیر کے واسطے باہر تشریف لے گئے۔ حکیم محمد حسین صاحب قریشی کی لڑکی کے فوت ہو جانے کا ذکر تھا۔ فرمایا:-
اُن کے خطوط اور تاریں آئی تھیں اور مَیں نے اُن کے واسطے دُعا کی تھی۔ وہ ہماری جماعت کے مخلص اور بڑی خدمت کرنے والے ہیں۔ ان کی لڑکی کے متعلق بہت دن پہلے الہام ہو چکا تھا کہ "لاہور سے افسوسناک خبر آئی"۔ ہمیں تو بہت فکر تھا کہ اس سے کیا مراد ہے اور اس وقت ایک آدمی بھی لاہور بھیجا تھا۔ اچھا خدا کرے کہ اب اتنے پر ہی اکتفا ہو۔

ظاہری اسباب کی رعایت

لاہور میں بیماری کا ذکر تھا کہ بہت پھیلتی جاتی ہے اور قریباً ہر محلہ میں اس کا اثر ہے فرمایا:-
یہ ہمارا حکم ہے۔ بہتر ہے کہ لاہور کے دوست اشتہار دے دیں کہ جس گھر میں چوہے مریں اور جس کے قریب بیماری ہو فوراً وہ مکان چھوڑ دینا چاہیئے اور شہر کے باہر کسی کھلے مکان میں چلا جانا چاہیئے۔ یہ خدا تعالیٰ کا حکم ہے۔ ظاہری اسباب کو ہاتھ سے نہیں دینا چاہیئے۔ گندے اور تنگ و تاریک مکانوں میں رہنا تو ویسے بھی

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۱۴ صفحہ ۶ مورخہ ۴ر اپریل ۱۹۰۷ء

منع ہے خواہ طاعون ہو یا نہ ہو۔ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ کا حکم ہے۔ ہر ایک پلیدی سے پرہیز رکھنا چاہیئے۔ کپڑے صاف ہوں۔ جگہ ستھری ہو۔ بدن پاک رکھا جائے۔ یہ ضروری باتیں ہیں اور دُعا اور استغفار میں مصروف رہنا چاہیئے۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی طاعون ہوئی تھی۔ ایک جگہ مسلمانوں کی فوج گئی ہوئی تھی۔ وہاں سخت طاعون پڑی۔ جب مدینہ شریف میں امیرالمؤمنین کے پاس خبر پہنچی تو آپ نے حکم لکھ بھیجا کہ فوراً اس جگہ کو چھوڑ دو اور کسی اونچے پہاڑ پر چلے جاؤ۔ چنانچہ وہ فوج اس سے محفوظ ہو گئی۔ اس وقت ایک شخص نے اعتراض بھی کیا کہ کیا آپ خدا تعالےٰ کی تقدیر سے بھاگتے ہیں؟ فرمایا۔ میں ایک تقدیرِ خداوندی سے دوسری تقدیرِ خداوندی کی طرف بھاگتا ہوں اور وہ کونسا امر ہے جو خدا تعالیٰ کی تقدیر سے باہر ہے۔

طاعون سے بچانیکے دو وعدے

فرمایا:۔

خدا تعالیٰ نے دو وعدے اپنی وحی کے ذریعہ سے کئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ اس گھر کے رہنے والوں کو طاعون سے بچائے گا جیسا کہ اس نے فرمایا ہے کہ اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ۔ دوسرا وعدہ اس کا ہماری جماعت کے متعلق ہے کہ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِکَ لَھُمُ الْاَمْنُ وَھُمْ مُّھْتَدُوْنَ (ترجمہ) جن لوگوں نے مان لیا ہے اور اپنے ایمان کے ساتھ کسی ظلم کو نہ ملایا۔ ایسے لوگوں کے واسطے امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔ اس میں خدا تعالیٰ کی طرف سے وعدہ ہے کہ جماعت کے وہ لوگ بچائے جائیں گے جو پوری طور سے ہماری ہدایتوں پر عمل کریں اور اپنے اندرونی عیوب اور اپنی غلطیوں کی مَیل کو دُور کر دیں گے اور اپنے نفس کی بدی کی طرف نہ جُھکیں گے بہت سے لوگ بیعت کر کے جاتے ہیں مگر اپنے اعمال درست نہیں کرتے۔ صرف ہاتھ پر ہاتھ رکھنے سے کیا بنتا ہے۔ خدا تعالےٰ تو دلوں کے حالات سے واقف ہے۔[1]

بلا تاریخ

ہمدردی اور احتیاط

سوال ہوا کہ طاعون کا اثر ایک دوسرے پر پڑتا ہے۔ ایسی صورت میں طبیب کے واسطے کیا حکم ہے؟

فرمایا:۔

طبیب اور ڈاکٹر کو چاہیئے کہ وہ علاج معالجہ کرے اور ہمدردی دکھائے لیکن اپنا بچاؤ رکھے۔ بیمار کے بہت قریب جانا اور مکان کے اندر جانا اس کے واسطے ضروری نہیں ہے وہ حال معلوم کر کے مشورہ دے۔ ایسا ہی خدمت کرنے والوں کے واسطے بھی ضروری ہے کہ اپنا بچاؤ بھی رکھیں اور بیمار کی ہمدردی بھی کریں۔

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۱۴ صفحہ ۷ مورخہ ۴ راپریل ۱۹۰۷ء

طاعون سے مرنے والا مومن شہید ہوتا ہے

سوال ہوا کہ طاعون زدہ کے واسطے کیا حکم ہے ؟

فرمایا :-
مومن طاعون سے مرتا ہے تو وہ شہید ہے ۔ شہید کے واسطے غسل کی ضرورت نہیں ۔

سوال ہوا کہ اس کو کفن پہنایا جائے یا نہیں ؟

فرمایا :-
شہید کے واسطے کفن کی ضرورت نہیں ۔ وہ انہیں کپڑوں میں دفن کیا جاوے ۔ ہاں اس پر ایک سفید چادر ڈال دی جائے تو ہرج نہیں ۔

اسمِ اعظم

ایک شخص کا سوال حضرت اقدس کی خدمت میں پیش ہوا کہ قرآنِ شریف میں اسمِ اعظم کونسا لفظ ہے ؟

فرمایا :-

اسمِ اعظم اللہ ہے

خواب کو پورا کرنا

ایک دوست نے حضرت کی خدمت میں اپنی بیوی کا خواب لکھا کہ "کسی شخص نے خواب میں میری بیوی کو کہا کہ تمہارے بیٹے پر بڑا بوجھ ہے اس پر سے صدقہ اُتار و اور کرو کہ چنے بھگو کر مٹی کے برتن میں رکھ کر اور لڑکے کے بدن کا کُرتہ اُتار کر اُس میں باندھ کر رات سوتے وقت سرہانے چارپائی کے نیچے رکھ دو اور ساتھ چراغ جلا دو صبح کسی غیر کے ہاتھ اُٹھوا کر چوراہے میں رکھدو" یہ خواب لکھ کر حضرت سے دریافت کیا کہ کیا جائز ہے کہ ہم خواب اسی طرح سے پورا کریں ۔

جواب میں حضرت نے تحریر فرمایا کہ :-

جائز ہے کہ اس طرح سے کریں اور خواب کو پورا کریں

دُعا میں صیغہ واحد کو جمع کرنا

ایک دوست کا سوال حضرت کی خدمت میں پیش ہوا کہ مَیں ایک مسجد میں امام ہوں بعض دُعائیں جو صیغہ واحد متکلم

میں ہوتی ہیں۔ یعنی انسان کے اپنے واسطے ہی ہو سکتی ہیں میں چاہتا ہوں کہ ان کو صیغہ جمع میں پڑھ کر مقتدیوں کو بھی اپنی دعا میں شامل کر لیا کروں اس میں کیا حکم ہے ؟

فرمایا:-

جو دعائیں قرآن شریف میں ہیں ان میں کوئی تغیر جائز نہیں کیونکہ وہ کلامِ الٰہی ہے وہ جس طرح قرآن شریف میں ہے اسی طرح پڑھنا چاہیئے۔ ہاں حدیث میں جو دعائیں آئی ہیں۔ اُن کے متعلق اختیار ہے کہ صیغہ واحد کی بجائے صیغہ جمع پڑھ لیا کریں [1]

یکم اپریل ۱۹۰۷ء

(بوقت سیر)

طاعون زدہ علاقوں کے احمدیوں کے واسطے حکم

صبح کو حضرت اقدس مع خدام باہر سیر کے واسطے تشریف لے گئے۔ راستہ میں عاجز راقم [2] کو مخاطب کر کے فرمایا کہ :-

اخبار میں چھاپ دو اور سب کو اطلاع کر دو کہ یہ دن خدا تعالیٰ کے غضب کے دن ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کئی بار مجھے بذریعہ وحی فرمایا ہے کہ غَضِبْتُ غَضَبًا شَدِیْدًا۔ آجکل طاعون بہت بڑھتا جاتا ہے اور چاروں طرف آگ لگی ہوئی ہے۔ میں اپنی جماعت کے واسطے خدا تعالیٰ سے بہت دعا کرتا ہوں کہ وہ اس کو بچائے رکھے۔ مگر قرآن شریف سے یہ ثابت ہے کہ جب قہرِ الٰہی نازل ہوتا ہے تو بدوں کے ساتھ نیک بھی پیسے جاتے ہیں اور پھر ان کا حشر اپنے اپنے اعمال کے مطابق ہو گا۔ دیکھو۔ حضرت نوحؑ کا طوفان سب پر پڑا۔ اور ظاہر ہے کہ ہر ایک مرد عورت اور بچے کو اس سے پورے طور پر خبر نہ تھی کہ نوحؑ کا دعویٰ اور اس کے دلائل کیا ہیں۔ جہاد میں جو فتوحات ہوئیں وہ سب اسلام کی صداقت کے واسطے نشان تھیں۔ لیکن ہر ایک میں کفار کے ساتھ مسلمان بھی مارے گئے۔ کافر جہنم کو گیا اور مسلمان شہید کہلایا۔ ایسا ہی طاعون ہماری صداقت کے واسطے ایک نشان ہے اور ممکن ہے کہ اس میں ہماری جماعت کے بعض آدمی بھی شہید ہوں۔ ہم خدا تعالیٰ کے حضور دعا میں مصروف ہیں کہ وہ ان میں اور غیروں میں تمیز قائم رکھے لیکن جماعت کے آدمیوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ صرف ہاتھ پر ہاتھ رکھنے سے

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۱۴ صفحہ ۶ مورخہ ۴ راپریل ۱۹۰۷ء

[2] حضرت مفتی محمد صادق صاحب ایڈیٹر بدر (مرتب)

کچھ نہیں بنتا جب تک کہ ہماری تعلیم پر عمل نہ کیا جاوے۔ سب سے اوّل حقوق اللہ کو ادا کرو۔ اپنے نفس کو جذبات سے پاک رکھو۔ اس کے بعد حقوقِ عباد کو ادا کرو اور اعمالِ صالحہ کو پورا کرو۔ خدا تعالیٰ پر سچا ایمان لاؤ اور تضرع کے ساتھ خدا تعالیٰ کے حضور میں دُعا کرتے رہو اور کوئی دن ایسا نہ ہو جس دن تم نے خدا تعالیٰ کے حضور رو کر دُعا نہ کی ہو۔ اس کے بعد اسبابِ ظاہری کی رعایت رکھو۔ جس مکان میں چوہے مرنے شروع ہوں اس کو خالی کر دو۔ اور جس محلہ میں طاعون ہو اس محلہ سے نکل جاؤ اور کسی کھُلے میدان میں جاکر ڈیرا لگاؤ۔ جو تم میں سے بتقدیرِ الٰہی طاعون میں مبتلا ہو جاوے اس کے ساتھ اور اس کے لواحقین کے ساتھ پوری ہمدردی کرو اور ہر طرح سے اس کی مدد کرو اور اس کے علاج معالجہ میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھو لیکن یاد رہے کہ ہمدردی کے یہ معنے نہیں کہ اس کے زہریلے سانس یا کپڑوں سے متاثر ہو جاؤ۔ بلکہ اس اثر سے بچو۔ اُسے کھُلے مکان میں رکھو اور جو خدانخواستہ اس بیماری سے مَر جائے وہ شہید ہے۔ اس کے واسطے ضرورت غُسل کی نہیں اور نہ نیا کفن پہنانے کی ضرورت ہے۔ اس کے وہی کپڑے رہنے دو اور ہو سکے تو ایک سفید چادر اس پر ڈال دو اور چونکہ مرنے کے بعد میّت کے جسم میں زہریلا اثر زیادہ ترقی پکڑتا ہے اس واسطے سب لوگ اس کے گرد جمع نہ ہوں۔ حسبِ ضرورت دو تین آدمی اس کی چارپائی کو اُٹھائیں اور باقی سب دُور کھڑے ہو کر مثلاً ایک سَو گز کے فاصلہ پر جنازہ پڑھیں۔ جنازہ ایک دُعا ہے اور اس کے واسطے ضروری نہیں کہ انسان میّت کے سر پر کھڑا ہو۔ جہاں قبرستان دُور ہو مثلاً لاہور میں سامان ہو سکے تو کسی گاڑی یا چھکڑے پر میّت کو لاد کر لے جاویں اور میّت پر کسی قسم کی جزع فزع نہ کی جاوے۔ خدا تعالیٰ کے فعل پر اعتراض کرنا گناہ ہے۔

اس بات کا خوف نہ کرو کہ ایسا کرنے سے لوگ تمہیں بُرا کہیں گے وہ پہلے کب تمہیں اچھا کہتے ہیں۔ یہ سب باتیں شریعت کے مطابق ہیں اور تم دیکھ لوگے کہ آخر کار وہ لوگ جو تم پر ہنسی کریں گے خود بھی ان باتوں میں تمہاری پیروی کریں گے۔

مکرراً یہ بہت تاکید ہے کہ جو مکان تنگ اور تاریک ہو اور ہوا اور روشنی خوب طور پر نہ آسکے اس کو بلا توقف چھوڑ دو کیونکہ خود ایسا مکان ہی خطرناک ہوتا ہے گو کوئی چوہا بھی اس میں نہ مَرا ہو اور حتی الامکان مکانوں کی چھتوں پر رہو۔ نیچے کے مکان سے پرہیز کرو اور اپنے کپڑوں کو صفائی سے رکھو۔ نالیاں صاف کراتے رہو سب سے مقدم یہ کہ اپنے دلوں کو بھی صاف کرو اور خدا تعالیٰ کے ساتھ پوری صلح کرلو۔

کتاب "قادیان کے آریہ اور ہم"

حضرت نے فرمایا ہے کہ کتاب "قادیان کے آریہ اور ہم" تمام دوست مرد اور عورت جو مقدرت رکھتے ہیں۔ ایک ایک جلد خرید فرما دیں اور نیز آریوں کے درمیان مفت تقسیم کرنے کے واسطے

خریدی جائے۔ کیونکہ یہ کتاب غلطی کے سبب ساری کی ساری ہر دو اخباروں میں یک دفعہ چھپ چکی ہے اور جس دوست کی ملکیت میں وہ کتاب ہے اس کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے[1]

۵/ اپریل ۱۹۰۷ء

ایک تازہ الہام

تازہ الہام حٰمٓ۔ تِلْكَ اٰيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِيْنِ۔ راز کھل گیا کا ذکر تھا۔ فرمایا:-

تفہیم یہی ہوئی ہے کہ یہ پیشگوئی ہے

سابقہ کتب کی مثال

پہلی کتابوں کا ذکر تھا جو منسوخ شدہ ہیں اور محرف ومبدل ہیں۔ فرمایا:-

اب ان کی مثال ایک مسمار شدہ عمارت کی طرح ہے۔ جس طرح کوئی عمارت گر جاتی ہے اور اسکی اینٹیں اُوپر نیچے کہیں کی کہیں جا پڑتی ہیں۔ پاخانے کی اینٹ باورچی خانے میں اور باورچی خانے کی اینٹ پاخانے میں چلی جاتی ہے۔ وہ مکانات اب اس قابل نہیں رہے کہ اُن میں رہائش اختیار کی جائے جو اُن کو اپنا مسکن بنائے وہ محلات میں رہنے والوں کی طرح آرام پا نہیں سکتا۔

دیسی جڑی بُوٹیاں

سیر میں بر لب سڑک خود رَو بوٹیوں کی طرف اشارہ کرکے اور حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب کو مخاطب کرکے حضرت اقدس نے فرمایا کہ:-

یہ دیسی بُوٹیاں بہت کارآمد ہوتی ہیں مگر افسوس کہ لوگ ان کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

حضرت مولوی صاحب نے عرض کیا کہ یہ بوٹیاں بہت مفید ہیں۔ گندلوں کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ ہندو فقیر لوگ بعض اسی کو جمع کر رکھتے ہیں اور اسی پر گذارا کرتے ہیں۔ یہ بہت مقوی ہے اور اس کے کھانے سے بواسیر نہیں ہوتی۔ ایسا ہی کنڈیاری کے فائدے بیان کئے جو پاس ہی تھی۔

حضرت نے فرمایا کہ:-

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۱۴ صفحہ ۵-۶ مورخہ ۴/ اپریل ۱۹۰۷ء

ہمارے ملک کے لوگ اکثر اُن کے فوائد سے بے خبر ہیں اور اس طرح توجہ نہیں کرتے کہ اُن کے ملک میں کیسی عمدہ دوائیں موجود ہیں جو کہ دیسی ہونے کے سبب اُن کے مزاج کے موافق ہیں۔[1]

۱۰ر اپریل ۱۹۰۷ء

(بوقت سیر)

اچھی تلاوت کو پسند فرمانا

صبح کو حضرت سیر کے واسطے تشریف لے گئے۔ خدام ساتھ تھے۔ حافظ محبوب الرحمٰن صاحب جو کہ اخویم منشی حبیب الرحمٰن صاحب رئیس حاجی پورہ اور بھائی جان منشی ظفر احمد صاحب کے عزیزوں میں سے ہیں ساتھ تھے۔ حضرت نے حافظ صاحب کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ:۔

یہ قرآن شریف اچھا پڑھتے ہیں اور میں نے اسی واسطے ان کو یہاں رکھ لیا ہے کہ ہر روز اُن سے قرآن شریف سُنا کریں گے۔ مجھے بہت شوق ہے کہ کوئی شخص عمدہ، صحیح، خوش الحانی سے قرآنِ شریف پڑھنے والا ہو تو اس سے سُنا کروں۔

پھر حافظ صاحب موصوف کو مخاطب کرکے حضرت نے فرمایا کہ:

آج آپ سیر میں کچھ سنائیں

چنانچہ تھوڑی دُور جاکر آپ نہایت سادگی کے ساتھ ایک کھیت کے کنارے زمین پر بیٹھ گئے اور تمام خدام بھی زمین پر بیٹھ گئے اور حافظ صاحب نے نہایت خوش الحانی سے سورہ دہر پڑھی جس کے بعد آپ سیر کے واسطے آگے تشریف لے گئے۔

اخبارات میں قرآن کریم کی آیات

فرمایا:۔

بڑا افسوس ہے کہ قرآنِ شریف کی جو آیات اخبار الحکم اور بدر میں لکھی جاتی ہیں اُن میں اکثر غلطیاں ہوتی ہیں۔ اخبار والوں کو بہت احتیاط کرنی چاہیئے۔

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۱۵ صفحہ ۱۰ مورخہ ۱۱ر اپریل ۱۹۰۷ء

مخالفین کا انجام

ذکر تھا کہ لیکھرام کی یادگار میں ایک رسالہ نکلتا ہے۔ چونکہ لیکھرام نے اپنا نام آریہ مسافر لکھا تھا اس واسطے اس رسالہ کا نام بھی آریہ مسافر رکھا گیا ہے
حضرت نے فرمایا کہ :۔
وہ تو اپنے اعتراضات کا جواب اپنی موت کے ساتھ آپ ہی دے گیا ہے۔ وہ مسافر بنا تھا۔ خدا تعالیٰ نے اُسے ایسا مسافر بنایا کہ پھر کبھی واپس نہ آیا۔

فرعون کہنے والے مرتے جاتے ہیں

ایسا ہی وہ تمام لوگ جو مجھے فرعون کہتے تھے ہلاک ہو گئے۔ محی الدین لکھو کے والے نے اپنا الہام شائع کیا تھا کہ مرزا صاحب فرعون ہیں۔ چراغ الدین نے بھی مجھے فرعون لکھا تھا۔ الٰہی بخش نے بھی مجھے فرعون لکھا۔ مگر یہ عجیب فرعون ہے کہ پہلا فرعون تو موسیٰ کے مقابلہ میں ہلاک ہو گیا تھا اور یہاں فرعون تو زندہ ہے اور موسیٰ دن بدن ہلاک ہوتے جاتے ہیں۔

نزولِ بلا کا وقت

فرمایا :۔
حدیثوں سے ثابت ہے کہ نزولِ بلا عموماً رات کے وقت اور بعد مغرب تاریکی پھیلنے کے وقت ہوتا ہے[1]

خدا تعالیٰ کے فعل پر اعتراض کرنا گستاخی ہے

فرمایا :۔
خدا تعالیٰ کے فعل پر اعتراض کرنا بڑی گستاخی ہے۔ یہ لوگ کس گنتی میں ہیں۔ ایک نبی (یونسؑ) بھی صرف لَنْ اَرْجِعَ اِلٰی قَوْمِیْ کَذَّابًا کہنے سے زیرِ عتاب ہوا دراصل خدا تعالیٰ کے کسی فعل پر شرح صدر نہ رکھنا ایک مخفی اعتراض ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوتا ہے وَلَا تَکُنْ کَصَاحِبِ الْحُوْتِ (القلم : ۴۹) ایسے امور میں مخاطب تو انبیاء ہوتے ہیں مگر دراصل سبق اُمت کو دینا منظور ہوتا ہے۔ ہمارے بارے میں حق کے فیصلہ کے لیے کس قدر کھلی ہوئی راہ ہے کہ کوئی ایسی بات نہیں جس کی نظیر اگلی اُمتوں میں موجود نہیں۔ دیکھو مسیح کی دوبارہ آمد کا مسئلہ ایلیا کی آمد سے کیسا صاف ہو جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے کہ اس پر دونوں قوموں کا باوجود اختلاف کے اتفاق ہے جیسا مسیح کے صلیب پر چڑھایا جانے کے بارے میں۔

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۱۷ صفحہ ۷ مورخہ ۲۵ اپریل ۱۹۰۷ء

آتھم جب رجوع والی شرط سے فائدہ اُٹھا کر پندرہ ماہ میں نہ مرا تو خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑاں والے نے کیا عمدہ جواب دیا کہ بعض اشخاص آسمان پر مر جاتے ہیں اور اللہ کا ولی اس کو مُردہ دیکھ لیتا ہے مگر دوسرے عوام الناس اس معرفت تک نہیں پہنچتے اور اعتراض کرتے ہیں۔

نبی کے مخالفین کی تباہی کا وقت

ان سب کی تہ میں وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ (ابراھیم : ۱۶) کا قانون کام کر رہا ہے۔ ہر نبی پہلے صبر کی حالت میں ہوتا ہے۔ پھر جب ارادۂ الٰہی کسی قوم کی تباہی سے متعلق ہوتا ہے تو نبی میں درد کی حالت پیدا ہوتی ہے۔ وہ دُعا کرتا ہے۔ پھر اس قوم کی تباہی یا خیر خواہی کے اسباب مہیا ہو جاتے ہیں۔ دیکھو نوح علیہ السلام پہلے صبر کرتے رہے اور بڑی مدت تک قوم کی ایذائیں سہتے رہے۔ پھر ارادۂ الٰہی جب اُن کی تباہی سے متعلق ہوا تو درد کی حالت پیدا ہوئی اور دل سے نکلا رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا (نوح: ۲۷) جب تک خدا تعالیٰ کا ارادہ نہ ہو وہ حالت پیدا نہیں ہوتی۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ سال پہلے صبر کرتے رہے۔ پھر جب درد کی حالت پیدا ہوئی تو قتال کے ذریعہ مخالفین پر عذاب نازل ہوا۔ خود ہماری نسبت دیکھو جب یہ شبھ چنتک جاری ہوا تو اس کا ذکر تک بھی نہیں کیا گیا۔ مگر جب ارادۂ الٰہی اس کی تباہی کے متعلق ہوا تو ہماری توجہ اس طرف بے اختیار ہو گئی اور پھر تم دیکھتے ہو کہ رسالہ ابھی اچھی طرح شائع بھی نہ ہونے پایا کہ خدا تعالیٰ کی باتیں پوری ہو گئیں۔

یہ جو کہا جاتا ہے کہ بعض اولیاء اللہ کو صفتِ خلق یا تکوین دی گئی۔ اس سے یہی مراد ہے کہ وہ اُن کی دُعا کا نتیجہ ہوتا ہے اور الٰہی صفت ایک پردہ میں ظاہر ہوتی ہے۔

اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا

یہ عیسائی اور آریہ کہتے ہیں کہ شمشیر کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کئے۔ ہم کہتے ہیں یہ بھی ایک دو برس تلوار چلا کر دیکھیں کوئی ان کے مذہب میں داخل ہوتا ہے یا نہیں۔ ایمان جو ایک قلبی معاملہ ہے ہم نہیں سمجھ سکتے تلوار کے ذریعہ کیونکر کسی کو شرح صدر حاصل ہو سکتا ہے۔

خدا تعالیٰ کی حکمت

اس میں بھی خدا تعالیٰ کی حکمت ہے کہ فلاں فلاں مسلمان عالم ہمارے سلسلہ میں داخل نہیں۔ اگر یہ داخل ہوتے تو خدا جانے کیا کیا فتنے برپا کرتے۔ لَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ (الانفال: ۲۴) یہ وہ وقت ہے جس کی تمام نبیوں نے خبر دی کہ اس وقت عام تباہی ہوگی اور کوئی ایسی آفت باقی نہ رہے گی جو دُنیا پر نازل نہ ہو۔ تضرّع کا مقام ہے۔[1]

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۱۹ صفحہ ۴ مورخہ ۹ رمئی ۱۹۰۷ء

۱۱؍اپریل ۱۹۰۶ء

(بوقتِ سیر)

غلام دستگیر قصوری کا مباہلہ

غلام دستگیر قصوری کے بارے میں ذکر تھا کہ بعض مخالفین کہتے ہیں۔ اس نے کب مباہلہ کیا؟

حضور نے فرمایا کہ:۔

یہ جو اس نے لکھا فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا (الانعام: ۴۶) اس کا مصداق بنا۔ اس فقرے کے اس کے سوا اور کیا معنے ہو سکتے ہیں کہ وہ ظالم کی ہلاکت کا خدا تعالیٰ سے خواستگار رہے اب اللہ تعالیٰ کے فعل نے بتا دیا کہ ظالم کون ہے۔ قرآن مجید میں بھی لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ (آل عمران: ۶۲) آیا ہے۔ یوں کھول کر تو نہیں کہا گیا کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اور اگر وہ جھوٹا ہے تو اس پر عذاب نازل ہو۔ گو اس کا مفہوم یہی ہے مگر یہ عبارت نہیں۔ ایسا ہی وہاں جو قصوری نے اپنی کتاب میں لکھا تو اس کا مطلب یہی تھا۔ پھر بطریق تنزّل ہم مان لیتے ہیں کہ اس نے صرف ہمارے لیے بد دُعا کی مگر اب بتاؤ کہ اس کی دُعا کا اثر کیا ہوا؟ کیا وہ الفاظ جو میرے حق میں کہے اور وہ دُعا جو میرے برخلاف کی اُلٹی اس پر ہی پڑی؟ اب بتلاؤ کہ کیا مقبولانِ الٰہی کا یہی نشان ہے کہ جو دعا وہ نہایت تضرع و ابتہال سے کریں اس کا اُلٹا اثر ہو اور اثر بھی یہ کہ خود ہی ہلاک ہو کر اپنے کاذب ہونے پر مُہر لگا جاویں۔ خصوصاً ایسے شخص کے مقابل میں جسے وہ مفتری اور کیا کیا سمجھتا ہے۔ دراصل وہ مجمع البحار والے کی مثال دے کر خود اس کا قائمقام بننا چاہتا تھا اور اگر مجھے کوئی نقصان پہنچ جاتا تو بڑے لمبے لمبے اشتہار شائع ہوتے لیکن خدا تعالیٰ نے دشمن کو بالکل موقعہ نہ دیا کہ وہ کسی قسم کی خوشی منائے۔ اس بات کو خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ اس نے میرے برخلاف بد دُعا کی اور خدا تعالیٰ سے میری جڑ کے کٹ جانے کی درخواست کی لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی جڑ کٹ گئی اور مجھے روز افزوں ترقی حاصل ہوئی۔ کیا یہ متعصب مخالف کے لیے عبرت کا مقام نہیں؟ افسوس کہ یہ لوگ ذرا بھی غور و فکر سے کام نہیں لیتے۔ قرآن مجید کی آیت یہاں کیسی صادق آ رہی ہے يَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَائِرَ عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ (التوبة: ۹۸) (تاکتے ہیں تم پر زمانے کی گردشیں انہی پر آوے گردش بُری)

مامور کے مخالفین کا انجام

خدا تعالیٰ کے مامور کے جو مقابل میں آتا ہے سب دُعائیں اور لعنتیں اسی پر اُلٹ کر پڑتی ہیں جیسا کہ سب نے دیکھ لیا۔ یہ آریہ جو مرے ہیں خدا تعالیٰ نے پسند نہیں کیا کہ اس کے مرکزِ تجلیات میں کوئی ہم پر افتراء کرے۔ واقعی یہ بڑی خیانت کا کام ہے کہ اپنی آنکھوں سے نشان دیکھیں اور پھر نہ صرف خود انکار کریں بلکہ اوروں کو بھی بہکائیں۔ یہ سخت بُرا

کام تھا جو انہوں نے اپنے ذمہ لیا جیسا روشنی میں سیاہ دل چور نہیں ٹھہر سکتا ایسے ہی اس مقام میں جو تجلیات وانوار الٰہی کا مرکز ہو۔ کوئی سیاہ دل خائن بہت مدت نہیں ٹھہر سکتا۔ اسی لیے قرآن مجید میں فرمایا لَا يُجَاوِرُونَكَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا (الاحزاب : ۶۱) (نہ پڑوس میں رہیں گے تیرے مگر چند دن)۔

نسخۂ کیمیا

میرے نزدیک سب سے بڑے مشرک کیمیا گر ہیں کہ یہ رزق کی تلاش میں یوں مارے مارے پھرتے ہیں اور ان اسباب سے کام نہیں لیتے جو اللہ تعالیٰ نے جائز طور سے رزق کے حصول کے لیے مقرر کئے ہیں اور نہ پھر توکل کرتے ہیں حالانکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ (الذّٰریات ۲۳) (اور آسمان میں ہے تمہارا رزق اور جو کچھ تم وعدہ دیئے جاتے ہو) ہم ایسے ہوسوں کو ایک کیمیا کا نسخہ بتلاتے ہیں بشرطیکہ وہ اس پر عمل کریں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (الطلاق : ۳، ۴) پس تقویٰ ایک ایسی چیز ہے کہ جسے یہ حاصل ہو اسے گویا تمام جہان کی نعمتیں حاصل ہو گئیں۔ یاد رکھو متقی کبھی کسی کا محتاج نہیں ہوتا بلکہ وہ اس مقام پر ہوتا ہے کہ جو چاہتا ہے خدا تعالیٰ اس کے لیے اس کے مانگنے سے پہلے مہیا کر دیتا ہے۔

مَیں نے ایک دفعہ کشف میں اللہ تعالیٰ کو تمثّل کے طور پر دیکھا۔ میرے گلے میں ہاتھ ڈال کر فرمایا:

جے توں میرا ہو رہیں سب جگ تیرا ہو

پس یہ وہ نسخہ ہے جو تمام انبیاء و اولیاء و صلحاء کا آزمایا ہوا ہے۔ نادان لوگ اس بات کو چھوڑ کر بوٹیوں کی تلاش میں مارے پھرتے ہیں۔ اتنی محنت اگر وہ ان بوٹیوں کو پیدا کرنے والے کے پانے میں کرتے تو سب من مانی مرادیں پا لیتے۔

تقویٰ کی راہوں پر قدم مارو

ہماری جماعت کو چاہیئے کہ تقویٰ کی راہوں پر قدم ماریں اور اپنے دشمن کی ہلاکت سے بے جا خوش نہ ہوں۔ تورات میں لکھا ہے بنی اسرائیل کے دشمنوں کے بارے میں کہ مَیں نے اُن کو اس لیے ہلاک کیا کہ وہ بَد ہیں نہ اس لیے کہ تم نیک ہو۔ پس نیک بننے کی کوشش کرو میرا ایک شعر ہے ؎

ہر اک نیکی کی جڑ یہ اتقا ہے
اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے

ہمارے مخالف جو ہیں وہ بھی متقی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر ہر چیز اپنی تاثیرات سے پہچانی جاتی ہے۔ نرا زبانی دعویٰ ٹھیک نہیں۔ اگر یہ لوگ متقی ہیں تو پھر متقی ہونے کے جو نتائج ہیں وہ ان میں کیوں نہیں ہیں نہ مکالمۂ الٰہی سے مشرف ہیں نہ عذاب سے حفاظت کا وعدہ ہے۔ تقویٰ ایک تریاق ہے جو اسے استعمال کرتا ہے وہ تمام

زہروں سے نجات پاتا ہے۔ مگر تقویٰ کامل ہونا چاہیئے۔ تقویٰ کی کسی شاخ پر عمل پیرا ہونا ایسا ہے جیسے کسی کو بھوک لگی ہو اور وہ ایک دانہ کھالے۔ ظاہر ہے کہ اس کا کھانا اور نہ کھانا برابر ہے۔ ایسا ہی پانی کی پیاس ایک قطرہ سے نہیں بجھ سکتی۔ یہی حال تقویٰ کا ہے۔ کسی ایک شاخ پر عمل موجبِ ناز نہیں ہو سکتا۔ پس تقویٰ وہی ہے جس کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا (النحل: ۱۲۹) خدا تعالیٰ کی معیت بتا دیتی ہے کہ یہ متقی ہے۔

جب سے خالق ہے تب سے مخلوق ہے

خدا تعالیٰ جب سے خالق ہے تب سے اس کی مخلوق ہے گو ہمیں یہ علم نہ ہو کہ وہ مخلوق کس قسم کی تھی۔ غرض نوعی قِدم کے ہم قائل ہیں۔ ایک نوع فنا کر کے دوسری بنا دی مگر یہ نہیں کہ جیسے آریہ مانتے ہیں روح مادہ ویسا ہی ازلی ابدی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ۔ ہمارا ایمان ہے کہ رُوح ہو یا مادہ۔ غرض خواہ کچھ ہی ہو اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے[۱]

۱۴؍اپریل ۱۹۰۷ء

مومنِ کامل طاعون سے نہیں مرتا

جو کچھ ہے خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جو چاہے کرتا ہے بِیَدِہٖ مَلَکُوۡتُ کُلِّ شَیۡءٍ وَّ اِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ (یٰسٓ: ۸۴) دیکھو خدا تعالیٰ نے ہم میں اور ہمارے دشمنوں میں کیسا امتیاز رکھا ہے۔ یہی قادیان ہے جس میں کئی مرے اور پھر ہماری جماعت بالکل محفوظ رہی۔ ان مسلمانوں میں کئی گدی نشین ہیں۔ کئی الہام کا دعویٰ کرتے ہیں کئی مقربان الٰہی بنتے ہیں۔ مگر کیا کسی کو یہ بھی وعدہ دیا گیا ہے اِنِّیۡ اُحَافِظُ کُلَّ مَنۡ فِی الدَّارِ۔ یقیناً نہیں۔ اگر کسی کو یہ دعویٰ ہے تو پیش کرے تا کہ اللہ تعالیٰ اس کا جھوٹ ثابت کرے۔ دیکھو ان میں سے جس نے دعویٰ کیا وہ فوراً پکڑے گئے۔ جموں کے چراغ دین نے دعویٰ کیا تھا اور پھر الٰہی بخش جو میری نسبت طاعون سے مرنے کا خیال رکھتا تھا طاعون ہی سے ہلاک ہوئے۔ مومنِ کامل تو کبھی طاعون سے نہیں مرتا۔ پچھلے تمام انبیاء علیہم السلام کی نظیر موجود ہے کیا کوئی نبی طاعون سے مرا؟ پھر کامل مومنین حضرت ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کی سوانح کو پڑھو۔ کیا اُن میں سے کوئی طاعون سے مَرا؟ ہرگز نہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ توریت و انجیل میں اس طاعون کو عذاب قرار دیا گیا۔ گویا ایک قسم کا جہنم ہے۔ چنانچہ میرے الہامات میں اکثر جہنم کا ذکر آیا ہے تو اس سے مراد طاعون ہی ہے پس مومنِ کامل تو جہنم سے بالکل محفوظ رکھا جاتا ہے۔ اگر وہ اس میں پڑے تو پھر مومن کیسا ہوا؟ خدا تعالیٰ بھی فرماتا ہے۔ فَاَنۡزَلۡنَا عَلَی الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا رِجۡزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا کَانُوۡا یَفۡسُقُوۡنَ (البقرۃ: ۶۰) یعنی طاعون کا عذاب

[۱] بدر جلد ۶ نمبر ۱۷ صفحہ ۸ مورخہ ۲۵؍اپریل ۱۹۰۷ء

ظالموں اور فاسقوں کے لیے ہے۔ یہ ماموریں اللہ کے انکار اور فسق کی سزا ہے گویا اس کی خصوصیت کفر کیساتھ ہے ہاں جو مومن کامل نہیں بلکہ معمولی ہیں چونکہ اللہ تعالیٰ کو اُن کی تمحیص مقصود ہوتی ہے اس لیے ممکن ہے کہ انہیں دُنیا میں اصلاح کے لیے بطور کفارۂ ذنوب جہنم میں داخل کرے اور یہ سب فرقہ ہائے اسلام کی مانی ہوئی بات ہے کہ ایک فریق مومنوں کا بھی جہنم میں کچھ مدت کے لیے پڑے گا۔ پس ماننا پڑتا ہے کہ بعض مومنوں کو بھی طاعون ہو سکتا ہے مگر یاد رہے وہی مومن جو کامل نہیں۔ اسی لیے میرے الہام میں ہے کہ وہ طاعون سے محفوظ رہیں گے جو لَمْ يَلْبِسُوٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ کے مصداق ہیں یعنی اپنے ایمان کے نُور میں کسی قسم کی تاریکی شامل نہیں کرتے اور یہ مقام سوائے کاملین کے کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ ۱۸ھ ہجری میں جب طاعون پڑا ہے تو کوئی مسلمان نہیں مرا لیکن جب حضرت عمرؓ کے عہد میں طاعون پڑا تو کئی صحابی بھی شہید ہوئے وجہ یہ کہ کامل مومن ہی ایسی باتوں سے محفوظ رہتے ہیں۔

اب دیکھنا تو یہ ہے کہ جسے موسیٰ ہونے کا دعویٰ تھا وہ تو یقیناً کامل مومنین سے ہے۔ پس اس کے لیے ضرور تھا کہ طاعون سے محفوظ رہتا کیونکہ یہ ایک عذاب جہنم ہے جس میں خدا تعالیٰ کے برگزیدے نہیں پڑ سکتے۔ وہ تو اپنی نسبت یہ الہام سناتا تھا کہ "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" اب ایسے عالیشان آدمی کو (اگر وہ واقعی تھا) یہ جہنم (طاعون) کیوں نصیب ہوا۔ یہ تو واقعی عجیب بات ہے کہ جسے وہ فرعون کہتا تھا وہ تو اب تک زندہ ہے اور اس کے گھر کا ایک چُوہا بھی نہیں مرا مگر وہ جو موسیٰ تھا وہ طاعون سے مر گیا جو ایک عذاب جہنم ہے۔ کیا خدا تعالیٰ کے فرشتہ کو دھوکا ہو گیا؟ جیسے روافض کہا کرتے ہیں کہ وحیِ نبوت آئی تو علیؓ پر تھی مگر بھُول کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر چلی گئی۔ ایسا ہی طاعون کا فرشتہ بجائے قادیان میں آنے کے لاہور چلا گیا۔

اس نکتہ کو خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ جو معمولی مومن ہو اس کے لیے ممکن ہے کہ تمحیص کے لیے طاعون کے جہنم میں پڑے تاکہ آخرت میں جنت نصیب ہو۔ مگر وہ جو کامل مومنین سے ہو اس کے لیے ہرگز سنت اللہ نہیں کہ ایسے عذاب میں گرفتار ہو۔ بعض لوگوں کی نسبت اعتراض کیا جاتا ہے کہ فلاں تو نماز پڑھتا تھا یا ایسا تھا پھر کیوں اُسے طاعون ہوا۔ اصل میں اعمال کا تعلق قلب سے ہے اور قلب کے حالات سے بجز اللہ کے کوئی آگاہ نہیں پس نہیں کہہ سکتے کہ فلاں متقی تھا یا مخلص احمدی تھا۔ پھر کیوں طاعون سے مرا؟ کیونکہ ہر انسان کا معاملہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ کسی کو کیا معلوم کہ فلاں کے دل میں کیا کیا گند بھرے ہیں۔ دُعا کرتا رہتا تھا تو کیا عیسائی دُعا نہیں کرتے؟ کیا وہ بعض اوقات نہیں روتے؟ پس ایسے معاملے خدا تعالیٰ کے سُپرد ہونے چاہئیں ہاں جب ایمان کا ثبوت ہو تو پھر ایسے طاعون سے مرنے والے شہید ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہزاروں نشان دکھائے مگر یہ لوگ ایسے ہیں کہ مانتے نہیں۔ اگر نجاست قلبی نہ ہو تو بعض اوقات

ایک نکتہ ہی کفایت کرتا ہے۔ دیکھو جب لدھیانہ میں بیعت ہوئی تو صرف قریباً چالیس آدمی تھے۔ پھر اب چار لاکھ ہیں۔ کیا ایسی کامیابی کسی مفتری کو بھی ہوئی ہے۔ حالانکہ اس کی پیشگوئی بھی کرچکا ہو؟ اچھا یں نے اگر کوئی نشان نہ دکھلایا تو اُن کے موسیٰ نے کیا دکھایا؟ کیا یہی کہ طاعون سے مرگیا۔ اگر خدا تعالیٰ کے اولیاء کا یہی انجام ہوتا ہے تو پھر اسلام کا خدا ہی حافظ۔

(بوقتِ ظہر)

سچے الہام کے ساتھ فعلی شہادت ہوتی ہے

محض قول پر فریفتہ ہونے والوں کا وہی انجام ہوتا ہے جو الٰہی بخش کا ہوا۔ یاد رکھو محض الہام جب تک اس کے ساتھ فعلی شہادت نہ ہو ہرگز کسی کام کا نہیں۔ دیکھو جب کفار کی طرف سے اعتراض ہوا لَسْتَ مُرْسَلًا تو جواب دیا گیا کَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیْدًۢا بَیْنِیْ وَبَیْنَکُمْ (الرعد: ۴۴) یعنی عنقریب خدا تعالیٰ کی فعلی شہادت میری صداقت کو ثابت کردے گی۔ پس الہام کے ساتھ فعلی شہادت بھی چاہیئے۔ دیکھو گورنمنٹ جب کسی کو ملازمت عطا کرتی ہے تو اس کی وجاہت کے سامان بھی مہیا کردیتی ہے۔ چنانچہ جو لوگ اس کا مقابلہ کرتے ہیں وہ توہینِ عدالت کے جرم میں گرفتار ہوتے ہیں۔ اسی طرح جو مامورانِ الٰہی کے مقابلہ پڑتے ہیں وہ ہلاک ہوجاتے ہیں آجکل پچاس آدمی کے قریب ایسے ہیں جو اس مرض میں گرفتار ہیں یعنی اپنے قولی الہام پر بھروسہ رکھتے ہیں وہ سب غلطی پر ہیں شیطان انسان کا بڑا دشمن ہے مگر خود مفتری بھی ایک شیطان ہے پس وہ اپنا آپ دشمن ہے اس لیے جلد ہلاک ہوجاتا ہے۔ کیسے ناعاقبت اندیش ہیں وہ لوگ جو ایسوں کے دامِ تزویر میں پھنس جاتے ہیں جس کے دعویٰ کے ساتھ عظمت و جلال ربانی کی چمک نہ ہو تو ایسے شخص کو تسلیم کرنا اپنے تئیں آگ میں ڈالنا ہے۔

عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کی حقیقت

دو مخالفوں کا ذکر تھا کہ اس مسئلہ کے بارے میں ایک دوسرے کے مخالف باہم کفر کے فتوے دے رہے ہیں۔ ایک کہتا ہے ضرور ہے کہ انبیاء بہشت میں اور فاسقین جہنم میں پڑیں۔ دوسرا کہتا ہے کہ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (البقرۃ: ۱۰۷) کی بنا پر چاہے تو انبیاء کو دوزخ میں ڈال دے۔

فرمایا:۔

اوّل الذکر حق پر ہے۔ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کے یہ معنے تو نہیں کہ اللہ تعالیٰ خودکشی پر بھی قادر ہے۔

اس طرح تو وہ اپنا بیٹا بنانے پر بھی قادر کہا جا سکتا ہے؟ پھر عیسائی مذہب کے اختیار کرنے میں کیا تامّل ہے؟
یاد رکھو۔ اللہ تعالیٰ بیشک قادر ہے مگر وہ اپنے تقدّس اور ان صفات کے خلاف نہیں کرتا جو قدیم سے الہامی کتب میں بیان کی جا رہی ہیں گویا ان کے خلاف اس کی توجہ ہوتی ہی نہیں۔ وہ ذات پاک اپنے مواعید کے خلاف بھی نہیں کرتا اور نہ اس طرف وہ متوجہ ہوتا ہے پس اَزلی اَبدی اس کی صفت ہر کتاب الٰہی میں پڑھ کر پھر اس بات کے امکان پر بحث کرنا کہ وہ خودکشی پر قادر ہے یا ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ - اَللّٰہُ الصَّمَدُ - لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ (الاخلاص ۲تا۴) پڑھتے ہوئے پھر اس کے بیٹے کے امکان کا قائل ہونا نہایت لغو حرکت ہے پس ایسی باتوں کے بارے میں اس پہلو سے گفتگو کرنا کہ ہم نفسِ امکان پر بحث کرتے ہیں سخت درجے کی گستاخی ہے[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کروڑ معجزوں سے بڑھ کر معجزہ تو یہ تھا کہ جس غرض کے لیے آئے تھے اُسے پُورا کر گئے۔ یہ ایسی بے نظیر کامیابی ہے کہ اس کی نظیر کسی دوسرے نبی میں کامل طور سے نہیں پائی جاتی۔ حضرت موسیٰ بھی رستے ہی میں مر گئے اور حضرت مسیح کی کامیابی تو اُن کے حواریوں کے سلوک سے ہویدا ہے۔ ہاں آپ کو ہی یہ شان حاصل ہوئی کہ جب گئے تو رَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا (النصر: ۳) یعنی دین اللہ میں فوجوں کی فوجیں داخل ہوتے دیکھ کر۔

دوسرا معجزہ تبدیلِ اخلاق ہے کہ یا تو وہ اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ (الاعراف: ۱۸۰) چارپایوں سے بھی بدتر تھے یا یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّھِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا (الفرقان: ۶۵) رات دن نمازوں میں گذارنے والے ہو گئے۔

تیسرا معجزہ۔ آپ کی غیر منقطع برکات ہیں۔ کل نبیوں کے فیوض کے چشمے بند ہو گئے۔ مگر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چشمۂ فیض ابد تک جاری ہے چنانچہ اسی چشمہ سے پی کر ایک مسیح موعود اس اُمّت میں ظاہر ہوا۔
چوتھی یہ بات بھی آپ ہی سے خاص ہے کہ کسی نبی کے لیے اس کی قوم ہر وقت دُعا نہیں کرتی مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت دنیا کے کسی نہ کسی حصہ میں نماز میں مشغول ہوتی ہے اور پڑھتی ہے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ۔ اس کے نتائج برکات کے رنگ میں ظاہر ہو رہے ہیں۔ چنانچہ انہی میں سے سلسلۂ مکالماتِ الٰہی ہے جو اس اُمّت کو دیا جاتا ہے[2]

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۱۷ صفحہ ۸-۹ مورخہ ۲۵ ؍اپریل ۱۹۰۷ء

[2] بدر جلد ۶ نمبر ۱۹ صفحہ ۴ مورخہ ۹ ؍مئی ۱۹۰۷ء

۱۴ اپریل ۱۹۰۷ء

(قبل عصر)

صداقتِ اسلام کیلئے طاعون کی تلوار

ابو سعید عرب صاحب نے ذکر کیا کہ رنگون میں بندروں میں بھی طاعون کی وبا پڑی تھی حضرت نے فرمایا کہ :-

براہین کے لکھنے کے زمانے میں خدا تعالیٰ نے ہم کو اس طاعون کے پڑنے کی خبر دی تھی۔ بدقسمت کفار کی ہمیشہ سے یہ عادت ہے کہ وہ انبیاء کے مقابلہ میں اپنی موت کا نشان مانگا کرتے ہیں۔ اب ہمارے مخالفوں کا بھی یہی حال ہے۔ اس واسطے خدا تعالیٰ نے ان کے واسطے یہ تلوار بھیج دی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ براہین میں جو دلائل کا وعدہ دیا گیا تھا وہ پورا نہیں ہوا۔ حالانکہ براہین میں صداقتِ اسلام کے واسطے کئی لاکھ دلیل ہے۔ خدا تعالیٰ نے پہلے سے اس میں یہ باتیں لکھوا دی ہیں۔ کیا ہی شان ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے کہ پہلے زمانہ میں جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفوں کو نامراد اور ذلیل کر کے ہلاک کیا جاتا تھا ایسا ہی آخر میں بھی ہو رہا ہے۔ اُس وقت شریروں کی سزا کے واسطے تلوار آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ میں دی گئی تھی اور اُس زمانہ میں تلوار خدا خود چلا رہا ہے جو لوگ جہاد پر اعتراض کرتے ہیں وہ دیکھ لیں کہ بدقسمت کفار اس وقت بھی اپنی شامتِ اعمال کے سبب اسی طرح ہلاک ہوئے تھے جیسے کہ اب ہو رہے ہیں۔ دینِ اسلام کی خاطر اگر اس وقت تلوار چلی تھی تو اس وقت بھی دینِ اسلام ہی کی خاطر تلوار چل رہی ہے۔

سب سے بڑی کرامت استجابتِ دُعا ہے

فرمایا :-

یہ زمانہ کے عجائبات ہیں۔ رات کو ہم سوتے ہیں تو کوئی خیال نہیں ہوتا کہ اچانک ایک الہام ہوتا ہے اور پھر وہ اپنے وقت پر پورا ہوتا ہے۔ کوئی ہفتہ عشرہ نشان سے خالی نہیں جاتا۔ ثناء اللہ کے متعلق جو لکھا گیا ہے یہ دراصل ہماری طرف سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے اس کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ ایک دفعہ ہماری توجہ اس کی طرف ہوئی اور رات کو توجہ اس کی طرف تھی اور رات کو الہام ہوا کہ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ (البقرۃ : ۱۸۷) صوفیاء کے نزدیک بڑی کرامت استجابتِ دُعا ہی ہے۔ باقی سب اس کی شاخیں ہیں۔

خدا تعالیٰ کی دی ہوئی تسلی

احمد صاحب جو کہ مدراس سے بیعت کے واسطے آئے ہیں۔ ان کے متعلق عرب صاحب ابو سعید نے ذکر کیا کہ وہ کہتے ہیں کہ قادیان میں آنے سے پہلے میں نے رؤیا میں یہ سارا نقشہ ہو بہو دیکھا تھا۔ یہ تمام مکانات وغیرہ مجھے بعینہٖ دکھائے گئے تھے۔

حضرت نے فرمایا:۔

خدا تعالیٰ تسلی دینے کے واسطے یہ باتیں دکھلا دیتا ہے اور اس کی تسلی بے نظیر ہوتی ہے۔ دیکھو شرقاً غرباً تمام زمین پر کسی کو یہ تسلی دی گئی کہ اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ یہ تسلی فقط ہم کو اس گھر کے متعلق عطا فرمائی گئی ہے یہ خدا تعالیٰ کے عجیب کام ہیں۔

دُعا کا معجزہ

اس جگہ ایک لڑکے کو طاعون شدید ہو گئی تھی۔ حضرت نے اس کے واسطے دُعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو صحت دی۔ اس کا ذکر تھا۔ مولوی محمد علی صاحب نے عرض کیا کہ میں ہمیشہ غور کرتا رہا ہوں کہ جس شخص کو طاعون کے سبب خون شروع ہو جاوے وہ کبھی نہیں بچتا۔ صرف یہی ایک لڑکا دیکھا ہے جو باوجود خون آنے کے پھر بچ گیا۔

فرمایا:۔

یہ صرف دُعا کا نتیجہ ہے اور اُس کا بچنا ایسا ہی ہے جیسا کہ عبد الکریم کا بچنا تھا جس کے واسطے کسولی سے تار آیا تھا کہ اب اس کی دیوانگی کے آثار نمودار ہونے پر کوئی علاج نہیں ہو سکتا۔ لیکن خدا تعالیٰ نے اس کے حق میں ہماری دُعا کو قبول کیا اور وہ بالکل تندرست ہو گیا۔ کبھی کوئی اس طرح سے بچتا دیکھا یا سُنا نہیں گیا۔

ایک الہام کے معنی

فرمایا:۔

یہ جو الہام تھا کہ "یا اللہ! اب شہر کی بلائیں بھی ٹال دے" گو اس کے معنے اور بھی ہوں مگر ایک معنے اس کے یہ بھی ہیں کہ یہ سخت بدزبان آریہ سوم راج اور اچھر جو ہر ہفتہ گندی گالیوں سے بھرے ہوئے اخبار چھاپتے تھے یہ بھی اس شہر کی بلائیں تھیں۔ خدا تعالیٰ نے اُن کو ٹال دیا اور جہنم واصل کر دیا۔

اس سال طاعون کا بہت ہی سخت زور ہے۔ دوسرے شہروں میں بہت تیز ہے اس کے بالمقابل یہاں گویا کچھ نہیں۔ بعض گاؤں بالکل تباہ ہو گئے ہیں۔ بعض میں صرف ایک یا دو آدمی باقی رہ گئے ہیں اور بس۔ بہت سے گاؤں حصیدن گئے ہیں اور ابھی معلوم نہیں کہ انجام کیا ہو گا۔ بڑے احمق ہیں وہ لوگ جو بے باکی نہیں چھوڑتے اور خدا تعالیٰ کے ارادے سے

غافل اور بے خبر بیٹھے ہیں۔

طاعون کے جراثیم بھی دابۃ الارض ہیں

دابۃ الارض بھی یہی طاعونی کیڑا ہے تکلیم کاٹنے کو کہتے ہیں۔ وہ لوگوں کو ہلاک کر رہا ہے۔ آئے دن بادل بھی بن جاتا ہے اور موسم بہار قائم رہتا ہے جس میں طاعون کا زور ہوتا ہے۔ اس سال موت بہت کثرت سے ہو رہی ہے۔ ہم تو چاہتے ہیں کہ کسی طرح خدا پہچانا اور مانا جاوے خواہ کتنے ہی ہلاک ہوں۔ اس کی کیا پروا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کے منکر اور گستاخ زندہ رہے تو اس میں کوئی فائدہ کی بات نہیں۔ یاد رہے کہ خدا تعالیٰ بس نہ کرے گا جب تک کہ اس کی قہری تجلّی اس کی ہستی کو منوا نہ لے گی۔[1]

۱۶؍اپریل ۱۹۰۷ء

مامور من اللہ کی بات قولِ فیصل ہوتی ہے

فرمایا:- خواجہ غلام فرید چاچڑاں والے سے کسی نے سوال کیا کہ ہم میں وہ سب پیشگوئیاں ظاہری طور پر پوری نہیں ہوتیں تو انہوں نے کیا اچھا جواب دیا کہ کیا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہودیوں کے خیال کے مطابق سب باتیں پوری ہوگئی تھیں؟ وہ تو کہتے تھے کہ بنی اسحاق میں سے ہوگا تو کیا پھر وہ نبی انہیں میں سے آیا؟ ایسا ہی مسیح کی نسبت جو کچھ لوگ خیال کئے بیٹھے تھے کہ پہلے اُن سے ایلیا آئے گا تو کیا ایلیاس آسمان سے اُتر آیا تھا؟ ہرگز نہیں۔ پس اسی طرح ضرور نہیں کہ مسیح موعود کے بارے میں سب نشان ان لوگوں کی خواہشات کے مطابق ہی ظہور میں آتے۔ ایسی غلطیاں ہر ایک قوم میں پڑ جاتی ہیں۔ آخر مامور من اللہ آکر ان عقائد و خیالات کی اصلاح کر دیتا ہے۔ اصل میں جب کسی شخص کے منجانب اللہ ہونے کو اللہ تعالیٰ اپنے متواتر نشانوں سے ثابت کر دے تو پھر اس کی ہر بات اختلافی مسئلہ میں قولِ فیصل ہوتی ہے اور سب پیشگوئیوں کے معنے وہی کئے جانے چاہئیں جو وہ کہے۔

الہامات میں مابہ الامتیاز

الہام کا معاملہ بڑا نازک ہے۔ ایک حدیث النفس ہے۔ انسان کے جو اپنے خیالات ہوں وہی سُنائی دیتے ہیں۔ دوم اللہ تعالےٰ

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۱۷ صفحہ ۷-۸ مورخہ ۲۵؍اپریل ۱۹۰۷ء

کی طرف سے کلام کا نزول ہے۔ جب یہ بات ہے تو پھر مابہ الامتیاز کا ضرور خیال رکھنا چاہیئے۔ اگر کسی کی ایک آدھ بات شاذ و نادر پُوری ہو جاوے تو اسے نبی نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ ہم نے دیکھا ہے کہ فاسق سے فاسق شخص کا خواب بھی بعض اوقات سچا ہو جاتا ہے۔ فاسق تو درکنار ایک کافر کا خواب بھی بعض اوقات ٹھیک نکل آتا ہے۔ یہ اصل میں اتمامِ حجت کے لیے ہے۔ گویا خدا تعالیٰ سمجھاتا ہے کہ یہ مادہ انسان کی فطرت میں داخل ضرور ہے کیونکہ جس کا کوئی نمونہ ہی نہ ہو اسے تو لوگ مانتے ہی نہیں مگر یہ بات نہیں کہ جسے کوئی خواب آوے وہی ولی بن جاوے بلکہ جب پوری شوکت کے ساتھ کلامِ الٰہی نازل ہو اور ساتھ بارش کی طرح نشانوں کا نزول ہو تو پھر یقین کرنا چاہیئے کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

اس کے بعد حضرت اقدس علیہ السلام نے اپنا الہام یَاْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ پیش کیا اور فرمایا کہ:۔

دیکھو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ آسکتا تھا کہ اس قدر مخلوقِ الٰہی یہاں آئے گی کہ چلنا بھی دشوار اور سب سے مصافحہ کرنا بھی ناممکن ہو جائے۔

خدا تعالیٰ کے نبی شہرت پسند نہیں ہوتے بلکہ وہ اپنے تئیں چھپانا چاہتے ہیں۔ مگر الٰہی حکم انہیں باہر نکالتا ہے۔ دیکھو حضرت موسیٰؑ کو جب مامور کیا جانے لگا تو انہوں نے پہلے عرض کیا کہ ہارون مجھ سے زیادہ اَفْصَح ہے۔ پھر کہا وَلَھُمْ عَلَیَّ ذَنْبٌ (الشعراء:۱۵) مگر الٰہی منشاء یہی تھا کہ وہی نبی بنیں اور وہی اس لائق تھے اس لیے حکم ہوا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں تم جاؤ اور تبلیغ کرو۔

(بوقتِ ظہر)

ایک الہام کا پورا ہونا

۱۳-۱۴/اپریل کی درمیانی رات کو گیارہ بجے کے قریب سخت زلزلہ آنے کے بہت سے خط آئے ہیں جو پڑھ کر بھی سنائے گئے۔

فرمایا:۔

الہام پہلے ہو چکا تھا۔ کیا یہ کسی انسان کا کام ہے کہ پردۂ غیب کی باتیں قبل از ظہور متواتر بتاتا جاوے اور پھر اسی طرح پوری ہو جاویں۔ اب جو لوگ نہیں مانتے وہ یقیناً بڑے مجرم ہیں۔ ایک نشان کے متعلق خطوط وخبروں کا سلسلہ ختم نہیں ہونے پاتا کہ دوسرا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ کیا بات ہوئی کہ ہم افترا کرتے جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ اُسے پُورا کرتا جاتا ہے۔ کیا جب سے دُنیا ہے کسی اور مفتری سے بھی ایسا سلوک ہوا ہے۔ کیا خدا تعالیٰ ہمارا محکوم ہے کہ ہم جو کچھ کہیں وہ پورا کر دے۔ آخر کچھ تو سوچنا چاہیئے۔ یہ لوگ جب ایک نشان دیکھ کر دیدہ دانستہ حق پوشی کرتے ہیں اور نہیں مانتے تو اللہ تعالیٰ ایک اور نشان کی پیشگوئی کرا دیتا ہے تاکہ ان پر اتمامِ حجت ہو۔

الٰہی بخش کی موت

حکیم الامت کے نام امرت سر سے خط آیا تھا کہ الٰہی بخش کو موت سے پہلے اَلرَّحِیْلُ کا الہام ہوا۔ فرمایا:۔

طاعون کے معنے ہی موت ہیں۔ پس ایسی حالت میں تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اب میرا کوچ ہے۔ پھر ہم پوچھتے ہیں کہ بالفرض اگر یہ الہام پورا بھی ہو گیا تو اس سے پہلے جو الہاموں کا انبار تھا وہ کیا ہوا۔ وہ سب کیوں دریا بُرد ہو گئے؟ کہاں گئے اس کے وہ دعوے کہ یہ سلسلہ میرے سامنے تباہ ہو گا۔ عجیب بات ہے کہ موسیٰ تو طوفانِ طاعون میں غرق ہو گیا اور فرعون جیتا موجود ہے۔ انذاری الہام تو پورا ہوا یا نہ ہوا مگر وہ مبشرات کیا ہوئے۔ انذاری خبر تو بجائے خود ایک عذاب ہے۔ جس شخص کو بتا دیا جائے کہ تین دن بعد تم پھانسی ملو گے اس کے دل پر جو گذرتی ہے اور گذرنی چاہیئے۔ وہ ہر ایک شخص جانتا ہے۔ الہام تو وہ ہوتا ہے جس سے کچھ تسکین و راحت ہو نہ کہ اُلٹا عذاب۔ اپنے پر عذاب کی خبر پہلے ہو جاتا تو معمولی بات ہے۔ جنگِ بدر سے پہلے ایک عورت مشرکہ کو خواب آیا تھا کہ ہمارے خیموں کے نیچے لہو بہہ رہا ہے۔ آخر وہ بات پوری ہو گئی تو کیا اس سے وہ نبیہ سمجھ لی جاوے؟

ممکن ہے اَلرَّحِیْلُ شیطان نے کہا ہو کہ لو اب میں رخصت ہوتا ہوں جیسا کہ لکھا ہے کہ جب عذاب دیکھے گا تو شیطان کہے گا میں تم سے جُدا ہوتا ہوں کیونکہ میں وہ کچھ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔

دشمنوں سے نرم گفتاری کی تلقین

فرمایا:۔
دشمن اگر سخت کلامی کرے تو اس کے مقابل سختی کرنے سے فائدہ نہیں کیونکہ سخت الفاظ سے برکت دُور ہو جاتی ہے۔

رحم کا مقتضاء

فرمایا:۔
ثناء اللہ کے واسطے بھی ہم نے توبہ کی شرط لگا دی ہے کیونکہ رحم کا مقتضاء ہوتا ہے کہ توبہ سے انسان بچ جاوے۔[1]

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۱۹ صفحہ ۴-۵ مورخہ ۹ رمئی ۱۹۰۷ء

۱۷؍اپریل ۱۹۰۷ء

(قبل ظہر)

نشانات کا ظہور

فرمایا:-
اللہ تعالیٰ کی قدرتیں اس کے نشانات کے ذریعہ سے ظاہر ہو رہی ہیں۔ اگر یہ معجزات اور نشانات جو اس وقت ظاہر ہو رہے ہیں ایک شخص کے ایمان کے واسطے کافی نہیں تو پھر کسی نبی کے واسطے کوئی راہ دُنیا میں باقی نہیں رہتی۔ اگر معجزات اور خوارق کسی کی سچائی کے واسطے کافی نہیں تو پھر کسی نبی کے ثبوت کے واسطے کوئی دلیل قائم نہیں رہتی۔

ٹھٹھا کرنے کا انجام

ایک شخص کا ذکر تھا کہ جو سلسلہ حقہ کے ساتھ ہنسی کیا کرتا تھا اور اب طاعون میں اس کا بیٹا اور پوتا مر گیا ہے۔

فرمایا:-
خدا تعالیٰ کے رسولوں کے ساتھ ہنسی کرنے والا مرتا نہیں جب تک کہ وہ نشانات کا نمونہ اپنے پر وارد ہوتا نہ دیکھ لے۔[1]

سجدۂ تعظیم ناجائز ہے

ایک شخص حضرت کی خدمت میں آیا۔ اس نے سر نیچے جھکا کر آپ کے پاؤں پر رکھنا چاہا۔ حضرت نے ہاتھ کے ساتھ اس کے سر کو ہٹایا اور فرمایا:-
یہ طریق جائز نہیں۔ السلام علیکم کہنا اور مصافحہ کرنا چاہیئے۔[2]

۲۱؍اپریل ۱۹۰۷ء

(بوقتِ سیر)

تَفَقُّه فِي الدِّين کی ضرورت

فرمایا:-
ہماری جماعت کو علمِ دین میں تَفَقُّہ پیدا کرنا چاہیئے۔ مگر اس کے

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۲۶ صفحہ ۷ مورخہ ۲۷؍جون ۱۹۰۷ء

[2] بدر جلد ۶ نمبر ۳۲ صفحہ ۵ مورخہ ۸؍اگست ۱۹۰۷ء

وہ معنے نہیں جو عام مُلاں لوگوں نے سمجھ رکھے ہیں کہ استنجا وغیرہ کے چند مسائل آ گئے وہ بھی تقلیدی رنگ میں فقیہ بن بیٹھے۔ بلکہ ہمارا مطلب یہ ہے کہ وہ آیاتِ قرآنی و احادیث نبوی اور ہمارے کلام میں تدبّر کریں۔ قرآنی معارف و حقائق سے آگاہ ہوں۔ اگر کوئی مخالف ان پر اعتراض کرے تو اُسے کافی جواب دے سکیں۔ ایک دفعہ جو امتحان لینے کی تجویز کی گئی تھی بہت ضروری تھی۔ اس کا ضرور بند و بست ہونا چاہیئے۔ حقیقۃ الوحی اس مطلب کے لیے بہت مفید کتاب ہے۔ اصل میں مسلمانوں کے لیے تو یہی جواب کافی ہے کہ تم کوئی ایسا اعتراض اس سلسلہ پر کرکے دکھاؤ جو اور انبیاء علیہم السلام پر نہ ہو سکے وہ ہرگز کوئی ایسا اعتراض نہیں کر سکیں گے۔

وعیدی پیشگوئی ٹل سکتی ہے

یہ آتھم یا احمد بیگ والی پیشگوئیوں پر تو اعتراض کرتے ہیں مگر دوسری پیشگوئیوں اور نشانیوں کا ذکر تک نہیں کرتے۔ یہ کیسی بے انصافی ہے۔ ہم انہیں بارہا سمجھا چکے ہیں کہ وعید میں تاخیر بھی ہو جاتی ہے۔ دیکھو یونس نبی کی پیشگوئی ٹل گئی اور اس کی قوم پر عذاب نہ آیا۔ یاد رکھو کہ یہ تمام اقوام کا مذہب ہے کہ صدقہ سے ردّ بلا ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ یہی فرماتا ہے مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (الانفال : ۳۴) استغفار عذاب سے بچنے کا ذریعہ ہے۔ ہمارے تجربوں کی طرف کوئی جائے تو ایک مُنذر امر صبح کو ہو تو شام کو منسوخ ہو جاتا ہے۔

اجتہادی غلطی

دوسرا اعتراض ہمارے بعض الہامات کی نسبت اپنی رائے پر ہے کہ وہ غلط نکلی۔ بشرطِ تسلیم ہم کہتے ہیں کہ امر تنقیح طلب تو یہ ہے کہ نبی اپنے اجتہاد میں غلطی کھا سکتا ہے یا نہیں؟ سو ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عیسٰی نے پہلے پہلے اپنی بادشاہت دنیاوی سمجھ کر مریدوں کو ہتھیار خریدنے کا حکم دیا مگر آخر معلوم ہو گیا کہ یہ میری غلطی تھی اور وہ اس ارادہ سے باز آئے۔ پھر ہمارے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا صلح حدیبیہ والا معاملہ کہ آپ کس ارادے سے آئے اور پھر کیا ہوا؟ چونکہ آپ کی ذات بابرکات تمام انبیاء کے کمالات کی جامع تھی اس لیے صرف ایک ہی واقعہ سے ثابت ہو گیا کہ نبی اپنے اجتہاد میں غلطی کر سکتا ہے۔ پس اس صورت میں ہم پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔[1]

---

۲۲ ر اپریل ۱۹۰۷ء

مسیح کا جسم عنصری کیساتھ آسمان پر جانے کا عقیدہ

فرمایا :۔
تعجب کی بات ہے کہ مسلمان نصاریٰ

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۱۷ صفحہ ۴ مورخہ ۲۵ ر اپریل ۱۹۰۷ء

ہو گئے گذرے ہیں عیسائیوں میں سے کسی کا بھی یہ عقیدہ نہیں کہ مسیح جسم کے ساتھ آسمان پر گئے۔ وہ سب قائل ہیں کہ جلالی جسم تھا۔ مگر یہ مسلمان ہوکر کہتے ہیں کہ نہیں اسی خاکی جسم کے ساتھ گئے اور اسی کے ساتھ اتریں گے۔ حالانکہ عیسائی ان کے نزول کو بھی ایسا نہیں مانتے۔

مقام لولاک کی حقیقت

لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ میں کیا مشکل ہے؟ قرآن مجید میں ہے خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا (البقرۃ: ۳۰)

زمین میں جو کچھ ہے وہ عام آدمیوں کی خاطر ہے تو کیا خاص انسانوں میں سے ایسے نہیں ہو سکتے کہ ان کے لیے افلاک بھی ہوں؟ دراصل آدم کو جو خلیفہ بنایا گیا تو اس میں یہ حکمت بھی تھی کہ وہ اس مخلوقات سے اپنے منشاء کا خدا تعالیٰ کی رضامندی کے موافق کام لے اور جن پر اس کا تصرف نہیں وہ خدا تعالیٰ کے حکم سے انسان کے کام میں لگے ہوئے ہیں سورج، چاند، ستارے وغیرہ۔

ہندوؤں کی حکومت کیا انصاف کریگی؟

آریہ اور بنگالیوں کی شورش کا ذکر تھا فرمایا:-

ان کے خیالات و حرکات سے ہمیں قطعی نفرت ہے۔ ہماری جماعت کو بالکل ان سے الگ رہنا چاہیئے۔ تعجب کی بات ہے کہ جو قوم حیوان کو انسان پر ترجیح دیتی ہو اور ایک گائے کے ذبح سے انسان کا خون کر دینا کچھ بات نہ سمجھتی ہو۔ وہ حاکم ہوکر کیا انصاف کریگی۔

مردانِ خدا۔ خدا نہ باشند ؎ لیکن از خدا۔ جدا نہ باشند

خدا تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے وہ کام دکھلاتا ہے کہ دُنیا حیران رہ جاتی ہے [1]

بلا تاریخ

فاتحہ خوانی

سوال پیش ہوا کہ کسی کے مرنے کے بعد چند روز لوگ ایک جگہ جمع رہتے اور فاتحہ خوانی کرتے ہیں۔ فاتحہ خوانی ایک دُعائے مغفرت ہے پس اس میں کیا مضائقہ ہے؟

فرمایا کہ:-

ہم تو دیکھتے ہیں وہاں سوائے غیبت اور بے ہودہ بکواس کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ پھر یہ سوال ہے کہ آیا نبی

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۱۹ صفحہ ۵ مورخہ ۹ رمئی ۱۹۰۷ء

کریمؐ یا صحابہ کرامؓ وائمہ عظام میں سے کسی نے یُوں کیا؟ جب نہیں کیا تو کیا ضرورت ہے خواہ مخواہ بدعات کا دروازہ کھولنے کی؟ ہمارا مذہب تو یہی ہے کہ اس رسم کی کچھ ضرورت نہیں۔ ناجائز ہے جو جنازہ میں شامل نہ ہو سکیں وہ اپنے طور سے دُعا کریں یا جنازہ غائب پڑھ دیں [1]

---

۲۶ ر اپریل ۱۹۰۷ء

ایک فقہی مسئلہ

نماز مغرب میں آدمیوں کی کثرت کی وجہ سے پیش امام صاحب کی آواز آخری صفوں تک نہ پہنچ سکنے کے سبب درمیانی صفوں میں سے ایک شخص حسب معمول تکبیر کی باآواز بلند تکرار کرتا جاتا تھا۔ آخری رکعت میں جب سب التحیات بیٹھے تھے اور دُعائے التحیات اور درود شریف پڑھ چکے تھے اور قریب تھا کہ پیش امام صاحب سلام کہیں مگر ہنوز انہوں نے سلام نہ کہا تھا کہ درمیانی تکبیر کو غلطی لگی اور اس نے سلام کہدیا جس پر آخری صفوں کے نمازیوں نے بھی سلام کہدیا اور بعض نے سُنتیں بھی شروع کر دیں کہ امام صاحب نے سلام کہا اور درمیانی مکبّر نے جو اپنی غلطی پر آگاہ ہو چکا تھا دوبارہ سلام کہا۔ اس پر ان نمازیوں نے جو پہلے سے سلام کہہ چکے تھے اور نماز سے فارغ ہو چکے تھے مسئلہ دریافت کیا کہ آیا ہماری نماز ہوگئی یا ہم دوبارہ نماز پڑھیں؟

صاحبزادہ میاں محمود احمد صاحب نے جو خود بھی پچھلی صفوں میں تھے اور امام سے پہلے سلام کہہ چکے تھے فرمایا کہ یہ مسئلہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا جا چکا ہے اور حضرت نے فرمایا ہے کہ:۔

آخری رکعت میں التحیات پڑھنے کے بعد اگر ایسا ہو جائے تو مقتدیوں کی نماز ہو جاتی ہے۔ دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

ایک مسجد میں دو جُمعے

سوال پیش ہوا کہ بعض مساجد اس قسم کی ہیں کہ وہاں احمدی اور غیر احمدی کو اپنی جماعت اپنے امام کے ساتھ الگ الگ کرا لینے کا اختیار قانوناً یا باہمی مصالحت سے حاصل ہوتا ہے تو ایسی جگہ جمعہ کے واسطے کیا کیا جاوے؟ کیونکہ ایک مسجد میں دو جُمعے جائز نہیں ہو سکتے۔

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۱۹ صفحہ ۵ مورخہ ۹ رمئی ۱۹۰۷ء

فرمایا:۔
جو لوگ تم کو کافر کہتے ہیں اور تمہارے پیچھے نماز نہیں پڑھتے وہ تو بہر حال تمہاری اذان اور تمہاری نماز جمعہ کو اذان اور نماز سمجھتے ہی نہیں اس واسطے وہ تو پڑھ ہی لیں گے اور چونکہ وہ مومن کو کافر کہکر بموجب حدیث خود کافر ہو چکے ہیں۔ اس واسطے تمہارے نزدیک بھی ان کی اذان اور نماز کا عدم وجود برابر ہے۔ تم اپنی اذان کہو اور اپنے امام کے ساتھ اپنا جمعہ پڑھو۔

حج بدل

نوشاب سے ایک مرحوم احمدی کے ورثا نے حضرت کی خدمت میں خط لکھا کہ مرحوم کا ارادہ پختہ حج پر جانے کا تھا مگر موت نے مہلت نہ دی۔ کیا جائز ہے کہ اب اس کی طرف سے کوئی آدمی خرچ دے کر بھیج دیا جاوے۔

فرمایا:۔
جائز ہے۔ اس سے متوفی کو ثواب حج کا حاصل ہو جائے گا۔[1]

۲۸ر اپریل ۱۹۰۷ء

خدا تعالیٰ کیساتھ کون لڑ سکتا ہے؟

حضرت اقدس کی طبیعت کسی قدر علیل ہے اس واسطے خدام کو جن میں زیادہ تر باہر سے آئے ہوئے دوست ہیں جیسا کہ شیخ رحمت اللہ صاحب، شیخ عبدالرحمٰن صاحب، خواجہ کمال الدین صاحب، میاں چراغ الدین صاحب، صاحبزادگان میاں صاحب موصوف، میاں معراج الدین صاحب، سردار فضل حق صاحب وغیرہ سب کو صبح کے وقت ملاقات کے واسطے از روئے شفقت اندر ہی طلب کیا اور فرمایا:۔

وہ دن آتے جاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اپنے روشن نشانوں کے ساتھ تمام پردے اُٹھاتا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ ایسا ہی ایک روز بردست ہاتھ اور دکھا دیگا تو پھر کہاں تک لوگ برداشت کر سکیں گے۔ آخران کو ماننا پڑیگا کہ حق اسی میں ہے جو ہم کہتے ہیں۔ ہمارے مخالف جو ہمارے ساتھ لڑائی کرتے ہیں دراصل ہمارے ساتھ لڑائی نہیں کرتے بلکہ خدا تعالیٰ کیساتھ لڑائی کرتے ہیں اور کون ہے جو خدا تعالیٰ کے ساتھ لڑائی میں کامیاب ہو؟

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۱۸ صفحہ ۲ مورخہ ۲ر مئی ۱۹۰۷ء

مخفی گناہوں سے بچنے کی تلقین

فرمایا:۔ جب کوئی مصائب میں گرفتار ہوتا ہے تو قصور آخر بندے کا ہی ہوتا ہے خدا تعالیٰ کا تو قصور نہیں۔ بعض لوگ بظاہر بہت نیک معلوم ہوتے ہیں اور انسان تعجب کرتا ہے کہ اس پر کوئی تکلیف کیوں وارد ہوئی یا کسی نیکی کے حصول سے یہ کیوں محروم رہا لیکن دراصل اس کے مخفی گناہ ہوتے ہیں جنہوں نے اس کی حالت یہاں تک پہنچائی ہوئی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ بہت معاف کرتا ہے اور درگذر فرماتا ہے۔ اس واسطے انسان کے مخفی گناہوں کا کسی کو پتہ نہیں لگتا۔ مگر مخفی گناہ دراصل ظاہر کے گناہوں سے بدتر ہوتے ہیں۔ گناہوں کا حال بھی بیماریوں کی طرح ہے۔ بعض موٹی بیماریاں ہیں ہر ایک شخص دیکھ لیتا ہے کہ فلاں بیمار ہے مگر بعض ایسی مخفی بیماریاں ہیں کہ بسا اوقات مریض کو بھی معلوم نہیں ہوتا کہ مجھے کوئی خطرہ دامنگیر ہو رہا ہے۔ ایسا ہی تپ دق ہے کہ ابتداء میں اس کا پتہ بعض دفعہ طبیب کو بھی نہیں لگ سکتا یہاں تک کہ بیماری خوفناک صورت اختیار کرتی ہے ایسا ہی انسان کے اندرونی گناہ ہیں جو رفتہ رفتہ اُسے ہلاکت تک پہنچا دیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اپنے فضل سے رحم کرے۔ قرآن شریف میں آیا ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا (الشمس: ۱۰) اس نے نجات پائی جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا۔ لیکن تزکیہ نفس بھی ایک موت ہے۔ جب تک کہ کُل اخلاقِ رذیلہ کو ترک نہ کیا جاوے تزکیہ نفس کہاں حاصل ہو سکتا ہے۔ ہر ایک شخص میں کسی نہ کسی شر کا مادہ ہوتا ہے وہ اس کا شیطان ہوتا ہے۔ جب تک کہ اس کو قتل نہ کرے کام نہیں بن سکتا

تکبّر بڑا گناہ ہے

فرمایا:۔ سب سے اوّل آدم نے بھی گناہ کیا تھا اور شیطان نے بھی۔ مگر آدم میں تکبّر نہ تھا اس لیے خدا تعالیٰ کے حضور اپنے گناہ کا اقرار کیا اور اس کا گناہ بخشا گیا۔ اسی سے انسان کے واسطے توبہ کے ساتھ گناہوں کے بخشا جانے کی اُمید ہے۔ لیکن شیطان نے تکبّر کیا اور وہ ملعون ہوا جو چیز کہ انسان میں نہیں متکبّر آدمی خواہ مخواہ اپنے لیے اس چیز کے دعوے کے واسطے تیار ہو جاتا ہے۔ انبیاء میں بہت سے ہنر ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک ہنر سلب خودی کا ہوتا ہے۔ ان میں خودی نہیں رہتی۔ وہ اپنے نفس پر ایک موت وارد کر لیتے ہیں کبریائی خدا کے واسطے ہے۔ جو لوگ تکبّر نہیں کرتے اور انکساری سے کام لیتے ہیں وہ ضائع نہیں ہوتے۔

استخارہ کا بھی وقت ہوتا ہے

ایک شخص کا خط آیا کہ مَیں آپ کے متعلق استخارہ کرنا چاہتا ہوں کہ آیا آپ حق پر ہیں یا نہیں۔ فرمایا:۔

ایک وقت تھا کہ ہم نے خود اپنی کتاب میں استخارہ لکھا تھا کہ لوگ اس طرح سے کریں۔ تو خدا تعالیٰ ان پر حق کو کھول دیگا۔ مگر اب استخاروں کی کیا ضرورت ہے جبکہ نشانات الٰہی بارش کی طرح برس رہے ہیں اور ہزاروں کرامات

اور معجزات ظاہر ہو چکے ہیں۔ کیا ایسے وقت میں استخاروں کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے؛ کھُلے نشانات کو دیکھ کر پھر استخارہ کرنا خدا تعالیٰ کے حضور میں گستاخی ہے۔ کیا اب جائز ہے کہ کوئی شخص استخارہ کرے کہ اسلام کا مذہب سچا ہے یا جھوٹا اور استخارہ کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالےٰ کی طرف سے سچے نبی تھے یا نہیں تھے۔ اس قدر نشانات کے بعد استخاروں کی طرف توجہ کرنا جائز نہیں[1]

---

۵ مئی ۱۹۰۷ء

اظہارِ غیب

فرمایا:-
آج قرآن شریف کی آیت شریفہ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ (الجن: ۲۷، ۲۸) سے مجھے ایک نکتہ خیال میں آیا اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اس کے غیب کا اظہار سوائے برگزیدہ رسولوں کے اور کسی پر نہیں ہوتا۔ اس میں سوچنے کے لائق لفظ اظہار ہے اظہار سے مراد یہ ہے کہ کھلا کھلا غیب کثرت کے ساتھ کسی پر کھولا جائے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف متشابہات کے طور پر تھوڑا سا غیب تو گاہے گاہے کسی دوسرے پر بھی کھولا جاتا ہے۔ مگر اس میں محکم بات نہیں ہوتی اور اس کے واسطے شرط نہیں کہ جس پر کھولا جائے وہ مومن ہو یا کافر ہو۔ ہر ایک مذہب کے آدمی کو یہ حالت گاہے حاصل ہو سکتی ہے کہ کوئی تھوڑی سی بات مشتبہ یا غیر مشتبہ اس کو غیب سے مل جائے۔ یہ سب کچھ ہو سکتا ہے، لیکن منع صرف اظہار علی الغیب ہے۔ اظہار کا لفظ اس کی کیفیت اور کمیت پر دلالت کرتا ہے یعنی وہ غیب کی خبر مصفّٰی ہو، شک اور شبہ سے پاک ہو اور دوسرا کثرت سے ہو جس سے ظاہر ہو کہ یہ خارق عادت اور معجزہ نما ہے۔ اس آیت سے خود ظاہر ہوتا ہے کہ رسولوں کے سوائے دوسرے لوگوں کو بھی غیب کچھ نہ کچھ مل جاتا ہے مگر ان کے غیب میں اظہار کا رنگ نہیں ہوتا۔ اظہار کا لفظ ایک خاص امتیاز کو ظاہر کرتا ہے۔

پیشگوئیوں میں اخفاء ضروری ہے

فرمایا:-
پیشگوئی میں کسی قدر اخفاء اور متشابہات کا ہونا بھی ضروری ہے اور یہی ہمیشہ سے سُنّتِ الٰہی ہے۔ ملاکی نبی اگر پیشگوئی میں صاف لکھ دیتا کہ الیاس خود نہ آئے گا بلکہ اس کا

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۱۸ صفحہ ۲ مورخہ ۲ مئی ۱۹۰۷ء

تھیں۔ تو حضرت عیسیٰ کے ماننے میں اس قدر دقتیں اس زمانہ کے علماء کو پیش نہ آتیں۔ ایسا ہی اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو پیشگوئیاں تورات اور انجیل میں ہیں وہ نہایت ظاہر الفاظ میں ہوتیں کہ آنے والا نبیؐ آخر الزمان اسمٰعیلؑ کی اولاد میں سے ہوگا اور شہر مکہ میں ہوگا تو پھر یہودیوں کو آپ کے ماننے سے کوئی انکار نہ ہو سکتا تھا۔ لیکن خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو آزماتا ہے کہ ان میں متقی کون ہے جو صداقت کو اس کے نشانات سے دیکھ کر پہچانتا اور اس پر ایمان لاتا ہے

کسی احمدی کا طاعون سے مرنا

فرمایا:۔
مخالفین کا یہ اعتراض کہ بعض ہماری جماعت کے آدمی طاعون سے کیوں مرتے ہیں بالکل ناجائز ہے۔ ہم نے کبھی کوئی ایسی پیشگوئی نہیں کی کہ ہمارے ہاتھ پر بیعت کرنے والا کوئی شخص کبھی طاعون میں گرفتار نہ ہوگا۔ ہاں ہم یہ کہتے ہیں کہ اول طبقہ کے لوگ اس قسم کی بیماری میں گرفتار ہو کر نہیں مرتے۔ کوئی نبی، صدیق، ولی کبھی طاعون سے ہلاک نہیں ہوا۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی طاعون ہوئی تھی مگر کیا حضرت عمرؓ پر بھی اس کا اثر ہوا تھا؟ عظیم الشان صحابہؓ میں سے کوئی طاعون میں گرفتار نہیں ہوا۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر گذرے ہیں۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان میں سے کوئی طاعون سے مرا ہے؟ ہاں اس میں شک نہیں کہ ایسی بیماری کے وقت بعض ادنیٰ طبقہ کے مومنین طاعون میں گرفتار ہوتے ہیں مگر وہ شہید ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کی کمزوریوں اور گناہوں کو اس طرح سے غفر کرتا ہے جیسا کہ ان جہادوں میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے ساتھ کئے۔ اگرچہ پہلے سے پیشگوئی تھی کہ ان جہادوں میں کفار جہنم میں گرائے جائیں گے۔ تاہم بعض مسلمان بھی قتل کئے گئے مگر اعلیٰ طبقہ کے صحابہ مثلاً حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ جیسوں میں سے کوئی شہید نہیں ہوا۔ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوئے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایسے جنگ میں شہادت میں اعلیٰ درجہ کے لوگ شامل نہیں ہوتے اسی طرح طاعون میں بھی اگر ہماری جماعت کا کوئی آدمی گرفتار ہو جائے تو یہ اس کے واسطے شہادت ہے اور خدا تعالیٰ اس کا اس کو اجر دے گا۔

عیسیٰ علیہ السلام کا بن باپ ہونا قرآن سے ثابت ہے

ایک شخص کا سوال پیش ہوا کہ کیا یہ ضروری ہے کہ مسیح کو بن باپ مانا جائے؟ فرمایا:۔
قرآنِ شریف سے ایسا ہی ثابت ہوتا ہے اور قرآنِ شریف پر ہم ایمان لاتے ہیں۔ پھر قانونِ قدرت میں ہم اس کے برخلاف کوئی دلیل نہیں پاتے۔ کیونکہ سینکڑوں کیڑے مکوڑے پیدا ہوتے رہتے ہیں جو نہ باپ رکھتے ہیں اور

مثال ۔قرآن شریف میں جہاں اس کا ذکر ہے وہاں خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کے دو عجائب نمونوں کا ذکر کیا ہے۔ اوّل حضرت زکریّا کا ذکر ہے کہ ایسی پیرانہ سالی میں جہاں کہ بیوی بھی بانجھ تھی خدا تعالیٰ نے بیٹا پیدا کیا۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ دوسرا واقعہ ہے جو خدا تعالیٰ کی قدرتِ عجیبہ کا نمونہ ہے۔ اس کے ماننے میں کونسا ہرج پیدا ہوتا ہے۔ قرآن مجید کے پڑھنے سے ایسا ہی ثابت ہوتا ہے کہ مسیح بن باپ ہے اور اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ خدا تعالیٰ نے کَمَثَلِ اٰدَمَ جو فرمایا اس سے بھی ظاہر ہے کہ اس میں ایک عجوبہ قدرت ہے جس کے واسطے آدم کی مثال کا ذکر کرنا پڑا۔

شہید کا جنازہ فرشتے پڑھتے ہیں

ذکر تھا کہ بعض جگہ چھوٹے گاؤں میں ایک ہی احمدی گھر ہے اور مخالف ایسے متعصب ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی احمدی مرجائے گا تو ہم جنازہ بھی نہ پڑھیں گے۔ حضرت نے فرمایا کہ :۔

ایسے مخالفوں کا جنازہ پڑھا کر احمدی نے کیا لینا ہے۔ جنازہ تو دُعا ہے۔ جو شخص خود ہی خدا تعالیٰ کے نزدیک مَغْضُوب عَلَیْھِمْ میں ہے۔ اس کی دُعا کا کیا اثر ہے؟ احمدی شہید کا جنازہ خود فرشتے پڑھیں گے۔ ایسے لوگوں کی ہرگز پرواہ نہ کرو اور اپنے خدا پر بھروسہ رکھو۔

طاعون اور ہماری جماعت

فرمایا :۔

یہ نادان لوگوں کا غلط خیال ہے کہ طاعون ہماری جماعت کو نقصان پہنچاتی ہے۔ اگر طاعون سے کوئی آدمی ہماری جماعت کا شہید ہوتا ہے تو یہاں تو خدا تعالےٰ ایک کی بجائے سو بھیج دیتا ہے۔ لیکن ہمارے مخالفوں کا یہ حال ہے کہ ایک تو طاعون سے ہزاروں مَر رہے ہیں۔ وہ بھی اُن میں سے کم ہو گئے اور جو زندہ ہیں اُن میں سے ہزاروں نکل کر ہماری جماعت میں داخل ہو رہے ہیں۔ ہماری جماعت تو دن بدن بڑھ رہی ہے اور مخالفوں کی جماعت دن بدن گھٹ رہی ہے۔ پس ظاہر ہے کہ گھاٹے میں کون ہیں اور فائدے میں کون ہیں۔

آریہ سماج کا انجام

فرمایا :۔

افسوس ہے کہ آریہ سماج نے ایسی بُری راہ اختیار کی ہے جس کا انجام کسی صورت میں نیک نہیں ہوسکتا اور اب اُن کے لیڈر کو ہی جلا وطن نہیں سمجھنا چاہیئے بلکہ دراصل آریہ سماج ہی جلا وطن ہوگیا ہے اور اب اس کا خاتمہ ہے۔

اہلسنت والجماعت کون ہے

حضرت مولوی نورالدین صاحب نے ایک عمدہ نکتہ بیان کیا۔ فرمایا: مَیں نے ایک سُنّی مولوی سے پوچھا کہ تم اہلسنت والجماعت بنتے ہو۔ تمہارا امام کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ کئی ایک لوگ امام ہیں۔ مَیں نے کہا کہ امام تو ایک ہی ہوتا ہے اور وہ تمہارے درمیان کوئی نہیں اس واسطے تمہیں اہل سنّت والجماعت کہلانے کا کوئی حق نہیں۔

امام والی جماعت ایک ہی ہے

اس وقت دنیا بھر میں ایک ہی مذہبی جماعت (احمدیہ) ہے جو اپنا ایک امام رکھتی ہے ورنہ تمام دوسری جماعتیں شخصی ہیں۔ ان کا کوئی پیشوا نہیں۔ آپس میں قُلُوْبُهُمْ شَتّٰی (الحشر: ۱۵) کا مصداق بن رہے ہیں[۱]

تواضع اور عاجزی

فرمایا:- تواضع اور مسکنت عمدہ شے ہے۔ جو شخص باوجود محتاج ہونے کے تکبر کرتا ہے وہ کبھی مراد کو نہیں پاسکتا۔ اس کو چاہیئے کہ عاجزی اختیار کرے۔ کہتے ہیں کہ جالینوس حکیم ایک بادشاہ کے پاس ملازم تھا۔ بادشاہ کی عادت تھی کہ ایسی ردّی چیزیں کھایا کرتا تھا جس سے جالینوس کو یقین تھا کہ بادشاہ کو جذام ہو جائیگا چنانچہ وہ ہمیشہ بادشاہ کو روکتا تھا مگر بادشاہ باز نہ آتا تھا۔ اس سے تنگ آکر جالینوس وہاں سے بھاگ کر اپنے وطن کو چلا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد بادشاہ کے بدن پر جذام کے آثار نمودار ہوئے۔ تب بادشاہ نے اپنی غلطی کو سمجھا اور اس نے انکسار اختیار کیا۔ اپنے بیٹے کو تخت پر بٹھایا اور خود فقیرانہ لباس پہن کر وہاں سے چل نکلا اور جالینوس کے پاس پہنچا۔ جالینوس نے اس کو پہچانا اور بادشاہ کی تواضع اسے پسند آئی اور پورے زور سے اس کے علاج میں مصروف ہوا۔ تب خدا تعالیٰ نے اُسے شفا دی۔[۲]

---

[۱] بدر جلد ۶ نمبر ۲۰ صفحہ ۳ مورخہ ۱۶، مئی ۱۹۰۷ء

[۲] بدر جلد ۶ نمبر ۲۶ صفحہ ۷ مورخہ ۲۷، جون ۱۹۰۷ء

۷؍مئی ۱۹۰۷ء

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم　　نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

اپنی جماعت کیلئے ضروری نصیحت

چونکہ مَیں دیکھتا ہوں کہ ان دنوں میں بعض جاہل اور شریر لوگ اکثر ہندوؤں میں سے اور کچھ کچھ مسلمانوں میں سے گورنمنٹ کے مقابل ایسی ایسی حرکات ظاہر کرتے ہیں جن سے بغاوت کی بُو آتی ہے بلکہ مجھے شک ہوتا ہے کہ کسی وقت باغیانہ رنگ ان کی طبائع میں پیدا ہو جائیگا اس لیے مَیں اپنی جماعت کے لوگوں کو جو مختلف مقامات پنجاب و ہندوستان میں موجود ہیں جو بفضلہ تعالیٰ کئی لاکھ تک اُن کا شمار پہنچ گیا ہے. نہایت تاکید سے نصیحت کرتا ہوں کہ وہ میری اس تعلیم کو خوب یاد رکھیں جو قریباً چھبیس[۲۶] برس سے تقریری اور تحریری طور پر ان کے ذہن نشین کرتا آیا ہوں یعنی یہ کہ اس گورنمنٹ انگریزی کی پوری اطاعت کریں کیونکہ وہ محسن گورنمنٹ ہے۔ اس کے ظلّ حمایت میں ہمارا یہ فرقہ احمدیہ چند سال میں لاکھوں تک پہنچ گیا ہے اور اس گورنمنٹ کا احسان ہے کہ اس کے زیر سایہ ہم ظالموں کے پنجہ سے محفوظ ہیں۔ خدا تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت ہے کہ اُس نے اس گورنمنٹ کو اس بات کے لیے چُن لیا کہ تا یہ فرقہ احمدیہ اس کے زیر سایہ ہو کر ظالموں کے خونخوار حملوں سے اپنے تئیں بچاوے اور ترقی کرے۔ کیا تم یہ خیال کر سکتے ہو کہ تم سلطانِ رُوم کی عملداری میں رہ کر یا مکہ اور مدینہ میں ہی اپنا گھر بنا کر شریر لوگوں کے حملوں سے بچ سکتے ہو۔ نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ ایک ہفتہ میں ہی تم تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے کئے جاؤ گے۔ تم سُن چکے ہو کہ کس طرح صاحبزادہ مولوی عبداللطیف صاحب جو ریاست کابل کے ایک معزز اور بزرگوار اور نامور رئیس تھے جن کے مرید پچاس ہزار کے قریب تھے جب وہ میری جماعت میں داخل ہوئے تو محض اس قصور کی وجہ سے کہ وہ میری تعلیم کے موافق جہاد کے مخالف ہو گئے تھے۔ امیر حبیب اللہ خاں نے نہایت بے رحمی سے ان کو سنگسار کرا دیا۔ پس کیا تمہیں ایسے لوگوں سے کچھ توقع ہے کہ تمہیں ایسے سلاطین کے ماتحت کوئی خوشحالی میسر آئے گی۔ بلکہ تم تمام اسلامی مخالف علماء کے فتووں کی رُو سے واجب القتل ٹھہر چکے ہو۔ سو خدا تعالیٰ کا یہ فضل اور احسان ہے کہ اس گورنمنٹ نے ایسا ہی تمہیں اپنے سایۂ پناہ کے نیچے لے لیا جیسا کہ نجاشی بادشاہ نے جو عیسائی تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کو پناہ دی تھی میں اس گورنمنٹ کی کوئی خوشامد نہیں کرتا جیسا کہ نادان لوگ خیال کرتے ہیں نہ اس سے کوئی صلہ چاہتا ہوں بلکہ میں انصاف اور ایمان کی رو سے اپنا فرض دیکھتا ہوں کہ اس گورنمنٹ کی شکر گذاری کروں اور اپنی جماعت کو اطاعت کے لیے

نصیحت کروں۔

سو یاد رکھو اور خوب یاد رکھو کہ ایسا شخص میری جماعت میں داخل نہیں رہ سکتا جو اس گورنمنٹ کے مقابل پر کوئی باغیانہ خیال رکھے اور میرے نزدیک یہ سخت بدذاتی ہے کہ جس گورنمنٹ کے ذریعہ سے ہم ظالموں کے پنجہ سے بچائے جاتے ہیں اور اس کے زیر سایہ ہماری جماعت ترقی کر رہی ہے اس کے احسان کے ہم شکر گذار نہ ہوں اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے هَلْ جَزَآءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ (الرحمٰن : ۶۱) یعنی احسان کا بدلہ احسان ہے اور حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ جو انسان کا شکر نہیں کرتا وہ خدا کا بھی شکر نہیں کرتا۔ یہ تو سوچو کہ اگر تم اس گورنمنٹ کے سایہ سے باہر نکل جاؤ تو پھر تمہارا ٹھکانا کہاں ہے؟ ایسی سلطنت کا بھلا نام تو لو جو تمہیں اپنی پناہ میں لے آئے گی۔ ہر ایک اسلامی سلطنت تمہارے قتل کرنے کے لیے دانت پیس رہی ہے کیونکہ ان کے نزدیک تم کافر اور مُرتد ٹھہر چکے ہو۔ سو تم خداداد نعمت کی قدر کرو اور تم یقیناً سمجھ لو کہ خدا تعالیٰ نے سلطنتِ انگریزی تمہاری بھلائی کے لیے ہی اس ملک میں قائم کی ہے اور اگر اس سلطنت پر کوئی آفت آئے تو وہ آفت تمہیں بھی نابود کر دے گی یہ مسلمان لوگ جو اس فرقہ احمدیہ کے مخالف ہیں۔ تم ان علماء کے فتوے سن چکے ہو یعنی یہ کہ تم اُن کے نزدیک واجب القتل ہو اور ان کی آنکھ میں ایک کُتا بھی رحم کے لائق ہے مگر تم نہیں ہو۔ تمام پنجاب اور ہندوستان کے فتوے بلکہ تمام ممالک اسلامیہ کے فتوے تمہاری نسبت یہ ہیں کہ تم واجب القتل ہو اور تمہیں قتل کرنا اور تمہارا مال لُوٹ لینا اور تمہاری بیویوں پر جبر کر کے اپنے نکاح میں لے آنا اور تمہاری میّت کی توہین کرنا اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ ہونے دینا نہ صرف جائز بلکہ بڑا ثواب کا کام ہے۔

سو یہی انگریز ہیں جن کو لوگ کافر کہتے ہیں جو تمہیں ان خونخوار دشمنوں سے بچاتے ہیں اور ان کی تلوار کے خوف سے تم قتل کئے جانے سے بچے ہوئے ہو۔ ذرا کسی اور سلطنت کے زیر سایہ رہ کر دیکھ لو کہ تم سے کیا سلوک کیا جاتا ہے۔ سو انگریزی سلطنت تمہارے لیے ایک رحمت ہے۔ تمہارے لیے ایک برکت ہے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے تمہاری وہ سپر ہے۔ پس تم دل و جان سے اس سپر کی قدر کرو اور تمہارے مخالف جو مسلمان ہیں ہزارہا درجہ ان سے انگریز بہتر ہیں کیونکہ وہ تمہیں واجب القتل نہیں سمجھتے۔ وہ تمہیں بے عزت کرنا نہیں چاہتے۔ کچھ بہت دن نہیں گذرے کہ ایک پادری نے کپتان ڈگلس کی عدالت میں میرے پر اقدام قتل کا مقدمہ کیا تھا۔ اس دانشمند اور منصف مزاج ڈپٹی کمشنر نے معلوم کر لیا کہ وہ مقدمہ سراسر جھوٹا اور بناوٹی ہے اس لیے مجھے عزت کے ساتھ بری کیا بلکہ مجھے اجازت دی کہ اگر چاہو تو جھوٹا مقدمہ بنانے والوں پر سزا دلانے کے لیے نالش کرو۔ سو اس نمونہ سے ظاہر ہے کہ انگریز کس انصاف اور عدل کے ساتھ ہم سے پیش آتے ہیں۔

اور یاد رکھو کہ اسلام میں جو جہاد کا مسئلہ ہے میری نگاہ میں اس سے بدتر اسلام کو بدنام کرنے والا اور کوئی

مسئلہ نہیں ہے۔ جس دین کی تعلیم عمدہ ہے جس دین کی سچائی ظاہر کرنے کے لیے خدا تعالیٰ نے معجزات دکھلائے ہیں اور دکھلا رہا ہے ایسے دین کو جہاد کی کیا ضرورت ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت ظالم لوگ اسلام پر تلوار کے ساتھ حملے کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ اسلام کو تلوار کے ذریعہ سے نابود کر دیں۔ سو جنہوں نے تلواریں اُٹھائیں وہ تلوار سے ہی ہلاک کئے گئے۔ سو وہ جنگ صرف دفاعی جنگ تھی۔ اب خواہ نخواہ ایسے اعتقاد پھیلانا کہ کوئی مہدی خونی آئے گا اور عیسائی بادشاہوں کو گرفتار کرے گا یہ محض بناوٹی مسائل ہیں جن سے ہمارے مخالف مسلمانوں کے دل خراب اور سخت ہو گئے ہیں اور جن کے ایسے عقیدے ہیں وہ خطرناک انسان ہیں اور ایسے عقیدے کسی زمانہ میں جاہلوں کے لیے بغاوت کا ذریعہ ہو سکتے ہیں بلکہ ضرور ہوں گے سو ہماری کوشش ہے کہ مسلمان ایسے عقیدوں سے رہائی پاویں۔ یاد رکھو کہ وہ دین خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہو سکتا۔ جس میں انسانی ہمدردی نہیں۔ خدا تعالیٰ نے ہمیں یہ سکھایا ہے کہ زمین پر رحم کرو تا آسمان سے تم پر رحم کیا جاوے۔ والسلام۔

خاکسار میرزا غلام احمد مسیح موعود عافاہ اللہ وایّد

مورخہ ۷ رمئی ۱۹۰۷ء [1]

۱۴ر مئی ۱۹۰۷ء

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا انکسار

ایک شخص نے حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ حضور نے حقیقۃ الوحی کے لکھنے اور پروفوں کے بارہا پڑھنے میں بہت محنت اُٹھائی ہے اور یہی وجہ ہے کہ بار بار حضور کی طبیعت علیل ہو جاتی ہے اب حضور چند روز بالکل آرام فرمائیں اور پڑھنے لکھنے کے کام کو بالکل ترک فرماویں۔ حضرت نے جواب میں فرمایا:۔

ہماری محنت ہی کیا ہے۔ ہمیں تو شرم آتی ہے جبکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی محنتوں کی طرف نگاہ کرتے ہیں کہ کس طرح خوشی کے ساتھ انہوں نے خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنے سر بھی کٹوا دیئے۔[2]

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۱۹ صفحہ ۶ مورخہ ۹ رمئی ۱۹۰۷ء

[2] بدر جلد ۶ نمبر ۲۶ صفحہ ۷ مورخہ ۲۷ رجون ۱۹۰۷ء

بلاتاریخ

غسّال کے پیچھے نماز

ایک شخص نے حضرت سے سوال کیا کہ غسّال کو نماز کے واسطے پیش امام بنانا جائز ہے؟ فرمایا:۔

یہ سوال بے معنے ہے۔ غسّال ہونا کوئی گناہ نہیں۔ امامت کے لائق وہ شخص ہے جو متقی ہو۔ نیکوکار، عالم باعمل ہو۔ اگر ایسا ہے تو غسّال ہونا کوئی عیب نہیں جو امامت سے روک سکے[1]

۱۸ر مئی ۱۹۰۷ء

(بوقتِ ظہر)

خواب میں بادل کا دیکھنا

فرمایا:۔

مَیں نے خواب میں دیکھا تھا کہ بادل چڑھا ہے۔ میں ڈرا ہوں مگر کسی نے کہا کہ تمہارے لیے مبارک ہے۔

قرآن کریم سے بھی ثابت ہے کہ عذاب کو بادل کے رنگ میں دکھایا جاتا ہے۔ یہ لوگ نشان پر نشان دیکھتے ہیں مگر کچھ پروا نہیں کرتے۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ اپنے فعل کو عبث نہیں جانے دیگا۔ جو اس کے فعل کو عملی رنگ میں عبث قرار دیتے ہیں وہ ضرور پکڑے جاویں گے۔ موسٰیؑ کے زمانہ کی طرح ایک نشان سے بڑھ کر دوسرا نشان دکھایا جاتا ہے مگر ان کی فرعونیت فرعون سے بھی بڑھ گئی اپنی تدبیروں پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ مگر دیکھو کیسی اُلٹی مُنہ پر پڑتی ہے۔

رائے ظاہر کی کہ

طاعون اب رو بکمی ہے۔ اس کا کیڑا مر چکا ہے۔ مگر دیکھو کہ اس سال تمام پچھلے سالوں سے بڑھ کر مَری پڑی ہے اور آئندہ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے بھی بڑھ کر پڑے گی۔

بعض عیسائیوں کی درخواستوں کا تذکرہ تھا جو ضلالت کی ظُلمات سے نکل کر ہدایت کے نُور میں آنا چاہتے ہیں۔ فرمایا:۔

کسی کی غرض دین ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے سب سامان مہیا کر دیتا ہے۔ بیکار لوگ جو کسی کام کے نہ ہوں

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۲۱ صفحہ ۶ مورخہ ۲۳ مئی ۱۹۰۷ء

صرف کھانے پینے اور روپیہ جمع کرنے کی فکر میں ہوں ان کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ ایسے لوگ بعد میں تکلیف دہ ثابت ہوتے ہیں۔

خدا تعالیٰ کی رحیمیت پر اعتراض کا جواب

لاہور کا دہریہ اپنے اخبار جیون تت میں مختلف حوادثِ سماوی اور طاعون سے بعض جگہ آدمیوں کے تلف ہونے پر خدا تعالیٰ کی صفتِ رحیمیت پر اعتراض کرتا ہے اور نادان کو اتنا خیال نہیں آتا کہ گورنمنٹ کسی بدمعاش کو جیل خانہ بھیجتی ہے یا کسی مجرم کو پھانسی کا حکم دیتی ہے تو کیا کبھی کسی دانا نے گورنمنٹ کو ظالم یا بے رحم قرار دیا ہے؟ ظالم کو اس کے ظلم کی سزا دینا خود رحم ہے۔ کیا نادان دہریہ کے نزدیک جیل کے داروغے اور سیشن کورٹ کے جج سب ظالم اور سفاک ہیں؟ اور محکمہ جات سب بند کر دینے چاہئیں؟[1]

بلا تاریخ

حضرت ابراہیمؑ کیلئے آگ کا ٹھنڈا کیا جانا

ایک دوست کا خط حضرت کی خدمت میں پیش ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ پر جو آگ ٹھنڈی ہو گئی تھی آیا وہ فی الواقعہ آتشِ ہیزم تھی یا کہ فتنہ و فساد کی آگ تھی۔

حضرت نے فرمایا:۔

فتنہ و فساد کی آگ تو ہر نبی کے مقابل میں ہوتی ہے اور وہی ہمیشہ کوئی ایسا رنگ اختیار کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک معجزہ نما طاقت اپنے نبی کی تائید میں اس کے بالمقابل دکھاتا ہے۔ ظاہری آتش کا حضرت ابراہیمؑ پر فرو کر دینا خدا تعالیٰ کے آگے کوئی مشکل امر نہیں اور ایسے واقعات ہمیشہ ہوتے رہتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کے متعلق ان واقعات کی اب بہت تحقیقات کی ضرورت نہیں کیونکہ ہزاروں سالوں کی بات ہے۔ ہم خود اس زمانہ میں ایسے واقعات دیکھ رہے ہیں اور اپنے اوپر تجربہ کر رہے ہیں۔

معجزانہ حفاظت کے چند واقعات

(۱) ایک دفعہ کا ذکر ہے جبکہ میں سیالکوٹ میں تھا تو ایک دن بارش ہو رہی تھی جس کمرہ کے اندر میں بیٹھا ہوا تھا اس میں بجلی آئی سارا کمرہ دھوئیں کی طرح بھر گیا اور گندھک کی سی بُو آتی تھی، لیکن ہمیں کچھ ضرر نہ پہنچا

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۱۸ صفحہ ۱۰ مورخہ ۲۴ رمئی ۱۹۰۷ء و بدر جلد ۶ نمبر ۲۱ صفحہ ۸ مورخہ ۲۳ رمئی ۱۹۰۷ء

اسی وقت وہ بجلی ایک مندر میں گری جو کہ تیجا سنگھ کا مندر تھا اور اس میں ہندوؤں کی رسم کے مطابق طواف کے واسطے پیچ در پیچ ارد گرد دیوار بنی ہوئی تھی اور وہ اندر بیٹھا ہوا تھا۔ بجلی ان تمام چکروں میں سے ہو کر اندر جا کر اس پر گری اور وہ جل کر کوئلہ کی طرح سیاہ ہو گیا۔ دیکھو وہی بجلی کی آگ تھی جس نے اس کو جلا دیا مگر ہم کو کچھ ضرر نہیں دے سکی۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے ہماری حفاظت کی۔

(۲) ایسا ہی سیالکوٹ کا ایک اور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ رات کو مَیں ایک مکان کی دوسری منزل میں سویا ہوا تھا اور اسی کمرہ میں میرے ساتھ پندرہ سولہ اَور آدمی بھی تھے۔ رات کے وقت شہتیر میں ٹک ٹک کی آواز آئی۔ مَیں نے آدمیوں کو جگایا کہ شہتیر خوفناک معلوم ہوتا ہے یہاں سے نکل جانا چاہیئے۔ انہوں نے کہا کوئی چُوہا ہو گا کچھ خوف کی بات نہیں۔ اور یہ کہہ کر پھر سو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر ویسی ہی آواز سُنی۔ تب مَیں نے ان کو دوبارہ جگایا مگر پھر بھی انہوں نے کچھ پروا نہ کی۔ پھر تیسری بار شہتیر سے آواز آئی۔ تب مَیں نے اُن کو سختی سے اُٹھایا اور سب کو مکان سے باہر نکالا اور جب سب نکل گئے تو خود بھی وہاں سے نکلا۔ ابھی میں دوسرے زینہ پر تھا کہ وہ چھت نیچے گری اور دوسری چھت کو بھی ساتھ لے کر نیچے جا پڑی۔ اور چارپائیاں ریزہ ریزہ ہو گئیں اور ہم سب بچ گئے۔ یہ خدا تعالیٰ کی معجزنما حفاظت ہے جب تک کہ ہم وہاں سے نکل نہ آئے شہتیر گرنے سے محفوظ رہا۔

(۳) ایسا ہی ایک دفعہ ایک بچھو میرے بستر کے اندر لحاف کے ساتھ مرا ہوا پایا گیا اور دوسری دفعہ ایک بچھو لحاف کے اندر چلتا ہوا پکڑا گیا۔ مگر ہر دو بار خدا تعالیٰ نے مجھے ان کے ضرر سے محفوظ رکھا۔

(۴) ایک دفعہ میرے دامن کو آگ لگ گئی تھی۔ مجھے خبر بھی نہ ہوئی۔ ایک اور شخص نے دیکھا اور بتلایا اور اس آگ کو بُجھا دیا۔ خدا تعالیٰ کے پاس کسی کے بچانے کی ایک راہ نہیں بلکہ بہت راہیں ہیں۔ آگ کی گرمی اور سوزش کے واسطے بھی کئی ایک اسباب ہیں اور بعض اسباب مخفی در مخفی ہیں۔ جن کی لوگوں کو خبر نہیں اور خدا تعالیٰ نے وہ اسباب اب تک دُنیا پر ظاہر نہیں کئے جن سے اس کی سوزش کی تاثیر جاتی رہے۔ پس اس میں کونسی تعجب کی بات ہے کہ حضرت ابراہیمؑ پر آگ ٹھنڈی ہو گئی۔[۱]

بلا تاریخ

اگر آپکو طاعون ہے تو ہمارا سلسلہ ہی جھُوٹا ہے

ایک دفعہ مولوی محمد علی صاحب کو طاعون کے ایام میں سخت تپ چڑھا جو یہانتک

---

[۱] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۲۰ صفحہ ۳، ۴ مؤرخہ ۱۰ رجون ۱۹۰۷ء و بدر جلد ۶ نمبر ۲۳ صفحہ ۵ مورخہ ۶ رجون ۱۹۰۷ء

شدید تھا کہ انہوں نے سمجھا کہ مجھ کو طاعون ہو گیا ہے اور اس خیال کا ان پر اس قدر اثر پڑا کہ مفتی محمد صادق صاحب کو بُلا کر وصیت بھی لکھوانی شروع کر دی۔ اتفاقاً یہ خبر مجھ کو ملی اور میں ان کی عیادت کے لیے گیا تو ان کے اس خیال کو دُور کرنے کے لیے میں نے کہدیا کہ آپ کو قطعاً طاعون نہیں۔ اگر آپ کو طاعون ہے تو ہمارا سلسلہ ہی جھوٹا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے صاف کہدیا ہے کہ میں ہر ایک شخص کو جو اس چاردیواری میں ہے اس مرض سے بچاؤں گا اور یہ کہکر میں نے ان کی نبض جو دیکھی تو تپ کا کہیں نام و نشان بھی نہیں تھا۔ (منقول از تشحیذ الاذہان)

مسلمانوں کی یہود سے نسبت جہاد کی ممانعت کی نسبت جو نظم درثمین میں شائع ہو چکی ہے اس میں ایک شعر ہے ؎

اب زندگی تمہاری تو سب فاسقانہ ہے ؎ مومن نہیں ہو تم کہ قدم کافرانہ ہے

اس کی نسبت فرمایا کہ:۔

دیکھو آجکل ہر طرح کا فسق و فجور پھیلا ہوا ہے اور مسلمانوں کی پہلی سی حالت نہیں رہی۔ ان کے ہاتھوں سے سلطنت بھی اسی لیے چھینی گئی ہے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کو چھوڑ دیا۔ خدا تعالیٰ تو کسی کا رشتہ دار نہیں کہ وہ باوجود اس کے بگڑ جانے کے پھر بھی اس کی پاسداری کرتا چلا جاوے۔ چونکہ یہودیوں سے مسلمانوں کو نسبت ہے اس لیے ان کی طرح ان پر بھی دو دفعہ سخت عذاب آنا ضروری تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ تو تب ان پر عذاب آیا جبکہ ہلاکو خاں نے حملہ کر کے بغداد کو تباہ کیا اور مسلمانوں کو اس قدر ہلاک کیا کہ صرف بغداد میں کہتے ہیں کہ چھ لاکھ انسان قتل ہوا۔ اُس وقت کے مسلمانوں کی حالت اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ ایک بزرگ کے پاس لوگ اکٹھے ہوئے اور کہا کہ خدا تعالیٰ سے دُعا کیجئے گا کہ وہ ہم کو اس عذاب سے نجات دے اور یہ طوفان تھم جائے۔ انہوں نے فرمایا کہ کم بختو تمہاری وجہ سے ہم بھی اس عذاب میں پھنس گئے ہیں دیکھتا ہوں کہ فرشتے کھڑے کہتے ہیں یَآ اَیُّھَا الْکُفَّارُ اُقْتُلُوْا الْفُجَّارَ۔ یعنی اے کافرو! ان فاجروں کو قتل کرو۔ پس وہی حالت اس وقت دوبارہ ہو گئی ہے اور انگریزوں کی حکومت بھی جو کہ مذہب کی رُو سے کافر ہیں ہندوستان میں اسی لیے ہوئی ہے کہ مسلمان خود فاجر ہو گئے ہیں اور خدا تعالیٰ کے رحم کو حاصل کرنے کے لائق نہیں ہیں اور میرے اس شعر کا مطلب یہی ہے کہ خود تمہاری حالت ایسی نہیں رہی کہ خدا تعالیٰ تمہاری مدد کرے تو جہاد کیسا؟[1]

❁

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۲۰ صفحہ ۴ مورخہ ۱۰؍ جون ۱۹۰۷ء و بدر جلد ۶ نمبر ۲۳ صفحہ ۲ مورخہ ۶؍ جون ۱۹۰۷ء

۱۲؍مئی ۱۹۰۸ء

انسان ہردم خدا تعالیٰ کا محتاج ہے

ہم نے جو کیمیا کو شرک قرار دیا تھا تو اس کا یہ مطلب تھا کہ خدا تعالیٰ نہیں چاہتا کہ انسان مُستغنی ہو اسی لیے فرمایا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰٓی ۔ اَنْ رَّاٰہُ اسْتَغْنٰی (العلق: ۷، ۸) وہ فرماتا ہے۔ انسان سرکشی کرتا ہے جبکہ اپنے تئیں غنی دیکھتا ہے۔ عبودیت کا الوہیت سے ایسا تعلق ہے کہ عبد اپنے مولا کا ذرہ ذرہ کے لیے محتاج ہے اور ایک دم خدا تعالیٰ کے سوا نہیں گذار سکتا۔ پس جو شخص ایسے اسباب تلاش کرتا ہے جن سے خدا تعالیٰ کی طرف توجہ نہ رہے (اور توجہ مبنی ہے احتیاج پر) تو گویا شرک میں پڑتا ہے۔ کیونکہ اپنا قبلہ مقصود ایک کے سوا دوسرا بھی بناتا ہے۔ مومن تو وہ ہے جو ایسے امور کا نام تک نہ لے جن سے توحید میں رخنہ اندازی ہوتی ہو۔ اس بات کو خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ بیمار اسی وقت تک طبیب کے پاس رہتا ہے جب تک کہ بیمار ہے پس عبد بھی اسی وقت تک متوجہ رہے گا۔ جب تک عبودیت کی حالت باقی ہے

اَلْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ

دو فریق ہوتے ہیں جن میں مقابلہ ہوتا ہے مگر آخرکار وہی فتح پاتے ہیں جن کے ساتھ خدا ہوتا ہے۔ موسیٰ بظاہر فرعون کے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکتے تھے مگر خدا تعالیٰ نے اپنی عجیب در عجیب قدرتوں سے فتح بخشی۔

آخری فیصلہ کا وقت

بڑے تعجب کی بات ہے کہ مخالف اپنے دوسرے ہلاک شدہ بھائیوں سے ذرا بھی عبرت حاصل نہیں کرتے بلکہ ایک بولتا ہے تو دوسرا اس کی تائید کرتا ہے یہ آریہ ہوں یا مسلم یا ہندو یا سکھ۔ ہماری مخالفت میں سب ایک ہو جاتے ہیں (ایک حدیث میں مسیح موعود کا یہ نشان بھی ہے کہ کینہ و بغض باہم چلا جائے گا اور حدیث بھی اس کی تائید کرتی ہے[1]) حالانکہ یہ صرف اس بات پر تقویٰ و خدا ترسی کے ساتھ غور کریں کہ چھبیس[۲۶] برس کا زمانہ کوئی تھوڑا زمانہ نہیں بلکہ اس میں تو ایک بچہ بھی پیدا ہو کر بالغ ہو سکتا ہے۔ اب وہ زمانہ آتا ہے کہ آخری فیصلہ کر دیا جاوے اور وہ فرقان حاصل ہو۔ جو انبیاء اور ان کے مخالفین میں ہوا کرتا ہے۔ پہلے خدا تعالیٰ کو یہ پسند ہے کہ دو فریق آپس میں کشتی کریں پھر آخر وہ وقت آتا ہے کہ ایک فریق کی حمایت کر کے ان کو کامیاب کرے اور دوسرے کو فنا یا مغلوب کرے[2]

---

[1] غالباً یہ نوٹ ڈائری نویس کا ہے۔ واللہ اعلم (مرتب)

[2] بدر جلد ۷ نمبر ۲۲ صفحہ ۳ مورخہ ۳۰؍مئی ۱۹۰۸ء

بلا تاریخ

ایک دُعا اور اس کا جواز

میاں محمد دین احمدی کتاب فروش لاہور (حال ساکن موضع دھورہ ڈھیری بٹاں ریاست جموں) نے ایک عریضہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا جس میں لکھا تھا "یا حضرت میں نے چندروز سے محض رضائے الٰہی کے لیے جناب باری تعالیٰ میں یہ دُعا شروع کی ہے کہ میری عمر میں سے دس سال حضرت اقدس مسیح موعود کو دی جاوے کیونکہ اسلام کی اشاعت کے واسطے میری زندگی ایسی مفید نہیں۔ کیا ایسی دُعا مانگنا جائز ہے؟"

حضرت اقدس نے جواب میں تحریر فرمایا:۔

"ایسی دُعا میں مضائقہ نہیں بلکہ ثواب کا موجب ہے"

ہندوؤں سے ہمدردی

ایک شخص کا سوال حضرت کی خدمت میں پیش ہوا کہ بر سبب پُرانے تعلقات کے ایک ہندو ہمارے شہر کا ہمارے معاملاتِ شادی اور غمی میں شامل ہوتا ہے اور کوئی مر جائے تو جنازہ میں بھی ساتھ جاتا ہے۔ کیا ہمارے واسطے بھی جائز ہے کہ ہم اُن کے ساتھ ایسی شمولیت دکھائیں؟

فرمایا کہ:۔

ہندوؤں کی رسوم اور امور مخالفِ شریعتِ اسلام سے علیحدگی اور بیزاری رکھنے کے بعد دنیوی امور میں ہمدردی رکھنا اور ان کی امداد کرنا جائز ہے۔

نمازِ جمعہ کے بعد احتیاطی

ایک شخص کا سوال پیش ہوا کہ بعض لوگ جمعہ کے بعد احتیاطی پڑھتے ہیں۔ اس کے متعلق کیا حکم ہے۔

فرمایا کہ:۔

قرآنِ شریف کے حکم سے جمعہ کی نماز سب مسلمانوں پر فرض ہے جبکہ جمعہ کی نماز پڑھ لی تو حکم ہے کہ جاؤ اب اپنے کاروبار کرو۔ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ انگریزوں کی سلطنت میں جمعہ کی نماز اور خطبہ نہیں ہو سکتا کیونکہ بادشاہ مسلمان نہیں ہے تعجب ہے کہ خود بڑے امن کے ساتھ خطبہ اور نماز پڑھتے بھی ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ نہیں ہو سکتا پھر کہتے ہیں کہ احتمال ہے کہ جمعہ ہوا یا نہیں اس واسطے ظہر کی نماز بھی پڑھتے ہیں اور اس کا نام احتیاطی رکھا ہے۔

ایسے لوگ ایک شک میں گرفتار ہیں۔ ان کا جمعہ بھی شک میں گیا اور ظہر بھی شک میں گئی۔ نہ یہ حاصل ہوا نہ وہ۔ اصل بات یہ ہے کہ نماز جمعہ پڑھو۔ اور احتیاطی کی کوئی ضرورت نہیں [۱]

۸؍جون ۱۹۰۷ء

(بوقتِ عصر)

اِستخارہ کی اہمیت

فرمایا کہ:۔

آجکل اکثر مسلمانوں نے استخارہ کی سُنّت کو ترک کر دیا ہے۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیش آمدہ امر میں استخارہ فرمالیا کرتے تھے۔ سلف صالحین کا بھی یہی طریقہ تھا۔ چونکہ دہریت کی ہوا پھیلی ہوئی ہے اس لیے لوگ اپنے علم وفضل پر نازاں ہوکر کوئی کام شروع کر لیتے ہیں اور پھر نہاں در نہاں اسباب سے جن کا انہیں علم نہیں ہوتا نقصان اُٹھاتے ہیں۔ اصل میں یہ استخارہ ان بد رسُومات کے عوض میں رائج کیا گیا تھا جو مشرک لوگ کسی کام کی ابتداء سے پہلے کیا کرتے تھے لیکن اب مسلمان اُسے بھُول گئے حالانکہ استخارہ سے ایک عقلِ سلیم عطا ہوتی ہے جس کے مطابق کام کرنے سے کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ بعض لوگ کوئی کام خود ہی اپنی رائے سے شروع کر بیٹھتے ہیں اور پھر درمیان میں آکر ہم سے صلاح پوچھتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں جس علم وعقل سے پہلے شروع کیا تھا اسی سے نبھائیں۔ اخیر میں مشورے کی کیا ضرورت؟ [۲]

۱۱؍جون ۱۹۰۷ء

آریوں کی فطرت

فرمایا:۔

ہمارا ایک پُرانا واقف ہندو ہے اس کا خط آیا تھا کہ آریہ لوگ دراصل گورنمنٹ کے خیر خواہ ہیں۔ سرکار کو غلط فہمی ہوئی۔ میں نے اسے خط لکھا ہے یہ تمہاری غلطی ہے کہ آریہ سرکار کے خیر خواہ ہیں۔ اس سلوک کو دیکھا جائے جو گورنمنٹ نے ان کے ساتھ کیا ہے کہ ان کو اعلیٰ تعلیم دی ہے اور تمام معزز عہدوں پر انکو ممتاز

---

[۱] بدر جلد ۶ نمبر ۲۳ صفحہ ۸ مورخہ ۶؍جون ۱۹۰۷ء

[۲] بدر جلد ۶ نمبر ۲۴ صفحہ ۳ مورخہ ۱۳؍جون ۱۹۰۷ء

کیا ہے اور دفاتر اُن سے بھر دیئے ہیں اور پھر اس سلوک کو دیکھا جائے جو کہ اب انہوں نے گورنمنٹ کے ساتھ کیا ہے تو ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ گورنمنٹ کے صرف بدخواہ ہی نہیں بلکہ نمک حرام بھی ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ آریوں کی فطرت میں یہ بدی ہے کہ اپنے محسن کے ساتھ ایسی بدسلوکی کریں۔

فرمایا:۔

مَیں نے اس کو صلاح دی ہے کہ تم اپنا تعلق آریوں سے بالکل علیحدہ کر لو۔

ناجائز وعدہ کو توڑنا ضروری ہے

ایک شخص کی درخواست پیش ہوئی کہ میری ہمشیرہ کی منگنی مدت سے ایک غیر احمدی کے ساتھ ہو چکی ہے اب اس کو قائم رکھنا چاہیئے یا نہیں؟

فرمایا:۔

ناجائز وعدہ کو توڑنا اور اصلاح کرنا ضروری ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھائی تھی کہ شہد نہ کھائیں گے۔ خدا تعالیٰ نے حکم دیا کہ ایسی قسم کو توڑ دیا جاوے۔ علاوہ ازیں منگنی تو ہوتی ہی اسی لیے ہے کہ اس عرصہ میں تمام حسن و قبح معلوم ہو جاویں۔ منگنی نکاح نہیں ہے کہ اس کو توڑنا گناہ ہو۔

مجالسِ مشاعرہ

ایک جگہ بعض شاعرانہ مذاق کے دوست ایک باقاعدہ انجمنِ مشاعرہ قائم کرنا چاہتے تھے اس کے متعلق حضرت سے دریافت کیا گیا۔

فرمایا:۔

یہ تضیعِ اوقات ہے کہ ایسی انجمنیں قائم کی جاویں اور لوگ شعر بنانے میں مستغرق رہیں ہاں یہ جائز ہے کہ کوئی شخص ذوق کے وقت کوئی نظم لکھے اور اتفاقی طور پر کسی مجلس میں سُنائے یا کسی اخبار میں چھپوائے۔ ہم نے اپنی کتابوں میں کئی نظمیں لکھی ہیں مگر اتنی عمر ہوئی آج تک کبھی کسی مشاعرہ میں شامل نہیں ہوئے۔ مَیں ہرگز پسند نہیں کرتا کہ کوئی شاعری میں اپنا نام پیدا کرنا چاہے۔ ہاں اگر حال کے طور نہ صرف قال کے طور پر اور جوشِ رُوحانی سے اور نہ خواہشِ نفسانی سے کبھی کوئی نظم جو مخلوق کے لیے مفید ہو سکتی ہو لکھی جائے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ مگر یہی پیشہ کر لینا ایک منحوس کام ہے۔[1]

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۲۶ صفحہ ۷ مورخہ ۲۷ جون ۱۹۰۷ء نیز الحکم جلد ۱۱ نمبر ۲۳ صفحہ ۳ مورخہ ۳۰ جون ۱۹۰۷ء

بلا تاریخ

احسان دل کو مسخر کر لیتا ہے

فرمایا کہ :-

احسان ایک نہایت عمدہ چیز ہے۔ اس سے انسان اپنے بڑے بڑے مخالفوں کو زیر کر لیتا ہے چنانچہ سیالکوٹ میں ایک شخص تھا جو کہ تمام لوگوں سے لڑائی رکھتا تھا اور کوئی ایسا آدمی نہ ملتا تھا جس سے اس کی صلح ہو۔ یہانتک کہ اس کے بھائی اور عزیز و اقارب بھی اس سے تنگ آ چکے تھے۔ اُس سے مَیں نے بعض دفعہ معمولی سا سلوک کیا اور وہ اس کے بدلہ میں کبھی ہم سے بُرائی سے پیش نہ آتا بلکہ جب ملتا تو بڑے ادب سے گفتگو کرتا۔ اسی طرح ایک عرب ہمارے ہاں آیا اور وہ وہابیوں کا سخت مخالف تھا یہانتک کہ جب اس کے سامنے وہابیوں کا ذکر بھی کیا جاتا تو گالیوں پر اُتر آتا۔ اس نے یہاں آکر بھی سخت گالیاں دینی شروع کیں اور وہابیوں کو بُرا بھلا کہنے لگا۔ ہم نے اس کی کچھ پروا نہ کر کے اس کی خدمت خوب کی اور اچھی طرح سے اس کی دعوت کی۔ اور ایک دن جبکہ وہ غصہ میں بھرا ہوا وہابیوں کو خوب گالیاں دے رہا تھا کسی شخص نے اس کو کہا کہ جس کے گھر تم مہمان ٹھہرے ہو وہ بھی تو وہابی ہے۔ اس پر وہ خاموش ہو گیا اور اس شخص کا مجھ کو وہابی کہنا غلط نہ تھا کیونکہ قرآن شریف کے بعد صحیح احادیث پر عمل کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔ خیر وہ شخص چند دن کے بعد چلا گیا۔ اس کے بعد ایک دفعہ لاہور میں مجھ کو پھر ملا۔ اگرچہ وہ وہابیوں کی صورت دیکھنے کا بھی روادار نہ تھا مگر چونکہ اس کی تواضع اچھی طرح سے کی تھی اس لیے اس کا وہ تمام جوش و خروش دب گیا اور وہ بڑی مہربانی اور پیار سے مجھ کو ملا۔ چنانچہ بڑے اصرار کیساتھ مجھ کو ساتھ لے گیا اور ایک چھوٹی سی مسجد میں جس کا وہ امام مقرر ہوا تھا مجھ کو بٹھلایا اور خود نوکروں کی طرح پنکھا کرنے لگا اور بہت خوشامد کرنے لگا کہ کچھ چاشے وغیرہ پی کر جاویں۔ پس دیکھو کہ احسان کس قدر دلوں کو مسخر کر لیتا ہے[1]

اِخلاص کی ایک علامت

ایک صاحب کی لڑکی بیمار تھی۔ انہوں نے اس کی دُعا کے لیے تار بھیجا تھا۔ آپ نے اس کو پڑھ کر فرمایا کہ :-

دیکھو یہ لوگ ہم سے کتنا اخلاص رکھتے ہیں۔ جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو جھٹ ہماری طرف آتے اور دُعا کے خواستگار ہوتے ہیں۔ مَیں دُعا کروں گا۔ آگے شفا خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

چند دن ہوئے مجھ کو الہام ہوا تھا کہ "لاہور سے ایک افسوسناک خبر آئی"۔ چنانچہ یہ چھپ بھی چکا ہے اور اس

---

[1] قیاس ہے کہ غالباً یہ دونو واقعات حضور علیہ السلام کے دعویٰ ماموریت سے پہلے کے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب (خاکسار مرتب)

اسلام کی وجہ سے ہم نے ایک آدمی لاہور بھیج کر پچھوایا بھی تھا کہ وہاں کے دوستوں کا کیا حال ہے مگر کیا معلوم تھا کہ یہ چند دن کے بعد پورا ہوگا۔[1]

لنگر خانہ کی اہمیت

فرمایا:۔
آجکل لوگ لنگر کی طرف بہت کم توجہ کرتے ہیں اور دوسری مدات کی طرف بہت متوجہ ہیں۔ حالانکہ سب سے ضروری مد یہی ہے کیونکہ اس کی وجہ سے بہت سے لوگ علم حاصل کرتے ہیں۔ بعض دفعہ کئی کئی دن تک ایک ایک دو دو روپیہ ہی آتے ہیں اور خرچ دوسرے دن کا سو روپیہ ہوتا ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسری مداتوں کی تحریکات ہمیشہ ہوتی رہتی ہیں اور لنگر کی کوئی تحریک نہیں ہوتی۔[2]

بلا تاریخ

جسکے ہاں ماتم ہو اس کیساتھ ہمدردی

حضرت کی خدمت میں سوال پیش ہوا کہ کیا یہ جائز ہے کہ جب کارِ قضا کسی بھائی کے گھر میں ماتم ہو جائے تو دوسرے دوست اپنے گھر میں اس کا کھانا تیار کریں۔

فرمایا:۔
نہ صرف جائز بلکہ برادرانہ ہمدردی کے لحاظ سے یہ ضروری ہے کہ ایسا کیا جاوے۔[3]

---

۶ رجولائی ۱۹۰۷ء

دجّال کے دُو مظاہر

فرمایا:۔
دجال کی دو شاخیں ہیں۔ ایک تو پادری لوگ ہیں جو گویا نبوت کا دعویٰ

---

[1] نوٹ از ایڈیٹر صاحب بدر:۔ چنانچہ چند روز کے بعد خبر آئی کہ مریض فوت ہوگیا ہے چونکہ وہ ایک معصوم بچہ تھا خدا تعالیٰ نے اس کو بخش ہی دیا ہوگا۔ خدا تعالیٰ اس کے والدین کو اس کا نعم البدل عطا فرمائے۔ (ایڈیٹر)

[2] بدر جلد ۶ نمبر ۲۷ صفحہ ۷ مورخہ ۴ رجولائی ۱۹۰۷ء

[3] بدر جلد ۶ نمبر ۲۸ صفحہ ۳ مورخہ ۱۱ رجولائی ۱۹۰۷ء

کرتے تھا۔ ہر قسم کے مکروفریب کے ساتھ لوگوں کو بہکاتے ہیں اور عیسائی بناتے ہیں۔ خود انجیل اور تورات کا ترجمہ در ترجمہ کرتے ہیں۔ اصل کتاب ان کے پاس موجود نہیں۔ تراجم میں ہمیشہ تبدیلیاں کرتے ہیں اور انہی اپنے خیالات کے الفاظ کو دُنیا کے سامنے پیش کرکے بیان کرتے ہیں کہ خدا کا کلام ہے۔ یہ ایک طرح سے نبوت کا دعویٰ ہے۔ دوسرے اس زمانہ کے فلسفی لوگ ہیں جو کہ خداتعالیٰ کے ہی منکر ہو بیٹھے ہیں اور رات دن مادی دُنیا کی طرف ایسے جھکے ہوئے ہیں کہ دین کو کچھ نہیں سمجھتے بلکہ دین کو غیر ضروری اور اپنی دنیوی ترقی کی راہ میں ایک عارج یقین کرتے ہیں۔

وقت کے مُرسَل کو ماننا ضروری ہے

فرمایا:۔
خداتعالیٰ کی عدول حکمی سے کوئی شخص کس طرح بچ سکتا ہے۔ جو لوگ اس زمانہ میں خداتعالیٰ کے مُرسَل کو نہیں مانتے وہ خداتعالیٰ کی عدول حکمی کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو یہود اور عیسائی تھے وہ صاحبِ شریعت تھے۔ نمازیں پڑھتے تھے، روزے رکھتے تھے۔ تمام انبیاء کو مانتے تھے مگر آنحضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ ماننے کے سبب وہ کافر قرار دیئے گئے۔ اس زمانہ کے لوگ جو نہ صرف ہمارے مخالف ہیں بلکہ ہم کو کافر قرار دیتے ہیں وہ بموجب حدیثِ نبویؐ مومن کو کافر کہہ کر خود کافر بنتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔

مُعلّق مال پر زکوٰۃ واجب نہیں

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ تجارت کا مال جو ہے جس میں بہت سا حصّہ خریداروں کی طرف ہوتا ہے اور اُگراہی میں پڑا ہوتا ہے اس پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

فرمایا:۔
جو مال مُعلّق ہے اس پر زکوٰۃ نہیں جب تک کہ اپنے قبضہ میں نہ آجائے لیکن تاجر کو چاہیئے کہ حیلے بہانے سے زکوٰۃ کو نہ ٹال دے۔ آخر اپنی حیثیت کے مطابق اپنے اخراجات بھی تو اسی مال میں سے برداشت کرتا ہے۔ تقویٰ کے ساتھ اپنے مالِ موجودہ اور مُعلّق پر نگاہ ڈالے اور مناسب زکوٰۃ دیکر خداتعالیٰ کو خوش کرتا رہے۔ بعض لوگ خداتعالیٰ کے ساتھ بھی حیلے بہانے کرتے ہیں۔ یہ درست نہیں ہے۔

دین کو دُنیا پر مُقدّم رکھنا چاہیئے

فرمایا:۔
دین کو دُنیا پر مقدم رکھنا نہایت مشکل امر ہے۔ کہنے کو تو

انسان کہہ دیتا ہے اور اقرار بھی کر لیتا ہے مگر اس کا پورا کرنا ہر ایک کا کام نہیں۔ دین کو دنیا پر مقدم رکھنا اس طرح سے پہچانا جاتا ہے کہ جب انسان کا دنیوی مال میں نقصان ہو تو کس قدر درد اس کے دل کو پہنچتا ہے اور اس کے بالمقابل جب کسی دینی امر میں نقصان ہو جائے تو پھر کس قدر درد اس کے دل کو ہوتا ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ اس شناخت کے واسطے اپنے دل کو ہی ترازو بنائے کہ دنیادی نقصان کے واسطے وہ کس قدر بیقرار ہوتا ہے اور چیختا چلاتا ہے اور پھر دینی نقصان کے وقت اس کا کیا حال ہوتا ہے؟ بد ہے وہ شخص جو دوسرے کو دھوکا دیتا ہے مگر بدتر وہ ہے جو اپنے آپ کو بھی دھوکا دیتا ہے۔ دین کو مقدم نہیں کرتا اور خیال کرتا ہے کہ میں دین کو مقدم کئے ہوئے ہوں۔ وہ سچے طور پر خدا تعالیٰ کا فرمانبردار نہیں بنا اور ظن کرتا ہے کہ میں مسلمان ہوں۔ جو شخص دوسرے پر ظلم کرتا ہے ممکن ہے وہ ظلم کر کے بھاگ جائے گا اور اس طرح اپنے آپکو بچا لے مگر وہ جس نے اپنی جان پر ظلم کیا وہ کہاں بھاگ کر جائیگا اور اس ظلم کی سزا سے کس طرح بچ سکے گا۔ مبارک ہے وہ جو دین کو اور خدا تعالیٰ کو سب چیزوں پر مقدم رکھتا ہے کیونکہ خدا بھی اُسے مقدم رکھتا ہے۔

حقیقۃ الوحی کو غور سے پڑھیں

فرمایا:۔ ہمارے دوستوں کو چاہیئے کہ حقیقۃ الوحی کو اول سے آخر تک بغور پڑھیں بلکہ اس کو یاد کریں۔ کوئی مولوی ان کے سامنے نہیں ٹھہر سکے گا کیونکہ ہر قسم کے ضروری امور کا اس میں بیان کیا گیا ہے اور اعتراضوں کے جواب دیئے گئے ہیں۔

خواجہ غلام فریدؒ صاحب کا ذکرِ خیر

فرمایا:۔ خواجہ غلام فریدؒ صاحب کی سوانح کی ایک کتاب لکھی گئی ہے۔ اس میں خواجہ صاحب نے جابجا ہماری تائید کی ہے۔ ایک جگہ لکھا ہے کہ بعض مولویوں نے خواجہ صاحب مرحوم سے دریافت کیا تھا کہ آپ کیوں اُن کی تائید کرتے ہیں مولوی لوگ تو ان کو کافر قرار دیتے ہیں۔ تو انہوں نے کیا خوب جواب دیا کہ مولوی لوگوں نے پہلے کس کو مانا ہے اور کس کو کافر قرار نہیں دیا؟ ان کا تو کام ہی یہ ہے ان کی طرف مت خیال کرو۔

فیصلہ کی آسان راہ

ایک صاحب نے حضرت کی خدمت میں ذکر کیا کہ حضور کی اس تحریر پر جو اخبار میں چھپی ہے کہ "اگر ہمارے مکذّب ہمارے شائع کردہ الہامِ الٰہی اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ کو افتراء سمجھتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ محض ہم نے اپنے دل

سے یہ بات بنائی ہے اور یہ خدا تعالیٰ کا کلام نہیں جو ہم پر نازل ہوا ہے اور صرف اتفاقی طور پر ہمارے گھر کی حفاظت ہو رہی ہے تو چاہیئے کہ ہمارے مکذبوں میں سے بھی کوئی ایسا الہام شائع کرے تب اس کو جلد معلوم ہو جاوے گا کہ افتراء کا کیا نتیجہ ہے"۔ اس بات کو پڑھ کر بعض مخالف یہ کہتے ہیں کہ ہم مفتری نہیں ہیں جو خدا تعالیٰ پر افتراء کریں۔ ہم کس طرح ایسا الہام شائع کر سکتے ہیں ؟

حضرت نے فرمایا:۔

یہی بات ہے جو ہم ان کو سمجھانا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر افتراء کر کے کوئی شخص بچ نہیں سکتا۔ اگر یہ کلام ہم پر خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل نہ ہوتا اور ہمارا افتراء ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کلمہ کے مطابق ہمارے گھر کی حفاظت کیوں کرتا جبکہ ایک کلام صریح الفاظ میں پورا ہو گیا ہے تو پھر اس کے ماننے میں کیا شک ہے۔ لیکن ہم نے مخالفین کے واسطے فیصلہ کی دوسری راہ بھی بیان کر دی ہے کہ جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ یہ انسان کا افتراء ہے تو اسے لازم ہے کہ وہ قسم کھا کر ان الفاظ کے ساتھ بیان کرے کہ یہ انسان کا افتراء ہے۔ خدا تعالیٰ کا کلام نہیں وَلَعْنَةُ اللهِ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَحْيَ اللهِ۔ اگر کوئی شخص ایسی قسم کھاوے تو خدا تعالیٰ اس قسم کا نتیجہ ظاہر کر دے گا۔

چاہیئے کہ مولوی ثناء اللہ صاحب اور جعفر زٹلی لاہوری اور ڈاکٹر عبد الحکیم صاحب اور غزنوی صاحبان بہت جلد اس کی طرف توجہ کریں۔

ایک الہام کی تشریح

ایک سوال پیش ہوا کہ حضور کو جو الہام ہوا ہے "قرآن خدا کا کلام اور میرے منہ کی باتیں"۔ اس الہام الٰہی میں میرے کی ضمیر کس کی طرف پھرتی ہے۔ یعنی کس کے منہ کی باتیں ؟

فرمایا:۔

خدا کے منہ کی باتیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے منہ کی باتیں۔ اس طرح کے ضمائر کے اختلاف کی مثالیں قرآن شریف میں موجود ہیں۔ فرمایا:۔

بعض رؤیا یا الہامات ظاہر الفاظ میں مُنذِر ہوتے ہیں اور مُلہَم اس وقت ڈر جاتا ہے اور خوف کھاتا ہے مگر دراصل اس کے معنے کچھ اور ہوتے ہیں۔ ایک دفعہ ہم کو سخت درد گردہ تھا۔ کسی دوا سے آرام نہ ہوتا تھا۔ الہام ہوا "الوداع" اس کے بعد درد بالکل یک دفعہ بند ہو گیا۔ تب معلوم ہوا کہ یہ الوداع درد کا تھا۔

آریہ کب سمجھیں گے

فرمایا:۔

بعض اخبارات کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لاجپت رائے اور اجیت سنگھ

کی جلاوطنی سے آریوں کو پورے طور پر نصیحت حاصل نہیں ہوئی۔ اس واقعہ کو وہ صرف ایک شخصی وبال خیال کرتے ہیں اور قومی وبال نہیں سمجھتے۔ یہ ان کی غلطی ہے۔ گورنمنٹ ان لوگوں کے ایسے حالات دیکھ کر اب ان کی نسبت ضرور محتاط رہے گی۔ ان کو چاہیئے کہ گورنمنٹ کے متعلق اپنے رویہ کو ہمیشہ کے واسطے درست کریں۔

علمِ طب کی بنیاد ظنیات پر ہے

فرمایا:۔

علمِ طب کی بناء بھی ظنیات پر ہے۔ جب مرض الموت آتی ہے تو کوئی دوا شفا نہیں دیتی بلکہ ہر ایک دوا اُلٹی پڑتی ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ شفا دینا چاہتا ہے تو معمولی دوائی بھی کارگر ہو جاتی ہے۔[1]

---

۹ جولائی ۱۹۰۷ء

نسل کشی کیلئے سانڈ رکھنا

ایک شخص نے سوال کیا کہ خالصۃً لوجہ اللہ نسل افزائی کی نیت سے اگر کوئی سانڈ چھوڑے تو کیا یہ جائز ہے؟

فرمایا:۔

اَصْلُ الْاَشْیَاءِ اِبَاحَۃٌ۔ اشیاء کا اصل تو اباحت ہی ہے۔ جنہیں خدا تعالیٰ نے حرام فرمایا وہ حرام ہیں باقی حلال۔ بہت سی باتیں نیت پر موقوف ہیں۔ میرے نزدیک تو یہ جائز بلکہ ثواب کا کام ہے۔

عرض کیا گیا کہ قرآن مجید میں آیا ہے۔ فرمایا:۔

مَیں نے جواب دیتے وقت اسے زیرِ نظر رکھ لیا ہے۔ وہ تو دیوتوں کے نام پر دیتے۔ یہاں خاص خدا تعالیٰ کے نام پر ہے۔ نسل افزائی ایک ضروری بات ہے۔ خدا تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں اَنعام وغیرہ کو اپنی نعمتوں سے فرمایا ہے۔ سو اس نعمت کی قدر کرنی چاہیئے اور قدر یہی نسل کا بڑھانا بھی ہے پس اگر ایسا نہ ہو تو پھر چارپائے کمزور رہوں گے اور دُنیا کے کام بخوبی نہ چل سکیں گے اس لیے میرے نزدیک تو حرج کی بات نہیں۔ ہر ایک عمل نیت پر موقوف ہے۔ ایک ہی کام جب غیر اللہ کے نام پر ہو تو حرام اور اگر اللہ کے لیے ہو تو حلال ہو جاتا ہے۔

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۲۸ صفحہ ۵-۶ مورخہ ۱۱ جولائی ۱۹۰۷ء

باآواز بلند اپنی زبان میں دُعا

ایک شخص نے سوال کیا کہ حضور امام اگر اپنی زبان میں (مثلاً اردو میں) باآواز بلند دُعا مانگتا جائے اور پچھلے آمین کرتے جاویں تو کیا یہ جائز ہے جبکہ حضور کی تعلیم ہے کہ اپنی زبان میں دُعائیں نماز میں کر لیا کرو۔

فرمایا:۔

دُعا کو باآواز بلند پڑھنے کی ضرورت کیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے تو فرمایا۔ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً (الاعراف : ۵۶) اور دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ (الاعراف ۲۰۶)

عرض کیا کہ قنوت تو پڑھ لیتے ہیں۔ فرمایا:۔

ہاں ادعیۂ ماثورہ جو قرآن و حدیث میں آچکی ہیں وہ بیشک پڑھ لی جاویں۔ باقی دُعائیں جو اپنے ذوق و حال کے مطابق ہیں وہ دل ہی میں پڑھنی چاہئیں۔

کنوئیں کو پاک کرنے کے بارہ میں اُصولی فتویٰ

سوال ہوا کہ یہ جو مسئلہ ہے کہ جب چوہا یا بلی یا مرغی یا بکری یا آدمی کنوئیں میں مر جاویں تو اتنے دَلو پانی نکالنے چاہئیں۔ اس کے متعلق حضور کا کیا ارشاد ہے ہم پہلے تو ہمارا یہی عمل تھا کہ جب تک رنگ بُو مزا نہ بدلے پانی کو پاک سمجھتے۔

فرمایا:۔

ہمارا تو وہی مذہب ہے جو احادیث میں آیا ہے۔ یہ جو حساب ہے کہ اتنے دَلو نکالو اگر فلاں جانور پڑے اور اتنے اگر فلاں پڑے۔ یہ ہمیں تو معلوم نہیں اور نہ اس پر ہمارا عمل ہے۔

عرض کیا گیا کہ حضور نے فرمایا ہے جہاں سنّتِ صحیحہ سے پتہ نہ ملے وہاں حنفی فقہ پر عمل کر لو۔ فرمایا:۔

فقہ کی معتبر کتابوں میں کب ایسا تعین ہے" ہاں نجات المومنین" میں لکھا ہے۔ سو اس میں تو یہ بھی لکھا ہے۔

سر ٹوٹے وچہ دے کے بیٹھ نماز کرے

کیا اس پر کوئی عمل کرتا ہے اور کیا یہ جائز ہے جبکہ حیض و نفاس کی حالت میں نماز منع ہے پس ایسا ہی یہ مسئلہ بھی سمجھ لو۔

مَیں تمہیں ایک اصل بتا دیتا ہوں کہ قرآنِ مجید میں آیا ہے وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (المدثر : ۶) جب پانی کی حالت اس قسم کی ہو جائے جس سے صحت کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو تو صاف کر لینا چاہیئے۔ مثلاً پتے پڑ جاویں یا کیڑے وغیرہ (حالانکہ اس پر یہ ملاں وغیرہ نجس ہونے کا فتویٰ نہیں دیتے) باقی یہ کوئی مقدار مقرر نہیں۔ جب

تک رنگ و بُو و مزا نجاست سے نہ بدلے وہ پانی پاک ہے۔[1]

---

۱۲ جولائی ۱۹۰۶ء

(قبل از خطبہ جمعہ)

احسان اور دُعا

باہر سے آئے ہوئے ایک شخص نے عرض کیا کہ حضور میری بیوی کسی صورت میں مسلمان نہیں ہوتی۔ کیا کروں مَیں تو اُسے بہتیرا سمجھا چکا ہوں۔

فرمایا:۔

دیکھو۔ زبانی وعظوں سے اتنا اثر نہیں ہوتا جتنا اپنی حالت درست کرکے اپنے تئیں نمونہ بنانے سے۔ تم اپنی حالت کو ٹھیک کرو اور ایسے بنو کہ لوگ بے اختیار بول اُٹھیں کہ اب تم وہ نہیں رہے۔ جب یہ حالت ہوگی تو تمہاری بیوی کیا کئی لوگ تمہارا مذہب قبول کریں گے۔ حدیث میں آیا ہے خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ۔ پس جب بیوی سے تمہارا اچھا سلوک ہوگا وہ تو خود بخود محجوب ہوکر تمہاری مخالفت چھوڑ دے گی اور دل سے جان لے گی کہ یہ مذہب بہت ہی اچھا ہے جس میں ایسے نرم و عمدہ سلوک کی ہدایت ہوتی ہے پھر وہ خواہ مخواہ متابعت کریگی۔ احسان تو ایسی چیز ہے کہ اس سے ایک کُتا بھی نادم ہو جاتا ہے چہ جائیکہ ایک انسان۔

اس شخص نے عرض کی کہ حضور وہ تو کبھی نہیں مانتے کی۔

فرمایا:۔

دیکھو۔ مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ خدا تعالیٰ جب کسی دل میں تبدیلی پیدا کرنا چاہتا ہے تو کسی چھوٹی سی بات سے کر دیتا ہے۔ دُعا کرنی چاہیئے کہ دل سے نکلی ہوئی دُعا ضائع نہیں جاتی اور لطیف پیرایہ میں نصیحت بھی کرتے رہیں مگر سختی نہ کریں۔ اُسے سمجھائیں کہ ہمارا وہی اسلام دین ہے۔ یہ کوئی نیا مذہب نہیں۔ وہی نماز وہی روزہ وہی حج وہی زکوٰۃ۔ صرف فرق اتنا ہے کہ یہ باتیں جو صرف جسم بے رُوح رہ گئی ہیں۔ ہم ان میں اخلاص کی خاص روح پیدا کرنا چاہتے ہیں اور اُن کے اثر جو مرتب نہیں ہوتے ہم چاہتے ہیں کہ ایسے طور سے ادا کئے جاویں کہ اُن میں اثر پیدا ہوں۔ عقیدہ میں یہ بات ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو ہم اور نبیوں کی طرح فوت شدہ مانتے ہیں اور ایک مسلمان کی محبت جو اُسے اپنے متبوع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے وہ اس بات کی متقاضی ہے کہ جب آپ فوت ہوگئے تو اُنکے بعد

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۳۱ صفحہ ۸ مورخہ یکم اگست ۱۹۰۷ء

کسی کو زندہ نہ سمجھے۔ صحابہ کرامؓ کس قدر دردو اَلم میں تھے جب مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (آل عمران : ۱۴۵) سُنا تو سب کو ٹھنڈ پڑ گئی۔ مگر یاد رکھو ان وعظوں سے کچھ نہیں بنتا جب تک ساتھ دُعا اور اپنا عملی نمونہ نہ ہو۔ ہر جمعہ کس قدر مولوی سر کھپاتے ہیں مگر خاک بھی اثر نہیں ہوتا۔ کیوں؟ اس لیے کہ جو کچھ کہتے ہیں اُن کا خود اس پر عمل نہیں۔ جتنے پیغمبر دُنیا میں آئے ان میں سے کسی نے بھی وعظوں پر اتنا سر نہیں مارا۔ جتنا دُعا و عملی نمونہ کام دیتا ہے سو اُسے میسر لانے کی کوشش کرو۔[1]

۱۴؍جولائی ۱۹۰۷ء

طاعون سے بچنے کا حقیقی علاج

حضرت ام المومنین مع صاحبزادگان و اقارب و خُدام اطبارہ کس بغرض تبدیل ہوا ۱۴؍جولائی ۱۹۰۷ء کو لاہور کی طرف روانہ ہوئے تھے اور ۱۴؍جولائی ۱۹۰۷ء کو بروز اتوار ایک بجے دن کے بٹالہ میں واپس پہنچ گئے۔ اس واسطے حضرت اقدس مع چند خدام کے ۱۴؍جولائی کی صبح کو بٹالہ تک تشریف لے گئے تھے۔ چونکہ گرمی کا موسم ہے اس واسطے صبح سویرے پانچ بجے کے قریب یہاں سے روانہ ہوئے۔ آپ پالکی میں بیٹھے ہوئے تھے بہت سے عاشقانہ مزاج خدام پالکی کے ساتھ ساتھ دوڑتے ہوئے بٹالہ تک گئے۔ قریب دس بجے کے آپ بٹالہ میں پہنچے۔ بٹالہ کے شریف اور لائق تحصیلدار جناب رائے جسمل صاحب کا شکریہ ہے کہ جب ان کو یہ بات معلوم ہوئی کہ حضرت اقدس تشریف لاتے ہیں اور چند گھنٹہ وہاں قیام کریں گے تو انہوں نے سٹیشن کے پاس ہی اپنے مکان کے متصل ایک عمدہ آرام کی جگہ مہیا کر دی۔ تحصیلدار صاحب خود بھی حضرت کی ملاقات کے واسطے تشریف لائے۔ اثنائے گفتگو میں انہوں نے فرمایا کہ میں شہر سے باہر اسی جگہ رہتا ہوں۔

حضرت نے فرمایا کہ :۔

اسی جگہ رہنا بہتر ہے کیونکہ شہر میں اکثر بیماری کا خوف ہوتا ہے اور گذشتہ موسم میں بٹالہ میں بہت طاعون تھی اور اگرچہ اب آرام ہے تاہم جائے امن نہیں ہے کیونکہ اصل بات یہ ہے کہ لوگ اصلاح عمل کی طرف توجہ نہیں کرتے اور جب تک کہ اصلاحِ عمل نہ ہوگی یہ عذاب دُور نہ ہوگا۔ پہلے پہل جبکہ طاعون سے بچنے کے واسطے ٹیکے کی تجویز

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۲۸ صفحہ ۶ مورخہ ۱۰؍اگست ۱۹۰۷ء

کی گئی تھی اور بڑے زور شور سے ہر جگہ ٹیکہ لگایا جاتا تھا۔اس وقت ہم نے بھی ایک کتاب بنام کشتی نوح لکھی تھی جس میں ہم نے یہ بات ظاہر کی تھی کہ اس بیماری سے بچنے کا اصل اور حقیقی علاج یہ ہے کہ لوگ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کریں۔ اس وقت ایک انگریز اور ایک دیسی افسر جو کہ ای۔اے۔سی تھا ہر دو ٹیکہ لگانے کے واسطے قادیان میں بھی آئے تھے تب ہم نے اپنی کتاب کا ایک نسخہ ان کو بھیجا تھا جس کو دیسی افسر نے پڑھ کر اس انگریز کو سنایا۔اس کو سن کر انگریز نے کہا کہ سچ تو یہی ہے جو اس کتاب میں لکھا ہے باقی تو سب حیلے ہی ہیں اصل علاج یہی ہے۔

غرض جو خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہے خدا تعالیٰ اس پر رحم کرتا ہے۔میں حیران ہوں کہ میں یہ باتیں کس طرح لوگوں کے دلوں میں ڈال دوں کیونکہ یہ آسمانی اور روحانی باتیں ہیں۔اور زمینی لوگ اس کو نہیں سمجھ سکتے۔ابھی یہ عذاب ختم ہونے والا نہیں ہے جب تک لوگ اپنی اصلاح نہ کریں۔خدا تعالیٰ کا غضب ان پر نازل ہوتا رہے گا۔خالی ان ظاہری حیلوں سے کچھ نہیں بنتا خواہ چوہوں کو مارا جائے خواہ مچھروں کو اور خواہ کتوں کو۔جب تک کہ لوگ خدا تعالیٰ کی طرف نہ جھکیں گے ان پر کسی طرح رحم نہ ہو سکے گا۔

ایک گاؤں کے متعلق لکھا تھا کہ وہ بالکل ویران ہو گیا۔پرانی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ طاعون نے بعض جگہ شہروں کے شہر بالکل ویران کر دیئے اور جب سب آدمی مر گئے۔تب یہ بیماری جانوروں پر پڑی اور جب وہ بھی مر گئے تو پھر جنگل کے سانپوں پر پڑی اور وہ ہلاک ہو کر بالکل ویرانہ رہ گیا۔صدہا کوس تک آبادی کا نام و نشان مٹ گیا خدا تعالیٰ کے رحم کے سوائے کہیں گذارہ نہیں۔جو لوگ دردِ دل کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف جھکتے ہیں۔خدا تعالیٰ ان پر اپنا رحم کرتا ہے اور ان کو ہر ایک شر سے محفوظ رکھتا ہے۔مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے بتلایا گیا ہے کہ ابھی بیماری اس سے بھی سخت پڑنے والی ہے۔میں نہیں کہہ سکتا کہ آئندہ سال وہ سختی آوے یا درمیان میں ایک سال نرم ہو کر پھر سختی دکھاوے بہر حال آئندہ آنے والی طاعون گذشتہ سے بہت ہی سخت ہے اور ایسا ہی مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ ایک سخت زلزلہ ابھی آنے والا ہے۔افسوس ہے کہ لوگوں کو ان باتوں کی طرف خیال نہیں کہ خدا تعالیٰ کا عذاب کس طرح بھڑک رہا ہے۔باوجود اس کے فریب اور چالبازیاں بڑھتی چلی جاتی ہیں۔دنیا کی حرکت بے انصافی کی طرف ہے۔

اس کے بعد حضرت اقدس نے تحصیلدار صاحب کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے آپ کے واسطے مکان کا عمدہ انتظام کیا اور ان کی شرافت کی تعریف کی۔

خواب کے متعلق ایک نکتہ

مرزا اکبر بیگ صاحب نے حضرت کی خدمت میں اپنا ایک خواب بیان کیا کہ میں ایک عمدہ خواب دیکھ رہا تھا کہ مجھے ایک شخص محمد حسین نے فوراً جگا دیا۔

حضرت نے فرمایا کہ :۔
جگانے والے کا وجود بھی خواب کا ایک جزو ہوتا ہے اور اس کے نام میں اس خواب کے متعلق تعبیر ہوتی ہے۔
فرمایا :۔
اگر خدا تعالیٰ کا منشا نہ ہو تو کوئی جگا بھی نہیں سکتا۔ یہ بھی خدا تعالیٰ کے حکم سے ہوتا ہے۔

تندرستی ہزار نعمت ہے

مخدومی اخویم شیخ رحمت اللہ صاحب بھی گیارہ بجے کی گاڑی پر شملہ سے بٹالہ پہنچ گئے تھے اور قادیان جانے کو تیار تھے لیکن ایک آدمی نے سٹیشن پر اُن کو اطلاع کر دی تھی کہ حضرت صاحب اسی جگہ ہیں۔ وہ بھی حضرت کی خدمت میں تیسرے پہر تک حاضر رہے اور پھر لاہور چلے گئے۔ شیخ صاحب موصوف ولایت کا ذکر کرتے تھے کہ وہاں بعض چشمے ایسے عمدہ ہوتے ہیں اور سمندر کے کنارے بعض جگہ ایسی عمدہ ہوتی ہیں کہ چند روز اگر لوگ وہاں جا کر رہیں تو صحت بہت عمدہ حالت میں ہو جاتی ہے۔
حضرت نے فرمایا کہ :۔
صحت عمدہ شئے ہے تمام کاروبار دینی اور دنیاوی صحت پر موقوف ہیں۔ صحت نہ ہو تو عمر ضائع ہو جاتی ہے۔[1]

۲۱ر جولائی ۱۹۰۷ء

آخری فیصلہ

ڈاکٹر عبدالحکیم نے حضرت کے متعلق جو الہام شائع کیا ہے اس کا ذکر تھا۔
حضرت نے فرمایا کہ :۔
یہ آخری مرحلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اب آخری فیصلہ کی تقریب پیدا کر دی ہے۔ براہین احمدیہ کے آخر میں وحی الٰہی درج ہے اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا (الفتح : ۲) وہ یہی فتح ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ ایسے امور ظاہر کریگا کہ لوگ سمجھ لیں گے کہ اب آخری فیصلہ ہے۔
ایک دوست نے عرض کی کہ حضور کا ایک پرانا الہام ہے لَا تَنْقَطِعُ الْاَعْدَاءُ اِلَّا بِمَوْتِ اَحَدٍ مِّنْهُمْ
ترجمہ :۔ دشمن نہیں منقطع ہوں گے مگر ان میں سے ایک کی موت کے ساتھ۔
فرمایا :۔

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۲۹ صفحہ ۶ مورخہ ۱۸ر جولائی ۱۹۰۷ء

ہاں یہ پُرانا الہام ہے مجھے اس وقت یاد نہیں کہ یہ الہام کہیں چھپ چکا ہے یا نہیں۔

جھوٹے مدعیانِ نبوت

فرمایا:۔
پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی بہت سے جھوٹے نبی پیدا ہوئے تھے۔ مگر جھوٹا ہمیشہ بعد میں پیدا ہوتا ہے۔ سچا پہلے ظاہر ہو جاتا ہے تو پھر اُس کی ریس کر کے جھوٹے بھی نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ ہمارے دعوے سے پہلے کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کسی نے اس طرح خدا تعالیٰ سے الہام پاکر مسیح ہونے کا دعویٰ کیا ہو۔ مگر ہمارے دعویٰ کے بعد چراغ دین اور عبدالحکیم اور کئی دوسرے ایسے پیدا ہو گئے ہیں۔

اپنے بھائی کو حقارت سے نہ دیکھو اس کیلئے دُعا کرو

حضرت کی خدمت میں ایک شخص کا خط پیش ہوا کہ میں کئی جگہ گیا تھا اور میں نے آپ کی جماعت کے آدمیوں کو نماز کی بروقت پابندی میں اور باہمی اخوت کے شرائط کی پابندی میں قاصر پایا۔

فرمایا:۔
اصلاح ہمیشہ رفتہ رفتہ ہوتی ہے بعض مستعجل لوگ ہیں جو نکتہ چینی پر جلدی کرتے ہیں اخلاص اور ثباتِ قدم خدا تعالیٰ کا ایک فضل ہے اور اس سلسلہ میں داخل ہونا بھی اللہ تعالیٰ کا ایک فضل ہے۔ بہت لوگ ایسے ہیں جنہوں نے داخلہ کے فضل کی توفیق پائی اور ثباتِ قدم اور اخلاص کی توفیق کے حاصل کرنے کے واسطے ہنوز وہ منتظر ہیں۔ ہر ایک شخص کو چاہیئے کہ وہ اپنی حالت کو دیکھے۔ کیا وہ جس دن اس سلسلہ میں داخل ہوا اس دن اس کی حالت وہ تھی جو آج اس کی ہے۔ ہر ایک آدمی رفتہ رفتہ ترقی کرتا ہے اور کمزوریاں آہستہ آہستہ دُور ہو جاتی ہیں گھبرانا نہیں چاہیئے اور اصلاح کے واسطے کوشش کرنی چاہیئے۔ اپنے بھائی کو حقارت سے نہ دیکھو بلکہ اس کے واسطے دُعا کرو۔ اس کیساتھ لڑائی نہ کرو بلکہ اس کی اصلاح کی فکر کرو۔

اپنی موت کو یاد رکھو

ایک شخص نے عرض کی کہ مجھے نماز میں لذت نہیں آتی۔ فرمایا کہ:۔
موت کو یاد رکھو۔ یہی سب سے عمدہ نسخہ ہے۔ دنیا میں انسان جو گناہ کرتا ہے اس کی اصل جڑ یہی ہے کہ اُس نے موت کو بھلا دیا ہے۔ جو شخص موت کو یاد رکھتا ہے وہ دنیا کی باتوں میں بہت تسلی نہیں پاتا لیکن جو شخص موت کو بھلا دیتا ہے اس کا دل سخت ہو جاتا ہے اور اس کے اندر طولِ اَمَل پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ لمبی لمبی امیدوں کے منصوبے اپنے دل میں باندھتا ہے۔ دیکھنا چاہیئے کہ جب کشتی میں کوئی بیٹھا ہو اور کشتی

غرق ہونے لگے تو اس وقت دل کی کیا حالت ہوتی ہے۔ کیا ایسے وقت میں انسان گناہگاری کے خیالات دل میں لا سکتا ہے؟ ایسا ہی زلزلہ اور طاعون کے وقت میں چونکہ موت سامنے آجاتی ہے اس واسطے گناہ نہیں کر سکتا اور نہ بدی کی طرف اپنے خیالات کو دوڑا سکتا ہے۔ پس اپنی موت کو یاد رکھو۔

خدا تعالیٰ کا سلام

ایک دوست نے عرض کی کہ مخالفین نے ہم کو سلام کہنا چھوڑ دیا۔ فرمایا:۔

تم نے اُن کے سلام سے کیا حاصل کر لینا ہے۔ سلام تو وہ ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہو۔ خدا تعالیٰ کا سلام وہ ہے جس نے ابراہیمؑ کو آگ سے سلامت رکھا۔ جس کو خدا کی طرف سے سلام نہ ہو بندے اس پر ہزار سلام کریں اس کے واسطے کسی کام نہیں آسکتے۔ قرآن شریف میں آیا ہے سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ (یٰسٓ: ۵۹)

ایک دفعہ ہم کو کثرتِ پیشاب کے باعث بہت تکلیف تھی۔ ہم نے دُعا کی۔ الہام ہوا۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ

اسی وقت تمام بیماری جاتی رہی۔ سلام وہی ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہو۔ باقی سب رسمی سلام ہیں۔

حدیث کی اہمیت

ایک شخص نے حضرت کی خدمت میں ایک فقہی مسئلہ پیش کر کے درخواست کی کہ اس کا جواب صرف قرآن شریف سے پیش کیا جاوے۔

حضرت نے فرمایا کہ:۔

متقی کے واسطے مناسب ہے کہ اس قسم کا خیال دل میں نہ لاوے کہ حدیث کوئی چیز نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو عمل تھا وہ گویا قرآن کے مطابق نہ تھا۔ آجکل کے زمانہ میں مُرتد ہونے کے قریب جو خیالات پھیلے ہوئے ہیں ان میں سے ایک خیال حدیث شریف کی تحقیر کا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام کاروبار قرآن شریف کے ماتحت تھے۔ اگر قرآن شریف کے واسطے معلّم کی ضرورت نہ ہوتی تو قرآن رسُول پر کیوں اُترتا۔ یہ لوگ بہت بے ادب ہیں کہ ہر ایک اپنے آپ کو رسول کا درجہ دیتا ہے اور ہر ایک اپنے آپ کو ایسا سمجھتا ہے کہ قرآن شریف اسی پر نازل ہوا ہے۔ یہ بڑی گستاخی ہے کہ ایک چکڑالوی مولوی جو معنے قرآن کے کرے اس کو مانا جاتا ہے اور قبول کیا جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کے رسول پر جو معنے نازل ہوئے اُن کو نہیں دیکھا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے تو انسانوں کو اس امر کا محتاج پیدا کیا ہے کہ ان کے درمیان کوئی رسُول مامُور مجدّد ہو۔ مگر یہ چاہتے ہیں کہ ان کا ہر ایک رسول ہے اور اپنے آپ کو غنی اور غیر محتاج قرار دیتے ہیں۔ یہ سخت گناہ ہے۔ ایک بچہ محتاج ہے کہ وہ اپنے والدین وغیرہ سے تکلم سیکھے اور بولنے لگے۔ پھر اُستاد کے پاس بیٹھ کر سبق پڑھے۔ جائے استاد خالی است۔

چکڑالوی لوگ دھوکہ دیتے ہیں کہ کیا قرآن محتاج ہے۔ اے نادانو! کیا تم بھی محتاج نہیں؟ اور خدا تعالےٰ کی ذات کی طرح بے احتیاج ہو۔ قرآن تمہارا محتاج نہیں پر تم محتاج ہو کہ قرآن کو پڑھو سمجھو اور سیکھو۔ جبکہ دُنیا کے معمولی کاموں کے واسطے تم اُستاد پکڑتے ہو تو قرآن شریف کے واسطے اُستاد کی ضرورت کیوں نہیں؟ کیا بچہ ماں کے پیٹ سے نکلتے ہی قرآن پڑھنے لگے گا؟ بہر حال معلّم کی ضرورت ہے۔ جب مسجد کا مُلّاں ہمارا معلّم ہو سکتا ہے تو کیا وہ نہیں ہو سکتا جس پر خود قرآن شریف نازل ہوا ہے۔ دیکھو قانون سرکاری ہے اس کے سمجھنے اور سمجھانے کے واسطے بھی آدمی مقرر ہیں حالانکہ اس میں کوئی ایسے معارف اور حقائق نہیں جیسے کہ خدا تعالیٰ کی پاک کتاب میں ہیں۔ یاد رکھو کہ سارے انوار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ہیں۔ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع نہیں کرتے انکو کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ بجز نورِ اتباع خدا تعالیٰ کو بھی پہچاننا مشکل ہے۔ شیطان شیطان اسی واسطے ہے کہ اس کو نورِ اتباع حاصل نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تریسٹھ سال دُنیا میں رہے۔ متقی کا فرض ہونا چاہیئے کہ وہ اس بات کو محبت کی نگاہ سے دیکھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا طریق عمل تھا۔[1]

۲۵؍جولائی ۱۹۰۷ء

آجکل کے فقیر اور فقراء

فرمایا:۔

مَیں تعجب کرتا ہوں کہ آجکل بہت لوگ فقیر بنتے ہیں مگر سوائے نفس پرستی کے اور کوئی غرض اپنے اندر نہیں رکھتے۔ اہل دین سے بالکل الگ ہیں بعض دُنیا کے پیچھے عوام لگے ہوئے ہیں اسی دُنیا کے پیچھے وہ بھی خراب ہو رہے ہیں۔ توجہ اور دم کشی اور منتر جنتر اور دیگر ایسے امور کو اپنی عبادت میں شامل کرتے ہیں جن کا عبادت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں بلکہ صرف دُنیا پرستی کی باتیں ہیں اور ایک ہندو کافر اور ایک مشرک عیسائی بھی ان ریاضتوں اور ان کی مشق میں ان کے ساتھ شامل ہو سکتا بلکہ اُن سے بڑھ سکتا ہے اصل فقیر تو وہ ہے جو دنیا کی اغراضِ فاسدہ سے بالکل الگ ہو جائے اور اپنے واسطے ایک تلخ زندگی قبول کرے تب اس کو حالتِ عرفان حاصل ہوتی ہے اور وہ ایک قوتِ ایمانی کو پاتا ہے۔ آجکل کے پیرزادے اور سجادہ نشین نماز جو اعلیٰ عبادت ہے اس کی تو پروا نہیں کرتے یا ایسی جلدی جلدی ادا کرتے ہیں جیسے کہ کوئی بیگار کاٹنی ہوتی ہے، ور اپنے اوقات کو خود تراشیدہ عبادتوں میں لگاتے ہیں جو خدا اور رسُول نے نہیں فرمائیں۔ ایک ذکر اَرّہ بنایا ہوا ہے جس سے انسان کے پھیپھڑے کو سخت نقصان پہنچتا ہے۔ بعض آدمی ایسی مشقوں سے دیوانے ہو جاتے ہیں۔ ان کو جاہل لوگ ولی سمجھنے لگ

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۳۱ صفحہ ۶ مورخہ یکم اگست ۱۹۰۷ء نیز الحکم جلد ۱۱ نمبر ۲۸ صفحہ ۵ مورخہ ۱۰؍اگست ۱۹۰۷ء

جاتے ہیں۔خدا تعالیٰ نے اپنی رضامندی کی جو راہیں خود ہی مقرر فرمادی ہیں وہ کچھ کم نہیں۔خدا تعالیٰ ان باتوں سے راضی ہوتا ہے کہ انسان عفت اور پرہیز گاری اختیار کرے۔صدق وصفا کے ساتھ اپنے خدا کی طرف جھکے۔دنیوی کدورتوں سے الگ ہوکر تبتل الی اللہ اختیار کرے۔خدا تعالیٰ کو سب چیزوں پر اختیار حاصل ہے۔خشوع کے ساتھ نماز ادا کرے۔نماز انسان کو منزہ بنادیتی ہے۔نماز کے علاوہ اُٹھتے بیٹھتے اپنا دھیان خدا تعالیٰ کی طرف رکھے یہی اصل مدّعا ہے جس کو قرآن شریف میں خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کی تعریف میں فرمایا ہے کہ وہ اُٹھتے بیٹھتے خدا تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور اسکی قدرتوں میں فکر کرتے ہیں۔ذکر اور فکر ہر دو عبادت میں شامل ہیں فکر کے ساتھ شکر گذاری کا مادہ بڑھتا ہے۔انسان سوچے اور غور کرے کہ زمین اور آسمان، ہوا اور بادل، سورج اور چاند، تارے اور سیارے، سب انسان کے فائدے کے واسطے خدا تعالیٰ نے بنائے ہیں۔فکر معرفت کو بڑھاتا ہے۔

غرض ہر وقت خدا کی یاد میں اس کے نیک بندے مصروف رہتے ہیں۔اسی پر کسی نے کہا کہ جو دم غافل سو دم کافر۔آجکل کے لوگوں میں صبر نہیں۔جو اس طرف جھکتے ہیں وہ بھی ایسے مستعجل ہوتے ہیں کہ چاہتے ہیں کہ پھونک مار کر ایک دم میں سب کچھ بنادیا جائے اور قرآن شریف کی طرف دھیان نہیں کرتے کہ اس میں لکھا ہے کہ کوشش اور محنت کرنے والوں کو ہدایت کا راستہ ملتا ہے۔خدا تعالیٰ کے ساتھ تمام تعلق مجاہدہ پر موقوف ہے۔جب انسان پوری توجہ کیساتھ دُعا میں مصروف ہوتا ہے تو اس کے دل میں رقت پیدا ہوتی ہے اور وہ آستانہ الٰہی پر آگے سے آگے بڑھتا ہے تب وہ فرشتوں کے ساتھ مصافحہ کرتا ہے۔

ہمارے فقراء نے بہت سی بدعتیں اپنے اندر داخل کرلی ہیں۔بعض نے ہندوؤں کے منتر بھی یاد کئے ہوئے ہیں اور ان کو بھی مقدس خیال کیا جاتا ہے۔ہمارے بھائی صاحب کو ورزش کا شوق تھا۔اُن کے پاس ایک پہلوان آیا تھا۔جاتے ہوئے اُس نے ہمارے بھائی صاحب کو الگ لیجا کر کہا کہ میں ایک عجیب تحفہ آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں جو بہت ہی قیمتی ہے۔یہ کہکر اُس نے ایک منتر پڑھ کر اُن کو سُنایا اور کہا کہ یہ منتر ایسا پُر تاثیر ہے کہ اگر ایک دفعہ صبح کے وقت اس کو پڑھ لیا جاوے تو پھر سارا دن نہ نماز کی ضرورت باقی رہتی ہے اور نہ وضو کی ضرورت۔ ایسے لوگ خدا تعالیٰ کے کلام کی ہتک کرتے ہیں۔وہ پاک کلام جس میں هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (البقرة: ۳) کا وعدہ دیا گیا ہے خود اسی کو چھوڑ کر دوسری طرف بھٹکتے پھرتے ہیں۔انسان کے ایمان میں ترقی تب ہی ہوسکتی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے فرمودہ پر چلے اور خدا پر اپنے توکل کو قائم کرے۔ایک دفعہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلالؓ کو دیکھا کہ وہ کھجوریں جمع کرتا تھا۔آپ نے فرمایا کس لیے ایسا کرتا ہے۔اس نے کہا کل کے لیے جمع کرتا ہوں۔آپ نے فرمایا کہ کیا تو کل کے خدا پر ایمان نہیں رکھتا؟ لیکن یہ بات بلالؓ کو فرمائی ہر کسی کو نہیں فرمائی۔اور ہر ایک کو وعظ اور نصیحت اس کی برداشت کے مطابق کیا جاتا ہے۔

بہترین ریاضت

ایک شخص نے عرض کی کہ میں پہلے فقراء کے پاس پھرتا رہا اور کئی طرح کی مشکل ریاضتیں انہوں نے مجھ سے کرائیں۔ اب میں نے آپ کی بیعت کی ہے تو مجھے کیا کرنا چاہیئے؟

فرمایا:۔

نئے سرے سے قرآن شریف کو پڑھو اور اس کے معانی پر خوب غور کرو۔ نماز کو دل لگا کر پڑھو اور احکام شریعت پر عمل کرو۔ انسان کا کام یہی ہے۔ آگے پھر خدا کے کام شروع ہو جاتے ہیں۔ جو شخص عاجزی سے خدا تعالیٰ کی رضا کو طلب کرتا ہے خدا تعالیٰ اس پر راضی ہوتا ہے۔

اختلافِ فقہاء

فرمایا:۔

آجکل علماء کے درمیان باہم مسائل میں اس قدر اختلاف ہے کہ ہر ایک مسئلہ کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ اس میں اختلاف ہے۔ جیسا کہ لاہور میں ایک طبیب غلام دستگیر نام تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ مریضوں اور اس کے لواحقین کی اس ملک میں رسم ہے کہ وہ طبیب سے پوچھا کرتے ہیں کہ یہ دوا گرم ہے یا سرد؟ تو میں نے اس کے جواب میں ایک بات رکھی ہوئی ہے۔ میں کہہ دیا کرتا ہوں کہ اختلاف ہے۔ اوّل تو اس اختلاف کے سبب کئی فرقے ہیں۔ پھر مثلاً ایک فرقہ حنفیوں کا ہے ان میں آپس میں اختلاف ہے۔ پھر خود امام ابو حنیفہؒ کے اقوال میں اختلاف ہے۔

آجکل کے پیر

فرمایا:۔

آجکل کے پیر اکثر فاحشہ عورتوں کو مُرید بناتے ہیں بعض ہندوؤں کے پیر ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنی بدکرداریوں پر اور اپنے کُفر پر برابر قائم رہتے ہیں۔ صرف پیر کو چندہ دے کر وہ مُرید بن سکتے ہیں۔ اعمال خواہ کیسے ہی ہوں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھا جاتا۔ اگر ایسا کرنا جائز ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابو جہل کو بھی مُرید بنا سکتے تھے وہ اپنے بُتوں کی پرستش بھی کرتا رہتا اور اس قدر لڑائی جھگڑے کی ضرورت نہ پڑتی مگر یہ باتیں بالکل گناہ ہیں[1]

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۳۱ صفحہ ۳ مورخہ یکم اگست ۱۹۰۷ء و الحکم جلد ۱۱ نمبر ۲۸ صفحہ ۴ مورخہ ۱۰ اگست ۱۹۰۷ء

بلا تاریخ[1]

حج کیلئے نہ جانے کی وجہ

ایک شخص نے عرض کی کہ مخالف مولوی اعتراض کرتے ہیں کہ مرزا صاحب حج کو کیوں نہیں جاتے ؟

فرمایا :-

یہ لوگ شرارت کے ساتھ ایسا اعتراض کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دس سال مدینہ میں رہے۔ صرف دو دن کا راستہ مدینہ اور مکہ میں تھا مگر آپ نے دس سال میں کوئی حج نہ کیا۔ حالانکہ آپ سواری وغیرہ کا انتظام کرسکتے تھے۔ لیکن حج کے واسطے صرف یہی شرط نہیں کہ انسان کے پاس کافی مال ہو بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ کسی قسم کے فتنہ کا خوف نہ ہو۔ وہاں تک پہنچنے اور امن کے ساتھ حج ادا کرنے کے وسائل موجود ہوں۔ جب وحشی طبع علماء اس جگہ ہم پر قتل کا فتویٰ لگا رہے ہیں اور گورنمنٹ کا بھی خوف نہیں کرتے تو وہاں یہ لوگ کیا نہ کریں گے۔ لیکن ان لوگوں کو اس امر سے کیا غرض ہے کہ ہم حج نہیں کرتے۔ کیا اگر ہم حج کریں گے تو وہ ہم کو مسلمان سمجھ لیں گے ؟ اور ہماری جماعت میں داخل ہو جائیں گے ؟ اچھا یہ تمام مسلمان علماء اوّل ایک اقرار نامہ لکھ دیں کہ اگر ہم حج کر آویں تو وہ سب کے سب ہمارے ہاتھ پر توبہ کر کے ہماری جماعت میں داخل ہو جائیں گے اور ہمارے مُرید ہو جائیں گے۔ اگر وہ ایسا لکھ دیں اور اقرار حلفی کریں تو ہم حج کر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے واسطے اسباب آسانی کے پیدا کر دے گا تاکہ آئندہ مولویوں کا فتنہ رفع ہو۔ ناحق شرارت کے ساتھ اعتراض کرنا اچھا نہیں ہے۔ یہ اعتراض ان کا ہم پر نہیں پڑتا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی پڑتا ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صرف آخری سال میں حج کیا تھا۔

توکل

فرمایا :-

توکل کرنے والے اور خدا تعالیٰ کی طرف جھکنے والے کبھی ضائع نہیں ہوتے۔ جو آدمی صرف اپنی کوششوں میں رہتا ہے اس کو سوائے ذلت کے اور کیا حاصل ہو سکتا ہے۔ جب سے دُنیا پیدا ہوئی ہمیشہ سے سنت اللہ یہی چلی آتی ہے کہ جو لوگ دنیا کو چھوڑتے ہیں وہ اس کو پاتے ہیں اور جو اس کے پیچھے دوڑتے ہیں وہ اس سے محروم رہتے ہیں جو لوگ خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق نہیں رکھتے وہ اگر چند روز مکر وفریب سے کچھ حاصل بھی کریں تو وہ لاحاصل ہے کیونکہ آخر اُن کو سخت ناکامی دیکھنی پڑتی ہے۔ اسلام میں عمدہ لوگ وہی گذرے ہیں جنہوں نے دین کے مقابلہ میں دنیا کی کچھ پروا نہ کی۔ ہندوستان میں قطب الدینؒ اور معین الدینؒ خدا کے اولیاء گذرے ہیں۔ ان لوگوں نے

---

[1] اس ڈائری پر کوئی تاریخ تو درج نہیں لیکن اندازاً جولائی ۱۹۰۸ء کی کسی تاریخ کے یہ ملفوظات ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب (مرتب)

پوشیدہ خدا تعالیٰ کی عبادت کی مگر خدا تعالیٰ نے ان کی عزت کو ظاہر کر دیا۔

ہم نے بٹالہ میں ایک بیرزادہ کو دیکھا کہ وہ اپنی زمین کے مقدمات کے واسطے غبار آلودہ ہوا کسی ڈپٹی کے پیچھے پھرتا تھا۔ میں حیران ہوا کہ اگر اس شخص میں سچی نیکی ہوتی اور یہ خدا تعالیٰ پر توکل کرنے والا ہوتا تو ایسے مکدرات میں کیوں گرتا۔

مذہب فروشی سکھانے والے پادری

ایک شخص کا ذکر ہوا کہ وہ دیسی عیسائی ہے اور مسلمان ہونا چاہتا ہے مگر روپے مانگتا ہے یا تنخواہ مانگتا ہے حالانکہ لیاقت کچھ نہیں۔

حضرت نے فرمایا کہ:۔

پادریوں نے ہندوستانیوں کے اخلاق خراب کر دیئے ہیں اور ان کو مذہب فروش بنا دیا ہے کئی عیسائی دیکھے ہیں کہ وہ ہندوؤں یا مسلمانوں کے پاس جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم مسلمان یا ہندو ہونے کے واسطے تیار ہیں لیکن عیسائی لوگ ہم کو اس قدر تنخواہ دیتے ہیں تم کیا تنخواہ دوگے؟ جدھر سے زیادہ تنخواہ کی امید ہو اُدھر ہی جھک پڑتے ہیں اور بسا اوقات کبھی اِدھر سے اور کبھی اُدھر سے بطور نیلام کے اپنی قیمت کے بڑھانے میں کوشش کرتے رہتے ہیں۔ یہ بداخلاقی ہندوستان میں پادریوں نے ہی پھیلائی ہے ورنہ ان سے پہلے ہندوستانی لوگ مذہب کے معاملہ میں ایسے رذیل اخلاق رکھنے والے نہ تھے۔

آدمیوں کو چاہیئے کہ جب ایک مذہب کو سچا سمجھ کر قبول کرے تو پھر اس پر استقامت دکھلائے۔ خدا تعالیٰ رازق ہے وہ خود تمام سامان مہیا کر دے گا۔ جب انسان خدا تعالیٰ کے واسطے کوئی کام کرتا ہے تو پھر اس کو موت کی پروا نہیں رہتی اور نہ اُسے خدا تعالیٰ ضائع کرتا ہے۔ اندرونی تقویٰ اور طہارت کا خیال کرنا چاہیئے۔ جن لوگوں کے دل اور دماغ میں صرف دنیا ہی رہ جاتی ہے وہ کس کام کے آدمی ہیں۔ جو لوگ سچے دل کے ساتھ خلوصِ نیت کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف جھکتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اُن کی دستگیری کرتا ہے۔ اس قسم کے عیسائی نومسلموں کی نسبت تو ہم نے ان لوگوں کو بہت ثابت قدم دیکھا ہے جو ہندوؤں میں سے مسلمان ہو کر ہمارے پاس آئے ہیں جیسا کہ شیخ عبدالرحیم ہیں۔ سردار فضل حق ہیں۔ شیخ عبدالرحمٰن صاحب، شیخ عبدالعزیز صاحب ہیں۔ ان لوگوں نے اسلام کی خاطر بہت دُکھ اُٹھائے مگر اپنے ایمان پر قائم رہے۔ جب سردار فضل حق صاحب مسلمان ہوئے تو اُن کو قتل کرنے کے واسطے کئی سکھ یہاں آئے تھے مگر خدا تعالیٰ نے اُن کو بچایا اور سردار صاحب نے کسی کا خوف نہ کیا۔ ایسا ہی شیخ عبدالرحیم صاحب کے چہرے سے نیک بختی کے آثار نمایاں ہیں۔ شیخ عبدالرحمٰن صاحب کو ایک دفعہ اُن کے رشتہ دار دھوکے سے لے گئے تھے اور وہاں

لے جاکر اُن کو قید کر دیا تھا۔ مگر خدا تعالیٰ نے اُن کو بچا لیا اور خود بخود وہیاں چلے آئے۔

برخلاف اس کے عیسائیوں کا مذہب عموماً تنخواہ پر ہے۔ اگر آج ان کو موقوف کر دیا جائے تو بس ساتھ ہی ان کی عیسائیت بھی موقوف ہو جائے۔ امرت سر میں ایک پادری رجب علی تھا۔ وہ کئی مرتبہ مسلمانوں میں آکر ملتا تھا۔ پھر عیسائی ہو جاتا تھا۔ عیسائی ہونے کی حالت میں اس کا ایک اخبار نکلتا تھا۔ عیسائیوں سے کچھ ناراض تھا۔ ان دنوں میں ایک گرجا پر بجلی گری تھی۔ اس خبر کو اپنے اخبار میں درج کرتے ہوئے اس نے لکھا کہ گرجے پر بجلی گرنا دو اسباب سے خالی نہیں۔ یا تو اس کا سبب یہ ہوا ہے کہ روح القدس کو معاملہ بہت لگ گیا تھا اور اس نے گرجے پر اُتر کر گرجے کو جلا دیا۔ اور اگر یہ سبب نہیں تو پھر یہ سبب ہے کہ میری آہ گرجے پر پڑی ہے اور اس نے گرجا کو جلا دیا ہے۔

اکثر اس قسم کے عیسائی دہریہ اور کینہ طبع ہوتے ہیں۔ عیسائی مذہب کے کفارہ نے ایسی بے قیدی کر دی ہے کہ جو گناہ چاہو کرو سزا تو یسوع بھگتے گا۔ اسی واسطے ضرب المثل ہو گئی ہے کہ ؎

عیسائی باش ہرچہ خواہی کُن

کیونکہ اگر زنا اور شراب حرام ہے تو پھر کفارہ سے فائدہ کیا؟ کفارے کا یہی تو فائدہ ہے کہ اس نے معافی کی ایک راہ کھول دی ہے۔ اگر عیسائی بھی گناہ کرنے سے پکڑا جاتا ہے جیسا کہ غیر عیسائی پکڑا جاتا ہے تو پھر دونوں میں فرق کیا ہوا؟ اور کسی کو عیسائی بننے سے فائدہ کیا حاصل ہوا؟[1]

یکم اگست ۱۹۰۷ء

صادق کا دعویٰ پہلے ہوتا ہے اور کاذب کا بعد میں

تازہ الہام الٰہی اِنِّیْ مُهِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِهَانَتَکَ کا ذکر تھا۔

فرمایا کہ:۔

قریب العہد اہانت کرنے والا تو ڈاکٹر عبدالحکیم ہے جس نے بہت اہانت کے لفظوں میں ایک خط لکھا ہے اور ہماری موت کے متعلق پیشگوئی کی ہے۔ یہ وحی الٰہی پہلے بھی بہت بار نازل ہو چکی ہے۔ مگر ہر بار اس کا شانِ نزول جدید ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کی مخالفت سے رنجیدہ خاطر نہیں ہونا چاہیئے۔ ضرور تھا کہ ایسے لوگ بھی پیدا ہوتے تاکہ صادق

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۳۲ صفحہ ۸ مورخہ ۸ راگست ۱۹۰۷ء نیز الحکم جلد ۱۱ نمبر ۲۹ صفحہ ۱۰، ۱۱ مورخہ ۱۷ راگست ۱۹۰۷ء

اور کاذب کے درمیان ایک فرق ہو جائے سب انبیاء کے وقتوں میں ایسے مخالف ہوتے چلے آئے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی ایسے آدمی موجود تھے۔ مگر اس قسم کے لوگ ہمیشہ بعد میں آتے ہیں، شروع میں صادق ہی ظاہر ہوتا ہے۔ پھر اس کو دیکھ کر دوسرے لوگ بھی ریس کرتے ہیں۔ اس میں خدا تعالیٰ کی حکمت ہے کہ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ اچھی طرح سے شائع نہ ہو گیا۔ تب تک کوئی ایسا آدمی پیدا نہ ہوا جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تا کہ کوئی ایسا نہ کہہ سکے کہ اس شخص نے فلاں شخص کی ریس کر کے دعویٰ نبوت کر دیا ہے۔ ایسا ہی اس زمانہ میں مطلق خاموشی تھی۔ کوئی شخص خدا تعالیٰ سے وحی پانے کا اور مسیح موعود ہونے کا مدعی نہ تھا ایسے وقت میں خدا تعالیٰ نے ہم پر اپنی وحی نازل کر کے ہمیں مسیح موعود بنایا۔ یہ امر بھی منہاجِ نبوت میں داخل ہے کہ صادق کا دعویٰ اوّل ہو اور کاذب پیچھے ہوں۔ اور لوگوں کی بے خبری کے علاوہ ہم تو خود بھی بے خبر تھے۔ اپنے طور پر میری عادت تھی کہ غیر مذاہب کے برخلاف اخبارات میں مضامین دیتا تھا اور اسلام کی صداقت کے ظہور میں کوشاں رہتا تھا۔ ان ایام میں ایک عیسائی کا اخبار سفیر ہند نام نکلا کرتا تھا اور ایک برہموؤں کا رسالہ بنام برادر ہند شائع ہوتا تھا۔ ان ہر دو میں بعض مضامین میں نے لکھے تھے مگر ان مضامین میں ہمارا مطلب صرف عقلی دلائل کے پیش کرنے کا ہوتا تھا اور وحی الٰہی اور نشانات کے دکھانے کا کوئی خیال نہ تھا۔ دو جلدیں براہین احمدیہ کی میں لکھ چکا تھا اور اس وقت تک مجھے خبر نہ تھی جبکہ یکدفعہ یہ الہام ہوا۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ - قُلْ اِنِّیْ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اسی براہینِ احمدیہ میں ہم نے یہ الہام بھی درج کیا ہے کہ یَا عِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَ رَافِعُکَ اِلَیَّ۔ اور اسی میں ہم نے حضرت عیسیٰ کے متعلق اپنا وہی عقیدہ پیش کیا ہے جو پرانا عقیدہ تھا کہ مسیح آسمان پر ہے۔ اس سے دیکھنے والے کے واسطے یہ امر ظاہر ہے کہ اگر ہم تصنع اور بناوٹ سے کوئی کام کرتے اور افتراء کے ساتھ یہ باتیں بناتے تو ہم ایسا کیوں کرتے۔ جو شخص افتراء کرنے لگتا ہے وہ تو اوّل ہی سب پہلو سوچ لیتا ہے۔ اس میں بھی خدا تعالیٰ کی ایک مصلحت تھی کہ ہم نے ایسا لکھ دیا تا کہ ہماری سچائی پر ایک دلیل قائم ہو جائے۔ پہلے سے ہی براہین کے اندر ایک تناقض ہو گیا۔ اور ہم خود بھی اس تناقض کو نہ سمجھ سکے۔ یہ خدا تعالیٰ کی ایک بڑی حکمت تھی۔

نشانات کا ظہور

فرمایا:۔

گذشتہ دنوں میں خدا تعالیٰ بہت سے نشانات دکھا چکا ہے جن میں سے بعض کتاب حقیقۃ الوحی میں بھی درج ہو چکے ہیں مگر اب معلوم ہوتا ہے کہ آسمان پر کسی اور نشان کی تیاری ہو رہی ہے تاکہ ایمانداروں کے ایمان اور قوی ہو جاویں۔ ہر ایک نشان جو ظاہر ہوتا ہے اس سے لوگوں کے ایمان قوی ہوتے ہیں کیونکہ نشان کے ذریعہ سے ایک انکشافِ تام ہو جاتا ہے جب آدمی اچھی طرح سے معلوم کر لیتا ہے کہ خدا تعالیٰ

کس بات میں راضی ہے اور کس دین کے حق میں وہ اپنے نشانات زبردست دکھاتا ہے۔ تب انسان اس دین کو سچے دل سے قبول کرتا ہے اور اخلاص کے ساتھ اس کی خاطر ہر ایک تکلیف کو برداشت کرنے کے لیے تیار ہوجاتا ہے نشانات کے ذریعہ تکمیلِ ایمان ہوتی ہے۔ جماعت کے واسطے خدا تعالیٰ نے یہ ایک عمدہ راہ نکالی ہے۔ جب خدا تعالیٰ کی فرمائی ہوئی باتیں پوری ہوتی ہیں تو دل کو سرور اور خوشی ہوتی ہے۔ انسان خدا تعالیٰ کے فضل سے سیراب ہوجاتا ہے اور اس کا یقین بڑھتا ہے کہ اس سلسلہ کے اختیار کرنے میں مَیں نے کوئی غلطی نہیں کھائی مگر یہ مت خیال کرو کہ غلطی کے نہ کھانے میں تمہاری کوئی بہادری ہے۔ ہرگز نہیں۔ یہ بھی خدا تعالیٰ کا ایک فضل ہے کہ تم نے غلطی نہیں کھائی ورنہ بڑے بڑے فاضل اور مولوی لوگ اس جگہ ٹھوکر کھا گئے ہیں[1]

اگست ۱۹۰۷ء[2]

ہر ایک کے واسطے تفتیش کرنا منع ہے

ایک شخص نے عرض کی کہ مَیں ایک گاؤں میں دوکان پر گڑ شکر بیچتا ہوں۔ بعض دفعہ لڑکے یا زمینداروں کے مزدور اور خادم چاکر کپاس یا گندم یا ایسی شئے لاتے ہیں اور اس کے عوض میں سودا لے جاتے ہیں جیسا کہ دیہات میں عموماً دستور ہوتا ہے لیکن بعض لڑکے یا چاکر مالک سے چوری ایسی شئے لاتے ہیں۔ کیا اس صورت میں ان کو سودا دینا جائز ہے یا کہ نہیں؟

فرمایا:۔

جب کسی شئے کے متعلق یقین ہو کہ یہ مالِ مسروقہ ہے تو پھر اس کا لینا جائز نہیں لیکن خواہ مخواہ اپنے آپ کو بدظنی میں ڈالنا امرِ فاسد ہے۔ ایسی باتوں میں تفتیش کرنا اور خواہ مخواہ لوگوں کو چور ثابت کرنا دوکاندار کا کام نہیں۔ اگر دوکاندار ایسی تحقیقاتوں میں لگے گا تو پھر دوکانداری کس وقت کرے گا؟ ہر ایک کے واسطے تفتیش کرنا منع ہے۔ قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا تھا کہ گائے ذبح کرو۔ بہتر تھا ایک گائے پکڑ کر ذبح کر دیتے حکم کی تعمیل ہوجاتی۔ انہوں نے خواہ مخواہ اور باتیں پوچھنی شروع کیں کہ وہ کیسی گائے ہے اور کیا رنگ ہے اور اس طرح کے سوال کرکے اپنے آپ کو اور دقّت میں ڈال دیا۔ بہت مسائل پوچھتے رہنا اور باریکیاں نکالتے

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۳۲ صفحہ ۸-۹ مورخہ ۸ / اگست ۱۹۰۷ء نیز الحکم جلد ۱۱ نمبر ۲۹ صفحہ ۱۱ مورخہ ۱۷ / اگست ۱۹۰۷ء

[2] اس ڈائری پر صرف اگست ۱۹۰۷ء لکھا ہے۔ قیاس یہ ہے کہ یہ ملفوظات ۹ تا ۱۵ / اگست کی کسی تاریخ کے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب (مرتب)

رہنا اچھا نہیں ہوتا۔[1]

---

۶ راگست ۱۹۰۷ء

کھانا کھلانے کا ثواب مُردوں کو پہنچتا ہے

ایک شخص کا سوال پیش ہوا کہ اگر کوئی شخص حضرت سید عبدالقادر کی روح کو ثواب پہنچانے کی خاطر کھانا پکا کر کھلا دے تو کیا یہ جائز ہے؟

حضرت نے فرمایا کہ:-

طعام کا ثواب مُردوں کو پہنچتا ہے۔ گذشتہ بزرگوں کو ثواب پہنچانے کی خاطر اگر طعام پکا کر کھلایا جائے تو یہ جائز ہے لیکن ہر ایک امر نیّت پر موقوف ہے۔ اگر کوئی شخص اس طرح کے کھانے کے واسطے کوئی خاص تاریخ مقرر کرے اور ایسا کھانا کھلانے کو اپنے لیے قاضی الحاجات خیال کرے تو یہ ایک بُت ہے اور ایسے کھانے کا لینا دینا سب حرام ہے اور شرک میں داخل ہے۔ پھر تاریخ کی تعیین میں بھی نیت کا دیکھنا ہی ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص ملازم ہے اور اُسے مثلاً جمعہ کے دن ہی رخصت مِل سکتی ہے تو ہرج نہیں کہ وہ اپنے ایسے کاموں کے واسطے جمعہ کا دن مقرر کرے۔ غرض جب تک کوئی ایسا فعل نہ ہو جس میں شرک پایا جائے صرف کسی کو ثواب پہنچانے کی خاطر طعام کھلانا جائز ہے۔

قرآنِ شریف کے اوراق کا ادب

ایک شخص نے عرض کی کہ قرآنِ شریف کے بوسیدہ اوراق کو اگر بے ادبی سے بچانے کے واسطے جلا دیا جائے تو کیا جائز ہے؟ فرمایا:-

جائز ہے حضرت عثمانؓ نے بھی بعض اوراق جلائے تھے۔ نیت پر موقوف ہے۔[2]

❀❀❀❀❀

---

[1]، [2] بدر جلد ۶ نمبر ۳۲ صفحہ ۵ مورخہ ۸ راگست ۱۹۰۷ء

۱۵؍اگست ۱۹۰۷ء

(بعد از نماز ظہر)

سچے سلسلہ کی مخالفت اسکی صداقت کا نشان ہے

ایک شخص نور محمد نامی نے بیعت کے واسطے عرض کی۔ فرمایا:۔

عصر کے وقت کر لینا

عصر کے وقت جب حضرت تشریف لائے تو وہ شخص بیعت کیلئے آگے بڑھا۔ حضرت نے فرمایا:۔

جس جس نے بیعت کرنی ہے آجاؤ

چونکہ جگہ تنگ اور لوگ زیادہ تھے حضرت نے فرمایا:۔

تم لوگ ایک دوسرے کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ دو

بیعت کے بعد حضرت نے اس شخص کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

کیا آپ ملتان سے آئے ہیں؟

شخص: حضور ملتان سے

حضرت: خاص ملتان گھر ہے یا گرد و نواح میں؟

شخص: حضور امیر پور ایک گاؤں تحصیل کبیر والہ میں ہے۔ وہاں بڑے بھاری مخالف ہیں۔

حضرت: اس طرف بھی بارش ہوئی ہے؟

شخص: حضور اس طرف کم بارش ہوئی ہے۔

حضرت: اس طرف بارش ہمیشہ کم ہی ہوا کرتی ہے۔ اس طرف لوگوں کی صحت تو اچھی ہوگی۔ کوئی بیماری تو نہیں ہوگی۔

شخص: بیماری کم ہی ہے۔

حضرت: اس طرف تو سلسلہ کی مخالفت کثرت سے نہیں؟

شخص: بہت لوگ مخالف ہیں۔

اس پر حضرت اقدس نے فرمایا:۔

عادت اللہ اسی طرح پر ہے کہ جس سلسلہ کو خدا تعالیٰ خود قائم کرتا ہے اس کی سب سے زیادہ مخالفت ہوتی ہے جس سلسلہ کی مخالفت نہ ہو یا اگر ہو بھی تو بہت کم ہو وہ سلسلہ سچا سلسلہ نہیں ہوتا۔ سچے سلسلہ کی سچائی کا ایک بڑا نشان یہ بھی ہے کہ اس کی بہت مخالفت ہو۔ دیکھو۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دعویٰ نبوت کیا تو کمبخت مخالفوں

نے بہت شور مچایا اور بڑی مخالفت کی۔ مگر جب مسیلمہ کذاب نے دعویٰ کیا تو سب آپس میں مل جل گئے۔ کسی نے مخالفت نہ کی۔ وجہ یہ ہے کہ شیطان جھوٹے کا دشمن نہیں ہوتا۔ سچے کی مخالفت میں سب اپنا زور لگاتا ہے۔ دیکھو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے بیگانے سب دشمن ہو گئے۔ کیا عالم اور کیا جاہل سب کے سب مخالفت پر کمربستہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ جن کو دین سے کچھ بھی تعلق نہیں ہوتا وہ بھی دشمن ہو گئے۔

آجکل بھی یہی حال ہے۔ ہر ایک نے مخالفت پر کمر باندھی ہوئی ہے۔ بڑے بڑے جرائم پیشہ اور بدکار لوگ ہماری مخالفت پر کمربستہ ہیں۔ بہت لوگ ایسے ہیں جو دنیا طلبی کی ہی فکر میں ہر وقت لگے رہتے ہیں اور بھولے سے بھی کبھی دین کا نام نہیں لیتے۔ ہر وقت زمینداری اور ملازمت میں ہی مست رہتے ہیں اور دین کی ذرہ بھی پروا نہیں کرتے اور مذہب سے کچھ بھی تعلق نہیں رکھتے۔ وہ ہماری مخالفت کرتے اور ہمارا نام سنتے ہی آگ بگولا ہو جاتے ہیں۔ ان کے نزدیک اگر تمام دنیا سے بدتر ہوں تو میں ہی ہوں۔ سو ایسے لوگوں کا فیصلہ تو اب خدا خود کرے گا۔ ایسوں کو کیا جواب دیا جاوے ان کا فیصلہ تو خدا تعالیٰ کے پاس ہے۔ قرآن مجید میں ایسے لوگوں کے بہت گندوں اور شرارتوں کا ذکر نہیں کیا گیا۔ صرف اشارات ہی پائے جاتے ہیں۔ مثلاً ایسے لوگوں کی بابت لکھا ہے کہ وہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کہتے تھے کہ جب قرآن پڑھا جاوے تو شور ڈالا کرو اور تالیاں بجایا کرو اور پھر بعض لوگ ایسے بھی تھے جن کی نسبت اللہ کریم فرماتا ہے وَ اِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ (البقرۃ: ۱۵) اور ایسے لوگ بہت پائے جاتے تھے جو دوسروں کو کہتے تھے کہ جھوٹے طور پر بیعت کر آؤ اور پھر کہو کہ ہم سب کچھ دیکھ آئے ہیں کوئی بات نہیں وہ تو دکانداری ہے اور پھر مرتد ہو جاؤ اور پھر ایسے لوگوں کو جو بیعت کر کے پھر جاتے تھے، پیش کر کے کہتے تھے کہ دیکھو یہ تجربہ کار لوگ ہیں مرتد ہو گئے ہیں۔ یہ محض جھوٹا سلسلہ ہے ایسا ہی چند آدمیوں نے ہمارے ساتھ بھی ایسا ہی کیا ہے۔ پہلے جھوٹے طور پر یہاں آ کر بیعت کی۔ پھر بعد ازاں یہاں سے جا کر چھپوا دیا کہ ہم سب کچھ دیکھ آئے ہیں کچھ بھی نہیں۔ ہم بھی مرید ہوئے سب پتہ پایا محض دھوکہ بازی ہے۔ بیوقوف اتنا نہیں جانتے کہ آخر کار کام تو وہی ہو کر رہے گا جو ارادۂ الٰہی میں ہے۔ خدا تعالیٰ کی قدرت دیکھو کہ جہاں ہماری مخالفت میں زیادہ شور اٹھا ہے وہاں ہی زیادہ جماعت تیار ہوئی ہے۔ جہاں مخالفت کم ہے وہاں ہماری جماعت بھی کم ہے۔

ایک شخص نے سلسلۂ تقریر میں عرض کی کہ اگر کوئی حقیقۃ الوحی کو خدا کے خوف سے پڑھے تو ضرور مان لیوے۔

حضرت نے فرمایا:۔

خدا تعالیٰ کا خوف ان میں رہا ہی کہاں ہے۔ خدا تعالیٰ کا خوف ہوتا تو ہماری مخالفت ہی کیوں کرتے۔ خدا تعالیٰ نے اتمام حجت کر دی۔ ہماری تائید میں بڑے بڑے نشان دکھائے گئے۔ مگر ان لوگوں کا کیا کیا جاوے اتنے نشانات

ہیں کسی کی نظیر تو پیش کریں اور نشان جانے دو۔ ان سے کوئی پوچھے کہ چھبیس ستائیس سال ہمیں دعویٰ کئے گذر گئے اور ہزاروں نشانات ہماری تائید میں ظاہر ہوئے۔ کسی ایسے جھوٹے کی نظیر تو پیش کرو جس نے خدا تعالیٰ پر افترا کیا ہو اور اتنی مہلت اور نشانات اس کی تائید میں دکھائے گئے ہوں۔ خدا تعالیٰ نے اس کے مخالف ہلاک تباہ اور ذلیل کر دیئے ہوں۔ حالانکہ خدا جانتا تھا کہ وہ مفتری ہے۔ بھلا کوئی نظیر تو دو۔ سنت اللہ اسی طرح سے ہے کہ جب کوئی خدا کی طرف سے مامور ہو کر آتا ہے تو عبدالحکیم وغیرہ کی طرح بعض لوگ الہام کے دعویدار بن بیٹھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بھی رسول ہیں۔ مگر ایسے دعویٰ کرنے والے ہمیشہ بعد میں ہوتے ہیں۔ دیکھو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دعویٰ کیا۔ اور اس کی اچھی طرح سے شہرت ہو گئی تب مسیلمہ کذاب وغیرہ نے بھی دعویٰ کر دیا۔ ایسا ہی ہمیں بھی چھبیس ستائیس برس دعویٰ کئے گذر گئے تو ان لوگوں کو بھی دعوے یاد آ گئے۔

سچے مدعی کی نشانی

مگر یاد رکھو کہ سچے کی نشانی یہ بھی ہے کہ وہ سب سے پہلے دعویٰ کرتا ہے وہ کسی کی ریس نہیں کرتا۔ ابوسفیان وغیرہ جب کفر کے زمانہ میں قیصر کے پاس گئے تو اس نے ان سے یہی پوچھا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے بھی کسی نے دعویٰ کیا ہوا ہے یا نہیں؟ انہوں نے کہا کہ نہیں۔ تب اس نے کہا کہ اگر اس سے پہلے کوئی دعویٰ کرنے والا ہوتا تو میں سمجھتا کہ یہ ریس کرتا ہے۔ ابتداءً دعویٰ کرنا یہ سچے کی شناخت پر ایک بڑی بھاری دلیل ہے۔ دیکھو چھبیس ستائیس برس گذر چکے ہیں۔ اس عرصہ میں تو ایک بچہ بھی پیدا ہو کر باپ بن سکتا ہے[1]

---

۱۷ / اگست ۱۹۰۷ء

(بوقتِ عصر)

نئے نشانات کا ظہور

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ:۔
آج رات کے دو بجے الہام ہوا تھا

اِنَّ خَبَرَ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَاقِعٌ

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی پیشگوئی واقع ہونے والی ہے۔ دو تین ماہ میں کوئی نہ کوئی نشان ظہور میں آ جاتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے خاتمہ کے دن قریب ہیں کیونکہ لکھا ہے کہ آخری زمانہ میں نئے نئے نشانات ظہور

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۰ صفحہ ۱۱ مورخہ ۲۴؍ اگست ۱۹۰۷ء

میں آئیں گے اور جیسے تسبیح کا دھاگا توڑ دیا جاوے تو دانے پر دانہ گرتا ہے ویسے ہی نشان پر نشان ظاہر ہوگا۔ یہ عجیب بات ہے کہ کوئی سال اب خالی نہیں جاتا۔ دو چار مہینہ میں کوئی نہ کوئی نشان ضرور واقع ہو جاتا ہے۔ تمام نبیوں نے اس بات کو مان لیا ہے کہ جس زور سے آخری زمانہ میں نشانات کا نزول ہوگا اس سے پہلے ویسا کبھی نہیں ہوا ہوگا۔

مخالفت ہمارے لیے مفید ہے

فرمایا:۔
مخالفوں کا انکار ہمارے واسطے بہتر ہے کیونکہ جتنی گرمی زور سے پڑتی ہے اتنی ہی بارش زور سے ہوتی ہے جس قدر مخالفوں میں تپش بڑھتی جائے گی اتنے ہی نشانات بارش کی طرح برستے جائیں گے۔[1]

۱۸؍اگست ۱۹۰۷ء

(بوقتِ عصر)

مخالف ہمیں منہاجِ نبوت پر پرکھیں

کسی شخص کے ذکر پر فرمایا کہ:۔
مجوسیوں یہودیوں اور نصرانیوں نے یہی تو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کئے تھے جس طرح سے لوگ انبیاء پر اعتراض کرتے رہے ہیں اور خدا تعالیٰ آخر ان کے جواب دیتا رہا ہے اسی طرح کے جواب ہم سے بھی لو۔ ان کو چاہیئے کہ ہم پر کوئی ایسا اعتراض کریں جو کسی پہلے نبی پر نہ ہو سکتا ہو۔ چاہیئے کہ منہاجِ نبوت پر ہمیں پرکھ لیں۔

آتھم کی پیشگوئی

آتھم کی نسبت اعتراض کرتے ہیں۔ مگر ان کو خیال کرنا چاہیئے کہ جب اسے کہا گیا تھا کہ چونکہ تم نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دجال کہا ہے اس لیے تمہاری نسبت یہ پیشگوئی کی گئی ہے۔ تو یہ بات سُنکر اُس نے سر ہلایا اور کہا کہ نہیں جی، نہیں جی۔ مَیں نے تو نہیں کہا اور زبان نکالی اور کانوں پر ہاتھ رکھ کر بڑا انکار کیا۔ اور اکثر روتا رہتا تھا اور اِدھر اُدھر اس طرح پھرتا رہتا تھا جیسے کسی کو قُطرب کی بیماری ہو جاتی ہے۔ سوچنے والی بات یہ ہے کہ مخالف کی بات کا اس قدر اثر پڑ جانا کہ اکثر اوقات روتے رہنا کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں کہ اس نے رجُوع کیا تھا۔ ساٹھ ستر آدمیوں کے سامنے اس نے زبان نکالی

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۰ صفحہ ۴ مورخہ ۲۴؍اگست ۱۹۰۷ء

اور کانوں پر ہاتھ رکھ کر دجال کہنے سے رجوع کیا تھا۔

لیکھرام کی پیشگوئی

لیکھرام کی نسبت چھ برس کی پیشگوئی تھی۔ پانچ برس اس نے شوخی سے گذارے اور میری نسبت پیشگوئی بھی کی کہ تم تین سال کے اندر ہیضہ سے مرجاؤگے چونکہ اس نے بہت شوخی کی تھی اس لیے وہ مہلت بھی اس کے لیے کم دی گئی اور پانچ برس کے اندر ہی ہلاک ہوگیا اور یہ ایک جلالی رنگ کی پیشگوئی تھی مگر آتھم نے چونکہ انکساری اختیار کی تھی اس لیے خوف اور رجوع کے سبب اس کی میعاد بڑھ گئی۔ اور یہ ایک جمالی رنگ کی پیشگوئی تھی۔

ڈاکٹر عبدالحکیم کی بے باکی

عبدالحکیم کی شوخی اور بے باکی پر حضرت نے فرمایا کہ:-

ہزاروں لوگ خود پسندی اور رعونت کی وجہ سے ہلاک ہوجاتے ہیں۔ یہ تو بہت ہی دلیر ہوگیا ہے اور حد سے بڑھ گیا ہے۔ جتنی گالیاں انسان سوچ سکتا ہے وہ سب اُس نے ہمیں دی ہیں۔ اس کے رُوبرو بڑے بڑے نشانات خدا تعالیٰ نے دکھائے۔ اُس نے خود بھی تصدیق کی بیس برس تک یہ ہمارا مصدق رہا۔ اس کے خطوط میرے پاس موجود ہیں۔ یہ کہتا تھا کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے بغیر نجات ہوسکتی ہے۔ ہم نے اُسے نصیحت کی اور اس کی غلطی سے اُسے متنبہ کیا۔ مگر اس نے بُرا منایا۔ آخر اس کا یہ مرض بڑھتا گیا اور تکبر پیدا ہوتا گیا۔ شیطان بھی تو تکبر کی وجہ سے ہی ہلاک کیا گیا تھا۔ اس کو چاہیئے تھا کہ جب ہم نے روکا تھا تو خود قادیان میں آجاتا۔ ہماری صحبت سے فائدہ اُٹھاتا اور اپنے وساوس کو انکساری سے پیش کرتا۔ ایسے گند نبیوں کے ذریعہ سے ہی دُور ہوسکتے ہیں۔ مگر وہ کہتا ہے کہ نبیوں کی اتباع کی ضرورت نہیں خاکساری کے ساتھ آتا۔ ہم دُعا بھی کرتے اور اس کے وساوس کا جواب بھی دے دیتے۔ اس نے اپنا ایک خواب بھی چھپوایا تھا کہ جس میں یہ ایک شخص کو کہتا ہے کہ مرزا صاحب نے میرا نام بیعت سے کاٹ دیا ہے۔ اب اگر اس کے دل میں واقعی اعتراض تھے تو اس کو خود الگ ہونا چاہیئے تھا نہ کہ ہم خود کاٹتے۔ اگر وہ ہمارے سلسلہ کو بُرا سمجھ کر چھوڑ دیتا۔ پھر تو ایک بات تھی مگر ہم نے اُس کو خود جماعت سے کاٹ دیا ہے۔ وہ اپنی تحریروں میں مانتا ہے کہ انہوں نے خود میرا نام بیعت سے کاٹ دیا[1]

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۰ صفحہ ۴ مورخہ ۲۴ راگست ۱۹۰۷ء

۱۹ راگست ۱۹۰۷ء

(بوقتِ ظہر)

الہام

"آید آں روزے کہ مستخلص شود"

طبابت ایک ظنّی علم ہے

طبیبوں کے علاج اور بعض بیماریوں کا ذکر ہو رہا تھا۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ :-

اکثر طبیبوں کا یہ کام ہے کہ جب انہیں مایوسی کے آثار نظر آنے لگتے ہیں اور بظاہر نظر کامیابی کی راہیں مسدود نظر آتی ہیں تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ خاص خاص شبہات پیدا ہو گئے تھے ورنہ یہ ہوتا تو ٹھیک تھا۔ یہ بات نہیں ہو سکی وہ نہیں ہو سکی۔ ایسا کرنا چاہیئے تھا ویسا کرنا چاہیئے تھا مگر یہ سب باتیں توحید کے برخلاف ہیں۔ اگر طبیب سے غلطی ہو گئی ہے یا کامیابی نہیں ہو سکی تو پھر کیا ہوا۔ اس کا کام تو صرف ہمدردی کرنا تھا تقدیر کا مقابلہ نہ کرنا تھا۔

ایک طبیب کا ذکر ہے کہ وہ قبرستان کو جاتے وقت برقع پہن لیا کرتے تھے کسی نے پوچھا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ طبیب نے جواب دیا کہ یہ سب آدمی میری دوائیوں سے ہی ہلاک ہوئے تھے۔

سنت اللہ اسی طرح سے ہے کہ کام تو وہ خود کرتا ہے مگر اپنی حکمت سے اسباب کا ایک سلسلہ بھی قائم کر دیا ہوا ہے۔ پنجابی میں ایک مثل ہے کہ "مارے آپ تے نام دھرایا تاپ" عجیب بات ہے کہ کل بگڑتی کی بگڑتی چلی جاتی ہے کچھ پتہ نہیں لگتا کہ ہوتا کیا ہے۔ کوئی دعویٰ کرنے کا امکان نہیں۔ دیکھو جہاں پیچ پڑنا ہوتا ہے وہاں بے اختیار خود بخود صورت بگڑتی جاتی ہے۔ ایک مرض کا علاج کرو تو ساتھ ہی تے کے ذریعہ سے یا کسی اور وجہ سے کئی مرضیں اور پیدا ہو جاتی ہیں۔ مگر جہاں آرام آنا ہوتا ہے تو صرف عورتوں کے سونف اجوائن بتانے سے بھی آرام ہو جاتا ہے اور خود بخود سب علاج کر لیتی ہیں۔ طبابت ایک ظنّی علم ہے۔ دعویٰ کا کوئی امکان نہیں۔ جب بیماری بڑھنی ہو تو علاج کرتے کرتے بھی بڑھتی جاتی ہے۔ مرنا برحق ہے اور ایک دن موت ضرور آکر رہے گی حدیث شریف میں آیا ہے کہ خوش قسمت انسان وہ ہے جو نیک اعمال کر کے مرے۔ عمر کا کیا ہے۔ ساٹھ برس جئیں خواہ سو برس، آخر موت برحق ہے۔

جنون کا مرض

حضرت حکیم الامت نے ایک خط پڑھ کر سنایا جس میں ایک شخص کی بیماری کی نسبت بعض باتیں درج تھیں اور دُعا کیلئے حضرت اقدس

کی خدمت میں بھی التجا کی ہوئی تھی۔

اس پر حضرت نے فرمایا:۔

خدا تعالیٰ اپنا فضل کرے۔ یہ مرض جنون کی نہایت خطرناک ہے۔

حضرت حکیم الامت نے عرض کیا کہ حضور انبیاء نے بھی یہ دُعا مانگی ہے کہ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْبَرَصِ وَالْجُذَامِ وَالْجُنُوْنِ ...... الخ

بوقتِ عصر

طاعون

موسمی تغیّر و تبدّل پر گفتگو ہو رہی تھی۔ باتوں ہی باتوں میں طاعون کا ذکر چل پڑا۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ اب کی دفعہ طاعون بہت کم پڑے گی کیونکہ زور بہت ہو گیا ہے اور چوہے بھی بہت مارے گئے ہیں۔ ان کی ایسی رایوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ابھی وہ وقت نہیں آیا جس کی نسبت قرآن مجید میں لکھا ہے وَاِنْ مِّنْ قَرْیَۃٍ اِلَّا نَحْنُ مُھْلِکُوْھَا قَبْلَ یَوْمِ الْقِیَامَۃِ اَوْ مُعَذِّبُوْھَا عَذَابًا شَدِیْدًا (بنی اسرائیل: ۵۹) مگر خدا تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ (الرعد: ۱۲)

معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس جگہ ڈاکٹروں اور مدبّروں کو ہرا دے۔

دُمدار ستارہ کا طلوع

آجکل دُمدار ستارہ طلوع ہوتا ہے۔ اس کے متعلق ایک شخص سے حضرت اقدس نے دریافت فرمایا کہ:۔

کیا آپ نے بھی دُمدار ستارے دیکھے ہیں

اس نے عرض کیا کہ حضور میں نے تو ابھی نہیں دیکھا۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

ضرور دیکھنا۔ آج ہی دیکھنا وہ ایک نہیں ہے دو ہیں۔ میں نے بھی دیکھے تھے۔ ایک چھوٹا ہے اور ایک بڑا ہے۔ تین بجے سے دکھائی دینا شروع ہوتا ہے۔ مفسروں نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں جب بہت ستارے ٹوٹے تھے تو اس سے کچھ عرصہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ یہ جو ستارے وغیرہ ہوتے ہیں ان کا اثر زمین پر ضرور ہوتا ہے۔ میرے دعویٰ سے پہلے اس قدر ستارے ٹوٹے تھے کہ ایسی کثرت آگے کبھی نہیں ہوتی تھی۔ میں اس وقت دیکھ رہا تھا کہ ستاروں کی آپس میں ایک قسم کی لڑائی ہوتی تھی۔ کوئی سو دو سو ایک طرف تھے اور سو دو سو ایک طرف تھے۔ ہمارے لیے گویا وہ ایک پیش خیمہ تھے۔ اِس طرف سے اُس طرف نکل جاتے تھے اور اُس طرف

سے اِس طرف نکل جاتے تھے۔ میرے خیال میں تو کسوف خسوف کا بھی خاص اثر زمین پر ہوتا ہے۔ دُمدار ستارے کا پیدا ہونا ایک خارقِ عادت امر ہے۔ آسمان پر اس کا ظاہر ہونا ظاہر کرتا ہے کہ زمین پر بھی ضرور کوئی خارقِ عادت امر ظاہر ہوگا۔ یہ زمین کے لیے شہادتیں ہوتی ہیں۔ آئندہ زمین پر جو خارقِ عادت نشان ظاہر ہونے والے ہوتے ہیں اُنکے لیے یہ پیش خیمہ ہوتے ہیں۔ اس طرف ہمیں الہام بھی ہو رہے ہیں کہ آئندہ خارقِ عادت نشان ظاہر ہونے والے ہیں اور کل جو مَیں نے خواب میں دیکھا تھا کہ ایک ستارہ ٹوٹا ہے اور سر پر آگیا ہے۔ مَیں نے خیال کیا تھا کہ ضرور اس کی کوئی تعبیر ہوگی۔ ذوالسنین ستارہ کی نسبت جب نکلا تھا تو انگریزی اخبار والوں نے لکھا تھا کہ یہ وہی ستارہ ہے جو حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ میں طلوع ہوا تھا۔

فرمایا:۔

بعض منذر الہام اور خواب ہوتے ہیں۔ اُن سے ڈر ہی لگ جاتا ہے۔

اپنے محبّین کیلئے دُعا

فرمایا کہ:۔

مولوی صاحب[1] کے واسطے دُعا کرتے کرتے یہاں تک اثر ہوا کہ ہمیں خود بھی دست لگ گئے۔[2]

۲۰ر اگست ۱۹۰۷ء

(بوقتِ ظہر)

امانت داری

مفتی محمد صادق صاحب نے عرض کیا کہ ایک شخص نے لکھا ہے کہ میں نے حضور کی خدمت میں دو روپیہ نقد اور ایک طلائی ڈنڈی بھیجی ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ:۔

ہاں پہنچ گئی ہے اور روپے بھی مل گئے ہیں مگر ہم نے تو امانتاً رکھدی ہے کیونکہ معلوم نہیں اس نے کس لیے بھیجی ہے کچھ لکھا نہیں۔

اس پر مفتی صاحب نے عرض کیا کہ اس نے لکھا ہے جہاں حضرت پسند فرمائیں خرچ کریں۔

---

[1] یعنی حضرت مولوی نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ (مرتب)

[2] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۰ صفحہ ۴ - ۵ مورخہ ۲۴ر اگست ۱۹۰۷ء

اولاد کیلئے باپ کی دُعا

فرمایا:۔
باپ کی دُعا اپنی اولاد کے لیے منظور ہوتی ہے۔

سید کیلئے زکوٰۃ

سوال ہوا کہ غریب سید ہو تو کیا وہ زکوٰۃ لینے کا مستحق ہوتا ہے؟ فرمایا:۔
اصل میں منع ہے۔ اگر اضطراری حالت ہو۔ فاقہ پر فاقہ ہو تو ایسی مجبوری کی حالت میں جائز ہے اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ (الانعام: ۱۲۰) حدیث سے فتویٰ تو یہ ہے کہ نہ دینی چاہیئے اگر سید کو اَور قسم کا رزق آتا ہو تو اُسے زکوٰۃ لینے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ ہاں اگر اضطراری حالت ہو تو اور بات ہے[۱]

۱۲ر اگست ۱۹۰۷ء

(بوقتِ ظہر)

طاعون کا نشان

فرمایا:۔
امریکہ کے ایک بڑے حصّہ میں بڑی تیزی سے طاعون شروع ہو گئی ہے۔ ایسا ہی یورپ کے بعض حصوں کی نسبت بھی لکھا ہے۔ اصل میں یہ دونو ملک آپس میں بہت آمد و رفت رکھتے ہیں۔ ایک ہی طرح کا لباس ہے۔ ایک ہی بولی ہے اور تقریباً ایک ہی طرح کی سردی ہے۔ اخبار والوں نے بڑا خطرہ ظاہر کیا ہے کہ چونکہ یہ ملک سرد ہے اس لیے اندیشہ ہے کہ یہ بیماری زیادہ تباہی لاوے۔

ہماری پیشگوئی میں یورپ بھی ہے اور کابل بھی ہے۔ سُنا گیا ہے کہ کابل میں ہیضہ ہے۔ مگر اس سے کچھ نہیں ہوتا یہ کوئی عذاب نہیں ہے۔ پوری خبر تو طاعون ہی لیتی ہے۔ دیکھو ابھی اس بیماری کا نام و نشان بھی نہ تھا تو مَیں نے اشتہار شائع کرا دیا تھا کہ پنجاب میں طاعون کے پودے لگائے گئے ہیں۔ ثناء اللہ کو بھی یہ اشتہار پہنچ گیا تھا۔ تاریخ کو دیکھ لو۔ ایک طرف طاعون کی آمد کی تاریخ اور دوسری طرف اشتہار کے طبع ہونے کی تاریخ موجود ہے۔ اب گیارہ سال سے تباہی شروع ہے کیا یہ انسانی کوشش اور طاقت کا کام ہے کہ اتنے بڑے واقعہ کی قبل از وقت خبر دیدے اب یورپ۔ کابل وغیرہ کی باری آئی ہے مگر پھرے گی سارے جہان میں۔ اللہ کریم فرماتا ہے۔

وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا (بنی اسرائیل: ۵۹)

---

[۱] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۰ صفحہ ۵ مورخہ ۲۴ر اگست ۱۹۰۷ء

اس کے یہی معنے ہیں کہ طاعون آخری زمانہ میں تمام جہان میں دورہ کرے گی۔ اور حدیث شریف میں لکھا ہے کہ اگر کسی گھر میں دس آدمی ہوں گے تو سات مر جائیں گے اور تین بچے رہیں گے اور یہ مہدی کی علامات میں سے ہے کہ اس کی مخالفت سے سخت طاعون پڑیگی۔

عجیب بات ہے کہ خسوف کسوف کے رمضان میں واقع ہونے کی نسبت لکھا ہے کہ جب سے دُنیا پیدا ہوئی ایسا کبھی نہیں ہوا۔ یہ ایک خارقِ عادت امر ہے پھر یہ زلزلے اور طاعون بھی خارق عادت امور ہیں۔ مگر نہیں سوچتے اور نشان پر نشان مانگتے ہیں۔ یہ اُن کے لیے اچھے تو نہیں ہوں گے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ نشان جب آئیں گے تو پھر اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا۔

(پھر لیکھرام کے نشان کا ذکر فرماتے رہے)

حکومت سے تعاون

قیصر کی چٹھی متعلقہ طاعون کا ذکر کر کے حضور نے فرمایا:۔

ہم نے ایک اعلان کے ذریعہ لکھ دیا ہے کہ ایسے امور میں گورنمنٹ کو ہر قسم کی مدد دینے کو تیار ہیں۔ ہم اپنی جماعت کو بھی یہی تاکید کریں گے کہ وہ خاص احتیاط کرے اور گورنمنٹ کی ہدایت کے بموجب جب ضرورت پڑے باہر کھلے میدانوں اور کھلی ہوا میں چلی جاوے۔ ہماری تمام جماعت ایسے امور میں گورنمنٹ کو خاص امداد دے گی کیونکہ وہ گورنمنٹ کی خیر خواہی کو مذہبی فرض سمجھتی ہے۔

اپنی حفاظت کیلئے حکومت کو توجہ دلائی جائے

ایک معزز خادم نے عرض کی کہ پشاور جیسے سرحدی مقام پر کیا کیا جاوے

کیونکہ وہاں تو لوگ قتل سے نہیں ڈرتے۔ وہ انجام کو نہیں سوچتے۔ ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر قتل ہو جاتے ہیں ایک شخص نے ڈیڑھ روپیہ قرضہ دینا تھا۔ اس پر یہاں تک نوبت پہنچی کہ تین آدمی قتل ہو گئے اور قاتل علاقہ غیر میں بھاگ گئے۔

ان باتوں کو سُنکر فرمایا:۔

ایسے مقامات پر گورنمنٹ کو توجہ دلائی جاوے تو وہ ہماری جماعت کی طرف خاص توجہ کرے گی اور حفاظت کے سامان بہم پہنچا دے گی۔ کیونکہ یہ بالکل سچ ہے کہ بعض اضلاع میں لوگ ڈاکہ کے عادی ہیں اور ہماری جماعت سے بھی خاص دشمنی رکھتے ہیں اس لیے خاص طور پر گورنمنٹ کو حفاظت کا انتظام کرنا چاہیئے۔ ہم گورنمنٹ کی ہدایتوں پر عمل کرنے کو تیار ہیں مگر ایسے خطرناک مقامات کے لیے ہم یہ ضرور کہیں گے کہ چونکہ ڈاکو لوگ مخالف مولویوں کے

بھڑکانے سے اور بھی تکلیف دینے پر آمادہ ہو جائیں گے اس لیے گورنمنٹ کو حفاظت کا پورا انتظام کرنا چاہیئے ۔ ایسے موقعہ پر کافی اور مسلح پہرہ اگر ہو تو خطرہ دُور ہو سکتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر طاعون نے نہ مارا تو ڈاکوؤں نے مار دیا[1]

۱۳؍اگست ۱۹۰۷ء

ادائیگی قرض کی اہمیت

ایک شخص کا ذکر ہوا کہ وہ ایک دوسرے شخص کی امانت جو اس کے پاس جمع تھی لے کر کہیں چلا گیا ہے۔

فرمایا:۔

ادائے قرضہ اور امانت کی واپسی میں بہت کم لوگ صادق نکلتے ہیں اور لوگ اس کی پروا نہیں کرتے حالانکہ یہ نہایت ضروری امر ہے۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کا جنازہ نہیں پڑھتے تھے جس پر قرضہ ہوتا تھا۔ دیکھا جاتا ہے کہ جس التجا اور خلوص کے ساتھ لوگ قرض لیتے ہیں۔ اسی طرح خندہ پیشانی کے ساتھ واپس نہیں کرتے بلکہ واپسی کے وقت ضرور کچھ نہ کچھ تنگی ترشی واقع ہو جاتی ہے۔ ایمان کی سچائی اسی سے پہچانی جاتی ہے[2]

۲۳؍اگست ۱۹۰۷ء

(بوقتِ عصر)

ڈاکٹر عبدالحکیم کا دعویٰ مسیحیت

ڈاکٹر عبدالحکیم خاں مُرتد کی مسیحیت کا ذکر تھا حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

ہمارا نام وہ دجّال رکھتا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ بیس برس تک دجّال ہی کا مصدق رہا ہے اور اسی کا ماتحت رہا ہے۔ بھلا کوئی دنیا میں ایسا بھی مسیح گذرا ہے جو بیس سال تک دجّال کے ماتحت رہا ہو۔

ایک ہندو نے عبدالحکیم کی نسبت لکھا ہے کہ جن کی وہ بیعت ہے ان کی زبان سے تو کوئی گندہ لفظ تک نہیں نکلا مگر یہ بڑا کمبخت ہے کہ جس کی بیس برس تک بیعت میں رہا ہے اسکو گالی نکالتا ہے۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۱ صفحہ ۱۲-۱۳ مورخہ ۳۱؍اگست ۱۹۰۷ء

[2] بدر جلد ۶ نمبر ۳۰ صفحہ ۶ مورخہ ۵؍ستمبر ۱۹۰۷ء

اس سوال کا جواب سُننے کا مجھے بہت شوق ہے کہ وہ کیسا مسیح ہے جو بیس برس تک دجّال کے ماتحت رہے۔ کیسی عجیب بات ہے کہ سچا بھی تھا مسیح بھی تھا اور رسُول بھی تھا مگر بیس برس تک دجّال کی بیعت رہا۔ اس کا مصدق رہا اس کی تائید میں سچی خوابیں رؤیا اور الہامات بھی سُناتا رہا۔

ایک شخص کی بابت کسی کو لکھتا ہے کہ مجھے یہ خواب آئی ہے کہ یہ شخص طاعون سے ہلاک ہوگا کیونکہ یہ سچے مسیح کا منکر ہے اور پھر اس خواب کے سچا ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔

اس پر ایک شخص نے حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ حضور اس کے دل میں تو یہ بات ہوگی کہ آپ ہی حقیقت میں سچے مسیح ہیں۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

دل مسخ ہوگیا ہے مسیلمہ کذاب کی طرح پہلے مانا پھر انکار کردیا۔ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (البقرۃ: ۸) کے بھی یہی معنے ہیں مسیلمہ کذاب کی تو پہلے نظیر بھی موجود تھی مگر اس کی تو نظیر بھی کوئی نہیں۔[1]

بلا تاریخ

بسم اللہ کی رسم

ایک شخص نے بذریعہ تحریر عرض کی کہ ہمارے ہاں رسم ہے کہ جب بچے کو بسم اللہ کرائی جاوے تو بچے کو تعلیم دینے والے مولوی کو ایک عدد تختی چاندی یا سونے کی اور قلم و دوات چاندی یا سونے کی دیجاتی ہے۔ اگرچہ میں ایک غریب آدمی ہوں مگر چاہتا ہوں کہ یہ اشیاء اپنے بچے کی بسم اللہ پر آپ کی خدمت میں ارسال کروں۔

حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا:۔

تختی اور قلم و دوات سونے یا چاندی کی دینا یہ سب بدعتیں ہیں ان سے پرہیز کرنا چاہیئے اور باوجود غربت کے اور کم جائیداد ہونے کے اس قدر اسراف اختیار کرنا سخت گناہ ہے۔

جماعتِ جمعہ

سوال پیش ہوا کہ نماز جمعہ کے واسطے اگر کسی جگہ صرف ایک دو مرد احمدی ہوں اور کچھ عورتیں ہوں تو کیا یہ جائز ہے کہ عورتوں کو جماعت میں شامل کرکے نماز جمعہ ادا کی جائے؟

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۱ صفحہ ۱۳ مورخہ ۳۱ راگست ۱۹۰۷ء نیز بدر جلد ۶ نمبر ۳۶ صفحہ ۶ مورخہ ۵ ستمبر ۱۹۰۷ء

حضرت نے فرمایا کہ: جائز ہے۔

دریائی جانوروں کی حلّت کا اُصول

سوال پیش ہوا کہ دریائی جانور حلال ہیں یا نہیں؟

فرمایا:۔

دریائی جانور بے شمار ہیں۔ ان کے واسطے ایک ہی قاعدہ ہے جو خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمادیا ہے کہ جو ان میں سے کھانے میں طیّب، پاکیزہ اور مفید ہوں اُن کو کھالو دوسروں کو مت کھاؤ۔

ناول نویسی و ناول خوانی

حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی خدمت میں ایک سوال پیش ہوا کہ ناولوں کا لکھنا اور پڑھنا کیسا ہے؟

فرمایا کہ:۔

ناولوں کے متعلق وہی حکم ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشعار کے متعلق فرمایا ہے کہ حَسَنُهٗ حَسَنٌ وَ قَبِيحُهٗ قَبِيحٌ اس کا اچھا حصہ اچھا ہے اور قبیح قبیح ہے۔ اعمال نیت پر موقوف ہیں۔ مثنوی مولوی رُومی میں جو قصے لکھے ہیں وہ سب تمثیلیں ہیں اور اصل واقعات نہیں ہیں۔ ایسا ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمثیلوں سے بہت کام لیتے تھے۔ یہ بھی ایک قسم کے ناول ہیں جو ناول نیتِ صالح سے لکھے جاتے ہیں۔ زبان عمدہ ہوتی ہے نتیجہ نصیحت آمیز ہوتا ہے اور بہر حال مفید ہیں اُن کے حسبِ ضرورت لکھنے پڑھنے میں گناہ نہیں۔[1]

بلا تاریخ

صحیح عہد

فرمایا:۔

صحیح عہد وہ ہوتا ہے کہ عہد کرنے سے پہلے طرفین نے قلبِ صافی کے ساتھ تمام معاملات ایک دوسرے کو سمجھا دیئے ہوں اور کوئی بات ایسی درمیان میں پوشیدہ نہ رکھی ہو جو کہ اگر ظاہر کی جاتی تو دوسرا آدمی اس عہد کو منظور نہ کرتا۔ ہر ایک عہد جائز نہیں ہوتا کہ اس کو پورا کیا جاوے بلکہ بعض عہد ایسے ناجائز ہوتے ہیں کہ اُن کا توڑنا ضروری ہوتا ہے ورنہ انسان کے دین میں سخت حرج واقعہ ہوتا ہے۔

کامل تزکیۂ نفس

فرمایا:۔

پورے طور پر تزکیہ نفس تھوڑے ہی شخصوں کو حاصل ہوتا ہے۔ اکثر لوگ جو نیک

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۳۶ صفحہ ۳ مورخہ ۵ ستمبر ۱۹۰۷ء

ہوتے ہیں وہ بسبب کمزوری کے کچھ نہ کچھ خرابی اپنے اندر رکھتے ہیں اور ان کے دین میں کوئی حصہ دنیوی ملونی کا بھی ہوتا ہے۔ اگر انسان اپنے سارے امور میں صاف ہو اور ہر بات میں پُوری طرح تزکیہ نفس رکھتا ہو وہ ایک قطب اور غوث بن جاتا ہے۔

آپ نے ایک مشہور مولوی کا نام لیا اور فرمایا کہ :۔

وہ ایک رسالہ ماہواری نکالتا تھا۔ ایک دفعہ ہم نے اس سے دریافت کیا کہ کیا یہ خدمت رسالہ کی خالصۃً اللہ کے واسطے ہے یا اس میں کچھ ملونی دُنیا کی بھی ہے؟ ان دنوں میں اس کے دل کی حالت کچھ اچھی تھی۔ اس نے صفائی سے کہہ دیا کہ یہ خالص اللہ کے لیے نہیں ہے بلکہ اس میں دُنیا کی ملونی بھی ہے۔ اگر کوئی فعل انسان خاص خدا کے لیے کرے تو وہ انسان کو یکدفعہ آسمان پر لے جاتا ہے۔

براہین کا اشتہار صدقِ نیت سے تھا

فرمایا :۔

جبکہ ہم نے براہین کا اشتہار دیا کہ اگر کوئی ان دلائل کو توڑ دے تو اس کو ہم دس ہزار روپیہ دیں گے تو یہ اشتہار صدقِ نیت سے تھا۔ ہم نے اتنا ہی روپیہ لکھا تھا جتنا کہ ہم دے سکتے تھے اور جو اس وقت ہمارے پاس جمع ہو سکتا تھا۔ صرف اسلام کی محبت کے واسطے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت قائم کرنے کی خاطر ہم نے ایسی کتاب لکھی اور اس کے ساتھ اتنا اشتہار دیا ورنہ ہم کو ہرگز وہم و گمان بھی نہ تھا کہ ہم اس کے ذریعہ سے کوئی روپیہ کمائیں اور کسی قسم کی دنیوی ملونی اس میں نہ تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمیں دس ہزار چھوڑ کر ایک روپیہ بھی نہ دینا پڑا بلکہ کئی دس ہزار روپیہ اس کے بعد ہمارے پاس آیا۔ یہ خلوصِ نیت کا نتیجہ تھا۔

مثالی طبیب

ایک بیمار جو کہ باہر سے حضرت مولوی نورالدین صاحب کے پاس معالجہ کے واسطے آیا تھا۔ حضرت کی خدمت میں بھی سلام کے واسطے حاضر ہوا۔

حضرت نے اثنائے گفتگو میں فرمایا کہ :۔

مولوی صاحب کا وجود ازبس غنیمت ہے۔ آپ کی تشخیص بہت اعلیٰ ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ بیمار کے واسطے دُعا بھی کرتے ہیں۔ ایسے طبیب ہر جگہ کہاں مِل سکتے ہیں؟

گوشت خوری کا جواز

مذکورہ بالا بیمار ہندو تھا حضرت نے اس سے دریافت کیا کہ :۔

آپ لوگ گوشت کھایا کرتے ہیں؟

اس نے عرض کی کہ ہاں میں کھایا کرتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ :۔

ایسی بیماریوں میں قوت کے قائم رکھنے کے واسطے گوشت کی یخنی مفید ہوتی ہے اور وہ لوگ بے وقوف ہیں

جو کہتے ہیں کہ گوشت حرام ہے۔ طبیب اور ڈاکٹر لوگ جانتے ہیں کہ انسان کے واسطے گوشت کی خوراک کیسی مفید ہے کس قدر انسانی ضرورتیں ہیں جو شل گوشت کے ہیں۔ اگر جانوروں پر رحم کے یہ معنے ہیں کہ گوشت حرام کیا جاوے تو پھر تو بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کو حرام کرنا پڑے گا۔ اوّل تو دودھ کو ہی حرام کرنا چاہئیے کیونکہ یہ جانوروں کے بچوں کی خوراک ہے۔ پھر ریشم کو لو جو کیڑوں کو مارنے سے نکلتا ہے۔ پھر شہد کو دیکھو جو ہزار ہا مکھیوں سے چھین کر انسان اپنے مُنہ میں ڈال لیتا ہے۔ حالانکہ مکھی ایک غریب اور چھوٹا سا جانور ہے۔ پھر کستوری کو دیکھو جو آریوں اور ہندوؤں کی عبادت میں مانند شہد کے استعمال ہوتی ہے وہ ایک ہرن کو مار کر اس کی ناف میں سے نکالی جاتی ہے۔ پھر موتی کو لو جن کے تاجر سب ہندو ہی چلے آتے ہیں۔ وہ بھی جانور کو مار کر اس کے پیٹ میں سے نکالا جاتا ہے۔ پھر انسان اپنے پاؤں کی جُوتی کو ہی دیکھے کہ وہ کس سے بنتی ہے۔ غرض کس کس چیز کو دیکھا جائے۔ کیا لباسِ انسانی، کیا خوراکِ انسانی، کیا دیگر ضروریات سب میں اس قسم کی اشیاء ہیں جو کسی جاندار کے مارنے سے ہی حاصل ہو سکتی ہیں۔ بعض انسانوں کو ایسی بیماری ہوتی ہے کہ اُن کے ناک میں کیڑے پڑ جاتے ہیں لاچار ان کیڑوں کو مارنا پڑتا ہے۔ بعض آدمیوں کے زخموں میں کیڑے پڑ جاتے ہیں تو زخم کے اندر ایسی دوائی ڈالی جاتی ہے جس سے وہ کیڑے مَر جاویں۔ ایام وبا میں جب کنوئیں کے پانی میں کیڑے ہو جاتے ہیں تو کنوئیں کے اندر دوائی ڈال دی جاتی ہے تاکہ وہ کیڑے مَر جاویں۔ کس کس شئے کا ذکر کیا جائے ہندوؤں کے بڑے بڑے بزرگ راجہ رام چندر وغیرہ سب شکار کھیلتے تھے۔ خدا تعالیٰ کے قانون کی رعایت رکھ کر دیکھنا چاہئیے کہ آیا بغیر اس کے انسان کا گذارہ چل سکتا ہے؟

ایمان میں عورتوں کی مسابقت

فرمایا:۔ بہت عورتیں گھر میں آکر بیعت کرتی ہیں۔ ان کے نام مبائعین کے درمیان لکھنے کا تا حال کوئی انتظام نہیں ہے۔ مَیں نے دیکھا ہے کہ بعض عورتیں بسبب اپنی قوتِ ایمانی کے مردوں سے بڑھی ہوئی ہوتی ہیں۔ فضیلت کے متعلق مردوں کا ٹھیکہ نہیں۔ جس میں ایمان زیادہ ہوا وہ بڑھ گیا۔ خواہ مرد ہو خواہ عورت ہو۔

خدا تعالیٰ کو مقدم رکھیں

ایک دوست جو باوجود ایک لمبی رُخصت لینے کے قادیان نہ آسکے تھے کیونکہ وہ ایک عمارت بنوا رہے ہیں۔ ایک دو روز کے واسطے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے کسی نے عرض کی کہ ان کی رُخصت لمبی ہے ان کو قادیان رہنا چاہئیے۔

فرمایا:۔

ایک پنجابی ضرب المثل ہے کہ ؎

یا توں لوڑ مقدمیں یا اللہ نوں لوڑ

یعنی یا تو انسان خدا تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہو یا دنیاوی دھندے مثلاً مقدمہ بازی وغیرہ میں لگے۔ ایک طرف کا ہی کام ہو سکتا ہے۔ دو طرفہ چلنا مشکل ہے۔

سلسلہ کے کارکنان کی صفات

اس امر کا ذکر تھا کہ سلسلہ حقہ کے واسطے واعظ مقرر کئے جاویں جو مختلف شہروں اور گاؤں میں جاکر وعظ بھی کریں

اسلام کے واسطے چندے بھی جمع کریں۔ حضرت نے فرمایا کہ :۔

جب تک کسی میں تین صفتیں نہ ہوں وہ اس لائق نہیں ہوتا کہ اس کے سپرد کوئی کام کیا جائے۔ اور وہ صفتیں یہ ہیں۔ دیانت۔ محنت۔ علم۔ جب تک کہ یہ تینوں صفتیں موجود نہ ہوں۔ تب تک انسان کسی کام کے لائق نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص دیانتدار اور محنتی بھی ہو لیکن جس کام میں اس کو لگایا گیا ہے۔ اس فن کے مطابق علم اور ہنر نہیں رکھتا۔ تو وہ اپنے کام کو کس طرح سے پورا کر سکے گا۔ اور اگر علم رکھتا ہے، محنت بھی کرتا ہے دیانتدار نہیں تو ایسا آدمی بھی رکھنے کے لائق نہیں۔ اور اگر علم و ہنر بھی رکھتا ہے۔ اپنے کام میں خوب لائق ہے اور دیانت دار بھی ہے مگر محنت نہیں کرتا تو اس کا کام بھی ہمیشہ خراب رہے گا۔ غرض ہر سہ صفات کا ہونا ضروری ہے۔

فرمایا :۔

کارکن آدمی ہر جگہ جماعت کے اندر مل سکتے ہیں ایسے لوگوں کو ذاتی اخراجات کے واسطے جو کچھ دیا جائے وہ بھی ناگوار نہیں گذرتا خواہ وہ معمولی واعظ کی تنخواہ سے زیادہ ہو کیونکہ کارکن کو جو کچھ دیا جائے وہ ٹھکانے پر لگتا ہے اس میں کوئی اسراف نہیں۔

سکھوانی برادران

سکھوانی برادران میاں جمال الدین، میاں امام الدین، میاں خیرالدین صاحبان کا ایک دوست نے ذکر کیا کہ وہ بھی اس کام کے واسطے

رکھے جا سکتے ہیں۔

حضرت نے فرمایا :۔

بیشک وہ بہت موزوں ہیں، مخلص آدمی ہیں۔ ہمیشہ اپنی طاقت سے بڑھ کر خدمت کرتے ہیں۔ تینوں بھائی ایک ہی صفت کے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ کون ان میں سے دوسروں سے بڑھ کر ہے۔

محصلین کیلئے ہدایت

فرمایا :۔

بیرون جات میں جو لوگ چندہ لینے کے واسطے بھیجے جاویں اُن کو سمجھا دیں کہ

چندہ ایسے طور سے وصول کرنا چاہیئے کہ لوگ جو کچھ طیب خاطر سے دیں وہ قبول کیا جائے کسی قسم کا اصرار نہ ہو۔ کوئی شخص ایک پیسہ دے خواہ ایک دھیلہ دے اس کو خوشی کے ساتھ قبول کر لینا چاہیئے۔

کسرِ صلیب کی حقیقت

فرمایا:۔
چند روز سے میرے دل میں خیال تھا کہ کسرِ صلیب سے کیا مراد ہے؟ یہ بات تو صحیح نہیں ہو سکتی کہ مسیح لکڑی یا پتھر کی صلیبیں توڑتا پھرے۔ اس سے کچھ حاصل نہیں۔ بعد سوچنے کے یہی بات دل میں آئی کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ خدا تعالیٰ ایک زمانہ ہی ایسا لائے گا کہ اس میں خود بخود آسمان سے ایک ہوا ہی ایسی چلے گی کہ خواہ مخواہ عیسائیت کے بیہودہ مذہب سے لوگوں کے دل ٹھنڈے پڑنے لگ جائیں گے۔ عیسائیت جیسے مذہب کو دُنیا سے مٹانا اور چالیس کروڑ آدمی کی اصلاح کرنا یہ واحد جان کا کام نہیں ہو سکتا جب تک کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کے دلوں میں ایسی تحریک نہ ہو جس سے وہ خود بخود اس مذہب سے بیزار ہوتے چلے جائیں۔ اور اگر غور سے دیکھو تو یہ کارروائی شروع ہو گئی ہے۔ لوگ تربیت یافتہ ہوتے جاتے ہیں اور عقلی اور دماغی قوتیں بڑھتی جاتی ہیں۔ اب ایسی کچی باتوں کو کون مان سکتا ہے۔ اگر تھوڑا بہت کچھ ایمان ہے تو عورتوں میں ہے اور بس۔

پرچوں کا تبادلہ جاری رکھنا چاہیئے

مولوی ثناء اللہ صاحب کے پرچہ اہلحدیث کے تبادلہ میں یہاں سے میگزین اُردو جاتا تھا مینجر ریویو نے بدیں خیال کہ یہاں اہلحدیث اور دفتروں میں آتا رہتا ہے ضروری نہ سمجھا کہ اس کے ساتھ تبادلہ وہ بھی جاری رکھیں اس واسطے بند کر دیا تھا جس پر مولوی ثناء اللہ صاحب نے حضرت کے نام ایک کارڈ لکھا کہ کیا یہ تجویز آپ کی منظوری سے ہوئی ہے اس پر حضرت نے دریافت کیا کہ

تبادلہ کیوں بند کیا گیا ہے؟

اور پھر فرمایا کہ:۔
تبادلہ جاری رکھنے میں یہ فائدہ ہے کہ مولوی صاحب پر اتمام حجت ہوتا رہے گا اور شاید کوئی بندۂ خدا اُنکے دفتر میں اس کو پڑھ کر اس سے مستفید ہو جائے[1]

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۳۶ صفحہ ۵ - ۶ مورخہ ۵ ستمبر ۱۹۰۷ء

۵ ستمبر ۱۹۰۷ء

تمہارے اعمال تمہارے احمدی ہونے پر گواہی دیں

آج صبح ۹ بجے حضرت روح اللہ کے دستِ مبارک پر دس بارہ آدمیوں نے دارالبرکات کے صحن میں بیعت کی۔ حضور نے ایک لمبی تقریر فرمائی جس کا خلاصہ عرض ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَہٗ۔ اب جو تم لوگوں نے بیعت کی تو اب خدا تعالیٰ سے نیا حساب شروع ہوا ہے۔ پہلے گناہ صدق و اخلاص کے ساتھ بیعت کرنے پر بخشے جاتے ہیں۔ اب ہر ایک کا اختیار ہے کہ اپنے لیے بہشت بنا لے یا جہنم۔

انسان پر دو قسم کے حقوق ہیں۔ ایک تو اللہ کے دوسرے عباد کے۔ پہلے میں تو اسی وقت نقصان ہوتا ہے۔ جب دیدہ دانستہ کسی امر اللہ کی مخالفت قول یا عمل کی جائے مگر دوسرے حقوق کی نسبت بہت کچھ بیچ بیچ کے رہنے کا مقام ہے۔ کئی چھوٹے چھوٹے گناہ ہیں جنہیں انسان بعض اوقات سمجھتا بھی نہیں۔ ہماری جماعت کو تو ایسا نمونہ دکھانا چاہیئے کہ دشمن پکار اُٹھیں کہ گو یہ ہمارے مخالف ہیں مگر ہیں ہم سے اچھے۔ اپنی عملی حالت کو ایسا درست رکھو کہ دشمن بھی تمہاری نیکی خدا ترسی اور اتقاء کے قائل ہو جائیں۔

یہ بھی یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کی نظر جذرِ قلب تک پہنچتی ہے۔ پس وہ زبانی باتوں سے خوش نہیں ہوتا۔ زبان سے کلمہ پڑھنا یا استغفار کرنا انسان کو کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ جب وہ دل و جان سے کلمہ یا استغفار نہ پڑھے۔ بعض لوگ زبان سے استغفر اللہ کرتے جاتے ہیں مگر نہیں سمجھتے کہ اس سے کیا مراد ہے۔ مطلب تو یہ ہے کہ پچھلے گناہوں کی معافی خلوصِ دل سے چاہی جائے اور آئندہ کے لیے گناہوں سے باز رہنے کا عہد باندھا جائے اور ساتھ ہی اس کے فضل و امداد کی درخواست کی جائے۔ اگر اس حقیقت کے ساتھ استغفار نہیں ہے تو وہ استغفار کسی کام کا نہیں۔ انسان کی خوبی اسی میں ہے کہ وہ عذاب آنے سے پہلے اس کے حضور میں جُھک جائے اور اس کا امن مانگتا ہے۔ عذاب آنے پر گڑگڑانا اور رَبَّنَا وَقِنَا پکارنا تو سب قوموں میں یکساں ہے۔ ایسے وقت میں جبکہ خدا کا عذاب چاروں طرف سے محاصرہ کیئے ہوئے ہو ایک عیسائی، ایک آریہ، ایک چوہڑا بھی اس وقت پکار اُٹھتا ہے کہ الٰہی ہمیں بچائیو۔ اگر مومن بھی ایسا کرے تو پھر اس میں اور غیروں میں فرق کیا ہوا۔ مومن کی شان تو یہ ہے کہ وہ عذاب آنے سے قبل خدا تعالیٰ کے کلام پر ایمان لا کر خدا تعالیٰ کے حضور گڑگڑائے۔

اِس نکتہ کو خوب یاد رکھو کہ مومن وہی ہے جو عذاب آنے سے پہلے کلامِ الٰہی پر یقین کر کے عذاب کو وارد سمجھے اور اپنے بچاؤ کے لیے دُعا کرے۔ دیکھو ایک آدمی جو توبہ کرتا ہے دُعا میں لگا رہتا ہے تو وہ صرف اپنے پر نہیں بلکہ اپنے

بال بچوں پر اپنے قریبیوں پر رحم کرتا ہے۔ کہ وہ سب ایک کے لیے بچائے جا سکتے ہیں۔ ایسا ہی جو غفلت کرتا ہے تو نہ صرف اپنے لیے بُرا کرتا ہے بلکہ اپنے تمام کُنبے کا بدخواہ ہے۔

یہ بڑا نازک وقت ہے۔ خدا تعالیٰ کے غضب کی آگ مشتعل ہے۔ نہیں معلوم کہ آئندہ موسم طاعون میں کیا ہونے والا ہے۔ اس کا کلام مجھے اطلاع دیتا ہے کہ آگے سے بڑھ کر مری پڑے گی۔ پس مومنو۔ قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (التحریم: ۷)۔ دعائیں لگے رہو کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ (الفرقان: ۷۸)

ایک انسان جو دُعا نہیں کرتا۔ اس میں اور چارپائے میں کچھ فرق نہیں۔ ایسے لوگوں کی نسبت خدا تعالیٰ فرماتا ہے يَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ یعنی چارپایوں کی زندگی بسر کرتے ہیں اور جہنم اُن کا ٹھکانا ہے۔ پس تمہاری بیعت کا اقرار اگر زبان تک محدود رہا تو یہ بیعت کچھ فائدہ نہ پہنچائے گی۔ چاہیئے کہ تمہارے اعمال تمہارے احمدی ہونے پر گواہی دیں۔ مَیں ہرگز یہ بات نہیں مان سکتا کہ خدا تعالیٰ کا عذاب اس شخص پر وارد ہو جس کا معاملہ خدا تعالیٰ سے صاف ہو۔ خدا تعالیٰ اُسے ذلیل نہیں کرتا جو اس کی راہ میں ذلت اور عاجزی اختیار کرے۔ یہ سچی اور صحیح بات ہے۔ مرنا تو بیشک سب نے ہے مگر یہ موتیں جو آجکل ہو رہی ہیں یہ تو ذلت کی موتیں ہیں۔ خدا تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے کہ ایک ابھی دفن نہیں ہوا تھا کہ دوسرا جنازہ تیار ہے۔ پس راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر دُعائیں مانگو۔ کوٹھڑی کے دروازے بند کر کے تنہائی میں دُعا کرو کہ تم پر رحم کیا جائے۔ اپنا معاملہ صاف رکھو کہ خدا کا فضل تمہارے شاملِ حال ہو جو کام کرو نفسانی غرض سے الگ ہو کر کرو تا خدا تعالیٰ کے حضور اجر پاؤ۔

حضرت علیؓ کی نسبت روایت ہے کہ ایک کافر نے جس پر قابو پا چکے تھے اُن کے مُنہ پر تھُوکا تو آپ نے چھوڑ دیا۔ اُس نے پوچھا یہ کیوں؟ تو فرمایا اب میرے نفس کی بات درمیان میں آگئی۔ اس نے جب دیکھا کہ یہ لوگ نفسانی کاموں سے اس قدر الگ ہیں تو مسلمان ہو گیا۔ ایسے ایسے عملی نمونوں سے وہ کام ہو سکتا ہے جو کئی تقریریں اور وعظ نہیں کرتے۔[1]

بلا تاریخ

فرمایا:۔

طلاق

جائز چیزوں میں سے سب سے زیادہ بُرا خدا اور اس کے رسُول نے طلاق کو قرار دیا ہے اور یہ صرف ایسے موقعوں کے لیے رکھی گئی ہے جبکہ اشد ضرورت ہو۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے جو رب ہے کہ سانپوں اور بچھوؤں

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۲ صفحہ ۶ مورخہ ۱۰ ستمبر ۱۹۰۷ء

کے لیے خوراک مہیا کی ہے ویسا ہی ایسے انسانوں کے لیے جن کی حالتیں بہت گری ہوئی ہیں اور جو اپنے اُوپر قابو نہیں رکھ سکتے۔ طلاق کا مسئلہ بنادیا ہے کہ وہ اس طرح آفات اور مصیبتوں سے بچ جاویں جو طلاق کے نہ ہونے کی صورت میں پیش آئیں یا بعض اوقات دوسرے لوگوں کو بھی ایسی صورتیں پیش آجاتی ہیں اور ایسے واقعات ہو جاتے ہیں کہ سوائے طلاق کے اور کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ پس اسلام نے جو کہ تمام مسائل پر حاوی ہے یہ مسئلہ طلاق کا بھی رکھ دیا ہے اور ساتھ ہی اُس کو مکروہ بھی قرار دیا ہے۔ (منقول از تشحیذ الاذہان)

رازق اللہ تعالیٰ ہے

فرمایا:۔ اصل رازق خدا تعالیٰ ہے۔ وہ شخص جو اس پر بھروسہ کرتا ہے کبھی رزق سے محروم نہیں رہ سکتا۔ وہ ہر طرح سے اور ہر جگہ سے اپنے پر توکّل کرنے والے شخص کے لیے رزق پہنچاتا ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو مجھ پر بھروسہ کرے اور توکّل کرے میں اس کے لیے آسمان سے برساتا اور قدموں میں سے نکالتا ہوں۔ پس چاہیئے کہ ہر ایک شخص خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرے۔

بیوی پر ظُلم کا نتیجہ

ایک صاحب کا ذکر تھا۔ فرمایا:۔ اُن کے مجھ کو بہت سے خطوط آئے ہیں کہ میں اکثر بیمار رہتا ہوں اور بہت کمزور ہو گیا ہوں یہانتک کہ میں اپنا کام بھی اچھی طرح نہیں کر سکتا اور اس لیے مجبوراً مجھے ایک لمبی رخصت لینی پڑیگی مگر اصل بات یہ ہے کہ ظُلم کا نتیجہ ہمیشہ خراب ہوتا ہے۔ وہ اپنی پہلی بیوی پر بہت کچھ سختی کرتے ہیں اور یہ کام خدا تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ بہت دفعہ مولوی نورالدین صاحب اور مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم نے ان کو نصیحت کی۔ مگر وہ سمجھتے نہیں۔ میں نے کنایتاً کئی دفعہ ان کو جتایا ہے مگر انہوں نے کوئی خیال نہیں کیا۔ مگر اس کا نتیجہ اچھا نہیں ہوگا۔ ضرور ہے کہ وہ کسی دن اپنے کام سے پچھتائیں اور میری بات کو سمجھیں[1]

---

۱۰ ر ستمبر ۱۹۰۷ء

(قبل نمازِ ظہر)

ابتلاؤں کی برکات

فرمایا:۔ اصل میں دیکھا گیا ہے کہ ابتلاء اور تکالیف کا زمانہ جو انسان پر آتا ہے وہ

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۳۸ صفحہ ۷ مورخہ ۱۹ ر ستمبر ۱۹۰۷ء

اس کے واسطے مفید ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں قاعدین پر مجاہدین کو فضیلت دی ہے۔ مجاہدین دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو اپنے اوپر خدا تعالیٰ کی راہ میں مشکل کام ڈال لیتے ہیں اور اس کی تکالیف کو برداشت کرتے ہیں اور دوسرے وہ ہیں جن پر قضاء و قدر سے مشکلات اور تکالیف وارد ہوتی ہیں اور وہ صبر اور تحمل کے ساتھ ان مشکلات کو برداشت کرتے ہیں۔ جو شخص رات دن اپنے کھانے پینے میں مصروف رہتے ہیں اور اسی طرح اُن کی زندگی گذر جاتی ہے اور اُن پر کوئی تلخی نہیں آتی کہ وہ صبر کریں تو وہ قاعدین میں داخل ہیں۔

جس زمانہ کو انسان بسبب تلخی کے بُرا زمانہ کہتا ہے اور اس کو ناگوار جانتا ہے اور نہیں چاہتا کہ ویسا زمانہ اس پر آوے دراصل وہی زمانہ اس کے واسطے اچھا ہوتا ہے بشرطیکہ صبر اور تحمل سے بسر کرے۔

حسن بصریؒ کا ذکر ہے کہ کسی نے اُن سے پوچھا کہ تم کو غم کب ہوتا ہے تو اس نے جواب دیا کہ جب کوئی غم نہ ہو۔ سوچ کر دیکھ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جب تلخ زندگی مصائب شدائد کی انسان پر پڑتی ہے اور وہ ان کو برداشت کرتا ہے تو اس کے بعد پوشیدہ انعامات وارد ہوتے ہیں۔ دُنیا کی وضع ہی کچھ ایسی بنی ہے کہ اوّل تکلیف ہوتی ہے تو پھر آرام حاصل ہوتا ہے۔ اچھی طرح کھانے کا مزا اسی وقت ہوتا ہے جبکہ انسان بُھوک کی شدت کو برداشت کر چکا ہو جو مزا ٹھنڈے پانی میں روزے دار کو حاصل ہوتا ہے وہ دوسرے کو کہاں نصیب ہو سکتا ہے معمولی طور پر ہر روز کھایا جاتا ہے مگر اس میں وہ لُطف نہیں جو لُطف اس کھانے میں ہوتا ہے جو مثلاً سفر کے بعد بُھوک کی شدت سے حاصل ہوتا ہے۔ وضع دُنیا کی ایسی واقع ہوئی ہے کہ درد کے بعد ہی راحت حاصل ہوتی ہے[1]

۱۱؍ستمبر ۱۹۰۷ء

(قبل نمازِ ظہر)

فطرت مستقل ہادی نہیں

فطرت ایسی چیز نہیں جو مستقل طور پر ہادی ہو سکے کیونکہ وہ شیطان کے قائم مقام مُضل بھی تو ہو جاتی ہے۔ فطرت میں توہمات کے داخل ہو جانے سے جو بعض نقص پیدا ہو جاتے ہیں اسی وجہ سے كُلُّ حِزۡبٍۭ بِمَا لَدَيۡهِمۡ فَرِحُوۡنَ (الروم: ۳۳) کہا گیا ہے۔

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۳۷ صفحہ ۴ مورخہ ۱۲؍ستمبر ۱۹۰۷ء نیز الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۳ صفحہ ۹ مورخہ ۱۷؍ستمبر ۱۹۰۷ء

مداہنہ بُری مرض ہے

کمبخت مکہ والے لوگ بھی مداہنہ کیا کرتے تھے۔ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا (البقرۃ: ۱۱) کے یہی معنے ہیں۔ کمبخت خبیث جو مداہنہ کا گند اپنے اندر رکھتے ہیں اُن کا گند نکالنا اچھا ہی ہوتا ہے۔

نشان بڑی چیز ہے

ساری جماعت کو یاد رکھنا چاہیئے کہ جن باتوں کا اعتراض عیسائی آریہ اور دوسرے مخالفین اس وقت تک اسلام پر کرتے ہیں اور پہلے بھی سے الزام لگاتے ہیں اس بات کی کیا ضرورت ہے کہ پھر انہیں باتوں کو از سرِ نو تازہ کیا جاوے۔ کیا خدا تعالیٰ کے پاس اپنے رسُول کی نصرت کے لیے اور کوئی ہتھیار نہیں۔ ان ہتھیاروں کی چوٹ تو جسم پر لگتی تھی مگر اس جگہ قلب پر لگتی ہے۔ ایک ہی نشان ہزاروں اعتراضوں کو دُور کر سکتا ہے۔

عدمِ تصنّع اور سادگی کا ثبوت

حضرت عیسٰی علیہ السلام کے آسمان پر جانے کے متعلق فرمایا کہ:۔

وہ ہمارا ایک پرانا تقلیدی خیال تھا اور رسمی طور پر براہین احمدیہ میں لکھا گیا تھا اور یہ بات کہ مسیح ناصری فوت ہو گیا ہے اور آنے والا مسیح میں ہوں خدا تعالیٰ کی وحی سے ہے اور خدا تعالیٰ کا الہام ہے جس براہین میں یہ لکھا ہے کہ عیسٰی آسمان پر چلا گیا۔ اسی میں یہ بھی لکھا ہے اور واضح طور پر لکھا ہے کہ مَیں مسیح ہوں۔ جیسے يَا عِيْسٰى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ (آل عمران: ۵۶) وغیرہ۔ اگر یہ انسانی کاروبار اور بناوٹی منصوبہ ہوتا تو یہ ظاہراً تناقض کیوں ہوتا؟ اگر تقویٰ ہو اور تھوڑا بہت انصاف ہو تو ایک طرف پُرانا رسمی عقیدہ لکھ دینا اور دوسری طرف کُل الہامات بھی لکھ دینا جو اس عقیدہ کے صریح مخالف ہیں ایک ایسی بات ہے جس سے انسان عدمِ تصنّع اور سادگی کا استدلال کر سکتا ہے۔ دیکھو کُل الہام مخالف ہیں جیسے يَا عِيْسٰى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ ۞ اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ قَرِيْبًا مِّنَ الْقَادِيَانِ ۞ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنَاهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ۞ صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۞

بعض انبیاء کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی یہ عجیب حکمت ہوتی ہے کہ ان سے ذہول سرزد ہو جاتا ہے اور وہ ذہول بھی ایک حکمت رکھتا ہے ورنہ سمجھا جاتا کہ بناوٹ سے دعویٰ کر دیا ہے اور اس طرح سے تو سمجھ میں آ سکتا ہے کہ جب خزانہ موجود تھا اس وقت دعویٰ نہ کیا اور اب کر دیا۔ یہ بناوٹ نہیں ہو سکتی۔

ڈاکٹر عبدالحکیم خاں کا دعویٰ

حضرت اقدس نے فرمایا:۔
جو شخص اپنے آپ کو مسیح سمجھتا ہے، رسول سمجھتا ہے۔

رحمۃ للعالمین ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ ہم عبدالحکیم سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا کبھی ایسا بھی اتفاق ہوا ہے کہ ایسا شخص بیس برس تک دجّال کا مرید رہا ہو۔ یہ اس کی کونسی شامتِ اعمال ہے اور کونسے بُرے کرم اُس نے کئے جو دجّال کی بیعت میں رہا۔ اس قدر ذلّت اور رُسوائی اُٹھائی کہ بیس برس تک شیطان کا مرید رہا۔ جب سے دُنیا پیدا ہوئی اس کی نظیر تو پیش کرو کہ ایک شخص مسیح بھی ہو، رُسول بھی ہو اور پھر بیس برس تک دجّال کی بیعت میں رہا ہو۔

ایک نکتہ

ڈاکٹر عبدالحکیم نے مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم اور بابو محمد افضل مرحوم کی موت کا باعث اپنی تفسیر کی مخالفت قرار دیا ہے۔ اس پر منشی احمد دین صاحب اپیل نویس گوجرانوالہ نے ایک عجیب نکتہ بیان کیا کہ ڈاکٹر صاحب خود بھی تو اپنی تفسیر کے مخالف ہوگئے ہیں۔

بعد نماز ظہر

ڈاکٹر عبدالحکیم کی غلطی

حضرت حکیم الامت سلمہ ربہٗ نے مرتد ڈاکٹر عبدالحکیم خاں کے خط کا ذکر کیا جس میں وہ لکھتا ہے کہ تمام انبیاء سے غلطیاں ہوتی رہیں ایسے ہی مجھ سے بھی ہوگئیں۔ حضرت نے فرمایا:۔

مگر ایسی غلطیاں کہ بیس برس تک دجّال کے مرید بنے رہنا ایسی ذلّت اور رُسوائی کسے نصیب ہوئی کہ بیس برس تک شیطان کا مُرید رہا اور جسے دجّال سمجھتا تھا اس کی بیعت رہا اور پھر خود مسیح ہونے کا دعویٰ کر دیا۔

حضرت اقدس نے فرمایا:۔

اس خط میں عبدالحکیم گویا یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ میرا دعویٰ غلط ہے میں وہ مسیح نہیں ہوں جس کی نسبت قرآن شریف اور احادیث میں وعدہ ہے۔ چونکہ وہ مسیح ناصری کی وفات کا اقرار کرتا ہے اس لیے کسی دوسرے مسیح کی آمد کا ہی قائل ہوگا۔ مگر جب وہ ایسے زمانہ میں جو مقررہ علامتوں کے ساتھ پکارتا ہے نہ آیا تو پھر بتلاؤ وہ کس زمانہ میں ظاہر ہوگا۔ چودھویں صدی میں سے بھی پچیس برس گذر گئے۔ نواب صدیق حسن خاں نے بھی لکھا ہے کہ مسیح صدی کے سر پر آئے گا۔ اگر ابھی تک وہ مسیح نہیں آیا تو بقول اس کے یہ صدی ہی خالی گئی۔ سب نشانات پورے ہوگئے مگر مسیح ابھی تک نہ آیا۔ احادیث میں لکھا ہے کہ جب مسیح آئے گا تو علماء زمانہ اُس کی بہت مخالفت کریں گے کیونکہ وہ ان کی حدیثوں کے خلاف کرے گا۔ نواب صدیق حسن خاں نے بھی لکھا ہے کہ مولوی لوگ اس پر تکفیر کے فتوے لکھیں گے اور کہیں گے کہ یہ دینِ اسلام کو تباہ کر رہا ہے۔

اب عبدالحکیم جو میری نسبت ایسا ویسا لکھتا ہے تو یہ خود پیشگوئیوں کو پورا کر رہا ہے۔ گالی گلوچ نکالنے اور طرح طرح کے بہتان باندھنے سے یہ مجھ کو جھٹلاتا نہیں بلکہ تصدیق کرتا ہے اور اُن پیشگوئیوں کو پورا کرتا ہے جن میں لکھا ہے کہ اس زمانہ کے علماء مسیح کی بڑی مخالفت کریں گے اور اس کو دین کے تباہ کرنے والا اور مفتری قرار دیں گے۔[1]

---

۱۲ ستمبر ۱۹۰۷ء

(بوقتِ ظہر)

مسیح موعودؑ کیلئے علامات کا پورا ہونا

فرمایا:۔ رسول اخبار میں لکھا ہے کہ روز بروز اب اونٹ بیکار ہوتے جاتے ہیں کیسی بیّن طور پر قرآن شریف اور حدیث میں لکھا ہے۔ وَلَيُتْرَكَنَّ الْقِلَاصُ فَلَا يُسْعٰى عَلَيْهَا اور قرآن شریف میں وَ اِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ (التکویر: ۵) لکھا ہے۔

یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب دُنیا میں کوئی مامور من اللہ مبعوث ہوتا ہے تو زمانہ میں جتنی بڑی بڑی کارروائیاں ہوں اور بڑے بڑے انقلاب ظہور میں آویں تو وہ سب اسی کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔

کسرِ صلیب اور وضعِ حرب کی حقیقت

آجکل جنگ وجدال کو دُور کرنے کے لیے جو بڑے بڑے عہد و پیمان ہو رہے ہیں۔ اور زمانہ خود بخود صلح اور امن کی طرف رجوع کرتا جاتا ہے اس پر فرمایا کہ:۔

يَضَعُ الْحَرْبَ اور يَكْسِرُ الصَّلِيْبَ سے یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ ایک شخص ہوگا اور وہ لڑائیوں میں جا جاکے صُلح کراتا پھرے گا اور دو دو چار چار آنہ کی صلیبوں کو توڑتا پھریگا۔ کیونکہ اس طرح سے اگر دو چار توڑیں تو سینکڑوں اَور بن گئیں۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ارادۂ الٰہی سے کوئی ہوا ہی ایسی چلے گی اور ایسے ایسے اسباب اور وسائل پیدا ہو جائیں گے کہ لڑائی دُور ہو جائے گی اور صلیب پرستی جاتی رہے گی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگیں دفاعی تھیں

فرمایا:۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑائیاں

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۳ مورخہ ۱۷ ستمبر ۱۹۰۷ء

کے لیے سبقت نہیں کی تھی بلکہ ان لوگوں نے خود سبقت کی تھی۔ خون کئے۔ ایذائیں دیں۔ تیرہ برس تک طرح طرح کے دُکھ دیئے آخر جب صحابہ کرامؓ سخت مظلوم ہوگئے تب اللہ تعالیٰ نے بدلہ لینے کی اجازت دی جیسے فرمایا اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا (الحج : ۴۰) وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ (البقرۃ : ۱۹۱) اس زمانہ کے لوگ نہایت وحشی اور درندے تھے۔ خون کرتے تھے۔ جنگ کرتے تھے۔ طرح طرح کے ظلم اور دکھ دیتے تھے۔ ڈاکوؤں اور لیٹروں کی طرح مار دھاڑ کرتے پھرتے تھے اور ناحق کی ایذا دہی اور خونریزی پر کمر باندھے ہوئے تھے۔ خدا تعالیٰ نے فیصلہ دیا کہ ایسے ظالموں کو سزا دینے کا اِذن دیا جاتا ہے اور یہ ظلم نہیں بلکہ عین حق اور انصاف ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لیے انہوں نے بڑی بڑی کوششیں کیں۔ طرح طرح کے منصوبے کئے یہاں تک کہ ہجرت کرنی پڑی مگر پھر بھی اُنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ تک تعاقب کیا اور خون کرنے کے درپے ہوئے۔ غرض جب ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدت تک صبر کیا اور مدت تک تکلیف اُٹھائی تب خدا تعالیٰ نے فیصلہ دیا کہ جنہوں نے تم لوگوں پر ظلم کئے اور تکلیفیں دیں اُن کو سزا دینے کا اِذن دیا جاتا ہے اور پھر بھی یہ فرما ہی دیا کہ اگر وہ صلح پر آمادہ ہو دیں تو تم صلح کر لو۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو یتیم، غریب، بیکس پیدا ہوئے تھے وہ لڑائیوں کو کب پسند کر سکتے تھے [1]

---

۱۴ ستمبر ۱۹۰۷ء

(بوقت ظہر)

ھُوَالشَّافِی

سید نادر علی شاہ صاحب سب رجسٹرار رئیس چکوال کے بیعت کر لینے کے بعد ذکرِ امراض پر فرمایا:۔

قبرستان میں جتنے لوگ دفنائے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اصل میں یہ سب طبیبوں کی غلطیوں کا ہی نتیجہ ہے۔ بہت کم آدمی ہوں گے جو عمرِ طبعی تک پہنچے ہوں۔ عمرِ طبعی عموماً سَو اسّی سال تک سمجھی جاتی ہے۔

حدیث شریف میں لکھا ہے۔ مَا مِنْ دَاءٍ اِلَّا لَہٗ دَوَاءٌ یعنی کوئی بیماری نہیں جس کی دوائی موجود نہ ہو اگر اصلی دوا اور علاج ہوتا رہے تو عمرِ طبعی سے پہلے انسان مرے کیوں؟

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۳ صفحہ ۱۰ مورخہ ۱۷ ستمبر ۱۹۰۷ء

مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ انسان ایک نہایت ہی کمزور ہستی ہے۔ ایک ہی بیماری میں باریک در باریک اَور بیماریاں شروع ہو جاتی ہیں۔ انسان غلطی سے کب تک بچ سکتا ہے انسان بڑا کمزور ہے غلطی ہو ہی جاتی ہے۔ اکثر اوقات تشخیص میں ہی غلطی ہو جاتی ہے اور اگر تشخیص میں نہیں ہوتی تو پھر دوا میں ہو جاتی ہے۔ غرض انسان نہایت کمزور ہستی ہے غلطی سے خود بخود نہیں بچ سکتا۔ خدا تعالیٰ کا فضل ہی چاہیئے۔ اس کے فضل کے بغیر انسان کچھ چیز نہیں۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ دافع بلیات تو صرف خدا تعالیٰ ہے۔ ہندو تو پتھروں کی پُوجا کرتے ہیں۔ کبھی نہ کبھی خیال آ ہی جاتا ہوگا کہ اپنے ہی ہاتھوں سے اُنہیں بنایا ہے اور پھر انہیں کی پُوجا کی جاتی ہے۔ مگر اسباب کی پرستش کرنے والے ان سے بھی زیادہ مشرک ہوتے ہیں۔ نیچری وغیرہ جو اسباب پر بھروسہ کرتے ہیں اور وہ جو اپنی علمیت دولت پر گھمنڈ کرتے ہیں وہ خطرناک مقام پر ہوتے ہیں۔ ہاں اسباب کا تلاش کرنا منع نہیں۔ قرآن شریف میں لکھا ہے کہ جب جمعہ کی نماز پڑھ لو تو اپنے کام کاج کی تلاش میں لگ جاؤ اور اللہ کریم کا فضل مانگتے رہو۔ اسباب پر بھروسہ مت کرو مومن کو چاہیئے کہ بظاہر اسباب تلاش کرے اور نظر اللہ تعالیٰ پر رکھے۔

علمِ طب پہلے یونانیوں کے پاس تھا۔ پھر اُن سے مسلمانوں کے ہاتھ آیا تو اُنہوں نے ہر نسخہ سے پہلے ہوالشّافی لکھنا شروع کر دیا اور یہ طریق مسلمانوں کے سوا کسی نے بھی اختیار نہیں کیا۔ بڑا سعید طبیب وہ ہے جو ایک طرف تو دوا کرے اور دوسری طرف دُعا میں مشغول رہے اور یہ سمجھے کہ شفا صرف خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

دوسروں پر رحم کرو تا تم پر رحم کیا جاوے

فرمایا:۔ شیخ سعدیؒ لکھتے ہیں کہ ایک بادشاہ کو ناروا کی بیماری تھی۔ اس نے کہا کہ میرے لیے دُعا کریں کہ اللہ کریم مجھے شفا بخشے تو مَیں نے جواب دیا کہ آپ کے جیل خانہ میں ہزاروں بے گناہ قید ہوں گے ان کی بد دعاؤں کے مقابلہ میں میری دُعا کب سُنی جاسکتی ہے۔ تب اس نے قیدیوں کو رہا کر دیا اور پھر وہ تندرست ہو گیا۔ غرض خدا کے بندوں پر اگر رحم کیا جاوے تو خدا بھی رحم کرتا ہے۔ جو لوگ دوسروں پر رحم کرتے ہیں ان پر اللہ اور اس کے رسول کو بھی رحم آ جاتا ہے۔ دوسروں کے ساتھ بداخلاق سے پیش آنا اور بے جا طور پر مال اکٹھا کرنا اور اسباب پر ہی گرے رہنا بہت بُری بات ہے۔

تقویٰ اختیار کریں

فرمایا:۔ گو اعادہ کلام کا ہوتا ہے مگر چونکہ غفلت لگی ہوئی ہے۔ ایک طرف وعظ و نصیحت سُنی جاتی ہے اور دل میں تقویٰ حاصل کرنے کے لیے جوش پیدا ہوتا ہے مگر پھر غفلت ہو جاتی ہے۔ اس لیے ہماری جماعت کو یہ بات بہت ہی یاد رکھنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی حالت میں نہ بھلایا جاوے۔ ہر وقت اسی سے مدد مانگتے رہنا چاہیئے۔ اس کے بغیر انسان کچھ چیز نہیں۔ خوب یاد رکھو کہ وہ ایک دم میں فنا کر سکتا ہے۔ طرح طرح کے دُکھ

اور مصیبتیں موجود ہیں۔ بے خوف اور نڈر ہونے کا مقام نہیں۔ اس دنیا میں بھی جہنم ہو سکتا ہے اور بڑے بڑے مصائب آسکتے ہیں۔ خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ کوئی کسی کی مصیبت میں کام نہیں آسکتا۔ اور کوئی شریک ہمدردی نہیں کر سکتا جب تک خدا خود دستگیری نہ کرے اور اپنے فضل سے آپ اس مصیبت کو دُور نہ کرے۔ اسی واسطے ہر ایک کو چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ پوشیدہ علاقہ رکھے۔

جو شخص جُرات کے ساتھ گناہ، فسق و فجور اور معصیت میں مبتلا ہوتا ہے وہ خطرناک حالت میں ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کا عذاب اس کی تاک میں ہوتا ہے۔ اگر بار بار اللہ کریم کا رحم چاہتے ہو تو تقویٰ اختیار کرو اور وہ سب باتیں جو خدا تعالیٰ کو ناراض کرنیوالی ہیں چھوڑ دو۔ جب تک خوفِ الٰہی کی حالت نہ ہو تب تک حقیقی تقویٰ حاصل نہیں ہو سکتا۔ کوشش کرو کہ متقی بن جاؤ۔ جب وہ لوگ ہلاک ہونے لگتے ہیں جو تقویٰ اختیار نہیں کرتے تب وہ لوگ بچا لیے جاتے ہیں جو متقی ہوتے ہیں۔ ایسے وقت اُن کی نافرمانی انہیں ہلاک کر دیتی ہے اور اُن کا تقویٰ انہیں بچا لیتا ہے۔ انسان اپنی چالاکیوں شرارتوں اور غداریوں کے ساتھ اگر بچنا چاہے تو ہرگز نہیں بچ سکتا۔ کوئی انسان بھی نہ اپنی جان کی حفاظت کر سکتا ہے نہ مال و اولاد کی حفاظت کر سکتا ہے اور نہ ہی کوئی اور کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔ جبتک کہ اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہو۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ پوشیدہ طور پر ضرور تعلق رکھنا چاہیئے اور پھر اس تعلق کو محفوظ رکھنا چاہیئے۔ عقلمند انسان وہی ہے جو اس تعلق کو محفوظ رکھتا ہے اور جو اس تعلق کو محفوظ نہیں رکھتا وہ بیوقوف ہے جو اپنی چترائی پر نازاں ہے وہ ہلاک کیا جائے گا اور کبھی بامراد اور کامیاب نہیں ہوگا۔ دیکھو یہ زمین و آسمان اور جو کچھ اُن میں نظر آرہا ہے اتنا بڑا کارخانہ کیا یہ خدا تعالیٰ کے پوشیدہ ہاتھ کے سوائے چل سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

یاد رکھو جو امن کی حالت میں ڈرتا ہے وہ خوف کی حالت میں بچایا جاتا ہے اور جو خوف کی حالت میں ڈرتا ہے تو وہ کوئی خوبی کی بات نہیں۔ ایسے موقعہ پر تو کافر مشرک بیدین بھی ڈرا کرتے ہیں۔ فرعون نے بھی ایسے موقعہ پر ڈر کر کہا تھا اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (یونس : ۹۱) اس سے صرف اتنا فائدہ اسے ہوا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ تیرا بدن تو ہم بچالیں گے مگر تیری جان کو اب نہیں بچائیں گے آخر خدا تعالیٰ نے اس کے بدن کو ایک کنارے پر لگا دیا۔ ایک چھوٹے سے قد کا وہ آدمی تھا۔ غرض جب گناہ اور معصیت کی طرف انسان ترقی کرتا ہے تو پھر لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا یَسْتَقْدِمُوْنَ (الاعراف : ۳۵) والا معاملہ ہوتا ہے۔ جب اَجل کی بلا آجاتی ہے تو پھر آگے پیچھے نہیں ہوا کرتی۔ انسان کو چاہیئے کہ پہلے ہی سے خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق رکھے۔ مگر ؎

خیالِ زلفِ تو بستن نہ کارِ خاماں است
کہ زیر سلسلہ رفتن طریقِ عیاری است

انبیاء کا ہی گروہ ایسا گروہ ہوتا ہے کہ وہ بے سلسلہ چلتے ہی نہیں۔ جو لوگ انبیاء کی زندگی میں فسق و فجور میں مبتلا رہتے ہیں اور عاقبت کی کچھ فکر نہیں کرتے اور راستبازوں پر حملے کرتے ہیں ایسوں ہی کی نسبت خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَا یَخَافُ عُقْبٰهَا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جب ایک موذی بے ایمان کو اللہ کریم مارتا ہے تو پھر کچھ پروا نہیں رکھتا کہ اس کے عیال اطفال کا گذارہ کس طرح ہوگا اور اس کے پسماندہ کیسی حالت میں بسر کریں گے۔

ستاروں کا ٹوٹنا

ایک شخص نے ستاروں کے ٹوٹنے کی نسبت سوال کیا۔ فرمایا:۔

جہاں تک پتہ لگ سکتا ہے۔ مفسرین یہی لکھتے ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ سے پہلے بہت ستارے ٹوٹے تھے اور یہاں بھی شاید ۱۸۸۵ء میں ہمارے دعویٰ سے پہلے بہت سے ستارے ٹوٹے تھے۔ ایک لشکر کا لشکر اس طرف سے اُس طرف چلا جاتا تھا اور اُس طرف سے اس طرف چلا آتا تھا۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى (النجم: ۲) کا بھی یہی مطلب ہے۔ جب کبھی خدا تعالیٰ کا کوئی نشان زمین پر ظاہر ہونے والا ہوتا ہے تو اس سے پہلے آسمان پر کچھ آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے مفسّر اور اہلِ کشف بھی یہی بیان کرتے ہیں اور قرآن شریف میں بھی یہی لکھا ہے۔ مجھے ایک خط آیا تھا کہ ایک ستارہ ٹوٹا جس سے بہت روشنی ہو گئی اور پھر ایسی خطرناک آواز آئی کہ لوگ دہشت ناک ہو گئے اور بڑا خوف ہوا۔ اور پھر نہیں معلوم کہ آئندہ ابھی کیا کیا ہونے والا ہے۔ آئے دن نئے نئے حوادث ہوتے رہتے ہیں۔ کوئی سال ایسا نہیں گذرتا جس میں کوئی نہ کوئی حادثہ واقع نہ ہو۔ ستاروں کا ٹوٹنا ظاہر کرتا ہے کہ زمین پر بھی اب کچھ نشانات ظاہر ہونے والے ہیں اور پھر خدا تعالیٰ نے بھی مجھ پر ظاہر کیا ہے کہ میں بہت سے عجیب نشان ظاہر کروں گا کچھ اوّل میں اور کچھ آخر میں۔ زلزلہ کی خبر بھی اس نے دی ہے۔ گذشتہ کی نسبت زیادہ سخت طاعون پڑنے کی بھی اطلاع دی ہے معلوم نہیں کہ اس سال وہ خطرناک طاعون پڑے گی یا آئندہ سال میں مگر وہ خطرناک بہت ہوگی۔

خدا تعالیٰ کے عذاب سے بچنے کا گُر

اس پر سیّد نادر علی شاہ صاحب نے عرض کی کہ ایسے موقعہ پر کیا کرنا چاہیئے؟

فرمایا:۔

توبہ استغفار کرنی چاہیئے۔ بغیر توبہ استغفار کے انسان کر ہی کیا سکتا ہے۔ سب نبیوں نے یہی کہا ہے کہ اگر توبہ استغفار کرو گے تو خدا بخش دے گا۔ سو نمازیں پڑھو اور آئندہ گناہوں سے بچنے کے لیے خدا تعالیٰ سے مدد چاہو اور پچھلے گناہوں کی معافی مانگو اور بار بار استغفار کرو تاکہ جو قوت گناہ کی انسان کی فطرت میں ہے وہ ظہور میں نہ آوے۔ انسان کی فطرت میں دو طرح کا ملکہ پایا جاتا ہے۔ ایک تو کسبِ خیرات اور نیک کاموں کے کرنے کی قوت ہے،

اور دوسرے بُرے کاموں کو کرنے کی قوت۔ اور ایسی قوت کو روکے رکھنا یہ خدا تعالیٰ کا کام ہے اور یہ قوت انسان کے اندر اس طرح سے ہوتی ہے جس طرح کہ پتھر میں ایک آگ کی قوت ہے۔

اِستغفار کے معنے

اور استغفار کے یہی معنے ہیں کہ ظاہر میں کوئی گناہ سرزد نہ ہو اور گناہوں کے کرنے والی قوت ظہور میں نہ آوے۔ انبیاء کے استغفار کی بھی یہی حقیقت ہے کہ وہ ہوتے تو معصوم ہیں مگر وہ استغفار اس واسطے کرتے ہیں کہ تا آئندہ وہ قوت ظہور میں نہ آوے اور عوام کے واسطے استغفار کے دوسرے معنے بھی لیے جاویں گے کہ جو جرائم اور گناہ ہو گئے ہیں اُن کے بد نتائج سے خدا بچائے رکھے اور اُن گناہوں کو معاف کر دے اور ساتھ ہی آئندہ گناہوں سے محفوظ رکھے۔

بہر حال یہ انسان کے لیے لازمی امر ہے وہ استغفار میں ہمیشہ مشغول رہے۔ یہ جو قحط اور طرح طرح کی بلائیں دُنیا میں نازل ہوتی ہیں ان کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ لوگ استغفار میں مشغول ہو جائیں۔ مگر استغفار کا یہ مطلب نہیں ہے جو اَستغفر اللہ اَستغفر اللہ کہتے رہیں اصل میں غیر ملک کی زبان کے سبب لوگوں سے حقیقت چھپی رہی ہے۔ عرب کے لوگ تو ان باتوں کو خوب سمجھتے تھے۔ مگر ہمارے ملک میں غیر زبان کی وجہ سے بہت سی حقیقتیں مخفی رہی ہیں۔ بہت سے لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم نے اتنی دفعہ استغفار کیا۔ سو تسبیح یا ہزار تسبیح پڑھی مگر جو استغفار کا مطلب اور معنے پوچھو تو بس کچھ نہیں ہکا بکا رہ جاویں گے انسان کو چاہیئے کہ حقیقی طور پر دل ہی دل میں معافی مانگتا رہے کہ وہ معاصی اور جرائم جو مجھ سے سرزد ہو چکے ہیں اُن کی سزا نہ بھگتنی پڑے اور آئندہ دل ہی دل میں ہر وقت خدا تعالیٰ سے مدد طلب کرتا رہے کہ آئندہ نیک کام کرنے کی توفیق دے اور معصیت سے بچائے رکھے۔

خوب یاد رکھو کہ لفظوں سے کچھ کام نہیں بنے گا۔ اپنی زبان میں بھی استغفار ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ پچھلے گناہوں سے محفوظ رکھے اور نیکی کی توفیق دے اور یہی حقیقی استغفار ہے۔ کچھ ضرورت نہیں کہ یونہی اَستغفر اللہ اَستغفر اللہ کہتا پھرے اور دل کو خبر تک نہ ہو۔ یاد رکھو کہ خدا تک وہی بات پہنچتی ہے جو دل سے نکلتی ہے اپنی زبان میں ہی خدا تعالیٰ سے بہت دُعائیں مانگنی چاہئیں۔ اس سے دل پر بھی اثر ہوتا ہے۔ زبان تو صرف دل کی شہادت دیتی ہے۔ اگر دل میں جوش پیدا ہو اور زبان بھی ساتھ مل جائے تو اچھی بات ہے۔ بغیر دل کے صرف زبانی دُعائیں عبث ہیں ہاں دل کی دُعائیں اصلی دُعائیں ہوتی ہیں۔ جب قبل از وقت بلا انسان اپنے دل ہی دل میں خدا تعالیٰ سے دُعائیں مانگتا رہتا ہے اور استغفار کرتا رہتا ہے تو پھر خداوند رحیم و کریم ہے وہ بلا ٹل جاتی ہے۔ لیکن جب بلا نازل ہو جاتی ہے پھر نہیں ٹلا کرتی۔ بلا کے نازل ہونے سے پہلے دُعائیں کرتے رہنا چاہیئے اور بہت استغفار کرنا چاہیئے۔ اس طرح سے خدا بلا کے وقت محفوظ رکھتا ہے۔

ہماری جماعت کو چاہیئے کہ کوئی امتیازی بات بھی دکھائے۔ اگر کوئی شخص بیعت کر کے جاتا ہے اور کوئی

امتیازی بات نہیں دکھاتا۔ اپنی بیوی کے ساتھ ویسا ہی سلوک ہے جیسا پہلے تھا اور اپنے عیال و اطفال سے پہلے کی طرح ہی پیش آتا ہے تو یہ اچھی بات نہیں۔ اگر بیعت کے بعد بھی وہی بدخلقی اور بدسلوکی رہی اور وہی حال رہا جو پہلے تھا تو پھر بیعت کرنے کا کیا فائدہ؟ چاہیئے کہ بیعت کے بعد غیروں کو بھی اور اپنے رشتہ داروں اور ہمسائیوں کو بھی ایسا نمونہ بن کر دکھاوے کہ وہ بول اُٹھیں کہ اب یہ وہ نہیں رہا جو پہلے تھا۔

خوب یاد رکھو کہ صاف ہو کر عمل کرو گے تو دوسروں پر تمہارا ضرور رُعب پڑے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کتنا بڑا رُعب تھا۔ ایک دفعہ کافروں کو شک پیدا ہوا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بددُعا کریں گے تو وہ سب کافر مل کر آئے اور عرض کی کہ حضور بددُعا نہ کریں۔ سچے آدمی کا ضرور رُعب ہوتا ہے۔ چاہیئے کہ بالکل صاف ہو کر عمل کیا جاوے اور خدا کے لیے کیا جاوے تب ضرور تمہارا دوسروں پر بھی اثر اور رُعب پڑے گا۔[1]

قومی ترقی کا راز

۱۴ستمبر ۱۹۰۷ء کو قادیان میں ایک بیرسٹر صاحب تشریف لائے تھے جن کا نام نامی مسٹر فضل حسین صاحب ہے۔ اُن کے ساتھ ہی میاں حسین بخش صاحب پنشنر رئیس بٹالہ بھی تھے۔ حضرت اقدس سے بھی ملاقات ہوئی۔ اثنائے گفتگو میں بعض باتیں ایسی تھیں جو نہایت مؤثر اور اس زندہ ایمان کا ثبوت تھیں جو حضرت اقدس کو اللہ تعالیٰ پر ہے۔ اس لیے مَیں اس کو یہاں درج کرتا ہوں۔

مسٹر فضل حسین۔ آریوں نے اپنا یہ اصل قرار دیا ہے کہ جب تک بہت سی پابندیاں دُور نہ ہوں، قومی ترقی نہیں ہو سکتی۔

حضرت اقدس۔ یہ غلط خیال ہے۔ ترقی کا یہ اُصول نہیں ہے۔ اسلام نے کیسے ترقی کی۔ کیا بے قیدی اور آزادی سے یا پابندیٔ شریعت اور اطاعت سے۔ بعض مسلمانوں کو بھی ایسا ہی خیال ہو رہا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ بے قیدی سے ترقی ہو گی مگر مَیں اس راہ کو سخت مُضر اور خطرناک سمجھتا ہوں۔ مسلمان جب ترقی کریں گے خدا پرستی سے کریں گے جس طرح پر اوائل میں اسلام نے ترقی کی وہی خدا اب بھی موجود ہے۔ میری جماعت ہی کو دیکھو۔ مجھے کافر و دجّال بنایا گیا۔ میرے قتل کے فتوے دیئے۔ راہ و رسم بند کیا۔ مسلمان میرے دشمن ہو گئے۔ یہاں تک فتویٰ دیا کہ کوئی مسلمان ہم سے کشادہ پیشانی سے بھی پیش نہ آئے۔ مگر آپ ہی بتائیں۔ اس مخالفت کا کیا نتیجہ ہوا؟ اب میری جماعت چار لاکھ کے قریب ہے جس میں ڈاکٹر ہیں۔ حکماء ہیں۔ وکلاء ہیں۔ تاجر ہیں۔ ہر پیشہ ور

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۴ صفحہ ۳-۴ مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۰۷ء

طبقہ کے لوگ موجود ہیں۔ یہ مخالفت ہمارا کیا بگاڑ سکی ہے ؎ خدا داری چہ غم داری
مَیں تو یہی ایمان رکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر انسان ہلاک ہو جاتا ہے اور اگر اُسے نہ چھوڑے تو ساری دُنیا اس کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتی۔ اگر خالص سونا لینا ہو تو پابندی شریعت سے ملے گا۔ ہاں اگر راس المال بھی کھونا ہو۔ تو پھر بے قیدی اختیار کرے۔ خدا تعالیٰ کے لیے اگر کوئی بات نہ ہو تو کوئی ساتھ نہیں دیتا۔ دیکھو لالہ لاجپت رائے کی گرفتاری پر اخباروں میں آریوں کی طرف سے کیا نکلا یہی کہ ہمارا تعلق نہیں۔

بیرسٹر۔ آریوں کے نزدیک اس وقت مصلحتِ وقت یہی تھی۔

حضرت اقدس۔ یہ کیا مصلحتِ وقت تھی۔ یہ تو بزدلی ہے۔ صحابہؓ نے ایسا نہیں کیا۔ حضرتؐ کے صحابہؓ ذبح ہو گئے مگر حق کہنے سے نہ رُکے۔ انہوں نے ایسی کشورکشائی کی کہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اس کی وجہ کیا تھی؟ ان میں اخلاص تھا صدق اور وفا تھی۔ اس قسم کے مصلحت اندیش دہریئے ہوتے ہیں۔ جو خدا تعالیٰ پر وثوق رکھتے ہیں اور خدا تعالیٰ کیلئے ایک بات کرتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی نصرت آئے گی۔ اس لیے وہ ایسا نہیں کرتے کہ حق بات کے کہنے سے رُکیں۔ مجھ سے اگر سوال ہو کہ تم مسیح موعود کا دعویٰ کرتے ہو تو پھر میں بتاؤں کہ اس کا کیا جواب دیتا ہوں سوا صدق اور مردانہ ہمت کے کام نہیں چلتا۔ ہم پر اس قدر مقدمے کئے گئے مگر ان کا انجام کیا ہوا؟ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان باتوں سے ڈر کر ہم نے قدم پیچھے ہٹایا۔ یہ تو شرک ہے۔ مَیں یقین رکھتا ہوں کہ خدا ہے اور وہ اپنے مخلص بندوں کی مدد فرماتا ہے۔ مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ جو سچے دل سے لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے خدا تعالیٰ اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس سے یہ جوہر پیدا ہوتا ہے۔ یہ لوگ ملک وملت کے دشمن ہیں۔ ان کی صحبت سے بچنا چاہیئے۔ گورنمنٹ کے ہم مسلمانوں پر بہت بڑے احسان ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ اس کی شکرگذاری کے لیے ہر وقت تیار رہیں۔

بیرسٹر۔ مَیں نے فلسفہ پر بہت سا وقت ضائع کیا ہے اور مَیں نے دیکھا ہے کہ ان کا فلسفہ کمزور ہے۔

حضرت اقدس۔ پھر ہم تو یہ کہتے ہیں ؎

اے کہ خواندی حکمتِ یونانیاں ✧ حکمتِ ایمانیاں را ہم بخواں

بیرسٹر۔ ہاں ان میں ایثارِ نفس ہے۔

حضرت اقدس۔ مَیں اس بات کو نہیں مانتا۔ مَیں تو یہ جانتا ہوں۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ کیا چوروں میں باہم وفاداری کے تعلقات نہیں ہوتے۔ ایک خود پھنس جاتا ہے۔ مگر دوسرے کو بچانا چاہتا ہے کنجریوں میں بھی ناپاک تعلقات کے رنگ میں ہمدردی اور ایثار کا اظہار کیا جاتا ہے۔ مگر کیا ان باتوں میں

کوئی خوبی ہو سکتی ہے؟ اس لیے کہ ان تعلقات کی بناء خدا تعالیٰ کیلئے نہیں ہوتی۔ سچا اور پاک تعلق جو ہوتا ہے اس کے نمونے اسلام میں پاؤ گے کیونکہ خدا تعالیٰ سے ڈر کر جو محبت ہوتی ہے وہ صرف اسلام ہی میں ہے۔

بیرسٹر۔ عملی حالت کو دیکھنا چاہیئے۔

حضرت اقدس۔ یہ تو سچ ہے کہ عملی حالت کو دیکھنا چاہیئے مگر پہلے نیت بھی تو دیکھو آپ تو قانون دان ہیں۔ قانون میں بھی نیت کا سوال ہوتا ہے۔ ظاہری ترقیات سے یہ کبھی نتیجہ نہیں ہوا کرتا کہ نیک نیتی بھی ہے۔ بعض ظالم طبع لوگ بھی ایسے گذرے ہیں کہ انہوں نے عالمگیر سلطنتیں پیدا کرلی تھیں مگر لوگ لعنت بھیجتے ہیں۔ اس واسطے یہ بالکل سچی بات ہے کہ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔

خیر یہ ترقیاں بھی نظر آجائیں گی اور ان کی حقیقت کھل جائے گی۔ خدا تعالیٰ نے مجھ پر جو کچھ ظاہر کیا ہے اور جس کی میں پیشگوئی کر چکا ہوں کہ ابھی اس زمانہ کے لوگ زندہ ہوں گے جو یہ[2] تباہ ہو جائیں گے۔ ایسی ترقیوں کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ ترقی وہی مبارک ہوگی جو خدا تعالیٰ کے احکام کی پابندی سے ہو۔[3]

---

۱۶ ستمبر ۱۹۰۷ء

صاحبزادہ مبارک احمد کی وفات پر حضرت اقدس کی تقریر

ابتلاؤں کی حکمت

فرمایا:۔

قضاء وقدر کی بات ہے۔ اصل مرض سے (مبارک احمد نے) بالکل مخلصی پالی تھی۔ بالکل اچھا ہو گیا تھا۔ بخار کا نام و نشان بھی نہ رہا تھا۔ یہی کہتا رہا کہ مجھے باغ میں لے چلو۔ باغ کی خواہش بہت کرتا تھا سو آگیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی پیدائش کے ساتھ ہی موت کی خبر دے رکھی تھی۔ تریاق القلوب میں لکھا ہے اِنِّیْ اَسْقُطُ مِنَ اللّٰہِ وَاُصِیْبُہٗ مگر قبل از وقت ذہول رہتا ہے اور ذہن منتقل نہیں ہوا کرتا۔ پھر ہر ایک جگہ پیشگوئی ہے۔ صدمہ تو بھاری مگر خدائی

---

[1] معلوم ہوتا ہے یہاں "ہرگز نہیں" کے الفاظ کاتب کی غلطی سے رہ گئے ہیں۔ (مرتب)

[2] حضور کا اشارہ آریوں کی طرف ہے جن کا اوپر ذکر ہوا۔ (مرتب)

[3] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۱۷ صفحہ ۶ مورخہ ۶ مارچ ۱۹۰۸ء

امتحان کو قبول کر" پھر کئی دفعہ یہ الہام بھی ہوا ہے۔" اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَکُمْ تَطْهِیْرًا " اور پھر اہلِ بیت کو مخاطب کر کے فرمایا ہے۔" یٰاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ" اور پھر فرمایا ہے یٰاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے لیے یہ بڑا تطہیر کا موقع ہے۔ ان کو بڑے بڑے تعلقات ہوتے ہیں اور اُن کے ٹوٹنے سے رنج بہت ہوتا ہے۔ مَیں تو اس سے بڑا خوش ہوں کہ خدا کی بات پوری ہوئی۔ گھر کے آدمی اس کی بیماری میں بعض اوقات بہت گھبرا جاتے تھے۔ مَیں نے ان کو جواب دیا تھا کہ آخر نتیجہ موت ہی ہونا ہے یا کچھ اور ہے۔ دیکھو ایک جگہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (المومن: ۶۱) یعنی اگر تم مجھ سے مانگو تو قبول کروں گا اور دوسری جگہ فرمایا۔ وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ .... وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ (البقرۃ: ۱۵۶ تا ۱۵۸) اس سے صاف ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بھی امتحان آیا کرتے ہیں۔ مجھے بڑی خوشی اس بات کی بھی ہے کہ میری بیوی کے مُنہ سے سب سے پہلا کلمہ جو نکلا ہے وہ یہی تھا کہ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ۔ کوئی نعرہ نہیں مارا۔ کوئی چیخیں نہیں ماریں۔ اصل بات یہ ہے کہ دُنیا میں انسان اسی واسطے آتا ہے کہ آزمایا جاوے۔ اگر وہ اپنی منشاء کے موافق خوشیاں مناتا رہے اور جس بات پر اس کا دل چاہے وہی ہوتا رہے تو پھر ہم اس کو خدا کا بندہ نہیں کہہ سکتے۔ اس واسطے ہماری جماعت کو اچھی طرح سے یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے دو طرح کی تقسیم کی ہوئی ہے اس لیے اس تقسیم کے ماتحت چلنے کی کوشش کی جاوے۔ ایک حصہ تو اس کا یہ ہے کہ وہ تمہاری باتوں کو مانتا ہے اور دوسرا حصہ یہ ہے کہ وہ اپنی منواتا ہے جو شخص ہمیشہ یہی چاہتا ہے کہ خدا تعالیٰ ہمیشہ اس کی مرضی کے مطابق کرتا رہے اندیشہ ہے کہ شاید وہ کسی وقت مُرتد ہو جاوے۔

کوئی یہ نہ کہے کہ میرے پر ہی تکلیف اور ابتلاء کا زمانہ آیا ہے بلکہ ابتداء سے سب نبیوں پر آتا رہا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کا بیٹا جب فوت ہوا تھا تو کیا انہیں غم نہیں ہوا تھا۔ ایک روایت میں لکھا ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گیارہ بیٹے فوت ہوئے تھے۔ آخر بشریت ہوتی ہے غم کا پیدا ہونا ضروری ہے۔ مگر ہاں صبر کرنیوالوں کو بڑے بڑے اجر ملا کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی ساری کتابوں کا منشا یہی ہے کہ انسان رضا بالقضا سیکھے۔ جو شخص اپنے ہاتھ سے آپ تکلیف میں پڑتا ہے اور خدا تعالیٰ کے لیے ریاضات اور مجاہدات کرتا ہے وہ اپنے رگ پٹھے کی صحت کا خیال بھی رکھ لیتا ہے اور اکثر اپنی خواہش کے موافق ان اعمال کو بجا لاتا ہے اور حتی الوسع اپنے آرام کو مدِنظر رکھتا ہے۔ مگر جب خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی امتحان پڑتا ہے اور کوئی ابتلاء آتا ہے تو وہ رگ اور پٹھے کا خیال مدِنظر نہیں ہوتا۔ انسان جب کوئی مجاہدہ کرتا ہے تو وہ اپنا تصرف رکھتا ہے مگر جب خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی امتحان آتا ہے تو اس میں انسان کے تصرف کا دخل نہیں ہوتا۔ انسان خُدا تعالیٰ کے امتحان

میں بہت جلد ترقی کر لیتا ہے اور وہ مدارج حاصل کر لیتا ہے جو اپنی محنت اور کوشش سے کبھی حاصل نہیں کر سکتا اسی واسطے اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ میں اللہ تعالیٰ نے کوئی بشارت نہیں دی مگر وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ (البقرۃ:۱۵۶) میں بڑی بڑی بشارتیں دی ہیں اور فرمایا ہے کہ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی بڑی برکتیں اور رحمتیں ہوں گی اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

غرض یہی طریق ہے جس سے انسان خدا تعالیٰ کو راضی کر سکتا ہے نہیں تو اگر خدا تعالیٰ کے ساتھ شریک بن جاوے اور اپنی مرضی کے مطابق اُسے چلانا چاہے تو یہ ایک خطرناک راستہ ہوگا جس کا انجام ہلاکت ہے۔ ہماری جماعت کو منتظر رہنا چاہیئے کہ اگر کوئی ترقی کا ایسا موقعہ آجاوے تو اس کو خوشی سے قبول کیا جاوے۔

آج رات کو (مبارک احمد نے) مجھے بُلایا اور اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دیا اور مصافحہ کیا جیسے اب کہیں رُخصت ہوتا ہے اور آخری ملاقات کرتا ہے۔ جب یہ الہام اِنِّیْ اَسْقُطُ مِنَ اللّٰہِ وَاُصِیْبُہٗ ہوا تھا تو میرے دل میں کھٹکا ہی تھا۔ اسی واسطے میں نے لکھ دیا تھا کہ یا یہ لڑکا نیک ہوگا اور رُو بخدا ہوگا یا یہ کہ جلد فوت ہو جائیگا۔ قرآنِ شریف پڑھ لیا تھا۔ کچھ کچھ اُردو بھی پڑھ لیتا تھا اور جس دن بیماری سے افاقہ ہوا۔ میرا سارا اشتہار پڑھا اور یا کبھی کبھی پرندوں کے ساتھ کھیلنے میں مشغول ہو جاتا تھا۔

فرمایا:۔

بڑا ہی بدقسمت وہ انسان ہے جو خدا تعالیٰ کو اپنی مرضی کے مطابق چلانا چاہتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ تو دوست والا معاملہ چاہیئے۔ کبھی اس کی مان لی اور کبھی اپنی منوالی ؎

زبختِ خویش برخوردار باشی
بشرطِ آں کہ بامن یار باشی

ہمارے گاؤں میں ایک شخص تھا۔ اس کی گائے بیمار ہوگئی۔ صحت کے لیے دُعائیں مانگتا رہا ہوگا مگر جب گائے مر گئی تو وہ دہریہ ہوگیا۔

خدا تعالیٰ نے اپنی قضاء و قدر کے راز مخفی رکھے ہیں اور اس میں ہزاروں مصالح ہوتے ہیں۔ میرا تجربہ ہے کہ کوئی انسان بھی اپنے معمولی مجاہدات اور ریاضات سے وہ قُرب نہیں پا سکتا جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ابتلاء آنے پر پا سکتا ہے۔ زور کا تازیانہ اپنے بدن پر کون مارتا ہے۔ خدا تعالیٰ بڑا رحیم و کریم ہے۔ ہم نے تو آزمایا ہے ایک تھوڑا سا دُکھ دے کر بڑے بڑے انعام و اکرام عنایت فرماتا ہے۔ وہ جہان ابدی ہے جو لوگ ہم سے جُدا ہوتے ہیں وہ تو واپس نہیں آسکتے ہاں ہم جلدی اُن کے پاس چلے جاویں گے۔ اس جہان کی دیوار کچی ہے اور وہ بھی گرتی جاتی ہے۔ سوچنے والی بات یہ ہے کہ یہاں سے انسان نے لے ہی کیا جانا ہے اور پھر انسان کو یہ پتہ نہیں ہوتا کہ کب جانا

ہے۔جب جائے گا بھی تو بے وقت جائے گا اور پھر خالی ہاتھ جائے گا۔ہاں اگر کسی کے پاس اعمالِ صالحہ ہوں تو وہ ساتھ ہی جائیں گے۔بعض آدمی مرنے لگتے ہیں تو کہتے ہیں میرا اسباب دکھا دو اور ایسے وقت میں مال و دولت کی فکر پڑ جاتی ہے۔

ہماری جماعت کے لوگ بھی اس طرح کے ابھی بہت ہیں جو شرطی طور پر خدا تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں بعض لوگ خطوں میں لکھتے ہیں کہ اگر ہمیں اتنا روپیہ مل جاوے یا ہمارا یہ کام ہو جاوے تو ہم بیعت کریں گے۔بیوقوف اتنا نہیں سمجھتے کہ خدا تعالیٰ کو تمہاری بیعت کی ضرورت کیا ہے۔ہماری جماعت کا ایمان تو صحابہ والا چاہیئے جنہوں نے اپنے سر خدا تعالیٰ کی راہ میں کٹوا دیئے تھے۔

اگر آج ہماری جماعت کو یورپ اور امریکہ میں اشاعتِ اسلام کے لیے جانے کو کہا جاوے تو اکثر یہی کہہ دیں گے جی ہمارے بال بچوں کو تکلیف ہوگی۔ہمارے گھروں کا ایسا حال ہے۔یہ ہے وہ ہے۔اِنَّ بُیُوْتَنَا عَوْرَۃٌ (الاحزاب : ۱۴) اور ہم نے یہ تو نہیں کہا کہ جاکر سر کٹوائیں بلکہ یہی ہے کہ دین کے لیے سفر کی تکالیف اور صدمے اُٹھاویں مگر اکثر یہی کہدیں گے۔جی گرمی بہت ہے زیادہ تکلیف کا اندیشہ ہے مگر خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ جہنم کی گرمی اس سے بھی زیادہ ہوگی۔نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا (التوبۃ : ۸۱) صحابہؓ کا نمونہ مسلمان بننے کے لیے پکا نمونہ ہے ابھی تو جماعت پر مجھے یہ بھی اطمینان نہیں کہ اس کا نام میں جماعت رکھوں۔ابھی تو یہ حشو ہے۔ایسا انسان تو ہمیں نہیں چاہیئے جو صرف خوشی میں ہی خدا تعالیٰ کو پکارے۔ایسے شخص پر تو ذرا خدا تعالیٰ کا امتحان آیا اور طرح طرح کی مایوسیاں اور بے امیدیاں ظاہر کرنی شروع کر دیں۔مگر خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ (العنکبوت : ۳) کیا یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ صرف اتنا کہدینے سے ہی کہ ہم ایمان لائے چھوٹ جائیں گے اور ان کا امتحان نہ لیا جاوے گا۔امتحان کا ہونا تو ضروری ہے اور امتحان بڑی چیز ہے۔سب پیغمبروں نے امتحان سے ہی درجے پائے ہیں۔یہ زندگی دنیا کی بھروسہ والی زندگی نہیں ہے۔کچھ ہی کیوں نہ ہو۔آخر چھوڑنی پڑتی ہے۔مصائب کا آنا ضروری ہے۔دیکھو ایوبؑ کی کہانی میں لکھا ہے کہ طرح طرح کی تکالیف اسے پہنچیں اور بڑے بڑے مصائب نازل ہوئے اور اس نے صبر کئے رکھا۔ہمیں یہ بہت خیال رہتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو۔ہماری جماعت صرف خشک استخواں کی طرح ہو۔بعض آدمی خط لکھتے ہیں تو ان سے مجھے بُو آجاتی ہے شروع میں تو وہ بڑی لمبی چوڑی باتیں لکھتے ہیں کہ ہمارے لیے دعا کرو کہ ہم اولیاء اللہ بن جاویں اور ایسے اور ویسے ہو جاویں اور اخیر پر جاکر لکھ دیتے ہیں کہ فلاں ایک مقدمہ ہے اس کے لیے ضرور دُعا کریں کہ فتح نصیب ہو۔اس سے صاف سمجھ میں آتا ہے کہ اصل میں یہ ایک مقدمہ میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے خط لکھا گیا تھا۔خدا تعالیٰ کی رضامندی مدِ نظر نہ تھی۔

اس بات کو اچھی طرح سے سمجھ لینا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ نے دو طرح کی تقسیم کی ہوئی ہے۔کبھی تو وہ اپنی منوانا چاہتا

ہے اور کبھی انسان کی مان لیتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ ہمیشہ انسان کی مرضی کے مطابق ہی کام ہوا کریں۔ اگر ایسا سمجھا جائے کہ خدا تعالیٰ کی مرضی ہمیشہ انسان کے ارادوں کے موافق ہو تو پھر امتحان کوئی نہ رہا۔ کون چاہتا ہے کہ آرام عیش و عشرت اور ہر طرح کے سکھ سے دُکھ میں مبتلا ہوؤں جس کے تین چار بیٹے ہوں، وہ کب چاہتا ہے کہ یہ مر جائیں اور کون چاہتا ہے کہ میری تمام خوشیاں دُکھوں اور مصیبتوں سے تبدیل ہو جاویں۔ غرض خدا تعالیٰ نے امتحان کو انسان کی ترقی کے لیے اور یا اُس کی بدگوہری ظاہر کرنے کے لیے مقرر کیا ہے۔ بہت لوگ امتحان کے وقت طرح طرح کی باتیں بنانے لگ جاتے ہیں اور طرح طرح کے باطل توہمات اور وساوس انہیں اُٹھا کرتے ہیں مگر اصل بات یہ ہے کہ

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ بِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ ٥ (البقرۃ: ۱۱)

یاد رکھو خدا تعالیٰ کا ساتھ بڑی چیز ہے۔ اگر فرض بھی کر لیں کہ نہ کوئی بیٹا رہے نہ کوئی مال و دولت رہے پھر بھی خدا بڑی دولت ہے۔ اس نے یہ کبھی نہیں کیا کہ جو اس کے ہو کر رہتے ہیں ان کو بھی تباہ کر دیا ہو۔ اس کے امتحان میں استقلال اور ہمت سے کام لینا چاہیئے۔ یاد رکھو کہ امتحان ہی وہ چیز ہے جس سے انسان بڑے بڑے مدارج حاصل کر سکتا ہے۔ نری نمازیں اور دُنیا کے لیے ٹکریں کچھ چیز نہیں۔ مومن کو چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کے قضا و قدر کے ساتھ شکوہ نہ کرے اور رضا بالقضا پر عمل کرنا سیکھے اور جو ایسا کرتا ہے میرے نزدیک وہی صدیقوں شہیدوں اور صالحوں میں سے ہے۔ جان سے بڑھ کر اور تو کوئی چیز نہیں اس کو خدا تعالیٰ کی راہ میں قربان کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہنا چاہیئے۔ اور یہی وہ بات ہے جو ہم چاہتے ہیں۔

فرمایا:۔

ہمیشہ ایسا ہوتا رہتا ہے کہ انسان جہاں چاہتا ہے کہ بیمار بچ جاوے وہاں غلطیاں ہو جاتی ہیں۔

اس پر ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب نے عرض کی کہ چند دن ہوئے حضور نے فرمایا تھا کہ خواب میں دیکھا ہے کہ اس مکان میں موت ہونے والی ہے اور بکری ذبح کی گئی اور ان دنوں میں مولوی نور الدین صاحب چونکہ بیمار تھے اس لیے ان کی نسبت خطرہ پڑ گیا تھا اور نواب محمد علی خاں صاحب اور ڈاکٹر عبد الستار شاہ صاحب اور مَیں ہم تینوں اس بات کے گواہ ہیں۔

فرمایا:۔

تقدیر دو طرح کی ہوتی ہے ایک کو تقدیرِ معلق کہتے ہیں اور دوسری کو تقدیر مبرم کہتے ہیں۔ ارادۂ الٰہی جب ہو چکتا ہے تو پھر اس کا تو کچھ علاج نہیں ہوتا۔ اگر اس کا بھی کچھ علاج ہوتا تو سب دنیا بچ جاتی۔ مبرم کی علامات ہی ایسی ہوتی ہیں کہ دن بدن بیماری ترقی کرتی جاتی ہے اور حالت بگڑتی چلی جاتی ہے۔ دیکھو نو دن کا تپ ٹوٹ گیا تھا بالکل نام و نشان باقی نہ رہا تھا مگر پھر دوبارہ چڑھ گیا۔ یہ تو خدا تعالیٰ نے نہیں کہا تھا کہ بخار ٹوٹنے کے بعد زندہ بھی

رہے کہ خدا تعالیٰ کی دونوں پیشگوئیاں پوری ہوئی تھیں۔ بخار بھی ٹوٹ گیا۔ اور خورد سالی میں فوت بھی ہو گیا۔
کچھ مدت گذری کہ میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ ایک جگہ پانی بہہ رہا ہے اور مبارک اس میں گر گیا ہے بہتیرا دیکھا اور غوطے بھی لگائے مگر تلاش کرنے پر نہ ملا۔ یہ خواب ہمیشہ میرے مدِنظر رہا ہے۔
سید میر حامد شاہ صاحب نے عرض کی کہ حضور میری والدہ نے آج صبح کو خواب میں دیکھا تھا کہ حضور کے چار روشن ستارے ہیں۔ ایک ان میں سے ٹوٹ کر زمین کے اندر چلا گیا ہے۔
پھر خلیفہ ڈاکٹر رشید الدین صاحب نے عرض کیا کہ مبارک احمد کو لوگ اکثر "ولی ولی" کر کے پکارا کرتے تھے۔ فرمایا:۔

ہاں ولی وہی ہوتا ہے جو بہشتی ہو

میاں مبارک احمد کی قبر دوسری قبروں سے کسی قدر فاصلہ پر ہے۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا:۔
بعض اوقات اگر باپ خواب دیکھے تو اس سے مراد بیٹا ہوتا ہے اور اگر بیٹا خواب دیکھے تو اس سے باپ مراد ہوتا ہے۔ ایک دفعہ میں خواب میں یہاں (بہشتی مقبرہ) آیا اور قبر کھودنے والوں کو کہا کہ میری قبر دوسروں سے جدا چاہیئے۔ دیکھو جو میری نسبت تھا وہ میرے بیٹے کی نسبت پورا ہو گیا۔[1]

۱۸ر ستمبر ۱۹۰۷ء[2]

(بوقت سیر)

ایک الہام

حضرت اقدس نے فرمایا:۔
مبارک احمد کی نوتیدگی سے دو دن پہلے یہ الہام ہوا تھا۔
"لَا عِلَاجَ وَلَا یُحْفَظُ"

ورزش جسمانی

فرمایا:۔
حکیم لکھتے ہیں کہ ریاضاتِ بدنی اَدویہ کی مشق سے بہتر ہوتی ہیں۔

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۴ صفحہ ۵-۶ مورخہ ۲۴ر ستمبر ۱۹۰۷ء

[2] ۱۸ر ستمبر کی ڈائری کا کچھ حصہ اس واسطے درج کیا گیا ہے کہ الحکم ایک دن دیر کر کے شائع ہوتا ہے۔ (ایڈیٹر)

ایک الہام

فرمایا :-

براہین احمدیہ میں ایک یہ الہام بھی درج ہے۔

" اِیْلِیْ اِیْلِیْ لِمَا سَبَقْتَانِیْ - اے خدا رحم کر "

یہ کسی خطرناک ابتلاء پر دلالت کرتا ہے معلوم نہیں اس کے پورا ہونے کا کونسا زمانہ ہے۔ ہماری جماعت بہت کمزور ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ یقین کی طرف ترقی کریں بدظنی کی طرف زیادہ مائل ہو جاتے ہیں۔ مجھے اس بات کا بہت خیال رہتا ہے کہ کسی کو ٹھوکر نہ لگے جس خدا نے اتنی پیشگوئیاں پوری کر دی ہیں اور فتح پر فتح اور نصرت پر نصرت دیتا رہا ہے ضروری ہے کہ وہ امتحان بھی لے۔ بعض لوگ نادان ہوتے ہیں سُنّت اللہ کو سمجھتے نہیں ہیں اُن میں انجام شناسی اور پیش وپس پر غور کرکے صحیح رائے قائم کرنے کی عادت نہیں ہوتی۔ اس لیے اکثر ٹھوکر کھا جاتے ہیں۔ چند دن ہوئے ہم نے ایک خواب دیکھا تھا کہ ایک شخص ہے جو گویا مرتدین میں داخل ہو گیا ہے۔ مَیں اس آدمی کے پاس گیا ہوں۔ آدمی سنجیدہ معلوم ہوتا ہے۔ مَیں نے اس سے کہا کہ تم کو کیا ہو گیا ہے جو ارتداد اختیار کر لیا ہے تو اُس نے مجھے جواب دیا بخدا محفوظ رکھے کسی کو یہ ابتلاء پیش نہ آجاوے۔[1]

جوہڑ کے پانی کا استعمال

قادیان کے اردگرد نشیب زمین میں بارش اور سیلاب کا پانی جمع ہو کر ایک جوہڑ سا بن جاتا ہے جس کو یہاں ڈھاب کہتے ہیں بعض ایام میں یہ نشیب زمین (ساری یا اس کا کچھ حصہ) خشک ہوتی ہے تو گاؤں کے لوگ اس کو رفع حاجت کے طور پر استعمال کرتے رہتے ہیں اور اس میں بہت سی ناپاکی جمع ہو جاتی ہے جو سیلاب کے پانی کے ساتھ مل جاتی ہے۔

آج[2] صبح حضرت اقدس مع خدام جب باہر سیر کے واسطے تشریف لے گئے تو اس ڈھاب کے پاس سے گذرتے ہوئے فرمایا کہ :-

ایسا پانی گاؤں کی صحت کے واسطے مُضر ہوتا ہے

پھر فرمایا :-

اس پانی میں بہت سا گند شامل ہو جاتا ہے اور اس کے استعمال سے کراہت آتی ہے۔ اگرچہ فقہ کے مطابق اس سے وضو کر لینا جائز ہے کیونکہ فقہاء کے مقرر کردہ دَہ در دَہ (10 × 10) سے زیادہ ہے تاہم اگر کوئی شخص

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۳ صفحہ ۲ مورخہ ۱۷ ستمبر ۱۹۰۷ء ؁ [2] یعنی ۱۸ ستمبر ۱۹۰۷ء ؁ (مرتب)

جس نے اس میں گندگی پڑتی دیکھی ہو اس کے استعمال سے کراہت کرے تو اس کے واسطے مجبوری نہیں کہ خواہ مخواہ اس سے یہ پانی استعمال کرایا جائے جیسا کہ گوہ کا کھانا حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جائز رکھا ہے مگر خود کھانا پسند نہیں فرمایا۔ یہ اسی طرح کی بات ہے جیسا کہ شیخ سعدی نے فرمایا ہے ؎

سعدیا حبِ وطن گرچہ حدیث است درست
نتواں مُرد بہ سختی کہ دریں جا زادم

بدامنی کی جگہ پر احمدی کا کردار

سرحد پار کے علاقہ جات سے ایک جگہ سے چند احمدیوں کا ایک خط حضرت کی خدمت میں پہنچا کہ اس جگہ بدامنی ہے لوگ آپس میں ایک دوسرے پر حملہ کرتے ہیں۔ کوئی پُرسان نہیں۔ چند مُلّاں ہم کو قتل کرنا چاہتے ہیں کیا آپ کی اجازت ہے کہ ہم بھی اُن کو قتل کرنے کی کوشش کریں؟

حضرت نے فرمایا کہ:

ایسا مت کرو۔ ہر طرح سے اپنی حفاظت کرو لیکن خود کسی پر حملہ نہ کرو۔ تکالیف اُٹھاؤ اور صبر کرو۔ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ تمہارے لیے کوئی انتظام احسن کر دے۔ جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے اور صبر کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ اسکے ساتھ ہوتا ہے۔

اضطراری حالات کے بعض مسائل

① آبکاری کی تحصیلداری

ایک دوست جو محکمہ آبکاری میں نائب تحصیلدار ہیں ان کا خط حضرت کی خدمت میں آیا اور انہوں نے دریافت کیا کہ کیا اس قسم کی نوکری ہمارے واسطے جائز ہے؟

حضرت نے فرمایا کہ:۔

اس وقت ہندوستان میں ایسے تمام امور حالتِ اضطرار میں داخل ہیں۔ تحصیلدار یا نائب تحصیلدار نہ شراب بناتا ہے نہ بیچتا ہے نہ پیتا ہے۔ صرف اس کی انتظامی نگرانی ہے اور بلحاظ سرکاری ملازمت کے اس کا فرض ہے۔ ملک کی سلطنت اور حالات موجودہ کے لحاظ سے اضطراراً یہ امر جائز ہے۔ ہاں خدا تعالیٰ سے دُعا کرتے رہنا چاہیے کہ وہ انسان کے واسطے اس سے بھی بہتر سامان پیدا کرے۔ گورنمنٹ کے ماتحت ایسی ملازمتیں بھی ہو سکتی ہیں جن کا

ایسی باتوں سے تعلق نہ ہو اور خدا تعالیٰ سے استغفار کرتے رہنا چاہیئے۔

---

② ننگوں کیساتھ میل جول

افریقہ سے ایک دوست نے بذریعہ تحریر حضرت اقدس سے دریافت کیا کہ اس جگہ کے اصلی باشندے مرد و زن بالکل ننگے رہتے ہیں اور معمولی خورد و نوش کی اشیاء کا لین دین ان کے ساتھ ہی ہوتا ہے تو کیا ایسے لوگوں سے ملنا جلنا گناہ تو نہیں؟

حضرت نے فرمایا کہ:۔

تم نے تو ان کو نہیں کہا کہ ننگے رہو وہ خود ہی ایسا کرتے ہیں۔ اس میں تم کو کیا گناہ؟ وہ ایسے ہی ہیں جیسے کہ ہمارے ملک میں بعض فقیر اور دیوانے ننگے پھرا کرتے ہیں۔ ہاں ایسے لوگوں کو کپڑا پہننے کی عادت ڈالنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

ایسے ہی لوگوں کی نسبت یہ بھی سوال کیا گیا کہ چونکہ ملک افریقہ میں غریب لوگ بھی ہیں جو نوکری پر بآسانی سستے مل سکتے ہیں۔ اگر ایسے لوگوں سے کھانا پکوایا جائے تو یہ کیا جائز ہے؟ یہ لوگ حرام حلال کی پہچان نہیں رکھتے۔

فرمایا:۔

اس ملک کے حالات کے لحاظ سے جائز ہے کہ اُن کو نوکر رکھ لیا جائے اور اپنے کھانے وغیرہ کے متعلق ان سے احتیاط کرائی جائے۔

③ ایسی عورتوں سے نکاح

یہ بھی سوال ہوا کہ کیا ایسی عورتوں سے نکاح جائز ہے؟

فرمایا:۔

اس ملک میں اور ان علاقوں میں بحالتِ اضطرار ایسی عورتوں سے نکاح جائز ہے لیکن صورتِ نکاح میں اُن کو کپڑے پہنانے اور اسلامی شعار پر لانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

نوٹوں پر کمیشن

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں سوال پیش ہوا کہ نوٹوں کے بدلے روپیہ لینے یا دینے کے وقت یا پونڈ یا روپیہ توڑانے کے وقت دستور ہے کہ کچھ پیسے زائد لیے یا دیئے جاتے ہیں کیا اس قسم کا کمیشن لینا یا دینا جائز ہے؟

حضرت نے فرمایا:۔

یہ جائز ہے اور سُود میں داخل نہیں۔ ایک شخص وقت ضرورت ہم کو نوٹ بہم پہنچا دیتا ہے یا نوٹ لے کر روپے دے دیتا ہے تو اس میں کچھ ہرج نہیں کہ وہ کچھ مناسب کمیشن اس پر لے لے۔ کیونکہ نوٹ یا روپیہ یا ریزگاری کے محفوظ رکھنے اور تیار رکھنے میں وہ خود بھی وقت اور محنت خرچ کرتا ہے۔

فاسقہ کا حقِ وراثت

ایک شخص نے بذریعہ خط حضرت اقدس سے دریافت کیا کہ ایک شخص مثلاً زید نام لاولد فوت ہوگیا ہے۔ زید کی ایک ہمشیرہ تھی جو زید کی حینِ حیات میں بیاہی گئی تھی۔ بہ سبب اس کے کہ خاوند سے بَن نہ آئی اپنے بھائی کے گھر میں رہتی تھی اور وہیں رہی یہانتک کہ زید مرگیا۔ زید کے مرنے کے بعد اس عورت نے بغیر اس کے کہ پہلے خاوند سے باقاعدہ طلاق حاصل کرتی ایک اَور شخص سے نکاح کر لیا جو کہ ناجائز ہے۔ زید کے ترکہ میں جو لوگ حقدار ہیں کیا ان کے درمیان اس کی ہمشیرہ بھی شامل ہے یا اس کو حصہ نہیں ملنا چاہیئے؟

حضرت نے فرمایا کہ:۔

اس کو حصہ شرعی ملنا چاہیئے کیونکہ بھائی کی زندگی میں وہ اس کے پاس رہی اور فاسق ہو جانے سے اس کا حقِ وراثت باطل نہیں ہوسکتا۔ شرعی حصہ اس کو برابر ملنا چاہیئے باقی معاملہ اس کا خدا تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ اس کا پہلا خاوند بذریعہ گورنمنٹ باضابطہ کارروائی کرسکتا ہے۔ اس کے شرعی حق میں کوئی فرق نہیں آسکتا۔

انبیاءؑ کے مصائب

فرمایا:۔

انبیاءؑ کے سوانح اور حالات میں بعض ایسے امور ہوتے ہیں کہ کفار کے واسطے موجبِ ٹھوکر ہو جاتے ہیں۔ مگر اُس میں قصور ان کفار کا ہوتا ہے کیونکہ وہ صرف ایک واقعہ کو پکڑ لیتے ہیں اور باقی تمام باتوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ انصاف یہ ہے کہ تمام امور کو بلحاظ نظر سے دیکھا جائے۔ انبیاءؑ پر جو مصائب آتے ہیں اُن میں بھی اللہ تعالیٰ کے ہزارہا اسرار ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت سے مصائب آتے تھے۔ جنگِ اُحد میں ایک روایت ہے کہ آپؐ کو ستر تلواروں کے زخم لگے تھے اور مسلمانوں کی ظاہری حالت خراب دیکھ کر کفار کو بڑی خوشی ہوئی۔ چنانچہ ایک کافر نے یہ یقین کر کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب کبار سب شہید ہوگئے ہوں گے باواز بلند پکار کر کہا کہ کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم میں ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ خاموش رہو اس کا جواب نہ دو۔ خاموشی سے اُسے خوشی ہوئی کہ فوت ہوگئے ہوں گے اس واسطے جواب نہیں آیا۔ پھر اسی طرح اس نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے متعلق آواز دی۔ تب بھی اُدھر سے خاموشی اختیار کی۔ پھر اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق آواز دی۔ حضرت

عمرؓ سے نہ رہا گیا۔ انہوں نے کہا کمبخت کیا بکتا ہے۔ سب زندہ ہیں۔

ایسی تلخیوں کا دیکھنا بھی ضروری ہوتا ہے مگر اُن کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[1] کہ اب اس کے بعد کفار ہم پر چڑھائی نہ کریں گے بلکہ ہم کفار پر چڑھائی کریں گے۔ مکہ سے نکلنے کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کیسی تلخی کا وقت تھا۔

ہمارے مخالف اس بات پر خوش ہوتے ہونگے کہ ان کا بیٹا مر گیا۔ مگر اس میں تو پیشگوئی پوری ہوئی ہے اور نیز خدا کے ساتھ جو زندگی ہوتی ہے وہ مصائب اور شدائد کے ساتھ ملی جلی ہوتی ہے۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کتنے ہی لڑکے فوت ہوئے تھے۔ ایسا ہی کفار نے اس وقت بھی خوشیاں منائی ہوں گی۔ دشمن میں ہمدردی کی طاقت سلب ہو جاتی ہے مگر آخری فیصلہ خدا تعالیٰ کے پاس ہے اور تمام باتوں کو ملا کر یکجائی نظر سے دیکھنا چاہیئے کہ انجام کیا ہوتا ہے خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہم لوگوں کو اسی سُنت پر لائے جو قرآنِ کریم میں مرقوم ہے کیونکہ پہلے تمام انبیاء پر مصائب شدائد پڑتے رہے۔ خدا تعالیٰ قرآنِ شریف میں فرماتا ہے کہ تم پر ان آزمائشوں کا پڑنا ضروری ہے جو پہلوں پر پڑیں ان امتحانوں میں پاس ہونے کے بعد تم سچے مومن کہلا سکتے ہو۔ آنحضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبکہ اپنی خواب کی بناء پر حج کے واسطے گرمی میں سفر کیا تھا اور پھر اس سال حج نہ ہوا تو یہ امر بہتوں کے واسطے موجب ابتلاء ہوا تھا مگر اس کے بعد خدا تعالیٰ نے بہت ساری فتوحات دیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مصائب سب سے بڑھکر تھے

تمام انبیاء پر مصائب اور تکالیف پڑیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جو تکالیف آئیں وہ سب سے بڑھ کر تھیں۔ حضرت عیسیٰؑ کا وقت بھی بہت تھوڑا تھا صرف تین سال لوگوں کو تبلیغ کی وہ بھی اکثر حصہ گمنامی میں گذر گیا۔ صرف ایک مصیبت واقعہ صلیب کی اُن پر پڑی۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت سخت مصائب پڑے۔ تیرہ سال تک بڑے صبر اور استقلال کے ساتھ آپؐ نے مکہ میں زندگی بسر کی اور ہر طرح کا دُکھ اُٹھایا اور آخر نہایت مجبوری کی حالت میں ہجرت کی۔ آپؐ پر تکالیف سب سے بڑھ کر تھیں۔

آنحضرتؐ کی کامیابی سب سے بڑھکر تھی

مگر آپؐ کو جو کامیابی نصیب ہوئی وہ بھی سب سے بڑھ کر تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے اصحاب دیئے گئے جنہوں نے آپؐ کی خاطر جانیں دے دیں اور اس کو فخر سمجھا، لیکن جب حضرت عیسیٰؑ کے اصحاب کو دیکھتے ہیں تو ایک نے تیس روپے لے کر اپنے نبی کو بیچ ڈالا گویا وہ اس کا مُرشد نہ تھا غلام تھا۔ دوسرے نے مُنہ پر لعنت کی۔ حضرت موسیٰؑ کے

---

[1] "غزوہ خندق کے بعد" الفاظ معلوم ہوتا ہے سہواً رہ گئے ہیں (مرتب)

ساتھیوں نے کہا کہ جا تو اور تیرا خدا کافروں سے لڑائی کرو۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ کو وعدہ کی زمین بھی اپنی عمر میں دیکھنی نصیب نہ ہوئی۔

مسیحِ موعودؑ تمام انبیاء کا مظہر ہے

فرمایا:۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارا نام آدمؑ بھی رکھا ہے۔ نوحؑ بھی رکھا ہے۔ موسیٰؑ بھی رکھا ہے۔ داؤدؑ، سلیمانؑ، عیسیٰؑ، محمدؐ غرض بہت سے انبیاء کے نام ہم کو دیئے ہیں اور پھر یہ بھی فرمایا ہے کہ جَرِیُّ اللّٰہِ فِی حُلَلِ الْاَنْبِیَاءِ جس میں یہ اشارہ ہے کہ مسیح موعود تمام انبیاء گذشتہ کا مظہر ہے۔ ہمارے مخالف مولوی ہم پر اس وجہ سے فتویٰ کفر لگاتے ہیں کہ ہم نے عیسیٰؑ ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ نے ہمارا نام محمدؐ بھی رکھا ہے وہ اس وجہ سے کیوں کفر کا فتویٰ نہیں لگاتے۔ کیا اُن کے نزدیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ حضرت عیسیٰؑ سے کم ہے یا اُن کو عیسیٰ سے بہت محبت ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے اُن کے دل میں کوئی غیرت باقی نہیں رہی۔

جماعت کمزور ہے

کسی شخص کے مُرتد ہونے والا خواب جو گذشتہ اخبار میں چھپ چکا ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

جماعت بہت کمزور ہے۔ اکثر نادان لوگ بدظنی کے قریب چلے جاتے ہیں اور تھوڑی بات پر ٹھوکر کھاتے ہیں اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ آمین۔

بدیہی اور نظری باتیں

حافظ احمد اللہ صاحب نے عرض کیا کہ حضور کا ایک الہام جو اخبار بدر ۲۰ ستمبر ۱۹۰۶ء میں چھپا تھا اس طرح سے ہے مَآ اَنَا اِلَّا کَالْقُرْاٰنِ وَسَیَظْهَرُ عَلٰی یَدَیَّ مَا ظَهَرَ مِنَ الْفُرْقَانِ۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآنِ شریف میں چونکہ آیاتِ محکمات کے ساتھ آیاتِ متشابہات بھی ہیں اسی کے موافق مامور من اللہ کا حال و قال ہے بعض باتیں بدیہی ہیں اور بعض نظری۔

فرمایا:۔ یہ درست ہے

چند فقہی مسائل

(۱) بعض اوقات رمضان ایسے موسم میں آتا ہے کہ کاشت کاروں سے جبکہ کام کی کثرت مثل تخم ریزی و درودگی ہوتی ہے۔ ایسے ہی مزدوروں سے

سے جن کا گذارہ مزدوری پر ہے روزہ نہیں رکھا جاتا ان کی نسبت کیا ارشاد ہے؟

فرمایا:۔

اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔ یہ لوگ اپنی حالتوں کو مخفی رکھتے ہیں۔ ہر شخص تقویٰ و طہارت سے اپنی حالت سوچ لے۔ اگر کوئی اپنی جگہ مزدوری پر رکھ سکتا ہے تو ایسا کرے ورنہ مریض کے حکم میں ہے۔ پھر جب میسّر ہو رکھ لے۔

(۲) اور وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ (البقرۃ: ۱۸۵) کی نسبت فرمایا کہ:۔

اس کے معنے یہ ہیں کہ جو طاقت نہیں رکھتے۔

(۳) اور نصف شعبان کی نسبت فرمایا کہ:۔

یہ رسوم حلوا وغیرہ سب بدعات ہیں[۱]

۱۹؍ستمبر ۱۹۰۷ء

(بوقتِ ظہر)

حضور کے متعلق ایک شخص کی پیشگوئی

پیسہ اخبار مورخہ ۱۰؍ستمبر ۱۹۰۷ء میں شائع شدہ دہلی کے ایک شخص نور احمد نامی کا مندرجہ ذیل مراسلہ حضرت اقدس کی خدمت میں پڑھ کر سنایا گیا:۔

”پچھلے سال اکتوبر مہینہ میں افسر الاطباء جناب حافظ محمد اجمل خاں صاحب کے دولتکدہ میں بموجودگی جناب نواب شجاع الدین صاحب رئیس لوہارو۔ خان بہادر غلام حسن خان صاحب آنریری مجسٹریٹ و رئیس دہلی۔ نواب مرزا اکبر علی خاں صاحب۔ حاجی عبدالغنی و دیگر معززین جناب مولانا مولوی میر کرامت علی خاں صاحب نے فرمایا تھا کہ اب کے طاعون فروری میں زور پکڑے گا اور اپریل مئی میں یہانتک زور ہو گا کہ نوّے ہزار فی ہفتہ اموات طاعون سے ہونگی ۲۴؍اپریل صبح ۵½ بجے اٹلی میں زلزلہ آئے گا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ دلّی میں بھی طاعون ہو گا اور افراتفری پھیلے گی لیکن جس محلہ میں آپ کا مسکن ہے وہاں طاعون نہیں ہو گا۔ جس طاعون کے مریض کو میں چھوؤں گا وہ طاعون سے نہیں مرے گا۔ چنانچہ یہ پیشگوئی من وعن پوری ہوئی۔ فراش خانہ میں حضرت کا مکان ہے وہاں طاعون نہیں ہوا۔ اور یہ بھی سنا گیا ہے کہ جن بیماروں کو آپ نے تعویذ دیا وہ بچ گئے۔ چنانچہ ولایت علی اور قمرالدین سوداگران صدر بازار

---

[۱] بدر جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۶-۷ مورخہ ۲۶؍ستمبر ۱۹۰۷ء

دہلی کا بیان ہے کہ ساٹھ مریضوں کو تعویذ پلائے گئے سب کے سب بچ گئے۔ اب کہ طاعون کے متعلق جو پیشگوئی کی گئی ہے برائے اندراج پیسہ اخبار ارسال خدمت ہے۔

پیشگوئی متعلقہ طاعون بابت سال ۱۹۰۷ء و ۱۹۰۸ء۔ پنجاب میں اب کے طاعون کا پہلے سال جیسا زور نہیں ہوگا البتہ ممالک مغربی وشمالی میں بہت زور ہوگا۔ دلی میں بھی گذشتہ سال سے زیادہ ہوگا۔ پنجاب کے ایک بہت بڑے مذہبی لیڈر جن کو دعویٰ ہے کہ ان کو طاعون نہیں ہو سکتا طاعون سے انتقال کریں گے۔ ان کے مرید اس واقعہ سے متاثر ہوکر اپنے کئے سے پشیمان ہوں گے۔ ہندوستان سے طاعون دُور نہیں ہوگا جب تک کہ اصلی مسیح موعود یعنی پرنس ایڈورڈ خلف جناب پرنس آف ویلز و نبیرہ حضور ملک معظم شاہ ایڈورڈ ہندوستان میں بطور وائسرائے نہیں آئیں گے۔ (نیاز مند نُور احمد خریدار روزانہ پیسہ اخبار معرفت ایجنٹ دہلی)"[1]

یہ مراسلہ سُنکر حضرت اقدس نے فرمایا:-

پیشگوئیاں تو وہ ہوتی ہیں جو قبل از وقتِ وقوع اخباروں اور رسالوں کے ذریعہ سے عام طور پر شائع ہوں اور دُنیا میں ان کی عام طور پر شہرت ہو۔ آجکل کے لوگوں کی زبانی شہادتوں کا کیا بھروسہ ہے۔

ہمارے مخالفوں کی اس وقت عجیب حالت ہو رہی ہے۔ تھوڑے دنوں کی بات ہے کہ ایک جگہ آٹھ آدمیوں نے قسم کھا کے بیان کیا کہ ہم دیکھ آئے ہیں جو مجھے جذام ہوگیا ہے۔ زبانی شہادتوں پر تو بڑی بڑی کراماتیں لوگوں میں مشہور ہو جایا کرتی ہیں حالانکہ اصلیت کچھ بھی نہیں ہوتی۔

فرمایا:-

یہ اخبار تو رکھنے کے لائق ہے۔ اس کی پہلی پیشگوئی کی نسبت صرف زبانی شہادتوں کو ہم کافی نہیں سمجھتے۔ ہاں یہ ایک پیشگوئی ہے جو اس اخبار میں درج ہے۔ اب خود بخود سچائی ظاہر ہو جاوے گی۔ اس نے بڑا ہی ظلم کیا ہے جو دلی میں ہزاروں آدمی طاعون سے مَر گئے اور اُس نے اُن کو چھُوا تک بھی نہیں۔ زبانی شہادتیں آجکل کے لوگوں کی قابلِ قدر نہیں البتہ اس کی یہ پیش گوئی محفوظ رکھنے کے لائق ہے۔

یہ کیسی حیلہ سازی ہے کہ جو پیشگوئی کرتا ہے وہ تو چُپ ہے اور اس کی بجائے ایک دوسرا شخص شائع کرتا ہے۔ دیکھو جتنی پیشگوئیاں ہم کرتے ہیں خود ہی لکھتے اور شائع کرواتے ہیں۔ اصل میں قرون ثلاثہ[2] کا حال کمال پر پہنچ چکا ہے۔ اس زمانہ میں جھُوٹ تو حلوا بے دُود سمجھا جاتا ہے۔ ہم پر بڑے بڑے افتراء کئے گئے اور طرح طرح کے بہتان

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۴ صفحہ ۱۰ مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۰۷ء

[2] غالباً یہ لفظ "قرونِ سابقہ" ہوگا جو کاتب کی غلطی سے "ثلاثہ" لکھا گیا۔ واللہ اعلم بالصواب (مرتب)

لگائے گئے۔ عدالتوں میں ہم پر طرح طرح کے جھوٹے الزام ثابت کرنے کی کوشش کی گئی اور ان لوگوں نے ہمارے برخلاف آتما رام اور چندولال کے سامنے کتنے جھوٹ بولے۔ فسق و فجور کی کوئی حد نہیں رہی اور خاص کر جھوٹ میں تو ان لوگوں نے وہ کمال حاصل کیا ہے کہ اگر لاکھ آدمی بھی مل کر شہادت دیں تو اعتبار نہیں ہو سکتا۔

شیخ یعقوب علی صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ:۔

یہ تمہارا ذمہ ہے کہ پیسہ اخبار کی طرف اصلیت کو دریافت کرنے کے لیے ایک خط لکھو بلکہ میں کہتا ہوں کہ خود ہی ایک دو آدمی کرامت علی کے پاس دلی چلے جاؤ اور اس کو یہ اخبار دکھا دو۔

کسی شخص نے عرض کی کہ منشی قاسم علی اور ڈاکٹر محمد اسماعیل دلی میں موجود ہیں اور بڑے مخلص ہیں انہیں کو لکھا جاوے۔ حضرت نے مولوی محمد احسن صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

ہم تو اسی وقت آدمی بھیجنے کو بھی تیار تھے مگر خیر انہیں کو لکھ دو اور تاکیداً لکھ دو کہ ہمارا خط دیکھتے ہی خود اس کے پاس جائیں اور اخبار دکھا دیں۔ اگر وہ اقرار کرے تو بھی اس سے لکھوا لیں اور اگر انکار کرے تو بھی اس سے لکھوا لیں۔ منشی قاسم علی اور ڈاکٹر محمد اسمٰعیل ہمارے خط کو دیکھتے ہی اس کے پاس جاویں اور پوری کوشش سے کام لے کر اس سے اقرار لیں۔ ایسی چور کارروائی ٹھیک نہیں ہے۔ اُن کو تاکیداً لکھ دو کہ خود جا کر اس سے اقرار لیویں اور اس کے ہاتھ سے لکھوائیں۔ یہ تو بڑی فیصلہ کی بات ہے۔ گویا تمام دنیا کو ایک فیصلہ نے ہی چھڑا دیا ہے۔ اس کے پاس ضرور خود جا کر اس کی تصدیق کرانی چاہیئے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں شبہات پیدا کرنے کے لیے ایسی پیشگوئیاں کر دیتے ہیں مگر خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ (البقرۃ:۷۳) ایک ہفتہ تک پتہ لگ جائے گا کہ اصلیت کیا ہے؟ چاہیئے کہ یہی اخبار اُن کو بھیج دیا جاوے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ وہاں سے اخبار ہی تلاش کرتے پھریں۔ کرامت علی کے پاس جا کر اخبار کی وہ جگہ اُسے دکھلائیں جہاں پیشگوئی درج ہے اور اس کو کہدیں کہ ایک بڑی جماعت کے ساتھ تمہارا مقابلہ ہے۔ اس کی تصدیق ہم کرنے آئے ہیں۔ اور وہ اس بات کی بھی اچھی طرح سے تصدیق کر لیں کہ وہ کونسے ساٹھ آدمی ہیں جن کو چھونے سے اُن کی طاعون جاتی رہی اور وہ تندرست ہو گئے۔

خوشنودی کے چند الہامات

فرمایا:۔ کئی دنوں سے ابتلاؤں کا سامنا تھا۔ بیس پچیس دن رات تو میں سویا بھی نہیں۔ آج ذرا سی میری آنکھ لگ گئی تو یہ فقرہ الہام ہوا۔

"خدا خوش ہو گیا"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کریم اس بات سے بہت خوش ہوا ہے کہ اس ابتلاء میں مَیں پُورا اترا ہوں۔ اور اس

الہام کا یہی مطلب ہے کہ اس ابتلاء میں تو پورا اُترا۔

اس کے بعد پھر آنکھ لگ گئی تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نہایت خوشخط خوبصورت کاغذ میرے ہاتھ میں ہے جس پر کوئی پچاس ساٹھ سطریں لکھی ہوئی ہیں۔ مَیں نے اس کو پڑھا ہے مگر اس میں سے یہ فقرہ مجھے یاد رہا ہے کہ "یَا عَبْدَ اللّٰہِ اِنِّیْ مَعَکَ"

یعنی اے خدا کے بندے میں تیرے ساتھ ہوں۔ اور اس کو پڑھ کر مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ گویا خدا کو دیکھ لیا۔ دیکھو ہمارے ساتھ تو خدا تعالیٰ کے یہ معاملے ہیں اور یہ ہیں جو ہماری ہلاکت کی پیشگوئیاں کرتے ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ کو اپنے دین کا بیڑا غرق کر دینا منظور ہے تو جو چاہے سو کرے۔ اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔ مگر یہاں تو اُس نے بڑے بڑے وعدے دیئے ہوئے ہیں۔ ایک طرف خدا تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے:۔

وَلَکَ نُرِیْ اٰیَاتٍ وَنَھْدِمُ مَا یَعْمُرُوْنَ ۔ اُرِیْحُکَ وَلَا اُجِیْحُکَ وَاُخْرِجُ مِنْکَ قَوْمًا ۔ اَنْتَ الشَّیْخُ الْمَسِیْحُ الَّذِیْ لَا یُضَاعُ وَقْتُہٗ ۔ کَمِثْلِکَ دُرٌّ لَّا یُضَاعُ ۔ لَکَ دَرَجَۃٌ فِی السَّمَآءِ وَفِی الَّذِیْنَ ھُمْ یُبْصِرُوْنَ ۔

(یعنی مَیں تجھے آرام دوں گا اور تیرا نام نہیں مٹاؤں گا اور تجھ سے ایک بڑی قوم پیدا کروں گا اور تیرے لیے ہم بڑے بڑے نشان دکھلاویں گے اور ہم ان عمارتوں کو ڈھا دینگے جو بنائی جاتی ہیں[1]۔ تو وہ بزرگ مسیح ہے جس کا وقت ضائع نہیں کیا جائے گا اور تیرے جیسا موتی ضائع نہیں ہو سکتا۔ آسمان پر تیرا بڑا درجہ ہے اور نیز ان لوگوں کی نگاہ میں جن کو آنکھیں دی گئی ہیں)۔

مگر یہ کہتے ہیں کہ اس کی تمام جماعت پاش پاش ہو جاوے گی اور یہ خود بھی طاعون سے ہلاک ہو جائے گا۔

تَوَفّیٰ کے معنی

فرمایا:۔

ایک دفعہ دلی میں تین شخص ہمارے پاس آئے اور ان میں سے ایک نے کہا تھا کہ تم دعویٰ کرتے ہو کہ مسیح ناصری فوت ہو چکا اور آنے والا مسیح میں ہوں اور توفّی کے معنے قبضِ رُوح کے کرتے ہو حالانکہ اس کے معنے پورا کرنے کے بھی ہیں اور اس کی تائید میں یہ فقرہ پڑھ کر سنایا تُوُفِّیَ کُلُّ نَفْسٍ مَا ضَمِنَتْ ۔

---

[1] یہ فقرہ کہ "تیرے لیے ہم بڑے بڑے نشان دکھلادیں گے اور ہم اُن عمارتوں کو ڈھا دیں گے جو بنائی جاتی ہیں" ترجمہ کی ترتیب کے لحاظ سے سب سے پہلے ہونا چاہیئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کاتب نے غلطی سے بعد میں لکھ دیا ہے۔ دراصل یہ الہامی عبارت کے پہلے فقرہ کا ترجمہ ہے۔ (مرتب)

میں نے جواب دیا کہ مولوی بن کر مفسر بن کر ایسی بات کرنی ؟ بھلا یہ تو پہلے بتلاؤ کہ یہ صیغہ کا ہے کا ہے بس پھر تو یہی کہنے لگ گیا۔ جی غلطی ہو گئی۔

(توفی کے معنے پورا دینے کے وہاں ہوں گے جہاں بابِ تفعیل ہو گا اور قبض رُوح کے معنے وہاں ہونگے جہاں باب تفعّل سے ہو گا۔

میر کرامت علی خان دہلوی کا عقیدہ

فرمایا:۔ عجیب بات ہے کہ ہمیں تو رد کر دیا اور ایک عیسائی کو مسیح بنا دیا۔ امید ہے کہ یہ ایک ہنسی ٹھٹھا کی پیشگوئی ہو گی۔ ورنہ ایک مسلمان کا ایسے شخص کو مسیح قرار دینا جو انسان کی پرستش کرتا اور انسان کو خدا بناتا اور مسلمانوں کے نزدیک کفر کا عقیدہ رکھتا ہے نیک نیتی پر مبنی نہیں ہو سکتا۔ محض ہنسی ٹھٹھا معلوم ہوتا ہے۔

حضور کے متعلق ہلاکت کی پیشگوئیاں کرنیوالوں کا انجام

فرمایا:۔ طاعون تو ابھی سر پر ہے۔ یہ کوئی صحیح فیصلہ تو نہیں کہ اب طاعون دور ہو گئی ہے۔ یاد رکھو کہ مفتری کو خدا تعالیٰ بے سزا کبھی نہیں چھوڑتا۔ ابھی تو طاعون کی نسبت گورنمنٹ خود بھی حیران ہے کہ اس کو روکنے کی کیا تدبیر کی جاوے اور اس طرف خدا تعالیٰ نے ہمیں بھی خبر دے رکھی ہے کہ اس سال یا اگلے سال سخت طاعون پڑے گی اور شدت سے پڑے گی اور مغربی ممالک میں بھی خطرناک طاعون پڑے گی اور کابل کی نسبت طاعون تو نہیں مگر یہ فرمایا ہے کہ وہاں پچاسی ہزار آدمی ہلاک ہوں گے اور ساتھ ہی ہمارے ساتھ وعدہ ہے کہ

"اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ"

اگر یہ افتراء ہے تو دکھاؤ کہ ان گیارہ برسوں میں کتنے ہلاک ہوئے ؟

دیکھو فقیر مرزا نے میری نسبت کتنے زور سے یہ پیشگوئی کی کہ یہ شخص آئندہ ماہِ رمضان میں طاعون سے مرے گا اور بڑا بڑا دعویٰ کیا کہ میرا عرشِ معلّٰی تک گذر ہوا ہے اور میری نسبت بار بار کہا کہ یہ جھوٹا ہے اور مجھے خدا کی آواز آئی ہے کہ اس پر آئندہ ماہِ رمضان کی فلاں تاریخ کو بڑا غضب نازل ہو گا اور تباہ ہو جائے گا مگر دیکھو کہ پھر خود ہی طاعون سے ہلاک ہو گیا اور پھر عجیب بات یہ کہ آئندہ رمضان کی اسی تاریخ کو آپ ہی ہلاک ہو گیا جس تاریخ کو میری ہلاکت کی پیشگوئی لکھی تھی۔

پھر چراغ الدین کو دیکھو جو بڑا دعویٰ کرتا تھا اور کہتا تھا کہ حضرت عیسیٰ نے مجھے عصا دیا ہے اور پھر میری ہلاکت کے لیے بڑی بڑی دُعائیں کرتا رہا مگر آخر خود ہی اپنے لڑکوں سمیت طاعون سے مارا گیا۔ یہ تو ان پیشگوئی

کرنے والوں کے حال ہیں اور اُن کے کشفوں اور الہاموں کا حال یہ ہے کہ خدا ان کو کہتا تو کچھ اَور ہے اور ہو کچھ اَور جاتا ہے اور پھر ایک نہیں دو نہیں کئی ہیں۔ حقیقۃ الوحی میں ہم نے نمونہ کے طور پر لکھ دیئے ہیں۔

دیکھو غلام دستگیر نے لکھا تھا کہ جیسے مجمع بحار الانوار کے مؤلف کی دُعا سے اُن کے زمانہ کے مہدی کاذب کا بیڑا غارت ہوا تھا ویسے ہی میری دُعا سے مرزا قادیانی جڑ سے کاٹا جائے گا۔ پھر دیکھو وہ خود ہی تباہ ہو گیا اور یہ باتیں ایسی نہیں جو یُونہی چھوڑ دی جاویں بلکہ ان پر غور کرنا چاہیئے۔

فرمایا:-

اصل میں جیسے کافر اور مشرک لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسی اور ٹھٹھے میں اُڑانا چاہتے تھے ویسے ہی یہ ہم کو بھی ہنسی ٹھٹھے میں اُڑانا چاہتے ہیں۔ آپ تو وہ عورتوں کی طرح چھپ کر بیٹھا ہوا ہوگا۔ اصل میں دلی میں ہنسی ٹھٹھا بہت ہے۔ کوئی دیندار ایسے لفظ کب استعمال کرسکتا ہے کہ ایسا شخص جو نصرانیت کے شرک میں مبتلا ہو اور ایک انسان کو پوجنے والا ہو اصلی مسیح ہے۔ خیال تو کرو کہ مسلمان ہو کر اپنے مذہب کو کیسے ہنسی ٹھٹھے میں اُڑاتا ہے۔ آریہ وغیرہ بھی اپنے مذہب سے ایسے ٹھٹھے نہیں کرتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی دلی کی کمبختی کچھ باقی ہے [1]

---

۲۰ ستمبر ۱۹۰۷ء

(بوقتِ سیر)

الدّار کی حفاظت کا الٰہی وعدہ

فرمایا:-

آج رات کو پھر الہام ہوا کہ

"اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سال یا دوسرے سال شدت سے طاعون پڑے گی۔ گو بڑے بڑے انتظام ہو رہے ہیں کہ کسی طرح طاعون دُور ہو مگر کتنے افسوس کی بات ہے کہ ان تدابیر میں اللہ تعالیٰ کا ذکر تک بھی نہیں کیا جاتا۔ ہم نے مانا کہ قواعد بھی ہیں۔ طبیب اور ڈاکٹر بھی ہیں۔ انتظام بھی ہیں۔ مگر یہ تو بڑی بے ادبی کی بات ہے کہ اصلی اور حقیقی محافظ کا اشارہ تک نہیں کیا جاتا۔ اس الہام سے معلوم ہوتا ہے کہ طاعون ہیضہ یا کوئی اور وبائی امراض پھیلنے والے ہیں اور اللہ کریم وعدہ فرماتا ہے کہ اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ اور اخبار روزانہ میں جو میری نسبت پیشگوئی کی گئی ہے کہ طاعون سے

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۵ صفحہ ۲-۳ مورخہ ۳۰ ستمبر ۱۹۰۷ء

ہلاک ہو جاؤں گا اس کا جواب اللہ تعالیٰ دیتا ہے کہ اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ۔ ہماری طرف سے تو بالکل خاموشی تھی مگر خدا تو سمیع علیم ہے۔

حضور کے خلاف پیشگوئیوں کی حقیقت

پیشگوئی میں جو لکھا ہے کہ میں ہلاک ہو جاؤں گا اور میری جماعت پاش پاش ہو جاوے گی خدا تعالےٰ نے اس کا جواب دیتا ہے کہ مَیں ہر ایک کی جو تیرے گھر میں ہو گا حفاظت کروں گا۔ ہمیں تو شک پڑتا ہے کہ کرامت علی بھی کہیں فرضی نام نہ ہو ورنہ مسلمان ہو کر اسلام پر ہنسی ٹھٹھا کرنا کچھ تعجب ہی آتا ہے۔

ہم یہ بھی پوچھنا چاہتے ہیں کہ یہ جو پیشگوئی کی گئی ہے آیا کسی الہام کی بناء پر کی گئی ہے یا فرضی طور پر ہنسی ٹھٹھے سے کام لیا گیا ہے۔ اگر خدا تعالےٰ نے بتلائی ہے تو پھر اس وحی اور الہام کو بھی شائع کیا جاوے ورنہ یوں تو یہاں آتھم نے بھی دعویٰ کیا تھا کہ مَیں طاعون سے نہیں مروں گا۔ اپنے ارادوں پر تو ہر ایک نے مرنا ہی ہے۔[1] ایسے فضول دعووں پر ہم توجہ نہیں کیا کرتے۔ چاہیئے کہ ہمارے مقابلہ میں یہ شائع کیا جاوے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ الہام ہوا ہے تاکہ خدا تعالےٰ کو بھی غیرت آوے۔ خدا تعالےٰ کو تو غیرت تبھی آئے گی جب اس پر افتراء کیا جاوے گا اور اُس کا نام لے کر جھوٹ بولا جاوے گا۔ اور پھر اس پیشگوئی میں ایک انسان کی پرستش کرنے والے اور اسلامیوں کی رُو سے کُفر کا عقیدہ رکھنے والے کو اس نے حقیقی مسیح قرار دیا۔ کیا کوئی مسلمان اس سے خوش ہو سکتا ہے؟ ہمارا تو خیال ہے کہ ایک پادری بھی اس کو پسند نہیں کرے گا اور ایسی بات سے کبھی خوش نہیں ہو گا۔ عیسائی ایسی باتوں کو کب مانتے ہیں۔ یہ تو سب فرضی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ گورنمنٹ کی اطاعت اَور امر ہے اور مذہبی امور اور بات ہے۔ جہانتک ہمارا خیال ہے ایسی چور کارروائی سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی فرضی نام ہو گا۔ کئی خطوط آتے ہیں۔ جب اُن کا جواب بھیجا جاتا ہے تو کئی دنوں کے بعد وہی واپس آجاتا ہے جس پر لکھا ہوا ہوتا ہے کہ اس نام کی بہتیری تلاش کی گئی۔ مگر کوئی شخص اس نام اور پتہ کا نہیں ملا۔

حضرت اقدس نے فرمایا:۔

مَیں نے پڑھا ہے۔ اصل میں یہ لوگ ہمارے مقابلہ پر ہر ایک شرّ سے کام لینا چاہتے ہیں اور ہمیں ہر طرح کے نقصان پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ امام حسینؓ کو قریباً پچاس ہزار کوفے کے آدمیوں نے خط لکھا کہ آپ آئیں ہم نے بیعت کرنی ہے اور جب وہ آئے تو سب مل کر قسمیں کھا کر کہنے لگے کہ ہم نے تو کوئی خط روانہ نہیں کیا اور صاف انکار کر دیا اور ابھی تقویٰ اس زمانہ میں بہت تھا کیونکہ زمانۂ نبوت کو تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا۔ مگر اس زمانہ کے لوگوں

---

[1] یہ سہو کاتب معلوم ہوتا ہے۔ غالباً عبارت یوں ہو گی۔ "اپنے ارادوں پر تو ہر ایک نے مرنا نہیں ہے۔" (مرتب)

ہیں تو تقویٰ اور دیانت امانت کا نام و نشان بھی نہیں رہا اور جھوٹ تو ایسے مزے سے بولتے ہیں کہ گویا وہ گناہ ہی نہیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت

فرمایا:۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک لڑکے کا باپ جنگ میں شہید ہوگیا۔ جب لڑائی سے واپس آئے تو اس لڑکے نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا میرا باپ کہاں ہے؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکے کو گود میں اُٹھا لیا اور کہا کہ میں تیرا باپ ہوں۔

صحابیات کا مثالی ایمان

ایک عورت کا حال بیان کرتے ہیں کہ اس کا خاوند اور بیٹا اور بھائی جنگ میں شہید ہوئے۔ جب لوگ جنگ سے واپس آئے تو انہوں نے اس عورت کو کہا کہ تیرا خاوند۔ بیٹا اور بھائی تو لڑائی میں مارے گئے تو اس عورت نے جواب دیا کہ مجھے صرف اتنا بتا دو کہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم تو صحیح سلامت زندہ بچ کر آ گئے ہیں یا نہیں۔ تعجب ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی عورتوں کا بھی کتنا بڑا ایمان تھا۔

حضرت اُمّ المومنین کا اعلیٰ ایمان

فرمایا:۔ کل والا الہام کہ "خدا خوش ہوگیا" ہم نے اپنی بیوی کو سنایا تو اس نے سُن کر کہا کہ مجھے اس الہام سے اتنی خوشی ہوئی ہے کہ اگر دو ہزار مبارک احمد بھی مَر جاتا تو میں پروا نہ کرتی۔

فرمایا:۔

یہ اس الہام کی بنا پر ہے کہ "میں خدا کی تقدیر پر راضی ہوں"۔ اور پھر چار دفعہ یہ الہام بھی ہوا تھا اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۔ اور پھر "ہے تو بھاری امتحان مگر خدائی امتحان کو قبول کر"۔ اور پھر "لاَ تُف آف مِن" یعنی تلخ زندگی۔

صاحبزادہ مرزا مبارک احمد کی وفات خدائی وعدوں کے مطابق ہے

فرمایا:۔ اگر یکجائی نظر سے دیکھا جائے۔ تو ایک انسان بھی انکار نہیں کر سکتا اور پھر پیدا ہوتے ہی الہام ہوا تھا اِنِّیْ اَسْقُطُ مِنَ اللّٰهِ وَاُصِیْبُهٗ میرے دل میں خدا تعالیٰ نے اسی وقت ڈال دیا تھا۔ تبھی تو میں نے لکھ دیا تھا یا یہ لڑکا نیک ہوگا اور رُو بخدا ہوگا اور خدا تعالیٰ کی طرف اس کی حرکت ہوگی اور یا یہ جلد فوت ہو جائے گا۔ کوئی بدمعاش اور راستی کا دشمن ہو تو اور بات ہے

مگر یکجائی طور پر نظر کرنے سے ایک دشمن بھی مان جائے گا کہ یہ جو کچھ ہوا ہے خدائی وعدوں کے مطابق ہوا ہے اور پھر یہ الہام بھی ہوا تھا "اِنِّیْ مَعَ اللّٰہِ فِیْ کُلِّ حَالٍ" اب ابتلاؤ ایسی صاف بات سے انکار کس طرح ہو سکتا ہے۔

ابتلاؤں کا آنا ضروری ہے

اصل میں ابتلاؤں کا آنا ضروری ہے۔ اگر انسان عمدہ عمدہ کھانے، گوشت پلاؤ اور طرح طرح کے آرام اور راحت میں زندگی بسر کر کے خدا تعالیٰ کو ملنے کی خواہش کرے تو یہ محال ہے۔ بڑے بڑے زخموں اور سخت سے سخت ابتلاؤں کے بغیر انسان خدا تعالیٰ کو مل ہی نہیں سکتا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَ هُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ (العنکبوت : ۳) غرض بغیر امتحان کے تو بات بنتی ہی نہیں اور پھر امتحان بھی ایسا جو کہ کمر کو توڑنے والا ہو۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑھ کر مشکل امتحان ہوا تھا جیسے فرمایا اللہ تعالیٰ نے وَ وَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ (الم نشرح : ۳، ۴) جب سخت ابتلاء آئیں اور انسان خدا کے لیے صبر کرے تو پھر وہ ابتلاء فرشتوں سے جا ملاتے ہیں۔ انبیاء اسی واسطے زیادہ محبوب ہوتے ہیں کہ ان پر بڑے بڑے سخت ابتلاء آتے ہیں اور وہ خود ہی ان کو خدا تعالیٰ سے جا ملاتے ہیں۔ امام حسینؓ پر بھی ابتلاء آئے اور سب صحابہ کے ساتھ یہی معاملہ ہوا کہ وہ سخت سے سخت امتحان میں ڈالے گئے۔ گوشت اور پلاؤ کھانے سے اور آرام سے بیٹھ کر تسبیح پھیرتے رہنے سے خدا تعالیٰ کا ملنا محال ہے۔ صحابہؓ کی تسبیح تو تلوار تھی اگر آجکل کے لوگوں کو کسی جگہ اشاعتِ اسلام کے واسطے باہر بھیجا جاوے تو دس دن کے بعد تو ضرور کہہ دیں گے کہ ہمارا گھر خالی پڑا ہے۔ صحابہؓ کے زمانہ پر اگر غور کیا جاوے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے ابتداء سے فیصلہ کر لیا ہوا تھا کہ اگر خدا تعالیٰ کی راہ میں جان دینی پڑ جائے تو پھر دے دیں گے۔ انہوں نے تو خدا تعالیٰ کی راہ میں مرنے کو قبول کیا ہوا تھا۔ جتنے صحابہؓ جنگوں میں جاتے تھے کچھ تو شہید ہو جاتے تھے اور کچھ واپس آجاتے تھے اور جو شہید ہو جاتے تھے اُن کے اقرباء پھر اُن سے خوش ہوتے تھے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کی راہ میں جان دی اور جو بچ آتے تھے وہ اس انتظار میں رہتے تھے اور شاکی رہتے کہ شاید ہم میں کوئی کمی رہ گئی ہو جو ہم جنگ میں شہید نہیں ہوئے اور وہ اپنے ارادوں کو مضبوط رکھتے تھے اور خدا تعالیٰ کے لیے جان دینے کو تیار رہتے تھے جیسے فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَ مَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا (الاحزاب : ۲۴)

سب سے زیادہ تقویٰ پر قدم مارنے والی، استقامت اور رضا کے نمونے دکھانے والی تو ہماری جماعت ہی ہے مگر ان میں سے بھی ابھی بہت ایسے ہیں جو دُنیا کے کیڑے ہیں اور ایسے موقعہ پر میں ایک شعر سنا دیتا ہوں کہ ؎

ہم خدا خواہی وہم دُنیائے دُوں
ایں خیال است ومحال است وجنوں

موت کو یاد رکھو اور خدا تعالیٰ کو مت بھولو

اور پھر موت کا اعتبار نہیں کہ کب آجاوے۔ اس لیے انسان کو نڈر نہیں ہونا چاہیئے اور
بےغلی دنیا کی خاطر دین سے غفلت نہیں کرنا چاہیئے ؎

مکن تکیہ بر عمرِ ناپائیدار ؎ مباش ایمن از بازئ روزگار

وہ موت تاریکی کی موت ہے۔ جو انسان اپنے دنیاوی دھندوں میں معروف ہوتا ہے اور موت اُوپر سے آدباتی ہے۔ حافظؔ نے ایسے موقعہ پر ایک شعر کہا ہے ؎

چو روزِ مرگ نہ پیداست بارے آں اولیٰ
کہ روزِ واقعہ پیشِ نگار خود باشد

یعنی موت کا دن تو مخفی ہوتا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ مرنے کے دن میرا محبوب اور میرا معشوق میرے پاس ہو۔ موت جب آتی ہے تو ناگہانی طور پر آجاتی ہے۔ انسان کہیں اور تدبیروں اور دھندوں میں پھنسا ہوا ہوتا ہے کہ یہ کام اس طرح ہو جاوے یہ ایسے ہو جاوے اور اُوپر سے موت آجاتی ہے اور پھر لَا يَسْتَأْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ (الاعراف: ۳۵) والا معاملہ ہوتا ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ملازمت، تجارت، زمینداری اور دوسرے وجوہِ معاش کو انسان چھوڑ دیوے بلکہ چاہیئے کہ عملی طور پر اس تعلق کو بھی ثابت کر کے دکھاوے جو خدا تعالیٰ کے ساتھ رکھنے کا اقرار کرتا ہے۔ جتنی جانفشانیاں اور جدوجہد دُنیا کے لیے کرتا ہے دوسری طرف دین کے لیے بھی تو کر کے دکھاوے۔ ورنہ زبانی دعوے تو خواہ آسمان تک پہنچ جاویں جب تک عملی طور پر کر کے نہ دکھاؤ گے کچھ نہیں بنے گا۔ مومن آدمی کا سب ہمّ وغم خدا تعالیٰ کے واسطے ہوتا ہے۔ دنیا کے لیے نہیں ہوتا اور وہ دنیاوی کاموں کو کچھ خوشی سے نہیں کرتا بلکہ اُداس سا رہتا ہے اور یہی نجات حیات کا طریق ہے اور وہ جو دنیا کے پھندوں میں پھنسے ہوئے ہیں اور ان کے ہمّ وغم سب دنیا ہی کے لیے ہوتے ہیں ان کی نسبت تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا (الکہف: ۱۰۶) ہم قیامت کو ان کا ذرہ بھر بھی قدر نہیں کریں گے۔

حضرت امّاں جان کا عظیم نمونہ

فرمایا:۔
مبارک احمد کی وفات پر میری بیوی نے یہ بھی کہا ہے کہ خدا تعالیٰ کی مرضی کو میں نے اپنے ارادوں پر قبول کر لیا ہے اور یہ اس الہام کے مطابق ہے کہ ’’میں نے خدا کی مرضی کے لیے اپنی مرضی چھوڑ دی ہے‘‘۔

فرمایا:۔
پچیس برس شادی کو ہوئے اس عرصہ میں انہوں نے کوئی واقعہ ایسا نہیں دیکھا جیسا اب دیکھا۔ میں نے انہیں

کہا تھا کہ ایسے محسن اور آقا نے جو ہمیں آرام پر آرام دیتا رہا۔ اگر ایک اپنی مرضی بھی کی تو بڑی خوشی کی بات ہے۔

فرمایا:۔

ہم نے تو اپنی اولاد وغیرہ کا پہلے ہی سے فیصلہ کیا ہوا ہے کہ یہ سب خدا تعالیٰ کا مال ہے اور ہمارا اس میں کچھ تعلق نہیں اور ہم بھی خدا تعالیٰ کا مال ہیں جنہوں نے پہلے ہی سے فیصلہ کیا ہوتا ہے ان کو غم نہیں ہوا کرتا۔

مومن ضائع نہیں کیا جاتا

فرمایا:۔

مَیں تو کبھی نہیں مان سکتا کہ جو شخص دل سے خدا تعالیٰ کی طرف قدم رکھے وہ ضائع ہو۔ مومن آدمی کبھی ضائع نہیں کیا جاتا۔ اس کو دین بھی ملتا ہے اور دُنیا میں بھی عزت ملتی ہے اور مال بھی۔

اِنفاق فی سبیل اللہ کے بارے میں مثالی نمونہ

فرمایا:۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ اپنے گھر میں آکر پوچھا کہ ہمارے گھر میں کیا ہے؟ عائشہؓ نے دو اشرفیاں نکال کر دیں اور کہا کہ یہی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہتھیلی پر رکھ لیں اور کہا کہ کیا حال ہے اس نبی کا جو پیچھے دو اشرفیاں چھوڑ جائے۔ اور پھر اسی وقت تقسیم کر دیں۔

فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے اگر ہمارے پاس کبھی کچھ ہو تو دوسرے دن سب خرچ ہو جاتا ہے۔ جو کچھ ہوتا ہے جماعت کا ہوتا ہے اور وہ بھی لنگر خانہ میں خرچ ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات کچھ بھی نہیں رہتا اور ہمیں غم پیدا ہوتا ہے تب خدا تعالیٰ کہیں سے بھیج دیتا ہے۔ اکثر لوگ خدا تعالےٰ کی پُوری پوری قدر نہیں سمجھتے۔ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ (الانعام: ۹۲) خدا تعالیٰ تو فرماتا ہے وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ (الذٰریات: ۲۳) اس زمانہ کے فلسفی تو ایسی باتیں کرنے والے کو نادان بے وقوف اور پاگل کہتے ہیں۔ مگر ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کے مجرب اور آزمودہ فلسفہ کو ہم رد کس طرح کر سکتے ہیں۔ چونکہ خدا پر پورا ایمان نہیں ہوتا اس لیے اس کی راہ میں مال خرچ کرنے سے بھی دریغ کرتے ہیں۔ مگر ہمارے خیال میں مال تو پھر مال ہے اس راہ میں تو جانیں بھی قربان کر دینی چاہئیں[1]

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۴ صفحہ ۸ - ۹ مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۰۷ء

۱۲؍ستمبر ۱۹۰۷ء

(بوقتِ ظہر)

سچی خوابوں کے بارہ میں سنّت اللہ

فرمایا:- سنّت اللہ اسی طرح سے جاری ہے اور ہمارا اعتقاد بھی یہی ہے کہ بعض لوگوں کو نہ تو خدا کے ساتھ تعلق ہوتا ہے اور نہ ہی ان کے اخلاق عادات اچھے ہوتے ہیں۔ مگر جب کسی اپنے پرائے نے مرنا ہو یا کوئی اور ایسا ہی واقعہ ہونا ہو تو بعض اوقات خوابوں کے ذریعہ سے کچھ نہ کچھ اطلاع ہو جاتی ہے یہاں تک کہ ایک چوہڑی کو بھی میں نے دیکھا ہے کہ اس کی اکثر خوابیں سچی نکلا کرتی تھیں۔ بلکہ ایک پرلے درجہ کی زانیہ اور بدکار عورت کو بھی کچھ نہ کچھ خوابیں آسکتی ہیں اور بازاری عورتیں طوائف وغیرہ بھی اکثر اوقات بیان کیا کرتی ہیں کہ میری فلاں خواب سچی نکلی۔ ہاں اگر یہ سوال کیا جاوے کہ خدا تعالیٰ نے ایسا کیوں کیا تو اس بات کا جواب یہ ہے کہ تا یہ لوگ ایسا نمونہ پاکر کارخانۂ نبوت کو سمجھ لیں اگر ایسا نمونہ نہ ہوتا تو پھر نبیوں کے تعلق کو سمجھنے میں دقت ہوتی۔

یہ سچی بات ہے کہ کافر فاسق فاجر سب کو سچی خوابیں کبھی کبھی آیا کرتی ہیں۔ اور اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جب تم لوگ باوجود طرح طرح کے عیبوں، فسق و فجور اور دنیا کے گند میں مبتلا ہونے کے ایسی خوابیں دیکھ لیا کرتے ہو تو پھر وہ جو ہر وقت خدا تعالیٰ کے پاس رہتے ہیں اور اسی کے آستانہ پر ہر وقت گرے رہتے ہیں ان کو سچا کیوں نہ سمجھا جائے

ایک دفعہ چند آریہ ہندو ہمارے پاس آئے تھے اور کہنے لگے کہ ہمیں بھی سچّی خوابیں آتی ہیں۔ میں نے اُن کو یہی کہا تھا کہ ہم تو مانتے ہیں کہ چوہڑوں اور چماروں کو بھی سچی خوابیں آجاتی ہیں۔ اس سے یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ جس کو سچی خواب آوے۔ اس کی عملی حالت بھی بڑی اعلیٰ ہے اور اس کا دل بڑا پاک ہے بلکہ یہ تو کارخانۂ نبوت کو سمجھنے کے لیے ہر ایک کی فطرت میں اللہ تعالیٰ نے ایک مادہ رکھا ہے۔

مرزا مبارک احمد کی وفات کا نشان

فرمایا:- مبارک احمد کی نسبت جو کچھ قبل از وقت لکھا گیا تھا اور پھر اس کی والدہ کی نسبت خاص طور پر الہام ہونا کہ "ہے تو بھاری مگر خدائی امتحان کو قبول کر" اور پھر چار دفعہ "اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا" اور پھر "لائف آف پین" یعنی تلخ زندگی۔ اگر یکجائی طور پر ایک دشمن بھی دیکھے تو بجز اس کے کچھ بھی جواب نہیں دے سکے گا کہ خدا تعالیٰ کا ایک نشان ظہور میں آیا ہے۔ ہاں اگر بے حیائی اور شرارت سے کام لے تو اَور بات ہے۔ چاہیئے کہ منہاجِ نبوت

سے پرکھا جاوے یا کم از کم عقل کی رُو سے ہی سہی کہ اتنے بچے تھے اور صرف مبارک کی نسبت ایسا لکھا گیا کوئی انسان عقل سے ایسا کر سکتا ہے ؟ موت فوت کی خبر دینا یہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی اور کا کام نہیں خدا تعالیٰ کا فضل ہے جو سب کچھ پہلے ہی ظاہر کر دیا گیا تھا۔ اب اگر کہتے تو کون مانتا۔

سوچنا چاہیئے کہ آیا جو کچھ وفات سے پہلے ظاہر کیا گیا ہے وہ وفات بتلا رہا ہے یا زندگی؟ "اِنِّیْ اَسْقُطُ مِنَ اللّٰہِ وَ اُصِیْبُہٗ" تو مبارک کی ولادت سے بھی پہلے کہا گیا تھا۔ خدا تعالیٰ تو صاف فرماتا ہے۔ فَلَا یُظْہِرُ عَلٰی غَیْبِہٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ (الجن : ۲۷، ۲۸)

ایک الہام

فرمایا:۔ کل ذرا سی مجھے غنودگی ہوئی تو الہام ہوا جس کا اتنا حصہ یاد رہا کہ "اِنِّیْ مُبَارَکٌ" اس کے معنے بہت ہیں۔ جیسے اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ (الکوثر : ۴) ہے۔ ویسے ہی یہ ہے [1]

---

۲۵ ستمبر ۱۹۰۷ء

(بوقت ظہر)

جماعت کے مبلغین کیلئے ضروری صفات

حضرت اقدس نے فرمایا:۔ ایک تجویز کی تھی۔ اگر راست آجاوے تو بڑی مراد ہے۔ یونہی عمر گذرتی جاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں ایک کا بھی نام نہیں لے سکتے جس نے اپنے لیے کچھ حصہ دین کا اور کچھ حصہ دُنیا کا رکھا ہو اور ایک صحابی بھی ایسا نہیں تھا جس نے کچھ دین کی تصدیق کر لی ہو اور کچھ دُنیا کی بلکہ وہ سب کے سب منقطعین تھے اور سب کے سب اللہ کی راہ میں جان دینے کو تیار تھے۔ اگر چند آدمی ہماری جماعت میں سے بھی تیار ہوں جو مسائل سے واقف ہوں اور اُن کے اخلاق اچھے ہوں اور وہ قانع بھی ہوں تو ان کو باہر تبلیغ کے لیے بھیجا جاوے۔ بہت علم کی حاجت نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ سب اُمّی ہی تھے۔ حضرت عیسٰیؑ کے حواری بھی اُمّی تھے۔ تقویٰ اور طہارت چاہیئے۔ سچائی کی راہ ایک ایسی راہ ہے جو اللہ تعالیٰ خود ہی عجیب عجیب باتیں سمجھا دیتا ہے۔

بچوں کو تعلیم کیلئے مرکز میں بھجوانے کا فائدہ

لوگ جو اپنے لڑکوں کو تعلیم دینے کے لیے یہاں کے سکول میں بھیجتے ہیں اگرچہ وہ اچھا کرتے ہیں

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۵ صفحہ ۳ مورخہ ۳۰ ستمبر ۱۹۰۷ء

اور یہ اچھا کام ہے مگر وہ محض للہ نہیں بھیجتے۔ کیونکہ اُن کا خیال ہوتا ہے کہ جو سرکاری تعلیم اور جماعت بندی اور دوسرے قواعد دیگر سکولوں میں ہیں وہی یہاں بھی ہیں اور یہاں بھیجتے وقت دنیاوی تعلیم کا بھی خصوصیت سے خیال رکھ لیتے ہیں اور جانتے ہیں کہ جو تعلیم دوسرے سکولوں میں ہے وہی یہاں ہے مگر تاہم بھی نیک نیتی کی بناء پر یہ سب عمدہ باتیں ہیں اور اس سے کچھ عمدہ نتیجہ ہی نکلنے کی توقع ہے۔ اور یہاں کے سکول میں تعلیم پانے سے اتنا فائدہ تو ضرور ہے کہ دن رات نیکوکاروں اور صادقوں کی صحبت میں رہنا پڑتا ہے۔ عمدہ عمدہ کتابوں اور ہماری تصانیف کے پڑھنے کا موقعہ بھی ملتا رہتا ہے اور مولوی (نورالدین) صاحب کی عمدہ عمدہ باتوں اور نصیحتوں اور درس کے سُننے سے بہت فائدہ ہوتا ہے اور جب بچپن سے ہی ان طالب علموں کے کانوں میں صالح اور راستباز استادوں کی آواز پڑتی ہے تو اس سے وہ متاثر ہوتے ہیں اور آہستہ آہستہ دینداری کی طرف ترقی کرتے رہتے ہیں۔ غرض یہ سچی بات ہے کہ اس مدرسہ کی بناء فائدہ سے خالی نہیں۔ اگر تین یا چار سولڑکا تعلیم پاتا ہو تو اتنی امید ہے کہ تیس یا چالیس ہماری منشا کے مطابق بھی نکل آویں گے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا نمونہ اختیار کرو

گر جو بات ہم چاہتے ہیں وہ اس سے پوری نہیں ہوسکتی کیونکہ خواہ کچھ ہی ہو یہ باتیں ملونی سے خالی نہیں۔ ہمارا مطلب اس بات کے بیان کرنے کا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ جس نمونہ پر اس جماعت کو قائم کرنا چاہتا ہے وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا نمونہ ہے۔ ہم تو منہاجِ نبوت کے طریقہ پر ترقیات دیکھنی چاہتے ہیں۔ موجودہ کارروائی کو خالص کارروائی نہیں کہہ سکتے۔ ہزار ہا مرتبہ رائے زنی کی جائے اصل میں جیسا کہ میں نے کل کہا تھا ابھی تو پانی کے ساتھ پیشاب کی ملونی ہے۔

غرض اس طرح کی تعلیم ہماری ترقیات کے لیے کافی نہیں۔ ہمارے سلسلہ کو تو صرف اخلاص، صدق اور تقویٰ جلد ترقی دے سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ ایک لاکھ سے متجاوز تھے۔ میرا ایمان ہے کہ ان میں سے کسی کا بھی ملونی والا ایمان نہ تھا۔ ایک بھی ان میں سے ایسا نہ تھا جو کچھ دین کے لیے ہو اور کچھ دنیا کے لیے بلکہ وہ سب کے سب خدا تعالیٰ کی راہ میں جان دینے کے لیے تیار تھے جیسے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔

فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ قَضٰى نَحۡبَهٗ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّنۡتَظِرُ (الاحزاب:۲۴)

منافق کون ہوتا ہے

جو لوگ ملونی والے ہوتے ہیں ان کو خدا تعالیٰ نے منافق کہا ہے بیعت کرنے والوں کو خوش نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ منافق وہ لوگ ہیں جنہوں نے کچھ ملونی کی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو منافق تھے اگر وہ اس زمانہ میں ہوتے تو بڑے بزرگ اور مومن سمجھے

جاتے ۔کیونکہ شر جب بہت بڑھ جاتا ہے تو اس وقت تھوڑی سی نیکی کی بھی بڑی قدر ہوتی ہے ۔ وہ لوگ جن کو منافق کہا گیا ہے ۔ اصل میں وہ بڑے بڑے صحابہؓ کے مقابل پر منافق تھے ۔ یاد رکھو جس شخص نے خدا تعالیٰ کے ساتھ کچھ حصہ شیطان کا ڈالا وہی منافق ہے ۔

فرمایا:۔

قرآنِ شریف میں ہماری جماعت کی نسبت لکھا ہے :۔

وَّ اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ (الجمعة:۴)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ میں سے ایک اور گروہ بھی ہے مگر ابھی وہ ان سے ملے نہیں ۔ان کے اخلاق ۔عادات ۔ صدق اور اخلاص صحابہؓ کی طرح ہوگا ۔

جماعت کے مبلغین کی صفات

میرا دل گوارا نہیں کرتا کہ اب دیر کی جاوے ۔ چاہیئے کہ ایسے آدمی منتخب ہوں جو تلخ زندگی کو گوارا کرنے کے لیے تیار ہوں اور اُن کو باہر متفرق جگہوں میں بھیجا جاوے ۔ بشرطیکہ ان کی اخلاقی حالت اچھی ہو ۔تقویٰ اور طہارت میں نمونہ بننے کے لائق ہوں ۔مستقل ، راست قدم اور بُردبار ہوں اور ساتھ ہی قانع بھی ہوں اور ہماری باتوں کو فصاحت سے بیان کر سکتے ہوں ۔ مسائل سے واقف اور متقی ہوں کیونکہ متقی میں ایک قوتِ جذب ہوتی ہے ۔ وہ آپ جاذب ہوتا ہے ۔ وہ اکیلا رہتا ہی نہیں ۔

جس نے اس سلسلہ کو قائم کیا ہے ۔اس نے پہلے ازل سے ہی ایسے آدمی رکھے ہیں جو بکلی صحابہؓ کے رنگ میں رنگین اور انہیں کے نمونہ پر چلنے والے ہوں گے اور خدا تعالیٰ کی راہ میں ہر طرح کے مصائب کو برداشت کرنے والے ہوں گے اور جو اس راہ میں مر جائیں گے وہ شہادت کا درجہ پائیں گے ۔

دین کی حقیقت

اللہ تعالیٰ نرے اقوال کو پسند نہیں کرتا ۔ اسلام کا لفظ ہی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جیسے ایک بکرا ذبح کیا جاتا ہے ویسے ہی انسان خدا تعالیٰ کی راہ میں جان دینے کے لیے تیار رہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک قوم آئی اور کہنے لگی کہ ہمیں فرصت کم ہے ہماری نمازیں معاف کی جائیں ۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ دین ہی نہیں جس میں نمازیں نہیں ۔جب تک عملی طور پر ثابت نہ ہو کہ خدا تعالیٰ کے لیے تکلیف گوارا کر سکتے ہو تب تک نِرے اقوال سے کچھ نہیں بنتا ۔ نصاریٰ نے بھی جب عملی حالت سے لاپرواہی کی تو پھر ان کی دیکھو کیسی حالت ہوئی کہ کفّارہ جیسا مسئلہ بنا لیا گیا ۔

صدقِ دل سے ایک ہی قدم میں ولی بن سکتے ہو

اگر آدمی صدقِ دل سے محض خدا تعالیٰ کے لیے قدم اُٹھائے تو میرا

ایمان ہے کہ پھر بہت برکت ہو گی۔

مَیں تو جانتا ہوں کہ وہ اولیاء اللہ میں داخل ہو جائے گا۔ یاد رکھو ایک قدم سے ہی انسان ولی بن جاتا ہے جب غیر اللہ کی شراکت نکال لی بس عباد الرحمٰن میں داخل ہو گیا۔ جب اس کے دل میں محض خدا ہی خدا ہے اور کچھ نہیں تو پھر ایسے کو ہی ہم ولی کہتے ہیں دیکھو۔ صادق کے واسطے یہ کوئی مشکل کام نہیں۔ اس میں ایک کشش ہوتی ہے وہ خالی جاتا ہی نہیں۔

دُنیا کی زندگی کا آرام ہو۔ ہر طرح سے آسودگی اور عیش و عشرت کے سامان ہوں۔ یہ ایمانی اُصول کے مخالف پڑا ہوا ہے۔ ایمانی اصول تو چاہتا ہے کہ ایسے لوگوں کا نہ دن نہ رات کوئی وقت آرام سے گذرتا ہی نہیں۔ ایک مرحلہ مصائب کا اگر طے کرتے ہیں تو دوسرا مرحلہ درپیش ہوتا ہے۔ کاش اگر صحابہؓ کی طرح بعد میں آتے تو ایک بھی کافر نہ رہتا مگر وہ دل نہ ہوئے جو اُن کے تھے۔ وہ اخلاص اور صدق نہ ہوا جو ان کا تھا وہ تقویٰ اور استقلال نہ رہا جو اُن کا تھا۔

تبلیغ کا صحیح طریق

ہماری جماعت کے لوگ گو مالی امداد میں تو کچھ فرق نہیں کرتے مگر اللہ تعالیٰ تو ہر امر میں آزمانا چاہتا ہے۔ اب تلوار کی بجائے گالیاں کھا کر صبر کرنا چاہیئے کہ بڑی نرمی اور خوش خلقی سے لوگوں پر اپنے خیالات ظاہر کئے جاویں۔ بہ نسبت شہروں کے دیہات کے لوگوں میں سادگی بہت ہے اور ہمارے دعویٰ سے بہت کم واقفیت رکھتے ہیں۔ اگر ان کو نرمی سے سمجھایا جاوے تو اُمید ہے کہ سمجھ لیں گے۔ جلسوں کی بھی ضرورت نہیں اور نہ ہی بازاروں میں کھڑے ہو کر لیکچر دینے کی ضرورت ہے کیونکہ اس طرح سے فتنہ پیدا ہوتا ہے۔ چاہیئے کہ ایک ایک فرد سے علیحدہ علیحدہ مل کر اپنے قصّے بیان کئے جاویں۔

جلسوں میں تو ہار جیت کا خیال ہو جاتا ہے۔ چاہیئے کہ دوستانہ طور پر شریفوں سے ملاقات کرتے رہیں اور رفتہ رفتہ موقعہ پا کر اپنا قصّہ سُنا دیا۔ بحث کا طریق اچھا نہیں بلکہ ایک ایک فرد سے اپنا حال بیان کیا اور بڑی آہستگی اور نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی۔ پھر تم دیکھو گے کہ بہت سے آدمی ایسے بھی نکلیں گے جو کہیں گے کہ ہم پر تو ان مولویوں نے اصلیت ظاہر ہی نہیں ہونے دی۔ چاہیئے کہ جس شخص میں علم اور رُشد کا مادہ دیکھا اسی کو اپنا قصّہ بتا دیا اور فرداً فرداً واقفیت بڑھاتے رہے۔ یہ نہیں کہ سب کے سب ظالم طبع اور شریر ہوتے ہیں بلکہ شریف اور مخلص بھی انہیں میں چھپے ہوئے ہوتے ہیں۔

لاہور کے ایک شخص نے رات کے پہلے حصہ میں کشف میں دیکھا کہ زنا، فسق و فجور، بدکاری اور بے حیائی کا بازار بڑا گرم ہے۔ تب وہ جاگا اور خیال کیا کہ اگر ایسا ہی حال ہے تو یہ شہر تباہ کیوں نہیں ہوتا۔ مگر جب وہ تہجد کی نماز پڑھ کر پچھلی رات کو پھر سویا تو کیا دیکھتا ہے کہ صدہا آدمی ہیں جو دعاؤں میں مشغول ہیں اور خدا تعالیٰ کی یاد میں

مصروف ہیں۔ کوئی صدقہ وخیرات کر رہے ہیں۔ کوئی بیکسوں اور یتیموں کی مدد کر رہے ہیں۔ غرض توبہ اور استغفار کا بازار گرم ہے۔ تب اس نے سمجھا کہ انہیں کی خاطر یہ شہر بچا ہوا ہے۔ یہ سنت اللہ ہے کہ ابرار اخیار کے واسطے بڑے بڑے بدکار اور بدمعاش آدمی بھی بچائے جاتے ہیں۔

یاد رکھو کہ کچھ نہ کچھ نیک لوگ بھی ضرور مخفی ہوتے ہیں۔ اگر سب ہی بُرے ہوں تو پھر دُنیا ہی تباہ ہو جاوے۔[1]

---

۲۸ ستمبر ۱۹۰۷ء

(بوقتِ عصر)

طاعون سے بچنے کیلئے حفظِ ما تقدم

کسی نے ٹیکہ لگوانے کی بابت دریافت کیا۔ فرمایا:-

حدیث شریف میں آیا ہے کہ کوئی بیماری نہیں جس کی دوا نہ ہو۔ ٹیکہ بھی ایک دوا ہے۔ مسلمانوں کو اگر وہ مسلمان بن جاویں تو خدا تعالیٰ ہی ان کا ٹیکہ ہے۔ چاہیئے کہ جس جگہ بیماری زور پکڑ جاوے وہاں نہ جاویں اور جس جگہ ابھی ابتدائی حالت ہو تو وہاں سے باہر کُھلی ہوا میں چلے جائیں۔ مکان، بدن اور کپڑے کی صفائی کا بہت خیال رکھیں کوشش تو اس کے روکنے کی بہت ہو رہی ہے مگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں بار بار فرمایا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ۔ (الرعد: ۱۲)

یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ اس حالت کو نہیں بدلائے گا جب تک دلوں کی حالت میں یہ لوگ خود تبدیلی نہ کریں مجوزوں نے سب زور اسباب کے مہیا کرنے میں لگا دیا ہے۔ اگر یہ بیماری دُور بھی ہو جاوے تو ممکن ہے کوئی اور بَلا آ جاوے۔ توکّل کی جو بات خدا تعالیٰ نے ہمیں سکھائی ہے وہ تو ان کے وہم میں بھی نہیں آتی ہو گی۔ اگر اسباب اور دوسری باتوں پر اتنا بھروسہ کیا گیا تو شاید کوئی اَور وبا آ جاوے۔

ہماری جماعت کے لیے بہت بہتر ہے کہ جس جگہ کوئی چوہا مرے تو وہاں سے نکل جاوے۔ اور دُور اندیشی تو یہ ہے کہ پہلے ہی سے جگہ تجویز کر لی جاوے اور عام میل جول نہ رکھے۔ صرف اپنے زیادہ قریبیوں اور دوستوں سے ملاقات رکھنی چاہیئے۔ ایسے دنوں میں کثرت سے پرہیز کرنی چاہیئے اور گندی اور زہریلی ہوا سے علیحدہ رہنا چاہیئے۔ خدا تعالیٰ بھی فرماتا ہے وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (المدثر: ۶) اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک ایسی جگہ

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۵ صفحہ ۷-۸ مورخہ ۳۰ ستمبر ۱۹۰۷ء

پڑھنے سے منع کیا تھا جہاں پہلے ایک دفعہ عذاب آچکا تھا۔

قہرِ الٰہی ابھی بھڑکنے والا ہے

فرمایا:۔
طاعون کیسا قہرِ الٰہی ہے کہ ہر سال سر پر آجاتی ہے اور پھر ایسی آتی ہے کہ لوگ دیوانہ کی طرح ہو جاتے ہیں اور مَیں نے یہ بھی سُنا ہے کہ بعض آدمی قبریں پہلے ہی سے کھود رکھتے ہیں بڑے ہی خوفناک دن ہوتے ہیں اور خدا تعالیٰ نے یہ جو دوبارہ فرمایا ہے کہ گذشتہ طاعون کی نسبت آئندہ شدت سے طاعون کا حملہ ہونے والا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی نہایت ہی خطرناک دن آنے والے ہیں اور آگے کی نسبت سخت زور سے طاعون پھیلنے والی ہے۔

فرمایا:۔
بالفرض اگر کسی انسان کا گھر محفوظ بھی رہے۔ مگر پیچھے کھیے، دائیں بائیں پیک چھاڑ اور شور و غوغا ہو تو وہ بھی ایک مصیبت ہے۔

فرمایا:۔
خدا تعالیٰ کے الہام کے مطابق سخت اندیشہ ہے کہ اب کے سال ہی یا دوسرے ایسی سخت طاعون پڑے کہ پہلے نہ پڑی ہو۔ اس لیے یہ دن نہایت خوف کے دن ہیں۔
طاعون کی نسبت خدا تعالیٰ نے فرمایا ہوا ہے کہ میں روزہ بھی رکھوں گا اور افطاری بھی کروں گا۔

کلامِ الٰہی میں استعارات

اس پر ایک شخص نے عرض کی کہ بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ خدا بھی اب روزے رکھنے لگ گیا ہے۔

فرمایا:۔
ساری کتابوں میں اس قسم کے فقرات پائے جاتے ہیں۔ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا (البقرة: ۲۰۱) اور يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ (الفتح: ۱۱) ایسے فقرات قرآنِ مجید میں لکھے ہیں۔ حدیث شریف میں لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ تردّد کرتا ہے۔ توریت میں لکھا ہے خدا طوفان لاکے پھر پچھتایا۔ یہ تو استعارات ہوتے ہیں۔ ان پر اعتراض کرنے کے معنے ہی کیا۔ بلکہ ان سے تو سمجھا جاتا ہے کہ یہ خدا کا کلام ہے اس بات کو سوچنا چاہیئے کہ بناوٹ والے انسان کو کیا مشکل بنی ہے جو وہ جان بوجھ کر ایسی باتیں کرے جن پر خواہ نخواہ اعتراض ہوں۔

دیکھو۔ قرآن شریف میں صاف لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ کو قرض حسنہ دو۔ اس وقت بھی بعض نادان لوگ کہنے لگ گئے تھے کہ اب خدا مفلس اور محتاج ہو گیا ہے۔ خوب یاد رکھو کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ایسے الفاظ استعمال نہ کرتا۔ اصلیت دیکھنی چاہیئے۔ قرض کا مفہوم تو صرف اس قدر ہے کہ وہ شَئے جس کے واپس دینے کا وعدہ ہو۔ ضروری نہیں کہ لینے والا مفلس بھی ہو۔ ایسی باتیں ہر کتاب میں پائی جاتی ہیں۔ حدیث شریف میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کو لوگوں کو کہے گا کہ مَیں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا نہ کھلایا۔ مَیں بیمار تھا تم نے بیمار پُرسی نہ کی۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ تو سب استعارات ہوتے ہیں۔[1]

طاعون کی جگہ کو چھوڑنا چاہیئے

حکیم محمد حسین صاحب قریشی کو مخاطب کر کے فرمایا کہ :۔

لاہور میں اکتوبر کے ماہ میں طاعون کا خوف معلوم ہوتا ہے۔ آپ ہمارے پہلے اصول کو یاد رکھیں کہ جب ارد گرد طاعون کا غلبہ ہو یا مکان میں چوہے مریں تو فوراً اس مکان کو چھوڑ دو اور شہر سے باہر کہیں کھُلی ہوا میں اپنے لیے جگہ بناؤ۔ باہر نکل کر بھی اس امر کی احتیاط کرنی چاہیئے کہ پھر ایک ہی جگہ بہت سے آدمی جمع ہو کر وہی صورت خراب ہوا کی پیدا نہ کر لیں جو شہر میں تھی۔ سنّتِ انبیاء یہی ہے کہ ایسی جگہ سے بھاگ جانا چاہیئے۔ خدا تعالیٰ کا مقابلہ کرنا اچھا نہیں۔

چوہوں کو ختم کرنے کا بہتر ذریعہ

ایک شخص کا ذکر ہوا کہ وہ اس گاؤں میں سرکار کی طرف سے پنجرے لے کر آیا ہے کہ چوہوں کو مارا جائے۔

فرمایا :۔

ہمارے گھر میں تو ایسے موقعہ پر بلیاں جمع ہو جاتی ہیں۔ پنجروں کی نسبت بلیوں کی خدمات ایسے موقعہ پر بہتر معلوم ہوتی ہیں کیونکہ بلی کے خوف سے چوہے بھاگ جاتے ہیں۔

طاعون ایک خوفناک بیماری

فرمایا :۔

طاعون ایک بے نظیر وبا ہے۔ اس کے اثر سے نہ صرف انسان مرتے ہیں بلکہ جانوروں پر بھی پڑتی ہے۔ سرگودھا کے علاقہ میں سُنا گیا ہے کہ جنگل میں گلہریاں، بھیڑیئے اور

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۶ صفحہ ۸ مورخہ ۱۰؍ اکتوبر ۱۹۰۷ء

گیدڑ بھی اس بیماری سے مرتے ہوئے دکھائی دیئے ہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کا غضب سخت ہے کہ کوئی ایسی بیماری نہیں جو جانوروں اور آدمیوں اور چرندوں اور پرندوں سب پر اس طرح مساوی پڑے اور سب کو تباہ کر دیوے۔[1]

۲۹ر ستمبر ۱۹۰۷ء

(بوقتِ ظہر)

اس زمانہ میں ایک رسول کے آنے کی پیشگوئی

طاعون کے ذکر پر فرمایا کہ :۔
اس عذاب کی اللہ کریم نے پہلے ہی سے قرآن مجید میں خبر دے رکھی ہے۔ جیسے فرمایا :۔

وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا (بنی اسرائیل : ۵۹)

اور پھر ساتھ ہی قرآنِ مجید میں یہ لکھا ہے وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (بنی اسرائیل : ۱۶)

اگر ان دونو آیتوں کو ملا کر پڑھا جاوے تو صاف ایک رسول کی نسبت پیشگوئی معلوم ہوتی ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ رسول کا آنا اس زمانہ میں ضروری ہے۔ یہ کہنا کہ فلاں فلاں رسول کے زمانہ میں یہ یہ عذاب آئے ان لوگوں کے خیال کے بموجب تو جب کُل دنیا میں عذاب شروع ہو گیا اس وقت کوئی رُسول نہ آیا تو اس بات کا کیا اعتبار رہا کہ پہلے زمانہ میں جو عذاب آئے تھے اُن رسولوں کے انکار سے ہی آئے تھے۔ کیسی صاف بات تھی کہ آخری زمانہ میں سخت عذاب آئیں گے اور ساتھ ہی یہ لکھا تھا کہ جب تک رُسول مبعوث نہ کریں عذاب نہیں بھیجتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر صاف پیشگوئی اور کیا ہو سکتی ہے؟[2] زمانہ کی موجودہ حالت بھی اس بات کو ظاہر کر رہی ہے کہ کوئی رُسول آوے۔ سب دُنیا اسباب پر ہی گر گئی ہے۔ اصل مسبب الاسباب کو بالکل بُھلا دیا ہے۔

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۴۰ صفحہ ۶ مورخہ ۳ / اکتوبر ۱۹۰۷ء

[2] بدر سے :۔ " قرآنِ شریف سے تو ثابت ہے کہ کسی ایک گاؤں پر بھی عذاب نہیں آتا جب تک کہ اس سے پہلے خدا تعالیٰ کا کوئی رُسول نہ آئے۔ تعجب ہے کہ ایسا عالمگیر عذاب زمین پر پڑ رہا ہے اور ہنوز ان لوگوں کے نزدیک خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی نذیر نہیں آیا اور نہ ان لوگوں کے نزدیک کسی نذیر کی ضرورت ہے۔"
(بدر جلد ۶ نمبر ۴۰ صفحہ ۶ مورخہ ۳ / اکتوبر ۱۹۰۷ء)

سچّی خوابیں

اور پھر دوسری تباہی یہ آرہی ہے کہ جس شخص کو کوئی سچّی خواب یا رؤیا یا الہام ہوتا ہے وہی اپنے آپ کو مامور من اللہ اور رسُول سمجھنے لگ جاتا ہے۔[۱] اور کوئی پچاس آدمی کے قریب ہوں گے جو اسی طرح ہلاک ہو رہے ہیں اور خلقِ خدا کو راہِ راست سے پھیر رہے ہیں اور اس زمانہ میں ایسی باتوں کا وہ چرچا پھیل گیا ہے کہ پہلے زمانوں میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ ایک ہندو میرے پاس آیا اور بیان کیا کہ فلاں آدمی کی تبدیلی کی نسبت میں نے خواب دیکھی تھی پھر ویسے ہی ظہور میں آگئی تھی اور طاعون کی نسبت بھی پہلے ہی سے خواب دیکھی ہوئی تھی۔ مَیں نے اس کو جواب دیا کہ انہی باتوں نے ہی تجھے ہلاک کرنا ہے۔

ایسے ہی ایک چوہڑی اپنی خوابیں بیان کیا کرتی تھی جو اکثر سچّی ہوا کرتی تھیں۔ ایسے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ابوجہل کو بھی خوابیں آیا کرتی تھیں اور اکثر سچّی نکل آتی تھیں۔[۲] ہر ایک اس فرق کو معلوم نہیں کر سکتا۔ ایسی خوابوں وغیرہ پر اپنے آپ کو پاک صاف نہیں سمجھ لینا چاہیئے۔ بلکہ اپنی عملی حالت کو پاک کرنا چاہیئے جیسے فرمایا اللہ تعالیٰ نے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی (الاعلیٰ : ۱۵) اپنی حالت کا بہت مطالعہ کرنا چاہیئے اور ایسی باتوں کی خواہش بھی نہیں کرنی چاہیئے۔ اگر تخم ریزی سے ہی انسان سمجھ لے کہ میں رسول ہوں تو ٹھوکر کھائیگا۔[۳]

---

[۱] بدر سے :۔ "سمجھ لیتا ہے کہ مَیں ولی ہوگیا ہوں۔ رسول ہوگیا ہوں۔ خدا کا برگزیدہ بن گیا ہوں۔ اس کا پیارا ہوگیا ہوں۔ اور نہیں سوچتا کہ اس کے نفس کا کیا حال ہے اور خدا تعالیٰ کے ساتھ محبت اور وفا اور صدق اور اخلاص کا تعلق اس کو کہاں تک حاصل ہے اور کہ اس کا دل کہاں تک بدیوں سے پاک ہو کر نیکیاں حاصل کر چکا ہے۔ صرف خوابوں کا آنا اور ان کا سچا ہو جانا کوئی شئے نہیں۔ کیونکہ یہ بات تو تخم ریزی کے طور پر انسان میں رکھی گئی ہے اور خدا تعالےٰ کے کسی مامور رسول کے وقت اس کی کثرت ہو جاتی ہے جیسا کہ چشمۂ صافی سے پانی نکلتا ہے تو کچھ اور جگہوں پر پڑتا ہے۔ اس میں خواب دیکھنے والے کی کوئی خوبی اور نیکی کی نشانی نہیں۔ (بدر جلد ۶ نمبر ۴۰ صفحہ ۶ مورخہ ۳ اکتوبر ۱۹۰۷ء)

[۲] بدر سے :۔
"غرض یہ کوئی قابلِ فخر امر نہیں اور افسوس ہے کہ لوگ اس سے ٹھوکر کھاتے ہیں اور سخت نقصان اُٹھاتے ہیں۔ ان لوگوں کے واسطے بہتر تھا کہ ان کو کوئی خواب نہ آتا اور یہ دھوکے میں پڑ کر تکبر نہ کرتے۔ وہ نہیں سمجھتے کہ ان خوابوں کی بناء پر اپنے آپ کو کچھ سمجھنے لگنا ان کے واسطے موجب ہلاکت ہے۔" (بدر حوالہ مذکور)

[۳] بدر سے :۔ "جو شخص اپنی خوابوں کی طرف جاتا ہے وہ ٹھوکر کھا کر ہلاک ہو جائے گا۔ اس جگہ بہت عقلمندی درکار ہے۔ مجھے الٰہی بخش کی نسبت بھی ہمیشہ یہ کھٹکا تھا اور آخر وہی نتیجہ نکلا۔"

(بدر حوالہ مذکور)

یہاں تو معاملہ ہی اور ہے اور اس کے شرائط اور آثار بھی الگ ہیں۔اس جگہ بڑی عقلمندی درکار ہے۔ بدر کی لڑائی سے پہلے ایک عورت نے خواب میں دیکھا کہ بکرے ذبح ہو رہے ہیں تو ابوجہل سُن کر کہنے لگا کہ ایک اور نبیہ ہمارے گھر میں پیدا ہو گئی ہے۔

چاہیئے کہ انسان اپنی حالت کو دیکھے اور اپنے اس تعلق کو دیکھے جو وہ خدا تعالیٰ سے رکھتا ہے اور اپنے نفس کا مطالعہ کرے کہ کہاں تک عملی حالت درست ہوئی ہے۔ یہ نہیں کہ مجھے سچی خواب آ گئی ہے۔ یہ تو دنیا میں ہوتا ہی رہتا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ فرعون کو بھی خواب آیا تھا اور حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی بادشاہ وقت کے خواب کی تعبیر کی تھی۔ بہتیرے لوگ ہماری جماعت میں ایسے پائے جاتے ہیں جو بڑے بڑے الہامات لکھ کر بھیج دیتے ہیں۔ اور اپنی بڑی بڑی خوابیں اور رؤیا بیان کرتے ہیں اور اُن کی حالت دیکھ کر مجھے اندیشہ ہی رہتا ہے کہ کہیں ٹھوکر نہ کھاویں۔ ان کی نسبت تو سادہ طبع لوگ ہی اچھے ہوتے ہیں۔ غرض ایسی تمنا ہی نہیں کرنی چاہیئے[1]

(قبل نماز عصر)

جماعت کے واعظین اور مبلغین کی صفات

فرمایا:۔

میں واعظین کے متعلق دیگر لوازمات کے سوچنے میں مصروف ہوں۔ بالفعل بارہ[12] آدمی منتخب کر کے روانہ کئے جائیں اور یہاں قریب کے اضلاع میں بھیجے جائیں۔ بعد میں رفتہ رفتہ دوسری جگہوں میں جا سکتے ہیں۔ ان کا اختیار ہو گا کہ مثلاً ایک دو ماہ باہر گذاریں اور پھر دس پندرہ روز کے واسطے قادیان آ جائیں۔

اس کام کے واسطے وہ آدمی موزوں ہوں گے جو کہ مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ (یوسف : ۹۱) کے مصداق ہوں۔ ان میں تقویٰ کی خوبی بھی ہو اور صبر بھی ہو۔ پاک دامن ہوں۔ فسق و فجور سے بچنے والے ہوں۔ معاصی سے دُور رہنے والے ہوں، لیکن ساتھ ہی مشکلات پر صبر کرنے والے ہوں۔ لوگوں کی دُشنام دہی پر جوش میں نہ آئیں۔ ہر طرح کی تکلیف اور دُکھ کو برداشت کر کے صبر کریں۔ کوئی مارے تو بھی مقابلہ نہ کریں جس سے فتنہ و فساد ہو جائے۔ دشمن جب گفتگو میں مقابلہ کرتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ اسے جوش دلانے والے کلمات بولے جن سے فریقِ مخالف صبر سے باہر ہو کر اس کے ساتھ آمادہ بجنگ ہو جائے۔

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۶ صفحہ ۸-۹ مورخہ ۱۰ر اکتوبر ۱۹۰۷ء

اخراجات کے معاملہ میں ان لوگوں کو صحابہؓ کا نمونہ اختیار کرنا چاہیئے کہ وہ فقر و فاقہ اُٹھاتے تھے اور جنگ کرتے تھے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ معمولی لباس کو اپنے لیے کافی جانتے تھے اور بڑے بڑے بادشاہوں کو جا کر تبلیغ کرتے تھے۔ یہ ایک بہت مشکل راہ ہے۔ قبل امتحان کسی کے متعلق ہم کوئی رائے نہیں لگا سکتے اور مَیں جانتا ہوں کہ اس امتحان میں بعض مدعی کچے نکلیں گے۔ اب تک جس قدر درخواستیں آئی ہیں مَیں اُن سب پر نیک ظن رکھتا ہوں کہ وہ عمدہ آدمی ہیں اور صابر اور شاکر ہیں، لیکن بعض ان میں سے بالکل نوجوان ہیں۔ نیز عرفاً اور شرعاً لازم ہے کہ ان کے واسطے ہم قُوت لایموت کا فکر کریں گو ہر جگہ جہاں وہ جائیں گے مَیں دیکھتا ہوں کہ ہماری جماعت میں وہ بات پائی جاتی ہے جو اخوتِ اسلامی کے واسطے ضروری ہے۔ ہماری جماعت کے لوگ ان کی خدمت کریں گے۔ مگر پہلے سے اُن کے واسطے اسی جگہ انتظام مناسب ہو جانا بہتر ہے۔

واعظ ایسے ہونے چاہئیں جن کی معلومات وسیع ہوں۔ حاضر جواب ہوں۔ صبر اور تحمل سے کام کرنیوالے ہوں۔ کسی کی گالی سے افروختہ نہ ہو جائیں۔ اپنے نفسانی جھگڑوں کو درمیان میں نہ ڈال بیٹھیں۔ خاکسارانہ اور مسکینانہ زندگی بسر کریں۔ سعید لوگوں کو تلاش کرتے پھریں جس طرح کہ کوئی کھوئی ہوئی شئے کو تلاش کرتا ہے۔

مفسدہ پرداز لوگوں سے الگ رہیں۔ جب کسی گاؤں میں جائیں وہاں دو چار دن ٹھہر جائیں۔ جس شخص میں فساد کی بدبُو پائیں اس سے پرہیز کریں۔ کچھ کتابیں اپنے پاس رکھیں جو لوگوں کو دکھائیں۔ جہاں مناسب جانیں وہاں تقسیم کر دیں۔ یہ عمدہ صفات سید سرور شاہ صاحب میں پائے جاتے ہیں اور کشمیر کے واسطے مولوی عبداللہ صاحب اس کام کے لیے موزوں معلوم ہوتے ہیں۔[1]

بلا تاریخ

بیوگان کا نکاح

ایک شخص کا سوال حضرت اقدس کی خدمت میں پیش ہوا کہ بیوہ عورتوں کا نکاح کن صورتوں میں فرض ہے۔ اس کے نکاح کے وقت عمر، اولاد، موجودہ اسباب، نان و نفقہ کا لحاظ رکھنا چاہیئے یا کہ نہیں؟ یعنی کیا بیوہ باوجود عمر زیادہ ہونے کے یا اولاد بہت ہونے کے یا کافی دولت پاس ہونے کے ہر حالت میں مجبور ہے کہ اس کا نکاح کیا جائے؟

فرمایا:۔

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۴۰ صفحہ ۶ مورخہ ۳ ر اکتوبر ۱۹۰۷ء

بیوہ کے نکاح کا حکم اسی طرح ہے جس طرح کہ باکرہ کے نکاح کا حکم ہے۔ چونکہ بعض قومیں بیوہ عورت کا نکاح خلافِ عزت خیال کرتے ہیں اور یہ بدرسم بہت پھیلی ہوئی ہے۔ اس واسطے بیوہ کے نکاح کے واسطے حکم ہوا ہے لیکن اس کے یہ معنے نہیں کہ ہر بیوہ کا نکاح کیا جائے۔ نکاح تو اسی کا ہوگا جو نکاح کے لائق ہے۔ اور جس کے واسطے نکاح ضروری ہے۔ بعض عورتیں بوڑھی ہو کر بیوہ ہوتی ہیں۔ بعض کے متعلق دوسرے حالات ایسے ہوتے ہیں کہ وہ نکاح کے لائق نہیں ہوتیں۔ مثلاً کسی کو ایسا مرض لاحق ہے کہ وہ قابلِ نکاح ہی نہیں یا ایک کافی اولاد اور تعلقات کی وجہ سے ایسی حالت میں ہے کہ اس کا دل پسند ہی نہیں کر سکتا کہ وہ اب دوسرا خاوند کرے۔ ایسی صورتوں میں مجبوری نہیں کہ عورت کو خواہ مخواہ جکڑ کر خاوند کرایا جائے۔ ہاں اس بدرسم کو مٹا دینا چاہیئے کہ بیوہ عورت کو ساری عمر بغیر خاوند کے جبراً رکھا جاتا ہے[1]

بلا تاریخ

متبنّیٰ بنانا حرام ہے

کسی کا ذکر تھا کہ اس کی اولاد نہ تھی اور اس نے ایک اور شخص کے بیٹے کو اپنا بیٹا بنا کر اپنی جائیداد کا وارث کر دیا تھا۔

فرمایا:۔

یہ فعل شرعاً حرام ہے

شریعتِ اسلام کے مطابق دوسرے کے بیٹے کو اپنا بیٹا بنانا قطعاً حرام ہے۔

بیمار اور مسافر روزہ نہ رکھیں

بیمار اور مسافر کے روزہ رکھنے کا ذکر تھا۔ حضرت مولوی نورالدین صاحب نے فرمایا کہ شیخ ابن عربی کا قول ہے کہ اگر کوئی بیمار یا مسافر روزہ کے دنوں میں روزہ رکھ لے تو پھر بھی اسے صحت پانے پر ماہِ رمضان کے گذرنے کے بعد روزہ رکھنا فرض ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے۔ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ (البقرۃ: ۱۸۵) جو تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں ہو وہ ماہِ رمضان کے بعد کے دنوں میں روزے رکھے۔ اس میں خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ جو مریض یا مسافر اپنی ضد سے یا اپنے دل کی خواہش کو پورا کرنے کے لیے انہی ایام میں روزے رکھے تو پھر بعد

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۴۱ صفحہ ۱۱ مورخہ ۱۰ راکتوبر ۱۹۰۷ء

یں رکھنے کی اس کو ضرورت نہیں۔ خدا تعالیٰ کا صریح حکم یہ ہے کہ وہ بعد میں روزے رکھے۔ بعد کے روزے اس پر بہرحال فرض ہیں۔ درمیان کے روزے اگر وہ رکھے تو یہ امر زائد ہے اور اس کے دل کی خواہش ہے۔ اس سے خدا تعالیٰ کا وہ حکم جو بعد میں رکھنے کے متعلق ہے ٹل نہیں سکتا۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ :۔

جو شخص مریض اور مسافر ہونے کی حالت میں ماہ رمضان میں روزہ رکھتا ہے وہ خدا تعالیٰ کے صریح حکم کی نافرمانی کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے صاف فرمادیا ہے کہ مریض اور مسافر روزہ نہ رکھے۔ مرض سے صحت پانے اور سفر کے ختم ہونے کے بعد روزے رکھے۔ خدا تعالیٰ کے اس حکم پر عمل کرنا چاہیئے۔ کیونکہ نجات فضل سے ہے نہ کہ اپنے اعمال کا زور دکھا کر کوئی نجات حاصل کر سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ مرض تھوڑی ہو یا بہت اور سفر چھوٹا ہو یا لمبا ہو بلکہ حکم عام ہے اور اس پر عمل کرنا چاہیئے۔ مریض اور مسافر اگر روزہ رکھیں گے تو ان پر حکم عدولی کا فتویٰ لازم آئے گا۔

مسافر اور مریض فدیہ دے سکتے ہیں

فرمایا :۔ اللہ تعالیٰ نے شریعت کی بناء آسانی پر رکھی ہے جو مسافر اور مریض صاحبِ مقدرت ہوں۔ ان کو چاہیئے کہ روزہ کی بجائے فدیہ دے دیں۔ فدیہ یہ ہے کہ ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے[1]

بلا تاریخ

المفتی

ایک غلطی کی اصلاح

کونسا مریض صرف فدیہ دے سکتا ہے

گذشتہ پرچہ اخبار نمبر ۴۲ مورخہ ۱۷؍اکتوبر ۱۹۰۷ء کے صفحہ ۷ کالم اول میں یہ لکھا گیا تھا کہ مریض اور مسافر ایامِ مرض اور ایامِ سفر میں روزہ نہ رکھیں بلکہ ان ایام کے عوض میں ماہ رمضان کے بعد دوسرے دنوں میں بصورتِ صحت اور قیام ان روزوں کو پورا کریں۔ اسی عبارت کے اخیر میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ "جو مریض

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۴۲ صفحہ ۷ زیر عنوان المفتی مورخہ ۱۷؍اکتوبر ۱۹۰۷ء

اور مسافر صاحبِ مقدرت ہوں ان کو چاہیئے کہ روزہ کی بجائے فدیہ دیں"۔ اس جگہ مریض اور مسافر سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو کبھی اُمید نہیں کہ پھر روزہ رکھنے کا موقعہ مل سکے۔ مثلاً ایک نہایت بوڑھا ضعیف انسان یا ایک کمزور حاملہ عورت جو دیکھتی ہے کہ بعد وضع حمل بہ سبب بچے کو دودھ پلانے کے وہ پھر معذور ہو جائے گی۔ اور سال بھر اسی طرح گذر جائے گا۔ ایسے اشخاص کے واسطے جائز ہو سکتا ہے کہ وہ روزہ نہ رکھیں کیونکہ وہ روزہ رکھ ہی نہیں سکتے اور فدیہ دیں۔ باقی اور کسی کے واسطے جائز نہیں کہ صرف فدیہ دے کر روزے رکھنے سے معذور سمجھا جاسکے۔ چونکہ اخبار بدر کی مذکورہ بالا عبارت صاف نہ تھی اس واسطے یہ مسئلہ دوبارہ حضرت اقدس کی خدمت میں پیش ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ:-

صرف فدیہ تو شیخ فانی یا اس جیسوں کے واسطے ہو سکتا ہے جو روزہ کی طاقت کبھی بھی نہیں رکھتے۔ ورنہ عوام کے واسطے جو صحت پاکر روزہ رکھنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ صرف فدیہ کا خیال کرنا اباحت کا دروازہ کھول دینا ہے جس دین میں مجاہدات نہ ہوں وہ دین ہمارے نزدیک کچھ نہیں۔ اس طرح سے خدا تعالیٰ کے بوجھوں کو سر پر سے ٹالنا سخت گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو لوگ تیری راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں ان کو ہی ہدایت دی جاوے گی۔

پانچ مجاہدات

فرمایا:- خدا تعالیٰ نے دین اسلام میں پانچ مجاہدات مقرر فرمائے ہیں۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ صدقات، حج، اسلامی دشمن کا ذب اور دفع خواہ سیفی ہو خواہ قلمی۔ یہ پانچ مجاہدے قرآن شریف سے ثابت ہیں مسلمانوں کو چاہیئے کہ ان میں کوشش کریں اور ان کی پابندی کریں۔ یہ روزے تو سال میں ایک ماہ کے ہیں بعض اہل اللہ تو نوافل کے طور پر اکثر روزے رکھتے رہتے ہیں اور ان میں مجاہدہ کرتے ہیں۔ ہاں دائمی روزے رکھنا منع ہیں۔ یعنی ایسا نہیں چاہیئے کہ آدمی ہمیشہ روزے ہی رکھتا رہے بلکہ ایسا کرنا چاہیئے کہ نفلی روزہ کبھی رکھے اور کبھی چھوڑ دے

صدقہ کی جنس خریدنا جائز ہے

ایک شخص نے حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ میں مُرغیاں رکھتا ہوں اور ان کا دسواں حصہ خدا تعالیٰ کے نام پر دیتا ہوں اور گھر سے روزانہ تھوڑا تھوڑا آٹا صدقہ کے واسطے الگ کیا جاتا ہے کیا یہ جائز ہے کہ وہ چوزے اور وہ آٹا خود ہی رکھ لوں اور اس کی قیمت مدِ متعلقہ میں بھیج دوں؟

فرمایا:-

ایسا کرنا جائز ہے

نوٹ:- لیکن اس میں یہ خیال کر لینا چاہیئے کہ اعمال نیت پر موقوف ہیں۔ اگر کوئی شخص ایسی اشیاء

کو اس واسطے خود ہی خرید کریگا کہ چونکہ خرید و فروخت ہر دو اس کے اپنے ہاتھ میں ہیں۔ جیسی تھوڑی قیمت سے چاہے خرید لے۔ تو یہ اس کے واسطے گناہ ہوگا۔[1]

بلا تاریخ

القول الطیّب

مومن کی فراست

بعض دوستوں نے حضرت اقدس کی خدمت میں ایک شخص کی سفارش کی کہ وہ اب اپنی اصلاح کر رہا ہے۔

فرمایا:۔

اِتَّقُوْا فِرَاسَۃَ الْمُؤْمِنِ۔ مومن کی فراست سے ڈرو۔ میری فراست اس کی حالت کو تم سے بہتر جانتی ہے۔

فرمایا:۔

ایک بزرگ کے پاس دو شیعہ آئے اور اپنے آپ کو سُنّی ظاہر کیا اور اس بزرگ سے سوال کیا کہ اِتَّقُوْا فِرَاسَۃَ الْمُؤْمِنِ کے کیا معنے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ اس کے یہ معنے ہیں کہ تم اپنے شیعہ پن سے توبہ کرو اور سچے دل سے سُنّی مسلمان بن جاؤ۔

مثالی صبر و شکر

فرمایا:۔

بعض نادان خیال کرتے ہیں کہ مبارک احمد کا مرنا ہمارے واسطے سخت رنج اور صدمہ کا سبب ہوا ہے۔ وہ نہیں جانتے کہ اس واقعہ پر خدا تعالیٰ نے کس قدر تشفی اور تسلی اور اپنی خوشنودی کا اظہار اپنی پاک وحی کے ذریعہ سے کیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے ہمارے صبر اور شکر اور والدہ مبارک احمد کے صبر پر جو خوشی کا اظہار کیا ہے اور فتح و نصرت کے وعدے دیئے ہیں اور فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ تیرے ہر قدم کے ساتھ ہوگا۔ یہ ایسی باتیں ہیں کہ والدہ مبارک احمد نے کہا کہ خدا تعالیٰ کا خوش ہو جانا مجھے ایسا پیارا ہے کہ اگر دو ہزار مبارک احمد مر جائے تو مجھے اس کا غم نہیں۔

حلم کی تعلیم

ایک دوست کو حضرت نے ایک مخالف کو کسی موقعہ پر سمجھانے کے واسطے تاکید کی۔ فرمایا:۔

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۴۳ صفحہ ۴ مورخہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۰۷ء

وہ مانے یا نہ مانے، آپ تبلیغ کا حق ادا کریں۔ کیونکہ جو شخص تبلیغ کرتا ہے اس کو بہرحال ثواب مل جاتا ہے اور تم یہ امید نہ رکھو کہ مخالف تمہارے ساتھ خوش خلقی یا تہذیب سے پیش آئے گا۔ کیونکہ وہ تو مخالف ہے۔ ہم کو بُرا جانتا ہے اس کے دل میں ہمارا ادب نہیں۔ جب تک کہ وہ دشمن ہے اس کے دل میں نہ ہمارا ادب ہو سکتا ہے نہ اعزاز اور نہ خیر اندیشی اور نہ وہ منصف مزاجی سے گفتگو کر سکتا ہے۔

ایک دفعہ ایک ایلچی حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ وہ بار بار آپ کی ریش مبارک کی طرف ہاتھ بڑھاتا تھا اور حضرت عمرؓ تلوار کے ساتھ اس کا ہاتھ ہٹاتے تھے آخر حضرت عمرؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روک دیا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یہ ایسی گستاخی کرتا ہے کہ میرا جی چاہتا ہے اس کو قتل کر دوں۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تمام گستاخی حلم کے ساتھ برداشت کی۔

سرشتِ زمین

فرمایا:۔

سیالکوٹ۔ گجرات۔ گوجرانوالہ اور جہلم کے اضلاع کی سرزمین اپنے اندر اسلامی سرشت کی خاصیت رکھتی ہے۔ ان اضلاع میں بہت لوگوں نے حق کی طرف رجوع کیا ہے۔ اور کثرت سے مرید ہوئے ہیں۔ ان کی تبلیغ کے خاص ذرائع پیدا کرنے چاہئیں۔[1]

بلا تاریخ

فاتحہ خلف امام

ایک شخص کا سوال پیش ہوا کہ فاتحہ خلف امام پڑھنا ضروری ہے؟

فرمایا:۔

"ضروری ہے"

رفعِ یدین

اسی شخص کا سوال پیش ہوا کہ کیا رفعِ یدین ضروری ہے؟ فرمایا کہ:۔

"ضروری نہیں جو کرے تو جائز ہے"

رمضان کا چاند

سیالکوٹ سے ایک دوست نے دریافت کیا ہے کہ یہاں چاند منگل کی شام کو نہیں دیکھا گیا بلکہ بُدھ کو دیکھا گیا ہے۔ اس واسطے پہلا روزہ جمعرات

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۴۲ صفحہ ۷ مورخہ ۱۷ / اکتوبر ۱۹۰۷ء

کو رکھا گیا تھا۔ اب ہم کو کیا کرنا چاہیئے؟
حضرت نے فرمایا کہ:۔
اس کے عوض میں ماہ رمضان کے بعد ایک اور روزہ رکھنا چاہیئے۔

جوازِ نکاح

سوال پیش ہوا کہ ایک احمدی لڑکی ہے جس کے والدین غیر احمدی ہیں۔ والدین اس کی ایک غیر احمدی کے ساتھ شادی کرنا چاہتے تھے اور لڑکی ایک احمدی کے ساتھ کرنا چاہتی تھی۔ والدین نے اصرار کیا۔ عمر اس کی اسی اختلاف میں بائیس سال تک پہنچ گئی۔ لڑکی نے تنگ آکر والدین کی اجازت کے بغیر ایک احمدی سے نکاح کر لیا۔ نکاح جائز ہوا یا نہیں؟
حضرت نے فرمایا کہ:۔

نکاح جائز ہوگیا

امام مقتدیوں کا خیال رکھے

سوال پیش ہوا کہ ایک پیش امام ماہِ رمضان میں مغرب کے وقت لمبی سورتیں شروع کر دیتا ہے۔ مقتدی تنگ آتے ہیں کیونکہ روزہ کھول کر کھانا کھانے کا وقت ہوتا ہے۔ دن بھر کی بھوک سے ضعف لاحق حال ہوتا ہے۔ بعض ضعیف ہوتے ہیں۔ اس طرح پیش امام اور مقتدیوں میں اختلاف ہوگیا ہے۔
حضرت نے فرمایا کہ:۔
پیش امام کی اس معاملہ میں غلطی ہے۔ اس کو چاہیئے کہ مقتدیوں کی حالت کا لحاظ رکھے اور نماز کو ایسی صورت میں بہت لمبا نہ کرے۔

ڈاڑھی بڑھانا اور مونچھیں کٹانا مستحسن ہے

ڈاڑھی اور مونچھ کے متعلق ذکر آیا کہ نئے نئے فیشن نکلتے ہیں۔ کوئی داڑھی منڈاتا ہے کوئی ہر دو ڈاڑھی اور مونچھ منڈاتا ہے۔
حضرت نے فرمایا:۔
مستحسن یہی بات ہے جو شریعتِ اسلام نے مقرر کی ہے کہ مونچھیں کٹائی جائیں اور ڈاڑھی

بڑھائی جاوے [1]

بلا تاریخ [2]

تزکیۂ اخلاق کی ضرورت

بڑے دردِ دل کے ساتھ سلسلۂ کلام شروع کیا کہ:۔
ہماری جماعت کا اعلیٰ فرض ہے کہ وہ اپنے اخلاق کا تزکیہ کریں اور حقوقِ عباد اور حقوق اللہ کے ادا کرنے کی دقیق سے دقیق رعایت کیا کریں۔ کوئی منصوبہ اور حیل ان کے کسی عضو پر نہ ہو۔ کوئی کُتا اور بلی بھی ان کے احسان سے محروم نہ رہے چہ جائیکہ بنی آدم۔ مَیں اُن لوگوں کو بہت بُرا جانتا ہوں جو دین کی آڑ میں کسی غیر قوم کی جانی ومالی ایذاء روا رکھتے ہیں۔

غرض خلاصہ ساری تقریر کا یہی ہے کہ اب وقت ہے کہ جماعت اپنی حالت میں بیّن تبدیلی دکھائے۔

نشانات کی قدر دانی کریں

فرمایا کہ:۔
مجھے پختہ وعدہ دیا گیا ہے کہ بہت سے عظیم الشان نشان تیرے ہاتھ سے ظاہر ہونگے مگر یہ علم مجھ کو نہیں دیا گیا کہ کون کون لوگ اس سے مستفید ہوں گے۔

فرمایا کہ:۔
نشانوں کی ناقدر دانی دو طرح سے وقوع میں آتی ہے۔ ایک کفر وانکار سے، اور ایک اس طرح سے کہ دو روز تک اس کے وقوع کے بعد واہ واہ کی جائے اور پھر اُسے قطعاً فراموش کر ڈالا جائے اور خدا تعالیٰ کی عظمت وجبروت اس کے وقوع کے بعد نئے سرے دل پر وارد نہ کی جائے۔ سو مَیں دیکھتا ہوں کہ ہماری جماعت کا بھی یہی حال ہے کہ نشانِ الٰہی کی چنداں پروا نہیں کرتے اور غفلت اور تساہل سے وقت گذارتے ہیں اور اکثر انہیں ایسے ہیں کہ سوز وگداز ان کے افعال میں نظر نہیں آتا۔

فرمایا:۔
اگر دینِ الٰہی کے اعلاء اور تعظیم اور حُرماتِ الٰہیہ کی ہتک کے انتقام کے لیے رُوح میں جوش اور قوت

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۴۴ صفحہ ۷ مورخہ ۳۱؍ اکتوبر ۱۹۰۷ء

[2] حضور کے ان ملفوظات پر کوئی تاریخ درج نہیں۔ ایڈیٹر صاحب بدر نے ۲۶؍ ستمبر ۱۹۰۷ء کے پرچہ میں صرف اتنا لکھا ہے کہ "رات اس قدر لمبی تقریر فرمائی کہ اگر کوئی لکھتا تو رسالہ مرتب ہو جاتا" اس سے پتہ چلتا ہے کہ ۲۶؍ ستمبر ۱۹۰۷ء کے قریب کی کسی تاریخ کے یہ ملفوظات ہیں۔ (مرتب)

اور عقدِ ہمت نہ ہو تو یہ نمازیں نری جنتر منتر ہیں۔ اب وقت ہے کہ گداز گداز ہو ہو جائیں اور رات دن دُعاؤں میں معروف رہیں۔ مَیں فکروں میں ہلاک ہو رہا ہوں۔ مگر دیکھتا ہوں کہ جماعت میں ہنوز یہ رُوح پیدا نہیں ہوئی۔ میں ان روکھی سوکھی نمازوں کا ہرگز قائل نہیں جو رسم و عادت کے پیرایہ سے پڑھی جاتی ہیں۔ خدا تعالیٰ اس وقت دیکھتا ہے کہ کن لوگوں نے گذشتہ نشانوں کی قدر دانی کی اور اپنے اعمال میں تبدیلی پیدا کی۔ وہ اُن ہی کو آئندہ بھی مستفید ہونے کی توفیق بخشے گا۔[۱]

۲؍اکتوبر ۱۹۰۷ء

(بوقتِ سیر)

جھوٹا مباہلہ کرنیوالا سچے کی زندگی میں ہلاک ہوتا ہے

ہماری جماعت کے ایک شخص نے کسی غیر احمدی کا سوال پیش کیا کہ آپ نے اپنی تصانیف میں لکھا ہے کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاتا ہے یہ دُرست نہیں کیونکہ مسیلمہ کذاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فوت ہوا تھا۔

حضرت اقدس نے فرمایا:۔

یہ کہاں لکھا ہے کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں مر جاتا ہے۔ ہم نے تو اپنی تصانیف میں ایسا نہیں لکھا۔ لاؤ پیش کرو وہ کونسی کتاب ہے جس میں ہم نے ایسا لکھا ہے۔ ہم نے تو یہ لکھا ہوا ہے کہ مباہلہ کرنے والوں میں سے جو جھوٹا ہو وہ سچے کی زندگی میں ہلاک ہو جاتا ہے۔ مسیلمہ کذاب نے تو مباہلہ کیا ہی نہیں تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنا فرمایا تھا کہ اگر تو میرے بعد زندہ بھی رہا تو ہلاک کیا جائے گا سو ویسا ہی ظہور میں آیا۔ مسیلمہ کذاب تھوڑے ہی عرصہ بعد قتل کیا گیا اور پیشگوئی پوری ہوئی۔

یہ بات کہ سچا جھوٹے[۲] کی زندگی میں مر جاتا ہے یہ بالکل غلط ہے۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سب اعداء ان کی زندگی میں ہی ہلاک ہو گئے تھے؛ بلکہ ہزاروں اعداء آپ کی وفات کے بعد زندہ رہے تھے۔ ہاں جھوٹا مباہلہ کرنے

---

[۱] بدر جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۸ مورخہ ۲۶؍ستمبر ۱۹۰۷ء

[۲] کاتب کی غلطی ہے۔ دراصل یہ فقرہ یوں ہونا چاہیئے۔ "یہ بات کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں مر جاتا ہے یہ بالکل غلط ہے" چنانچہ سیاق و سباق میں اس کی وضاحت موجود ہے۔ (مرتب)

والا سچے کی زندگی میں ہی ہلاک ہوا کرتا ہے۔ ایسے ہی ہمارے مخالف بھی ہمارے مرنے کے بعد زندہ رہیں گے اور مخالفوں کے وجود کا قیامت تک ہونا ضروری ہے جیسے وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ (آل عمران : ۵۶) سے ظاہر ہے۔

ہم تو ایسی باتیں سُن سُنکر حیران ہوتے ہیں۔ دیکھو ہماری باتوں کو کیسے اُلٹ پلٹ کر پیش کیا جاتا ہے اور تحریف کرنے میں وہ کمال حاصل کیا ہے کہ یہودیوں کے بھی کان کاٹ دیئے ہیں۔ کیا یہ کسی نبی، ولی، قطب، غوث کے زمانہ میں ہوا کہ اس کے سب اعداء مر گئے ہوں؟ بلکہ کافر منافق باقی رہ ہی گئے تھے۔ ہاں اتنی بات صحیح ہے کہ سچے کے ساتھ جو جھُوٹے مباہلہ کرتے ہیں تو وہ سچے کی زندگی میں ہی ہلاک ہوتے ہیں جیسے کہ ہمارے ساتھ مباہلہ کرنیوالوں کا حال ہو رہا ہے۔

جماعت کو خود سوچکر عام سوالوں کا جواب دینا چاہیئے

مجھے تو اپنی جماعت پر افسوس ہوتا ہے کہ کیا ان میں اتنی عقل بھی نہیں۔ کہ ایسے اعتراض کرنے والے سے پوچھیں کہ یہ ہم نے کہاں لکھا ہے کہ بغیر مباہلہ کرنے کے ہی جھُوٹے سچے کی زندگی میں تباہ اور ہلاک ہو جاتے ہیں۔ وہ جگہ تو نکالو جہاں یہ لکھا ہے ہماری جماعت کو چاہیئے کہ عقل میں فہم میں ہر طرح سے ترقی کریں اور ایسی باتوں کا خود سوچ کر جواب دیا کریں اور اپنی ایمانی روشنی سے ان باتوں کو حل کیا کریں۔ مگر دنیا داری کے دھندوں میں مت ماری جاتی ہے۔ اتنا نہیں کر سکتے کہ معترض سے ہماری کتاب کی وہ جگہ ہی پوچھیں جہاں یہ لکھا ہے کہ سچے کی زندگی میں سب جھوٹے مر جاتے ہیں۔ بلکہ جھُوٹے تو قیامت تک رہیں گے۔

مبلغین کیلئے حضرت اقدس کی کتب کے مطالعہ کی اہمیت

فرمایا:۔ اس تحریک سے مجھے یہ بھی یاد آگیا ہے کہ وہ لوگ جو اشاعت اور تبلیغ کے واسطے باہر جاویں۔ وہ ایسے نہ ہوں کہ اُلٹ پلٹ کر ہماری باتوں کو کچھ اَور کا اَور ہی بناتے رہیں اور بات تو کچھ اُور ہو اور سمجھانے کچھ اَور لگ جاویں۔ دوسروں کو تو ہمارے دعویٰ سے آگاہ کریں اور خود ہماری کتابوں کو کبھی پڑھا بھی نہ ہو۔ اس طرح سے ہی تحریف ہوا کرتی ہے۔ ایسے وقتوں میں صرف زبانی فیصلہ نہیں ہونا چاہیئے بلکہ تحریر پیش کرنی چاہیئے۔

ہم پر الزام لگائے جاتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور امام حسینؓ کی توہین کی جاتی ہے حالانکہ ہم ان کو راستباز اور متقی سمجھتے ہیں۔ اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بہت بے عزتی کی جاتی ہے اور ان کو گالی دی جاتی ہے حالانکہ ہم ان کو ایک اولوالعزم نبی اور خدا تعالیٰ کا راستباز بندہ سمجھتے ہیں۔ ہاں اگر عیسٰی کا مر جانا

ثابت کرنا ان کے نزدیک گالی دینا ہے تو اس طرح سے تو ہم نے نکالی ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ دوسرے نبیوں کی طرح وفات پا گئے ہیں [1]

۴؍اکتوبر ۱۹۰۷ء

(قبل نمازِ ظہر)

ترقی مدارج کیلئے آزمائش ضروری ہے

ایک شخص نے عرض کی کہ میں روحی فائدہ کے واسطے یہاں آیا ہوں ۔ مجھے کچھ بتایا جاوے ۔ فرمایا:۔

رُوحانی فائدہ بھی انہیں کو پہنچتا ہے جو آپ کوشش کرتے ہیں ۔ دیکھو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے اعلیٰ اور افضل تھے مگر انہوں نے بھی دین کی خاطر کیسے کیسے مصائب اُٹھائے ۔ دین بھی تو مرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے ۔ خدا تعالیٰ چاہتا تو ایسا نہ کرتا مگر اس نے دُنیا کے لئے بھی یہی قانون رکھا ہے کہ محنت سے سب کچھ ہوتا ہے ۔ اگر خدا تعالیٰ کا فضل بھی ہو اور محنت بھی ہو تو انسان منزلِ مقصود تک پہنچ جاتا ہے ۔ دُنیا کے کاموں کیلئے انسان کیسے کیسے دُکھ اُٹھاتا اور کیسی کیسی تکلیفیں برداشت کرتا ہے اور تب جا کر کچھ حاصل ہوتا ہے تو کیا دین کے لیے کچھ بھی محنت اور سعی نہیں کرنی چاہیئے ؟ اگر تھوڑا سا مقدمہ آجاوے تو پھر انسان اس کے واسطے کہاں کہاں سے سفارشیں لاتا ہے اور کسقدر خرچ کرتا ہے اور کتنی کوشش کرتا ہے اور اگر باوجود اتنی کوشش کے وہ مقدمہ خارج ہو جاتا ہے تو پھر اپیل کراتا ہے بلکہ اگر وہ بھی خارج ہو جاتی ہے تو پھر کیسی کیسی مصیبتیں برداشت کر کے اپیل در اپیل کرتا اور کیا کیا کر گذرتا ہے تو کیا دین کو ہی ایسا سمجھنا چاہیئے کہ وہ محض پھُونک مارنے اور کسی وِرد وظیفہ کے کرنے سے حاصل ہو جائے گا ۔ اور یُونہی آرام طلبی سے گذارنے پر اس میں کامیابی حاصل ہو جائے گی ؟ خدا تعالیٰ تو فرماتا ہے ۔ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ۔ (العنکبوت : ۳) کیا یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ صرف زبانی قیل وقال پر ہی ان کو چھوڑ دیا جائے گا اور صرف اتنا کہنے سے ہی کہ ہم ایمان لے آئے دین دار سمجھے جائیں گے اور ان کا امتحان نہ ہو گا ؛ بلکہ امتحان اور آزمائش کا ہونا نہایت ضروری ہے ۔ سب انبیاء کا اس پر اتفاق ہے کہ ترقی مدارج کے لیے آزمائش ضروری ہے اور جب تک کوئی شخص آزمائش اور امتحان کی منازل طے نہیں کرتا

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۶ صفحہ ۹ مورخہ ۱۰؍اکتوبر ۱۹۰۷ء

دیندار نہیں بن سکتا۔

یہ قاعدہ کی بات ہے کہ دُکھ کے بعد ہی ہمیشہ راحت ہوا کرتی ہے۔ یاد رکھو جو شخص خدا تعالےٰ کی راہ میں دُکھ اور مصیبت برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں وہ کاٹا جاوے گا۔ ترقی ہمیشہ مصائب اور تکالیف کے بعد ہوتی ہے اور ایمانی حالت کا پتہ اسی وقت لگتا ہے۔ جب تکالیف اور مصائب آویں۔

رُوحانی فوائد حاصل کرنے کے لیے پہلے اپنے آپ کو دُکھ اور تکالیف اُٹھانے کے لیے تیار کرلینا چاہیئے۔

عشق اول سرکش و خونی بود
تا گریزد ہر کہ بیرونی بود

بعض لوگ آتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ ہمیں پھُونک مارو کہ اولیاء اللہ بن جاویں اور ہمارا سینہ صاف ہو جاوے اور رُوحانی معراج پر پہنچ جاویں اور ہمارے قلب میں پاکیزگی پیدا ہوجاوے۔ ان کو یاد رکھنا چاہیئے کہ سب کچھ دُکھوں اور تکالیف کے بعد مل جاتا ہے اور ضرور مل جاتا ہے مومن کو اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرتا۔ جب انسان دُنیا کے لیے طرح طرح کی تکالیف برداشت کرلیتا ہے۔ ایک کسان کو ہی دیکھو کہ پہر رات کے قریب اُٹھتا ہے۔ ہل جوتتا ہے اور کتنی تکالیف اُٹھاتا اور محنت کرتا ہے۔ نہ رات کو آرام کرتا ہے اور نہ دن کو۔ بلکہ جب بہت سی مشکل کے بعد فصل پک بھی جاتا ہے اس وقت بھی اس کے حاصل کرنے کے لیے کیا کیا مصائب اُٹھاتا ہے اور اپنے عیال و اطفال سے علیحدگی اختیار کرکے اُسے کاٹتا اور اس کو حاصل کرنے کے لیے کیسے کیسے دُکھ اُٹھاتا ہے اور اس دنیا کے لیے، جو آج ہے اور کل فنا ہوجائیگی، مارا مارا پھرتا ہے اور مصیبت پر مصیبت اور دُکھ پر دُکھ اُٹھاتا ہے تو کیا پھر دین ہی ایسی چیز ہے جو محض پھُونک مارنے سے حاصل ہوجاتا ہے اور اس میں کسی امتحان آزمائش اور محنت کی ضرورت نہیں؟

دین کیلئے محنت کی ضرورت

دین کے لیے ایسی توقع کرنا اور اس کو ایک حلوۂ بے دود کی طرح سمجھنا کسی طرح بھی ٹھیک نہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ پر غور کرو کہ انہوں نے دین کی خاطر کیسے کیسے مصائب اُٹھائے اور کن کن دُکھوں میں وہ مبتلا ہوئے۔ نہ دن کو آرام کیا اور نہ رات کو۔ خدا تعالیٰ کی راہ میں ہر ایک مصیبت کو قبول کیا اور جان تک قربان کردی اور دین کی خاطر سر کٹوا دیئے۔ مجھے اس وقت یاد آگیا ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دشمن کے مقابلہ پر ایسے موقعہ پر نکلے کہ دوپہر کا وقت اور گرمی کا موسم تھا۔ سخت گرمی اور تپش تھی۔ لُو چلتی اور تیز دھوپ پڑتی تھی۔ چلتے چلتے ایک نہایت ہی خوشگوار اور سرسبز و شاداب چشمے پر پہنچے۔ ایک صحابیؓ نے ایسی خوشگوار سرسبز اور ہری بھری جگہ دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ مجھے اجازت دی جاوے کہ اس جگہ پر عبادت کروں۔ آنحضرتؐ

صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔ توبہ کرو کیا تو نہیں جانتا کہ یہ سب مصیبت ہم خدا تعالیٰ کی خاطر برداشت کر رہے ہیں ایسی خوشکن جگہ پر آرام کر کے عبادت کرنے کا تو کوئی فائدہ نہیں۔

ذبح ہونے کے بعد زندگی ملتی ہے

وہ تو بندگی ہی نہیں جو دُکھ درد کے ساتھ نہیں۔ ہندوؤں کے گوروں کی طرح کسی تالاب یا عمدہ حوض کے کنارے پر بیٹھ کر باآرام زندگی بسر کرنا اور سرسبز ہری بھری جگہ پر لیٹ کر خدا تعالیٰ کی یاد کرنے سے کچھ نہیں بنتا۔ چاہیئے کہ ابتلاؤں اور امتحانوں میں ثابت قدم رہو اور خدا تعالیٰ کے لیے جان دینے میں بھی فرق نہ رکھو اور اس کی راہ میں قربان ہونے کے لیے ہر وقت تیار رہو۔ جب انسان اپنے دل میں فیصلہ کر لیتا ہے اور دُکھ کے لیے تیار رہتا ہے تب پھر خدا بھی ملتا ہے اور رُوحانی فائدہ بھی ہوتا ہے۔ یہی سنّت اللہ ہے اور جب سے دُنیا پیدا ہوئی اور انبیاء کا سلسلہ شروع ہوا بغیر دُکھ اور تکالیف کے برداشت کرنے کے خدا تعالیٰ راضی نہیں ہوا کرتا اور نہ ہی دین حاصل ہوتا ہے۔

بعض لوگ ہمارے پاس آتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ کسی جنتر منتر یا پھونک سے ہی ہمیں اولیاء اللہ بنا دیویں اور ایک زندگی کی رُوح پھونک دیویں۔ مگر خدا تعالیٰ تو پہلے ذبح کر لیتا ہے اور پھر زندہ کرتا ہے بلکہ ایسے ایسے امتحانوں اور آزمائشوں کے وقت انسان خود بھی معلوم کر لیتا ہے کہ اب میں وہ نہیں ہوں جو پہلے تھا اور اس میں کچھ شک نہیں کہ ایسے امتحانوں میں پُورا اُترنے کے بعد خدا تعالیٰ ضرور ملتا ہے۔ جب تک انسان خدا تعالیٰ کی راہ میں تکالیف اور مصائب برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہو جاتا۔ تب تک ترقی کی امید بھی نہیں ہو سکتی۔

نماز بھی اضطرابی حالت کو ظاہر کرتی ہے

دیکھو یہ جو نماز پڑھی جاتی ہے اس میں بھی ایک طرح کا اضطراب ہے۔ کبھی کھڑا ہونا پڑتا ہے۔ کبھی رکوع کرنا پڑتا ہے اور کبھی سجدہ کرنا پڑتا ہے اور پھر طرح طرح کی احتیاطیں کرنی پڑتی ہیں۔ مطلب یہی ہوتا ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کیلئے دُکھ اور مصیبت کو برداشت کرنا سیکھے ورنہ ایک جگہ بیٹھ کر بھی تو خدا تعالیٰ کی یاد ہو سکتی تھی۔ پر خدا تعالیٰ نے ایسا منظور نہیں کیا۔ صلوٰۃ کا لفظ ہی سوزش پر دلالت کرتا ہے۔ جب تک انسان کے دل میں ایک قسم کا قلق اور اضطراب پیدا نہ ہو اور خدا تعالیٰ کے لیے اپنے آرام کو نہ چھوڑے تب تک کچھ بھی نہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ بہت سے لوگ فطرتاً اس قسم کے ہوتے ہیں جو ان باتوں میں پورے نہیں اُتر سکتے اور پیدائشی طور پر ہی ان میں ایسی کمزوریاں پائی جاتی ہیں جو وہ ان امور میں استقلال نہیں دکھا سکتے مگر تاہم بھی توبہ اور استغفار بہت کرنا چاہیئے کہ کہیں ہم ان میں ہی شامل نہ ہو جاویں جو دین سے بالکل بے پروا ہوتے ہیں اور اپنا مقصود بالذات دُنیا کو ہی سمجھتے ہیں۔

ہر زمانہ کی آزمائشیں الگ الگ ہوتی ہیں

ہر ایک زمانہ میں علیحدہ علیحدہ امتحان اور آزمائشیں ہوا کرتی ہیں۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے تو خدا تعالیٰ کی راہ میں جانیں دی تھیں اور اپنے سر کٹوائے تھے اور دوسرے نبیوں کے زمانہ میں کسی اور قسم کے ہی دُکھ اور مصائب تھے۔ غرض جب تک انسان ابتلاؤں اور آزمائشوں میں پورا نہیں اُترتا تب تک ترقی نہیں کرتا اور مقبول حضرتِ احدیت نہیں ہوتا۔ بغیر تکلیفوں اور طرح طرح کے مصائب کے تو کچھ بنتا ہی نہیں۔

اللہ تعالیٰ پر بدظنی مت کرو

یاد رکھو اللہ تعالیٰ رحیم کریم ہے۔ اس پر بدظنی نہیں کرنی چاہیئے۔ جو اس کی سنت کو نگاہ میں رکھے گا اور اس کے لیے دُکھ اور تکالیف کو برداشت کرنے کے لیے تیار ہو جاوے گا وہ ضرور کامیاب ہو گا۔ اگر اس کے بتلائے ہوئے راستہ پر نہیں چلے گا اور بخل سے کام لے گا تو رہ جاوے گا۔ دیکھو فوجوں میں جو لوگ بھرتی ہوتے ہیں اور دُنیا کی خاطر لڑنے مرنے اور جان دینے کے لیے نوکر ہوتے ہیں وہ کوئی ہزاروں روپیہ تو تنخواہ نہیں پاتے۔ یہی دس بارہ روپیہ کی خاطر جان دینا قبول کر لیتے ہیں مگر کتنے افسوس کی بات ہے کہ خدا تعالیٰ کی خاطر اور اس دائمی بہشت اور دائمی خوشنودی کے لیے کوئی فکر نہیں کرتے۔

دائمی سُکھ کیلئے کوشش کرنی چاہیئے

جب دُنیا کے لیے ایسے ایسے کام کر لیتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ حقیقی آرام اور ہمیشہ کے سُکھ کے لیے اتنی کوشش نہیں کی جاتی۔ اصل میں ایسے لوگ خدا تعالیٰ کی اور خدا تعالیٰ کے انعام واکرام کی قدر نہیں کرتے۔ اگر اس کی قدر کرتے تو جان کیا چیز تھی جو قربان کرنے کے لیے تیار نہ ہو جاتے۔ اصلی زندگی اور حقیقی سُکھ تو ہے ہی وہ جو خدا تعالیٰ کی راہ میں مَرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ حقیقی زندگی تو اپنے آپ پر ایک موت وارد کر لینے سے ہی ملا کرتی ہے ایسے لوگ جو جنتروں اور منتروں اور ٹونوں اور ٹوٹکوں کی تلاش میں پھرتے رہتے ہیں دین کے لیے کوشش کرنا چاہتے ہی نہیں بلکہ چاہتے ہیں کہ بڑے آرام سے اور گھر بیٹھے بٹھائے قلب کی صفائی حاصل ہو جاوے اصل میں جھوٹے قصوں اور کہانیوں نے ان لوگوں کو بڑا نقصان پہنچایا ہے اور ایسی باتوں سے انہوں نے سمجھ رکھا ہے کہ دین ایک ایسی چیز ہے جو جنتروں منتروں اور تعویذوں سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اسی واسطے ان لوگوں نے بعض بعض ریاضتیں بھی مقرر کی ہوئی ہیں جن پر عمل کرنے سے، کہتے ہیں قلب جاری ہو جاتا ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ باوجود قلب جاری ہونے کے عملی حالت اُن کی اَور بھی خراب ہو جاتی ہے۔ اور ایسے وظائف میں سے ایک ذکر اَرَّہ بھی ہے کہ جس کا نتیجہ آخر میں سِل ہوا کرتا ہے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ نے ایک ہی راہ رکھا ہے جیسے فرمایا۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا (الشمس: ۱۰) اور یہ اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کی رضا کے ساتھ راضی ہو جاوے۔ کوئی دوئی نہ رہے۔

خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی کی ملونی نہ رہے اور کسی قسم کی دُوری یا جُدائی نہ رہے۔

صدق، وفا اور استقلال کی ضرورت

یہ تھوڑی سی بات نہیں۔ یہی وہ مشکل گھاٹی ہے جو بڑے بڑے مصائب اور امتحانوں کے بعد طے ہوا کرتی ہے

یہ نماز جو تم لوگ پڑھتے ہو۔ صحابہؓ بھی یہی نماز پڑھا کرتے تھے اور اسی نماز سے انہوں نے بڑے بڑے روحانی فائدے اور بڑے بڑے مدارج حاصل کئے تھے۔ فرق صرف حضور اور خلوص کا ہی ہے۔ اگر تم میں بھی وہی اخلاص، صدق، وفا اور استقلال ہو تو اسی نماز سے اب بھی وہی مدارج حاصل کرسکتے ہو جو تم سے پہلوں نے حاصل کئے تھے۔ چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں دُکھ اُٹھانے کے لیے ہر وقت تیار رہو۔

یاد رکھو جب اخلاص اور صدق سے کوشش نہیں کروگے کچھ نہیں بنے گا۔ بہت آدمی ایسے بھی ہوتے ہیں کہ یہاں سے تو بیعت کر جاتے ہیں مگر گھر میں جاکر جب تھوڑی سی بھی تکلیف آئی اور کسی نے دھمکایا تو جھٹ مُرتد ہو گئے۔ ایسے لوگ ایمان فروش ہوتے ہیں۔ صحابہؓ کو دیکھو کہ انہوں نے تو دین کی خاطر اپنے سر کٹوا دیئے تھے اور جان و مال سب خدا تعالیٰ کی راہ میں قربان کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔ کسی دشمن کی دشمنی کی انہیں پروا تک بھی نہ تھی۔ وہ تو خدا تعالیٰ کی راہ میں سب طرح کی تکالیف اُٹھانے اور ہر طرح کے دُکھ برداشت کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے اور انہوں نے اپنے دلوں میں یہی فیصلہ کیا ہوا تھا۔ مگر یہ ہیں جو ذرا بھی نمبردار یا کسی اور شخص نے دھمکایا تو دین ہی چھوڑ دیا۔ ایسے لوگوں کی عبادتیں بھی محض پوست ہی پوست ہوتی ہیں۔ ایسوں کی نمازیں بھی خدا تک نہیں پہنچتیں بلکہ اسی وقت ان کے منہ پر ماری جاتی ہیں اور اُن کے لیے لعنت کا موجب ہوتی ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ (الماعون : ۵، ۶)

وہ لوگ جو نمازوں کی حقیقت سے ہی بے خبر ہوتے ہیں۔ ان کی نمازیں نری ٹکریں ہوتی ہیں۔ ایسے لوگ ایک سجدہ اگر خدا تعالیٰ کو کرتے ہیں تو دوسرا دنیا کو کرتے ہیں جب تک انسان خدا کے لیے تکالیف اور مصائب کو برداشت نہیں کرتا۔ تب تک مقبول حضرتِ احدیت نہیں ہوتا۔ دیکھو دُنیا میں بھی اس کا نمونہ پایا جاتا ہے۔ اگر ایک غلام اپنے آقا کا ہر ایک تکلیف اور مصیبت میں اور ہر ایک خطرناک میدان میں ساتھ دیتا رہے تو وہ غلام غلام نہیں رہتا بلکہ دوست بن جاتا ہے۔ یہی خدا تعالیٰ کا حال ہے اگر انسان اس کا دامن نہ چھوڑے اور اسی کے آستانہ پر گرا رہے اور استقلال کے ساتھ وفاداری کرتا رہے تو پھر خدا بھی ایسے کا ساتھ نہیں چھوڑتا اور اس کے ساتھ دوست والا معاملہ کرتا ہے۔

وفاداری کا مادہ تو کُتّے میں بھی پایا جاتا ہے۔ خواہ وہ بھوکا رہے۔ بیمار ہو جائے کمزور ہو جائے خواہ کچھ ہی ہو مگر اپنے مالک کے گھر کو نہیں چھوڑتا۔ اور وہ لوگ جو ذرا سی تکلیف پر دین سے ہی روگرداں ہو جاتے ہیں

ان کو کُتّے سے سبق سیکھنا چاہیئے۔

لکھا ہے کہ ایک یہودی مشرف باسلام ہوا۔ کچھ دن بعد جو مصیبت کا سامنا ہوا۔ اور بھوکا مرنے لگا اور فاقے پر فاقہ آنے لگا تو کسی یہودی کے مکان پر بھیک مانگنے کے لیے گیا۔ یہودی نے اس نومسلم کو چار روٹیاں دیں۔ جب وہ روٹیاں لے کر جارہا تھا تو ایک کُتا بھی اس کے پیچھے ہولیا۔ اس شخص نے یہ خیال کرکے کہ شاید ان روٹیوں میں سے کُتّے کا بھی کچھ حصّہ ہے ایک روٹی کُتّے کے آگے پھینک دی اور آگے چل دیا۔ کُتا اس روٹی کو جلدی جلدی کھا کر پھر پیچھے پیچھے ہولیا تب اس نے خیال کیا کہ شاید ان روٹیوں میں سے نصف حصّہ کُتّے کا ہو۔ تب اُس نے ایک اور روٹی کُتّے کے آگے پھینک دی۔ مگر کُتا اس کو بھی کھا کر پیچھے پیچھے چل دیا۔ پھر اس نے جب معلوم کیا کہ کُتا پیچھا نہیں چھوڑتا تو اسے خیال گذرا کہ شاید تین حصّے اس کے ہوں اور ایک حصّہ میرا ہو اس لیے اس نے ایک روٹی اَور ڈال دی مگر کُتا وہ روٹی کھا کر بھی واپس نہ گیا۔ تب اُسے کُتّے پر غصّہ آیا اور کہا تو تو بڑا بدذات ہے۔ مانگ کر میں چار روٹیاں لایا تھا مگر اُن میں سے تین کھا کر بھی تُو پیچھا نہیں چھوڑتا۔ خدا تعالیٰ نے اس وقت کُتّے کو بولنے کے لیے زبان دے دی۔ تب کُتّے نے جواب دیا کہ میں بدذات نہیں ہوں۔ میں خواہ کتنے فاقے اُٹھاؤں گھر مالک کے سوائے دوسرے گھر پر نہیں جاتا۔ بدذات تو تُو ہے جو دو تین فاقے اُٹھا کر ہی کافر کے گھر مانگنے کے لیے آگیا۔ تب وہ مسلمان یہ جواب سُنکر اپنی حالت پر بہت پشیمان ہوا۔

ایسے ہی گورداسپور میں ایک بلّی تھی خواہ کچھ ہی اس کے پاس پڑا رہے مگر وہ بغیر اجازت کچھ نہ کھاتی تھی ایک دفعہ بعض دوستوں نے اس بلّی کے مالک کو کہا کہ ہم بھی یہ تجربہ کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے حلوہ، دودھ، چھیچھڑے وغیرہ بلّی کے پاس رکھ کر باہر سے قفل لگا دیا۔ تین دن کے بعد جو دیکھا تو بلّی مری پڑی تھی اور وہ کھانا اسی طرح صحیح سالم موجود تھا۔ اگر ارذل مخلوقات کے صفاتِ حسنہ بھی انسان میں نہ پائے جائیں تو پھر وہ کس خوبی کے لائق ہے؟[1]

۱۷؍اکتوبر ۱۹۰۷ء

(بوقتِ سیر)

عبادت کے اُصول کا خلاصہ

ایک شخص نے سوال کیا کہ نماز میں کھڑے ہو کر اللہ جل شانہٗ کا کس طرح کا نقشہ پیشِ نظر ہونا چاہیئے؟

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۶ صفحہ ۱۰-۱۱-۱۴ مورخہ ۱۰؍اکتوبر ۱۹۰۷ء نیز
بدر جلد ۶ نمبر ۴۲ صفحہ ۸-۹-۱۰ مورخہ ۱۷؍اکتوبر ۱۹۰۷ء

حضرت اقدس نے فرمایا:۔
موٹی بات ہے۔ قرآن شریف میں لکھا ہے اُدْعُوْہُ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ (الاعراف:۳۰) اخلاص سے خدا تعالیٰ کو یاد کرنا چاہیئے اور اس کے احسانوں کا بہت مطالعہ کرنا چاہیئے۔ چاہیئے کہ اخلاص ہو۔ احسان ہو اور اس کی طرف ایسا رجوع ہو کہ بس وہی ایک رب اور حقیقی کارساز ہے۔
عبادت کے اصول کا خلاصہ اصل میں یہی ہے کہ اپنے آپ کو اس طرح سے کھڑا کرے کہ گویا خدا کو دیکھ رہا ہے اور یا یہ کہ خدا اُسے دیکھ رہا ہے۔ ہر قسم کی ملونی اور ہر طرح کے شرک سے پاک ہو جاوے اور اسی کی عظمت اور اسی کی ربوبیت کا خیال رکھے۔ اَدعیہ ماثورہ اور دوسری دعائیں خدا تعالیٰ سے بہت مانگے اور بہت توبہ استغفار کرے اور بار بار اپنی کمزوری کا اظہار کرے تاکہ تزکیۂ نفس ہو جاوے اور خدا تعالیٰ سے سچا تعلق ہو جاوے اور اسی کی محبت میں محو ہو جاوے اور یہی ساری نماز کا خلاصہ ہے اور یہ سارا سورہ فاتحہ میں ہی آجاتا ہے۔ دیکھو اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ (الفاتحۃ:۵) میں اپنی کمزوریوں کا اظہار کیا گیا ہے اور امداد کے لیے خدا تعالیٰ سے ہی درخواست کی گئی ہے اور خدا تعالیٰ سے مدد اور نصرت طلب کی گئی ہے اور پھر اس کے بعد نبیوں اور رسولوں کی راہ پر چلنے کی دعا مانگی گئی ہے اور ان انعامات کو حاصل کرنے کے لیے درخواست کی گئی ہے جو نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ سے اس دُنیا پر ظاہر ہوئے ہیں اور جو انہیں کی اِتّباع اور انہیں کے طریقہ پر چلنے سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ اور پھر خدا تعالیٰ سے دُعا مانگی گئی ہے کہ ان لوگوں کی راہوں سے بچا جنہوں نے تیرے رسولوں اور نبیوں کا انکار کیا اور شوخی اور شرارت سے کام لیا اور اسی جہان میں ہی ان پر غضب نازل ہوا یا جنہوں نے دنیا کو ہی اپنا اصلی مقصود سمجھ لیا اور راہ راست کو چھوڑ دیا اور اصلی مقصد نماز کا تو دُعا ہی ہے اور اس غرض سے دُعا کرنی چاہیئے کہ اخلاص پیدا ہو اور خدا تعالیٰ سے کامل محبت ہو اور معصیت سے جو بہت بُری بَلا ہے اور نامۂ اعمال کو سیاہ کرتی ہے طبعی نفرت ہو اور تزکیۂ نفس اور رُوح القدس کی تائید ہو۔ دُنیا کی سب چیزوں جاہ و جلال، مال و دولت، عزت و عظمت سے خدا مقدم ہو اور وہی سب سے عزیز اور پیارا ہو اور اس کے سوائے جو شخص دوسرے قصّے کہانیوں کے پیچھے لگا ہوا ہے جن کا کتاب اللہ میں ذکر تک نہیں وہ گرا ہوا ہے اور محض جھُوٹا ہے۔ نماز اصل میں ایک دُعا ہے جو سکھائے ہوئے طریقہ سے مانگی جاتی ہے یعنی کبھی کھڑے ہونا پڑتا ہے کبھی جھکنا اور کبھی سجدہ کرنا پڑتا ہے اور جو اصلیت کو نہیں سمجھتا وہ پوست پر ہاتھ مارتا ہے۔

مصائب و شدائد ضروری ہیں

فرمایا:۔ مصائب اور شدائد کا آنا نہایت ضروری ہے۔ کوئی نبی نہیں گذرا جس کا امتحان نہیں لیا گیا۔ جب کسی کا کوئی عزیز مر جاتا ہے تو اس کے لیے یہ بڑا نازک وقت ہوتا ہے۔ مگر یاد رکھو کہ ایک پہلو پر جانے والے لوگ مُشرک ہوتے ہیں آخر

خدا کی طرف قدم اُٹھانے اور حقیقی طور پر اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (الفاتحة:۶) والی دُعا مانگنے کے یہی معنے تو ہیں کہ خدایا وہ راہ دکھا جس سے تو راضی ہو اور جس پر چل کر نبی کامیاب اور بامراد ہوئے۔ آخر جب نبیوں والی راہ پر چلنے کے لیے دُعا کی جاوے گی تو پھر ابتلاؤں اور آزمائشوں کے لیے بھی تیار رہنا چاہیئے اور ثابت قدمی کے واسطے خدا تعالیٰ سے مدد طلب کرتے رہنا چاہیئے۔ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ صحت و عافیت بھی رہے۔ مال و دولت میں بھی ترقی ہو اور ہر طرح کے عیش و عشرت کے سامان اور مالی و جانی آرام بھی ہوں۔ کوئی ابتلاء بھی نہ آوے اور پھر یہ کہ خدا بھی راضی ہو جاوے وہ ابلہ ہے۔ وہ کبھی کامیابی حاصل نہیں کر سکتا۔ جن لوگوں پر خدا راضی ہوا ہے ان کے ساتھ یہی معاملہ ہوا ہے کہ وہ طرح طرح کے امتحانوں میں ڈالے گئے اور مختلف مصائب اور شدائد سے ان کا سامنا ہوا۔ حضرت ابراہیمؑ پر دیکھو کیسا نازک ابتلاء آیا تھا اور پھر اس کے بعد سب نبیوں کے ساتھ یہی معاملہ رہا۔ یہاں تک کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ آگیا۔ دیکھو ان کو پیدا ہوتے ہی یتیمی کا سامنا ہوا یتیمی بھی تو بُری بلا ہے خدا جانے کیا کیا دُکھ اُٹھائے اور پھر دعویٰ کرتے ہی مصیبتوں کا ایک پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔

یاد رکھو۔ انبیاء کا دوسرا نام اہل بلاء و اہل ابتلاء بھی ہے۔ ابتلاؤں سے کوئی نبی بھی خالی نہیں رہا۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گیارہ بیٹے فوت ہوئے تھے اور پھر انبیاء کو تو رہنے دو۔ امام حسینؓ کو دیکھو کہ ان پر کیسی کیسی تکلیفیں آئیں۔ آخری وقت میں جوان کو ابتلاء آیا تھا کتنا خوفناک ہے۔ لکھا ہے کہ اُس وقت اُن کی عمر ستاون برس کی تھی اور کچھ آدمی اُن کے ساتھ تھے۔ جب سولہ یا سترہ آدمی ان کے مارے گئے اور ہر طرح کی گھبراہٹ اور لاچاری کا سامنا ہوا تو پھر ان پر پانی کا پینا بند کر دیا گیا۔ اور ایسا اندھیر مچایا گیا کہ عورتوں اور بچوں پر بھی حملے کئے گئے اور لوگ بول اُٹھے کہ اس وقت عربوں کی حمیت اور غیرت ذرا بھی باقی نہیں رہی۔ اب دیکھو کہ عورتوں اور بچوں تک بھی اُن کے قتل کئے گئے اور یہ سب کچھ درجہ دینے کے لیے تھا۔ جاہل تو کہیں گے کہ وہ گنہگار اور بداعمال تھے اس لیے ان پر یہ تکلیف آئی مگر ان کو یاد رکھنا چاہیئے کہ آرام سے کوئی درجہ نہیں ملا کرتا جو لوگ ایک ہی پہلو پر زور دیتے چلے جاتے ہیں اور ابتلاؤں اور آزمائشوں میں صبر کرنا نہیں چاہتے۔ اندیشہ ہے کہ وہ دین ہی چھوڑ دیں۔ جیسے کہ شیعہ لوگ ہیں کہ اس حقیقت کو دیکھتے نہیں جو امتحانوں اور آزمائشوں کے بعد حاصل ہوا کرتی ہے اور نہ ہی اس کی پروا کرتے ہیں مگر سیاپا لگا تار کئے جاتے ہیں اور چھوڑنے میں نہیں آتے۔ کیا امام حسینؓ نے انہیں وصیت کی تھی کہ میرے بعد میرا سیاپا کرتے رہنا؟ یاد رکھو جتنے اولیاء اللہ اور مقدس لوگ گذرے ہیں۔ انکے بڑے بڑے تلخ امتحان ہوئے ہیں اور جو پہلوں کا حال ہے وہ آنے والوں کے لیے ایک سبق ہے۔

یہ تو بڑی غلطی ہے کہ ایک طرف تو انسان چاہے کہ ہر طرح کی آسودگی اور آرام ہو اور خوشنودی کے سب سامان مہیا ہوں اور دوسری طرف مقرب اللہ بھی بن جاوے۔ یہ تو ایسا ہی مشکل ہے جیسے اُونٹ کا سُوئی کے ناکے

میں سے گذر جانا بلکہ اس سے بھی ناممکن۔ جب تک ابتلاؤں اور امتحانوں میں انسان پورا نہ اُترے کچھ نہیں بنتا۔[1]

بلا تاریخ

چند سوالات کے جوابات

ایک شخص نے حضرت اقدس کی خدمت بابرکت میں چند سوال پیش کئے جو بمعہ جواب ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:۔

سوال نمبر۱:۔ زردشت نبی تھا یا نہیں ؟

حضرت اقدس نے فرمایا:۔

ہم تو یہی کہیں گے کہ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ[2] خدا تعالیٰ کے کل رسولوں[3] پر ہمارا ایمان ہے مگر اللہ کریم نے ان سب کے نام اور حالات سے ہمیں آگاہی نہیں دی۔[4] جیسے فرمایا۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ (المؤمن : ۷۹) اتنے کروڑ مخلوقات پیدا ہوتی رہی اور کروڑ ہا لوگ مختلف ممالک میں آباد رہے۔ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ خدا تعالیٰ نے ان کو یونہی چھوڑ دیا ہو اور کسی نبی کے ذریعہ سے ان پر اتمام حجت نہ کی ہو۔ آخر ان میں رسول آتے ہی رہے ہیں۔[5] ممکن ہے کہ یہ بھی انہیں میں سے ایک رسول ہوں مگر ان کی تعلیم کا صحیح صحیح پتہ اب نہیں لگ سکتا۔ کیونکہ زمانہ دراز گذر جانے سے تحریف لفظی اور معنوی کے سبب بعض باتیں کچھ کا کچھ بن گئی ہیں حقیقی طور پر محفوظ رہنے کا وعدہ تو صرف قرآن مجید کے لیے ہی ہے مومن کو

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۸ صفحہ ۱۱ مورخہ ۲۴؍ اکتوبر ۱۹۰۷ء نیز
بدر جلد ۶ نمبر ۴۴ صفحہ ۳ مورخہ ۳۱؍ اکتوبر ۱۹۰۷ء

[2] بدر میں ہے:۔ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِكَتِہٖ وَكُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ" لکھا ہے۔ (بدر جلد ۶ نمبر ۴۴ صفحہ ۸)

[3] بدر میں لکھا ہے:۔ "خدا تعالیٰ کی تمام کتابوں اور تمام رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں" (〃 〃 〃 〃 〃 〃)

[4] بدر سے:۔ "یہ تفصیل کہ وہ کون تھے اور کہاں کہاں تھے اور کس ملک میں رہتے تھے۔ اس کو ہم نہیں جانتے"
(بدر جلد ۶ نمبر ۴۴ صفحہ ۸ مورخہ ۳۱؍ اکتوبر ۱۹۰۷ء)

[5] بدر سے:۔ ہم ایسا نہیں کہہ سکتے کہ وہ تمام ممالک اور وہ تمام مخلوق ہمیشہ انبیاء سے خالی رہی ہے ہم یہی مانتے ہیں کہ ہندوستان میں بھی خدا تعالیٰ کے پیغمبر گذرے ہیں اور ایران میں بھی ہوئے اور دوسرے ممالک میں بھی ہوئے ہیں"۔ (بدر حوالہ مذکور)

سوءظن کی نسبت نیک ظن کی طرف زیادہ جانا چاہیئے[1] قرآن مجید میں وَ اِنْ مِنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ۔ (فاطر: ۲۵) لکھا ہے۔ اس لیے ہو سکتا ہے کہ وہ بھی ایک رسول ہوں۔

سوال نمبر ۲: براہین احمدیہ میں آپ نے کلام الٰہی کی ایک نشانی یہ بھی لکھی ہے کہ وہ ہر ایک پہلو میں دوسری کلاموں سے افضل ہوتا ہے۔ توریت انجیل بھی تو خدا تعالیٰ کا کلام ہیں کیا ان میں بھی یہ وصف پایا جاتا ہے؟

حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

ان کتابوں کی نسبت قرآنِ مجید میں یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ (المائدۃ: ۱۴) لکھا ہے وہ لوگ شرح کے طور پر اپنی طرف سے بھی کچھ ملا دیا کرتے تھے۔ اس لیے جو کتابیں محرف مبدل ہو چکی ہیں ان میں یہ نشانی کب مل سکتی ہے؟

اس پر حضرت حکیم الامت نے عرض کی کہ حضور توریت میں لکھا ہے "پھر موسیٰ خدا کا بندہ مرگیا اور موسیٰ جیسا نہ کوئی پیدا ہوا نہ ہوگا اور اس کی قبر بھی آج تک کوئی نہیں جانتا" تو یہ کلام حضرت موسیٰ کی ہو ہی کس طرح سکتی ہے اور انجیل کی نسبت تو عیسائی خود قائل ہیں کہ وہ اصلی جو عیسیٰ کی انجیل تھی نہیں ملتی۔ یہ سب تراجم در تراجم ہیں اور ترجمے مترجم کے اپنے خیالات کے مطابق ہوا کرتے ہیں۔ اور ان میں بہت سا حصہ اس قسم کا پایا جاتا ہے جو دوسروں کا بیان ہے جیسے صلیب کا واقعہ وغیرہ۔

اس پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ:۔

یہ ٹھیک بات ہے۔ اگر تمام دنیا میں تلاش کریں تو قرآن مجید کی طرح خالص اور محفوظ کلام الٰہی کبھی نہیں مل سکتا بالکل محفوظ اور دوسروں کی دست بُرد سے پاک کلام تو صرف قرآن مجید ہی ہے۔

دو باتیں بڑی یاد رکھنے والی ہیں ایک تو قرآنِ مجید کی حفاظت کی نسبت کہ رُوئے زمین پر ایک بھی ایسی کتاب نہیں جس کی حفاظت کا وعدہ خود اللہ کریم نے کیا ہو اور جس میں اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ (الحجر: ۱۰) کا پر زور اور متحدیانہ دعویٰ موجود ہو۔ اور دوسرا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی حالتوں کی نسبت۔ کیونکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر ایک طرح کے اخلاق ظاہر کرنے کا موقعہ ملا۔ حضرت موسیٰؑ کو دیکھو کہ وہ راستہ

---

[1] بدر سے:۔ "حضرت عمرؓ نے پارسیوں کو اہل کتاب میں داخل سمجھا تھا اور ان کے ساتھ وہی سلوک کیا تھا جو اہلِ کتاب کے ساتھ کرنا چاہیئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھی یہی طریق تھا۔ ایسے جلیل القدر اصحاب کی رائے کی اس معاملہ میں قدر کرنی چاہیئے اس طرح ایک فیصلہ شدہ امر ہو جاتا ہے۔" (بدر جلد ۶ نمبر ۴۴ صفحہ ۸ مورخہ ۳۱؍ اکتوبر ۱۹۰۷ء)

میں ہی فوت ہو گئے تھے اور حضرت عیسیٰ تو ہمیشہ مغلوب ہی رہے معلوم نہیں اگر غالب ہوتے تو کیا کرتے۔ مگر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر طرح سے اقتدار اور اختیار حاصل کر کے اپنے جانی دشمنوں اور خون کے پیاسوں کو اپنے سامنے بلا کر کہدیا

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ (یوسف: ۹۳)

اور پھر یہ بھی دیکھو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مبعوث ہوئے تھے جب فسق و فجور، شرک اور بُت پرستی اپنے انتہا کو پہنچ چکی تھی اور ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (الروم: ۴۲) والا معاملہ ہو رہا تھا۔ اور گئے اس وقت تھے جب وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِيْنِ اللّٰهِ أَفْوَاجًا (النصر: ۳) والا نظارہ اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ لیا تھا۔ اور یہ ایک ایسی بات ہے جس کی نظیر تمام دُنیا میں نہیں پائی جاتی اور یہی تو کاملیت ہے کہ جس مقصود کے لیے آئے تھے اس کو پورا کر کے دکھا دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو صلیب کا ہی مُنہ دیکھتے پھرے اور یہودیوں سے رہائی نہ پا سکے۔ مگر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غالب ہو کر وہ اخلاق دکھائے جن کی نظیر نہیں ملتی۔

سوال نمبر ۳:۔ عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت تو قرآن شریف میں کلمة اور رُوْحٌ مِّنْهُ لکھا ہے۔

حضرت اقدس نے فرمایا:۔

ہم بھی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کو مس شیطان سے پاک سمجھتے اور دوسرے نبیوں کی ارواح کی طرح اسکی رُوح کو بھی رُوْحٌ مِّنْهُ مانتے ہیں اور يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمَاتِهِ (الاعراف: ۱۵۹) پر یقین رکھتے ہیں۔ مگر اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دوسرے انبیاء پر کوئی فضیلت تو ثابت نہیں ہو سکتی۔ آپ ہی بتائیں کہ ہر ایک شخص رُوْحٌ مِّنْهُ ہوتا ہے یا کسی اَور طرف سے؟ سب ارواح خدا تعالیٰ کی مخلوق اور اسی کی طرف سے ہوتی ہیں نہ کہ کسی اور طرف سے۔

ہاں اس میں ایک لطیف اشارہ بھی ہے اور وہ یہ کہ فاسقوں، فاجروں کی ارواح کو بسبب اُن کے فسق و فجور اور شرک کی گندگی کے روحٌ منہ نہیں کہہ سکتے بلکہ وہ روح الشیطان ہوتے ہیں جیسے فرمایا اللہ تعالیٰ نے وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ (بنی اسرائیل: ۶۵) اور اس طرح سے ہم مانتے ہیں کہ بعض روح الشیطان ہوتے ہیں اور بعض روح منہ ہوتے ہیں بعض آدمی ایسے خراب ہوتے ہیں کہ وہ نہایت ہی خبیث الفطرت اور شیطان خصلت ہوتے ہیں۔ ان سے توقع ہی نہیں ہو سکتی کہ وہ کبھی رجوع الی اللہ کر سکیں۔ ایسے لوگوں پر روحٌ منہ کا لفظ نہیں بولا جاتا بلکہ وہ روح الشیطان ہوتے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جو رُوْحٌ مِّنْهُ یا کلمة کا لفظ بولا گیا ہے تو وہ بطور ذب اور دفع کے ہے اور اس الزام کو دُور کیا گیا ہے جو اُن پر لگایا گیا تھا ورنہ کل راستباز اور نیکو کار لوگ روحٌ منہ ہی ہوتے ہیں۔

سوال نمبر ۱۳ :۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو خدا تعالیٰ نے بے باپ پیدا کیا تھا۔
حضرت اقدس نے فرمایا :۔

اگر بے باپ پیدا ہونا دلیلِ الوہیت اور ابنیت ہے تو پھر حضرت آدم علیہ السلام بدرجہ اولیٰ اس کے مستحق ہیں کیونکہ نہ اُن کی ماں ہے نہ باپ اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ (آل عمران: ۶۰) اور سوچنے والی بات یہ ہے کہ چونکہ حضرت عیسیٰ کے بے باپ پیدا ہونے سے خلقت کو دھوکا لگنے کا اندیشہ تھا اس لیے خدا تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو بغیر ماں اور باپ کے پیدا کرکے ایک نظیر پہلے ہی سے قائم کر دی تھی، لیکن اگر اس کے آسمان پر جانے والی بات بھی صحیح مانی جاوے تو چاہیئے تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کی بھی ایک نظیر قائم کر دیتا۔ اب بتلاؤ جبکہ خدا تعالیٰ نے آسمان پر جانے کی کوئی نظیر پیش نہیں کی تو پھر اسی سے ہی ثابت ہوتا ہے کہ اُن کے آسمان پر جانے والی کہانی محض جھوٹ ہے۔

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب کفار نے سوال کیا تھا کہ اَوْ تَرْقٰی فِی السَّمَآءِ (بنی اسرائیل: ۹۴) یعنی آسمان پر چڑھ جاؤ تو خدا تعالیٰ نے یہی جواب دیا تھا کہ بشر آسمان پر نہیں جا سکتا جیسے فرمایا قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل: ۹۴) اگر بشر آسمان پر جا سکتا تھا تو چاہیئے تھا کہ کفار نظیر پیش کر دیتے۔

افسوس ان لوگوں نے بے وجہ پادریوں کی مدد پر کمر باندھ لی ہے۔ جب وہ کہتے ہیں کہ قرآنِ مجید کی رُو سے بشر تو آسمان پر جا نہیں سکتا مگر عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر چلے گئے اس لیے وہ خدا ہیں تو پھر منہ تکتے رہ جاتے ہیں۔ اتنا نہیں سمجھتے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو ایک کمزور اور عاجز انسان تھے اور خدا تعالیٰ کے رسول تھے۔ ایک ذرہ بھی اس سے زیادہ نہ تھے۔ اگر وہ خدا تھا تو یہ بارِ ثبوت عیسائیوں پر ہے کہ وہ کوئی سورج، چاند یا زمین کا پتہ دیویں جو اس نے بنائی تھی۔ وہ بیچارے تو ایک مچھر بھی پیدا نہیں کر سکتے تھے۔ قرآنِ مجید میں تو صاف لکھا ہے کہ وہ ایک عبد تھے۔ کھانے پینے اور دوسرے حوائج کے محتاج تھے اور دوسرے نبیوں کی طرح وفات پا گئے تھے۔

سوال نمبر ۱۴ :۔ ایسے موقعہ پر مسلمان معراج پیش کر دیتے ہیں۔
حضرت اقدس نے فرمایا کہ :۔

معراج جس وجود سے ہوا تھا وہ یہ گُگنے موتنے والا وجود تو نہ تھا بلکہ وہ ایک اَلطف اور نہایت ہی نورانی وجود تھا۔ کس کس غلطی کی اصلاح کی جاوے۔ بخاری میں صاف طور پر ثُمَّ اسْتَیْقَظَ لکھا ہے یعنی پھر وہ جاگ اُٹھے۔ اب بتلاؤ ہم یہ بات کس طرح مان لیں کہ وہ یہی وجود تھا۔ ہمارا تو تجربہ ہے کہ پاک لوگوں کو ایک نورانی وجود ملتا ہے۔

یاد رکھو ایک الہام ہوتا ہے اور ایک رؤیا اور کشف بھی ہوتا ہے۔ کشف رؤیا سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ صاحبِ کشف جانتا ہے کہ میں ایک اَور جگہ پر ہوں اور وہ دوسروں کی آواز بھی سنتا ہے۔ صوفیا کرام اس بات کے قائل ہیں کہ اولیاء اللہ کو ایک نوری جسم ملتا ہے بلکہ بعض اوقات اُسے دوسرے لوگ بھی دیکھ لیتے ہیں اور سب صوفی اس بات کے بھی قائل ہوتے ہیں کہ وحی کا سلسلہ بند نہیں ہوتا بلکہ ظلّی طور پر انسان نبی بن سکتا ہے مگر کمزوری کے ساتھ وحی ولی کہہ دیتے ہیں۔

خوب یاد رکھو کہ وہ یہ وجود نہیں تھا جو معراج میں تھا بلکہ وہ ایک اَور ہی وجود ہوتا ہے۔ اسی سے انسان مُردوں سے بھی ملاقات کرتا ہے اور اس کا نمونہ کسی قدر خواب میں بھی پایا جاتا ہے کہ انسان کا یہ وجود تو چارپائی پر ہوتا ہے مگر ایک آنکھیں ہوتی ہیں جن سے دیکھتا ہے اور ایک پاؤں ہوتے ہیں جن سے چلتا ہے اور خواب کو موت کی بہن بھی اسی واسطے کہا گیا ہے کہ اس سے اس عالم کی کسی قدر سمجھ آجاتی ہے۔

جب بخاری جیسی کتاب میں ثُمَّ اسْتَيْقَظَ لکھا ہے اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بھی یہی مذہب ہے تو ہمیں کیا بنی ہے جو یونہی کچھ کا کچھ پیش کر دیا کریں۔ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ کا مذہب بھی یہی تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج اس وجود سے نہیں ہوا تھا بلکہ وہ ایک اور نورانی وجود تھا ورنہ وہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی مخالفت میں شور برپا کرتے۔[1]

۱۹ر اکتوبر ۱۹۰۷ء

(بوقت سیر)

مجدد کی ضرورت

فرمایا:- طرح طرح کے نشانات اور موجودہ حالات زمانہ کے اور صدی کا سر سب کے سب ضرورتِ مجدد ثابت کر رہے ہیں اور مجدد کا کام اپنے زمانہ کی اصلاح اور اس فتنہ موجودہ کا دُور کرنا ہوتا ہے جو سب سے بڑا فتنہ ہو۔ اور وہ اسی زمانہ کے مطابق ضروری اصلاح کرنے کے لیے آتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں اس سے بڑھ کر فتنہ نہیں کہ ایک طرف تو ایک عاجز بندہ کو خدا بنایا جائے اور اسی کو زمین و آسمان کا پیدا کرنیوالا سمجھا جائے اور دوسری طرف ایک صادق نبی کو جو دنیا میں سب سے بڑھ کر توحید کا حامی آیا ہے نعوذ باللہ جھوٹا

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۹ صفحہ ۵-۶ مورخہ ۳۱ر اکتوبر ۱۹۰۷ء

قرار دیا جائے۔ یہ وہ فتنہ ہے جس نے لاکھوں انسانوں کو خدا پرستی سے برگشتہ کرکے انسان پرست بنا دیا اور اسی کے اثر سے اکثر لوگ دہریہ بن گئے اور توحید کی محبت دلوں سے جاتی رہی اور اسلام صرف برائے نام رہ گیا اور سب کے سب چھوٹے بڑے اس فتنہ عظیمہ سے اثر پذیر ہو رہے تھے۔ سو خدا تعالیٰ نے اس زمانہ کی اصلاح کے لیے اور فتنہ کے مناسبِ حال جو امام اور مجدد بھیجا تھا اس کا نام اسی فتنہ کو دُور کرنے کے لیے مسیح رکھا کیونکہ حضرت عیسیٰؑ کی اُمت نے ہی بگڑ کر یہ فتنہ برپا کیا ہے۔ اس لیے اس کی اصلاح کے لیے اور زمانہ کو اس کے فتنہ سے بچانے کے لیے ضرور تھا کہ اسی نام پر کوئی پیدا کیا جاتا۔ اسی مصلحت سے اس صدی کے مجدد اور امام کا نام مسیح موعود رکھا گیا۔ فتنے دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک بیرونی اور دوسرے اندرونی۔ بیرونی طور پر تو پادریوں اور دوسرے مخالف مذاہب والوں نے اسلام پر وہ ناجائز اور بے بنیاد اعتراض کئے کہ جن کو سُن کر ہزارہا لوگ مُرتد ہو گئے۔ ہزاروں رسالے اور کتابیں اسلام کی مخالفت میں لکھی گئیں اور ہر ایک قسم کے محض غلط اعتراضوں سے اس پاک مذہب کے نابُود کرنے کی کوشش کی گئی اور ایک عورت کے بچہ کو طرح طرح کے پیرایوں میں پیش کرکے خدا کا بیٹا بنایا گیا۔

یہ تو سچ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کا رسُول تھا مگر خدا تو نہیں تھا اور نہ اس میں اور رسولوں سے ایک ذرہ زیادتی ہے اور نہ اس کے معجزات کچھ انوکھے معجزات ہیں اور اندرونی طور پر اسلام کو یہ فتنہ درپیش تھا کہ خود مسلمانوں نے عیسیٰ میں وہ وہ صفات قائم کیں جو صرف خدا تعالیٰ کے لیے مخصوص تھیں اور اس طرح سے عیسائیوں کو بہت مدد دی۔[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور جملہ انبیاء مسِ شیطان سے پاک ہیں

صبح کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بمعہ خدام سیر کے واسطے تشریف لے گئے۔

فرمایا:۔

میں نے ایک مولوی صاحب کی ایک تازہ تصنیف پڑھی جس میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ اور اس کی ماں مریم کے سوائے مسِّ شیطان سے دُنیا میں کسی کی پیدائش پاک نہیں۔ صرف یہی دو نفس مریم اور ابن مریم مس شیطان سے پاک ہیں اور بس۔ اس عبارت کو پڑھ کر مجھے بہت ہی افسوس ہوا کہ ہمیں تو یہ لوگ کافر کہتے ہیں اور اپنا یہ حال ہے کہ تمام انبیاء اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو پاکوں کے سردار ہیں نعوذ باللہ مسِ شیطان سے محفوظ نہیں سمجھتے۔

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۸ صفحہ ۱ مورخہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۰۷ء

گویا اُن کے نزدیک نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش میں شیطان کا حصہ تھا مگر عیسیٰؑ اور انکی ماں کی پیدائش میں شیطان کا حصہ نہ تھا۔ بار بار افسوس آتا ہے کہ ان لوگوں کی حالت کہاں تک پہنچ گئی ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

فرمایا:۔ یہ لوگ اپنے اس دعویٰ کی دلیل میں ایک حدیث پیش کرتے ہیں جو صحیح بخاری میں ہے اور نہیں سوچتے کہ سب سے مقدم تو قرآن شریف ہے۔ قرآن شریف میں لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے شیطان کو کہا کہ اِنَّ عِبَادِیْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ (بنی اسرائیل: ۶۶) میرے بندوں پر تجھے کوئی غلبہ نہیں۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے نزدیک عباد میں شامل نہ تھے؟ اول تو جو حدیث قرآن شریف کے مخالف ہو وہ حدیث ہی نہیں خواہ بخاری میں ہو اور خواہ مسلم میں ہو۔ دوسرا جس حدیث سے حضرت نبی کریم محمد مصطفیٰ، حبیب خدا محبوب الٰہی کی، تمام نبیوں کے سردار کی اس قدر ہتک اور توہین لازم آتی ہو کیونکر ایک مسلمان کی غیرت مان سکتی ہے کہ اسے صحیح حدیث تسلیم کرلے۔ ان لوگوں میں کچھ شرم اور حیا باقی نہیں رہی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسے ناجائز حملے کرتے ہیں اگر ان لوگوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ محبت ہوتی تو یہ لوگ اس حدیث کے یہ معنے نہ کرتے۔ ہر ایک کلام کے واسطے ایک شانِ نزول ہوتا ہے جیسا کہ قرآن شریف میں حضرت عیسیٰؑ اور اُن کی والدہ مریم کے واسطے ضرورتاً اس قسم کے لفظ بولے گئے ہیں کہ مریم صدیقہ تھی اور حضرت عیسیٰؑ کا رُوح خدا تعالیٰ کی طرف سے تھا۔ ایسا ہی حدیث میں ضرورتاً یہ کلمات بولے گئے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش مسِ شیطان سے پاک تھی اور یہ ضرورت اس طرح سے واقع ہوئی تھی کہ یہودی لوگ کہا کرتے تھے بلکہ اب تک کہتے ہیں کہ حضرت مریم نعوذ باللہ زانیہ تھیں اور یسوع کی پیدائش ناجائز تھی اور مسِ شیطان سے تھی۔ اس الزام کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث شریف میں یہ بات فرمائی کہ یہ الزام جھوٹے ہیں بلکہ مریم صدیقہ تھی اور حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش مسِ شیطان سے پاک تھی چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکی والدہ ماجدہ کے متعلق کبھی کسی کافر کو ایسا وہم و گمان بھی نہ ہوا تھا بلکہ سب کے نزدیک آپ اپنی ولادت کی رُو سے طیب اور طاہر تھے اور آپ کی والدہ عفیفہ اور پاک دامن تھیں اس لیے آپ کی نسبت یا آپ کی والدہ ماجدہ کی نسبت ایسے الفاظ بیان کرنے ضروری نہ تھے کہ وہ مسِ شیطان سے پاک ہیں مگر حضرت عیسیٰؑ اور اُن کی والدہ کی نسبت یہودیوں کے بہتان کی وجہ سے ایسے بری کرنے والے الفاظ کی ضرورت پڑی۔ یہی حال دیگر انبیاء علیہم السلام کا ہے۔ ان کے متعلق بھی نہ کبھی ایسا اعتراض ہوا اور نہ اُن کے دفعیہ کی ضرورت کبھی محسوس ہوئی۔ افسوس ہے کہ ان علماء کو یہ خبر بھی نہیں کہ یہ باتیں کیوں قرآن و حدیث میں ذکر کی گئی ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ ایسی باتیں کسی بہتان کے دفع کرنے کے لیے آتی ہیں۔ قرآن شریف میں لکھا ہے کہ مریم صدیقہ پر ایک بڑا بہتان باندھا گیا تھا۔ اسی واسطے خدا تعالیٰ نے اس کا نام صدیقہ رکھدیا۔ افسوس ہے نہ تو ان لوگوں

کے اکابر سمجھتے ہیں اور نہ ان کا اقتداء کرنے والوں کو کچھ خیال آتا ہے کہ ایسے عقیدہ سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر داغ لگایا جاتا ہے۔ اگر قرآن شریف میں خدا کے بندوں کا مسِ شیطان سے پاک ہونے کا ذکر بھی نہ ہوتا تب بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عظمت اور آپ پر ایمان کا یہ تقاضا ہونا چاہیئے تھا کہ ایسا ناپاک عقیدہ آپ کے متعلق نہ رکھا جاتا۔ حضرت مریم کے متعلق یہ دُعا تھی کہ اِنِّیْٓ اُعِیْذُھَا بِکَ وَ ذُرِّیَّتَھَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ (آل عمران : ۳۷) مگر یہ دُعا بھی اسی اعتراض کے رفع کرنے کے واسطے ذکر کی گئی ہے ورنہ خدا تعالیٰ کے انبیاء اور اولیاء کے متعلق تو پہلے سے اللہ تعالیٰ کا خاص ارادہ یہ ہوتا ہے کہ ان کو مقدس رسول بنایا جاوے گا۔ وہی ارادہ الٰہی ابتداء سے ان کی پیدائش اور تمام امور کو مقدس رکھتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام تو ماورزاد پاک ہوتے ہیں اور شیطان سے دُور رکھے جاتے ہیں۔

دُنیا میں پیدائش دو قسم کی ہوتی ہے ایک رحمانی اور دوسری شیطانی۔ خدا تعالیٰ کے تمام نیک بندوں کی پیدائش رحمانی ہوتی ہے۔ شیطان کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اور انہیں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ رُوْحٌ مِّنْهُ ان کا روح خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ اس میں حضرت عیسیٰؑ کی کوئی خصوصیت نہیں ہے خدا تعالیٰ کے تمام نیک بندوں کی روح خدا کی طرف سے آتی ہے۔

علامہ زمخشریؒ کی تعریف

فرمایا:۔ زمخشری نے بخاری کے حاشیہ میں اس حدیث کے یہی معنے کئے ہیں جو ہم کرتے ہیں۔ یہ علماء زمخشری کو اچھا نہیں سمجھتے۔ مگر ہمارے خیال میں وہ ان علماء سے بہتر اور افضل تھا گو معتزلی تھا مگر اس کے ایمان نے گوارا نہ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت پر داغ لگا دے بلکہ اس کے دل میں اسلامی غیرت اور محبت نے جوش مارا۔

اصل میں ان لوگوں میں تزکیۂ نفس نہیں ہے۔ جب انسان تزکیۂ نفس اختیار کرتا ہے تو قرآن شریف کے معانی اور معارف اس پر کھولے جاتے ہیں۔[1]

ضرورتِ مجدد

فرمایا:۔ ان علماء نے ایسے عقائد کے ساتھ عیسائیوں کی بہت امداد کی ہے حضرت عیسیٰؑ کو

---

[1] الحکم سے:۔ "تزکیۂ نفس ایک ایسی چیز ہے کہ قرآن مجید کے بہت سے حصہ کی سمجھ اس کے بغیر آہی نہیں سکتی۔ جن لوگوں کا تزکیہ نفس ہوتا ہے اور جو پاک دل اور مطہر لوگ ہوتے ہیں ان کو بہت سی باتیں خود بخود ہی ایسی سُوجھ جایا کرتی ہیں جو کہ قرآن مجید کے منشاء کے مطابق ہوتی ہیں اور قرآن مجید خود بخود ہی حل ہوتا جاتا ہے۔" (الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۹ صفحہ ۹ مورخہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۷ء)

خصوصیت کے ساتھ ایسے صفات دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دوسرے انسانوں میں یہ باتیں نہیں پائی جاتیں ۔ عیسائیوں کو اس سے مدد مل جاتی ہے کہ جب تم خود کہتے ہو کہ یہ صفات کسی انسان میں نہیں پائے جاتے تو ضرور ہے کہ وہ خدا ہو جس میں خاص بلا شرکتِ غیر ایسے صفات پائے جاتے ہیں۔

اس وقت اسلام پر دو بڑے فتنے ہیں۔ ایک تو بیرونی فتنہ ہے کہ کئی لاکھ آدمی مُرتد ہو کر عیسائی ہو چکا ہے اور باقی بہت سے نیم مُرتد پھرتے ہیں۔ ارتداد کے دروازے ہر طرف سے کُھلے ہیں۔ دوسرا بیرونی[1] فتنہ ہے کہ مسلمان لوگ اپنے عقائد کے ساتھ اس ارتداد میں امداد کرتے ہیں۔ کیا ایسے فتنہ عظیمہ کے وقت کسی مجدّد کے آنے کی ضرورت نہیں؟ قاعدہ ہے کہ جس قسم کی اصلاح کے واسطے کوئی شخص دنیا میں آتا ہے اس کے مطابق اس کا نام بھی رکھا جاتا ہے۔ چونکہ اس زمانہ میں بڑا فتنہ عیسویت کا تھا۔ اس واسطے اس کی اصلاح کے واسطے جو مجدّد بھیجا گیا اس کا نام مسیح ہی رکھا گیا ہے[2]

بلا تاریخ

مُردہ کو ثواب کا پہنچنا

ایک شخص نے دریافت کیا کہ مُردے کو کھانے کا ثواب پہنچتا ہے یا نہیں؟ اور ساتھ ہی مختلف اشیاء کے نام لیکر تفصیل وار پوچھنا شروع کر دیا کہ اُن کا ثواب بھی پہنچتا ہے یا نہیں؟

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ:۔

طعام کا ثواب پہنچتا ہے بشرطیکہ حلال کا طعام ہو۔

قرآن شریف جس طرز سے حلقہ باندھ کر پڑھتے ہیں یہ تو سنت سے ثابت نہیں۔ مُلاں لوگوں نے اپنی آمدن کے لیے یہ رسمیں جاری کر دی ہیں۔ ہاں اگر خدا تعالیٰ چاہے تو مُردہ کے حق میں دُعا بھی قبول ہو جاتی ہے لیکن یاد رکھو کہ اپنے ہاتھ سے ایک پیسہ دینا بھی بہتر ہوتا ہے بہ نسبت اس کے کہ کوئی دوسرا آدمی اس کے عوض میں بہت سا مال خرچ کر دے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز پر قادر ہے وہ نیتوں کو جانتا ہے اور وہی ثواب پہنچانے والا ہے۔ جب یہ بات ثابت ہے کہ مُردوں کو بھی ثواب مل جاتا ہے تو پھر تفصیلوں کی کیا ضرورت ہے؟ ایک صحابیؓ کا بیٹا دُعا مانگا کرتا تھا کہ یا اللہ مجھے بہشت بھی دے اور انار اور انگور بھی دے۔ صحابیؓ نے کہا کہ جب

---

[1] یہ لفظ "اندرونی" ہے جو کاتب کی غلطی سے "بیرونی" لکھا گیا ہے (مرتب)

[2] بدر جلد ۶ نمبر ۴۳ صفحہ ۷ مورخہ ۲۴؍ اکتوبر ۱۹۰۷ء

بہشت مل گیا تو انار انگور سب چیزیں اسی میں آگئیں۔ اس کی تفصیلوں کی ضرورت کیا ہے۔ اس عالم کی تفصیلیں ہو نہیں سکتیں۔ وہ تو ایک پوشیدہ اور مخفی عالم ہے۔

انسان کا اصل مقصد دین ہے

فرمایا:۔
آجکل دُنیا کی عجیب حالت ہو رہی ہے۔ تم لوگ اچھی طرح سے نظر ڈال کر دیکھ لو۔ شہروں اور بازاروں میں جاکر دیکھ لو۔ لاکھوں اور کروڑوں آدمی اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر محض دنیا کی خاطر مارے مارے پھرتے ہیں۔ ایسے آدمی تھوڑے نکلیں گے جو دین کی غرض سے پھرتے ہوں۔ حالانکہ خدا تعالیٰ نے تو یہی دُعا سکھلائی تھی کہ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (الفاتحۃ: ۷) کہ یاالٰہی وہ راہ دکھا اور اسی راہ پر چلنے کی توفیق دے جس پر چلنے سے منعم علیہ گروہ میں شامل ہو جاویں۔

اصل مقصد انسان کا تو دین ہونا چاہیئے اسی واسطے میں کہتا ہوں کہ جو لوگ یہاں دین کی خاطر آتے ہیں ان کو کچھ دن ضرور ٹھہرنا چاہیئے۔ شاید کوئی مفید کلمہ ان کے کانوں میں پڑ جاوے بعض لوگوں کی کوششیں اور تدبیریں محض دنیا کمانے کی خاطر ہوتی ہیں۔ یہانتک کہ بڑی بڑی پنشنیں پا لیتے ہیں لیکن پھر بھی بس نہیں کرتے۔ اندر ہی اندر اس جستجو میں لگے رہتے ہیں کہ اب کوئی خطاب ہی مل جاوے لیکن جونہی یہ مال متاع چھوٹتا نظر آتا ہے اور موت سر پر آجاتی ہے۔ تب ہاتھ ملتے ہیں۔ کہ او ہو یہی دنیا تھی جس کے لیے ہم مارے مارے پھرتے تھے اور ہر وقت اسی کی فکر اور غم میں مبتلا رہتے تھے اور اس وقت سخت دُکھ اور پریشانی ہوتی ہے اور اسی میں جان نکل جاتی ہے۔

فرمایا:۔
جب ایک چیز کی کثرت ہو جاوے تو پھر اس کی قدر نہیں رہتی۔ پانی اور اناج جیسی کوئی چیز نہیں اور یہ سب چیزیں آگ، ہوا، مٹی، پانی ہمارے لیے نہایت ہی ضروری ہیں مگر کثرت کی وجہ سے انسان ان کی قدر نہیں کرتا۔ لیکن اگر ایک جنگل میں ہو اور کروڑ ہا روپیہ بھی پاس ہو۔ مگر پانی نہ ہو تو اس وقت کروڑ ہا روپیہ بھی ایک گھونٹ کے بدلے دینے کو تیار ہوتا ہے اور آخر بڑی حسرت سے مرتا ہے۔ دُنیا کی دولت چیز ہی کیا ہے؟ جس کے لیے انسان مارا مارا پھرتا ہے۔ ذرا سی بیماری آجاوے۔ پانی کی طرح روپیہ بہایا جاتا ہے مگر سکھ ایک منٹ کے لیے بھی نہیں آتا۔ جب یہ حال ہے تو انسان کی یہ کس قدر غفلت ہے کہ اس حقیقی کارساز کی طرف توجہ نہ کرے جس کا بنایا ہوا یہ سب کارخانہ ہے اور اس کا ذرہ ذرہ جس کے تصرف اور اختیار میں ہے۔

صُحبتِ صادقین

فرمایا:۔
لوگ تلاش کرتے ہیں کہ کہیں حقیقت ملے۔ لیکن یہ بات جلد بازی سے حاصل نہیں ہوا کرتی۔ جب انسان کی رُوح گھل کر آستانۂ الوہیت پر گرتی ہے اور اسی کو اپنا اصل مقصود خیال

کرتی ہے تب اس کے لیے حقیقت کا دروازہ بھی کھولا جاتا ہے لیکن یہ سب کچھ خدا تعالیٰ کے فضل پر موقوف ہے اور صحبتِ صادقین سے یہ باتیں حاصل ہوا کرتی ہیں۔

دُنیا داری کا انجام

فرمایا:۔ لوگ دنیا کا حساب وکتاب کس قدر محنت سے یاد رکھتے ہیں لیکن عمر کا حساب نہیں رکھتے اور خیال بھی نہیں کرتے کہ اب عمر کا کس قدر حصہ باقی رہ گیا ہے اور اس کا اعتبار کیا ہے۔

فرمایا:۔

دُنیا دار دُنیا کے ہمّ وغم میں ایسا غرق ہوتا ہے کہ انجام کا اُسے بھُولے سے بھی خیال نہیں گذرتا اور جس طرح ایک خارش والا بس نہیں کرتا جب تک کہ خون نہ نکل آوے۔ اسی طرح وہ بھی سیر نہیں ہوتا اور کتّے کی طرح اپنا خون آپ پیتا ہے اور جانتا نہیں کہ دُنیا کی زندگی چیز ہی کیا ہے۔ اسی واسطے اللہ کریم نے مسلمانوں کو غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ (الفاتحۃ : ۷) والی دُعا سکھائی ہے کہ جو لوگ اسی دُنیا کے کیڑے ہوتے ہیں اور اسی دُنیا کی خاطر رسُولوں اور نبیوں کا انکار کر دیتے ہیں اور پھر اسی دُنیا میں ہی ان پر عذاب نازل ہوتا ہے ان میں شامل ہونے سے بچا۔ یہ بڑے خطرے کا مقام ہے۔ دیکھو اب تو مرنے کے لیے نئے نئے سامان پیدا ہوگئے ہیں۔ بہت سی ایسی بیماریاں نکل آئی ہیں جو بالکل نئی ہیں اور پھر طاعون کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا ہے۔ گھر کے گھر خالی ہوگئے ہیں اور دُنیا میں ایک تباہی آگئی ہے[1]

۲۲؍اکتوبر ۱۹۰۷ء

(بوقتِ ظہر)

الہام کا دعویٰ کرنیوالے لوگ

فرمایا:۔ ہماری جماعت میں کوئی بیس ۲۰ پچیس ۲۵ بلکہ تیس ۳۰ کے قریب ایسے آدمی ہوں گے جو الہام کا دعویٰ کرتے ہیں۔ مجھے ان کے جنون کا ہی اندیشہ رہتا ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ اپنی حالت کا مطالعہ کرے اور اپنے اس معاملہ کو دیکھے جو وہ خدا تعالیٰ کے ساتھ رکھتا ہے اور حدیث النفس کا خیال نہ رکھے۔ ایسے لوگوں کے خط جب مجھے بھی آتے ہیں تو بجائے اس کے کہ میں خوش ہوں اللہ تعالیٰ جانتا ہے

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۴۰ صفحہ ۷ مورخہ ۱۰؍نومبر ۱۹۰۷ء

کہ مجھے اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں ان کو جنون نہ ہو جاوے۔ جب وہ خط میں پڑھتا ہوں تو بدن کانپ جاتا ہے۔ اللہ کریم نے کاہنوں اور مجنونوں کی جو تردید کی ہے تو اسی واسطے کہ آخر ان کو بھی بعض باتیں معلوم ہو جایا کرتی ہیں۔ انسان کو چاہیئے کہ اپنے تعلق کو خدا تعالیٰ سے پاک کرے۔ زانی، فاسق، فاجر تو ابھی توبہ کر سکتے ہیں مگر ایسے لوگ کبھی توبہ نہیں کرتے کیونکہ وہ اپنے آپ کو کچھ سمجھ لیتے ہیں اور ایسی باتوں سے اکڑباز ہو جاتے ہیں۔

الزامی جواب دینے کی وجہ

فرمایا:۔
موقعہ کے مناسب حال بعض اوقات الزامی جوابات دینے پڑتے ہیں۔ جب دل بہت دُکھایا جاتا ہے تو عیسائیوں کو متنبّہ کرنے کے لیے کہ اگر جواب انہیں باتوں کو کہا جاتا ہے تو ایسا جواب ہم بھی دے سکتے ہیں۔ انہیں کی کتابوں سے وہ باتیں پیش کی جاتی ہیں اور ایسے جواب قرآن مجید میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ وہ جواب صرف پادریوں کو متنبّہ کرنے کے لیے ہوتے ہیں۔ ورنہ حضرت عیسیٰؑ کو ہم خدا تعالیٰ کا رسول اور خدا تعالیٰ کا مقبول اور برگزیدہ سمجھتے ہیں۔[1]

۲۳؍ اکتوبر ۱۹۰۷ء

(بوقت سیر)

انبیاء پر جادو اثر نہیں کرتا

ایک شخص نے سوال کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کافروں نے جو جادو کیا تھا۔ اس کی نسبت آپ کا کیا خیال ہے؟

حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔
جادو بھی شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ رسُولوں اور نبیوں کی یہ شان نہیں ہوتی کہ ان پر جادو کا کچھ اثر ہو سکے۔ بلکہ ان کو دیکھ کر جادو بھاگ جاتا ہے جیسے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے لَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى (طٰہٰ: ۷۰) دیکھو حضرت موسیٰؑ کے مقابل پر جادو تھا۔ آخر موسیٰؑ غالب ہوا کہ نہیں؟ یہ بات بالکل غلط ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ پر جادو غالب آگیا۔ ہم اس کو کبھی نہیں مان سکتے۔ آنکھ بند کر کے بخاری اور مسلم کو مانتے جانا یہ ہمارے مسلک کے برخلاف ہے۔ یہ تو عقل بھی تسلیم نہیں کر سکتی کہ ایسے عالی شان نبی پر جادو اثر کر گیا ہو۔ ایسی باتیں کہ اس جادو

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۴۰ صفحہ ۷، ۸ مورخہ ۱۰؍ نومبر ۱۹۰۷ء

کی تاثیر سے (معاذ اللہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حافظہ جاتا رہا۔ یہ ہوگیا اور وہ ہوگیا کسی صورت میں صحیح نہیں ہو سکتیں معلوم ہوتا ہے کہ کسی خبیث آدمی نے اپنی طرف سے ایسی باتیں ملا دی ہیں۔ گو ہم نظرِ تہذیب سے احادیث کو دیکھتے ہیں لیکن جو حدیث قرآنِ کریم کے برخلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت کے برخلاف ہو اس کو ہم کب مان سکتے ہیں۔ اس وقت احادیث جمع کرنے کا وقت تھا۔ گو انہوں نے سوچ سمجھ کر احادیث کو درج کیا تھا مگر پوری احتیاط سے کام نہیں لے سکے۔ وہ جمع کرنے کا وقت تھا لیکن اب نظر اور غور کرنے کا وقت ہے۔ آثارِ نبی جمع کرنا بڑے ثواب کا کام ہے، لیکن یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جمع کرنے والے خوب غور سے کام نہیں لے سکتے۔ اب ہر ایک کا اختیار ہے کہ خوب غور اور فکر سے کام لے جو ماننے والی ہو۔ وہ مانے اور جو چھوڑنے والی ہو وہ چھوڑ دے ایسی بات کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر (معاذ اللہ) جادو کا اثر ہوگیا تھا۔ اس سے تو ایمان اُٹھ جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے اِذْ یَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا (بنی اسرائیل: ۴۸) ایسی ایسی باتیں کہنے والے تو ظالم ہیں نہ مسلمان۔ یہ تو بے ایمانوں اور ظالموں کا قول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر (معاذ اللہ) سحر اور جادو کا اثر ہوگیا تھا۔ اتنا نہیں سوچتے کہ جب (معاذ اللہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال ہے تو پھر اُمت کا کیا ٹھکانا؟ وہ تو پھر غرق ہو گئی۔ معلوم نہیں ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ جس معصوم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء مسِ شیطان سے پاک سمجھتے آئے ہیں یہ ان کی شان میں ایسے ایسے الفاظ بولتے ہیں۔

مقامِ مریمی فرمایا:۔
یہ بات تو ہمارے وہم و قیاس میں بھی نہ تھی کہ خدا تعالیٰ نے ہمارا نام مریم رکھا ہے اور پھر اس میں نفخِ رُوح کر کے عیسٰی پیدا کیا ہے۔

فرمایا:۔
باوجود براہین احمدیہ کے ریویو لکھنے کے کسی نے اس پر جرح نہیں کی کہ کیوں مریم نام رکھا۔ اور پھر عجیب بات یہ ہے کہ اسی کتاب میں یَا عِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ کا الہام بھی درج ہے مگر اس طرف کسی نے ذرا بھی توجہ نہ کی [1]

ooooooooooooooo

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۴۰ صفحہ ۸ مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۰۷ء

بلا تاریخ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا مرتکب کون ہے

فرمایا:- یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم انبیاء کو گالی نکالتے ہیں۔ حالانکہ کسی کو وفات یافتہ کہنا گالی نہیں ہوتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب وفات پا گئے تو اَور کون ہے جو زندہ رہے؟ انہوں نے خود مَر کر دکھایا کہ سب نبی فوت ہو گئے ہیں اور پھر معراج کی رات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰؑ کو وفات یافتہ انبیاء میں دیکھا۔ اصل میں گالی تو یہ لوگ نکالتے ہیں جو افضل الرسل سید المعصومین کو (معاذ اللہ) شیطانی مَس سے آلودہ سمجھتے ہیں اور حضرت عیسیٰؑ کو پاک سمجھتے ہیں کتنے اندھیر کی بات ہے کہ یہ لوگ باوجودیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء سمجھتے ہیں۔ انہیں کا کلمہ پڑھتے اور انہیں کی اُمّت سے ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر پھر انہیں سے نافرمان ہو کر انہیں پر الزام لگاتے ہیں۔ یہ آخری زمانہ ہے اگر عیسائی ہدایت پا جائیں تو پا جائیں مگر یہ لوگ اپنے اس عقیدہ سے باز نہیں آئیں گے بلکہ اسی کی تائید پر زور دیں گے۔ اتنا نہیں سوچتے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزہ مانگا گیا تھا۔ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ یعنی آسمان پر چڑھ جاؤ کہا گیا تھا تو خدا تعالیٰ نے یہی جواب دیا تھا کہ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل : ۹۴) یعنی خدا تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ وہ اپنے وعدے کا تخلف کرے۔ میں تو ایک بشر رسول ہوں۔ بشر رسول آسمان پر نہیں جایا کرتے۔ اب یہ لوگ جو حضرت عیسیٰؑ کو آسمان پر چڑھاتے ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ اُسے بشر بھی نہیں سمجھتے۔ کیونکہ بشر کے لیے تو خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ آسمان پر نہیں جا سکتا۔ اصل میں یہ لوگ اسلام کے سخت دشمن ہیں۔ جس شخص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پاس نہیں وہ بے ایمان ہے۔ خدا تعالیٰ تو ایک مومن کا بھی پاس کرتا ہے جیسے فرمایا وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ (آل عمران: ۶۹) وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ (الجاثیۃ: ۲۰) افسوس ان لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کیسے کیسے الزام لگائے۔ مشرق سے لے کر مغرب تک چاروں طرف دوڑو۔ کسی سچے مسلمان کا یہ عقیدہ نہیں ہو سکتا کہ حضرت عیسیٰؑ تو مَسِ شیطان سے پاک ہیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (معاذ اللہ) پاک نہیں۔ اس بات کا ہمیں کوئی جواب دے بشرطیکہ وہ ایماندار ہو کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت یونسؑ[1] سے بھی گئے گذرے ہو گئے؟ افسوس کہ ان لوگوں نے دین کا ستیاناس کر دیا۔ جب کافروں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قسمیں کھائی تھیں کہ آپ ہمارے سامنے آسمان پر چڑھ کر دکھا دیں اس کے بعد ہمارا آپ سے

---

[1] یہ فقرہ "حضرت عیسیٰؑ سے بھی گئے گذرے ہو گئے" ہونا چاہیئے کیونکہ انہیں کا ذکر چل رہا ہے۔ غالباً سہوِ کتابت سے "یونس" لکھا گیا ہے۔ (مرتب)

کوئی جھگڑا نہیں ہوگا بلکہ ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے تو ہمیں تلاؤ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان پر چڑھنے سے کیوں انکار کر دیا تھا اور کیوں کہدیا تھا کہ بشر آسمان پر نہیں جا سکتا اور پھر ان لوگوں کے پاس اگر کسی بشر کے آسمان پر جانے کی نظیر موجود تھی تو وہ پیش کر دیتے۔ کیوں وہ اس جواب کے سُنتے ہی خاموش ہو گئے۔ ہمیں تلاؤ کہ جب انہوں نے آسمان پر چڑھتے دیکھ کر ایمان لانے کا وعدہ کیا تھا تو کیوں نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان پر چڑھ کر دکھا دیا۔ یہ کیوں کہہ دیا کہ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا۔ (بنی اسرائیل: ۹۴)

سبحان کا لفظ اس واسطے بولا گیا ہے کہ سبحان کے معنے ہیں ہر عیب سے مبرا۔ لیکن وعدہ کو توڑنا تو سخت عیب ہے۔ خدا تعالیٰ نے وعدہ کیا ہوا تھا کہ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا (المرسلات: ۲۶، ۲۷) جس کا یہ مطلب ہے کہ ہم نے زمین کو زندوں اور مُردوں کے سمیٹنے کے لیے کافی بنایا ہے اور اس میں ایک کشش ہے جس کی وجہ سے زمین والے کسی اور جگہ زندگی بسر کر ہی نہیں سکتے۔ اب اگر بشر آسمان پر گیا ہوا مان لیا جاوے تو نعوذ باللہ ماننا پڑے گا کہ خدا تعالیٰ نے اپنا وعدہ توڑ دیا۔ غرض اسی کی تائید کے واسطے سبحان کا لفظ بولا گیا ہے کہ اللہ بے عیب ہے وہ وعدہ خلافی نہیں کیا کرتا اور میں تو ایک بشر ہوں، بشر آسمان پر نہیں جا سکتا۔

وفات کے بارہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اقرار

اور پھر دیکھو کہ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ میں حضرت عیسیٰؑ کا صاف طور پر اقرار موجود ہے کہ عیسائیوں کے بگڑنے کی مجھے خبر نہیں۔ اب ان لوگوں کی یہ عجیب قسم کی مولویت ہے کہ حضرت عیسیٰؑ تو قیامت کے دن اقرار کریں گے کہ میں دوبارہ زمین پر نہیں گیا اور عیسائیوں کے بگڑنے کا جب اُن سے سوال کیا جائے گا تو وہ کانوں پر ہاتھ دھریں گے اور اپنی بے خبری جتلائیں گے۔ لیکن یہ ہیں کہ ان کو دوبارہ اُتار رہے ہیں۔ اب انصاف سے بتلاؤ کہ کیا یہ ہماری اپنی بنائی ہوئی باتیں ہیں؟ سوچو تو سہی کہ وہ تو بیچارے بار بار خدا تعالیٰ کے سامنے اقرار کرتے ہیں کہ مجھے خبر نہیں کہ عیسائیوں نے مجھے پوجا ہے یا کسی اور کو۔ اور اپنے خدا یا خدا کا بیٹا بنائے جانے سے لاعلمی ظاہر کریں گے مگر یہ لوگ کہتے ہیں کہ قیامت سے پہلے دنیا میں نازل ہوں گے۔ کسرِ صلیب کرینگے لڑائیاں کریں گے اور سب مشرکوں کو قتل کر کے مسلمان کر دیں گے۔ جس سے ماننا پڑتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ خدا تعالیٰ کے سامنے جھوٹ بولیں گے اور باوجود عیسائیوں کے اعتقاد سے خبر رکھنے کے لاعلمی ظاہر کریں گے۔

مامور من اللہ کی صداقت کے نشان

اور پھر یہ بھی یاد رکھو کہ جو شخص خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے۔ اس کے لیے چند نشان ہوا کرتے ہیں جن سے اس کی سچائی پرکھی جاتی ہے۔

اوّل یہ کہ وہ پاک اور صاف تعلیم لے کر آتا ہے جب اس کی تعلیم گندی ہو گی تو اس کو قبول کون کریگا؟ دیکھو

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کیسی پاک ہے۔ اس میں ذرا بھی شک وشبہ نہیں اور کسی قسم کے شرک کی گنجائش نہیں
دوسرے یہ کہ اس کے ساتھ بڑے بڑے نشان ہوتے ہیں کہ بحیثیت مجموعی دُنیا میں کوئی بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

تیسرے یہ کہ گذشتہ انبیاء کی جو پیشگوئیاں اس کے متعلق ہوتی ہیں وہ اس پر صادق آتی ہیں۔
چوتھی بات یہ ہے کہ اس وقت زمانہ کی حالت خود ظاہر کرتی ہے کہ کوئی مامور من اللہ آوے۔
پانچویں بات یہ ہے کہ سچے مدعی کا صدق اور اخلاص، استقلال اور تقویٰ نہایت اعلیٰ درجہ کا ہوتا ہے اور اس میں ایک کشش ہوتی ہے جس سے وہ اوروں کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔
تمام قرآن مجید میں یہی موٹی باتیں ہیں جن سے کسی مامور کی سچائی کا پتہ لگتا ہے۔ اب جس کو ایمان کی ضرورت ہے وہ یہی پانچ علامتیں پیش کر کے ہمارا امتحان کر لے۔

اس صدی کا مجدد کون ہے

اور پھر دیکھو کہ یہ لوگ خود بھی اس بات کو مانتے ہیں کہ ہر صدی کے سر پر ایک مجدد آیا کرتا ہے لیکن افسوس کہ بقول ان کے چودھویں صدی کے سر پر کوئی مجدد نہ آیا۔ حالانکہ چوتھائی حصہ صدی کا گذر بھی گیا ہے اور ہزارہا لوگ دینِ اسلام سے مُرتد بھی ہو چکے ہیں۔ ہر ایک خاندان اور ہر ایک قوم کے لوگ عیسائی بن چکے ہیں۔ ایک وقت وہ تھا کہ اگر ایک مسلمان بھی مُرتد ہو جاتا تھا تو قیامت برپا ہو جاتی تھی، لیکن اب تو ہر ایک قوم سادات، مغل، قریش، پٹھان اور ہر ایک طبقہ کے لوگ عیسائی مذہب میں موجود ہیں اور مخلوق پرستی کا وہ طوفان برپا ہے کہ جب سے دُنیا پیدا ہوئی ایسا سُننے میں نہیں آیا۔ تو اب بتلاؤ کہ جن صدیوں میں ایسا طوفان نہ تھا اُن میں تو مجدد آتے رہے لیکن جس صدی میں اسلام کو نیست و نابود کرنے کے ہزارہا سامان پیدا ہو گئے اور لاکھوں انسان مُرتد ہو گئے اور بے دینی اور فسق و فجور حد سے زیادہ بڑھ گیا اور صدی میں سے پچیس برس گذر بھی گئے اس میں کوئی مجدد نہ آیا۔ اور جو دعویٰ کرتا ہے کہ اس صدی کا مجدد میں ہوں تو اُسے دجال سمجھا جاتا ہے اور کذاب اور مُفتری خیال کیا جاتا ہے۔ ان لوگوں کو چاہیئے تھا کہ ہمارے انجام کو دیکھتے۔ ہم نے ایک سو ستاسی نشانات کتاب حقیقۃ الوحی میں نہایت ہی اختصار کے ساتھ درج کئے ہیں۔ اب ان کو چاہیئے کہ کسی جھوٹے میں وہ نشانات ثابت کریں۔

ہمارا موقف

تعلیم کی نسبت سُن لو کہ ہم ان ناپاکیوں کو دُور کرتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر لگائی جاتی ہیں۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسِ شیطان سے پاک نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ وہ افضل الرُسل۔ سید المعصومین، رحمۃٌ للعالمین اور خاتم النبیین ہیں اور مسِ شیطان سے سب سے بڑھ کر پاک ہیں اور تمام کمالاتِ نبوت انہیں کی ذات پاک پر ختم ہو گئے ہیں۔

اسی طرح یہ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عیسٰی آسمان پر زندہ موجود ہیں۔ ہم ایمان لاتے ہیں کہ کوئی بشر آسمان پر نہیں جا سکتا۔ قرآن مجید میں صاف طور پر سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل : ۹۴) لکھا ہے اور پھر اسی قرآنِ مجید میں فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِیْ بھی درج ہے۔ اگر حضرت عیسٰی دوبارہ دُنیا میں آئے ہوتے کسرِ صلیب کی ہوتی۔ کافروں کو قتل کیا ہوتا۔ تو کیا اُن کو قیامت کے دن خدا تعالیٰ کے حضور میں یہی جواب دینا چاہیئے تھا کہ مجھے عیسائیوں کے بگڑنے کی خبر نہیں؟ باوجودیکہ دوبارہ آکر انہوں نے کافروں اور مشرکوں کو مسلمان کیا۔ اپنے ذاتی مشاہدہ سے تمام حالات معلوم کر لیے مگر خدا تعالیٰ کے رُوبرُو کہیں گے کہ مجھے عیسائیوں کے بگڑنے کی خبر نہیں۔ کیا وہ خدا تعالیٰ کے عرش کے سامنے جھوٹ بولیں گے اور خدا تعالیٰ خاموش ہو رہے گا؟ کیا خدا تعالیٰ اتنا بھی نہ کہے گا کہ تم کیوں جھوٹ بولتے ہو۔ تم تو دوبارہ دُنیا میں گئے تھے۔ عیسائیوں کو تم نے مسلمان کیا تھا پھر یہ کیوں کہتے ہو کہ اس کی خبر نہیں؟ ہم تو دیکھتے ہیں کہ ادنیٰ عدالتوں میں بھی انسان حلفِ دروغی کے باعث پکڑا جاتا ہے تو کیا خدا تعالیٰ کی درگاہ میں جھوٹ کی پُرسش نہیں ہوگی؟ افسوس کہ ان لوگوں نے خدا تعالیٰ کی ذات بابرکات اور صفات کو بٹہ لگایا۔ قرآنِ مجید کی توہین کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی۔ تمام راستبازوں کی توہین کی۔ اب ایسے مذہب کو کون قبول کرے؟ ایسی باتیں تو وہی بولے گا جس کو خدا تعالیٰ کا خوف نہ ہو۔ دوسرا شخص ایسی باتوں کو کب مان سکتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا دعویٰ

بار بار ہم سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے نبی اور رُسول ہونے کی دلیل کیا ہے؟

اوّل تو ہم یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارا دعویٰ صرف نبی اور رسول ہونے کا نہیں ہے اور نہ ہم کسی شریعت لانے کے مدعی ہیں۔ بلکہ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ میں ایک پہلو سے اُمّتی ہوں اور ایک پہلو سے نبی اور وہ نبوت براہ راست نہیں بلکہ اُمّتی ہونے کی کامل برکات نے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوضِ تامہ نے مجھے یہ درجۂ نبوت بخشا ہے اور درحقیقت وہ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ہے جو میرے آئینۂ صافیہ میں جلوہ نما ہوئی ہے اور پھر یہ بھی یاد رہے کہ میرے پاس بھی اپنی اس قسم کی نبوت کے وہی دلائل ہیں جو سب انبیاء کے پاس ہوتے چلے آئے ہیں۔ بعض انبیاء کے پاس تو صرف ایک دلیل تھی۔ کہاں لکھا ہے کہ ان کے پاس پچاس یا ساٹھ نشان تھے بلکہ اکثر انبیاء کے لیے تو یا اس سے بھی کم نشان ہوا کرتے تھے، لیکن ہم نے تو نہایت اختصار کے ساتھ لکھتے ہوئے ایک سو ستاسی نشان حقیقۃ الوحی میں لکھ دیئے ہیں اور پھر خدا تعالیٰ ہمارے ساتھ ابھی بڑے بڑے نشانوں کا وعدہ کرتا ہے۔ کم از کم یہ لوگ کچھ مدت کے لیے کفِ لسان اختیار کرتے اور ہمارے انجام کو دیکھتے۔ مگر افسوس کہ بغیر کسی یقینی علم اور پختہ دلیل کے ہماری تکفیر اور تکذیب پر آمادہ ہو گئے حالانکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ (بنی اسرائیل : ۳۷)

اور اگر حضرت عیسیٰ کے مرنے پر ان لوگوں کو طیش آتا ہے تو یہ سچی بات ہے کہ وہ مر گئے ہیں اور سب انبیاء مرتے ہی آئے ہیں۔ آخر یہ لوگ بھی تو مانتے ہیں کہ وہ دوبارہ آکر مریں گے پھر تکفیر کے کیا معنے؟

الزامی جوابات دینے کی وجہ

باقی رہا یہ کہ عیسائیوں کو جواب دیتے وقت بعض اوقات سخت الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں تو یہ بات بالکل صاف ہے جب ہمارا دل بہت دکھایا جاتا ہے اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر طرح طرح کے ناجائز حملے کئے جاتے ہیں تو صرف متنبہ کرنے کی خاطر انہیں کی مسلمہ کتابوں سے الزامی جواب دیئے جاتے ہیں۔ ان لوگوں کو چاہیئے کہ ہماری کوئی بات ایسی نکالیں جو حضرت عیسیٰ کے متعلق ہم نے بطور الزامی جواب کے لکھی ہو اور وہ انجیل میں موجود نہ ہو۔ آخر یہ تو ہم سے نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین سُن کر چُپ رہیں اور اس قسم کے جواب تو خود قرآن مجید میں پائے جاتے ہیں جیسے لکھا ہے اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنْثٰى (النجم: ۲۲) فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ (الصّٰفّٰت: ۱۵۰) وہ لوگ فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا تمہارے بیٹے اور ہماری بیٹیاں؟

غرض الزامی رنگ کے جواب دینا تو طریق مناظرہ ہے۔ ورنہ ہم حضرت عیسیٰ کو خدا تعالیٰ کا رسول اور ایک مقبول اور برگزیدہ انسان سمجھتے ہیں اور جن لوگوں کا دل صاف نہیں اُن کا فیصلہ ہم خدا پر چھوڑتے ہیں۔[1]

بلا تاریخ

بد دُعا دینا اچھا نہیں

فرمایا کہ:۔

ذرا ذرا سی بات پر بد دُعا دینا اچھا نہیں ہوتا کیونکہ حدیث میں حکم آیا ہے کہ صبر کرو۔ جو لوگ ذرا ذرا سی بات پر بد دُعا دیتے ہیں اکثر انہیں پشیمان ہونا پڑتا ہے کیونکہ اس وقت تو وہ جوش میں آکر کچھ کا کچھ کہہ دیتے ہیں اور پیچھے جب سوچتے ہیں تو خود ان کا نفس ان کو ملامت کرتا ہے کہ اس قدر خفیف معاملہ پر اس قدر خفگی اور ناراضی دکھائی جو اخلاق کے سراسر خلاف ہے۔

حرام و حلال

فرمایا کہ:۔

جو چیز بُری ہے وہ حرام ہے اور جو چیز پاک ہے وہ حلال۔ خدا تعالیٰ کسی پاک چیز کو

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۴۱ صفحہ ۳-۴ مورخہ ۱۷ نومبر ۱۹۰۷ء

حرام قرار نہیں دیتا بلکہ تمام پاک چیزوں کو حلال فرماتا ہے۔ہاں جب پاک چیزوں ہی میں بُری اور گندی چیزیں ملائی جاتی ہیں تو وہ حرام ہو جاتی ہیں۔اب شادی کو دَف کے ساتھ شہرت کرنا جائز رکھا گیا ہے لیکن اس میں جب ناچ وغیرہ شامل ہو گیا تو وہ منع ہو گیا۔اگر اسی طرح پر کیا جائے جس طرح نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا تو کوئی حرام نہیں۔

خدا تعالیٰ کے فیصلوں پر انشراح

برادرم[1] مبارک احمد کی وفات پر فرمایا کہ:۔

خدا تعالیٰ اتنی مدت سے ہم پر رحم کرتا آیا ہے۔ہر طرح سے ہماری خواہش کے مطابق کام کرتا آیا ہے اور اُس نے اٹھارہ برس کے عرصہ میں ہم کو طرح طرح کی خوشیاں پہنچائیں اور انعام واکرام کئے۔گویا اپنی رضا پر ہماری رضا کو مقدم کر لیا۔پھر اگر ایک دفعہ اس نے اپنی مرضی ہم سے منوانی چاہی تو کون سی بڑی بات ہے۔اگر ہم باوجود اس کے اس قدر احسانات کے پھر بھی جزع فزع اور واویلا کریں تو ہمارے جیسا احسان فراموش کوئی نہ ہوگا۔اور پھر اس نے تو پہلے ہی اطلاع دے دی تھی کہ یہ جلد فوت ہو جائیگا جیساکہ تریاق القلوب میں لکھا ہے۔

دوسرے یہ کہ دوستی تو اسی کو کہتے ہیں کہ کچھ دوست کی باتیں مانی جاویں اور کچھ اس کو منوائی جاویں یہ تو دوستی نہیں کہ اپنی ہی منواتے جانا۔اور جب دوست کی بات ماننے کا وقت آئے تو بُرا منانا۔پس جبکہ ہم نے خدا تعالیٰ سے تعلق کیا ہے تو چاہیئے کہ کچھ اس کی مانیں اور کچھ اس سے منوائیں۔[2]

(منقول از تشحیذ الاذہان جلد ۲ نمبر ۹)

بلا تاریخ

(القول الطیب)

مغربی اقوام کے بارہ میں پیشگوئیوں کا ظہور

جنگوں میں کام آنے والے نئے بیلون کا ذکر تھا اور اس امر کا ذکر تھا کہ بعض انگریز اس تجویز میں ہیں کہ مریخ سیارے کے لوگوں سے باتیں کی جاویں۔

فرمایا:۔

---

[1] یہ فقرہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی مرزا محمود احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ کا ہے جو اس وقت تشحیذ الاذہان کے ایڈیٹر تھے (مرتب)

[2] بدر جلد ۶ نمبر ۴۴ صفحہ ۸ مورخہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۷ء

یہ وہی بات پوری ہو رہی ہے جو ان کی نسبت پہلے سے کہا گیا ہے کہ آسمان کی طرف تیر چلائیں گے۔
فرمایا:۔
ان لوگوں کے واسطے خدا تعالیٰ نے ہر امر کے واسطے طاقت کھول دی ہے۔ دیکھئے انجام کیا ہوتا ہے۔

سید احمد صاحب مثیلِ یوحنا تھے

فرمایا:۔
جس طرح کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے یوحنا نبی خدا تعالیٰ کی تبلیغ کرتے ہوئے شہید ہوئے تھے۔ اسی طرح ہم سے پہلے اسی ملک پنجاب میں سید احمد صاحب توحید کا وعظ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ یہ بھی ایک مماثلت تھی جو خدا تعالیٰ نے پوری کر دی۔

خدا کی اولاد سے مراد

فرمایا:۔
اللہ تعالیٰ نے جو ہم کو مخاطب کیا ہے کہ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ اَوْلَادِیْ اس جگہ یہ تو نہیں کہ تو میری اولاد ہے بلکہ یہ کہا کہ بمنزلہ اولاد کے ہے یعنی اولاد کی طرح ہے اور دراصل یہ عیسائیوں کی اس بات کا جواب ہے جو وہ حضرت عیسیٰ کو حقیقی طور پر ابن اللہ مانتے ہیں۔ حالانکہ خدا تعالیٰ کی کوئی اولاد نہیں اور خدا تعالیٰ نے یہودیوں کے اس قول کا عام طور پر کوئی رد نہیں کیا جو کہتے تھے کہ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰہِ وَاَحِبَّآؤُہٗ (المائدۃ:۱۹) بلکہ یہ ظاہر کیا کہ تم ان ناموں کے مستحق نہیں ہو۔ دراصل یہ ایک محاورہ ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے برگزیدوں کے حق میں اکرام کے طور پر ایسے الفاظ بولتا ہے۔ جیسا کہ حدیثوں میں ہے کہ میں اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں اور میں اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں اور جیسا کہ حدیثوں میں ہے کہ اے بندے میں پیاسا تھا تو نے مجھے پانی نہ دیا اور میں بھوکا تھا تو نے مجھے روٹی نہ دی۔ ایسا ہی توریت میں بھی لکھا ہے کہ یعقوب خدا کا فرزند بلکہ نخست زادہ ہے۔ سو یہ سب استعارے ہیں جو عام طور پر خدا تعالیٰ کی عام کتابوں میں پائے جاتے ہیں اور احادیث میں ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے یہ الفاظ میرے حق میں اسی واسطے استعمال کئے ہیں کہ تا عیسائیوں کا ردّ ہو۔ کیونکہ باوجود ان لفظوں کے میں کبھی ایسا دعویٰ نہیں کرتا۔ کہ نعوذ باللہ میں خدا کا بیٹا ہوں بلکہ ہم ایسا دعویٰ کرنا کفر سمجھتے ہیں اور ایسے الفاظ جو انبیاء کے حق میں خدا تعالیٰ نے بولے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ اور سب سے بڑا عزت کا خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا قُلْ یٰعِبَادِیَ (الزمر:۵۴) جس کے معنے ہیں کہ اے میرے بندو۔

اب ظاہر ہے کہ وہ لوگ خدا تعالیٰ کے بندے تھے نہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بندے۔ اس فقرہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسے الفاظ کا اطلاق استعارہ کے رنگ میں کہاں تک وسیع ہے۔

کشمیر میں حضرت مسیح علیہ السلام کی قبر

ابو سعید عرب صاحب جو حال میں کشمیر کی سیاحت سے واپس آئے ہیں۔ انہوں نے حضرت اقدس (علیہ السلام) کی خدمت میں عرض کی کہ کشمیر کے اندر عام لوگ تو اب تک حضرت عیسیٰؑ کی قبر کو پہلے کی طرح نبی صاحب کی قبر یا عیسیٰ کی قبر کہتے ہیں مگر وہاں کے علماء جو اس سلسلہ احمدیہ کے حالات سے آگاہ ہوگئے ہیں۔ انہوں نے بسببِ عداوت اب ایسا کہنا چھوڑ دیا ہے تاکہ اس فرقہ کو مدد نہ ملے۔

حضرت نے فرمایا:۔

اب ان لوگوں کی ایسی کارروائیوں سے کیا بنتا ہے جبکہ پُرانی کتابیں جو کشمیر میں اور دوسری جگہوں میں موجود ہیں۔ اور ایک عربی پُرانی کتاب گیارہ سو برس کی جو کسی فاضل شیعہ کی تصنیف ہے۔ اس میں یُوزآسف کو شاہزادہ نبی لکھا ہے اور اس کی قبر کشمیر میں بتلائی ہے اور اس کا وقت بھی وہی لکھا ہے۔ جو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وقت تھا۔ عیسائی بھی تو یہاں تک قائل ہوگئے ہیں کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کا حواری تھا اور اس کے نام پر سسلی میں ایک گرجا بھی بنا ہوا ہے۔ لیکن اب سوال یہ ہے کہ وہ حواری کون تھا جو شہزادہ بھی کہلایا ہو اور نبی بھی کہلایا ہو؟ اس کا جواب عیسائی نہیں دے سکتے۔[1]

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۴۵ صفحہ ۳ مورخہ ۷ نومبر ۱۹۰۷ء

بلا تاریخ[1]

مخالفت مفید ہوتی ہے

ذکر ہوا کہ کشمیر میں ایک بڑا مولوی میر واعظ ہے وہ پہلے اس سلسلہ کے متعلق خاموش تھا۔ مگر جب سے مولوی عبد اللہ صاحب نے اس کو مخاطب کر کے اشتہارات دیئے وہ بھی اپنے وعظ میں مخالفت کرنے لگا ہے حضرت نے فرمایا:۔

اس معاملہ میں مولوی عبد اللہ کی کارروائی درست تھی۔ مخالفت سے ڈرنا نہیں چاہیئے بلکہ اس سے فائدہ ہوتا ہے۔ یہی قدیم سے سنّت چلی آتی ہے جب کبھی کوئی نبی پیدا ہوتا ہے لوگ اس کی مخالفت شروع کرتے ہیں سبّ وشتم سے کام لیتے ہیں۔ اسی ضمن میں کتابوں کے دیکھنے اور صحیح حالات کے سُننے اور معلوم کرنے کا بھی انکو موقعہ مل جاتا ہے۔ دُنیا کے کیڑے جو اپنے دنیاوی کاموں میں مستغرق ہوتے ہیں ان کو فرصت ہی کہاں ہے کہ دینی اُمور کی طرف متوجہ ہوں لیکن مخالفت کے سبب ان کو بھی غور وفکر کرنے کا موقعہ مل جاتا ہے اور ان کے شور وغل کے سبب دوسرے لوگوں کو بھی اس طرف توجہ ہو جاتی ہے کہ دیکھنا چاہیئے کہ اصل میں بات کیا ہے۔ کئی لوگوں کے ہمارے پاس خطوط آئے کہ مولوی محمد حسین یا مولوی ثناء اللہ وغیرہ کا انہوں نے نام لیا کہ ان کی مخالفانہ تحریریں اور کتب پڑھ کر ہمیں اس طرف خیال ہوا کہ آخر مرزا صاحب کی تحریریں بھی منگوا کر دیکھنی چاہیئے اور جب آپ کی کتاب پڑھی تو اس کو رُوحانیت سے پُر پایا۔ اور حق ہم پر کُھل گیا۔

جب انسان توجہ کرتا ہے تو اس کا دل انصاف خود اُسے ملزم کرتا ہے۔ جہاں مخالفت کی آگ بھڑکتی ہے اور شور اُٹھتا ہے اس جگہ ایک جماعت پیدا ہو جاتی ہے۔ انبیاء سے پہلے تمام لوگ نیک و بد بھائی بھائی بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ نبی کے آنے سے ان کے درمیان ایک تمیز پیدا ہو جاتی ہے۔ سعید الگ ہو جاتے اور شقی الگ ہو جاتے ہیں۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مخالفین کو یہ کلمہ نہ سُناتے کہ اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ

---

[1] قیاس ہے کہ یہ ملفوظات اکتوبر ۱۹۰۲ء کے اواخر یا پھر نومبر ۱۹۰۲ء کے ابتدائی ایام کے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (مرتب)

اللہِ حَصَبُ جَهَنَّمَ (الانبیاء : ۹۹) تم اور تمہارے معبود جہنم کے لائق ہیں تو کفار ایسی مخالفت نہ کرتے مگر اپنے معبودوں کے حق میں ایسے کلمات سُنکر وہ جوش میں آگئے۔

پنجاب میں سب سے زیادہ مخالفت ہوئی اور اسی جگہ خدا تعالیٰ نے سب سے زیادہ جماعت بھی بنائی ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ پہلے لوگ امّتِ واحدہ ہوتے ہیں پھر نبی کے آنے سے ان میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ ابوجہل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو مباہلہ کیا تھا اور آخری دُعا کی تھی کہ اے خدا جس نے ملک میں فساد پیدا کر رکھا ہے اور قطع رحم کرتا ہے آج اس کو ہلاک کردے جس کے نتیجہ میں وہ خود ہلاک ہوا۔ اس کی دُعا سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ملک کی کیا حالت ہو گئی تھی اور باہمی فساد کو کفار کس کی طرف منسوب کرتے تھے جب شور اُٹھتا ہے تو ایسے آدمی بھی پیدا ہو جاتے ہیں جو انصاف کی پابندی کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہیں مخالفین انبیاء کی عادت ہے کہ رسم وعادت کی پیروی کرتے ہوئے ایک بات پر اڑ جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ سے اُمید منقطع کرکے اسی پر فیصلہ کر لیتے ہیں کہ ہم اسی پر مر جائیں گے خواہ کچھ ہی ہو۔ مگر خدا تعالیٰ انہی لوگوں میں سے سعید الفطرت انسان بھی پیدا کر دیتا ہے۔

احمدی نام کی وجہ

ذکر آیا کہ بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ مرزا صاحب نے اپنی جماعت کا ایک الگ نام احمدی کیوں رکھ لیا ہے۔

فرمایا:۔

یہ نام تو صرف شناخت کے واسطے ہے جیسا کہ مسلمانوں میں بہت سے فرقے ہیں۔ کوئی اپنے آپ کو حنفی کہتا ہے کوئی شافعی کوئی اہلحدیث وغیرہ۔ چونکہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالی نام احمد کا ظہور ہو رہا ہے۔ اس واسطے اس جماعت کا نام احمدی ہوا۔ اور یہ نام اسی زمانہ اور اسی جماعت کے واسطے مقدر تھا۔ اس سے پہلے اگرچہ بعض ایسے آدمی ہوئے جو کسی جماعت کے امام بنے اور ان کے نام میں احمد کا لفظ تھا مگر کبھی خدا تعالیٰ نے کسی جماعت کا نام احمدی نہ ہونے دیا۔ مثلاً امام احمد بن حنبل تھے۔ ان کی جماعت حنبلی کہلائی۔ سید احمد بریلوی تھے تو ان کی جماعت مجاہدین کہلائی۔ سید احمد علیگڑھ کے تھے تو اُن کے ہمخیال نیچری کہلائے۔ علیٰ ہذا القیاس اور کسی کا نام کبھی احمدی نہیں ہوا۔[1]

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۵ ۴ صفحہ ۷ مورخہ ۷ ، نومبر ۱۹۰۶ء

بلا تاریخ

ڈاکٹروں کیلئے عبرت کے مواقع

مختلف قسم کی بیماریوں کا ذکر تھا۔ فرمایا:۔

ڈاکٹروں کے واسطے عبرت کے نظاروں سے فائدہ حاصل کرنے کے لیے بہت موقعہ ہوتا ہے۔ قسم قسم کے بیمار آتے ہیں بعض کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جاتے ہیں بعض کی ایسی حالت ہوتی ہے کہ شدتِ بیماری کے سبب لَا مِنَ الْاَحْیَاءِ وَلَا مِنَ الْاَمْوَاتِ۔ نہ زندوں میں داخل نہ مُردوں میں۔ لیکن ایسے نظاروں کو کثرت کے ساتھ دیکھنے سے سخت دلی بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور ضروری بھی ہے کیونکہ نرم دل اور رقیق القلب ایسا کام نہیں کر سکتا کیونکہ سرجری کا کام بہت حوصلے کا کام ہے۔

اس زمانہ کے مُلّاں

فرمایا:۔

اس زمانہ کے مُلّاؤں کو بھی مُردوں کے عبرت انگیز نظاروں کو بہت دیکھنا پڑتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ وہ بھی سخت دل ہو گئے ہیں۔ کلکتہ میں ایک مُلّاں کا ذکر اخبار میں لکھا ہے کہ اس پر کسی قرضخواہ نے نالش کی تو اس نے جواب دعویٰ لکھا کہ امسال کلکتہ کی صحت اچھی رہی اور لوگ بہت نہیں مرے اس واسطے میں کچھ دے نہیں سکتا۔ البتہ بسبب قحط و وبا اگلے سال لوگوں کے بہت مرنے اور معقول آمدنی حاصل ہونے کی اُمید ہے پھر قرضہ ادا کیا جائے گا۔ ایسا ہی اِس جگہ دو ملّاؤں کے درمیان جو بھائی تھے باہمی تنازعے ہونے پر انکے درمیان مسلمانوں کے گھروں کی تقسیم کردی گئی تو ایک مُلّاں اس بات پر ناراض ہوا کہ جو لوگ میرے حصے میں آئے ان کے قد چھوٹے ہیں اور ان کے کفن پر سے جو چادر اُترے گی وہ چھوٹی ہوگی۔ اس قدر رذالت ان لوگوں میں آگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ رحم کرے۔

ایک آیت کا الفائی ترجمہ

فرمایا:۔

آیت قرآنی قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا (الشمس : ۱۰، ۱۱) کا ترجمہ میں اُردو میں ایک دفعہ سوچتا تھا تو یہ شعر لکھا گیا ؎

کوئی اس پاک سے جو دل لگاوے ۔ کرے پاک آپ کو تب اس کو پاوے

تصوف کی غلط اصطلاحات

فرمایا:۔

سیدھی اور سچی اور سادہ عام فہم منطق وہ ہے جو قرآن شریف

ملا ہے اس میں کوئی پیچیدگی نہیں۔ ایک سیدھی راہ ہے جو خدا تعالیٰ نے ہم کو سکھلا دی ہے۔ چاہیئے کہ آدمی قرآن شریف کو غور سے پڑھے۔ اس کے امر اور نہی کو جدا جدا دیکھ رکھے اور ان پر عمل کرے اور اسی سے وہ اپنے خدا کو خوش کرلے گا۔ باقی منطقیوں اور صوفیوں نے جو اصطلاحیں بنائی ہیں وہ اکثر لوگوں کے واسطے ٹھوکر کا موجب ہوجاتی ہیں کیونکہ ان میں پیچیدگیاں اور مشکلات ہیں۔

فرمایا:۔

ایک بزرگ نے جس پر ہم حسن ظن رکھتے ہیں کہ اس نے کسی نیک نیتی سے کہا ہوگا۔ گو اس کا قول صحیح نہیں ہے یہ لکھا ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی کامل نہ تھے کیونکہ ان کا پورے طور پر نزول نہ تھا صرف صعود تھا اسی وجہ سے ان سے بہت سی کرامتیں صادر ہوئیں۔ اگر نزول پورا ہوتا تو کوئی کرامت صادر نہ ہوتی۔ اس قول میں جس قدر تخالف قرآنی ہے وہ ظاہر ہے۔ یہ ایسا قول ہے کہ قرآن اور حدیث سے سراسر مخالف ہے۔ درحقیقت شیخ عبدالقادر جیلانی خدا تعالیٰ کے کامل بندوں میں سے تھے۔ اگر ان پر معجزات کے متعلق اعتراض کیا جاوے تو پھر یہ اعتراض تمام انبیاء پر وارد ہوتا ہے۔ یہ ان صوفیوں کی غلط اصطلاحوں کی پیروی کا نتیجہ ہے جن کی تصدیق قرآن و حدیث سے نہیں ملتی۔

الہام بھول جانے میں حکمت الٰہی ہوتی ہے

فرمایا:۔ شاید ہی کوئی ایسی رات گذرتی ہوگی جس میں کوئی نظارہ آئندہ کے متعلق مجھے نہ دکھایا جاتا ہو۔ لیکن بہت سی باتیں صبح تک بھول جاتی ہیں اور توفیق ہی نہیں ہوتی کہ ان کو ایسے وقت لکھ لیا جاوے کہ پھر نہ بھولیں۔ اس میں حکمتِ الٰہی ہے وہ جس بات کو چاہے یاد رکھواتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بھلوا دیتا ہے[1]

بلا تاریخ

انذاری امور ٹل سکتے ہیں

فرمایا:۔ خدا تعالیٰ ہر بات پر قادر ہے۔ ہمارا آزمودہ ہے کہ بعض دفعہ ایک الہام ہوتا ہے جو کسی پیشگوئی پر مشتمل ہوتا ہے اگر وہ انذاری امر ہوتا ہے اور ہم دعا میں مصروف ہوجاتے ہیں تو

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۴۷ صفحہ ۱۰ مورخہ ۲۱ نومبر ۱۹۰۷ء

بسا اوقات مثلاً ایک گھنٹہ کے بعد وہ منسوخ ہو جاتا ہے اور وہ بات خدا تعالیٰ کے دوسرے حکم سے ٹل جاتی ہے۔

فرشتوں کے ذریعہ سے الہام

فرمایا کہ:۔
بعض الہامات کے وقت اگرچہ فرشتہ نظر نہیں آتا تاہم الفاظ کے معانی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلام فرشتے کے ذریعہ سے نازل ہوا ہے مثلاً الہامات میں ایسے الفاظ کہ قَالَ رَبُّكَ اور وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ (مریم: ۶۵)

قادیان کی تاریخی حیثیت

فرمایا کہ:۔
اس قادیان میں پانچ سو حافظ قرآنِ شریف کے رہتے تھے اس وقت اس جگہ کا نام اسلام پور تھا۔ اب یہاں کیا ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں بھی اس قدر تعداد حفاظ کی نہیں مل سکتی۔ اس جگہ کی اسلامی شوکت کو سکھوں نے خراب کر دیا تھا۔ یہاں بہت سے سکھ رہتے تھے جن میں سے بعض نے سید احمد صاحب کے ساتھ بھی لڑائیاں کی تھیں مگر رفتہ رفتہ وہ سب مر گئے اور اب دو چار باقی ہوں گے۔

جہاد کی حقیقت

فرمایا:۔
جہاد کا مسئلہ بھی ہمارے مولویوں نے کچھ اُلٹا ہی سمجھا ہے۔ قرآنِ شریف اور احادیث اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح سے کہیں ایسا نہیں معلوم ہوتا کہ کوئی اس قسم کا جہاد اسلام میں جائز ہو یا کبھی کیا گیا ہو کہ کفار کو زبردستی مسلمان بنایا جائے۔ تیرہ سال تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ نے کفار کے ہاتھوں سے دُکھ اُٹھایا۔ جب کفار کی زیادتیاں حد سے بڑھ گئیں تب اجازت ہوئی کہ ان لوگوں کو قتل کرو جو تم کو قتل کرتے ہیں اور بسبب مظلوم ہونے کے مسلمانوں کو بھی اجازت دی گئی کہ ہاتھ اُٹھائیں۔ سارا خلاصہ جہاد کا یہی ہے اور جزیہ جو بہت ہی قلیل رقم کا ٹیکس ہے خود اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ کفار کو اپنے ماتحت امن کے ساتھ رکھنے کا اسلامیوں کو حکم تھا۔ اسی بات پر حضرت مولوی نورالدین صاحب نے کہا کہ قرآنِ شریف میں جو یہ آیت ہے۔ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۗ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ (الحج: ۴۱)
اس آیت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مذہب کی خاطر جنگ کرنا اور دوسرے مذاہب کو تلوار کے ذریعہ سے منہدم کرنے کی

کوشش کرنا جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام مذاہب کے نشانات کو قائم رکھنا چاہتا ہے اور جو سچا ہے اس کی خاص نصرت فرماتا ہے۔ وہ خود بخود فروغ پکڑتا ہے اس کو کسی جہاد کی ضرورت نہیں۔

انبیاء کی تعریف کی وجہ

حضرت نے فرمایا:۔
آجکل یہ حالت ہے کہ رات کے وقت جس کی زبان پر ایک لفظ جاری ہوا وہ سمجھتا ہے کہ میں مُلہَم ہوگیا اور اس پر فخر کرنے لگتا ہے اور اپنے نفس کی حالت کو نہیں دیکھتا کہ وہ کیسی ہے۔ سارے قرآن شریف کو پڑھ کر دیکھو اس میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ کسی شخص پر خدا تعالیٰ اس واسطے خوش ہوا کہ اس پر الہام ہوتا تھا بلکہ انبیاء کی تعریف خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں اس وجہ سے کی ہے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کے حضور میں صدق اور وفا کا کمال دکھایا اور اعمالِ صالحہ بجا لائے اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ادا کیا۔ یہ ایک نہایت مکروہ طریق ہے جو ایک خواب پر انسان فخر کرتا ہے یہ ایک زہرناک غلطی ہے۔ یہ باتیں انسان کے واسطے ناز کے لائق نہیں۔

انسان کا تو یہ کام ہے کہ اپنے تمام قویٰ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر ڈالے۔ خدا تعالیٰ کے تمام حکموں پر عمل کرے۔ تب وہ خدا تعالیٰ کا ولی ہوگا۔ بغیر دلیل کے کوئی دعویٰ نہیں مانا جا سکتا۔ بغیر دلیل کے تو پیغمبر بھی نہیں مانے جاتے حضرت موسیٰ نے بھی اللہ تعالیٰ سے عرض کی تھی کہ مجھے کوئی دلیل دی جاوے جو کہ میں دُنیا کے آگے پیش کروں۔[1]

۱۱؍نومبر ۱۹۰۶ء

(بوقتِ ظہر)

سائیں عالم دین صاحب ساکن دھاروال نے اپنے مجاہدات کا حال سُنایا اور طرح طرح کے الہامات اور کشوف بیان کئے اور ایسے ایسے حیرت انگیز مقامات کا ذکر کیا جہاں وہ خود بخود پہنچ کر کل نبیوں اور پیغمبروں سے اپنے آپ کو افضل اور اعلیٰ سمجھتے تھے اور (معاذ اللہ) بذاتِ خود خدائی کے دعویدار بن بیٹھتے تھے اور کبھی خیال کرتے تھے کہ مَیں خالق اور مخلوق میں درمیانی واسطہ اور وسیلہ ہوں اور خلقت میری محتاج ہے اور پھر اپنے آپ کو بالکل بے پروا اور بے نیاز سمجھتے تھے۔ بیان کرتے تھے کہ آئندہ مجھ

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۴۸ صفحہ ۳ مورخہ ۲۸؍نومبر ۱۹۰۶ء

سے کچھ نشان ظاہر ہونگے اور عجیب تر یہ کہ حضرت اقدس سے مخاطب ہوکر یہ بھی کہنے لگ جاتے تھے کہ میں آپ کو مسیح اور مہدی سمجھتا ہوں اور ایسا اُولوالعزم امام مانتا ہوں کہ جیسا نہ آگے کبھی ہوا اور نہ ہوگا اور ساتھ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اِتباع کا بھی دم بھرتے تھے۔ غرض ایک فقرہ تو ایسا بولتے تھے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ سائیں صاحب اپنے آپ کو تمام دُنیا سے اعلیٰ اور زکی النفس خیال کرتے ہیں اور ساتھ ہی کل ذات اور کل فعل والے سبقوں کی عجیب عجیب تجلیات سُناتے تھے لیکن پھر باتوں ہی باتوں میں اپنے آپ کو حقیر و ذلیل اور کچھ کا کچھ سمجھنے لگ جاتے تھے۔ غرض بیچارے (خدا تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان پر رحم کرے) پیچ در پیچ مشکلات میں پھنسے ہوئے تھے اور فیج اعوج کی مقرر کردہ منزلوں کوطے کرتے کرتے عجیب وغریب اُتار چڑھاؤ میں مشغول تھے اور مصیبت پر مصیبت یہ تھی کہ اس قسم کے معاملات سے اپنے آپ کو کچھ سمجھنے لگ گئے تھے اور خودستائی اور کبریائی کی منازل میں بھی کافی گذر چکے تھے۔ اسی لیے وہاں کے احمدی احباب نے سائیں صاحب کو مخبوط الحواس اور پاگل خیال کرکے نماز کے لیے امام بنانا چھوڑ دیا اور اُن کے پیچھے نماز کا ادا کرنا ناجائز جانا۔ سائیں صاحب موصوف کی اس قسم کی سرگذشت سُنکر حضرت اقدس (علیہ السلام) نے فرمایا:۔

سچے الہام کی شناخت

اصل بات یہ ہے کہ دُنیا میں مختلف طبقات کے انسان پائے جاتے ہیں مگر مسلمان تو انسان اسی صورت میں رہ سکتا ہے جب سچے دل سے کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پر ایمان لاوے اور پورے طور سے اس پر کاربند ہو جاوے۔ اور اس کے بعد قرآنِ شریف پر ایمان رکھے کہ وہ خدا تعالیٰ کی سچی اور کامل کتاب ہے اور وہی ایک کلام ہے جس پر خدا تعالیٰ کی مُہر ہے۔ انسان کو اسی کے مطابق عمل درآمد کرنا چاہیئے اور اسی کے بتائے ہوئے احکام پر چلنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دکھائے ہوئے نمونہ پر کاربند ہونا یہی صراطِ مستقیم ہے اس کے سوائے کوئی تحریر کشف رویا، یا الہام بغیر مہر کے جائز نہیں۔ جب تک کسی الہام پر خدا تعالیٰ کی مہر نہ ہو وہ ماننے کے لائق نہیں ہوتا۔ دیکھو قرآن شریف کو عربوں جیسے اَشد کافر کب مان سکتے تھے اگر خدا تعالیٰ کی مُہر اس پر نہ ہوتی۔ ہمیں بھی اگر کوئی کشف رؤیا یا الہام ہوتا ہے تو ہمارا دستور ہے کہ اُسے قرآنِ مجید پر عرض کرتے ہیں اور اسی کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

اور پھر یہ بھی یاد رکھو کہ اگر کوئی الہام قرآنِ مجید کے مطابق بھی ہو لیکن کوئی نشان ساتھ نہ ہو تو وہ قابلِ قبول نہیں ہوتا۔ قابلِ قبول الہام وہی ہوتا ہے جو قرآنِ مجید کے مطابق بھی ہو اور ساتھ ہی اس کی تائید میں نشان بھی ہوں۔ اگر ایک شخص کہے کہ میں بادشاہ کے دربار سے فلاں عہدہ حاصل کرکے آیا ہوں لیکن اس کے ساتھ کوئی

نشان نہ ہو اور بادشاہی سامان اور فوج سپاہ سے بالکل خالی ہو تو صرف یہ کہنے سے کہ مجھے فلاں عہدہ مل گیا ہے اس کی کچھ عزت نہیں ہوگی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معصوم اور خاتم الانبیاء تھے

ہمارا تو یہی ایمان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہ معصوم نبی ہیں کہ جن پر تمام کمالات نبوت کے ختم ہو گئے ہیں اور ہر ایک طرح کا کمال اور درجہ انہیں پر ختم ہو گیا ہے اور ان پر وہ کامل اور جامع کتاب نازل کی گئی جس کے بعد قیامت تک کوئی اور شریعت نہیں آئے گی۔ وہ ایسی کلام ہے جس پر خدا تعالیٰ کی مُہر ہے اور جو ہزاروں فرشتوں کے ساتھ اور ان کی حفاظت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی۔ اگر کوئی الہام ہو یا کشف ہو یا وحی ہو جب تک وہ اس کے ساتھ مطابقت نہ رکھے گی منجانب اللہ نہیں ٹھہر سکتی۔ ہاں اگر کوئی الہام یا وحی اس کے مطابق ہو اور ساتھ ہی اپنی تائید میں نشانات بھی رکھتی ہو تو سب سے پہلے ہم اس کو قبول کریں گے۔ ہمارا مقدور نہیں کہ ایک ذرہ بھر بھی چون و چرا کریں۔

کشوف والہامات کی تین اقسام

الہام۔ کشف یا رؤیا تین قسم کے ہوتے ہیں۔

(۱) اوّل وہ جو خدا کی طرف سے ہوتے ہیں اور وہ ایسے شخصوں پر نازل ہوتے ہیں جن کا تزکیہ نفس کامل طور پر ہو چکا ہوتا ہے اور وہ بہت سی موتوں اور محویتِ نفس کے بعد حاصل ہوا کرتا ہے اور ایسا شخص جذباتِ نفسانیہ سے بکلی الگ ہوتا ہے اور اس پر ایک ایسی موت وارد ہو جاتی ہے جو اس کی تمام اندرونی آلائشوں کو جلا دیتی ہے جس کے ذریعہ سے وہ خدا تعالیٰ سے قریب اور شیطان سے دُور ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جو شخص جس کے نزدیک ہوتا ہے اسی کی آواز سنتا ہے

(۲) دوسرے حدیث النفس ہوتا ہے جس میں انسان کی اپنی تمنا ہوتی ہے اور انسان کے اپنے خیالات اور آرزوؤں کا اس میں بہت دخل ہوتا ہے اور جیسے مثل مشہور ہے بلّی کو چھیچھڑوں کی خوابیں وہی باتیں دکھائی دیتی ہیں جن کا انسان اپنے دل میں پہلے ہی سے خیال رکھتا ہے اور جیسے بچے جو دن کو کتابیں پڑھتے ہیں تو رات کو بعض اوقات وہی کلمات ان کی زبان پر جاری ہو جاتے ہیں یہی حال حدیث النفس کا ہے۔

(۳) تیسرے شیطانی الہام ہوتے ہیں۔ ان میں شیطان عجیب عجیب طرح کے دھوکے دیتا ہے۔ کبھی سنہری تخت دکھاتا ہے اور کبھی عجیب وغریب نظارے دکھا کر طرح طرح کے خوش کُن وعدے دیتا ہے۔ ایک دفعہ سید عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کو شیطان اپنے زرین تخت پر دکھائی دیا اور کہا کہ میں تیرا خدا ہوں۔ میں نے تیری عبادت قبول کی۔ اب تجھے عبادت کی ضرورت نہیں رہی۔ جو چیزیں اب اوروں کے لیے حرام ہیں۔ وہ سب تیرے لیے حلال کر دی گئی ہیں سید عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ دُور ہو اے شیطان جو چیزیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حلال نہ ہوئیں وہ

مجھ پر کیسے حلال ہوگئیں؟ پھر شیطان نے کہا کہ اے عبدالقادر تو میرے ہاتھ سے علم کے زور سے بچ گیا ورنہ اس مقام پر کم لوگ بچتے ہیں۔

یہ سُنکر سائیں صاحب بول اُٹھے کہ میں کیا ہوں اور کس مرتبے پر ہوں اور میرا کیا حال ہے؟

حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

مجھے کچھ علم نہیں کہ تم کس مرتبہ پر ہو۔ توبہ استغفار بہت کرو۔

مُلہَمین کیلئے نصیحت

اور یہ باتیں میں صرف تمہارے لیے نہیں کہتا بلکہ ہر ایک کے لیے کہتا ہوں۔ ہماری جماعت میں کوئی پچاس ساٹھ آدمیوں کے قریب ہونگے جو اس قسم کے دعوے کرتے ہیں۔ دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو صاحب وحی ہونے کا دعویٰ کیا تھا تو وہ بے نشان نہ تھا۔ کافروں نے جب ثبوت مانگا تھا کہ آپ کی وحی کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل کیا ہے تو ان کو جواب دیا گیا تھا قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتَابِ (الرعد: ۴۴) کہہ کہ میرے پاس دو گواہیاں ہیں۔

① ایک تو اللہ تعالیٰ کی کہ اس کے تازہ تازہ نشانات میری تائید میں ہیں اور

② دوسرے وہ لوگ جن کو کتاب اللہ کا علم دیا گیا ہے وہ بتا سکتے ہیں کہ میں سچا ہوں۔

یاد رکھو اللہ تعالیٰ کا نام غیب بھی ہے۔ وہ نہاں در نہاں اور پوشیدہ سے پوشیدہ ہے کسی کا حق نہیں کہ کسی بات کو خدا تعالیٰ کا الہام سمجھ لے جب تک کہ خدا تعالیٰ کا فعل اس پر شہادت نہ دے۔ شہادت کے بغیر تو کوئی کام نہیں چلتا۔ اگر شہادتوں یعنی خدا تعالیٰ کے نشانوں سے یہ بات ثابت ہو جاوے کہ یہ الہام خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے تو سب سے پہلے ایمان لانے والے ہم ہیں۔ اپنا قیل و قال تو قابلِ اعتبار نہیں ہوتا۔ خدا تعالیٰ کے فعل کی اس کے ساتھ شہادت ہونی چاہیئے۔

ہماری جماعت کے مولوی عبداللہ صاحب تیما پوری اپنے خطوط کے ذریعہ سے بہت کچھ الہامات اور کشوف لکھا کرتے تھے۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ چند دنوں کے بعد ان کو جنون ہوگیا۔ تھوڑے دن گذرے ہیں کہ قادیان میں آکر ایسے الہامات سے انہوں نے توبہ کی اور نیز میری بیعت کی۔ میں مانتا ہوں کہ مکالمات الٰہیہ حق ہیں اور خدا تعالیٰ کے اولیاء مخاطبات اللہ سے شرف پاتے ہیں۔ لیکن یہ مقام بغیر تزکیہ نفس کے کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور بغیر تزکیہ نفس کے شیطان ان سے یاری کرتا ہے۔ علاوہ اس کے سچے الہام کے لیے ہم پر تین گواہ ہوتے ہیں۔ (۱) اپنی پاک حالت (۲) خدا تعالیٰ کے نشانوں کے ساتھ گواہی (۳) الہام کی کلامِ الٰہی سے مطابقت۔

یہاں پر پھر سائیں صاحب کہنے لگے کہ پھر میرے ایمان کا کیا حال ہے؟

حضرت اقدس نے فرمایا:۔

میرا کام تو ایک حق بات کا پہنچا دینا ہے۔ آگے فائدہ اور نقصان صرف تمہارے لیے ہوگا۔ دوسرے کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ تم توبہ اور استغفار بہت کرو اور رو رو کر خدا تعالیٰ سے دُعائیں مانگو۔

سائیں صاحب بولے کہ پھر یہ جو مجھے سیر ہوتے ہیں اور عجیب عجیب مقامات دیکھنے میں آتے ہیں کیا یہ یُونہی ہیں؟ اور کیا ان کی اصلیت کچھ بھی نہیں؟

حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

ہم کِس سَیر کے قائل ہیں

ایسی سَیروں کا تو میں قائل ہی نہیں۔ ہم تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سَیر کے قائل ہیں۔ جنہوں نے لاکھوں کروڑوں انسانوں کے سر جُھکا دیئے۔ قرآنِ مجید میں صاف لکھا ہے کہ شیطان کی طرف سے بھی وحی ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے بھی ہوتی ہے۔ جو وحی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اس میں ایک تاجِ عزت پہنایا جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کے بڑے بڑے نشان اس کی تائید میں گواہ بن کر آتے ہیں۔

سائیں صاحب نے آدابِ رسُول کا لحاظ نہ کرکے پھر قطع کلام کیا اور بولے کہ پھر میرے اختیار میں کیا ہے؟

حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

تم قال اللہ اور قال الرسول پر عمل کرو اور ایسی باتیں زبان پر نہ لاؤ جن کا تمہیں علم نہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ (بنی اسرائیل: ۳۷) تم نیکی کی طرف پورے زور سے مشغول ہو جاؤ اور اعمالِ صالحہ بجا لاؤ۔ اگر تمہاری حالت اس لائق ہوگئی اور تم نے پورے طور پر اپنا تزکیۂ نفس کر لیا تو پھر خدا تعالیٰ کے مکالمہ مخاطبہ کا شرف بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ اکثر لوگ آجکل ہلاک ہو رہے ہیں۔ ان کی یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی حالت کا مطالعہ نہیں کرتے اور اس تعلق کو نہیں دیکھتے جو وہ خدا تعالیٰ سے رکھتے ہیں اور نہیں سوچتے کہ کس زور سے خدا تعالیٰ کی طرف جا رہے ہیں اور کیسے کیسے مصائب آنے پر ثابت قدم نکلے ہیں اور ابتلاؤں میں پورے اُترے ہیں۔ انسان کو چاہیئے کہ اپنا فرض ادا کرے اور اعمالِ صالحہ میں ترقی کرے۔ الہام کرنا اور رؤیا دکھانا یہ تو خدا تعالیٰ کا فعل ہے۔ اس پر ناز نہیں کرنا چاہیئے۔ اپنے اعمال کو درست کرنا چاہیئے۔

خیر البریّہ کون ہیں

خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ (البیّنۃ: ۸) یہ نہیں کہا کہ جن کو کشوف اور الہامات ہوتے ہیں وہ خیر البریّہ ہیں۔ یاد رکھو۔ ایسی باتیں ہرگز زبان پر نہ لاؤ جو قال اللہ اور قال الرسول کے

برخلاف ہوں۔ اس قسم کے الہامات کچھ چیز نہیں ۔ دیکھو بارش کا پانی سب کو خوش کرتا ہے مگر پرنالہ کا پانی لڑائی ڈالتا ہے اور فساد پیدا کرتا ہے۔ جن الہامات کی تائید میں خدا تعالیٰ کا فعل نہیں ہوتا اور نشانات الٰہیہ گواہی نہیں دیتے وہ ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے پرنالہ کا پانی۔ مثلاً ایک شخص ایسا ہے کہ نہ اس کے سر پر پگڑی ہے اور نہ پاؤں میں جوتی۔ پھٹے پرانے کپڑے اور ابتر سی حالت ہے اور پھر کہے کہ میں بادشاہ ہوں اور اس ملک کی سب فوجیں میرے کہنے پر عمل کرتی ہیں تو ایسا شخص سوائے سودائی کے اور کون ہو سکتا ہے۔

یاد رکھو کہ قول بغیر فعل کے کچھ چیز نہیں اور یہ آیت کہ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ (الرعد: ۴۴) اس میں ایک عجیب نکتہ ہے یعنی اگر خدا میری گواہی دیتا ہے تو مانو ورنہ نہ مانو۔

اسی طرح براہین احمدیہ میں وہ الہام درج ہے جو خدا تعالیٰ نے مجھے کیا تھا اور وہ یہ ہے کہ قُلْ عِنْدِيْ شَهَادَةٌ مِّنَ اللّٰهِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُؤْمِنُوْنَ ۔ قُلْ عِنْدِيْ شَهَادَةٌ مِّنَ اللّٰهِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۔ یعنی ان کو کہدے کہ میرے پاس میری سچائی پر خدا تعالیٰ کی گواہی ہے پس کیا تم خدا تعالیٰ کی گواہی قبول کرتے ہو یا نہیں۔

خدا تعالیٰ کی شہادت

دیکھو براہینِ احمدیہ میں یہ سلسلہ الٰہی شروع ہی ہوا تھا کہ ساتھ اس کے خدا تعالیٰ کی شہادت بھی موجود ہو گئی۔ سارے انبیاء اولیاء کا اسی پر اتفاق ہے کہ بغیر کسی شہادت کے دعویٰ کرنا جنون ہے۔

سائیں صاحب نے کہا کہ میں تو آپ کو مسیح اور مہدی مانتا ہوں اور دوسرے لوگوں کے پیچھے نماز بھی نہیں پڑھتا ہوں۔ یہ احمدی لوگ میرے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ اس کی بابت کیا حکم ہے؟

حضرت اقدس نے فرمایا :۔

اگر توبہ کر لو اور زبان بند رکھو اور قال اللہ اور قال الرسول کے برخلاف کوئی بات نہ کہو تو پھر یہ نماز پڑھ سکتے ہیں۔ بغیر دلائلِ قویہ اور براہینِ قاطعہ کے دعویٰ کرنا ایسا ہی ہے جیسے اپنے آپ کو آگ میں ڈالنا۔ یہ کہنا کہ میں فلاں نبی ہوں یا فلاں رسول سے افضل ہوں۔ یہ کفر کے کلمات ہیں۔ دل پر تو کسی کی حکومت نہیں۔ زبان سے ہی انسان کافر ہو جاتا ہے۔ دُنیا میں زبان سے ہی سب کام چلتے ہیں۔

زبان کو قابو میں رکھو

دیکھو عورت اور مرد کا آپس میں نکاح ہوتا ہے تو صرف زبان سے ہی اقرار لیا جاتا ہے اور صرف اتنا کہنے سے کہ میں تجھے طلاق دیتا ہوں ان کا یہ سب رشتہ ٹوٹ جاتا ہے ایسے ایسے دعوے کرنے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کی تکذیب کرنا ہے

اگر خدا کا خوف ہو تو پھر انسان ایسا نہیں کرتا۔ اگر آپ زبان کو بند رکھیں تو بہتر ورنہ یاد رکھو اس کا نتیجہ تمہارے حق میں اچھا نہیں ہوگا۔

ہرچہ دانا کند کند ناداں ⁂ لیک بعد از کمال رُسوائی

سائیں صاحب نے کہا تو کیا مَیں یہ سب باتیں جھُوٹ کہتا ہوں؟

حضرت اقدس نے فرمایا:۔

مَیں اس کی نسبت کچھ نہیں کہہ سکتا۔ خدا جانے سچ کہتے ہو یا جھُوٹ کہتے ہو۔

سائیں صاحب بولے۔ ”توں مسیح ہیں۔ خلقت دا بادشاہ ہیں۔ اچھا میرے واسطے دُعا کر۔“

حضرت اقدس نے فرمایا:۔

ہاں دُعا کروں گا[1]

بلا تاریخ

عقیقہ کے واسطے کتنے بکرے مطلوب ہیں

ایک صاحب کا حضرت اقدس کی خدمت میں سوال پیش ہوا کہ اگر کسی کے گھر میں لڑکا پیدا ہو تو کیا یہ جائز ہے کہ وہ عقیقہ پر صرف ایک ہی بکرا ذبح کرے؟

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب میں فرمایا کہ:۔

عقیقہ میں لڑکے کے واسطے دو بکرے ہی ضروری ہیں۔ لیکن یہ اس کے واسطے ہے جو صاحبِ مقدرت ہے، اگر کوئی شخص دو بکروں کے خریدنے کی طاقت نہیں رکھتا اور ایک خرید سکتا ہے تو اس کے واسطے جائز ہے کہ ایک ہی ذبح کرے اور اگر ایسا ہی غریب ہو کہ وہ ایک بھی قربانی نہیں کر سکتا تو اس پر فرض نہیں کہ خواہ مخواہ قربانی کرے۔ مسکین کو معاف ہے۔

نمازِ تراویح

ایک شخص نے سوال کیا کہ ماہ رمضان میں نماز تراویح آٹھ رکعت باجماعت قبل خُفتن مسجد میں پڑھنی چاہیئے یا کہ پچھلی رات کو اُٹھ کر اکیلے گھر میں پڑھنی چاہیئے؟

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ:۔

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۴۱ صفحہ ۱۲-۱۳ مورخہ ۱۷۔ نومبر ۱۹۰۷ء

نمازِ تراویح کوئی جُدا نماز نہیں۔ دراصل نمازِ تہجد کی آٹھ رکعت کو اوّل وقت میں پڑھنے کا نام تراویح ہے اور یہ ہر دو صورتیں جائز ہیں جو سوال میں بیان کی گئی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر دو طرح پڑھی ہے لیکن اکثر عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر تھا کہ آپ پچھلی رات کو گھر میں اکیلے یہ نماز پڑھتے تھے[1]

بلا تاریخ

فترتِ وحی

فرمایا کہ:۔

وحی الٰہی کا یہ قاعدہ ہے کہ بعض دنوں میں تو بڑے زور سے بار بار الہام پر الہام ہوتے ہیں اور الہاموں کا ایک سلسلہ بندھ جاتا ہے اور بعض دنوں میں ایسی خاموشی ہوتی ہے کہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس قدر خاموشی کیوں ہے اور نادان لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ اب خدا تعالیٰ نے ان سے کلام کرنا ہی چھوڑ دیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایک زمانہ ایسا ہی آیا تھا کہ لوگوں نے سمجھا کہ اب وحی بند ہو گئی چنانچہ کافروں نے ہنسی شروع کی کہ اب خدا نعوذ باللہ ہمارے رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ناراض ہو گیا ہے اور اب وہ کلام نہیں کرے گا۔ لیکن خدا تعالیٰ نے اس کا جواب قرآن شریف میں اس طرح دیا ہے کہ وَالضُّحٰى۔ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى۔ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى (الضحیٰ: ۲تا۴) یعنی قسم ہے دھوپ چڑھنے کے وقت کی۔ اور رات کی۔ نہ تو تیرے رب نے تجھ کو چھوڑ دیا اور نہ تجھ سے ناراض ہوا۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ جیسے دن چڑھتا ہے اور اس کے بعد رات خود بخود آجاتی ہے اور پھر اس کے بعد دن کی روشنی نمودار ہوتی ہے اور اس میں خدا تعالیٰ کی خوشی یا ناراضگی کی کوئی بات نہیں یعنی دن چڑھنے سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ خدا تعالیٰ اس وقت اپنے بندوں پر خوش ہے اور نہ رات پڑنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت خدا تعالیٰ اپنے بندوں پر ناراض ہے بلکہ اس اختلاف کو دیکھ کر ہر ایک عقلمند خوب سمجھ سکتا ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ قوانین کے مطابق ہو رہا ہے۔ اور یہ اس کی سنّت ہے کہ دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن ہوتا ہے پس اس سلسلہ کو دیکھ کر یہ اندازہ لگانا کہ اس وقت خدا تعالیٰ خوش ہے اور اس وقت ناراض ہے غلط ہے۔

اسی طرح سے آجکل جو وحی الٰہی کا سلسلہ کسی قدر بند رہا ہے تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خدا تعالیٰ مجھ سے ناراض ہو گیا ہے یا یہ کہ اس نے مجھے چھوڑ دیا ہے۔ بلکہ یہ اس کی سنّت ہے کہ کچھ مدت تک وحی الٰہی بڑے زور سے اور پے در پے ہوتی ہے اور کچھ دنوں تک اس کا سلسلہ بند رہتا ہے اور پھر شروع ہو جاتا ہے اور اس کی

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۵۲ صفحہ ۲ مورخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۰۷ء

بھی وہی مثال ہے جو دن اور رات کے آگے پیچھے آنے کی ہے[1]

(منقول از رسالہ تشحیذ الاذہان دسمبر ۱۹۰۷ء)

۲۴ر دسمبر ۱۹۰۷ء

(صبح بوقتِ سیر)

آریوں کیساتھ مسلمانوں کی صُلح کی تجاویز

فرمایا:۔ سچا مسلمان تو وہ ہے جو اپنے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسی محبت رکھتا ہے کہ اگر کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک میں ایک لفظ بھی بولے یا اشارہ بھی کرے تو وہ مرنے مارنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ ہم نے آریوں کے اخباروں میں ایسے مضامین پڑھ کر کہ وہ مسلمانوں سے صلح چاہتے ہیں صلح کی ایک تجویز اپنے مضمون میں پیش کی تھی مگر افسوس ہے کہ انہوں نے قدر نہ کی۔

نوٹ از ایڈیٹر صاحب "بدر":۔

حضرت اقدس نے آریوں کی بدزبانی کو دیکھ کر پہلے ہی ایک مضمون میں فرمایا تھا کہ ان لوگوں کے ساتھ ہماری صُلح کس طرح ہو سکتی ہے۔ چنانچہ وہ الفاظ کتاب "قادیان کے آریہ اور ہم" میں اس طرح چھپے تھے۔

"ہماری شریعت صُلح کا پیغام ان کو (آریوں کو) دیتی ہے اور ان کے ناپاک اعتقاد جنگ کی تحریک کر کے ہماری طرف تیر چلا رہے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ ہندوؤں کے بزرگوں کو مکار اور جھوٹا مت کہو مگر یہ کہو کہ ہزارہا برسوں کے گذرنے کے بعد یہ لوگ اصل مذہب کو بھول گئے مگر بمقابل ہمارے یہ ناپاک طبع لوگ ہمارے برگزیدہ نبیوں کو گندی گالیاں دیتے ہیں اور ان کو مفتری اور جھوٹا سمجھتے ہیں۔ کیا کوئی توقع کر سکتا ہے کہ ایسے بندوں سے صُلح ہو سکے؟ ان لوگوں سے بہتر سناتن دھرم کے اکثر نیک اخلاق لوگ ہیں جو ہر ایک نبی کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے اور فروتنی سے سر جھکاتے ہیں۔ میری دانست میں اگر جنگلوں کے درندے اور بھیڑیئے ہم سے صُلح کریں اور شرارت چھوڑ دیں تو یہ ممکن ہے مگر یہ خیال کرنا کہ ایسے اعتقاد کے لوگ کبھی دل کی صفائی سے اہلِ اسلام سے صلح کریں گے سراسر باطل ہے بلکہ ان کا ان عقیدوں کے ساتھ مسلمانوں سے سچی صلح کرنا ہزاروں محالوں سے بڑھ کر محال ہے۔ کیا

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۵۲ صفحہ ۳ مورخہ ۲۶ر دسمبر ۱۹۰۷ء

کوئی سچا مسلمان برداشت کر سکتا ہے جو اپنے پاک اور بزرگ نبیوں کی نسبت ان گالیوں کو سُنے اور پھر صُلح کرے۔ ہرگز نہیں۔ پس ان لوگوں کے ساتھ صُلح کرنا ایسا ہی مُضر ہے جیسا کہ کاٹنے والے زہریلے سانپ کو اپنی آستین میں رکھ لینا۔ یہ قوم سخت سیاہ دل قوم ہے جو تمام پیغمبروں کو جو دُنیا میں بڑی بڑی اصلاحیں کر گئے مفتری اور کذاب سمجھتے ہیں۔ نہ حضرت موسیٰؑ ان کی زبان سے بچ سکے نہ حضرت عیسیٰؑ اور نہ ہمارے سید و مولا جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم جنہوں نے سب سے زیادہ دُنیا میں اصلاح کی جن کے زندہ کئے ہوئے مُردے اب تک زندہ ہیں۔"

اس کے بعد جبکہ اخباروں میں بہت شور مچا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان صلح ہونی چاہیئے۔ تب حضرت صاحب نے لیکچر لاہور میں صُلح کی ایک تجویز پیش کی جس کے الفاظ یہ تھے:۔

"ہم اس بات کا اعلان کرنا اور اپنے اس اقرار کو تمام دُنیا میں شائع کرنا اپنی ایک سعادت سمجھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے نبی سب کے سب پاک اور بزرگ اور خدا کے برگزیدہ تھے۔ ایسا ہی خدا نے جن بزرگوں کے ذریعہ سے پاک ہدایتیں آریہ ورت میں نازل کیں اور نیز بعد میں آنے والے جو آریوں کے مقدس بزرگ تھے جیسا کہ راجہ رامچندر اور کرشن۔ یہ سب کے سب مقدس لوگ تھے اور ان میں سے تھے جن پر خدا کا فضل ہوتا ہے۔

دیکھو یہ کیسی پیاری تعلیم ہے جو دُنیا میں صُلح کی بنیاد ڈالتی ہے اور تمام قوموں کو ایک قوم کی طرح بنانا چاہتی ہے یعنی یہ کہ دوسری قوموں کے بزرگوں کو عزت سے یاد کرو۔ اور اس بات کو کون نہیں جانتا کہ سخت دشمنی کی جڑ ان نبیوں اور رسولوں کی تحقیر ہے جن کو ہر ایک قوم کے کروڑہا انسانوں نے قبول کر لیا۔ ایک شخص جو کسی کے باپ کو گندی گالیاں دیتا ہے اور پھر چاہتا ہے کہ اس کا بیٹا اس سے خوش ہو۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟

غرض ہم اس اُصول کو ہاتھ میں لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں کہ آپ گواہ رہیں جو ہم نے مذکورہ بالا طریق کے ساتھ آپ کے بزرگوں کو مان لیا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے تھے اور آپ کی صلح پسند طبیعت سے ہم امیدوار ہیں کہ آپ بھی ایسا ہی مان لیں یعنی صرف یہ اقرار کر لیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے سچے رسول اور صادق ہیں۔

جس دلیل کو ہم نے آپ کی خدمت میں پیش کیا ہے وہ نہایت روشن اور کُھلی کُھلی دلیل ہے اور اگر اس طریق سے صلح نہ ہو تو آپ یاد رکھیں کہ کبھی صُلح نہ ہوگی بلکہ روز بروز کینے بڑھتے جاویں گے[1]۔"

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۵۲ صفحہ ۴، ۵ مورخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۰۷ء

بلا تاریخ[1]

بعض فقہی مسائل کی تشریح

ایک صاحب نے حضرت اقدس کی خدمت میں خط لکھا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ نماز کس طرح پڑھنی چاہیئے؟ اور تراویح کے متعلق کیا حکم ہے اور سفر میں نماز کا کیا حکم ہے؟ اور کچھ اپنے ذاتی معاملات کے متعلق دُعا کرائی تھی اس کے جواب میں حضرت نے تحریر فرمایا:۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ‘‘

نماز وہی ہے جو پڑھی جاتی ہے۔ صرف تضرع اور انکسار سے نماز ادا کرنی چاہیئے اور دین و دُنیا کے لیے نماز میں بہت دُعا کرنی چاہیئے خواہ اپنی زبان میں دُعا کریں۔

اور تمہارے قرضہ کے لیے انشاء اللہ دُعا کروں گا۔ یاد دلاتے رہیں۔ لڑکے کے لیے بھی دُعا کرونگا۔

سفر میں دوگانہ سُنّت ہے۔ تراویح بھی سُنّت ہے پڑھا کریں اور کبھی گھر میں تنہائی میں پڑھ لیں کیونکہ تراویح دراصل تہجد ہے کوئی نئی نماز نہیں۔ وتر جس طرح پڑھتے ہو۔ بیشک پڑھو۔

عالمِ آخرت کے اجسام کیسے ہونگے

ایک دوست نے حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ عالمِ آخرت میں کیا یہی اجسام و مکانات وغیرہ جو یہاں ہیں ہوں گے یا اور؟

حضرت نے فرمایا کہ:۔

خدا تعالیٰ نے جو کچھ مجھے قرآنِ شریف کا علم دیا ہے وہ یہی ہے کہ وہ عالم اس عالم سے بالکل علیحدہ ہے مَالَا عَیْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ (الحدیث) ہمارا اعتقاد یہی ہے کہ وہ دوسرا عالم بالکل اس عالم سے الگ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ شریف میں فرمایا ہے۔ بہشت کی تمام چیزیں ایسی ہوں گی کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھیں اور نہ کسی کان نے سُنیں اور نہ کسی دل میں گذریں بلکہ حشرِ اجساد میں بھی یہی ہمارا مذہب ہے کہ وہ عالم بھی ایک دوسرا عالم ہے۔ اجسام ہوں گے مگر وہ نورانی اجسام ہوں گے نہ یہ تاریک اور زوال پذیر اجسام۔ اس جگہ کی حویلیاں اور مکانات جو اینٹ پتھر کی ہیں بہشت میں نہیں جائیں گی۔ واللہ اعلم[2]

---

[1] حضرت اقدسؑ کے یہ ارشادات دسمبر ۱۹۰۷ء کی کسی تاریخ کے معلوم ہوتے ہیں واللہ اعلم بالصواب (مرتب)

[2] بدر جلد ۶ نمبر ۵۲ صفحہ ۶ مورخہ ۲۶ر دسمبر ۱۹۰۷ء

۲۷ر دسمبر ۱۹۰۷ء

بروز جمعہ

جلسہ سالانہ پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تقریر بے نظیر

ایک عظیم الشان معجزہ

دیکھو اوّل اللہ جلشانہ کا شکر ہے کہ آپ صاحبوں کے دلوں کو اس نے ہدایت دی اور باوجود اس بات کے کہ ہزاروں مولوی ہندوستان اور پنجاب کے تکذیب میں لگے رہے اور ہمیں دجال اور کافر کہتے رہے آپ کو ہمارے سلسلہ میں داخل ہونے کا موقع دیا۔ یہ بھی اللہ جل شانہٗ کا بڑا معجزہ ہے کہ باوجود اس قدر تکذیب اور تکفیر کے اور ہمارے مخالفوں کی دن رات کی سرتوڑ کوششوں کے یہ جماعت بڑھتی جاتی ہے۔ میرے خیال میں اس وقت ہماری جماعت چار لاکھ سے بھی زیادہ ہوگی اور یہ بڑا معجزہ ہے کہ ہمارے مخالف دن رات کوشش کر رہے ہیں اور جانکاہی سے طرح طرح کے منصوبے سوچ رہے ہیں اور سلسلہ کو بند کرنے کے لیے پورا زور لگا رہے ہیں مگر خدا ہماری جماعت کو بڑھاتا جاتا ہے۔ جانتے ہو کہ اس میں کیا حکمت ہے؟ حکمت اس میں یہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ جس کو مبعوث کرتا ہے اور جو واقعی طور پر خدا کی طرف سے ہوتا ہے وہ روز بروز ترقی کرتا اور بڑھتا ہے اور اس کا سلسلہ دن بدن رونق پکڑتا جاتا ہے اور اس کے روکنے والا دن بدن تباہ اور ذلیل ہوتا جاتا ہے اور اس کے مخالف اور مکذب آخر کار بڑی حسرت سے مرتے ہیں۔ جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ ہماری مخالفت کرنے والے اور ہمارے سلسلہ کو روکنے والے بیسیوں مر چکے ہیں۔

خدا تعالیٰ کے ارادہ کو جو درحقیقت اس کی طرف سے ہے کوئی بھی روک نہیں سکتا اور خواہ کوئی کتنی ہی کوششیں کرے اور ہزاروں منصوبے سوچے مگر جس سلسلہ کو خدا شروع کرتا ہے اور جس کو وہ بڑھانا چاہتا ہے اس کو کوئی نہیں روک سکتا کیونکہ اگر ان کی کوششوں سے وہ سلسلہ رُک جائے تو ماننا پڑے گا کہ روکنے والا خدا پر غالب آ گیا۔ حالانکہ خدا پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔

پچیس برس پہلے کی ایک پیشگوئی کا ظہور

پھر ایک یہ معجزہ ہے کہ ان لوگوں کی بابت جو ہزاروں لاکھوں ہمارے پاس آتے رہتے ہیں اللہ جل شانہٗ نے براہین احمدیہ میں پہلے ہی سے خبر دے رکھی تھی اور یہ وہ کتاب ہے جو عرب فارس انگلستان اور دیگر ممالک میں پچیس برس کا عرصہ گذرا شائع ہو چکی ہے۔ اس میں بہت سے اسی زمانہ کے الہام بھی درج ہیں۔ اور یہ ایک ایسی بدیہی بات ہے جس سے کوئی یہودی، عیسائی، مسلمان، برہمو، آریہ انکار نہیں کر سکتا۔ اور اس کتاب

کا ہمارے اشد العداوت یعنی مولوی محمد حسین صاحب نے اسی زمانہ میں ریویو بھی لکھا تھا اور اسی کتاب براہین احمدیہ میں آنے والی مخلوق کی صاف طور پر پیشگوئی درج ہے اور یہ کوئی معمولی پیشگوئی نہیں بلکہ عظیم الشان پیشگوئی ہے اور وہ یہ ہے۔

الہامات الٰہیہ یَأْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ۔ یَأْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ۔ یَنْصُرُکَ اللّٰہُ مِنْ عِنْدِہٖ ۔ یَرْفَعُ اللّٰہُ ذِکْرَکَ وَیُتِمُّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ ص۲۴۱ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَانْتَھٰی اَمْرُ الزَّمَانِ اِلَیْنَا اَلَیْسَ ھٰذَا بِالْحَقِّ ص۲۴۲ وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیَتْرُکَکَ حَتّٰی یَمِیْزَ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ ص۲۴۹ فَحَانَ اَنْ تُعَانَ وَتُعْرَفَ بَیْنَ النَّاسِ ص۲۴۹ اِنِّیْ نَاصِرُکَ ۔ اِنِّیْ حَافِظُکَ ۔ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ص۵۰

یہ اس کی عبارت ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ اس وقت تو اکیلا ہے مگر وہ زمانہ تجھ پر آنے والا ہے کہ تو تنہا نہیں رہے گا۔ فوج در فوج لوگ دور دراز ملکوں سے تیرے پاس آئیں گے اور آپ جانتے ہیں کہ جب اس قدر مخلوق آئے گی تو آخر اُن کے کھانے کے واسطے بھی انتظام چاہیئے اس لیے فرمایا یَأْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ یعنی وہ لوگ تحفے تحائف اور ہزاروں روپے تیرے لیے لے کر آویں گے۔ پھر خدا فرماتا ہے۔ وَلَا تُصَعِّرْ لِخَلْقِ اللّٰہِ وَلَا تَسْئَمْ مِنَ النَّاسِ ص۲۴۲ یعنی کثرت سے مخلوق تیرے پاس آئے گی۔ اس کثرت کو دیکھ کر گھبرانہ جانا اور ان کے ساتھ کج خلقی سے پیش نہ آنا۔

پیشگوئی کے وقت قادیان کی حالت اس وقت جبکہ یہ الہام براہین احمدیہ میں شائع کئے گئے تھے قادیان ایک غیر مشہور قصبہ تھا۔ اور ایک جنگل کی طرح پڑا ہوا تھا۔ کوئی اسے جانتا بھی نہ تھا اور اتنے لوگ جو یہاں بیٹھے ہیں کون کہہ سکتا ہے کہ اس وقت بھی اس کی یہی شہرت تھی۔ بلکہ تم میں سے تقریباً سب کے سب ہی اس گاؤں سے ناواقف تھے۔ اب بتلاؤ کہ خدا کے ارادہ کے بغیر آج سے پچیس چھبیس برس پیشتر اپنی تنہائی اور گمنامی کے زمانہ میں کوئی کس طرح دعویٰ کر سکتا ہے کہ مجھ پر ایک زمانہ آنے والا ہے جبکہ ہزار ہا لوگ میرے پاس آئیں گے اور طرح طرح کے تحفے اور تحائف میرے لیے لاویں گے اور میں دُنیا بھر میں عزت کے ساتھ مشہور کیا جاؤں گا۔

عظیم الشان معجزہ دیکھو جتنے انبیاء آج سے پہلے گذر چکے ہیں ان کے بہت سے معجزات تو نہیں ہوا کرتے تھے بلکہ بعض کے پاس تو صرف ایک ہی معجزہ ہوتا تھا اور جس معجزہ کا میں نے بیان کیا ہے یہ ایک ایسا عظیم الشان معجزہ ہے جو ہر ایک پہلو سے ثابت ہے اور اگر کوئی ذرا

ہٹ دھرم اور ضدی نہ ہوگیا ہو تو اُسے میرا دعویٰ بہرصورت ماننا پڑتا ہے۔ میری اس تنہائی اور گمنامی کے زمانے کے یہاں کے ہندو بھی گواہ ہیں اور وہ بتا سکتے ہیں کہ میں اس وقت اکیلا تھا اور اردگرد کے لوگ بھی مجھے نہ جانتے تھے۔ ہاں اگر کوئی ہندو اس سے انکار کرے تو اس کو چاہیئے کہ میرے سامنے آکر جھوٹ بولے کہ اس وقت بھی اس طرح سے لوگ آیا کرتے تھے اور اگر وہ کہیں کہ یہ اتفاقی بات ہے تو پھر کسی اور جگہ سے اس کی نظیر بتاویں اور دُنیا بھر میں اس کی نظیر بتاویں اور دُنیا بھر میں اس کا پتہ دیں کہ ایک شخص پچیس برس پہلے گمنامی کی حالت میں ہو اور اس وقت اس نے پیشگوئی کی ہو کہ میرے پاس فوج در فوج لوگ آویں گے اور ہزارہا روپوں کے مال و متاع اور تحفے تحائف لے کر آویں گے اور میں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہر طرح سے مدد دیا جاؤں گا اور پھر اس طرح سے وہ پیشگوئی پوری بھی ہوگئی ہو۔ اگر یہ دکھا دیویں تو ہم مان لیں گے۔ یونہی بہانہ جوئیاں تو ہم قبول نہیں کریں گے۔ کیونکہ اس طرح سے تو کسی نبی کا کوئی بھی معجزہ قبول نہیں کیا جا سکتا۔ ان کو چاہیئے کہ کسی کذاب کی نظیر پیش کریں کہ اس نے پچیس برس پہلے اس طرح اقتداری پیشگوئی کی ہو اور پھر وہ پوری بھی ہوگئی ہو۔ اگر یہ ایسا کر دیں تو ہم تیار ہیں کہ انہیں قبول کریں۔ اگر کوئی کہے کہ خیر خوابیں آیا ہی کرتی ہیں اور ان میں سے بعض پوری بھی ہوا ہی کرتی ہیں تو اس کا یہ جواب ہے کہ خوابیں تو اکثر چوہڑوں اور چماروں کو بھی آتی ہیں اور ان سب سے پوری ہو جاتی ہیں بلکہ کنجنیاں بھی عموماً کہا کرتی ہیں کہ ہماری فلاں خواب پوری نکلی۔ اور ہمارے گھر میں ایک چوہڑی تھی جو اکثر اپنی خوابیں سُناتی تھی اور وہ سچی بھی ہوتی تھیں لیکن دیکھنے والی بات یہ ہے کہ ان میں یہ قدرت اور نصرت کہاں ہوتی ہے۔ اس طرح کی فتح اور مدد، اور دشمنوں کا ادبار اور اپنا اقبال، دشمنوں کی ذلت اور اپنی عزت یہ تو صرف انبیاء کے ہی سپرد ہے۔ دوسرے کا تو اس میں کچھ حصہ ہی نہیں۔ یہ تو خدا تعالیٰ کا فعل ہے یہ خوابیں تو نہیں۔

براہین احمدیہ وہ کتاب ہے کہ جس کے کل مذہبوں والے گواہ ہیں اور ہر ایک ملک میں جس کی اشاعت ہو چکی ہے اور یہاں کے ہندو بھی جس کے گواہ ہیں مثلاً لالہ ملاوامل اور شرمپت جو اسی قادیان کے رہنے والے ہیں وہ پہچان سکتے ہیں کہ یہی باتیں تھیں جو اس وقت لکھی گئی تھیں۔ اب دیکھ لو کہ کیا معجزات اس سے بڑھ کر ہوتے ہیں۔ یہی تو معجزہ ہے کہ پیشگوئی کے بعد ہندو، آریہ، عیسائی، مسلمان، نیچری، وہابی، اپنے بیگانے سب کے سب ہمارے دشمن ہوگئے تھے۔ ہمارے تباہ کرنے میں پورے زور لگاتے گئے اور ایسی ایسی حد بندیاں کی گئی تھیں کہ جو ہمیں السلام علیکم کہے وہ بھی کافر اور جو خوش خلقی سے پیش آوے وہ بھی کافر۔ اور ہمارے ساتھ وہ وہ باتیں کرنی روا رکھی گئیں جن کو شریف طبع سُن بھی نہیں سکتے۔ راستوں میں بیٹھ بیٹھ کر لوگوں کو یہاں آنے سے روکا گیا اور طرح طرح کی باتیں پیش کر کے لوگوں کو ورغلایا گیا۔ مگر آخر وہی ہوا جو خدا تعالیٰ نے پہلے ہی سے فرمایا ہوا تھا کہ لاکھوں لوگ تیرے پاس آویں گے اور ہزارہا روپے اور تحفے تحائف لائیں گے۔

اور پھر عجیب بات یہ ہے کہ ان کی مخالفت اور دشمنی کی بابت بھی خدا تعالیٰ نے پہلے ہی سے اطلاع دی تھی بلکہ اسی کتاب میں ایک یہ الہام بھی درج ہے۔

یَعْصِمُكَ اللّٰهُ مِنْ عِنْدِہٖ وَاِنْ لَّمْ یَعْصِمْكَ النَّاسُ (ص۵۱۰)

یعنی اللہ تعالیٰ تیری حفاظت کرے گا اور شریروں کی شرارتوں اور دشمنوں کے منصوبوں سے وہ خود تجھے محفوظ رکھے گا اور اگرچہ لوگ تیری حفاظت اور مدد نہ کریں گے مگر خدا ان سب الزاموں اور بہتانوں سے جو شریر لوگ تجھ پر لگائیں گے تیرا معصوم ہونا ثابت کر دیگا۔ اب دیکھو یہ کیسی عظیم الشان پیشگوئی ہے جو پوری ہوئی۔ آخر سچائی کی جستجو کرنے والے کو ماننا ہی پڑیگا اور جو بے ایمان ہے اس کا ہم کیا کریں۔ کیونکہ جو سچا ہی نہیں اس کا مذہب بھی کچھ نہیں کتنا بڑا معجزہ ہے کہ یہ سب مخالف پورا زور لگالیں اور جو کچھ کر سکیں کریں۔ مگر ہم اپنے وعدوں کو پورا کریں گے۔

لیکھرام کی ہلاکت کا نشان

ایسا ہی ایک پنڈت لیکھرام تھا وہ قادیان میں آیا اور دو ماہ کے قریب یہاں رہا۔ یہاں کے لوگوں نے اُسے بہکایا اور میری مخالفت پر اُسے آمادہ کیا۔ آخر اُس نے مباہلہ کے طور پر ایک دُعا لکھی اور اس میں میرا نام اور اپنا نام لکھ کر اپنے پرمیشر سے نہایت تضرع اور ابتہال کے ساتھ پرارتھنا کی کہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے پرمیشر اُسے ہلاک کرے اور اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ وید سچے ہیں، ویدوں کے رشی منی بھی سچے اور (نعوذ باللہ) ہمارے نبی کریم جھوٹے اور ہمارا قرآن شریف جھوٹا ہے۔ غرض اسی قسم کی باتیں لکھ کر اس نے اپنے پرمیشر سے فیصلہ چاہا اور بہت دُعائیں کیں۔ بہتیرا چلّایا اور بہت ناک رگڑی۔ ادھر سے چھ برس کی پیشگوئی کی گئی۔ مگر وہ اپنی شوخی کے سبب سے پانچ برس میں ہی مر گیا اور مرا بھی اسی طرح جس طرح پیشگوئی میں لکھا تھا یعنی عید کے دوسرے دن چھری سے قتل کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ کی نصرت اور تائیدات

غرض میرے پاس اس قدر نشان ہیں کہ ان کے بیان کرنے کے لیے وقت کافی نہیں میرے پاس تو یہی نشان کافی ہے کہ اتنے آدمی جو یہاں آتے ہیں ان میں سے ہر ایک آدمی ایک ایک نشان ہے اور خدا تعالیٰ نے ان سب کی پہلے سے خبر دے رکھی ہے اور یہ سب نصرتیں اور تائیدیں جو ہمارے شاملِ حال ہیں اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے انکا ہمارے ساتھ وعدہ کر رکھا ہے۔ لیکن جو جھوٹا اور مفتری علی اللہ ہوتا ہے اس کو خدا کبھی نصرت نہیں دیتا۔ بلکہ اُلٹا ہلاک

---

[1] بدر سے:- اب خود سوچکر دیکھو کیا یہ کسی انسان کے بس میں ہے کہ تن تنہا اپنی مشکلات پر غالب آئے ہم کسی کو بالجبر نہیں منواتے بلکہ ہر ایک اپنے طور سے غور کرکے یہ بات سمجھے کہ آیا ہم سچ کہتے ہیں یا نہیں۔"

(بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۴ مورخہ ۹ رجنوری ۱۹۰۸ء)

کرتا ہے لیکن تم لوگ جانتے ہو کہ ہم پر طرح طرح کے جھوٹے الزام لگائے گئے، مقدمے کئے گئے۔ کچہریوں میں ہمیں بدنام اور بےعزت کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ قتل کے مقدمے دائر کئے گئے۔ قتل کے مقدمہ میں ڈگلس صاحب ڈپٹی کمشنر گورداسپور نے جس کی پیشی میں یہ مقدمہ تھا پوری طرح سے تحقیقات کر کے آخر مجھے کہا کہ میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ آپ بَری ہیں۔ اور اگر آپ چاہیں تو ان پر نالش کر کے سزا دلا سکتے ہیں۔

اب بتلاؤ کہ اگر خدا ہمارے ساتھ نہ ہوتا تو اس قسم کی فتح اور نصرت ہمیں حاصل ہو سکتی تھی؟ اس خون کے مقدمہ میں مولوی محمد حسین نے بھی گواہی دی تھی[1]۔ لیکن میں نے پہلے ہی سے کہہ دیا تھا کہ مَیں بَری کیا جاؤں گا۔ اب بتلاؤ کہ ان مقدموں سے ان لوگوں کو کیا حاصل ہوا۔ بجز اس کے کہ ایک اور نشان ظاہر ہو گیا۔

یاد رکھو کہ ایک مفتری اور کذاب کا کام کبھی نہیں چلتا اور اس کو خدا تعالیٰ کی طرف سے مدد اور نصرت کبھی نصیب نہیں ہوتی کیونکہ اگر مفتری کا کام بھی اسی طرح سے دن بدن ترقی کرتا جاوے تو پھر اس طرح سے تو خدا کے وجود میں بھی شک پڑ جاوے اور خدا کی خدائی میں اندھیر پڑ جاوے۔ جب سے دنیا پیدا ہوئی عادت اللہ اسی طرح سے ہے کہ ایک جہان ان کی مخالفت پر کمربستہ ہو جاتا ہے اور جس طرح سے کوئی مسافر چلتا ہے تو کتے اس کے اردگرد جمع ہو کر بھونکتے اور شور مچاتے ہیں اسی طرح سے جو خدا کی طرف سے مامور ہو کر آتا ہے وہ چونکہ ان لوگوں میں سے نہیں ہوتا اس لیے دوسرے لوگ کتوں کی طرح اس پر پڑتے ہیں اور مخالفت کا شور مچاتے اور دکھ دینے کی کوششیں کرتے ہیں لیکن آخر خدا تعالیٰ ایک نظر میں ان سب کو ہلاک کر دیتا ہے۔

زبانی اسلام کافی نہیں

اب یہ بھی سن لو کہ وہ بڑا ہی خوش قسمت انسان ہے جو اسلام جیسے پاک مذہب میں داخل ہے لیکن صرف زبان سے اسلام اسلام کہنے سے کچھ نہیں بنتا جب تک کہ سچے دل سے انسان اس پر کاربند نہ ہو جاوے۔ اکثر لوگ اس قسم کے بھی ہوتے ہیں جن کی نسبت قرآن شریف میں لکھا ہے وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ (البقرة: ۱۵) یعنی جب وہ مسلمانوں کے پاس جاتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور جب وہ دوسروں کے پاس جاتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور یہ وہ لوگ

---

[1] بدر سے:۔ "ان لوگوں نے جان توڑ کوششیں کیں۔ اگر خدا ہمارے ساتھ نہ ہوتا تو کچلے جاتے۔ آجکل تین چار گواہ گذار کر پھانسی دلا سکتے ہیں۔ ان لوگوں نے آٹھ گواہ گذارے۔"
(بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۵ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

ہوتے جن کو قرآنِ شریف میں منافق کہا گیا ہے۔ اس لیے جب تک کوئی شخص پورے طور پر قرآنِ مجید پر عمل نہیں کرتا تب تک وہ پورا پورا اسلام میں بھی داخل نہیں ہوتا۔

قرآنِ کریم کے فضائل

قرآنِ مجید ایک ایسی پاک کتاب ہے جو اس وقت دُنیا میں آئی تھی جبکہ بڑے بڑے فساد پھیلے ہوئے تھے اور بہت سی اعتقادی اور عملی غلطیاں رائج ہوگئی تھیں اور تقریباً سب کے سب لوگ بداعمالیوں اور بدعقیدگیوں میں گرفتار تھے۔ اسی کی طرف اللہ جلشانہ قرآن مجید میں اشارہ فرماتا ہے ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ (الروم: ۴۲) یعنی تمام لوگ کیا اہل کتاب اور کیا دوسرے سب کے سب بدعقیدگیوں میں مبتلا تھے اور دُنیا میں فسادِ عظیم برپا تھا۔ غرض ایسے زمانہ میں خدا تعالیٰ نے تمام عقائدِ باطلہ کی تردید کے لیے قرآنِ مجید جیسی کامل کتاب ہماری ہدایت کے لیے بھیجی جس میں کُل مذاہب باطلہ کا ردّ موجود ہے۔

سُورۂ فاتحہ کی فضیلت

اور خاص کر سورۂ فاتحہ میں جو پنج وقت ہر نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے اشارہ کے طور پر کُل عقائد کا ذکر ہے جیسے فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ یعنی ساری خوبیاں اس خدا کے لیے سزاوار ہیں جو سارے جہانوں کو پیدا کرنے والا ہے اَلرَّحْمٰنِ وہ بغیر اعمال کے پیدا کرنے والا ہے اور بغیر کسی عمل کے عنایت کرنے والا ہے۔ اَلرَّحِيْمِ اعمال کا پھل دینے والا مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ جزا سزا کے دن کا مالک۔ ان چار صفتوں میں کل دُنیا کے فرقوں کا بیان کیا گیا ہے۔

آریوں کا ردّ

بعض لوگ اس بات سے مُنکر ہیں کہ خدا ہی تمام جہانوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جیو یعنی ارواح اور پرمانو یعنی ذرات خود بخود ہیں اور جیسے پرمیشر آپ ہی آپ چلا آتا ہے ویسے ہی وہ بھی آپ ہی آپ چلے آتے ہیں اور ارواح اور اُن کی کُل طاقتیں، گُن اور خواص جن پر دفتروں کے دفتر لکھے گئے خود بخود ہیں اور باوجود اس کے کہ ان میں قوتِ اتصال اور قوتِ انفصال خود بخود پائی جاتی ہے وہ آپس میں میل ملاپ کرنے کے لیے ایک پرمیشر کے محتاج ہیں۔ غرض یہ وہ فرقہ ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے رَبُّ الْعَالَمِيْنَ کہہ کر اشارہ کیا ہے۔

سناتن دھرم کے عقائد کی تردید

دوسرا فرقہ وہ ہے جس کی طرف اَلرَّحْمٰنِ کے لفظ میں اشارہ ہے اور یہ فرقہ سناتن دھرم والوں کا ہے گو وہ مانتے ہیں کہ پرمیشر سے ہی سب کچھ نکلا ہے مگر وہ کہتے ہیں کہ خدا کا فضل کوئی چیز نہیں وہ کرموں کا ہی پھل دیتا ہے۔ یہانتک کہ اگر کوئی مرد بنا ہے تو وہ بھی اپنے اعمال سے اور اگر کوئی عورت بنی ہے تو وہ بھی اپنے اعمال

سے اور اگر ضروری اشیاء حیوانات نباتات وغیرہ بنے ہیں تو وہ بھی اپنے اپنے کرموں کی وجہ سے۔ الغرض یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی صفت رحمٰن سے منکر ہیں۔ وہ خدا جس نے زمین، سورج، چاند، ستارے وغیرہ پیدا کئے اور ہوا پیدا کی تاکہ ہم سانس لے سکیں اور ایک دوسرے کی آواز سن سکیں۔ اور روشنی کے لیے سورج چاند وغیرہ اشیاء پیدا کیں اور اس وقت پیدا کیں جبکہ ابھی سانس لینے والوں کا وجود اور نام ونشان بھی نہ تھا۔ تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ سب کچھ ہمارے ہی اعمال کی وجہ سے پیدا کیا گیا ہے۔ کیا کوئی اپنے اعمال کا دم مار سکتا ہے؟ کیا کوئی دعویٰ کر سکتا ہے کہ یہ سورج چاند ستارے ہوا وغیرہ میرے اپنے عملوں کا پھل ہے[1]۔ غرض خدا کی صفتِ رحمانیت اس فرقہ کی تردید کرتی ہے جو خدا کو بلا مبادلہ یعنی بغیر ہماری کسی محنت اور کوشش کے بعض اشیاء کے عنایت کرنے والا نہیں مانتے۔

اعمال اور مجاہدات کی ضرورت

اس کے بعد خدا تعالیٰ کی صفت اَلرَّحِیْم کا بیان ہے یعنی محنتوں، کوششوں اور اعمال پر ثمرات حسنہ مرتب کرنے والا۔

یہ صفت اس فرقہ کو ردّ کرتی ہے جو اعمال کو بالکل لغو خیال کرتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ میاں نماز کیا روزے کیا؟ اگر غفور رحیم نے اپنا فضل کیا تو بہشت میں جائیں گے نہیں تو جہنم میں۔ اور کبھی کبھی یہ لوگ اس قسم کی باتیں بھی کہہ دیا کرتے ہیں کہ میاں عبادتیں کر کے ولی تو ہم نے تھوڑا ہی بننا ہے۔ "کچھ کیا کیا نہ کیا نہ سہی" غرض اَلرَّحِیْم کہہ کر خدا ایسے ہی لوگوں کا ردّ کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ جو محنت کرتا ہے اور خدا کے عشق اور محبت میں محو ہو جاتا ہے وہ دوسروں سے ممتاز اور خدا کا منظورِ نظر ہو جاتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی خود دستگیری کرتا ہے جیسے فرمایا وَ الَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت:۷۰) یعنی جو لوگ ہماری خاطر مجاہدات کرتے ہیں۔ آخر ہم ان کو اپنا راستہ دکھا دیتے ہیں۔ جتنے اولیاء، انبیاء اور بزرگ لوگ گذرے ہیں انہوں نے خدا کی راہ میں جب بڑے بڑے مجاہدات کئے تو آخر خدا تعالیٰ نے اپنے دروازے ان پر کھول دیئے۔ لیکن وہ لوگ جو خدا تعالیٰ کی اس صفت کو نہیں مانتے۔ عموماً انکا یہی مقولہ ہوتا ہے کہ میاں ہماری کوششوں میں کیا پڑا ہے جو کچھ تقدیر میں پہلے روز سے لکھا ہے وہ تو ہو کر رہے گا۔ ہماری محنتوں کی کوئی ضرورت نہیں جو کچھ ہونا ہے وہ آپ ہی ہو جائے گا۔ اور شاید چوروں اور ڈاکوؤں اور دیگر بدمعاشوں کا اندر ہی اندر یہی مذہب ہوتا ہوگا۔

---

[1] بدر سے:- "یہ لوگ بھولے ہوئے اور کفر میں گرفتار ہیں۔ سچی بات یہی ہے کہ اللہ کا فضل ہے کئی نعمتیں ایسی ہیں جن میں اعمال کا دخل نہیں اور کئی ایسی ہیں جن میں اعمال کا دخل ہے جیسے عابد زاہد بندگی کرتے ہیں اور اس کا اجر ملتا ہے۔" (بدر جلد ۷ نمبر ا صفحہ ۵ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

غرض یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کے فعل دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جن میں اعمال کا کوئی دخل نہیں جیسے سورج چاند ہوا وغیرہ جو خدا تعالیٰ نے بغیر ہمارے کسی عمل کے ہمارے وجود میں آنے سے بھی پیشتر اپنی قدرتِ کاملہ سے تیار کر رکھے ہیں اور دوسرے وہ ہیں جن میں اعمال کا دخل ہے اور عابد زاہد اور پرہیزگار لوگ عبادت کرتے اور پھر اپنا اجر پاتے ہیں۔

سورۃ فاتحہ میں غلط عقائد کی تردید

① اب تین فرقوں کی بابت تو تم سن چکے ہو یعنی ایک فرقہ تو وہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کو ربّ نہیں سمجھتا اور ذرہ ذرہ کو اس کا شریک ٹھہراتا ہے اور یہ مانتا ہے کہ اَرواح اور ذراتِ عالم کا پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کی طاقت سے باہر ہے اور جیسے خود بخود خدا ہے ویسے ہی وہ بھی خود بخود ہیں اس لیے ربّ العالمین کہہ کر اس فرقہ کی تردید کی گئی ہے۔

② دوسرا فرقہ وہ ہے جو سمجھتا ہے کہ خدا اپنے فضل سے کچھ نہیں دے سکتا جو کچھ بھی ہمیں ملا ہے اور ملے گا وہ ہمارے اپنے کرموں کا پھل ہے اور ہو گا۔ اس لیے لفظِ رحمٰن کے ساتھ اس کا ردّ کیا گیا ہے۔

③ اور اس کے بعد الرّحیم کہہ کر اس فرقہ کی تردید کی گئی ہے جو اعمال کو غیر ضروری خیال کرتے ہیں۔

④ اب ان تینوں فرقوں کا بیان کر کے فرمایا مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ یعنی جزا سزا کے دن کا مالک۔ اور اس سے اس گروہ کی تردید مطلوب ہے جو کہ جزا سزا کا قائل نہیں۔ کیونکہ ایسا ایک فرقہ بھی دنیا میں موجود ہے جو جزا سزا کا منکر ہے۔ جو لوگ خدا کو رحیم نہیں مانتے ان کو تو بے پروا بھی کہہ سکتے ہیں مگر جو مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ والی صفت کو نہیں مانتے وہ تو خدا تعالیٰ کی ہستی سے بھی منکر ہوتے ہیں اور جب خدا کی ہستی ہی نہیں جانتے تو پھر جزا سزا کس طرح مانیں۔

غرض ان چار صفات کو بیان کر کے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے مسلمانو تم کہو اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ یعنی اے چار صفتوں والے خدا۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور اس کام کے لیے مدد بھی تجھ سے ہی چاہتے ہیں اور یہ جو حدیث شریف میں آیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے عرش کو چار فرشتوں نے اُٹھایا ہوا ہے اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ اس کی ان چاروں صفات کا ظہور موجود ہے اور اگر یہ چار نہ ہوں یا چاروں میں سے ایک نہ ہو تو پھر خدا کی خدائی میں نقص لازم آتا ہے۔

عرش کی حقیقت

اور بعض لوگ ناسمجھی سے عرش کو جو ایک مخلوق چیز مانتے ہیں تو وہ غلطی پر ہیں اُن کو سمجھنا چاہیئے کہ عرش کوئی ایسی چیز نہیں جس کو مخلوق کہہ سکیں۔ وہ تو تقدس اور تنزّہ کا ایک وَراء الوَراء مقام ہے۔ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ جیسے ایک بادشاہ تخت پر بیٹھا ہوا ہوتا ہے ویسے

ہی خدا بھی عرش پر جلوہ گر ہے۔ جس سے لازم آتا ہے کہ محدود ہے۔ لیکن ان کو یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآنِ مجید میں اس بات کا ذکر تک نہیں کہ عرش ایک تخت کی طرح ہے جس پر خدا بیٹھا ہے کیونکہ نعوذ باللہ اگر عرش سے مراد ایک تخت لیا جاوے جس پر خدا بیٹھا ہوا ہے تو پھر ان آیات کا کیا ترجمہ کیا جاوے گا۔ جہاں لکھا ہے کہ خدا ہر ایک چیز پر محیط ہے اور جہاں تین ہیں وہاں چوتھا اُن کا خدا[1]۔ اور جہاں چار ہیں وہاں پانچواں ان کا خدا۔ اور پھر لکھا ہے۔ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (قٓ: ۱۷) اور وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ (الحدید: ۵) غرض اس بات کو اچھی طرح سے یاد رکھنا چاہیئے کہ کلامِ الٰہی میں استعارات بہت پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ دل کو بھی عرش کہا گیا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کی تجلی بھی دل پر ہوتی ہے اور ایسا ہی عرش اس وراء الوراء مقام کو کہتے ہیں جہاں مخلوق کا نقطہ ختم ہو جاتا ہے۔ اہلِ علم اس بات کو جانتے ہیں کہ ایک تو تشبیہ ہوتی ہے اور ایک تنزیہ ہوتی ہے مثلاً یہ بات کہ جہاں کہیں تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور جہاں پانچ ہوں وہاں چھٹا ان کا خدا ہوتا ہے۔ یہ ایک قسم کی تشبیہ ہے جس سے دھوکا لگتا ہے کہ کیا خدا پھر محدود ہے۔ اس لیے اس دھوکا کے دُور کرنے کے لیے بطور جواب کے کہا گیا ہے کہ وہ تو عرش پر ہے جہاں مخلوقات کا دائرہ ختم ہو جاتا ہے اور وہ کوئی اس قسم کا تخت نہیں ہے جو سونے چاندی وغیرہ کا بنا ہوا ہو اور اس پر جواہرات وغیرہ جڑے ہوئے ہوں بلکہ وہ تو ایک اعلیٰ ارفع اور وراء الوراء مقام ہے اور اس قسم کے استعارات قرآنِ مجید میں بکثرت پائے جاتے ہیں جیسے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا (بنی اسرائیل: ۷۳) ظاہراً تو اس کے معنے یہی ہیں کہ جو اس جگہ اندھے ہیں وہ آخرت کو بھی اندھے ہی رہیں گے۔ مگر یہ معنے کون قبول کرے گا جبکہ دوسری جگہ صاف طور پر لکھا ہے کہ خواہ کوئی سوجاکھا ہو خواہ اندھا جو ایمان اور اعمالِ صالحہ کے ساتھ جاوے گا وہ تو بینا ہو گا لیکن جو اس جگہ ایمانی روشنی سے بے نصیب رہے گا اور خدا کی معرفت حاصل نہیں کریگا وہ آخر کو بھی اندھا ہی رہے گا۔ کیونکہ یہ دُنیا مزرعہ آخرت ہے جو کچھ کوئی یہاں بوئے گا وہی کاٹے گا اور جو

---

[1] بدر سے:۔ "جاہل نہیں سمجھتے کہ اگر قرآن میں ایک طرف اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (طٰہٰ: ۶) ہے تو دوسری طرف یہ بھی ہے کہ کوئی تین نہیں جس میں چوتھا وہ نہیں اور کوئی پانچ نہیں جس میں چھٹا وہ نہیں اور فرمایا کہ جہاں کہیں تم ہو میں تمہارے ساتھ ہوں۔" (بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۵ مورخہ ۹ رجنوری ۱۹۰۸ء)

[2] اس سے ظاہر ہے کہ بعض وقت ڈائری نویس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اصل الفاظ نہیں لکھتے بلکہ مفہوم اور اپنی سمجھ کے مطابق لکھتے ہیں۔ بدر نے جو لکھا ہے وہ قرآنِ مجید کی آیت کے مطابق ہے۔ الحکم نے معلوم ہوتا ہے تین کے بعد چار کا ذکر اپنی سمجھ کے مطابق کر دیا ورنہ حضور نے وہی فرمایا ہو گا جو بدر نے ذکر کیا ہے کیونکہ قرآنی آیت کے وہی مطابق ہے۔ (شمس)

اس جگہ سے بینائی لے جائے گا وہی بینا ہوگا۔

مومن کا فرض

پھر اس کے آگے خدا تعالیٰ نے ایک دُعا سکھلائی ہے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (الفاتحۃ: ۶،۷) یعنی اے خدا کہ تو رب العالمین رحمٰن۔ رحیم اور مالک یوم الدین ہے ہمیں وہ راہ دکھا جو ان لوگوں کی راہ ہے جن پر تیرا بے انتہا فضل ہوا اور تیرے بڑے بڑے انعام اکرام ہوئے۔ مومن کو چاہیئے کہ ان چار صفات والے خدا کا صرف زبانی اقرار ہی نہ کرے بلکہ اپنی ایسی حالت بنا دے جس سے معلوم ہو کہ وہ صرف خدا کو ہی اپنا رب جانتا ہے۔ زید عمرو کو نہیں جانتا اور اس بات پر یقین رکھے کہ درحقیقت خدا ہی ایسا ہے جو عملوں کی جزا سزا دیتا ہے اور پوشیدہ سے پوشیدہ اور نہاں در نہاں گناہوں کو جانتا ہے[1]

عملی حالت کی اہمیت

یاد رکھو کہ صرف زبانی باتوں سے کچھ نہیں ہوتا۔ جب تک عملی حالت درست نہ ہو۔ جو شخص حقیقی طور پر خدا کو ہی اپنا رب اور مالکِ یوم الدین سمجھتا ہے ممکن ہی نہیں کہ وہ چوری، بدکاری، قمار بازی یا دیگر افعالِ شنیعہ کا مرتکب ہو سکے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ سب چیزیں ہلاک کر دینے والی ہیں اور ان پر عملدر آمد کرنا خدا تعالیٰ کے حکم کی صریح نافرمانی ہے۔ غرض انسان جب تک عملی طور پر ثابت نہ کر دیوے کہ وہ حقیقت میں خدا پر سچا اور پکا ایمان رکھتا ہے تب تک وہ فیوض اور برکات حاصل نہیں ہو سکتے جو مقربوں کو ملا کرتے ہیں۔ وہ فیوض جو مقربانِ الٰہی اور اہل اللہ پر ہوتے ہیں وہ صرف اسی واسطے ہوتے ہیں کہ ان کی ایمانی اور عملی حالتیں نہایت اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہیں اور انہوں نے خدا تعالیٰ کو ہر ایک چیز پر مقدم کیا ہوا ہوتا ہے۔

سمجھنا چاہیئے کہ اسلام صرف اتنی بات کا ہی نام نہیں ہے کہ انسان زبانی طور پر ورد وظائف اور ذکر اذکار کرتا رہے بلکہ عملی طور پر اپنے آپ کو اس حد تک پہنچانا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے تائید اور نُصرت شاملِ حال ہونے لگے اور انعام و اکرام وارد ہوں۔ جس قدر انبیاء اولیاء گذرے ہیں ان کی عملی حالتیں نہایت پاک صاف تھیں اور ان کی راستبازی اور دیانتداری اعلیٰ پایہ کی تھی اور یہی نہیں کہ جیسے یہ لوگ احکامِ الٰہی بجالاتے ہیں اور روزے رکھتے اور زکوٰتیں ادا کرتے ہیں۔ اور نمازوں میں رکوع سجود کرتے اور سورۃ فاتحہ پڑھتے ہیں وہ بھی پڑھتے تھے اور احکامِ الٰہی بجالاتے تھے بلکہ ان کی نظر میں تو سب کچھ مُردہ معلوم ہوتا تھا اور ان کے وجودوں پر ایک قسم کی موت طاری ہو گئی تھی۔ ان کی آنکھوں کے سامنے تو ایک خدا کا وجود ہی رہ گیا تھا۔ اسی کو وہ اپنا کارساز اور حقیقی رب

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ا صفحہ ۴ تا ۶ مورخہ ۲ رجنوری ۱۹۰۸ء

یقین کرتے تھے۔ اسی سے ان کا حقیقی تعلق تھا اور اسی کے عشق میں وہ ہر وقت محو اور گداز رہتے تھے۔

خدا تعالیٰ سے محبت رکھنے والوں کو اسکی نصرت حاصل ہوتی ہے

جب ایسی حالت ہو تو قدیم سے یہ سنت اللہ ہے کہ ایسے شخص کی خدا تعالیٰ تائید اور نصرت کرتا ہے اور غیبی طور پر اسے مدد دیتا ہے اور ہر ایک میدان میں اسے فتح نصیب کرتا ہے۔ دیکھو مذہب اسلام میں ہزاروں اولیاء گذرے ہیں۔ ہر ایک ملک میں ایسے چار پانچ لوگ تو ضرور ہی ہوتے ہیں[1] جن کو اس وقت تک لوگ بڑی عزت سے یاد کرتے ہیں اور ان کے مجاہدات اور کرامات کا عجیب عجیب طرح سے تذکرہ کرتے ہیں اور دہلی کا تو ایک بڑا میدان اسی قسم کے بزرگوں سے بھرا پڑا ہے۔

غرض سوچنا چاہیئے کہ اگر انسان ایک ڈاکو اور چور سے دلی محبت رکھے تو اگر وہ چور زیادہ احسان نہ کرے گا تو اتنا ضرور کریگا کہ اسکی چوری نہ کریگا۔ تو اب سمجھنا چاہیئے کہ جب محبت کرنے سے چوروں اور ڈاکوؤں سے بھی فائدہ پہنچ سکتا ہے تو کیا خدا سے فائدہ نہیں ہوتا؟ ہوتا ہے اور ضرور ہوتا ہے کیونکہ خدا تو بڑا رحیم کریم اور بڑے فضلوں اور احسانوں والا ہے۔ جو لوگ کرموں۔ آواگون اور جونوں کی راہ لیے بیٹھے ہیں میرا یقین ہے کہ ان کو اس راہ کا خیال تک بھی نہیں۔

جب محبت کے ثمرات اسی دنیا میں پائے جاتے ہیں اور جب ایک شخص کو دوسرے سے سچی اور خالص محبت ہوتی ہے تو وہ اس سے کوئی فرق نہیں کرتا۔ تو کیا خدا ہی ایسا ہے کہ جس کی دوستی کسی کام نہیں آتی؟

ہندوؤں کا نظریۂ نجات

وہ لوگ قابلِ الزام ہیں جو خدا کو شرمناک الزاموں سے یاد کرتے ہیں۔ مثلاً ہندوؤں اور آریوں میں دائمی مکتی نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مکتی خانہ میں داخل کرتے وقت ایک گناہ پرمیشر باقی رکھ لیتا ہے اور پھر ایک وقت کے بعد اس ایک گناہ کے عوض میں ان رشیوں منیوں اور مکتی یافتوں کو گدھوں، بندروں اور سؤروں وغیرہ کی جونوں میں بھیجتا ہے مگر اس پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر پرمیشر ان مقدسوں پر ناراض تھا اور جان بوجھ کر ان کو مکتی خانہ سے نکالنا چاہتا تھا تو پھر پہلے ہی ان کو مکتی خانہ میں کیوں داخل کیا؟ آخر ان پر راضی ہی ہوگا تو داخل کیا تھا۔ یہ تو نہیں کہ اندھا دھند ہی مکتی خانہ میں دھکیل دیا تھا لیکن رضا اور گناہ اکٹھے نہیں رہ سکتے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پرمیشر ان پر پہلے ہی راضی نہیں

---

[1] بدر میں ہے:۔

"دارالکفر والشرک میں بھی کم ایسی جگہ ہیں جہاں دو چار قبریں ایسے بزرگوں کی نہ ہوں جو ولی اللہ کہلائے"۔

(بدر جلد ۷ نمبر ا صفحہ ۶ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

ہوا تھا۔[1] اور اگر راضی تھا تو ماننا پڑے گا کہ اس کو ان کے گناہوں کی خبر نہ تھی کیونکہ جب اُسے خبر ہوئی تھی تب تو اس نے اُن کو مکتی خانہ سے باہر نکال دیا تھا۔ لیکن بعض آریہ اس کا یہ جواب دیا کرتے ہیں کہ ان کو مکتی خانہ سے اس واسطے نکالا گیا تھا کہ اُن کے عمل محدود تھے اور چونکہ عمل محدود تھے اس لیے ان کا پھل بھی محدود ہونا چاہیئے۔ لیکن ان کو اتنی خبر نہیں کہ ان بیچاروں نے جو پرمیشر کی راہ میں ایسی ایسی سختیاں جھیلی تھیں اور اپنا ہر ایک ذرہ اس کی راہ میں قربان کر دیا تھا تو وہ اس واسطے نہیں تھا کہ چند دن تک تو ہمیں مکتی خانہ کی سیر کرا دو اور اس کے بعد جس گندی سے گندی جُون میں چاہو بھیج دو۔ ان کی نیتوں کو دیکھنا چاہیئے اگر ان کی نیتیں صرف اسی قدر تھیں کہ دو چار برس پرمیشر سے محبت کر کے پھر چھوڑ دیں گے تو ایک بات ہے ورنہ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ ان مکتی یافتوں کا کیا قصور؟ یہ تو پرمیشر کا قصور ہے کہ ان کو مار دیا۔ کیونکہ اگر وہ زندہ رہتے تو پرمیشر کی محبت کو کبھی نہ چھوڑتے۔ انہوں نے تو صرف اس واسطے پرمیشر کی راہ میں مصائب شدائد برداشت کئے تھے کہ جب تک ہم رہیں گے پرمیشر کے ہو کر رہیں گے ان کو پرمیشر کی بیوفائی کا تو خیال نہ تھا۔ ایک شخص کسی سے بہت محبت رکھتا ہے اور آگے پیچھے اس کی محبت کے گُن گاتا پھرتا ہے اگر وہ مر جائے تو کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ دشمنی بھی ساتھ لے گیا ہے۔

اور پھر اس بات کو بھی سمجھنا چاہیئے کہ مکتی خانہ سے باہر نکالنے کے لیے جو گناہ پرمیشر نے انکے ذمہ رکھے ہوئے ہونگے وہ بہر صورت ایک ہی قسم کے ہونگے۔ یہ تو جائز نہیں کہ کسی کو کسی گناہ سے نکال دیا جائے اور کسی کو کسی گناہ کے سبب سے لیکن کیا یہ انصاف ہے کہ باہر نکالتے وقت باوجود ایک ہی قسم کے گناہ ہونے کے کسی کو مرد اور کسی کو عورت اور کسی کو گدھا اور کسی کو بندر بنا دیا۔

سورۃ فاتحہ میں مذکور اللہ تعالیٰ کی صفات

غرض قصہ کوتاہ اللہ تعالیٰ نے الحمد شریف میں اپنی صفاتِ کاملہ کا بیان کر کے ان مذاہبِ باطلہ کا ردّ کیا ہے جو عام طور پر دُنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔

یہ سُورۃ جو اُمّ الکتاب کہلاتی ہے اسی واسطے پانچوں وقت ہر نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے کہ اس میں مذہبِ اسلام کی تعلیم موجود ہے اور قرآنِ مجید کا ایک قسم کا خلاصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی چار صفات بیان کر کے ایک نظارہ دکھانا چاہا ہے اور بتایا ہے کہ اسلام نہایت ہی مبارک مذہب ہے۔ جو اس کی طرف رہبری کرتا ہے

---

[1] بدر سے:۔ "جب کوئی شخص کسی سے کہتا ہے میں تجھ پر راضی ہو گیا تو یہ معنے ہوتے ہیں کہ گناہ بھی بخشدیا۔ یہ نہیں کہ راضی ہو گیا مگر گناہ نہیں بخشے۔"

(بدر جلد ۷ نمبر ا صفحہ ۶ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

جو نہ تو عیسائیوں کے خدا کی طرح کسی عورت کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے اور نہ ہی وہ ایسا ہے کہ آریوں کے پرمیشر کی طرح مکتی دینے پر ہی قادر نہ ہو اور جھوٹے طور پر کہہ دیتا ہے کہ عمل محدود ہیں۔ حالانکہ اصل بات یہ ہے کہ اس میں نجات دینے کی طاقت ہی نہیں کیونکہ روحیں تو اس کی بنائی ہوئی نہیں۔ جیسے وہ آپ خود بخود ہے ویسے ہی ارواح بھی خود بخود ہیں۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ اور رُوحیں پیدا کر لے اس لیے یہ سوچ کر کہ اگر ہمیشہ کے لیے کسی رُوح کو مکتی دی جاوے تو آہستہ آہستہ وہ وقت آجاوے گا کہ تمام رُوحیں مکتی یافتہ ہو کر میرے قبضہ سے نکل جاویں گی۔ جس سے یہ تمام بنا بنایا کارخانہ درہم برہم ہو جائے گا۔ اس لیے وہ بہانہ کے طور پر ایک گناہ ان کے ذمہ رکھ لیتا ہے اور اس دَور کو چلائے جاتا ہے۔[1]

اسلام کا قدوس اور قادر خدا

لیکن اسلام کا خدا ایسا قدوس اور قادر خدا ہے کہ اگر تمام دنیا مل کر اس میں کوئی نقص نکالنا چاہے تو نہیں نکال سکتی۔ ہمارا خدا تمام جہانوں کا پیدا کرنیوالا خُدا ہے۔ وہ ہر ایک نقص اور عیب سے مبرّا ہے کیونکہ جس میں کوئی نقص ہو وہ خدا کیونکر ہو سکتا ہے اور اس سے ہم دعائیں کس طرح مانگ سکتے ہیں۔ اور اس پر کیا اُمیدیں رکھ سکتے ہیں۔ وہ تو خود ناقص ہے نہ کہ کامل۔ لیکن اسلام نے وہ قادر اور ہر ایک عیب سے پاک خدا پیش کیا ہے جس سے ہم دُعائیں مانگ سکتے ہیں اور بڑی بڑی اُمیدیں پُوری کر سکتے ہیں۔ اسی واسطے اس نے اسی سُورۃ فاتحہ میں دعا سکھائی ہے کہ تم لوگ مجھ سے مانگا کرو۔ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ یعنی یاالٰہی ہمیں وہ سیدھی راہ دکھا جو اُن لوگوں کی راہ ہے جن پر تیرے بڑے بڑے فضل اور انعام ہوئے اور یہ دعا اس واسطے سکھائی کہ تا تم لوگ صرف اس بات پر ہی نہ بیٹھ رہو کہ ہم ایمان لے آئے ہیں بلکہ اس طرح سے اعمال بجا لاؤ کہ ان انعاموں کو حاصل کر سکو جو خدا تعالیٰ کے مقرب بندوں پر ہوا کرتے ہیں۔

رسمی عبادات

بعض لوگ مسجدوں میں بھی جاتے ہیں۔ نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور دوسرے ارکانِ اسلام بھی بجا لاتے ہیں مگر خدا تعالیٰ کی نُصرت اور مدد ان کے شاملِ حال نہیں ہوتی اور اُن کے اخلاق اور عادات میں کوئی نمایاں تبدیلی دکھائی نہیں دیتی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی عبادتیں بھی رسمی عبادتیں ہیں۔ حقیقت کچھ بھی نہیں۔ کیونکہ احکامِ الٰہی کا بجا لانا تو ایک بیج کی طرح ہوتا ہے

---

[1] "دُنیا میں کوئی خالقیت سے منکر ہے کوئی رحمانیت سے، کوئی رحیمیت سے اور کوئی اس کے مالکِ یوم الدین ہونے سے۔ اس قسم کا تفرقہ تمام مذاہب میں ہے مگر اسلام ہی ایسا پاک مذہب ہے جس نے سب صفاتِ کاملہ کو جمع کر دیا۔" (بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۶ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

جس کا اثر روح اور وجود دونو پر پڑتا ہے۔ ایک شخص جو کھیت کی آبپاشی کرتا اور بڑی محنت سے اس میں بیج بوتا ہے اگر ایک دو ماہ تک اس میں انگوری نہ نکلے تو ماننا پڑتا ہے کہ بیج خراب ہے۔ یہی حال عبادات کا ہے۔ اگر ایک شخص خدا کو وحدہ لاشریک سمجھتا ہے۔ نمازیں پڑھتا ہے، روزے رکھتا ہے اور بظاہر نظر احکام الٰہی کو حتی الوسع بجا لاتا ہے، لیکن خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی خاص مدد اس کے شاملِ حال نہیں ہوتی تو ماننا پڑتا ہے کہ جو بیج وہ بو رہا ہے وہی خراب ہے۔

یہی نمازیں تھیں جن کو پڑھنے سے بہت سے لوگ قطب اور ابدال بن گئے مگر تم کو کیا ہو گیا جو باوجود اُن کے پڑھنے کے کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا[1]

یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب تم کوئی دوا استعمال کرو گے اور اگر اس سے کوئی فائدہ محسوس نہ کرو گے تو آخر ماننا پڑے گا کہ یہ دوا موافق نہیں۔ یہی حال ان نمازوں کا سمجھنا چاہیئے۔

؎ بر کریماں کارہا دشوار نیست

حقیقی مومن کبھی ضائع نہیں ہوتا

جو شخص سچے جوش اور پورے صدق اور اخلاص سے اللہ تعالیٰ کی طرف آتا ہے وہ کبھی ضائع نہیں ہوتا۔ یہ یقینی اور سچی بات ہے کہ جو خدا کے ہوتے ہیں خدا ان کا ہوتا ہے اور ہر ایک میدان میں ان کی نصرت اور مدد کرتا ہے بلکہ ان پر اپنے اس قدر انعام واکرام نازل کرتا ہے کہ لوگ ان کے کپڑوں سے بھی برکتیں حاصل کرتے ہیں[2]۔ اللہ تعالیٰ نے یہ جو دُعا سکھائی ہے تو یہ اس واسطے ہے کہ تا تم لوگوں کی آنکھ کھلے کہ جو کام تم کرتے ہو دیکھ لو کہ اس کا نتیجہ کیا ہوا ہے۔ اگر انسان ایک عمل کرتا ہے اور اس کا نتیجہ کچھ نہیں تو اس کو اپنے اعمال کی پڑتال کرنی چاہیئے کہ وہ کیسا عمل ہے جس کا نتیجہ کچھ نہیں۔

سورۃ فاتحہ میں ایک پیشگوئی

پھر اس کے آگے خدا فرماتا ہے غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ (الفاتحۃ: ۷) یعنی اے مسلمانو! تم خدا سے دُعا مانگتے رہو کہ یا الٰہی ہمیں ان لوگوں میں سے نہ بنانا جن پر اس دُنیا میں تیرا غضب نازل ہوا ہے اور نہ ہی ان لوگوں

---

[1] بدر سے :۔ "آخر سوچنا چاہیئے کہ یہی نماز تھی جس سے لوگ قطب ہو گئے غوث ہو گئے اور تم اسی طرح تحت الثریٰ میں پڑے ہو۔ یہ بات کیا ہے؟" (بدر جلد ۷ نمبر ا صفحہ ۷ مورخہ ۹ رجنوری ۱۹۰۸ء)

[2] بدر سے :۔ "وہ اپنے خاص بندوں پر ایسے ایسے فضل کرتا ہے کہ زمین و آسمان اس کے تابع کر دیتا ہے"۔ (بدر حوالہ مذکور)

کا راستہ دکھا جو کہ راہِ راست سے گمراہ ہوگئے ہیں اور یہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یہ بطور قصہ یا کتھا کے بیان نہیں کیا بلکہ وہ جانتا تھا کہ جس طرح پہلی قوموں نے بدکاریاں کیں اور نبیوں کی تکذیب اور تفسیق میں حد سے بڑھ گئیں۔ اسی طرح مسلمانوں پر بھی ایک وقت آئے گا جبکہ وہ فسق و فجور میں حد سے بڑھ جاویں گے اور جن کاموں سے ان قوموں پر خدا تعالیٰ کا غضب بھڑکا تھا ویسے ہی کام مسلمان بھی کریں گے اور خدا تعالیٰ کا غضب اُن پر نازل ہوگا

تفسیروں اور احادیث والوں نے مغضوب سے یہود مراد لیے ہیں۔ کیونکہ یہود نے خدا تعالیٰ کے انبیاء کے ساتھ بہت ہنسی ٹھٹھا کیا تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خاص طور پر دُکھ دیا تھا اور نہایت درجہ کی شوخیاں اور بے باکیاں انہوں نے دکھائی تھیں جن کا آخری نتیجہ یہ ہوا تھا کہ اسی دُنیا میں ہی خدا تعالیٰ کا غضب ان پر نازل ہوا تھا۔

خدا تعالیٰ کے غضب کی حقیقت

مگر اس کی جگہ خدا کے غضب سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ (معاذ اللہ) خدا چڑ جاتا ہے بلکہ اس کا یہ مطلب ہے کہ انسان بسبب اپنے گناہوں کے نہایت درجہ کے پاک اور قدوس خدا سے دور ہو جاتا ہے یا مثال کے طور پر یوں سمجھ لو کہ ایک شخص کسی ایسے حجرہ میں بیٹھا ہوا ہو جس کے چار دروازے ہوں۔ اگر وہ ان دروازوں کو کھولے گا تو دھوپ اور آفتاب کی روشنی اندر آتی رہے گی اور اگر وہ سب دروازے بند کر دے گا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ روشنی کا آنا بند ہو جائے گا۔ غرض یہ بات سچی ہے کہ جب انسان کوئی فعل کرتا ہے تو سنت اللہ اسی طرح سے ہے کہ اس فعل پر ایک فعل خدا تعالیٰ کی طرف سے سرزد ہوتا ہے۔ جیسے اس شخص نے بدقسمتی سے جب چاروں دروازے بند کر دیئے تھے تو اس پر خدا تعالیٰ کا فعل یہ تھا کہ اس مکان میں اندھیرا ہی اندھیرا ہوگیا۔ غرض اس اندھیرا کرنے کا نام خدا کا غضب ہے۔

یہ مت سمجھو کہ خدا تعالیٰ کا غضب بھی اسی طرح کا ہوتا ہے کہ جس طرح سے انسان کا غضب ہوتا ہے۔ کیونکہ خدا خدا ہے اور انسان انسان ہے۔ یہ تو نہیں ہوسکتا کہ جس طرح سے ایک انسان کام کرتا ہے خدا بھی اسی طرح سے ہی کرتا ہے مثلاً خدا سُنتا ہے تو کیا اس کو سُننے کے لیے انسان کی طرح ہوا کی ضرورت ہے اور کیا اس کا سُننا بھی انسان کی طرح سے ہے کہ جس طرف ہوا کا رُخ زیادہ ہوا۔ اُس طرف کی آواز کو زیادہ سُن لیا۔ یا مثلاً دیکھنا ہے کہ جب تک سُورج چاند چراغ وغیرہ کی روشنی نہ ہو انسان دیکھ نہیں سکتا تو کیا خدا بھی روشنیوں کا محتاج ہے؟ غرض انسان کا دیکھنا اور رنگ کا ہے اور خدا کا دیکھنا اور رنگ کا ہے۔ اس کی حقیقت خدا کے سپرد کرنی چاہیئے[1]

---

[1] بدر سے:۔ "خدا کا غضب خدا کی رحمت اس کے سمع بصر کی طرح الگ ہے۔ ایمان لانا چاہیئے اور حقیقت کو خدا کے سپرد کرنا مومن کی شان ہے۔" (بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۶ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

آریہ وغیرہ جو اعتراض کرتے ہیں کہ قرآنِ مجید میں خدا تعالیٰ کو غضب ناک کہا گیا ہے۔ یہ ان کی صریح غلطی ہے اُن کو چاہیئے تھا کہ قرآن مجید کی دوسری جگہوں پر بھی نظر کرتے۔ وہاں تو صاف طور پر لکھا ہے۔ عَذَابِیْٓ اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ وَ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ (الاعراف : ۱۵۷) خدا کی رحمت تو کُل چیزوں کے شامل حال ہے۔ مگر ان کو دقت یہ ہے تو یہ ہے کہ خدا کی رحمت کے تو وہ قائل ہی نہیں۔ اُن کے مذہبی اصول کے بموجب اگر کوئی شخص بصد مشکل مکتی حاصل کر بھی لے تو آخر پھر وہاں سے نکلنا ہی پڑے گا۔

غرض خوب یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کے کلام پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ جیسے خدا ہر ایک عیب سے پاک ہے ویسے ہی اس کا کلام بھی ہر ایک قسم کی غلطی سے پاک ہوتا ہے۔

یہود کی شوخیاں

اور یہ جو فرمایا غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ تو اس سے یہ مراد ہے کہ یہود ایک قوم تھی جو توریت کو مانتی تھی۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بہت تکذیب کی تھی اور بڑی شوخی کے ساتھ اُن سے پیش آتے تھے۔ یہاں تک کہ کئی بار ان کے قتل کا ارادہ بھی انہوں نے کیا تھا اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب کوئی شخص کسی فن کو کمال تک پہنچا دیتا ہے تو پھر وہ بڑا نامی گرامی اور مشہور ہو جاتا ہے اور جب کبھی اس فن کا ذکر شروع ہوتا ہے تو پھر اسی کا نام ہی لیا جاتا ہے۔ مثلاً دُنیا میں ہزاروں پہلوان ہوئے ہیں اور اس وقت بھی موجود ہیں۔ مگر رُستم کا ذکر خاص طور پر کیا جاتا ہے۔ بلکہ اگر کسی کو پہلوانی کا خطاب بھی دیا جاتا ہے تو اُسے بھی رُستمِ ہند وغیرہ کرکے پکارا جاتا ہے۔ یہی حال یہود کا ہے۔ کوئی نبی نہیں گذرا جس سے اُنہوں نے شوخی نہیں کی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تو انہوں نے یہاں تک مخالفت کی کہ صلیب پر چڑھانے سے بھی دریغ نہیں کیا اور ان کے مقابلہ پر ہر ایک شرارت سے کام لیا۔

غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ والی دُعا کی ضرورت

ہاں اگر یہ سوال پیدا ہو کہ یہود نے تو انبیاء کے مقابل پر شوخیاں اور شرارتیں کی تھیں مگر اب تو سلسلۂ نبوت ختم ہو چکا ہے اس لیے غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ والی دُعا کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ آخری زمانہ میں مسیح موعود نازل ہوگا اور مسلمان لوگ اس کی تکذیب کرکے یہود خصلت ہو جائیں گے اور طرح طرح کی بدکاریوں اور قسم قسم کی شوخیوں اور شرارتوں میں ترقی کر جاویں گے اس لیے غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ والی دعا سکھائی گئی کہ اے مسلمانو پنجگانہ نمازوں کی ہر ایک رکعت میں دُعا مانگتے رہو کہ یا الٰہی ہمیں ان کی راہ سے بچائے رکھیو جن پر تیرا غضب اسی دنیا میں نازل ہوا تھا اور جن کو تیرے مسیح موعود کی مخالفت کرنے کے سبب سے طرح طرح کے آفاتِ ارضی و سماوی کا ذائقہ چکھنا پڑا تھا۔ سو جاننا چاہیئے کہ یہی وہ زمانہ ہے جس کی طرف آیت غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ اشارہ کرتی ہے اور

وہی خدا کا سچا مسیح ہے جو اس وقت تمہارے درمیان بول رہا ہے۔

مسیح موعودؑ کی مخالفت اور تکفیر

یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ پچیس[۲۵] برس سے صبر کرتا رہا ہے۔ ان لوگوں نے کوئی دقیقہ میری مخالفت کا اُٹھا نہیں رکھا۔ ہر طرح سے شوخیاں کی گئیں۔ طرح طرح کے الزام ہم پر لگائے گئے اور ان شوخیوں اور شرارتوں میں پوری سرگرمی سے کام لیا گیا۔ ہر پہلو سے میرے فنا اور معدوم کرنے کے لیے زور لگائے گئے اور ہمارے لیے طرح طرح کے کفرنامے تیار کیے گئے اور نصاریٰ اور یہود سے بھی بدتر ہمیں سمجھا گیا۔ حالانکہ ہم کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پر دل و جان سے یقین رکھتے تھے۔ قرآن مجید کو خدا تعالیٰ کی سچی اور کامل کتاب سمجھتے تھے اور سچے دل سے اُسے خاتم الکتب جانتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سچے دل سے خاتم النبیین سمجھتے تھے۔ وہی نمازیں تھیں۔ وہی قبلہ تھا۔ اسی طرح سے ماہِ رمضان کے روزے رکھتے تھے۔ حج اور زکوٰۃ میں بھی کوئی فرق نہ تھا۔ پھر معلوم نہیں کہ وہ کونسے وجوہات تھے جن کے سبب سے ہمیں یہود اور نصاریٰ سے بھی بدتر ٹھہرایا گیا اور دن رات ہمیں گالیاں دینا موجبِ ثواب سمجھا گیا۔[ل] آخر شرافت بھی تو کوئی چیز ہے۔ اس طرح کا طریق تو وہی لوگ اختیار کرتے ہیں جن کے ایمان مسلوب اور دل سیاہ ہو جاتے ہیں۔

غرض چونکہ خدا جانتا تھا کہ ایک وقت آئے گا جبکہ مسلمان یہود سیرت ہو جائیں گے اس لیے غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ والی دُعا سکھا دی اور پھر فرمایا وَلَا الضَّآلِّیْنَ یعنی نہ ہی ان لوگوں کی راہ پر چلا جنہوں نے تیری سچی اور سیدھی راہ سے منہ موڑ لیا۔ اور یہ عیسائیوں کی طرف اشارہ ہے۔ جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انجیل کے ذریعہ سے یہ تعلیم ملی تھی کہ خدا کو ایک اور واحد لاشریک مانو۔ مگر انہوں نے اس تعلیم کو چھوڑ دیا اور ایک عورت کے بیٹے کو خدا بنا لیا۔

یہود اور نصاریٰ کا موازنہ

کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ مَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ تو بڑا سخت لفظ ہے اور ضالّین نرم لفظ ہے۔ یہ نرم لفظ نہیں۔ بات یہ ہے کہ یہودیوں کا تھوڑا گناہ تھا وہ توریت کے پابند تھے اور اس کے حکموں پر چلتے تھے گو وہ شوخیوں اور شرارتوں میں بہت

ل بدر سے :۔ "مَیں نے اُن کے کفرناموں میں دیکھا کہ لکھتے ہیں اس کا کفر یہود و نصاریٰ کے کفر سے بڑھ کر ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ جو لوگ کلمہ پڑھتے ہیں قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام تعظیم سے لیتے ہیں۔ جان تک فدا کرنے کو حاضر ہیں۔ کیا وہ اُن سے بدتر ہیں جو ہر وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتے رہتے ہیں۔" (بدر جلد ۷ نمبر ا صفحہ ۷ مورخہ ۹ رجنوری ۱۹۰۸ء)

بڑھ گئے تھے مگر وہ کسی کو خدا یا خدا کا بیٹا بنانے کے سخت دشمن تھے[1] اور سورۃ فاتحہ میں ان کا نام جو پہلے آیا ہے تو وہ اس واسطے نہیں کہ ان کے گناہ زیادہ تھے بلکہ اس واسطے کہ اسی دنیا میں ہی ان کو سزا دی گئی تھی اور اس کی مثال اس طرح پر ہے کہ ایک تحصیلدار انہی کو جرمانہ کرتا ہے جن کا قصور اس کے اختیار سے باہر نہیں ہوتا۔ مثلاً فرض کرو کہ کسی بھاری سے بھاری گناہ پر وہ اپنی طرف سے ۵۰ روپیہ جرمانہ کرسکتا ہے لیکن اگر قصور وار زیادہ کا حقدار ہو تو پھر تحصیلدار یہ کہہ کر کہ یہ میرے اختیار سے باہر ہے اور کہ تمہاری سزا کا یہاں موقع نہیں، کسی اعلیٰ افسر کے سپرد کرتا ہے۔ اسی طرح یہودیوں کی شرارتیں اور شوخیاں اسی حد تک ہیں کہ ان کی سزا اسی دنیا میں دی جاسکتی تھی لیکن ضالین کی سزا یہ دُنیا برداشت نہیں کرسکتی کیونکہ ان کا عقیدہ ایسا نفرتی عقیدہ ہے جس کی نسبت خدا تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا (مریم: ۹۱، ۹۲) یعنی یہ ایک ایسا بُرا کام ہے جس سے قریب ہے کہ زمین آسمان پھٹ جائیں اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ غرض یہودیوں کی چونکہ سزا تھوڑی تھی اس لیے ان کو اسی جہان میں دی گئی اور عیسائیوں کی سزا اس قدر سخت ہے کہ یہ جہان اس کی برداشت نہیں کرسکتا۔ اس لیے ان کی سزا کے واسطے دوسرا جہان مقرر ہے اور پھر یہ بات بھی یاد رکھنے والی ہے کہ یہ عیسائی صرف ضالّ ہی نہیں ہیں بلکہ مُضِلّ بھی ہیں۔ ان کا دن رات یہی پیشہ ہے کہ اوروں کو گمراہ کرتے پھریں یہ پچاس پچاس ہزار، ساٹھ ساٹھ ہزار بلکہ لاکھوں پرچے روز شائع کرتے ہیں اور اس باطل عقیدہ کی اشاعت کے لیے ہر طرح کے بہانے عمل میں لاتے ہیں۔

انگریز قوم کی انصاف پسندی

یاد رکھو گورنمنٹ کو ان پادریوں سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ایک انگریز یہاں آیا تھا۔ جاتی دفعہ پوچھنے لگا کہ میرے راستہ میں کسی پادری کی کوٹھی تو نہیں؟ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ پادریوں سے سخت نفرت کرتا تھا[2]

---

[1] بدر سے:۔ "ہم نے ایک یہودی سے اس کے مذہب کی نسبت پوچھا تو اس نے کہا ہمارا خدا کی نسبت وہی عقیدہ ہے جو قرآن میں ہے۔ ہم نے اب تک کسی انسان کو خدا نہیں بنایا۔ اس اعتبار سے تو یہ ضالین سے اچھے ہیں مگر شوخی شرارت میں ضالین سے بڑھ کر ہیں۔ پس اس لیے کہ انہیں دُنیا میں سزا ملی ان کا ذکر پہلے آیا۔"

(بدر جلد ۷ نمبر ا صفحہ ۷ مورخہ ۹ رجنوری ۱۹۰۸ء)

[2] بدر میں مزید لکھا ہے:۔ ایک اور انگریز تھا جس کی عدالت میں ہمارا مقدمہ ہوا۔ فریق مخالف ایک جنٹلمین پادری تھا۔ آٹھ دس گواہ بھی گذارے اور یوں بھی تم جانتے ہو کہ حکام کے اختیار میں سب کچھ ہوتا ہے قومیت کا سوال بھی تھا مگر میں نے سُنا کہ اُس نے صاف کہدیا کہ مجھ سے یہ بدذاتی نہیں ہوسکتی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یہ لوگ بڑے منصف مزاج ہوتے ہیں۔ اگر یہ منصف نہ ہوتے تو حکومت نہ ہوتی۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ ان کی حکومت کا ہونا بھی خدا تعالیٰ کا ایک خاص فضل ہے۔

سکھوں کے زمانہ کو دیکھو کہ کوئی اذان بھی دیتا تھا تو وہ قتل کر دیتے تھے۔ مگر اس سلطنت میں تو خدا تعالیٰ کے فضل سے ہر طرح سے آزادی ہے اور اس کا ہونا ہمارے لیے بڑی بڑی برکتوں کا موجب ہے۔ خود ہمارے اس گاؤں قادیان میں جہاں ہماری مسجد ہے کاردار وں کی جگہ تھی۔ اس وقت ہمارے بچپن کا زمانہ تھا۔ لیکن مَیں نے معتبر آدمیوں سے سُنا ہے کہ جب انگریزوں کا دخل ہوگیا تو چند روز تک وہی سابقہ قانون رہا۔

انہی ایام میں ایک کاردار یہاں آیا ہوا تھا۔ اس کے پاس ایک مسلمان سپاہی تھا وہ مسجد میں آیا اور مؤذن کو کہا کہ اذان دو۔ اس نے وہی ڈرتے ڈرتے گنگنا کر اذان دی۔ سپاہی نے کہا کیا تم اسی طرح سے بانگ دیا کرتے ہو؟ مؤذن نے کہا۔ ہاں اسی طرح دیتے ہیں۔ سپاہی نے کہا کہ نہیں۔ کوٹھے پر چڑھ کر اونچی آواز سے اذان دو اور جس قدر زور سے ممکن ہو سکتا ہے بانگ دو۔ وہ ڈرا۔ آخر اس نے سپاہی کے کہنے پر زور سے بانگ دی[1]۔ اس پر ہندو اکٹھے ہوگئے اور مُلّا کو پکڑ لیا۔ وہ بیچارہ بہت ڈرا اور گھبرایا کہ کاردار مجھے پھانسی دے دے گا۔ سپاہی نے کہا کہ میں تیرے ساتھ ہوں۔ آخر وہ اس کو پکڑ کر کاردار کے پاس لے گئے اور کہا۔ کہ مہاراج اس نے ہم کو بھرشٹ کر دیا ہے۔ کاردار تو جانتا تھا کہ اب سلطنت تبدیل ہوگئی ہے اور اب وہ سکھا شاہی نہیں رہی۔ اس لیے ذرا دبی زبان سے پوچھا کہ تُو نے اُونچی آواز سے کیوں بانگ دی؟ سپاہی نے آگے بڑھ کر کہا کہ اس نے نہیں دی مَیں نے بانگ دی ہے۔ تب کاردار نے ہندوؤں کو کہا کم بختو کیوں شور ڈالتے ہو۔ لاہور میں تو اب کھُلے طور پر گائیاں ذبح ہوتی ہیں اور تم اذان کو روتے ہو۔ جاؤ چپکے ہو کر بیٹھ رہو۔

ایسے ہی بٹالے کا واقعہ ہے کہ ایک سیدوں کا رہنے والا باہر سے دروازے پر آیا وہاں گائیوں کا ہجوم تھا۔ اس نے تلوار کی نوک سے مویشیوں کو ذرا ہٹایا۔ ایک گائے کے چمڑے کو خفیف سی خراش پہنچ گئی تھی۔ اس پر اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

کہ کسی بے گناہ کو سزا دوں۔ مجھے بُلا کر کہا آپ کو مبارک ہو۔ اگر یہ لوگ ان اوصاف والے نہ ہوتے تو ہمارے حاکم بھی نہ بنتے مسلمانوں میں جب یہ حالت ہوگئی کہ ایک دوسرے کو کاٹنے دوڑتے جیسے کُتّے کے آگے ہڈی ڈال دیں تو وہ ایک دوسرے پر حملہ کرتے ہیں اور اخوت ہمدردی کا نام و نشان نہ رہا تو خدا کی حکمتِ بالغہ نے اُن سے سلطنت لے لی۔"

(بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۸ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

[1] بدر سے:- "اور اس نے زور سے اذان دی کہ چالیس برس پہلے تک اس علاقہ میں کوئی اذان نہ دی گئی تھی۔"

(بدر حوالہ مذکور)

بیچارہ کو پکڑا گیا اور اس امر پر زور دیا گیا کہ اس کو قتل کر دیا جاوے۔ آخر بڑی سفارش کے بعد جان سے تو بچ گیا لیکن اس کا ہاتھ ضرور کاٹا گیا۔ ایسے ہی ایک گائے کے مقدمہ میں ایک دفعہ پانچ ہزار غریب مسلمان قتل کئے گئے۔

اب دیکھو کہ اس حکومت کا وجود ایک مبارک وجود ہے یا نہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ تمہارا حاکم بد ہو تو وہ بد نہیں۔ اصل میں تم ہی بد ہو۔ سو یاد رکھو کہ یہ لوگ بڑے انصاف پسند ہوتے ہیں۔ ہمارے مقدمہ میں ہی دیکھ لو کہ آتمارام نے سات سو روپیہ جرمانہ کر ہی دیا تھا مگر سیشن جج کے سامنے جب وہ کاغذات پیش ہوئے تو باوجودیکہ وہ عیسائی تھا مگر انصاف کی خاطر اُس نے تمام دن محنت کی اور پورے غور اور فکر کے بعد کرم الدین کو بلا کر کہا کہ تم لئیم کے معنے ولدالزنا اور کذّاب کے معنے بڑا جھوٹا کرتے ہو۔ اگر کسی کو اُلّو کہا جائے تو اُلّو چھوٹا کیا اور بڑا کیا؟ جو کچھ فیصلہ آتمارام نے کیا ہے وہ غلط ہے۔ ہم جرمانہ واپس کرتے ہیں۔ اگر لئیم کذاب سے بڑھ کر بھی تم کو کہا جاتا تو یہ شخص حق رکھتا تھا۔

اس لیے مسلمانوں کو چاہیئے کہ ہندوؤں سے بالکل جوڑ نہ رکھیں۔ اگر انگریز آج یہاں سے نکل جاویں تو ہندو مسلمانوں کی بوٹی بوٹی کر دیں۔

ضالین سے مراد انگریز نہیں بلکہ عیسائی پادری ہیں

اب نتیجہ یہ ہے کہ یہ جو مَیں نے ضالین کہا ہے تو اس سے مراد عیسائی اور پادری ہیں انگریز اس سے مراد نہیں۔ کیونکہ انگریز تو اکثر ایسے ہوتے ہیں جنہوں نے ساری عمر میں ایک دفعہ بھی انجیل پڑھی ہوئی نہیں ہوتی۔ ان پادریوں پر اسلام ایک بڑا بھاری صدمہ ہے کیونکہ یہ جانتے ہیں کہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس کو وہ مغلوب نہیں کر سکتے۔

آریہ مذہب

آریوں کا کیا ہے جن کے مذہب میں نیوگ جیسی گندی رسم موجود ہو اور جن کو حکم ہو کہ اولاد کی خاطر اپنی جوان اور پیاری بیوی کو غیر آدمی سے ہمبستر کرا لیا کرو اور جو باوجود اس کے کہ خود جوان اور تندرست ہوتے ہیں اپنی پاکدامن عورت کو دوسرے نوجوانوں سے ہمبستر کرا کے دس پُتروں تک اولاد حاصل کر سکتے ہیں اور جن کا پرمیشر ایک مکھی تو درکنار ایک ذرہ بھی پیدا نہ کر سکتا ہو وہ کب کسی مذہب پر غلبہ پا سکتے ہیں۔

عیسائیت کا عظیم فتنہ

عیسائی تو اسلام کے مقابلہ پر کسی صورت میں نہیں ٹھہر سکتے کیونکہ انہوں نے ایک انسان کو جس کا باپ بھی موجود تھا۔ چار بھائی اور دو بہنیں بھی

لہ الحکم جلد ۱۲ نمبر ۱ صفحہ ۲ تا ۴ مورخہ ۶ جنوری ۱۹۰۸ء

تھیں اور پھر یہودیوں کے ہاتھ سے ماریں بھی کھاتا پھرتا تھا خدا تجویز کر لیا ہے اور اپنی نجات کے لیے اس کو لعنتی موت سے مرا ہوا سمجھ لیا ہے حالانکہ دُنیا بھر میں یہ کوئی قاعدہ نہیں کہ سر درد تو ہو زید کو اور بکر اپنے سر پر پتھر مار کر پھوڑ لے اور پھر اس سے زید کی سر درد جاتی رہے[1]۔ سوچنا چاہیئے کہ گناہ تو کیا زید نے، مگر بکر اُس کی جگہ سولی چڑھے یہ کہاں کا انصاف ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ گلے پڑا ڈھول بجا رہے ہیں ورنہ ان کے دل تو اس عقیدہ سے متنفر ہیں اور اب تو خدا کی طرف سے توحید کی ہوا چل رہی ہے اور بہت سے لوگ اس انسان پرستی کو چھوڑ کر خدا پرستی اختیار کرتے جاتے ہیں[2]۔

دجّال اور ضالین ہم معنی ہیں

یہ جو میں نے ضالین کا ذکر کیا ہے تو اس سے مراد بھی پادری لوگ جو نہ صرف خود گمراہ ہیں بلکہ اوروں کو گمراہ کرنے میں پوری ہمت اور کوشش سے کام لیتے ہیں۔ اور یہ جو حدیثوں میں دجّال کا ذکر آیا ہے تو اس سے مراد ضالین ہی ہیں اور اگر دجّال کے معنے ضالین کے نہ لیے جاویں تو ماننا پڑے گا کہ خدا تعالیٰ نے ضالین کا ذکر تو قرآن شریف میں کر دیا بلکہ ان کے فتنہ عظیم سے بچنے کے لیے دُعا بھی سکھا دی مگر دجّال کا ذکر تک بھی نہ کیا حالانکہ وہ ایک ایسا عظیم فتنہ تھا جس سے لکھوکھا لوگ گمراہ ہو جانے تھے۔

غرض سچی بات یہی ہے کہ دجّال اور ضالین ایک ہی گروہ کا نام ہے جو لوگوں کو گمراہ کرتے پھرتے ہیں اور اس آخری زمانہ میں اپنے پورے زور پر ہیں اور ہر ایک طرح کے مکر اور فریب سے خلقت کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے پھرتے ہیں اور چونکہ دجّال کے معنے بھی گمراہ کرنے والے کے ہیں۔ اسی واسطے احادیث میں یہ لفظ ضالین کی بجائے بولا گیا ہے۔

اور احادیث میں ضالین کی بجائے دجّال کا لفظ آنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ لوگ اپنی طرف سے ایک دجّال بنا لیں گے اور عجیب عجیب قسم کے خیالات اس کی طرف منسوب کریں گے کہ اس کے ایک ہاتھ میں بہشت ہوگا اور ایک ہاتھ میں دوزخ اور وہ خدائی کا بھی دعویٰ کرے گا اور نبوت کا بھی اور اس کے ماتھے پر کافر لکھا ہوا ہوگا اور اس کا ایک گدھا ہوگا جس کے کانوں میں اس قدر فاصلہ ہوگا اور اس میں یہ

---

[1] بدر سے:۔ "میں بڑے زور سے کہتا ہوں کہ ایک مسلمان کا بچہ ان لغویات کو قبول نہیں کر سکتا۔"
(بدر جلد ۷ نمبر ا صفحہ ۸ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

[2] بدر سے:۔ "ولایت کے جو سمجھدار لوگ ہیں وہ خود اس بات کو چھوڑتے جاتے ہیں۔ مبارک زمانہ آ گیا۔ توحید کی ہوا چل رہی ہے۔ عنقریب تمام دُنیا جان لیگی کہ ہر جگہ پر اسلام کے سوا ضلالت ہے۔" (بدر حوالہ مذکور)

یہ باتیں ہوں گی۔ اس لیے خدا فرماتا ہے کہ وہ دجالی گروہ ضالین کا ہی ہے جو طرح طرح کے پیرایوں میں لوگوں کو گمراہ کرتے پھرتے ہیں اور بڑے بڑے وعدے دے دے کر خدا تعالیٰ کی کتابوں میں تحریف و تبدیل کرتے ہیں اور لوگوں کو خدا تعالیٰ کے حکموں سے بالکل روگردان کر رہے ہیں یہاں تک کہ سؤر جیسی گندی چیز کو بھی حلال خیال کر رہے ہیں۔ حالانکہ توریت میں سؤر خاص طور پر حرام کیا گیا ہے اور خود مسیح نے بھی کہا ہے کہ سؤروں کے آگے موتی مت ڈالو۔

اور ایسا ہی کفارہ جیسا گندہ مسئلہ ایجاد کر کے انہوں نے گناہوں کے لیے ایک وسیع میدان تیار کر دیا ہے خواہ انسان کیسے ہی کبیرہ گناہوں کا مرتکب ہو۔ مگر یسوع کو خدا یا خدا کا بیٹا سمجھنے سے وہ سب عیب جاتے رہیں گے اور انسان نجات پا جائے گا۔ اب بتلاؤ کیا یہ صاف سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ وہی گمراہ کرنے والا گروہ ہے جس کو احادیث میں دجال اور قرآن کریم میں ضالین کہہ کے پکارا گیا ہے۔

کسرِ صلیب اور قتلِ خنزیر

اور پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ صحیح بخاری میں آنے والے مسیح کی نسبت (جو کہ اس وقت آگیا ہے) جو لکھا ہے کہ یَکْسِرُ الصَّلِیْبَ وَیَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ یعنی وہ صلیبوں کو توڑیگا اور خنزیروں کو قتل کریگا تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ جنگلوں میں چوہڑوں اور چماروں کی طرح شکار کھیلتا پھریگا اور گرجوں پر چڑھ کر صلیبیں توڑتا پھریگا۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ خنزیر نجاست کھانے والے کو کہتے ہیں اور یہ ضروری نہیں کہ وہ نجاست جانوروں کی ہی ہو۔ بلکہ جھوٹ اور دروغ کی جو نجاست ہے وہ سب سے گندی اور بدبودار نجاست ہے اس لیے ایسے لوگوں کا جو ہر وقت جھوٹ اور فریب سے دنیا کو گمراہ کرتے رہتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے خنزیر نام رکھا ہے اور یہ جو فرمایا یکسر الصلیب تو اسکے یہ معنے نہیں کہ مسیح جب آوے گا تو پتھر، تانبے اور لکڑی وغیرہ کی صلیبوں کو جو پیسے پیسے پر فروخت ہوتی ہیں توڑتا پھرے گا۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ صلیبی مذہب کی بنیاد کو توڑے گا اب دیکھ لو کہ اُن کے مذہب کا تمام دار و مدار تو عیسیٰ کی زندگی پر ہے اور یہ نہیں کہ دوسرے انبیاء کی طرح وہ زندہ ہے بلکہ وہ ایسا زندہ ہے کہ پھر دوبارہ دنیا میں آئے گا اور خلقت کا فیصلہ کرے گا اور پھر معلوم نہیں کہ مسلمانوں میں عیسیٰ کی زندگی کا مسئلہ کہاں سے آگیا بدقسمتی سے انہوں نے بھی عیسائیوں کی ہاں میں ہاں ملانی شروع کر دی۔

غرض سمجھنا چاہیئے کہ عیسائیوں کے مذہب کی بنیاد تو صرف عیسیٰ کی زندگی پر ہے جب وہ مر گیا تو پھر ان کا مذہب بھی ان کے ساتھ ہی مر گیا۔

لدھیانہ میں ایک دفعہ ایک پادری میرے پاس آیا۔ اثنائے گفتگو میں میں نے اسے کہا کہ عیسیٰ کی موت ایک معمولی سی بات ہے۔ اگر تم مان لو کہ عیسیٰ مر گیا ہے تو اس میں تمہارا کیا ہرج ہے تو اس پر وہ کہنے لگا کہ کیا یہ

معمولی سی بات ہے اسی پر تو ہمارے مذہب کا تمام دارومدار ہے[1]

اپنے ہی دہلی میں جب میں گیا تھا تو بہت سے آدمی جمع ہو کر میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ حضرت عیسیٰ زندہ موجود ہیں اور وہی دوبارہ آئیں گے۔ میں نے ان سے کہا کہ اچھا یہ تو بتلاؤ کہ سوائے اس کے کہ کئی ہزار آدمی مُرتد ہو گئے اور اس کا نتیجہ ہی کیا نکلا ہے اس پر وہ خاموش ہو گئے۔ تب میں نے کہا کہ اچھا اس نسخہ کا تو آپ لوگوں نے تجربہ کر لیا ہے یہ تو غلط نکلا۔ اب ہمارا نسخہ بھی چند روز استعمال کر کے دیکھو کہ نتیجہ کیا ہوتا ہے[2] اس پر ایک شخص اُٹھا اور کہنے لگا اسلام کی سچی خیر خواہی جیسی آپ کر رہے ہیں اور کوئی نہیں کر رہا۔ آپ بڑی خوشی سے اس کام میں لگے رہیں۔

موجودہ مسلمانوں کے غلط عقاید

غرض مسلمانوں کی عجیب حالت ہو رہی ہے۔ بات بات میں پیچھے۔ جگہ جگہ پر شکست۔ ان کے نزدیک ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو فوت ہو گئے ہیں مگر عیسیٰ زندہ ہیں اور (نعوذ باللہ) ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو مسِ شیطان سے پاک نہیں تھے مگر عیسیٰ پاک تھا اور پھر بے باپ تھا تو عیسیٰ، پرندوں کا خالق تھا تو عیسیٰ، مُردے زندہ کرتا تھا تو عیسیٰ، آسمان پر چڑھ گیا تھا اور پھر دوبارہ نازل ہو گا تو عیسیٰ۔ اب بتلاؤ سوائے مُرتد ہونے کے اس کا اور کیا نتیجہ ہو سکتا ہے؟ غرض عیسیٰ کی زندگی مُرتد کرنے کا آلہ ہے۔ جو لوگ عیسائی ہو جاتے ہیں تو وہ ایسی ایسی باتیں ہی سُن کر ہو جایا کرتے ہیں جیسا میں ذکر کر چکا ہوں۔

مرزائی ہیں تو کافر مگر آج عزت رکھ لی ہے

ایک دفعہ بشپ صاحب لاہور میں لیکچر دے رہے تھے اور اس قسم کی باتیں پیش کرتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صاحب تو فوت ہو چکے ہیں اور ان کی مدینہ میں قبر موجود ہے۔ مگر یسوع مسیح کی نسبت خود مسلمان بھی مانتے ہیں کہ وہ آسمان پر زندہ موجود ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اور پھر کہتے تھے مسلمانو۔ تم خود منصف بن کے دیکھ لو کہ آیا یہ باتیں سچی ہیں یا نہیں؟ تب ہمارے مفتی صاحب آگے بڑھے اور بشپ صاحب کو کہنے لگے کہ بتاؤ یہ باتیں

---

[1] بدر سے:۔ "اس نے کہا کہ اگر مسیح کے زندہ ہونے کا عقیدہ نہ ہو تو پھر سب عیسائی یکدم مسلمان ہو جائیں گے۔ ہمارے مذہب کی رُوح یہی بات ہے جب یہ نکلی تو ہم بیجان ہو جائیں گے۔"

(بدر جلد ۷ نمبر ا صفحہ ۹ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

[2] بدر سے:۔ "اب ہمارے نسخہ کو بھی آزما دیکھو کہ مسیح کی وفات ماننے میں اسلام کی زندگی اور صلیبی مذہب کی موت ہے یا نہیں۔"

(بدر حوالہ مذکور)

قرآنِ شریف میں کہاں لکھی ہیں کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو مَر گئے ہیں اور عیسٰی آسمانوں پر زندہ ہیں۔ قرآن مجید میں تو صاف طور پر عیسٰی کی موت لکھی ہے اور آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي (المائدۃ: ۱۱۸) اسی بات کی شہادت دے رہی ہے کہ عیسٰی فوت ہو چکے ہیں۔ تب بشپ صاحب سے اور تو کچھ بن نہ آیا گھبرا کر کہنے لگے "معلوم ہوتا ہے کہ تم مرزائی ہو۔" پھر اس کے بعد وہ لوگ جو دعظ سن رہے تھے باہر آکر کہنے لگے کہ "مرزائی ہیں تو کافر مگر آج تو عزت رکھ لی ہے۔"

رُوحانی ہتھیار اب ہمارے پاس ہیں

غرض یاد رکھنا چاہیئے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو اقبال دیتا ہے تو ہتھیار بھی ساتھ ہی دیتا ہے۔ دیکھو جسمانی طور پر آجکل یورپ کا ہی بول بالا ہے مگر ہر ایک قسم کے عجیب عجیب ہتھیار بھی تو یورپ والوں نے ہی تیار کر رکھے ہیں یہانتک کہ اگر سُلطانِ رُوم کو بھی کسی ہتھیار کی ضرورت پڑتی ہے تو وہ بھی انہیں سے منگوا بھیجتا ہے۔ اسی طرح رُوحانی ہتھیار اب ہمارے ہاتھ میں ہیں[1]۔ اور جس کے ہاتھ میں ہتھیار نہیں وہ غلبہ کس طرح پا سکتا ہے۔

اب تم لوگ جہاں جاؤ گے کہو گے کہ عیسٰی مرگیا اور اس کی وفات قرآنِ مجید میں موجود، احادیث صحیحہ میں موجود ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گواہی دی کہ مَیں نے معراج کی رات حضرت عیسٰی کو مُردوں میں دیکھا اور خود مَر کر دکھا دیا کہ مجھ سے پہلے جتنے نبی آتے رہے ہیں وہ سب کے سب فوت ہو چکے ہیں۔

یہ اور ایسے ہی کئی قسم کے اَور بھی چمکتے ہوئے دلائل خدا تعالیٰ نے تم لوگوں کے ہاتھوں میں دے دیئے ہیں جن کو سُنکر مخالفوں کا ناک میں دم آتا ہے۔

مسلمانوں نے اسلام کے ضعف کو سمجھا ہی نہیں

اصل میں مسلمانوں نے اسلام کے ضعف کو سمجھا ہی نہیں۔ ایک شخص (عبد الحکیم) ہے جو بیس برس تک میرا مُرید رہا ہے اور ہر طرح سے میری تائید کرتا رہا ہے اور میری سچائی پر اپنی خوابیں سُناتا رہا ہے۔ اب مُرتد ہو کر اس نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام اس نے میری طرف منسوب کرکے کانا دجّال رکھا ہے۔ لیکن اصلی بات یہ ہے کہ اس کو اس بات کی خبر ہی نہیں ہے کہ اسلام کا کیا حال ہو رہا ہے۔ جن لوگوں کے دھوکوں اور فریبوں سے آٹھے دن لوگ اسلام سے مُرتد ہو رہے ہیں وہ تو اس کے نزدیک دجّال نہیں ہیں اور ان کا ذکر تک

---

[1] بدر سے:۔ "خدا تعالیٰ نے ہمیں رُوحانی ہتھیار دیئے ہیں یہ خدا تعالیٰ کا خاص فضل ہے۔ جو قوم بے ہتھیار ہوتی ہے ضرور ہے کہ وہ تباہ ہو جائے۔ یاد رہے کہ ہتھیاروں سے مُراد رُوحانی قوتیں اور دلائل قاطعہ ہیں۔ ظاہری سامان کی مذہب کے معاملہ میں ضرورت نہیں۔ دیکھو۔ اگر مسیح کی وفات کا ہتھیار نہ ہوتا تو تم ان کے سامنے بات بھی نہ کر سکتے۔" (بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۹ مورخہ ۹ رجنوری ۱۹۰۸ء)

بھی اپنی کتابوں میں نہیں کرتا ہے اور جو اسلام کا زندہ چہرہ دکھا رہا ہے اور تازہ بتازہ نشانوں سے اس کی تائید کر رہا ہے اور ہر طرح سے اسلام کی مدد کر رہا ہے اور دشمنانِ اسلام کا دندان شکن جواب دے رہا ہے وہ اس کی نظر میں دجال ہے۔

صفائی ذہن کیلئے تقویٰ ضروری ہے

سو سمجھنا چاہیئے کہ صفائی ذہن بھی تو آخر تقویٰ سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ اسی واسطے خدا تعالیٰ فرماتا ہے ۔

الٓمّٓ ۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (البقرۃ: ۲، ۳) یعنی یہ کتاب انہیں کو ہدایت نصیب کرتی ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور جن میں تقویٰ نہیں۔ وہ تو اندھے ہیں[1]

اگر کوئی پاک نظر سے اور خدا تعالیٰ کا خوف کر کے اس کو دیکھتا ہے تب تو اس کو سب کچھ اس میں سے نظر آجاتا ہے اور اگر ضد اور تعصب کی پٹی آنکھوں پر باندھی ہوئی ہے تو وہ اس میں سے کچھ بھی نہیں دیکھ سکتا۔

شیطان کا مغلوب ہونا مسیح موعودؑ کے ہاتھوں مقدر ہے

یاد رکھنا چاہیئے کہ دجال اصل میں شیطان کے مظہر کو کہتے ہیں جس کے معنے ہیں راہِ ہدایت سے گمراہ کرنے والا۔ لیکن آخری زمانہ کی نسبت پہلی کتابوں میں لکھا ہے کہ اس وقت شیطان کے ساتھ بہت جنگ ہوں گے لیکن آخر کار شیطان مغلوب ہو جائے گا۔ گو ہر نبی کے زمانہ میں شیطان مغلوب ہوتا رہا ہے مگر وہ صرف فرضی طور پر تھا حقیقی طور پر اس کا مغلوب ہونا مسیح کے ہاتھوں سے مقدر تھا اور خدا تعالیٰ نے یہاں تک غلبہ کا وعدہ دیا ہے کہ جَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ (آل عمران: ۵۶) فرمایا ہے کہ تیرے حقیقی تابعداروں کو بھی دوسروں پر قیامت تک غالب رکھوں گا۔ غرض شیطان اس آخری زمانہ میں پورے زور سے جنگ کر رہا ہے مگر آخری فتح ہماری ہی ہوگی۔ یہ تو تم جانتے ہی ہو اور تمہارے نزدیک یہ ایک معمولی سی بات ہے کہ حضرت عیسیٰ مر چکے ہیں اور اس بات میں تم نے ہر طرح سے فتح بھی حاصل کر لی ہے[2]

---

[1] بدر سے:۔ "اور جیسے اندھا سورج سے کچھ فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ اسی طرح جو متقی نہیں وہ قرآن کے نُور سے کچھ روشنی نہ پاسکے گا۔ جو تعصب سے نظر کرتا ہے۔ بات بات میں بدظنی سے کام لیتا ہے وہ بشر تو کجا اگر فرشتہ بھی آئے تو کبھی ماننے کا نہیں۔" (بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۹ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

[2] بدر سے:۔ "اصل میں ہمارا وجود دو باتوں کے لیے ہے ایک تو ایک نبی کو مارنے کے لیے، دوسرا شیطان کو مارنے کے لیے۔" (بدر حوالہ مذکور)

شیطان کا مرنا ابھی باقی ہے

مگر شیطان کا مرنا ابھی باقی ہے کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ اس کا بہت سا تسلط ابھی تم لوگوں پر باقی ہے۔ اکثر لوگ یہاں سے بیعت کر جاتے ہیں اور گھر میں پہنچ کر ایک خط ارتداد کا لکھ دیتے ہیں اور اصل وجہ یہ ہوتی ہے کہ کوئی مولوی انہیں مِل جاتا ہے جو طرح طرح کی باتیں سُنا کر اور ہر قسم قسم کے جھوٹے الزام قائم کرکے ان کو پھسلا دیتا ہے اور ان لوگوں میں بھی چونکہ شیطان کا بہت سا حصہ باقی ہوتا ہے اس لیے وہ شیطان سیرت لوگوں کے پھندوں میں بہت جلد پھنس جاتے ہیں۔ چونکہ میں اپنے دعویٰ کے متعلق کتاب حقیقۃ الوحی میں بہت کچھ بیان کر چکا ہوں اور تم اس کو پڑھ بھی چکے ہو۔ اس لیے اگر میں اس کے متعلق کچھ بیان کروں تو تقریر کا سلسلہ لمبا ہو جائے گا۔ سو اس وقت تم لوگوں کو شیطان کی وفات کا مسئلہ یاد کر لینا چاہیئے۔ حضرت عیسیٰ کی جو ایک فرضی حیات مانی ہوئی تھی اسکو مارنے میں تو تم لوگ کامیاب ہو گئے ہو مگر شیطان کا مارنا ابھی باقی ہے۔

مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ اس کا مارنا صرف اسی قدر نہیں ہے کہ صرف زبان سے ہی کہہ دیا جائے کہ شیطان مر گیا ہے اور وہ مر جاوے بلکہ تم لوگوں کو عملی طور پر دکھانا چاہیئے کہ شیطان مر گیا ہے شیطان کی موت قال سے نہیں بلکہ حال سے ظاہر کرنی چاہیئے۔ خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ آخری مسیح کے زمانہ میں شیطان بالکل مر جائے گا۔ گو شیطان ہر ایک انسان کے ساتھ ہوتا ہے۔ مگر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شیطان مسلمان ہو گیا تھا۔

شیطان کے لَاحَول سے بھاگنے کی حقیقت

اسی طرح خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اس زمانہ میں شیطان کی بالکل بیخ کنی کر دی جائے گی۔ یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ شیطان لاحول سے بھاگتا ہے۔ مگر وہ ایسا سادہ لوح نہیں کہ صرف زبانی طور پر لاحول کہنے سے بھاگ جائے۔ اس طرح سے تو خواہ سو دفعہ لاحول پڑھا جاوے وہ نہیں بھاگے گا۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ جس کے ذرہ ذرہ میں لاحول سرایت کر جاتا ہے اور جو ہر وقت خدا تعالیٰ سے ہی مدد اور استعانت طلب کرتے رہتے ہیں اور اس سے ہی فیض حاصل کرتے رہتے ہیں۔ وہ شیطان سے بچائے جاتے ہیں اور وہی لوگ ہوتے ہیں جو فلاح پانے والے ہوتے ہیں۔

دُعا کی ضرورت اور حقیقت

مگر یاد رکھو کہ یہ جو خدا تعالیٰ نے قرآنِ مجید کی ابتداء بھی دُعا سے ہی کی ہے اور پھر اس کو ختم بھی دُعا پر ہی کیا ہے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ انسان ایسا کمزور ہے کہ خدا کے فضل کے بغیر پاک ہو ہی نہیں سکتا[1] اور جب تک خدا تعالیٰ سے مدد اور نصرت نہ

---

[1] بدر سے :- "تم اپنے تئیں پاک مت ٹھہراؤ۔ کیونکہ کوئی پاک نہیں جب تک خدا پاک نہ کرے۔"

(بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۱۱ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

تصدیق نیکی میں ترقی کر ہی نہیں سکتا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ سب مُردے ہیں مگر جس کو خدا زندہ کرے اور سب گمراہ ہیں مگر جس کو خدا ہدایت دے اور سب اندھے ہیں مگر جس کو خدا بینا کرے۔

غرض یہ سچی بات ہے کہ جب تک خدا کا فیض حاصل نہیں ہوتا تب تک دُنیا کی محبت کا طوق گلے کا ہار رہتا ہے اور وہی اس سے خلاصی پاتے ہیں جن پر خدا اپنا فضل کرتا ہے مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ خدا کا فیض بھی دُعا ہی سے شروع ہوتا ہے۔

لیکن یہ مت سمجھو کہ دُعا صرف زبانی بک بک کا نام ہے بلکہ دُعا ایک قسم کی موت ہے جس کے بعد زندگی حاصل ہوتی ہے جیسا کہ پنجابی میں ایک شعر ہے ؎

جو منگے سو مر رہے ۔ مرے سو منگن جا

دُعا میں ایک مقناطیسی اثر ہوتا ہے وہ فیض اور فضل کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔

یہ کیا دُعا ہے کہ مُنہ سے تو اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کہتے رہے اور دل میں خیال رہا کہ فلاں سودا اس طرح کرنا ہے، فلاں چیز رہ گئی ہے۔ یہ کام یوں چاہیئے تھا اگر اس طرح ہو جائے تو پھر یوں کریں گے۔ یہ تو صرف عمر کا ضائع کرنا ہے۔ جب تک انسان کتاب اللہ کو مقدم نہیں کرتا اور اسی کے مطابق عملدرآمد نہیں کرتا تب تک اس کی نمازیں محض وقت کا ضائع کرنا ہے۔

دُعا کے لوازمات اور نتائج

قرآن مجید میں تو صاف طور پر لکھا ہے قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ (المؤمنون: ۲،۳)
یعنی جب دُعا کرتے کرتے انسان کا دل پگھل جائے اور آستانۂ الوہیت پر ایسے خلوص اور صدق سے گر جاوے کہ بس اسی میں محو ہو جاوے اور سب خیالات کو مٹا کر اسی سے فیض اور استعانت طلب کرے اور ایسی یکسوئی حاصل ہو جائے کہ ایک قسم کی رقت اور گداز پیدا ہو جائے تب فلاح کا دروازہ کھل جاتا ہے جس سے دُنیا کی محبت ٹھنڈی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ دو محبتیں ایک جگہ جمع نہیں رہ سکتیں۔ جیسے لکھا ہے۔

ہم خدا خواہی و ہم دُنیائے دُوں
ایں خیال است و محال است و جنوں

اسی لیے اس کے بعد ہی خدا فرماتا ہے وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ (المؤمنون: ۴) یہاں لغو سے مراد دُنیا ہے۔ یعنی جب انسان کو نمازوں میں خشوع اور خضوع حاصل ہونے لگ جاتا ہے تو پھر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دُنیا کی محبت اس کے دل سے ٹھنڈی ہو جاتی ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ پھر وہ کاشتکاری، تجارت نوکری وغیرہ چھوڑ دیتا ہے بلکہ وہ دنیا کے ایسے کاموں سے جو دھوکہ دینے والے ہوتے ہیں اور جو خدا سے غافل

کردیتے ہیں اعراض کرنے لگ جاتا ہے[1] اور ایسے لوگوں کی گریہ وزاری اور تضرع اور ابتہال اور خدا کے حضور عاجزی کرنے کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ ایسا شخص دین کی محبت کو دنیا کی محبت، حرص، لالچ اور عیش و عشرت سب پر مقدم کرلیتا ہے کیونکہ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ ایک نیک فعل دوسرے نیک فعل کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور ایک بدفعل دوسرے بدفعل کی ترغیب دیتا ہے۔ جب وہ لوگ اپنی نمازوں میں خشوع خضوع کرتے ہیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طبعاً وہ لغو سے اعراض کرتے ہیں اور اس گندی دُنیا سے نجات پا جاتے ہیں اور اس دُنیا کی محبت ٹھنڈی ہو کر خدا کی محبت ان میں پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ (المؤمنون: ۵) یعنی وہ خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور یہ ایک نتیجہ ہے عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ کا۔ کیونکہ جب دنیا سے محبت ٹھنڈی ہو جائے گی[2] تو اس کا لازمی نتیجہ ہوگا کہ وہ خدا کی راہ میں خرچ کریں گے اور خواہ قارون کے خزانے بھی ایسے لوگوں کے پاس جمع ہوں وہ پروا نہیں کریں گے اور خدا کی راہ میں دینے سے نہیں جھجکیں گے۔ ہزاروں آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ وہ زکوٰۃ نہیں دیتے یہاں تک کہ اُن کی قوم کے بہت سے غریب اور مفلس آدمی تباہ اور ہلاک ہو جاتے ہیں مگر وہ ان کی پروا بھی نہیں کرتے حالانکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہر ایک چیز پر زکوٰۃ دینے کا حکم ہے یہاں تک کہ زیور پر بھی۔ ہاں جواہرات وغیرہ چیزوں پر نہیں۔ اور جو امیر، نواب اور دولت مند لوگ ہوتے ہیں ان کو حکم ہے کہ وہ شرعی احکام کے بموجب اپنے خزانوں کا حساب کر کے زکوٰۃ دیں لیکن وہ نہیں دیتے۔ اس لیے خدا فرماتا ہے کہ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ (المؤمنون: ۴) کی حالت تو اُن میں تب پیدا ہوگی جب وہ زکوٰۃ بھی دیں گے گویا زکوٰۃ کا دینا لغو سے اعراض کرنے کا ایک نتیجہ ہے[3]۔

پھر اس کے بعد فرمایا۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ (المؤمنون: ۶) یعنی جب وہ لوگ اپنی نمازوں میں خشوع خضوع کریں گے۔ لغو سے اعراض کریں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ

---

[1] بدر سے:۔ ”فرمایا۔ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (النور: ۳۸) یعنی ہماللہ ایسے بندے بھی ہیں جو بڑے بڑے کارخانہ تجارت میں ایک دم کے لیے بھی ہمیں نہیں بھولتے۔ خدا سے تعلق رکھنے والا دُنیادار نہیں کہلاتا۔ بلکہ دنیادار وہ ہے جسے خدا یاد نہ ہو۔“ (بدر جلد ۷ نمبر ا صفحہ ۱۰ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

[2] بدر سے:۔ ”دُنیا کی محبت بخیل بنا دیتی ہے۔ آخرت کو بھلانا اور دُنیا سے دل لگانا یہ سخت منع ہے۔“ (بدر حوالہ مذکور)

[3] بدر سے:۔ ”یہ قوت زکوٰۃ دینے کی لغو سے کنارہ کشی پر حاصل ہوتی ہے۔ پس تم دُنیا کی محبت کم کرو بلکہ نہ کرو تا زکوٰۃ دینے کی قوت حاصل ہو اور تم فلاح پاؤ۔“ (بدر حوالہ مذکور)

وہ لوگ اپنے سوراخوں کی حفاظت کریں گے۔ کیونکہ جب ایک شخص دین کو دُنیا پر مقدم رکھتا ہے اور اپنے مال کو خدا کی راہ میں خرچ کرتا ہے وہ کسی اَور کے مال کو ناجائز طریقہ سے کب حاصل کرنا چاہتا ہے اور کب چاہتا ہے کہ میں کسی دوسرے کے حقوق کو دباؤں[1]۔ اور جب وہ اپنی مال جیسی عزیز چیز کو خدا کی راہ میں قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتا تو پھر آنکھ، ناک، کان، زبان وغیرہ کو غیر محل پر کب استعمال کرنے لگا۔ کیونکہ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب ایک شخص اوّل درجہ کی نیکیوں کی نسبت اس قدر محتاط ہوتا ہے تو ادنیٰ درجہ کی نیکیاں خود عمل میں آتی جاتی ہیں۔ مثلاً جب خشوع خضوع سے دُعا مانگنے لگا تو پھر اس کے ساتھ ہی لغو سے بھی اعراض کرنا پڑا۔ اور جب لغو سے اعراض کیا تو پھر زکوٰۃ کے ادا کرنے میں دلیر ہونے لگا اور جب اپنے مال کی نسبت وہ اس قدر محتاط ہو گیا تو پھر غیروں کے حقوق چھیننے سے بدرجۂ اولیٰ بچنے لگا۔ اس لیے اس کے آگے فرمایا وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ (المؤمنون : ۹) کیونکہ جو شخص دوسرے کے حق میں دست اندازی نہیں کرتا اور جو حقوق اس کے ذمہ ہیں ان کو ادا کرتا ہے۔ اس کے لیے لازمی ہے کہ وہ اپنے عہدوں کا پکا ہو اور دوسرے کی امانتوں میں خیانت کرنے سے بچنے والا ہو۔ اس لیے بطور نتیجہ کے فرمایا کہ جب ان لوگوں میں یہ وصف پائے جاتے ہوں گے تو پھر لازمی بات ہے کہ وہ اپنے عہدوں کے بھی پکے ہوں گے۔

نماز کی اہمیت اور حقیقت

پھر ان سب باتوں کے بعد فرمایا۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ (المؤمنون : ۱۰) یعنی ایسے ہی لوگ ہیں جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں اور کبھی ناغہ نہیں کرتے اور انسان کی پیدائش کی اصل غرض بھی یہی ہے کہ وہ نماز کی حقیقت سیکھے۔ جیسے فرمایا اللہ تعالیٰ نے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذّٰریات : ۵۷)

غرض یاد رکھنا چاہیئے کہ نماز ہی وہ شئے ہے جس سے سب مشکلات آسان ہو جاتے ہیں اور سب بلائیں دُور ہوتی ہیں۔ مگر نماز سے وہ نماز مراد نہیں جو عام لوگ رسم کے طور پر پڑھتے ہیں بلکہ وہ نماز مراد ہے جس سے انسان کا دل گداز ہو جاتا ہے اور آستانۂ احدیت پر گر کر ایسا محو ہو جاتا ہے کہ پگھلنے لگتا ہے۔ اور پھر یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ نماز کی حفاظت اس واسطے نہیں کی جاتی کہ خدا کو ضرورت ہے خدا تعالیٰ کو ہماری نمازوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ تو غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ہے اس کو کسی کی حاجت نہیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو ضرورت ہے اور یہ ایک راز کی بات ہے کہ انسان خود اپنی بھلائی چاہتا ہے اور اسی لیے وہ خدا سے مدد طلب کرتا ہے کیونکہ یہ سچی

---

[1] بدر سے :۔ "سب سے بڑا حق یہ ہے کہ انسان دوسرے کی بیوی پر بدنظری نہ کرے۔"
(بدر جلد ۷ نمبر ا صفحہ ۱۰ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

بات ہے کہ انسان کا خدا تعالیٰ سے تعلق ہو جانا حقیقی بھلائی کا حاصل کر لینا ہے۔ ایسے شخص کی اگر تمام دُنیا دشمن ہو جائے اور اس کی ہلاکت کے درپے رہے تو اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی اور خدا تعالیٰ کو ایسے شخص کی خاطر اگر لاکھوں کروڑوں انسان بھی ہلاک کرنے پڑیں تو کر دیتا ہے اور اس ایک کی بجائے لاکھوں کو فنا کر دیتا ہے۔

حقیقی نماز

یاد رکھو۔ یہ نماز ایسی چیز ہے کہ اس سے دنیا بھی سنور جاتی ہے اور دین بھی۔ لیکن اکثر لوگ جو نماز پڑھتے ہیں تو وہ نماز ان پر لعنت بھیجتی ہے[1]۔ جیسے فرمایا اللہ تعالیٰ نے فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ صَلَاتِھِمْ سَاھُوْنَ (الماعون: ۵، ۶) یعنی لعنت ہے ان نمازیوں پر جو نماز کی حقیقت سے ہی بے خبر ہوتے ہیں۔

نماز تو وہ چیز ہے کہ انسان اس کے پڑھنے سے ہر ایک طرح کی بدعملی اور بے حیائی سے بچایا جاتا ہے۔ مگر جیسے کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں اس طرح کی نماز پڑھنی انسان کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتی۔ اور یہ طریق خدا کی مدد اور استعانت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا اور جب تک انسان دُعاؤں میں نہ لگا رہے اس طرح کا خشوع اور خضوع پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس لیے چاہیئے کہ تمہارا دن اور تمہاری رات غرض کوئی گھڑی دُعاؤں سے خالی نہ ہو۔

بہت سخت دن آنیوالے ہیں

یاد رکھو کہ بہت سخت دن آنے والے ہیں جن میں دنیا کو خطرناک شدائد اور مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ خدا تعالیٰ نے مجھے خبر دی ہے کہ عنقریب سخت وبائیں اور طرح طرح کی آفاتِ ارضی و سماوی ظاہر ہونے والی ہیں اور ایک شدید زلزلہ کی بھی خبر دے رکھی ہے جو کہ قیامت کا نمونہ ہوگا اور جس کی نسبت خدا تعالیٰ نے بَغْتَۃً فرمایا ہے یعنی وہ زلزلہ ناگہانی طور پر آجائے گا۔ ایسے ہی اور بھی بہت سی ڈراونی خبریں خدا تعالیٰ نے دے رکھی ہیں۔ اگر تمہیں ان باتوں کا پتہ ہو جائے جو میں دیکھ رہا ہوں تو سارا سارا دن اور ساری ساری رات خدا تعالیٰ کے آگے روتے رہو۔ دیکھو اسی ایک مہینہ میں ہی تین زلزلے آچکے ہیں اور یہ سب بطور پیش خیمہ کے ہیں[2]۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام

---

[1] بدر میں ہے:۔ "ایک حدیث ہے کہ بہت سے قرآن پڑھنے والے ایسے ہیں کہ قرآن ان کو لعنت کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک انسان عمل نہ کرے۔ دلی حضور نہ ہو تو گویا وہ عبادت سانپ کی خاصیت رکھتی ہے دیکھنے میں خوبصورت اور خوشنما مگر بباطن دُکھ دینے والی زہر سے پُر۔"

(بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۱۱ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

[2] بدر سے:۔ "اللہ تعالیٰ کے اِنذار کی باتیں نرمی سے شروع ہوتی ہیں۔" (بدر حوالہ مذکور)

کے وقت میں پہلے تو ٹڈیوں، جُوؤں اور مینڈکوں وغیرہ کے عذاب ہی آتے رہے تھے اور مخالفوں نے اُن کو ایک قسم کا تماشا سمجھ رکھا تھا[1] اور اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ ان بدبختوں کو یہ خبر نہ تھی کہ ایک وہ معجزہ بھی ظاہر ہوگا جبکہ اُسے اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ (یونس: ۹۱) بھی کہنا پڑے گا۔

ابتدائی مُنذرات کو عبرت کی نظر سے دیکھو

سو اس بات کو اچھی طرح سے یاد رکھو کہ اگر ابتدائی مُنذرات کو عبرت کی نظر سے دیکھو گے اور خدا تعالیٰ سے ڈر کر استغفار۔ لاحول اور دوسرے نیک کاموں میں مشغول ہو جاؤ گے تو یہ تمہارے لیے اچھا ہوگا۔ لیکن جو بے پرواہی سے کام لیتا ہے تو آخر کار جب وہ وقت آئے گا تو اس وقت رونے چلانے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا اور آخر کار بڑی ذلت اور نامرادی سے ہلاکت کا مُنہ دیکھنا پڑے گا اور پھر جس دُنیا کے لیے دین سے مُنہ موڑا تھا اس کو بھی بڑی حسرت سے چھوڑنا پڑے گا۔

دیکھو طاعون بھی آنے والی ہے۔ دُنیا کہتی ہے کہ اب تو دُور ہو گئی ہے اور اس کا دَورہ ختم ہو گیا ہے مگر خدا کہتا ہے کہ عنقریب ایسی طاعون پھیلنے والی ہے جو پہلے کی نسبت نہایت ہی سخت ہوگی اور پھر یہ بھی فرمایا ہے کہ ایک سخت وبا پھیلے گی جس کا کوئی نام بھی نہیں رکھ سکتے۔

توبہ۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کا متفق علیہ مسئلہ

لیکن ان سب باتوں کے بعد میں تمہیں کہتا ہوں کہ خدا تعالےٰ کی رحمتیں سمندروں سے بھی زیادہ ہیں۔ اگر وہ شدید العقاب ہے تو غفور رحیم بھی تو ہے۔ جو شخص توبہ کرتا اور استغفار اور لاحول میں مشغول ہو جاتا ہے اور دین کو دُنیا پر مقدم کر لیتا ہے تو وہ ضرور بچایا جاتا ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کا یہ متفق علیہ مسئلہ ہے کہ جو عذاب آنے سے پہلے ڈرتے ہیں اور خدا کی یاد میں مشغول ہو جاتے ہیں وہ اُس وقت ضرور بچائے جاتے ہیں جبکہ عذاب اچانک آ دباتا ہے۔ لیکن جو اس وقت روتے اور آہ و زاری کرتے ہیں جبکہ عذاب آ پہنچتا ہے اور اس وقت گڑگڑاتے اور توبہ کرتے ہیں جبکہ ہر ایک سخت سے سخت دل والا بھی لرزاں اور ترساں ہوتا ہے تو وہ بے ایمان ہیں وہ ہرگز نہیں بچائے جاتے۔

---

[1] بدر سے:۔ "پہلے نرم نرم عذاب آئے کہ حشرات الارض نکل آئے۔ خون پھیل گیا۔ قحط پڑ گیا۔ بھلا فرعون قحط کو کیا جانتا تھا۔ وہ تماشا سمجھتا ہوگا۔ کیونکہ قحط کا اثر تو غریبوں پر پڑتا ہے مگر اس کو یہ خبر نہ تھی کہ ایک دن بطش شدید کا آنے والا ہے جبکہ اس کے مُنہ سے بے اختیار نکلے گا اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ" (یونس: ۹۱) (بدر حوالہ مذکور)

آنے والے سخت ایام

یہ باتیں جو میں کہہ رہا ہوں میں نہیں جانتا کہ تم میں سے کتنے آدمی ہیں جو سچے دل سے ان باتوں کو مانتے ہیں۔ مگر میں پھر بھی وہی کہتا ہوں کہ یہ دن جو آنے والے ہیں تو یہ نہایت سخت ہیں۔ لوگوں کی بداعتقادیوں اور بدعملیوں نے خدا کے عذاب کو بھڑکا دیا ہے، تمام نبیوں نے اس زمانہ کی نسبت پہلے ہی سے خبر دے رکھی ہے کہ اس وقت ایک مری پڑے گی اور کثرت سے اموات ہوں گی۔

اور پھر حدیثوں میں لکھا ہے کہ جہاں تک خدا کے مسیح کی نظر پہنچ سکے گی کافر تباہ اور ہلاک ہوتے جائیں گے یہ بھی بالکل سچی بات ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جس پر اس کی نظر پڑے گی وہی تباہ ہوتا جائے گا۔ بلکہ اس کا یہ مطلب ہے کہ جو اس کی نظر میں نشانہ بنیں گے وہ تباہ اور ہلاک ہوتے جائیں گے لیکن اب تو تمام دنیا نشانہ بن رہی ہے۔ خدا تعالیٰ تو فرماتا ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ (الذاریات: ۵۷) یعنی تمام جن اور انسان صرف اسی واسطے پیدا کئے گئے تھے کہ وہ خدا تعالیٰ کی معرفت میں ترقی کرتے اور اللہ اور اس کے رسول کے حکموں پر چلتے۔

دنیوی مشاغل میں انہماک

مگر اب تم خود سوچ لو کہ کتنے لوگ ہیں جو دینداری سے زندگی بسر کر رہے اور دین کو دنیا پر مقدم کر رہے ہیں۔ تم خود کسی بڑے شہر مثلاً کلکتہ، دہلی، پشاور اور لاہور، امرتسر وغیرہ کے چوک میں کھڑے ہو کر دیکھ لو۔ ہزاروں لاکھوں لوگ اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر دوڑتے پھرتے ہیں۔ مگر اُن کی یہ سب دوڑ دھوپ محض دُنیا کے لیے ہوتی ہے۔ آپ کو بہت تھوڑے ایسے ملیں گے جو دین کے کام میں ایسی سرگرمی سے مشغول ہوں۔ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو دنیا کی خاطر بڑے بڑے مصائب کا مقابلہ کرتے ہیں مگر دین میں نہایت بودے پائے جاتے ہیں۔ ایک ذرا سے ابتلاء پر جھوٹ جیسی نجاست کو کھانے سے بھی دریغ نہیں کرتے اور اپنی نفسانی خواہشوں کو پورا کرنے کے لیے کن کن حیلوں سے کام لیتے ہیں کہ گویا خدا ہی نہیں۔

انسان جتنی ٹکریں اپنی بیوی کو خوش کرنے اور اس کی ضروریات اور خواہشات کو پورا کرنے کے لیے مارتا ہے۔ اگر خدا کی راہ میں اتنی کوشش کرے تو کیا وہ خوش نہ ہوگا؟ ہوگا اور ضرور ہوگا مگر کوئی کوشش کرکے بھی دیکھے۔ اگر ایک کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تو محض ایک بچہ کی خاطر وہ کیسی کیسی سختیاں جھیلتا ہے اور کس طرح کے وسائل اور تدابیر سے اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور کہاں کا کہاں خوار ہوتا پھرتا ہے گویا خدا اس کے نزدیک ہے ہی نہیں۔

غرض یاد رکھنا چاہیئے کہ انسان جب اپنی زندگی کی اصل غرض سے غافل ہو جاتا ہے تو پھر وہ اس قسم کے

دھندوں اور کھیڑوں میں سرگردان اور مارامارا پھرتا ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ جتنی جلدی اُس سے ہوسکے خدا سے اپنا تعلق قائم کرے۔ جب تک اس کے ساتھ تعلق نہیں ہوتا۔ تب تک کچھ بھی نہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اگر انسان آہستہ آہستہ خدا کی طرف جاتا ہے تو خدا جلدی سے اس کی طرف آتا ہے اور اگر انسان جلدی سے اس کی راہ میں ترقی کرتا ہے تو خدا دوڑ کر اس کی طرف آتا ہے۔ لیکن اگر بندہ خدا سے لاپرواہ بن جائے اور غفلت اور سُستی سے کام لے پھر اس کا نتیجہ بھی ویسا ہی ہوتا ہے۔

ذوالقرنین سے مراد مسیح موعودؑ ہے

ایک دفعہ سُورۂ کہف جس میں ذوالقرنین کا بھی ذکر ہے[1] میں دیکھ رہا تھا تو جب میں نے اس قصہ کو غور سے پڑھا تو مجھے معلوم ہوا کہ اس میں بعینہٖ اسی زمانہ کا حال درج ہے۔ جیسے لکھا ہے کہ جب اس نے سفر کیا تو ایسی جگہ پہنچا جہاں کہ اُسے معلوم ہوا کہ سورج کیچڑ میں ڈوب گیا ہے اور یہ اس کا مغربی سفر تھا اور اس کے بعد پھر وہ ایسے لوگوں کے پاس پہنچا ہے جو دھوپ میں ہیں اور جن پر کوئی سایہ نہیں۔ پھر ایک تیسری قوم اُسے ملتی ہے۔ جو یاجوج ماجوج کے حالات بیان کرکے اس سے حمایت طلب کرتی ہے۔ اب مثالی طور پر تو خدا تعالیٰ نے یہی بیان کیا ہے لیکن ذوالقرنین تو اس کو بھی کہتے ہیں جس نے دو صدیاں پائی ہوں اور ہم نے دو صدیوں کو اس قدر لیا ہے کہ اعتراض کا موقعہ ہی نہیں رہتا۔ میں نے ہر صدی پر دو صدیوں سے حصہ لیا ہے۔ تم حساب کرکے دیکھ لو اور یہ جو قرآن میں قصص پائے جاتے ہیں تو یہ صرف قصہ کہانیاں نہیں بلکہ یہ عظیم الشان پیشگوئیاں ہیں۔ جو شخص ان کو صرف قصے کہانیاں سمجھتا ہے وہ مسلمان نہیں۔ غرض اس حساب سے تو مجھے بھی ذوالقرنین ماننا پڑے گا۔ اور ائمہ دین میں سے بھی ایک نے ذوالقرنین سے مسیح مراد لیا ہے۔ اب خدا تعالیٰ نے اس قصہ میں مغربی اور مشرقی دو قوموں کا ذکر کیا ہے۔ مغربی قوم سے مراد تو وہ لوگ ہیں جن کو انجیل اور دیگر صحیفہ جات کا صاف شفاف پانی دیا گیا تھا۔ مگر وہ روشن تعلیم انہوں نے ضائع کر دی اور اپنے پاس کیچڑ اور گند باقی رہنے دیا اور مشرقی قوم سے وہ مسلمان لوگ مراد ہیں جو امام کے سایہ کے نیچے نہیں آئے[2] اور دھوپ کی شعاعوں سے جُھلسے جا رہے ہیں لیکن ہماری

---

[1] بدر میں ہے:۔ "میں نے ایک مرتبہ ذوالقرنین کا حال قرآن مجید میں دیکھا تھا۔ تدبر سے معلوم ہوا کہ جو کچھ اس میں ہے وہ دراصل اسی زمانہ کے لیے بطور پیشگوئی ہے۔" (بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۱۱ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

[2] بدر میں ہے:۔ "وہ قرآن مجید سے کچھ فائدہ اُٹھانا نہیں جانتے بلکہ جاہلیت میں مر رہے ہیں۔ چنانچہ فرمایا مَنْ مَّاتَ وَلَمْ یَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِہٖ فَقَدْ مَاتَ مِیْتَۃً جَاھِلِیَّۃً۔" (بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۱۲ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

جماعت بہت خوش نصیب ہے۔[1] اس کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیئے کہ اس نے اپنے فضل سے ہدایت عطا فرمائی۔ لیکن یہ ابھی ابتدائی حالت ہے۔

جماعت کیلئے ضروری نصائح

مَیں خوب جانتا ہوں کہ ابھی بہت سی کمزوریاں اس میں پائی جاتی ہیں۔ اس لیے سمجھنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا (الشمس: ۱۰، ۱۱) جس کا مطلب یہ ہے کہ نجات پا گیا وہ شخص جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کر لیا اور خائب اور خاسر ہو گیا وہ شخص جو اس سے محروم رہا اس لیے اب تم لوگوں کو سمجھنا چاہیئے کہ تزکیۂ نفس کس کو کہا جاتا ہے۔

تزکیۂ نفس کی حقیقت

سو یاد رکھو کہ ایک مسلمان کو حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پورا کرنے کے واسطے ہمہ تن تیار رہنا چاہیئے اور جیسے زبان سے خدا تعالیٰ کو اس کی ذات اور صفات میں وحدہٗ لاشریک سمجھتا ہے ایسے ہی عملی طور پر اس کو دکھانا چاہیئے اور اس کی مخلوق کے ساتھ ہمدردی اور ملائمت سے پیش آنا چاہیئے اور اپنے بھائیوں سے کسی قسم کا بھی بغض حسد اور کینہ نہیں رکھنا چاہیئے اور دوسروں کی غیبت کرنے سے بالکل الگ ہو جانا چاہیئے۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ یہ معاملہ تو ابھی دُور ہے کہ تم لوگ خدا تعالیٰ کے ساتھ ایسے از خود رفتہ اور محو ہو جاؤ کہ بس اُسی کے ہو جاؤ اور جیسے زبان سے اس کا اقرار کرتے ہو عمل سے بھی کر کے دکھاؤ۔ ابھی تو تم لوگ مخلوق کے حقوق کو بھی کماحقہٗ ادا نہیں کرتے۔ بہت سے ایسے ہیں جو آپس میں فساد اور دشمنی رکھتے ہیں اور اپنے سے کمزور اور غریب شخصوں کو نظرِ حقارت سے دیکھتے ہیں اور بدسلوکی سے پیش آتے ہیں اور ایک دوسرے کی غیبتیں کرتے اور اپنے دلوں میں بغض اور کینہ رکھتے ہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم آپس میں ایک وجود کی طرح بن جاؤ۔[2] اور جب تم ایک وجود کی طرح ہو جاؤ گے اس وقت کہہ سکیں گے کہ اب تم نے اپنے نفسوں کا تزکیہ کر لیا۔ کیونکہ جب تک تمہارا آپس میں معاملہ صاف نہیں ہو گا اس وقت تک خدا تعالیٰ سے بھی معاملہ صاف نہیں ہو سکتا۔[3] گو ان دونوں قسم کے حقوق میں بڑا حق خدا تعالیٰ کا ہے مگر اس کی

---

[1] بدر میں ہے:۔ ”تیسری ہماری قوم جو بڑی خوش نصیب ہے۔ یہ امام کے سایہ میں آگئے اور چاہا کہ یاجوج ماجوج کے آگے انہیں سدّ بنادی جائے“ (بدر جلد ۷ نمبر ا صفحہ ۱۲ مورخہ ۹ رجنوری ۱۹۰۸ء)

[2] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۳ صفحہ ۲ تا ۵ مورخہ ۱۰ رجنوری ۱۹۰۸ء

[3] بدر سے:۔ ”تزکیۂ نفس اسے کہتے ہیں کہ خالق و مخلوق دونو طرف کے حقوق کی رعایت کرنے والا ہو“ (بدر جلد ۷ نمبر ا صفحہ ۱۲)

مخلوق کے ساتھ معاملہ کرنا یہ بطور آئینہ کے ہے۔ جو شخص اپنے بھائیوں سے صاف صاف معاملہ نہیں کرتا وہ خدا تعالیٰ کے حقوق بھی ادا نہیں کر سکتا۔

یاد رکھو۔ اپنے بھائیوں کے ساتھ بکلی صاف ہو جانا یہ آسان کام نہیں بلکہ نہایت مشکل کام ہے۔ منافقانہ طور پر آپس میں ملنا جلنا اور بات ہے مگر سچی محبت اور ہمدردی سے پیش آنا اور چیز ہے۔ یاد رکھو اگر اس جماعت میں سچی ہمدردی نہ ہو گی تو پھر یہ تباہ ہو جائے گی اور خدا اس کی جگہ کوئی اور جماعت پیدا کر لے گا۔[1]

اللہ تعالیٰ اس جماعت کو صحابہؓ کے رنگ میں رنگین کرنا چاہتا ہے

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جماعت بنائی تھی۔ ان میں سے ہر ایک زکی نفس تھا اور ہر ایک نے اپنی جان کو دین پر قربان کر دیا ہوا تھا ان میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا جو منافقانہ زندگی رکھتا ہو۔ سب کے سب حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ادا کرنے والے تھے سو یاد رکھو اس جماعت کو بھی خدا تعالیٰ انہیں کے نمونہ پر چلانا چاہتا ہے اور صحابہؓ کے رنگ میں رنگین کرنا چاہتا ہے۔ جو شخص منافقانہ زندگی بسر کرنے والا ہو گا وہ آخر اس جماعت سے کاٹا جائے گا۔

یاد رکھو یہ خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ خبیث اور طیب کبھی اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ ابھی وقت ہے کہ اپنی اپنی اصلاح کر لو۔ یاد رکھو کہ انسان کا دل خدا کے گھر کی مثال ہے۔ خانۂ خدا اور خانۂ انسان ایک جگہ نہیں رہ سکتا جب تک انسان اپنے دل کو پورے طور پر صاف نہ کرے اور اپنے بھائی کے لیے دکھ اٹھانے کو تیار نہ ہو جائے تب تک

---

[1] بدر سے :۔ "پس خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ جب تک تم ایک وجود کی طرح بھائی بھائی نہ بن جاؤ گے اور آپس میں بمنزلہ اعضاء نہ ہو جاؤ گے تو فلاح نہ پاؤ گے۔ انسان کا جب بھائیوں سے معاملہ صاف نہیں تو خدا سے بھی نہیں۔ بیشک خدا تعالیٰ کا حق بڑا ہے مگر اس بات کو پہچاننے کا آئینہ کہ خدا کا حق ادا کیا جا رہا ہے یہ ہے کہ مخلوق کا حق بھی ادا کر رہا ہے یا نہیں؟ جو شخص اپنے بھائیوں سے معاملہ صاف نہیں رکھ سکتا وہ خدا سے بھی صاف نہیں رکھتا۔ یہ بات سہل نہیں یہ مشکل بات ہے۔ سچی محبت اور چیز ہے اور منافقانہ اور۔ دیکھو مومن کے مومن پر بڑے حقوق ہیں۔ جب وہ بیمار پڑے تو عیادت کو جائے اور جب مرے تو اس کے جنازہ پر جائے۔ ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر جھگڑا نہ کرے بلکہ درگذر سے کام لے۔ خدا کا یہ منشاء نہیں کہ تم ایسے رہو۔ اگر سچی اخوت نہیں تو جماعت تباہ ہو جائے گی۔"

(بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۱۲ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

[2] بدر سے :۔ "اس گھر کو بتوں سے صاف کرو تا یہ خدا کا گھر کہلائے۔ فرمایا طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ (البقرۃ: ۱۲۶) یعنی میرے گھر کو فرشتوں کے لیے پاک کرو انسان کا دل خدا کا گھر ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

خدا تعالیٰ کے ساتھ معاملہ صاف نہیں ہو سکتا اور یہ باتیں میں اس واسطے بیان کرتا ہوں کہ آپ لوگ جو یہاں قادیان میں آئے ہو ایسا نہ ہو کہ پھر خالی کے خالی ہی واپس چلے جاؤ۔

توبہ کی حقیقت

زندگی کا کچھ اعتبار نہیں معلوم نہیں کہ آئندہ سال تک کون مرے اور کون زندہ رہے گا۔ اس لیے سچے دل سے توبہ کرنی چاہیئے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا تُوۡبُوۡۤا اِلَی اللّٰهِ تَوۡبَةً نَّصُوۡحًا (التحریم: ۹) سو انسان کو چاہیئے کہ اگر توبہ کرے تو خالص توبہ کرے۔ توبہ اصل میں رجوع کو کہتے ہیں۔ صرف الفاظ ایک قسم کی عادت ہو جاتی ہے۔ اس لیے خدا تعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ صرف زبان سے توبہ توبہ کرتے پھرو بلکہ فرمایا کہ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرو جیسا کہ حق ہے رجوع کرنے کا۔ کیونکہ جب متناقض جہات میں سے ایک کو چھوڑ کر انسان دوسری طرف آجاتا ہے تو پھر پہلی جگہ دُور ہو جاتی ہے اور جس کی طرف جاتا ہے وہ نزدیک ہوتی جاتی ہے۔ یہی مطلب توبہ کا ہے کہ جب انسان خُدا کی طرف رجوع کر لیتا ہے اور دن بدن اسی کی طرف چلتا ہے تو آخر یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ شیطان سے دُور ہو جاتا ہے اور خدا کے نزدیک ہو جاتا ہے اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جو جس کے نزدیک ہوتا ہے اسی کی بات سُنتا ہے۔ اس لیے ایسے انسان پر جو عملی طور پر شیطان سے دُور اور خدا سے نزدیک ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے فیوض اور برکات کا نزول ہوتا ہے اور سفلی آلائشوں کا گند اُس سے دھویا جاتا ہے جیسے آگے فرمایا عَسٰی رَبُّکُمۡ اَنۡ یُّکَفِّرَ عَنۡکُمۡ سَیِّاٰتِکُمۡ (التحریم: ۹) کیونکہ توبہ میں ایک خاصیت ہے کہ گذشتہ گناہ اس سے بخشے جاتے ہیں۔ ایسے ہی ایک اَور جگہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ التَّوَّابِیۡنَ وَ یُحِبُّ الۡمُتَطَهِّرِیۡنَ۔ (البقرۃ: ۲۲۳)

توّاب اور مُتَطَهِّر

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک تو توّاب ہوتے ہیں اور ایک متطہّر ہوتے ہیں۔ توّاب ان کو کہا جاتا ہے جو بکلّی خدا کی طرف رُجوع کر لیتے ہیں اور متطہّر وہ ہوتے ہیں کہ وہ مجاہدات اور ریاضات کرتے رہتے ہیں اور اُن کے دل میں ایک کرید سی لگی رہتی ہے کہ کسی طرح سے اُن آلائشوں سے پاک ہو جاویں اور نفسِ امّارہ کے جذبات پر ہر طرح سے غالب آکر زکی النفس

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

یہ خدا کا گھر اس وقت کہلائے گا اور اس وقت فرشتوں کا طواف گاہ بنے گا۔ جب یہ اوہام باطلہ وعقائد فاسدہ سے بالکل پاک وصاف ہو۔ جب تک انسان کا دل صاف نہ ہو۔ اس کی عملی حالت درست نہیں ہو سکتی۔ دیکھو یہ وقت ہے جو کچھ کرنا ہے کرلو۔ ایسا نہ ہو کہ بوجہ مخالفت دُنیا سے بھی رہے اور دین سے بھی خالی چلے جاؤ۔"

(بدر جلد ۷ نمبر ا صفحہ ۱۲ مورخہ ۹ رجنوری ۱۹۰۸ء)

بن جاویں ۔

نفس کی اقسام

یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن مجید میں نفس کی تین قسمیں بیان کی گئی ہیں ۔ نفسِ امّارہ ۔ نفسِ لوّامہ ۔ نفسِ مطمئنہ ۔

نفسِ امّارہ اس کو کہتے ہیں کہ سوائے بدی کے اور کچھ چاہتا ہی نہیں جیسے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ (یوسف : ۵۴) یعنی نفسِ امّارہ میں یہ خاصیت ہے کہ وہ انسان کو بدی کی طرف جھکاتا ہے اور ناپسندیدہ اور بدراہوں پر چلانا چاہتا ہے ۔ جتنے بدکار چور ڈاکو دُنیا میں پائے جاتے ہیں وہ سب اسی نفس کے ماتحت کام کرتے ہیں ۔ ایسا شخص جو نفسِ امّارہ کے ماتحت ہو ہر ایک طرح کے بدکام کر لیتا ہے ۔ ہم نے ایک شخص کو دیکھا تھا جس نے صرف بارہ آنہ کی خاطر ایک لڑکے کو جان سے مار دیا تھا ۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ ؎

حضرتِ انساں کہ حدِ مشترک را جامع است
مے تواند شد مسیحا مے تواند شد خرے

غرض جو انسان نفسِ امّارہ کے تابع ہوتا ہے وہ ہر ایک بدی کو شیرِ مادر کی طرح سمجھتا ہے اور جب تک کہ وہ اسی حالت میں رہتا ہے بدیاں اُس سے دُور نہیں ہو سکتیں ۔

پھر دوسری قسم نفس کی نفسِ لوّامہ ہے جیسے کہ قرآن شریف میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَۃِ (القیٰمۃ : ۳) یعنی میں اس نفس کی قسم کھاتا ہوں جو بدی کے کاموں اور نیز ہر ایک طرح کی بے اعتدالی پر اپنے تئیں ملامت کرتا ہے ۔ ایسے شخص سے اگر کوئی بدی ظہور میں آجاتی ہے تو پھر وہ جلدی سے متنبہ ہو جاتا ہے اور اپنے آپ کو اس بُری حرکت پر ملامت کرتا ہے اور اسی لیے اس کا نام نفسِ لوّامہ رکھا ہے یعنی بہت ملامت کرنے والا ۔ جو شخص اس نفس کے تابع ہوتا ہے وہ نیکیوں کے بجا لانے پر پورے طور پر قادر نہیں ہوتا اور طبعی جذبات اس پر کبھی کبھی غالب آجاتے ہیں لیکن وہ اس حالت سے نکلنا چاہتا ہے اور اپنی کمزوری پر نادم ہوتا رہتا ہے ۔

اس کے بعد تیسری قسم نفس کی نفسِ مطمئنہ ہے جیسے فرمایا اللہ تعالیٰ نے یٰٓاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ (الفجر : ۲۸تا۳۱) یعنی اے وہ نفس جو خدا سے آرام پا گیا ہے اپنے ربّ کی طرف واپس چلا آ تُو خدا سے راضی ہے اور خدا تجھ پر راضی ہے پس میرے بندوں میں مل جا اور میرے بہشت کے اندر داخل ہو جا ۔ غرض یہ وہ حالت ہوتی ہے کہ جب انسان خُدا سے پُوری تسلّی پا لیتا ہے اور اس کو کسی قسم کا اضطراب باقی نہیں رہتا اور خدا تعالیٰ سے ایسا پیوند کر لیتا ہے کہ بغیر اس کے جی ہی نہیں سکتا ۔ نفسِ لوّامہ والا تو ابھی بہت خطرے کی حالت میں ہوتا ہے کیونکہ

اندیشہ ہوتا ہے کہ لوٹ کر وہ کہیں پھر نفسِ امارہ نہ بن جاوے لیکن نفس مطمئنہ کا وہ مرتبہ ہے کہ جس میں نفس تمام کمزوریوں سے نجات پاکر رُوحانی قوتوں سے بھر جاتا ہے۔

غرض یاد رکھنا چاہیئے کہ جب تک انسان اس مقام تک نہیں پہنچتا اس وقت تک وہ خطرہ کی حالت میں ہوتا ہے۔ اس لیے چاہیئے کہ جب تک انسان اس مرتبہ کو حاصل نہ کرلے مجاہدات اور ریاضات میں لگا رہے۔

رُوح کا جذام

سوچنا چاہیئے کہ انسان کے بدن پر جذام کا داغ نکل آتا ہے تو پھر کیسے کیسے خیالات اس کے دل میں اُٹھتے ہیں اور کیسے دُور دراز کے نتیجوں پر وہ پہنچتا ہے اور اپنی آنے والی حالت کا خیال کر کے وہ کیسا غمگین ہوتا ہے کبھی خیال کرتا ہے کہ شاید اب لوگ مجھ سے نفرت کرنے لگ جائیں گے اور میرے ساتھ بدسلوکی سے پیش آئیں گے اور کبھی سوچتا ہے کہ خدا جانے اب میں کیسی اَبتر حالت میں ہو جاؤں گا اور کِن کِن دُکھوں میں مبتلا ہوں گا۔ لیکن افسوس کہ اس بات کا خیال تک بھی نہیں کیا جاتا کہ آخر مَرنا ہے اور اپنے اعمال کا حساب دینا ہے اس وقت کیا حالت ہوگی۔

یہ جذام تو ایسا ہے کہ مرنے کے بعد ہی اس سے خلاصی ہو جاتی ہے مگر وہ کوڑھ جو رُوح کو لگ جاتا ہے وہ تو ابد تک رہتا ہے کیا کبھی اس کا بھی فکر کیا ہے۔

دو جنّتیں

یاد رکھو جو خدا تعالیٰ کی طرف صدق اور اخلاص سے قدم اُٹھاتے ہیں وہ کبھی ضائع نہیں کئے جاتے۔ ان کو دونو جہان کی نعمتیں دی جاتی ہیں جیسے فرمایا اللہ تعالیٰ نے وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ (الرحمٰن : ۴۷) اور یہ اس واسطے فرمایا کہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ میری طرف آنیوالے دنیا کھو بیٹھتے ہیں۔ بلکہ انکے لیے دو بہشت ہیں ایک بہشت تو اسی دُنیا میں اور ایک جو آگے ہوگا۔ دیکھو اتنے انبیاء گذرے ہیں کیا کسی نے اس دُنیا میں ذلت اور خواری دیکھی؟ سب کے سب اس دنیا میں سے کامیاب اور مظفر و منصور ہو کر گئے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کو تباہ کیا اور ان کو عزت اور جلال کے تخت پر جگہ دی لیکن اگر وہ اس دُنیا کے پیچھے پڑتے تو زیادہ سے زیادہ دس بارہ روپیہ ماہوار کی نوکری انہیں ملتی کیونکہ وہ صاف گو اور سادہ طبع تھے مگر جب انہوں نے خدا کے لیے اس دُنیا کو چھوڑا تو ایک دُنیا اُن کے تابع کی گئی۔

غور کر کے دیکھو کہ اگر ان لوگوں نے خدا کے لیے اس دُنیا کو چھوڑ دیا تھا تو نقصان کیا اُٹھایا؟ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ہی دیکھو کہ جب وہ شام کے ملک سے واپس آ رہے تھے تو راستہ میں ایک شخص ان کو ملا۔ آپ نے اس سے پُوچھا کہ کوئی تازہ خبر سناؤ۔ اس شخص نے جواب دیا کہ اَور تو کوئی تازہ خبر نہیں۔ البتہ تمہارے دوست محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پیغمبری کا دعویٰ کیا ہے۔ اس پر ابوبکر صدیقؓ نے اس کو جواب دیا کہ اگر اس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو وہ سچا ہے۔ وہ جُھوٹا کبھی نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ سیدھے حضرت نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم کے مکان پر چلے گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے کہنے لگے کہ آپ گواہ رہیں کہ سب سے پہلے آپ پر ایمان لانے والا میں ہوں۔ دیکھو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی معجزہ نہیں مانگا تھا۔ صرف پہلے تعارف کی برکت سے وہ ایمان لے آئے تھے۔

یاد رکھو معجزات وہ طلب کیا کرتے ہیں جن کو تعارف نہیں ہوتا۔ جو لنگوٹیا یار ہوتا ہے اس کے لیے تو سابقہ حالات ہی معجزہ ہوتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ کو بڑی بڑی تکالیف کا سامنا ہوا۔ طرح طرح کے مصائب اور سخت درجہ کے دکھ اٹھانے پڑے۔ لیکن دیکھو اگر سب سے زیادہ انہیں کو دکھ دیا گیا تھا اور وہی سب سے بڑھ کر ستائے گئے تھے تو سب سے پہلے تختِ نبوت پر وہی بٹھائے گئے تھے۔ کہاں وہ تجارت کہ تمام دن دھکے کھاتے پھرتے تھے اور کہاں یہ درجہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے اول خلیفہ انہیں کو مقرر کیا گیا۔

خدا تعالیٰ پر بدظنی نہ کرو

انسان کو چاہیئے کہ خدا تعالیٰ پر بدظنی کرنے سے بچے کیونکہ اسکا انجام آخر میں تباہی ہوا کرتا ہے۔ جیسے فرمایا اللہ تعالیٰ نے وَ ذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ (حٰمٓ السجدۃ: ۲۴) اس لیے سمجھنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ پر بدظنی کرنا اصل میں بے ایمانی کا بیج بونا ہے جس کا نتیجہ آخرکار ہلاکت ہوا کرتا ہے۔ جب کبھی خدا تعالیٰ کسی کو اپنا رسول بنا کر بھیجتا ہے تو جو اس کی مخالفت کرتا ہے وہ ہلاک ہو جاتا ہے

مامور کے مخالف آخر پکڑے جاتے ہیں

یاد رکھو جب ایک مامور من اللہ آتا ہے تو اس سے منہ پھیرنا اصل میں خدا سے منہ پھیرنا ہے۔

دیکھو گورنمنٹ کا ادنیٰ چپڑاسی ہوتا ہے۔ پانچ روپیہ ماہوار اس کی تنخواہ ہوتی ہے لیکن جب وہ گورنمنٹ کے حکم سے سرکاری پروانہ لے کر زمینداروں کے پاس جاتا ہے۔ اگر زمیندار یہ خیال کرکے کہ یہ ایک پانچ روپیہ کا ملازم ہے اس کو تنگ کریں اور بجائے اس کے حکم کی تعمیل کرنے کے اُلٹا اس کو ماریں پیٹیں اور بدسلوکی سے پیش آویں۔ تو اب بتلاؤ کہ کیا گورنمنٹ ایسے شخصوں کو سزا نہ دے گی؟ دے گی اور ضرور دے گی کیونکہ گورنمنٹ کے چپڑاسی کو بے عزت اور ذلیل کرنا اصل میں گورنمنٹ کو ہی بے عزت اور ذلیل کرنا ہے۔ اسی طرح جو شخص خدا تعالیٰ کے مامور کی مخالفت کرتا ہے وہ اس کی نہیں بلکہ حقیقت میں وہ خدا کی مخالفت کرتا ہے؂

[1] بدر سے:۔ "خدا جو سب بادشاہوں کا بادشاہ ہے اور جس کی عظمت اور جس کے جلال کے مقابل میں کسی کا جلال نہیں۔ کیا وہ اپنے فرستادہ اپنے رسول کی ہتک دیکھ کر خاموش رہتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ مامور کی بے ادبی درحقیقت خدا تعالیٰ کی بے ادبی ہے۔" (بدر ۷، نمبر ۱ صفحہ ۳ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

یاد رکھو خدا تعالیٰ اگرچہ سزا دینے میں دھیما ہے مگر جو لوگ اپنی شرارتوں سے باز نہیں آتے اور بجائے اس کے کہ اپنے گناہوں کا اقرار کرکے خدا تعالیٰ کے حضور جُھک جائیں اُلٹے خدا تعالیٰ کے رسول کو ستاتے اور دُکھ دیتے ہیں وہ آخر پکڑے جاتے ہیں اور ضرور پکڑے جاتے ہیں دیکھو۔ دن نہایت نازک آتے جاتے ہیں۔ اس لیے تم لوگوں کو چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کے حضور سچی توبہ کرو اور تضرع اور ابتہال کے ساتھ دن رات اس سے دُعائیں مانگتے رہو۔ خدا تعالیٰ تمہیں توفیق دے۔ اب دُعا کرلو۔

اس کے بعد حضرت اقدس علیہ السلام نے بمعہ سامعین نہایت خلوص کے ساتھ دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے اور خدا تعالیٰ سے دُعائیں مانگیں۔ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ۔ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ۔

(اٰل عمران ۱۹۴ تا ۱۹۵)

---

۲۸ ردسمبر ۱۹۰۷ء

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دوسری تقریر جو آپ نے جلسہ سالانہ کے موقع پر ۲۸ ردسمبر ۱۹۰۷ء کو یوم شنبہ بعد جمع نماز ظہر و عصر مسجد اقصیٰ میں فرمائی

جو کچھ کل میں نے تقریر کی تھی اس کا کچھ حصہ باقی رہ گیا تھا۔ کیونکہ بسبب علالتِ طبع تقریر ختم نہ ہو سکی۔ اس واسطے آج پھر میں تقریر کرتا ہوں۔ زندگی کا کچھ اعتبار نہیں۔ جس قدر لوگ آج اس جگہ موجود ہیں معلوم نہیں ان میں سے کون سال آئندہ تک زندہ رہے گا اور کون مر جائے گا۔

یہ زمانہ بہت نازک ہے

ہمارا فرض ہے کہ ہم ہر طرح سے لوگوں کو سمجھا دیں کہ یہ زمانہ بہت نازک ہے۔ خدا تعالیٰ نے اس قدر بار بار مجھے آئندہ اور بھی خطرناک زمانہ کے آنے کے متعلق وحی کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت قریب ہے اور وہ جلد آنے والی ہے جیسا کہ کل بیان کیا گیا تھا۔ طرح طرح کے بلاسوں میں موتیں وارد ہو رہی ہیں۔ طاعون ہے۔ وبائیں ہیں۔ قحط ہے۔

ل الحکم جلد ۱۲ نمبر ۴ صفحہ ۲-۳ مورخہ ۱۴ جنوری ۱۹۰۸ء

زلزلے ہیں۔ جب ایسی مصیبتیں وارد ہوتی ہیں تو دنیاداروں کی عقل جاتی رہتی ہے اور وہ ایک سخت غم اور مصیبت میں گرفتار ہو جاتے ہیں جس سے نکلنے کا کوئی طریق ان کو نہیں سوجھتا۔ قرآن شریف میں اسی کی طرف اشارہ ہے وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى۔ تو لوگوں کو دیکھتا ہے کہ نشے میں ہیں حالانکہ وہ کسی نشے میں نہیں۔ بلکہ بات یہ ہے کہ نہایت درجہ کے غم اور خوف سے ان کی عقل ماری گئی ہے اور کچھ حوصلہ باقی نہیں رہا۔ ایسے موقعہ پر بجز متقی کے کسی کے اندر صبر کی طاقت نہیں رہتی۔ دینی امور میں بجز تقویٰ کے کسی کو صبر حاصل نہیں ہو سکتا۔ بلا کے آنے کے وقت سوائے اس کے کون صبر کر سکتا ہے جو خدا تعالیٰ کی رضا کے ساتھ اپنی رضا کو ملائے ہوئے ہو جب تک کہ پہلے ایمان پختہ نہ ہو۔ ادنیٰ نقصان سے انسان ٹھوکر کھا کر دہریہ بن جاتا ہے۔ جس کو خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق نہیں۔ اس میں مصیبت کی برداشت نہیں۔

مصائب کا آنا ضروری ہے

دُنیادار لوگ تو ایسے مصائب کے وقت وجودِ باری تعالیٰ کا بھی انکار کر بیٹھتے ہیں۔ دُنیا کی وضع ہی ایسی بنی ہے کہ اس میں مصائب کا آنا ضروری ہے۔ دُنیا میں جس قدر آدمی گذرے ہیں ان میں سے کون دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس پر کبھی کوئی مصیبت وارد نہیں ہوئی۔ کسی کی مصیبت اولاد پر وارد ہوتی ہے اور کسی کے مال پر اور کسی کی عزت پر۔ غرض ہر ایک کو کوئی نہ کوئی مصیبت اور ابتلاء دیکھنا ہی پڑتا ہے۔ بغیر اس کے دُنیا میں چارہ نہیں۔ یہ دنیا کا لازمہ ہے۔ عرب کا ایک پرانا شاعر لکھتا ہے ؎

سَئِمْتُ تَكَالِيفَ الْحَيَاةِ وَمَنْ يَعِشْ
ثَمَانِيْنَ حَوْلًا لَا اَبَالَكَ يَسْئَمِ

دُنیا میں مَیں نے بڑی بڑی تکلیفیں دیکھی ہیں اور جو کوئی میری طرح اسّی سال تک جئے گا وہ بھی لامحالہ کچھ دیکھے گا۔

دُنیا کے مصائب تو دراصل چند روز کے واسطے ہیں۔ کوئی جلدی مرا اور کوئی دیر سے مرا۔ آخر سب نے مرنا ہے۔

تکالیفِ شرعیہ

دین کی راہ میں دو قسم کی تکلیفیں ہیں۔ ایک تکالیفِ شرعیہ جیسا کہ نماز ہے اور روزہ ہے اور حج ہے اور زکوٰۃ ہے۔ نماز کے واسطے انسان اپنے کاروبار کو ترک کرتا ہے اور ان کا ہرج بھی کر کے مسجد میں جاتا ہے۔ سردی کے موسم میں پچھلی رات اُٹھتا ہے۔ ماہِ رمضان میں دن بھر کی بھوک اور پیاس برداشت کرتا ہے۔ حج میں سفر کی صعوبتیں اُٹھاتا ہے زکوٰۃ میں اپنی محنت کی کمائی دوسروں کے سپرد کر دیتا ہے۔ یہ سب تکالیفِ شرعیہ ہیں۔ اور انسان کے واسطے موجبِ ثواب ہیں۔ اس کا قدم خدا کی طرف بڑھاتی ہیں، لیکن ان سب میں انسان کو ایک وسعت دی گئی ہے اور وہ اپنے آرام کی راہ

تلاش کر لیتا ہے۔ جاڑے کے موسم میں وضو کے واسطے پانی گرم کر لیتا ہے۔ بہ سبب علالت کھڑا ہو کر نہ پڑھ سکے تو بیٹھ کر پڑھ لیتا ہے۔ رمضان میں سحری میں اُٹھ کر خوب کھانا کھا لیتا ہے بلکہ بعض لوگ ماہِ صیام میں معمول سے بھی زیادہ خرچ کھانے پینے پر کر لیتے ہیں۔ غرض ان تکالیفِ شرعیہ میں کچھ نہ کچھ آرام کی صورت ساتھ ساتھ انسان نکالتا رہتا ہے۔ اس واسطے اس سے پُورے طور پر صفائی نہیں ہوتی اور منازلِ سلوک جلدی سے طے نہیں ہو سکتے۔

تکالیفِ سماوی

لیکن تکالیفِ سماوی جو آسمان سے اُترتی ہیں اُن میں انسان کا اختیار نہیں ہوتا اور بہر حال برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ اس واسطے ان کے ذریعہ سے انسان کو خدا تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

ہر دو قسم کی تکلیف شرعی اور سماوی کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں کیا ہے۔

(۱) تکالیف شرعی کے متعلق پہلے سیپارہ میں فرمایا ہے۔ الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (البقرۃ: ۲-۳) یعنی مومن وہ ہے جو خدا تعالیٰ پر غیب سے ایمان لاتے ہیں۔ اپنی نماز کو کھڑا کرتے ہیں۔ یعنی صدہا وساوس اگر دل کو اور طرف پھیر دیتے ہیں۔ مگر وہ بار بار خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کر کے اپنی نماز کو جو بہ سبب وساوس کے گرتی رہتی ہے بار بار کھڑا کرتے رہتے ہیں خدا تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال میں سے خرچ کرتے ہیں۔ یہ تکالیفِ شرعیہ ہیں مگر ان پر پورے طور سے بھروسہ حصولِ ثواب کا نہیں ہو سکتا کیونکہ بہت سی باتوں میں انسان غفلت کرتا ہے اکثر نماز کی حقیقت اور مغز سے بے خبر ہو کر صرف پوست کو ادا کرتے ہیں۔

(۲) اس واسطے انسانی مدارج کی ترقی کے واسطے سماوی تکالیف بھی رکھی گئی ہیں ان کا ذکر بھی خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں کیا ہے۔ جہاں فرمایا ہے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ - الَّذِيْنَ اِذَاۤ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْۤا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۔ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ (البقرۃ: ۱۵۶ تا ۱۵۸) یہ وہ مصائب ہیں جو خدا تعالیٰ اپنے ہاتھ سے ڈالتا ہے۔ یہ ایک آزمائش ہے جس میں کبھی تو انسان پر ایک بھارے درجہ کا ڈر لاحق ہوتا ہے۔ وہ ہر وقت اس خوف میں ہوتا ہے کہ شاید اب معاملہ بالکل بگڑ جائے گا۔ کبھی فقر و فاقہ شاملِ حال ہو جاتا ہے۔ ہر ایک امر میں انسان کا گذارہ بہت تنگی سے ہونے لگتا ہے۔ کبھی مال میں نقصان نمودار ہوتا ہے۔ تجارت اور دکانداری بگڑ جاتی ہے یا چور لے جاتے ہیں۔ کبھی ثمرات میں نقصان ہوتا ہے یعنی پھل خراب ہو جاتے ہیں کھیتی ضائع ہو جاتی ہے یا اولادِ عزیز مر جاتی ہے محاورہ عرب میں اولاد کو بھی ثمر کہتے ہیں۔ اولاد کا فتنہ بھی بہت سخت ہوتا ہے۔ اکثر لوگ مجھے گھبرا کر خط لکھتے رہتے ہیں

کہ آپ دُعا کریں کہ میری اولاد ہو۔ اولاد کا فتنہ ایسا سخت ہے کہ بعض نادان اولاد کے مرجانے کے سبب دہریہ ہو جاتے ہیں۔ بعض جگہ اولاد انسان کو ایسی عزیز ہوتی ہے کہ وہ اس کے واسطے خدا تعالیٰ کا شریک بن جاتی ہے۔ بعض لوگ اولاد کے سبب سے دہریہ، مُلحد اور بے ایمان بن جاتے ہیں۔ بعضوں کے بیٹے عیسائی بن جاتے ہیں تو وہ بھی اولاد کی خاطر عیسائی ہو جاتے ہیں۔ بعض بچے چھوٹی عمر میں مرجاتے ہیں تو وہ ماں باپ کے واسطے سلبِ ایمان کا موجب ہو جاتے ہیں۔

صدمہ کے مطابق اجر ہوتا ہے

لیکن اللہ تعالیٰ ظالم نہیں۔ جب کسی پر صدمہ سخت ہو اور وہ صبر کرے تو جتنا صدمہ ہوتا ہی اس کا اجر بھی زیادہ ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ رحیم، غفور اور ستار ہے۔ وہ انسان کو اس واسطے تکلیف نہیں پہنچاتا کہ وہ تکلیف اُٹھا کر دین سے الگ ہو جائے بلکہ تکالیف اس واسطے آتی ہیں کہ انسان آگے قدم بڑھائے۔ صوفیاء کا قول ہے کہ ابتلاء کے وقت فاسق آدمی قدم پیچھے ہٹاتا ہے لیکن صالح آدمی اور بھی قدم آگے بڑھاتا ہے۔

انبیاء اور رُسل کے ابتلاء اور امتحانات

ایک روایت میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گیارہ لڑکے فوت ہوئے تھے انبیاء اور رُسل کو جو بڑے بڑے مقام ملتے ہیں وہ ایسی معمولی باتوں سے نہیں مل جاتے جو نرمی سے اور آسانی سے پوری ہو جائیں بلکہ ان پر بھاری ابتلاء اور امتحان وارد ہوئے جن میں وہ صبر اور استقلال کے ساتھ کامیاب ہوئے۔ تب خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کو بڑے بڑے درجات نصیب ہوئے۔ دیکھو حضرت ابراہیم پر کیسا بڑا ابتلاء آیا۔ اس نے اپنے ہاتھ میں چھُری لی کہ اپنے بیٹے کو ذبح کرے اور اس چھُری کو اپنے بیٹے کی گردن پر اپنی طرف سے پھیر دیا مگر آگے بکرا تھا۔ ابراہیم امتحان میں پاس ہوا۔ اور خدا تعالیٰ نے بیٹے کو بھی بچا لیا۔ تب خدا تعالیٰ ابراہیم پر خوش ہوا کہ اُس نے اپنی طرف سے کوئی فرق نہ رکھا۔ یہ خدا تعالیٰ کا فضل تھا کہ بیٹا بچ گیا ورنہ ابراہیم نے اس کو ذبح کر دیا تھا۔ اس واسطے اس کو صادق کا خطاب ملا۔ اور توریت میں لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابراہیم تو آسمان کے ستاروں کی طرف نظر کر کیا تو ان کو گن سکتا ہے۔ اسی طرح تیری اولاد بھی نہ گنی جائے گی۔ تھوڑے سے وقت کی تکلیف تھی وہ تو گذر گئی۔ اس کے نتیجہ میں کس قدر انعام ملا۔ آج تمام سادات اور قریش اور یہود اور دیگر اقوام اپنے آپ کو ابراہیم کا فرزند کہتے ہیں[1]۔ گھڑی دو گھڑی کی بات تھی وہ تو ختم ہو گئی اور اتنا

---

[1] انگریزوں میں بھی ایک فرقہ ہے جس کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے ہیں۔
(یہ غالباً ایڈیٹر صاحب بدر کا اپنا نوٹ ہے۔ مرتب)

بڑا انعام ان کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ملا۔ درحقیقت انسان کا تقویٰ تب محقق ہوتا ہے جبکہ اس پر کوئی مصیبت وارد ہو۔ جب وہ تمام پہلو ترک کرکے خدا تعالیٰ کے پہلو کو مقدم کرلے اور آرام کی زندگی کو چھوڑ کر تلخ زندگی قبول کرلے تب انسان کو حقیقی تقویٰ حاصل ہوتا ہے۔ انسان کی اندرونی حالت کی اصلاح نری رسمی نمازوں اور روزوں سے نہیں ہوسکتی بلکہ مصائب کا آنا ضروری ہے۔

؎ عشق اوّل سرکش و خونی بود ؎ تا گریزد ہر کہ بیرونی بود

اوّل حملہ عشق کا شیر کی طرح سخت ہوتا ہے۔ جس قدر انبیاء اور رسول اور صدیق گذرے ہیں اُن میں سے کسی نے معمولی امور سے ترقی نہیں پائی بلکہ ان کے مدارج کا راز اس بات میں تھا کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کے ساتھ موافقتِ تامہ کی۔ مومن کی ساری اولاد ذبح کردی جائے اور اس کے سوائے بھی اس پر تکالیف پڑیں تب بھی وہ بہرحال قدم آگے بڑھاتا ہے۔ دیکھو انسان باوجود ہزاروں کمزوریوں کے اپنے سچے دوست کے ساتھ وفاداری کرتا ہے تو کیا خدا جو رحمان اور رحیم ہے وہ تمہارے ساتھ وفاداری نہ کرے گا۔ خدا تعالیٰ سے ایسا پیار کرو کہ اگر ہزار بچہ ایک طرف ہو اور خدا ایک طرف تو خدا کی طرف اختیار کرو اور بچوں کی پرواہ نہ کرو۔ مصائب تمام انبیاء پر وارد ہوتے رہے ہیں۔ کوئی اُن سے خالی نہیں رہا۔ اسی واسطے مصائب کے برداشت کرنیوالے کے لیے بڑے بڑے اجر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے اور اپنے رسول کو خطاب کیا ہے کہ صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دو جو مصیبت کے وقت کہتے ہیں کہ ایک وقت تھا کہ ہمارا کوئی وجود ہی نہ تھا۔ خدا تعالیٰ نے ہم کو پیدا کیا ہے اور اس کی ہم امانت ہیں اور اسی کے پاس جانا ہے۔ ایسے لوگوں کے واسطے بشارت ہے۔ ان مصائب کے ذریعہ سے جو برکات حاصل ہوتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی طرف سے جو خاص بشارت ملتی ہے وہ نماز روزہ زکوٰۃ سے حاصل نہیں ہوسکتی۔ نماز کما حقہٗ ادا ہوجاوے تو بہت عمدہ شئے ہے مگر خدا تعالیٰ کی طرف سے جو نشانہ لگتا ہے۔ وہ سب سے زیادہ ٹھیک بیٹھتا ہے اور اسی سے ہدایت اور رستگاری حاصل ہوتی ہے۔

جماعت کو تکالیف برداشت کرنے کی تلقین

اب اہلِ جماعت غور سے سنیں اور اس بات کو سمجھیں کہ دونوں قسم کی تکالیف خدا تعالیٰ نے تمہارے واسطے رکھی ہیں۔ اول تکالیفِ شرعی ہیں ان کی برداشت کرو۔ دوسری تکالیف قضا و قدر کی ہیں۔ اکثر انسان شرعی تکالیف کو کسی نہ کسی طرح ٹال دیتے ہیں اور ان کو پورے طور سے ادا نہیں کرتے۔ مگر قضا و قدر سے کون بھاگ سکتا ہے۔ اس میں انسان کا اختیار نہیں۔

یاد رکھو۔ انسان کے واسطے یہی ایک عالَم نہیں بلکہ اس کے بعد ایک اَور عالَم ہے۔ یہ تو ایک بہت ہی

مختصر زندگی ہے کوئی پچاس ساٹھ سال کی عمر میں مر گیا۔ کسی نے دس بارہ سال اور گذار لیے۔ اس جگہ کی مصائب کا خاتمہ تو موت کے ساتھ ہو جاتا ہے مگر اُس عالم کا خاتمہ نہیں۔ جب قیامت برحق ہے اور وہ ایمان کا لازمہ ہے تو اس چند روزہ زندگی کی تکالیف کا برداشت کر لینا کیا مشکل ہے۔ اس دائمی جہان کے واسطے کوشش کرنی چاہیئے۔ جو شخص کوئی تکلیف بھی نہیں اُٹھاتا۔ وہ کیا سرمایہ رکھتا ہے۔ مومن کی نشانی یہ ہے کہ وہ صرف صبر کرنے والا نہ ہو بلکہ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ مصیبت پر راضی ہو۔ خدا کی رضا کے ساتھ اپنی رضا ملا لے۔ یہی مقام اعلیٰ ہے۔ مصیبت کے وقت خدا تعالیٰ کی رضا کو مقدم رکھنا چاہیئے۔ مُنعِم کو نعمتوں پر مقدم رکھو۔ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ شکوہ شروع کرتے ہیں گویا خدا تعالیٰ کے ساتھ قطع تعلق کرتے ہیں۔ بعض عورتیں کوستی ہیں اور گالیاں دیتی ہیں۔ بعض مرد بھی ایمانی حالت میں ناقص ہوتے ہیں۔ یہ ایک ضروری نصیحت ہے اور اس کو یاد رکھو کہ اگر کوئی شخص مصیبت زدہ ہو تو اُسے ڈرنا چاہیئے کہ ایسا نہ ہو کہ اس سے بڑھ کر اس پر کوئی مصیبت گرے۔ کیونکہ دنیا دارالمصائب ہے اور اس میں غافل ہو کر بیٹھنا اچھا نہیں۔ اکثر مصائب متنبہ کرنے کے واسطے آتے ہیں۔ ابتداء میں اس کی صورت خفیف ہوتی ہے۔ انسان اسکو مصیبت نہیں سمجھتا۔ پھر وہ بیتاب کرنے والی مصیبت ہو جاتی ہے۔ دیکھو اگر کسی کو آہستگی سے دبایا جائے تو اس کے بدن کو آرام پہنچتا ہے۔ وہی ہاتھ زور سے مارا جائے تو موجب دُکھ ہو جاتا ہے۔ ایک مصیبت سخت ہوتی ہے جو وبالِ جان بن جاتی ہے۔ قرآنِ شریف نے ہر دو مصائب کا ذکر کر دیا ہے۔

خدمتِ دین کو اک فضلِ الٰہی جانو

مصائب رفعِ درجات کے واسطے ہوتے ہیں حضرت ابراہیم اس بات پر روتے دھوتے نہ رہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھ سے بیٹا مانگا ہے بلکہ انہوں نے اس بات پر خدا تعالیٰ کا شکر کیا کہ ایک خدمت کا موقعہ ملا ہے۔ لڑکے کی ماں نے بھی رضامندی دی اور لڑکا بھی اس بات پر راضی ہوا۔

ذکر ہے کہ ایک دفعہ ایک مسجد کا مینار گر گیا تو شاہِ وقت نے سجدہ کیا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے اس خدمت میں سے حصہ لینے کا موقعہ دیا ہے جو بزرگ بادشاہوں نے اس مسجد کے بناء کرنے میں حاصل کی تھی۔

صبر کا اجر

وقت تو بہر حال گذر جاتا ہے۔ گوشت پلاؤ کھانے والے بھی آخر مر جاتے ہیں لیکن جو شخص تلخیاں دیکھ کر صبر کرتا ہے اس کو بالآخر اجر ملتا ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی کی اس بات پر شہادت ہے کہ صبر کا اجر ضرور ہے۔

جو لوگ خدا تعالیٰ کی خاطر صبر نہیں کرتے ان کو بھی صبر کرنا ہی پڑتا ہے مگر پھر نہ وہ ثواب ہے اور نہ اجر۔ کسی عزیز کے مرنے کے وقت عورتیں سیاپا کرتی ہیں۔ بعض نادان مرد سر پر راکھ ڈالتے ہیں۔ تھوڑے عرصہ کے بعد

ہی صبر کر کے بیٹھ جاتے ہیں اور وہ سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ ایک عورت کا ذکر ہے کہ اس کا بچہ مر گیا تھا اور وہ قبر پر کھڑی سیاپا کر رہی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے گذرے تو آپ نے اُسے فرمایا تو خدا تعالیٰ سے ڈر اور صبر کر۔ اس کمبخت نے جواب دیا کہ تو جا تجھ پر میرے جیسی مصیبت نہیں پڑی۔ بدبخت نہیں جانتی تھی کہ آپ تو گیارہ بچوں کے فوت ہونے پر بھی صبر کرنے والے ہیں۔ جب اس کو بعد میں معلوم ہوا کہ اس کو نصیحت کرنے والے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے تو پھر آپ کے گھر میں آئی اور کہنے لگی کہ یا رسول اللہ میں صبر کرتی ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اَلصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَۃِ الْاُوْلٰی۔ صبر وہ ہے جو پہلے ہی مصیبت پر کیا جائے۔ غرض بعد میں خود وقت گذرنے پر رفتہ رفتہ صبر کرنا ہی پڑتا ہے صبر وہ ہے جو ابتداء ہی میں انسان اللہ تعالیٰ کی خاطر کرے۔ خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر دیتا ہے۔ یہ بے حساب اجر کا وعدہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہی مقدر ہے۔

دُعا اور استغفار میں مصروف رہو

کسی کو کیا خبر ہے کہ آج کیا ہے اور کل کیا ہونے والا ہے۔ ابھی ہمارے پاس کئی خط راولپنڈی سے آئے ہیں جن میں لکھا ہے کہ ایک زلزلہ آیا کہ لوگ چیخ اُٹھے بلکہ بعض نے کہا کہ یہ زلزلہ ۴ اپریل والے زلزلہ کے برابر تھا۔ دیکھو اس ایک مہینہ میں تین بار زلزلہ آ چکا ہے اور آگے ایک سخت زلزلہ کے آنے کی خبر خدا تعالیٰ دے چکا ہے۔ وہ زلزلہ ایسا سخت ہوگا کہ لوگوں کو دیوانہ کر دے گا۔ لوگوں نے غفلت کر کے خدا کو بھلا دیا ہے اور خوشی میں بیٹھے ہیں مگر جن لوگوں نے خدا کو پا لیا ہے وہ تلخ زندگی کو قبول کرنے کے واسطے تیار رہیں۔ مصائب کا آنا ضروری ہے۔ خدا کی سُنّت ٹل نہیں سکتی۔ ہر ایک کو چاہیئے کہ خدا سے دُعا اور استغفار میں مصروف رہے اور خدا تعالیٰ کی رضا کے ساتھ اپنی رضا کو ملائے۔ جو شخص پہلے سے فیصلہ کر لیتا ہے ٹھوکر نہیں کھاتا۔ مال، اولاد، بیوی بھائیوں سے پہلے ہی سمجھ لے کہ میرا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ سب امانتِ خداوندی ہیں۔ جب تک ہیں ان کی قدر عزت، خاطر خدمت کرو۔ جب خدا اپنی امانت کو واپس لے لے تو پھر رنج نہ کرو۔

ہر امر میں خدا تعالیٰ کو مقدم رکھو

دین کی جڑ اس میں ہے کہ ہر امر میں خدا تعالیٰ کو مقدم رکھو۔ دراصل ہم تو خدا کے ہیں اور خدا ہمارا ہے اور کسی سے ہم کو کیا غرض ہے۔ ایک نہیں کروڑ اولاد مر جائے پر خدا راضی رہے تو کوئی غم کی بات نہیں۔ اگر اولاد زندہ بھی رہے تو بغیر خدا کے فضل کے وہ بھی موجب ابتلاء ہو جاتی ہے۔ بعض آدمی اولاد کی وجہ سے جیل خانوں میں جاتے ہیں۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے ایک شخص کا قصہ لکھا ہے کہ وہ اولاد کی شرارت کے سبب پابہ زنجیر تھا۔ اولاد کو مہمان سمجھنا چاہیئے اسکی خاطر داری کرنی چاہیئے، اسکی دلجوئی کرنی چاہیئے مگر خدا تعالیٰ پر کسی کو مقدم نہیں کرنا چاہیئے۔ اولاد کیا بنا سکتی ہے خدا تعالیٰ کی رضا ضروری ہے۔

نماز میں وساوس پیدا ہونے کی وجہ

جن لوگوں کو خدا کی طرف پورا التفات نہیں ہوتا انہیں کو نماز میں بہت وساوس آتے ہیں۔ دیکھو ایک قیدی جبکہ

ایک حاکم کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو کیا اس وقت اس کے دل میں کوئی وسوسہ گذر جاتا ہے ہرگز نہیں۔ وہ ہمہ تن حاکم کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس فکر میں ہوتا ہے کہ ابھی حاکم کیا حکم سُناتا ہے۔ اس وقت تو وہ اپنے وجود سے بھی بالکل بے خبر ہوتا ہے۔ ایسا ہی جب صدقِ دل سے انسان خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور سچے دل سے اس کے آستانہ پر گرے تو پھر کیا مجال ہے کہ شیطان وساوس ڈال سکے۔ شیطان انسان کا پورا دشمن ہے قرآنِ شریف میں اس کا نام عدو رکھا گیا ہے۔ اس نے اوّل تمہارے باپ کو نکالا۔ پھر وہ اس پر خوش نہیں۔ اب اس کا یہ ارادہ ہے کہ تم سب کو دوزخ میں ڈال دے۔ یہ دوسرا حملہ پہلے سے بھی زیادہ سخت ہے۔ وہ ابتداء سے بدی کرتا چلا آیا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ تم پر غالب آوے۔ لیکن جب تک کہ تم ہر بات میں خدا تعالیٰ کو مقدم رکھو گے وہ ہرگز تم پر غالب نہ آسکے گا۔ جب انسان خدا کی راہ میں دُکھ اُٹھاتا ہے اور شیطان سے مغلوب نہیں ہوتا۔ تب اس کو ایک نُور ملتا ہے۔

شہاب ثاقب کی حقیقت

جبکہ ایک مومن سب باتوں پر خدا تعالیٰ کو مقدم کر لیتا ہے تب اس کا خدا کی طرف رفع ہوتا ہے۔ وہ اسی زندگی میں خدا تعالیٰ کی طرف اُٹھایا جاتا ہے اور ایک خاص نُور سے منور کیا جاتا ہے۔ اس رفع میں وہ شیطان کی زد سے ایسا بلند ہو جاتا ہے کہ پھر شیطان کا ہاتھ اس تک نہیں پہنچ سکتا۔ ہر ایک چیز کا خدا تعالیٰ نے اس دُنیا میں بھی ایک نمونہ رکھا ہے اور اسی کی طرف اشارہ ہے کہ شیطان جب آسمان کی طرف چڑھنے لگتا ہے تو ایک شہابِ ثاقب اس کے پیچھے پڑتا ہے جو اس کو نیچے گرا دیتا ہے۔ ثاقب[1] روشن ستارے کو کہتے ہیں۔ اس[2] چیز کو بھی ثاقب کہتے ہیں جو سُوراخ کر دیتی ہے اور اس چیز کو بھی ثاقب کہتے ہیں جو بہت اونچی چلی جاتی ہو۔ اس میں حالتِ انسانی کے واسطے ایک مثال بیان کی گئی ہے جو اپنے اندر ایک نہ صرف ظاہری بلکہ ایک مخفی حقیقت بھی رکھتی ہے جب ایک انسان کو خدا تعالیٰ پر پکا ایمان حاصل ہو جاتا ہے تو اس کا خدا تعالیٰ کی طرف رفع ہو جاتا ہے اور اس کو ایک خاص قوت اور طاقت اور روشنی عطا کی جاتی ہے جس کے ذریعہ سے وہ شیطان کو نیچے گرا دیتا ہے۔ ثاقب مارنے والے کو بھی کہتے ہیں۔ ہر ایک مومن کے واسطے لازم ہے کہ وہ اپنے شیطان کو مارنے کی کوشش کرے اور اسے ہلاک کر ڈالے جو لوگ رُوحانیت کی سائنس سے ناواقف ہیں وہ ایسی باتوں پر ہنسی کرتے ہیں مگر دراصل وہ خود ہنسی کے لائق ہیں۔ ایک قانونِ قدرت ظاہری ہے۔ ایسا ہی ایک قانونِ قدرت باطنی بھی ہے۔ ظاہری قانون باطنی کے واسطے بطور ایک نشان کے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی اپنی وحی میں فرمایا ہے کہ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ النَّجْمِ الثَّاقِبِ یعنی تو مجھ سے بمنزلہ نجم ثاقب ہے۔ اس کے یہ معنے ہیں کہ میں نے تجھے شیطان کے مارنے کے واسطے پیدا کیا ہے۔ تیرے ہاتھ سے شیطان ہلاک ہو جائے گا۔ شیطان بلند نہیں جا سکتا۔ اگر

مومن بلندی پر چڑھ جائے تو شیطان پھر اس پر غالب نہیں آسکتا۔ مومن کو چاہیئے کہ وہ خدا تعالیٰ سے دُعا کرے کہ اس کو ایک ایسی طاقت مِل جائے جس سے وہ شیطان کو ہلاک کر سکے۔ جتنے بڑے خیالات پیدا ہوتے ہیں ان سب کا دُور کرنا شیطان کو ہلاک کرنے پر منحصر ہے۔ مومن کو چاہیئے کہ استقلال سے کام لے۔ ہمت نہ ہارے۔ شیطان کو مارنے کے پیچھے پڑا رہے۔ آخر وہ ایک دن کامیاب ہو جائے گا۔ خدا تعالیٰ رحیم و کریم ہے جو لوگ اس کی راہ میں کوشش کرتے ہیں وہ آخر ان کو کامیابی کا مُونہہ دکھا دیتا ہے۔ بڑا درجہ انسان کا اسی میں ہے کہ وہ اپنے شیطان کو ہلاک کرے۔

اپنے خوابوں اور الہامات پر ناز نہ کرو

ایسے ضروری کام کو چھوڑ کر جو مومن کا اصل منشاء ہے بعض لوگ اَور باتوں کے پیچھے پڑ جاتے ہیں مثلاً کسی کو ایک خواب آجائے یا چند الفاظ زبان پر جاری ہو جائیں تو وہ سمجھتا ہے کہ میں اب ولی ہو گیا ہوں۔ یہی نقطہ ہے جس پر انسان دھوکہ کھاتا ہے۔ خواب تو چوہڑوں، چماروں اور کنجروں کو بھی آجاتے ہیں اور سچے بھی ہو جاتے ہیں۔ ایسی چیز پر فخر کرنا لعنت ہے۔ فرض کرو کہ ایک شخص کو چند خوابیں آگئی ہیں اور وہ سچی بھی ہو گئی ہیں مگر اس سے کیا بنتا ہے؟ کیا سخت پیاس کے وقت ایک شخص کو دو چار قطرے پانی کے پلائے جاویں تو وہ بچ جائے گا؟ ہرگز نہیں بلکہ اس کی تپش اَور بھی بڑھے گی۔ ایسا ہی جب تک کہ کسی انسان کو پوری مقدار معرفت کی اپنی کیفیت اور کثرت کے ساتھ حاصل نہ ہو تب تک یہ خوابیں کچھ شئے نہیں۔ انسان کی عمدہ اور قابلِ تسلّی وہ حالت ہے کہ وہ عملی رنگ میں درست اور صاف ہو۔ اس کی عملی حالت خود اس پر گواہی دے۔ خدا تعالیٰ کی برکات اور زبردست خوارق اس کے ساتھ ہوں اور ہر دم اس کی تائید کرتے ہوں تب خدا اس کے ساتھ ہے اور وہ خدا کے ساتھ ہے۔

ہر ایک بات میں شیطان ایک موقعہ نکال لیتا ہے کہ لوگوں کو کسی طرح سے بہکائے۔ چونکہ ہم بار بار اپنی وحی اور الہام پیش کرتے ہیں اس واسطے بعض لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ ہم بھی ایسا ہی کریں۔ یہ ایک ابتلاء ہے جو اُن پر وارد ہوا۔ اور اس کی ہلاکت کی راہ میں شیطان نے اُن کی امداد کی اور ان کو شیطانی القاء اور حدیث النفس شروع ہوا۔ چراغ دین، الٰہی بخش، فقیر مرزا اور دوسرے بہت سے اس راہ میں ہلاک ہو گئے اور ہنوز بہت سے ایسے ہیں جن کا قدم اسی راہ پر ہے۔

ہماری جماعت کے آدمیوں کو چاہیئے کہ ایسی باتوں سے دل ہٹا لیں۔ قیامت کے دن خدا تعالیٰ اُن سے یہ نہیں پوچھے گا کہ تم کو کس قدر الہام ہوئے تھے یا کتنی خوابیں آئی تھیں بلکہ عملِ صالح کے متعلق سوال ہو گا کہ کس قدر نیک عمل تم نے کئے ہیں۔ الہام وحی تو خدا تعالیٰ کا فعل ہے۔ کوئی انسانی عمل نہیں۔ خدا تعالیٰ کے فعل پر اپنا فخر جاننا اور خوش ہونا جاہل کا کام ہے۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو کہ آپ بعض دفعہ

رات کو اس قدر عبادت میں کھڑے ہوتے تھے کہ پاؤں پر ورم ہو جاتا تھا۔ ساتھی نے عرض کی کہ آپ تو گناہوں سے پاک ہیں اس قدر محنت پھر کس لیے۔ فرمایا۔ اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا۔ کیا میں شکر گذار نہ ہوں۔

انسان کو مایوس نہیں ہونا چاہیئے

انسان کو چاہیئے کہ مایوس نہ ہووے۔ گناہوں کا حملہ سخت ہوتا ہے اور اصلاح مشکل نظر آتی ہے مگر گھبرانا نہیں چاہیئے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو بڑے گنہگار ہیں نفس ہم پر غالب ہے۔ ہم کیونکر نیکوکار ہو سکتے ہیں۔ ان کو سوچنا چاہیئے کہ مومن کبھی نا اُمید نہیں ہوتا۔ خدا تعالیٰ کی رحمت سے نا اُمید ہونے والا شیطان ہے اور کوئی نہیں۔ مومن کو کبھی بزدل نہیں ہونا چاہیئے۔ گو کیسا ہی گناہ سے مغلوب ہو۔ پھر بھی خدا تعالیٰ نے انسان میں ایک ایسی قدرت رکھی ہے کہ وہ بہر حال گناہ پر غالب آ ہی جاتا ہے۔ انسان میں گناہ سوز قوت خدا تعالیٰ نے رکھی ہے جو اسکی فطرت میں موجود ہے۔

ایک لطیف مثال

دیکھو پانی کو کیسا ہی گرم کیا جاوے۔ ایسا سخت گرم کیا جائے کہ جس چیز پر ڈالیں وہ چیز جل بھی جائے۔ پھر بھی اگر اس کو آگ پر ڈالو تو وہ آگ کو بجھا دیگا کیونکہ اس میں خدا تعالیٰ نے یہ خاصیت رکھ دی ہے کہ وہ آگ کو بجھا دیوے۔ ایسا ہی انسان کیسا ہی گناہ میں ملوّث ہو اور کیسا ہی بدکاری میں غرق ہو پھر بھی اس میں یہ طاقت موجود ہے کہ وہ معاصی کی آگ کو بجھا سکتا ہے۔ اگر یہ بات انسان میں نہ ہوتی تو پھر وہ مکلف نہ ہوتا بلکہ پیغمبر رسُول کا آنا بھی پھر غیر ضروری ہوتا۔ مگر دراصل فطرتِ انسانی پاک ہے اور جیسا کہ جسم کے لیے بھوک اور پیاس ہے تو کھانا اور پینا بھی آخر میسر آجاتا ہے۔ انسان کے واسطے دَم لینے کے واسطے ہوا کی ضرورت ہے تو وہ موجود ہے اور جسم کے لیے جس قدر سامان ضروری ہیں جبکہ وہ سب مہیا کر دیئے جاتے ہیں تو پھر رُوح کے واسطے جن چیزوں کی ضرورت ہے وہ کیوں مہیا نہ ہوں گی؟ خدا تعالیٰ رحیم غفور اور ستار ہے اس نے رُوحانی بچاؤ کے واسطے بھی تمام سامان مہیا کر دیئے ہیں۔ انسان کو چاہیئے کہ رُوحانی پانی کو تلاش کرے تو وہ اُسے ضرور پالے گا۔ اور رُوحانی روٹی کو ڈھونڈے تو وہ اُسے ضرور دی جائے گی۔ جیسا کہ ظاہری قانونِ قدرت ہے ویسا ہی باطن میں بھی قانونِ قدرت ہے لیکن تلاش شرط ہے جو تلاش کرے گا وہ ضرور پالے گا۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کرنے میں جو شخص سعی کرے گا خدا تعالیٰ اس سے ضرور راضی ہو جائے گا۔

اس زمانہ کے مولوی

یہ آخری زمانہ تھا اور تاریکی سے بھرا ہوا تھا۔ اس زمانہ کے متعلق خدا تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ اس زمانہ میں ایک آفتاب نکلے گا۔ مولوی لوگوں کو دیکھنا چاہیئے کہ اس زمانہ میں تقویٰ کی کیا حالت ہو رہی ہے۔ ایک آدمی نے چار روپے کے زیور کے پیچھے ایک بچے کو قتل

کردیا تھا۔ ان مولویوں سے جو ہم پر کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں کوئی یہ پوچھے کہ کیا ہم کلمہ نہیں پڑھتے پھر کیا وجہ ہے کہ انکے نزدیک ہم ہندو عیسائی وغیرہ ہر ایک سے بدتر ہیں؟

اصل بات یہ ہے کہ یہ مولوی لوگ طمع نفسانی کے بندے ہیں۔ ایک شخص نے مجھے خوب کہا تھا کہ ان مولویوں کا خاموش کرانا کیا مشکل تھا۔ آپ ان سب کو بلا کر دو دو روپے دے دیتے تو سب خاموش ہو جاتے اور کوئی بھی آپ کی مخالفت نہ کر سکتا۔ میں نے کہا کہ ہم نے تو ان لوگوں کے تقویٰ پر بھروسہ کیا تھا۔ ہمیں کیا معلوم تھا کہ ایسے نفسانی بندے نکلیں گے یہ تو منبروں پر کھڑے ہو کر کہا کرتے تھے کہ موسیٰ کہاں اور عیسیٰ کہاں۔ ہمیں کیا معلوم تھا کہ باوجود ایسے خطبے پڑھنے اور سُنانے کے یہ وفاتِ مسیح پر ایسے مشتعل ہوں گے کہ گویا تمام دار و مدار اسلام کا حضرت عیسیٰ کی زندگی پر ہے۔

شیطان کیساتھ آخری جنگ

لیکن یہ لوگ جو چاہیں سو کریں۔ اب تو خدا تعالیٰ کا ارادہ ہو چکا ہے کہ شیطان کو ہلاک کر دے۔ شیطان کی یہ آخری جنگ ہے اور وہ ضرور ہلاک ہوگا۔ وہ ضرور قتل کیا جائے گا۔ شیطان نے بھی حیاتِ مسیح میں پناہ لی ہے۔ مگر وفاتِ مسیح کے ثبوت کے ساتھ ہی شیطان بھی ہلاک ہو جائے گا۔ شیطان نے پادریوں کے ہاں اور ان کے حامیوں کے ہاں بسیرا کیا ہے مگر خدا کے مسیح کے ساتھ ملائک اور راستباز لوگ جمع ہو رہے ہیں اور اسلام کی مخالفت میں ہر طرح کا زور دکھایا جا رہا ہے۔

ہندوستان مجموعۃ المذاہب ہے

اوّل تو یہ زمانہ ہی ایسا ہے کہ بہ سبب تار۔ ڈاک۔ ریل تمام زمین گویا ایک ہی شہر بن رہی ہے۔ ہر وقت کی خبریں آتی ہیں۔ کثرت سے لوگ اِدھر اُدھر آتے جاتے ہیں مگر بالخصوص ہندوستان ایسا ملک ہے جس میں ہر قسم کے لوگ موجود ہیں۔ ایسے بھی ہیں جو وجود باری تعالیٰ کے منکر ہیں۔ پھر بے قید لوگ بھی ہیں جو کہتے ہیں جو چاہو سو کرو۔ پھر کتاب کے منکر برہمو موجود ہیں۔ انسان کے پجاری بھی ہیں۔ پتھروں کو خدا ماننے والے بھی ہیں۔ ایک لاکھ سے زائد مُرتد عیسائی موجود ہیں۔ سورج پرست ہیں۔ پانی کی پُوجا کرنے والے، آگ کی پُوجا کرنے والے ہیں۔ آتش پرستی کے بڑے مندر کو زلزلے نے گرا دیا تھا تو اب نیا بنا رہے ہیں اور نہیں جانتے کہ ایک زلزلہ اور آنے والا ہے۔ آزادی اس قسم کی ہے کہ جو جس کے جی میں آتا ہے وہ کہہ گذرتا ہے۔ کسی کی پروا نہیں۔ غرض یہ وہی وقت ہے اور بالخصوص ہند میں وہی نظارہ موجود ہے جس کے واسطے پہلے سے پیشگوئی کی گئی تھی۔ عیسائی لوگ پچاس پچاس ہزار کتاب اسلام کے برخلاف شائع کر رہے ہیں۔

☆ ☆ ☆

آریوں کے عقاید کا بودا پن

(۱) آریہ سماجی کہتے ہیں کہ کئی ارب سالوں کے بعد دنیا میں ایک کتاب آتی ہے اور وہ بار بار ویدہی ہوتے ہیں اور ہند میں ہی آتے ہیں اور سنسکرت کی ہی زبان اُن کے لیے خاص ہے گویا پرمیشر کو اور کسی ملک یا زبان کی خبر ہی نہیں۔ نہیں معلوم کہ پرمیشر ہندوستان پر ایسا کیوں ریجھ گیا ہے اور باوجود اس کے ہندوؤں کو ایسی ذلت میں کیوں رکھا ہے؟ اس وقت عیسائی بھی بادشاہ ہیں مسلمان بھی بادشاہ ہیں۔ بدھ بھی بادشاہ ہیں مگر کہیں آریوں کی بادشاہی نہیں۔ معلوم نہیں کہ پرمیشر کو کیوں یہ بہت پسند آیا؟ شاید اس وجہ سے کہ یہاں نیوگی لوگ رہتے ہیں جو اپنی زندگی میں اپنی بیوی کے واسطے موٹا تازہ خاوند تلاش کرتے ہیں کہ اس سے بہتر ہو اور اس کے لیے خوبصورت بچے جنے اور یہ بھی شرط ضروری ہے کہ وہ بیرج داتا برہمن ہو۔

(۲) پھر انسان کو ہنسی آتی ہے کہ آریوں کا یہ ناپاک عقیدہ ہے کہ انسان ایک مدت تک نجات یافتہ ہو کر مکتی خانہ میں رہے اور پھر ناکردہ گناہ کی وجہ سے وہاں سے نکالا جاوے اور کتا سُؤر بلا بنایا جاوے۔ آریہ کہتے ہیں کہ پرمیشر ہر ایک انسان میں تھوڑا سا گناہ بطور بیج کے لازماً باقی رکھ لیتا ہے جو اس کو دوبارہ پھنسلنے کے کام آتا ہے لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اس بقیہ گناہ کے سبب پھر سزائیں ایسی مختلف کیوں دی جاتی ہیں کہ کوئی شیر بنایا جاوے اور کوئی بکری۔ کوئی بچھو اور سانپ بنایا جاوے اور کوئی گھوڑا اور ہاتھی اور کوئی کرم ناپاک بنایا جائے اور کوئی انسان پوتر۔ پھر انسانوں میں کوئی مرد بنایا جائے اور کوئی عورت۔ اس تفریق کا کیا سبب ہو سکتا ہے؟

(۳) پھر یہ بھی آریوں کا ایک عجیب مسئلہ ہے کہ مختلف گناہوں کے سبب مختلف جُونیں بنتی ہیں۔ اس سے تو لازم آتا ہے کہ جس قدر جُونیں ہیں اسی قدر گناہوں کی تعداد ہو اور چونکہ الہامی کتاب صرف وید ہی ہے اس واسطے وہ تمام گناہ وید میں مذکور ہونے چاہئیں۔ لیکن جب وید کے احکام کو دیکھا جاتا ہے تو اُن کی گنتی آریوں کے نزدیک بھی چند سَو سے زائد نہ ہوگی۔ لیکن کئی ہزار قسم کے جانور تو جنگلوں میں موجود ہیں۔ کئی ہزار قسم کے کیڑے مکوڑے زمین پر رینگ رہے ہیں۔ پھر درختوں کے پرند اور سمندروں کے جانور جن کی گنتی ہی نہیں یہ اتنی جُونیں کہاں سے آگئیں۔

(۴) آریہ لوگ کہتے ہیں کہ رُوحوں کو بہشت میں سے نکالنے کی ضرورت اس واسطے پڑے گی کہ ان کی عبادت بہت محدود زمانہ کی تھی۔ ایسی محدود عبادت کا بدلہ بھی محدود وقت کے لیے ہونا چاہیئے مگر یہ عقیدہ بہت ہی فاسد ہے۔ آریہ لوگ ایسے محدود وقت کے خیال سے عبادت کرتے ہوں گے۔ اسلام میں تو یہ بات نہیں۔ ہمارا عہد تو خدا تعالیٰ کے ساتھ ابدی ہے ہم کسی محدود وقت کی نیت کے ساتھ خدا تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتے بلکہ ایسی

نیت کو کفر جانتے ہیں۔ ہم نے تو ہمیشہ کے لیے خدا تعالیٰ کی عبادت کا جُوا اپنے گلے میں ڈال لیا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ ہمیں وفات دے تو اس سے ہماری نیت میں کوئی فرق نہیں۔ ہم اسی عبادت کے ثواب کو ساتھ لے کر فوت ہوتے ہیں۔ ہم اس کو محدود نہیں رکھتے۔

اسلام کا خُدا

خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ قرآن شریف نے ایسا خدا پیش نہیں کیا جو ایسی ناقص صفات والا ہو کہ نہ وہ رُوحوں کا مالک ہے نہ ذرّات کا مالک ہے نہ اُن کو نجات دے سکتا ہے نہ کسی کی توبہ قبول کر سکتا ہے۔ بلکہ ہم قرآنِ شریف کی رُو سے اس خدا کے بندے ہیں جو ہمارا خالق ہے۔ ہمارا مالک ہے۔ ہمارا رازق ہے۔ رحمان ہے۔ رحیم ہے۔ مالکِ یوم الدین ہے۔ مومنوں کے واسطے یہ شکر کا مقام ہے کہ اس نے ہم کو ایسی کتاب عطا کی جو اس کی صحیح صفات کو ظاہر کرتی ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے۔

افسوس ہے ان پر جنہوں نے اس نعمت کی قدر نہ کی۔ ان مسلمانوں پر بھی افسوس ہے۔ جن کے سامنے عمدہ کھانا اور ٹھنڈا پانی رکھا گیا ہے لیکن وہ پیٹھ دے کر بیٹھ گئے ہیں اور اس کھانے کو نہیں کھاتے۔ زمانے کے مصائب سے بچانے کے واسطے ان کے لیے ایک وسیع محل تیار کیا گیا جس میں ہزاروں آدمی داخل ہو سکتے ہیں مگر افسوس اُن پر کہ وہ خود بھی داخل نہ ہوئے اور دوسروں کو بھی داخل ہونے سے روک دیا۔

یہ نفخ صُور کا وقت ہے

کیا پہلے سے نہیں کہا گیا تھا کہ آخری زمانہ میں ایک قرنا آسمان سے پھُونکی جائے گی۔ کیا وحی خدا کی آواز نہیں۔ انبیاء جو آتے ہیں وہ قرنا کا حکم رکھتے ہیں۔ نفخ صُور سے یہی مراد تھی کہ اس وقت ایک مامور کو بھیجا جائے گا۔ وہ سُنا دے گا کہ اب تمہارا وقت آ گیا ہے۔ کون کسی کو درست کر سکتا ہے جب تک کہ خدا تعالیٰ درست نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو ایک قوتِ جاذبہ عطا کرتا ہے کہ لوگوں کے دل اس کی طرف مائل ہوتے چلے جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے کام کبھی حبط نہیں جاتے۔ ایک قدرتی کشش کام کر دکھلائے گی۔ اب وہ وقت آ گیا ہے جس کی خبر تمام انبیاء ابتداء سے دیتے چلے آئے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے فیصلہ کا وقت قریب ہے اس سے ڈرو اور توبہ کرو۔[1]

---

[1] بدر جلد ۷ نمبر ۲ صفحہ ۴ تا ۹ مورخہ ۱۶؍ جنوری ۱۹۰۸ء و
الحکم جلد ۱۲ نمبر ۵ صفحہ ۳ تا ۶ مورخہ ۱۸؍ جنوری ۱۹۰۸ء

بلا تاریخ

سفر میں نمازوں کا قصر

سوال پیش ہوا کہ اگر کوئی تین کوس سفر پر جائے تو کیا نمازوں کو قصر کرے؟

فرمایا :۔

ہاں۔ دیکھو اپنی نیت کو خوب دیکھ لو۔ ایسی تمام باتوں میں تقویٰ کا بہت خیال رکھنا چاہیئے۔ اگر کوئی شخص ہر روز معمولی کام دوبار یا سفر کے لیے جاتا ہے تو وہ سفر نہیں بلکہ سفر وہ ہے جسے انسان خصوصیت سے اختیار کرے اور صرف اس کام کے لیے گھر چھوڑ کر جائے اور عُرف میں وہ سفر کہلاتا ہو۔ دیکھو۔ یوں تو ہم ہر روز سیر کے لیے دو دو میل نکل جاتے ہیں مگر یہ سفر نہیں۔ ایسے موقعہ پر دل کے اطمینان کو دیکھ لینا چاہیئے کہ اگر وہ بغیر کسی خلجان کے فتویٰ دے کہ یہ سفر ہے تو قصر کرے۔ اِسْتَفْتِ قَلْبَکَ (اپنے دل سے فتویٰ لو) پر عمل چاہیئے۔ ہزار فتویٰ ہو پھر بھی مومن کا نیک نیتی سے قلبی اطمینان عمدہ شئے ہے۔

عرض کیا گیا کہ انسانوں کے حالات مختلف ہیں بعض نو دس کوس کو بھی سفر نہیں سمجھتے۔ بعض کے لیے تین چار کوس بھی سفر ہے۔

فرمایا :۔

شریعت نے ان باتوں کا اعتبار نہیں کیا۔ صحابۂ کرام نے تین کوس کو بھی سفر سمجھا ہے۔

عرض کیا گیا۔ حضور بٹالہ جاتے ہیں تو قصر فرماتے ہیں۔ فرمایا :۔

ہاں کیونکہ وہ سفر ہے۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی طبیب یا حاکم بطور دورہ کئی گاؤں میں پھرتا ہے تو وہ اپنے تمام سفر کو جمع کر کے اسے سفر نہیں کہہ سکتا۔

قربانی کا بکرا

سوال پیش ہوا۔ ایک سال کا بکرا بھی قربانی کے لیے جائز ہے؟

فرمایا :۔

مولوی صاحب سے پوچھ لو۔ اہلحدیث و حنفاء کا اس میں اختلاف ہے[1]

قربانی کیلئے ناقص جانور

ایک شخص نے حضرت سے دریافت کیا کہ اگر جانور مطابق علامات مذکورہ درحدیث نہ ملے تو کیا ناقص کو ذبح کر

---

[1] نوٹ از ایڈیٹر صاحب بدر:۔ "مولوی صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ دو سال سے کم کا بکرا قربانی کیلئے اہل حدیث کے نزدیک جائز نہیں"

سکتے ہیں ؟

فرمایا :-

مجبوری کے وقت تو جائز ہے مگر آجکل ایسی مجبوری کیا ہے ۔ انسان تلاش کر سکتا ہے اور دن کافی ہوتے ہیں خواہ مخواہ حجت کرنا یا تساہل کرنا جائز نہیں [1]

---

۴ ؍ جنوری ۱۹۰۸ء

بوقتِ سیر

قرآنِ کریم میں مذکور آخری زمانہ کی علامات

فرمایا :-

قرآن مجید میں آتا ہے کہ کفار کہیں گے لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ (الملك : ۱۱) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تدبر کے سوا ایمان صحیح نہیں ہوتا ۔ سورۃ تکویر میں سب نشانات آخری زمانے کے ہیں ۔ انہیں میں سے ایک نشان ہے وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ (التكوير : ۵) یعنی جب اونٹنیاں بیکار چھوڑی جائیں گی ۔ اسی کی تفسیر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وَلَيُتْرَكُنَّ الْقِلَاصُ فَلَا يُسْعٰى عَلَيْهَا ۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح موعود بھی اسی زمانہ میں ہو گا بلکہ اس کے ابتدائی زمانے کے یہ نشان ہیں ۔

پھر فرمایا وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ (التكوير : ۸) یعنی ایسے اسباب سفر مہیا ہو جائیں گے کہ قومیں باوجود اتنی دُور ہونے کے آپس میں مل جائیں گی حتّٰی کہ نئی دُنیا پُرانی سے تعلقات پیدا کر لے گی ۔ یاجوج ماجوج کا آنا ۔ دجّال کا نکلنا اور صلیب کا غلبہ یہ بھی اسی زمانہ کے نشان ہیں ۔ ان کے متعلق لوگوں نے غلط فہمی سے تناقض پیدا کر لیا ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سب الگ الگ ہیں ۔ حالانکہ ان میں سے ہر ایک کی نسبت یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ تمام روئے زمین پر محیط ہو جائیں گے ۔ پس اگر یاجوج ماجوج محیط ہو گئے تو پھر دجّال کہاں احاطہ کرے گا اور صلیب کا غلبہ کس جگہ ہو گا ؟ سوائے یہ کہنے کے کچھ چارہ نہیں کہ یہ سب ایک ہی قوم کے مختلف افراد ہیں اور اگر ان کو ایک بنا دیں تو پھر کوئی مشکل نہ رہے گی ۔ خدا تعالیٰ نے ان کی نسبت فرمایا ہے ۔ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا (الكهف : ۱۰۰) جس سے ظاہر ہے کہ نہایت درجہ

---

[1] بدر جلد ۷ نمبر ۳ صفحہ ۲ مورخہ ۲۳ ؍ جنوری ۱۹۰۸ء

کا اختلاف پیدا ہو جائے گا اور سب مذاہب ایک دنگل میں ہو کر نکلیں گے۔ تَرَکْنَا کا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آزادی کا زمانہ ہوگا اور یہ آزادی کمال تک پہنچ جائے گی تو اس وقت اللہ تعالیٰ اپنے مامور کی معرفت ان کو جمع کرنے کا ارادہ کرے گا۔ پہلے دیکھو جَمَعْنٰھُمْ فرمایا اور ابتدائے عالم کے لیے خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّ نِسَآءً (النّساء: ۲) فرمایا۔ لفظ بَثَّ اور جَمَعَ آپس میں پورا تناقض رکھتے ہیں۔ گویا دائرہ پورا ہو کر پھر وہی زمانہ ہو جائے گا۔ پہلے تو وحدتِ شخصی تھی۔ اب اخیر میں وحدتِ نوعی ہو جائے گی اس سے آگے فرماتا ہے وَعَرَضْنَا جَھَنَّمَ یَوْمَئِذٍ لِّلْکٰفِرِیْنَ عَرْضًا (الکھف: ۱۰۱) یہ مسیح موعود کے زمانے کا ایک نشان بتلایا کہ اس دن جہنم پیش کیا جاوے گا ان کافروں پر۔ یہ قیامت کا ذکر نہیں کیونکہ اس دن جہنم کا پیش کیا کرنا ہے اس روز تو اس میں کفار داخل ہوں گے جہنم سے مراد طاعون ہے۔ چنانچہ ہمارے الہامات میں کئی بار طاعون کو جہنم فرمایا گیا ہے۔ یَأْتِیْ عَلٰی جَھَنَّمَ زَمَانٌ لَّیْسَ فِیْھَا اَحَدٌ بھی ایک الہام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دو فرقوں کا ذکر فرما دیا۔ ایک تو وہ سعید جنہوں نے مسیح کو قبول کیا دوسرے وہ شقی جو مسیح کا کفر کرنے والے ہوں گے۔ اُن کے لیے فرمایا کہ ہم طاعون بطور جہنم بھیجیں گے اور نُفِخَ فِی الصُّوْرِ (الکھف: ۱۰۰) سے یہ مراد ہے کہ جو لوگ خدا تعالیٰ کی طرف سے آتے ہیں۔ وحی کے ذریعہ ان میں آواز دی جاتی ہے اور پھر یہ آواز اُن کی معرفت تمام جہان میں پہنچتی ہے۔ پھر ان میں ایک ایسی کشش پیدا ہو جاتی ہے کہ لوگ باوجود اختلافِ خیالات وطبائع وحالات کے اس کی آواز پر جمع ہونے لگتے ہیں اور آخر کار وہ زمانہ آجاتا ہے کہ ایک ہی گلہ اور ایک ہی گلہ بان ہو۔

خدا تعالیٰ نے ہمارے لیے خود ہی ایسے اسباب مہیا کر دیئے ہیں کہ جس سے تمام سعید رُوحیں ایک دین پر جمع ہو سکیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا گیا تھا قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا۔ (الاعراف: ۱۵۹) ایک طرف یہ جَمِیْعًا دوسری طرف جَمَعْنٰھُمْ ایک خاص علاقہ رکھتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی کارروائی تو اس جمع کی تو اسی زمانہ نبوی میں شروع ہو گئی تھی مگر اسباب کا تہیّہ کمال پر اس زمانہ میں پہنچا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سفر کی تمام راہیں نہ کھلی تھیں۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ بعض ایسے مقامات بھی ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت نہیں پہنچی مگر اب تو ڈاک تار، ریل سے زمین کے اس سرے سے اُس سرے تک خبر پہنچ سکتی ہے۔ یہ حجاز ریلوے جو بن رہی ہے یہ بھی اسی پیشگوئی کے ماتحت ہے۔ عرب کے کئی لوگ کہنے لگ گئے ہیں کہ اِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ (التکویر: ۵) کا زمانہ آگیا۔ عِشَار (گابھن اونٹنیاں) کا لفظ خود ظاہر کرتا ہے کہ یہ سب قیامت سے پہلے ہوگا کیونکہ اس دن کی نسبت تو لکھا ہے کہ ہر حمل والی اپنا حمل گرا

دے گی اور پھر اس دن تو ہر چیز معطّل ہو جائے گی، اونٹنیوں کی خصوصیت کیا ہے؟ مطلب یہ تھا کہ اب تجارت کا دارومدار اُونٹنیوں پر ہے پھر ریل پر ہوگا اور چونکہ حدیث میں یہی زمانہ مسیح موعود کا لکھا ہے اس لیے اب عرب والوں کو مسیح موعود کی تلاش کرنی چاہیئے۔ دیکھو اب تو اُن کے گھر میں ریل بن رہی ہے اور خود ہمارے دشمن اس میں سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں۔ یہ بھی ایک نشان ہے کہ ہمارے دشمنوں کو خدا نے ہمارے کام میں لگا دیا ہے۔ چندہ تو دے رہے ہیں وہ اور صداقت ہماری ثابت ہوگی۔

نشانات کی تکذیب

افسوس کہ یہ لوگ ہمارے بغض کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کی تکذیب بھی کر دیتے ہیں مگر کس کس نشان کی یہ تکذیب کریں گے۔ خدا تعالیٰ نے ہمارے لیے طاعون بھیجا۔ زلزلہ بھی آیا۔ یاجوج ماجوج، دجّال کا خروج ہو چکا۔ کسوف خسوف ماہِ رمضان میں غیر معمولی طور سے ہو چکا۔ کہتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ نادان یہ نہیں سمجھتے کہ جب واقع ہو گئی تو اب راویوں پر جرح فضول ہے۔ جب کوئی امر واقع ہو جائے تو بڑا ہی بیوقوف ہے وہ شخص جو پھر بھی کہے کہ فلاں راوی ایسا ہے اور فلاں ایسا۔

ایک بزرگ نے لکھا ہے کہ بعض حدیثیں صحیح، عجب نہیں اگر موضوع ثابت ہوں اور کئی ایسی حدیثیں جنہیں موضوع کہتے ہیں صحیح واقعات نے صحیح ثابت کیں۔ ان لوگوں میں ذرا بھی ایمان ہو تو مان لیں۔ دیکھو حدیث و قرآن و حالاتِ موجودہ کا آپس میں کیا تطابق ہوا ہے۔ یہ ہمیں مفتری کہتے ہیں۔ اچھا الہام بنانے پر تو ہمارا اختیار ہے کیا آسمان پر بھی ہمارا اختیار تھا کہ ہم ماہِ رمضان میں خلافِ معمول کسوف و خسوف کراتے؟ کیا طاعون پر ہمارا اختیار تھا کہ اُسے لے آتے؟ کیا ریل ہماری کوشش سے بن رہی ہے؟ اصل بات وہی ہے جو خدا نے عَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكَافِرِيْنَ عَرْضًا (الکھف : ۱۰۱) سے آگے فرمایا اَلَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا (الکھف : ۱۰۲) ذکر سے مراد یہ ہے کہ جو میں نے ان کو اپنے مامور کی معرفت یاد کیا۔ خدا تعالیٰ کا یاد کرنا یہی ہوتا ہے کہ اپنی طرف سے ایک مصلح کو بھیج دیا۔ سو اس مامور سے وہ غفلت میں رہے۔ ان کی آنکھوں کے آگے طرح طرح کے شبہات کے حجاب چھائے رہے اور حق کا نور نظر نہ آیا کیونکہ جوشِ تعصب سے ان کی ایسی حالت ہو گئی جو وہ اس مامور کی بات کو سُن ہی نہیں سکتے (وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا) (الکھف : ۱۰۲) اب ان لوگوں کی حالت یہی ہو رہی ہے اور اس کی سزا بھی وہی مل رہی ہے جو قرآن مجید میں ہے کہ عَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكَافِرِيْنَ عَرْضًا (الکھف : ۱۰۱)[1]

---

[1] بدر جلد ۷ نمبر ۳ صفحہ ۳ مورخہ ۲۳ جنوری ۱۹۰۸ء

۶ ؍جنوری ۱۹۰۸ء

موجودہ حالات میں مصلح کی ضرورت

ایک دوست نے اپنا خواب بیان کیا جس میں یہ آیت بھی تھی وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا۔ (الطلاق : ۳)

فرمایا :-

ایک عالمگیر عذاب کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے جس سے نجات کا ذریعہ صرف تقویٰ ہی ہے ۔ دیکھو یہ قحط جو بڑھتا جاتا ہے یہ بھی شامتِ اعمال ہی ہے ۔ جو اس سے بچنا چاہتے ہیں وہ اللہ کے حضور توبہ کریں مگر توبہ کے آثار نظر نہیں آتے ۔ یہ لوگ بار بار تکذیب کرتے ہیں ۔ نشان پر نشان دیکھتے ہیں اور پھر نہیں مانتے ۔ کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ یہ کیوں تکذیب و تکفیر پر کمر بستہ ہیں ۔ نہ قرآنِ مجید ان کے ساتھ نہ احادیث ان کے ساتھ ۔ موجودہ حالات پکار پکار کر ایک مصلح کی ضرورت جتا رہی ہیں ۔ غرض عقلی نقلی دونو طریق سے یہی جھوٹے ثابت ہو رہے ہیں مگر پھر بھی باز نہیں آتے ۔ بار بار جہاد کو پیش کرتے ہیں مگر یہ نہیں سمجھتے کہ جب کوئی گورنمنٹ مذہب کیلئے نہیں لڑتی تو وہ جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آیا وہ کس لیے تلوار سے جہاد کرتا ۔ اب تو زمانہ دلائل سے جہاد کرنے کا ہے جو ہو رہا ہے ۔ یہ لوگ عجیب قسم کی تاریکی میں ہیں کہ انہیں کچھ دکھائی نہیں دیتا ۔ جو اُن کے رہبر بنے ہوئے ہیں وہ عجیب قسم کے مکروں سے کام لے رہے ہیں ۔ دُنیا ہی دُنیا ان کا مقصود ہے ۔ اسلام میں ایک بیج بویا گیا تھا بجائے اس کے کہ اس کی آبیاری کرتے اس کو اُجاڑنے کے درپے ہیں [1]

---

۸ ؍جنوری ۱۹۰۸ء

آخری زمانہ کے اکثر نشانات پُورے ہو چکے ہیں

فرمایا :-

بڑے تعجب کی بات ہے کہ آخری زمانہ کے متعلق جس قدر نشانات تھے ان میں سے بہت نشانات پُورے ہو چکے مگر پھر بھی لوگ توجہ نہیں کرتے ۔ اللہ تعالیٰ غنی ہے اور اس کو ان لوگوں کی پروا نہیں جو اس سے لاپرواہی اختیار کرتے ہیں یہ لوگ دُنیا کے معمولی کاموں کے

---

[1] بدر جلد ۷ نمبر ۲ صفحہ ۳ مورخہ ۱۶ ؍جنوری ۱۹۰۸ء

لیے کس قدر تکلیفیں برداشت کرتے ہیں۔ اس کا عشر عشیر بھی دین کی تحقیق کے لیے محنت نہیں اُٹھاتے۔ بلکہ طرح طرح کے بیہودہ عذر کرتے ہیں۔ حالانکہ جیسے اور معمولی کام دُنیا کے کر رہے ایسے ہی اس اَلنَّبَاِ الْعَظِیْمِ کی تحقیق بھی یہ کرسکتے ہیں جس پر اُخروی زندگی کی بہبودی کا دارو مدار ہے۔

مامور من اللہ کا انکار سب سے بڑا گناہ ہے

ایک شخص نے جو اکثر صوفیوں کی صحبت میں رہا ہے عرض کیا کہ دُعا کریں کہ مجھے خدا کا شوق و معرفت حاصل ہو۔ فرمایا:۔

پہلے ایمان کو درست کرو۔ یہ ریاضتیں جو طریقۂ نبوی سے باہر ہیں یہ تو کسی کام نہ آئیں گی اور نہ منزلِ مقصود کو پہنچائیں گی۔ دیکھو بعض جوگی اس قدر ریاضتیں کرتے ہیں کہ اپنے بازو سُکھا دیتے ہیں مگر اللہ کے نزدیک مقبول نہیں کیونکہ ایک تو ارشادِ نبوی کے خلاف۔ دوم ایمان ہی نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ (المائدۃ: ۲۸) یعنی اللہ ان کی عبادت قبول کرتا ہے جو خدا سے ڈرتے ہیں اور ڈرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ اس کے منشاء کے مطابق کام کرتے ہیں اور سب سے پہلا کام تو یہ ہے کہ اس کے مامور کو مانیں۔ دیکھو یہودی خدا کو مانتے ہیں اور مُشرک بھی نہیں۔ قبلہ بھی ان کا وہ ہے جو پہلے مسلمانوں کا رہ چکا ہے مگر پھر بھی خدا کے حضور مقبول نہیں۔ صرف اس لیے کہ خدا کے رُسول کو نہ مانا۔ رسولوں کو نہ ماننے سے وہی جنہیں عالمین پر فضیلت دی گئی تھی ملعون ہوئے۔ کیونکہ گناہ تو اور بھی ہیں مگر سب سے بڑا گناہ مامور من اللہ کا انکار ہے۔

غور کرکے دیکھو تو معلوم ہو جائے گا کہ سب سے بڑا گناہ یہ کیوں ہے۔ جس قدر گناہ ہیں وہ سب خدا تعالیٰ کے احکام کی نافرمانبرداری سے پیدا ہوتے ہیں اور خدا کے احکام ماموروں کی معرفت دنیا پر ظاہر ہوتے ہیں۔ پس جب ان احکام کے لانے والے کو نہ مانا تو گویا اللہ کے کسی حکم کو بھی نہ مانا کیونکہ جس نے اللہ کی مرضی ظاہر کرنی تھی جب اس کا انکار کیا تو اس کی رضامندی کی راہوں کا کیونکر علم ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہودی باوجود خدا کو ماننے۔ نماز روزہ کرنے کے بندر سؤر کہلائے۔

وصول الی اللہ کا ذریعہ

اس شخص نے عرض کیا حضور میں ایمان لایا۔ فرمایا:۔

پھر توبہ استغفار وصول الی اللہ کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت: ۷۰) پوری کوشش سے اس کی راہ میں لگے رہو منزلِ مقصود تک پہنچ جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کو کسی سے بُخل نہیں۔ آخر انہیں مسلمانوں میں سے وہ تھے جو قطب اور ابدال اور غوث ہوئے۔ اب بھی اس کی رحمت کا دروازہ بند نہیں۔ قلبِ سلیم پیدا کرو۔ نماز سنوار کر پڑھو۔ دُعائیں کرتے رہو۔ ہماری تعلیم پر چلو۔ ہم بھی دُعا کریں گے۔

طریقِ اسلام یاد رکھو۔ ہمارا طریق بعینہٖ وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا تھا۔ آجکل فقراء نے کئی بدعتیں نکال لی ہیں۔ یہ چلّے اور ورد و وظائف جو انہوں نے رائج کر لیے ہیں ہمیں ناپسند ہیں۔ اصل طریقِ اسلام قرآنِ مجید کو تدبّر سے پڑھنا اور جو کچھ اس میں ہے اس پر عمل کرنا اور نماز توجہ کے ساتھ پڑھنا اور دُعائیں توجہ اور انابت الی اللہ سے کرتے رہنا۔ بس نماز ہی ایسی چیز ہے جو معراج کے مراتب تک پہنچا دیتی ہے۔ یہ ہے تو سب کچھ ہے۔ والسلام[1]

۹؍جنوری ۱۹۰۸ء

اپنی کتابوں میں تکرارِ مضامین کی وجہ فرمایا:- ہم جو کتاب کو لمبا کر دیتے ہیں اور ایک ہی بات کو مختلف پیرایوں میں بیان کرتے ہیں اس سے یہ مطلب ہوتا ہے کہ مختلف طبائع مختلف مذاق کے ناظرین کسی نہ کسی طریقے سے سمجھیں اور شاید کسی کو کوئی نکتہ دل لگ جائے اور اس سے ہدایت پا لے اور یُوں بھی اکثر دل جو طرح طرح کی غفلتوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ اُن کو بیدار کرنے کے لیے ایک بات کا بار بار بیان کرنا ضروری ہوتا ہے۔

آریوں کا رویہ تقویٰ سے بعید ہے فرمایا:- عیسائیوں کی دشمنی تو اسلام سے پُرانی ہو گئی ہے اور ان کے پادری اب گلے پڑا ڈھول بجا رہے ہیں۔ مگر یہ آریہ ابھی تازہ تازہ دشمنی رکھتے ہیں اس لیے زیادہ پُر جوش ہیں۔ مگر افسوس کہ ان میں طلبِ حق نہیں۔ اُن کے اعتراضوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے معترضوں نے صحیح طریق سے اسلام کا مطالعہ نہیں کیا۔ چنانچہ یہ لکھتا ہے کہ مسلمان کہتے ہیں قرآن آسمان سے لکھا لکھایا اُترا۔ بھلا جی وہ کس طرح اُترا، دراصل مسلمان جو استعارے کے رنگ میں کہتے ہیں کہ قرآن مجید آسمان سے اُترا ہے اس کے غلط معنے اس نے کر لیے مگر یہ طریقِ تقویٰ سے بہت بعید ہے[2]

۱۲؍جنوری ۱۹۰۸ء

عوام میں مشہور ایمان کی علامات جمعہ کے دن مرنا، مرتے وقت ہوش کا قائم رہنا یا چہرہ کا رنگ اچھا ہونا۔ ان علامات کو ہم قاعدہ کلیہ کے طور

---

[1]، [2] بدر جلد ۷ نمبر ۳ صفحہ ۳ مورخہ ۱۶؍جنوری ۱۹۰۸ء

سے ایمان کا نشان نہیں کہہ سکتے کیونکہ دہریہ بھی اس دن مرتے ہیں۔ ان کا ہوش قائم اور چہرہ سفید رہتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ بعض امراض ہی ایسے ہیں مثلاً دق وسل کہ ان کے مریضوں کا اخیر تک ہوش قائم رہتا ہے بلکہ طاعون کی بعض قسمیں بھی ایسی ہی ہیں۔ ہم نے بعض دفعہ دیکھا کہ مریض کو کلمہ پڑھایا گیا اور یٰسین بھی سنائی۔ بعد ازاں وہ بچ گیا اور پھر وہی بُرے کام شروع کر دیئے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صدقِ دل سے ایمان نہیں لایا۔ اگر سچی توبہ کرتا تو کبھی ایسا کام نہ کرتا۔

اصل میں اس وقت کا کلمہ پڑھنا ایمان لانا نہیں۔ یہ تو خوف کا ایمان ہے جو مقبول نہیں۔[1]

۱۳؍ جنوری ۱۹۰۸ء

بوقتِ ظہر

علماء کے نزدیک

فرمایا:۔ گویا ان کے نزدیک اپنی ہی قوم میں دجال، اپنی ہی میں کافر، اپنی ہی میں سب بدیاں ہیں۔ باہر نظر نہیں جاتی تا دیکھیں کہ دجالیت کس فرقہ میں ہے اور کفار کون ہیں۔[2]

۱۸؍ جنوری ۱۹۰۸ء

ہمارے مقابل پر خواب اور الہام

جو الہام یا خواب ہمارے مقابل پیش کئے جائیں ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ پیش از وقت دعویٰ کے ساتھ شائع کئے گئے ہوں اور پھر پورے ہوں۔ یُوں تو ہر ایک مفتری کہہ سکتا ہے کہ مَیں نے ایسا خواب دیکھا جو پورا ہوگیا۔[3]

۱۹؍ جنوری ۱۹۰۸ء

سچا مسیح کہاں ہے؟

اگر ہم ہی "المسیح الدجال" ہیں اور یہ بات کسی صحیح واقعہ پر مبنی ہے تو پھر احادیث میں تو اس کے ساتھ ہی مسیح موعود کا ذکر بھی ہے۔ پس

[1] بدر جلد ۷ نمبر ۳ صفحہ ۳ مورخہ ۱۶؍ جنوری ۱۹۰۸ء
[2] [3] بدر جلد ۷ نمبر ۴ صفحہ ۳ مورخہ ۳۰؍ جنوری ۱۹۰۸ء

بتلائیں کہ وہ سچا مسیح کہاں ہے اور کب آسمان سے اُترا؟[1]

بلا تاریخ

قرض کا علاج

ایک شخص نے عرض کیا کہ مجھ پر بڑا قرض ہے۔ دُعا کیجئے۔

فرمایا:۔

توبہ استغفار کرتے رہو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ جو استغفار کرتا ہے اُسے رزق میں کشائش دیتا ہے۔

سودی لین دین

پھر پوچھا کہ: اتنا قرض کس طرح چڑھ گیا؟

اس نے کہا۔ بہت سا حصہ سُودی ہے۔

فرمایا:۔

بس پھر تو شامتِ اعمال ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے حکم کو توڑتا ہے اسے سزا ملتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے پہلے سے فرما دیا کہ اگر سود کے لین دین سے باز نہ آؤ گے تو لڑائی کا اعلان ہے۔ خدا تعالیٰ کی لڑائی یہی ہے کہ ایسے لوگوں پر عذاب بھیجتا ہے۔ پس یہ مفلسی بطور عذاب اور اپنے کئے کا پھل ہے۔

سُودی لین دین سے بچنے کا طریق

اس شخص نے عرض کیا۔ کیا کریں مجبوری سے سُودی قرضہ لیا جاتا ہے۔

فرمایا:۔

جو خدا تعالیٰ پر توکّل کرتا ہے خدا تعالیٰ اس کا کوئی سبب پردۂ غیب سے بنا دیتا ہے۔ افسوس کہ لوگ اس راز کو نہیں سمجھتے کہ متقی کے لیے خدا تعالیٰ کبھی ایسا موقعہ نہیں بناتا کہ وہ سُودی قرضہ لینے پر مجبور ہو۔ یاد رکھو جیسے اَور گناہ ہیں مثلاً زنا، چوری ایسے ہی یہ سُود دینا اور لینا ہے۔ کس قدر نقصان دہ یہ بات ہے کہ مال بھی گیا، حیثیت بھی گئی اور ایمان بھی گیا۔ معمولی زندگی میں ایسا کوئی امر ہی نہیں کہ جس پر اتنا خرچ ہو جو انسان سُودی قرضہ لینے پر مجبور ہو۔ مثلاً نکاح ہے اس میں کوئی خرچ نہیں۔ طرفین نے قبول کیا اور نکاح ہو گیا۔ بعد ازاں ولیمہ سنّت ہے۔ سو اگر اس کی استطاعت بھی نہیں تو یہ بھی معاف ہے۔ انسان اگر کفایت شعاری سے کام لے تو اس کا کوئی بھی نقصان نہیں ہوتا۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ لوگ اپنی نفسانی خواہشوں اور عارضی خوشیوں کے لیے خدا تعالیٰ کو ناراض کر لیتے

---

[1] بدر جلد ۷ نمبر ۴ صفحہ ۳ مورخہ ۳۰ جنوری ۱۹۰۸ء

ہیں جو ان کی تباہی کا موجب ہے ۔ دیکھو سُود کا کس قدر سنگین گناہ ہے۔ کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں۔ سُور کا کھانا تو بحالتِ اضطرار جائز رکھا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (البقرۃ: ۱۷۴) یعنی جو شخص باغی نہ ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا۔ تو اس پر کوئی گناہ نہیں اللہ غفور رحیم ہے مگر سُود کے لیے نہیں فرمایا کہ بحالتِ اضطرار جائز ہے بلکہ اس کے لیے تو ارشاد ہے۔ يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (البقرۃ: ۲۷۹، ۲۸۰) اگر سُود کے لین دین سے باز نہ آؤ گے تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کا اعلان ہے۔ ہمارا تو یہ مذہب ہے کہ جو خدا تعالیٰ پر توکّل کرتا ہے اسے حاجت ہی نہیں پڑتی۔ مسلمان اگر اس ابتلاء میں ہیں تو یہ ان کی اپنا ہی بدعملیوں کا نتیجہ ہے۔ ہندو اگر یہ گناہ کرتے ہیں تو مالدار ہو جاتے ہیں۔ مسلمان یہ گناہ کرتے ہیں تو تباہ ہو جاتے ہیں۔ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ کے مصداق ہیں۔ پس کیا ضروری نہیں کہ مسلمان اس سے باز آجائیں؟

انسان کو چاہیئے کہ اپنے معاش کے طریق میں پہلے ہی کفایت شعاری مدِّنظر رکھے تاکہ سُودی قرضہ اُٹھانے کی نوبت نہ آئے جس سے سود اصل سے بڑھ جاتا ہے۔ ابھی کل ایک شخص کا خط آیا تھا کہ ہزار روپیہ دے چکا ہوں۔ ابھی پانچ چھ سو باقی ہے۔ پھر مصیبت یہ ہے کہ عدالتیں بھی ڈگری دے دیتی ہیں۔ مگر اس میں عدالتوں کا کیا گناہ جب اس کا اقرار موجود ہے تو گویا اس کے یہ معنے ہیں کہ سُود دینے پر راضی ہے۔ پس وہاں سے ڈگری جاری ہو جاتی ہے۔ اس سے یہ بہتر تھا کہ مسلمان اتفاق کرتے اور کوئی فنڈ جمع کر کے تجارتی طور سے اُسے فروغ دیتے تاکہ کسی بھائی کو سُود پر قرضہ لینے کی حاجت نہ ہوتی بلکہ اسی مجلس سے ہر صاحبِ ضرورت اپنی حاجت روائی کر لیتا اور میعادِ مقررہ پر واپس دے دیتا۔

حکیم فضل دین صاحب نے سُنایا کہ علامہ نورالدین بھیرہ میں حدیث پڑھا رہے تھے۔ باب الربوٰ تھا۔ ایک سُود خور ساہوکار آکر پاس بیٹھ گیا۔ جب سُود کی ممانعت سُنی تو کہا اچھا مولوی صاحب آپ کو نکاح کی ضرورت ہو تو پھر کیا کریں؟ انہوں نے کہا بس ایجاب قبول کر لیا جائے۔ پوچھا اگر رات کو گھر میں کھانا نہ ہو تو پھر کیا کرو؟ کہا۔ لکڑیوں کا گٹھا باہر سے لاؤں روٹی بیچ کر کھاؤں۔ اس پر کچھ ایسا اثر ہوا کہ کہنے لگا آپ کو دس ہزار تک اگر ضرورت ہو تو مجھ سے بلا سُود لے لیں۔

فرمایا:۔

دیکھو جو حرام پر جلدی نہیں دوڑتا بلکہ اس سے بچتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کے لیے حلال کا ذریعہ نکال دیتا ہے مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا (الطلاق: ۳) جو سود دینے سے اور ایسے حرام کاموں سے بچے خدا تعالیٰ

اس سے کہ یہ کوئی سبیل بنا دے گا۔ ایک کی نیکی اور نیک خیال کا اثر دوسرے پر بھی پڑتا ہے۔ کوئی اپنی جگہ پر استقلال رکھے تو سُود خود بھی مفت دینے پر راضی ہو جاتے ہیں[1]

بلا تاریخ

بنک کا سُود

ایک صاحب کا ایک خط حضرت کی خدمت میں پہنچا کہ جب بنکوں کے سُود کے متعلق حضور نے اجازت دی ہے کہ موجودہ زمانہ اور اسلام کے حالات کو مدِ نظر رکھ کر اضطرار کا اعتبار کیا جائے سو اضطرار کا اصول چونکہ وسعت پذیر ہے اس لیے ذاتی، قومی ملکی، تجارتی وغیرہ اضطرارات بھی پیدا ہو کر سود کا لین دین جاری ہو سکتا ہے یا نہیں؟

فرمایا:۔

اس طرح سے لوگ حرامخوری کا دروازہ کھولنا چاہتے ہیں کہ جو جی چاہے کرتے پھریں۔ ہم نے یہ نہیں کہا کہ بنک کا سُود بسبب اضطرار کے کسی انسان کو لینا اور کھانا جائز ہے۔ بلکہ اشاعتِ اسلام میں اور دینی ضروریات میں اس کا خرچ جائز ہونا بتلایا گیا ہے۔ وہ بھی اس وقت تک کہ امدادِ دین کے واسطے روپیہ مل نہیں سکتا اور دین غریب ہو رہا ہے کیونکہ کوئی شئے خدا تعالیٰ کے واسطے تو حرام نہیں۔ باقی رہی اپنی ذاتی اور ملکی اور قومی اور تجارتی ضروریات۔ سو اُن کے واسطے اور ایسی باتوں کے واسطے سود بالکل حرام ہے۔ وہ جواز جو ہم نے بتلایا ہے وہ اس قسم کا ہے کہ مثلاً کسی جاندار کو آگ میں جلانا شرعاً منع ہے لیکن ایک مسلمان کے واسطے جائز ہے کہ اس زمانہ میں اگر کہیں جنگ پیش آوے تو توپ بندوق کا استعمال کرے کیونکہ دشمن بھی اس کا استعمال کر رہا ہے۔

تراویح کی رکعات

تراویح کے متعلق عرض ہوا کہ جب یہ تہجد ہے تو بیس رکعت پڑھنے کی نسبت کیا ارشاد ہے کیونکہ تہجد تو مع وتر گیارہ یا تیرہ رکعت ہے

فرمایا:۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ دائمی تو وہی آٹھ رکعات ہے اور آپ تہجد کے وقت ہی پڑھا کرتے تھے اور یہی افضل ہے مگر پہلی رات بھی پڑھ لینا جائز ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے رات کے اوّل حصے میں اُسے پڑھا۔ بیس رکعات بعد میں پڑھی گئیں۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنت وہی تھی جو پہلے بیان ہوئی[2]

---

[1] بدر جلد ۷ نمبر ۵ صفحہ ۵۔۶ مورخہ ۶ فروری ۱۹۰۸ء [2] بدر جلد ۷ نمبر ۵ صفحہ ۷ مورخہ ۶ فروری ۱۹۰۸ء

بلا تاریخ

محرم کی رُسوم

شیعہ تو اس غلطی میں تھے ہی ہمارے سُنّی بھائی بھی کچھ اس رنگ میں رنگین ہوتے جاتے ہیں اور محرم کے دنوں میں مرثیہ خوانی کی مجلسوں میں شریک ہوتے تعزیئے بناتے ہیں۔ اور پھر کچھ شربت اور چاول وغیرہ تقسیم کرتے ہیں۔ اس کے متعلق امام الائمہ حجۃ اللہ خلیفۃ اللہ علی الارض کا فتویٰ نقل کر دیا جاتا ہے کہ کم از کم ہمارے احمدی بھائی ہی اس سے الگ رہیں۔

نیاز مند اکمل نے سوال کیا کہ محرم کی دسویں کو جو شربت و چاول وغیرہ تقسیم کرتے ہیں اگر یہ لِلّٰہ بہ نیت ایصالِ ثواب ہو تو اس کے متعلق حضور کا کیا ارشاد ہے (اماموں کے نام پر دینا تو حسب آیت وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ (البقرة : ۱۷۴) حرام ہے)

فرمایا:۔

ایسے کاموں کے لیے دن اور وقت مقرر کر دینا ایک رسم و بدعت ہے اور آہستہ آہستہ ایسی رسمیں شرک کی طرف لے جاتی ہیں۔ پس اس سے پرہیز کرنا چاہیئے کیونکہ ایسی رسموں کا انجام اچھا نہیں۔ ابتداء میں اسی خیال سے ہو مگر اب تو اس نے شرک اور غیر اللہ کے نام کا رنگ اختیار کر لیا ہے اس لیے ہم اسے ناجائز قرار دیتے ہیں۔ جب تک ایسی رسوم کا قلع قمع نہ ہو عقائدِ باطلہ دُور نہیں ہوتے[1]

بلا تاریخ

خواب تعبیر طلب ہوتی ہے

کسی نے اپنا خواب بیان کیا کہ مجھے بتایا گیا ہے کہ گجرات میں انجیر ہوتی ہے اس کا شربت بنوا کر پیو۔

فرمایا:۔

خواب تعبیر طلب بھی ہوتی ہے۔ انجیر گرمی سے بچاتی ہے۔ قرآن شریف میں بھی تِین کا ذکر ہے مگر وہاں اور اشارات ہیں۔ اس سے ثبوتِ نبوت دیا گیا ہے۔

طبابت ظنّی علم ہے

علمِ طبابت ظنّی ہے۔ کسی کو کوئی دوا پسند کسی کو کوئی۔ ایک دوا ایک شخص کے لیے مُضر ہوتی ہے دوسرے کے لیے وہی دوا نافع۔ دوائیوں کا راز اور شفا دینا خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے کسی کو یہ علم نہیں۔ کل ایک دوائی میں استعمال کرنے لگا تو الہام ہوا "خطرناک"

---

[1] بدر جلد ۷ نمبر ۵ صفحہ ۵ مورخہ ۶ فروری ۱۹۰۸ء

دوائیں اندازہ کرنے پر مطمئن نہیں ہونا چاہیئے۔ بلکہ ضرورتوں کو لینا چاہیئے۔

مسلمان کس طرح ترقی کر سکتے ہیں؟

آریہ اگر یہ گند نہ بولتے تو ہمارے لیے تحریک نہ ہوتی۔ حقائق و معارف کے لیے اُن کے اعتراضات بہانہ ہو گئے۔ غیر قوموں میں اپنے قومی مذہبی کاموں میں چندہ دینے کا جو جوش ہے وہ مسلمانوں میں نہیں۔ شاید اس لیے کہ "کریماں را بدست اندر درم نیست۔ مگر مسلمانوں میں بھی کئی نواب ہیں۔ کئی اُمراء و دولتمند۔ ہر مسلمان کا یہ مقصد ہونا چاہیئے کہ سچائی پھیل جائے۔ مسلمانوں پہ پہلے بھی جب اقبال کا زمانہ آیا تو دینی رنگ میں ترقی کرنے سے اب بھی اگر وہ پہلا زمانہ دیکھنا چاہتے ہیں تو دین کی طرف توجہ کریں۔ ان لوگوں کی تقلید سچے مسلمانوں کے لیے کوئی نتیجہ نہیں دے سکتی۔ مسلمانوں میں جو آجکل مصلح بنتے ہیں وہ بجائے اس کے کہ اپنی حالت درست کریں، نماز روزہ کے احکام میں ترمیم کرنا چاہتے ہیں۔ اس میں قوم کی ترقی سمجھتے ہیں۔ خدا تعالیٰ تو دین کے ذریعہ ترقی چاہتا ہے اور یہ لوگ بے دین ہونے سے ترقی طلب کرتے ہیں۔ جس میں کبھی کامیابی نہیں ہوگی۔ اسلام ہی خدا کو واحد لاشریک مانتا ہے۔ اگر مسلمان بھی اس توحید سے الگ ہو گئے تو ان کے حق میں اچھا نہیں ہوگا۔

دوسری قوموں کی تقلید اُن کے لیے مبارک نہیں ہو سکتی۔ دوسروں کو اگر بے دینی سے کامیابی ہوتی بھی ہے تو یہ بطور ابتلاء ہے۔ ہر شخص سے خدا تعالیٰ کا معاملہ علیحدہ ہے۔ عیسائی قومیں ناپسند کریں۔ شراب خوری قمار بازی کریں تو یہ اُن کے لیے مفید ہو سکتے ہیں لیکن اگر مسلمان ایسے کام کریں تو ان پر ضرور عذاب نازل ہوگا۔ دیکھو ظاہری سلطنت کا بھی یہی قاعدہ ہے کہ اگر ملازم کسی شورش کے جلسہ میں شامل ہو تو اس کو عبرت ناک سزا دی جاتی ہے۔ پس اسی طرح جو کلمہ پڑھنے والے ہیں یہ خدا تعالیٰ کے خاص بندے ہیں۔ اگر یہ لوگ گستاخی کریں اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری نہ کریں تو ضرور گرفتار ہوں گے۔ یہ الہام جو ہم کو ہوا

"وہ وعدہ ٹلے گا نہیں جب تک خون کی ندیاں چاروں طرف سے بہہ نہ جائیں"

تو اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ اس کی توحید دُنیا سے گُم ہو۔ جب مسلمان ہی کُفر و شرک کو پسند کرنے لگیں تو پھر دوسری قوموں کا کیا گلہ ہو سکتا ہے۔ پہلے گھر صاف ہو تو پھر دوسرے لوگوں کی اصلاح ہو سکتی ہے تمام قوموں میں دہریت بڑھتی جاتی ہے۔ خدا تعالیٰ اپنی ہستی ثابت کرنا چاہتا ہے اور اوّل خویشاں بعد درویشاں کے مطابق ہمارا فرض ہے کہ پہلے اپنی قوم کی اصلاح کریں۔ جب مسلمانوں ہی میں ہزاروں گند ہوں تو دوسروں کو کیا کہا جا سکتا ہے۔ جہاد جہاد پکارتے ہیں۔ مگر میں کہتا ہوں کہ اگر ہمیں جہاد کرنے کا حکم ہوتا تو سب سے پہلے انہیں سے کیا جانا چاہیئے تھا۔ یہ عادت اللہ ہے کہ جس قوم کے اندر کتاب ہو پہلے اسے درست کیا جاتا ہے۔ پھر دوسری

قوموں کی طرف توجہ ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ موجود ہے۔ سب سے پہلے قریش کی اصلاح کی۔ پھر یہود و نصاریٰ کی طرف متوجہ ہوئے۔

مسلمانوں کے دو گروہ

مسلمانوں میں دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک جو پورا کلمہ بھی پڑھنا نہیں جانتے جن میں سے وہ بھی ہیں جن کی نسبت آریہ مشہور کرتے رہتے ہیں کہ ہم نے اتنے مسلمانوں کو آریہ کر لیا۔ پہاڑ میں ایسے آدمی ہم نے بہت دیکھے ہیں کہ جن کو اسلام کی کچھ خبر ہی نہیں۔ دوسرے وہ جو مہذب تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں۔ یہ اسلام کو کراہت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ نماز کے ارکان پر ہنسی ٹھٹھا کرتے ہیں اور کہتے ہیں یہ نماز روزہ وحشیانہ زمانے کی باتیں ہیں۔ یہ احکام آجکل کے زمانہ میں مناسب نہیں۔ پس ان دونو گروہوں کی اصلاح سب سے اوّل ضروری ہے۔ مگر ہم کیا اصلاح کر سکتے ہیں۔ جب تک آسمان ہی سے نہ ہو۔ جس کے کان سننے کے ہوں اسے ہم بخوشی سناتے ہیں۔ بعض ایسے ہیں کہ بیان کرو تو وہ سنیں گے ہی نہیں یا بات کو دوسری طرف لے جائیں گے۔ بے دینی کی ایک زہرناک ہوا چل رہی ہے جس نے کسی کو ہلاک کر دیا، کسی کو اندھا، کسی کو مست۔ وہ جو خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے والے ہیں۔ بہت تھوڑے رہ گئے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی ہستی ثابت کرنے کی بڑی ضرورت ہے۔ فرقے تو بہت ہو گئے تھے مگر دہریہ سب سے زیادہ ہیں عظمتِ الٰہی مطلق نہیں رہی۔ عظمت کیا ہو جبکہ خدا کے وجود پر ہی یقین نہیں رہا۔

آخری علاج

ہر نبی کے زمانہ میں کچھ نہ کچھ خونریزی ہوئی۔ مَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗٓ اَسْرٰی حَتّٰی یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ (الانفال: ۶۸) انسانوں کے ہاتھوں پر جو امور مقدر تھے وہ تو ختم ہو چکے۔ اب خدا تعالیٰ نے ایسے کل امور کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ یہ طاعون، زلزلے، طرح طرح کے امراض، مصائب سب خدا کی تلواریں ہیں۔ تعجب ہے کہ حادثے پر حادثے آتے ہیں مصیبت پر مصیبت آتی ہے مگر ہماری جماعت کے سوا دوسرا کوئی ان سے متاثر نہیں ہوتا۔ حالانکہ یہ سب بلائیں اس لیے ہیں کہ لوگوں کی غفلت دور ہو۔ وہ تضرّع اختیار کریں اور سمجھیں کہ خدا ہے۔ دیکھو ہر پہلو سے حادثے واقع ہو رہے ہیں اور ابھی کیا معلوم کہ آگے آگے کیا ہونے والا ہے۔ ہمارا مذہب تو یہ ہے کہ اب جو کچھ کرے گا خدا ہی کرے گا۔ جرّاحی آخری علاج ہے اور علاج تو سب ہو چکے۔ پس یہ آخری علاج ہے۔ اب یا بیمار مرے گا یا صحتیاب ہوگا۔ کئی لاکھ انسان مر چکا ہے مگر عملی حالت دکھاتی ہے کہ ابھی کچھ بھی نہیں ہوا۔ نیکی کی طرف سے بہت دور ہیں اور بدی کی جانب قریب ہیں۔ استغفار کرنا چاہیئے۔

آگے قاعدہ تھا کہ مسلمان بادشاہ عام طور پر وباؤں کے وقت انابت الی اللہ اور دعا و صدقہ و خیرات کی طرف توجہ دلاتے رہتے۔ اب یہ بھی نہیں بلکہ خدا کا نام لینا بھی خلافِ تہذیب سمجھا جاتا ہے۔

سُلطان المعظّم نے وزراء سے ایک امر کی نسبت مشورہ کیا اور اس کے متعلق تجویزیں پوچھیں۔ جب سب تجویزیں بیان ہو چکیں تو کہا کہ اَور تو سب کچھ کہا مگر یہ کسی نے نہ کہا کہ دُعا بھی کرو۔ آخر مسلمان کا بچہ تھا۔ کچھ نہ کچھ خدا پرستی تو تھی۔ سلطان المعظّم جمعہ کی نماز کو بھی جاتا ہے۔ فقراء سے بھی نیاز رکھتا ہے اس لیے اچھا ہے۔

اس زمانہ کی ضلالت

خدا تعالیٰ ابتداء زمانہ میں بولا کہ مَیں تیرا خدا ہوں۔ ایسا ہی اخیر زمانہ میں بھی اس نے فرمایا انا الموجود یاد رکھو کہ وہ ہادی ہے۔ اگر چھوڑ دے تو سب دہریہ بن جائیں۔ پس وہ اپنی ہستی کا ثبوت دیتا رہتا ہے اور یہ زمانہ تو بالخصوص اس بات کا محتاج ہے۔ جس چیز کی حکومت ہو اس کا اثر ظاہر ہو جاتا ہے۔ آجکل اگر صالح آدمی جس نے حق پا لیا ہے ضالّ پر اثر نہیں ڈال سکتا تو معلوم ہوا کہ ضلالت کی حکومت ابھی باقی ہے۔ جب ایسی ہوا چلتی ہے تو سب اس کے اثر سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ مومن اگرچہ بچا رہتا ہے مگر دوسروں پر اثر نہیں ڈال سکتا۔ ضلالت کے رُعب کا یہ حال ہے کہ بڑے بڑے تعلیم یافتہ ہیں۔ اُن سے مذہب کی نسبت کوئی کچھ نہیں کہتا کہ شاید یہ ناراض ہو جائیں یا مجھ سے ہنسی ٹھٹھا ہو۔

حق کا اعلان

مگر صحابہ کرام کی طرف دیکھنا چاہیئے کہ اسلام کی ضُعف کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام بادشاہوں کو خط لکھ دیا۔ اس وقت ایسا مہذبانہ زمانہ بھی نہیں تھا نہ یہ امن کی صورت۔ صحابہؓ نے ان خطوط کو پہنچایا اور برسرِ دربار اپنے عقائد کو کھول کر بیان کیا۔ ایک عیسائی بادشاہ[1] کو جب اسلام کا پیغام پہنچا اور اس نے صحابہؓ سے کلامِ الٰہی سُنا تو وہ بول اُٹھا یہ اس کا کلام معلوم ہوتا ہے جس نے توراتؔ نازل کی اور کہا اگر اس نبی کے پاس میں جا سکتا تو اس کے قدم چُومتا۔ پادریوں کو بُلا کر کہا۔ دیکھو اسلام کیسا عمدہ مذہب ہے کیا تم اسے پسند کرتے ہو؟ جب ان سے مخالفت محسوس کی تو کہدیا مَیں تو تمہیں آزماتا تھا۔ یہ کمزوری دُنیا کی حرص کا نتیجہ تھی۔ جس میں دُنیا پرستی نہیں وہ حق کہنے اور حق کا اعلان کرنے سے نہیں ڈرتے اور ان کی خدا مدد کرتا ہے۔

قولِ مُوَجّہ کی ضرورت

ہماری جماعت کے لیے نہایت ضروری ہے کہ ہر طبقہ کے انسانوں کو مناسبِ حال دعوت کرنے کا طریق سیکھے۔ بعض کو باتوں کا ایسا ڈھنگ ہوتا ہے کہ جو کچھ کہنا ہوتا ہے وہ کہہ لیتے ہیں اور اس سے ناراضی بھی پیدا نہیں ہوتی۔ بعض ظاہر میں خبیث معلوم ہوتے ہیں جن سے نا امیدی ہوتی ہے مگر وہ قبول کر لیتے ہیں اور بعض غریب طبع دکھائی دیتے ہیں اور ان پر بہت کچھ امید پیدا ہوتی ہے مگر وہ قبول نہیں کرتے اس لیے قولِ مُوَجّہ کی ضرورت ہے جس سے آخر کار فتح

---

[1] حضور کا اشارہ غالباً سلطان ٹرکی کی طرف ہے۔ (مرتب)

ہوتی ہے۔

دہلی میں سخت مخالفت ہوئی۔ آخر میں نے کہا کہ تیرہ سو برس وہ نسخہ (حیاتِ مسیح) آزمایا۔ اس کا نتیجہ دیکھا کہ کئی مُرتد ہوگئے۔ اب یہ نسخہ (وفاتِ مسیح) آزما دیکھو۔ دیکھو کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ ایک شخص بے اختیار اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور کہا حق وہی ہے جو آپ فرماتے ہیں۔ غرض قولِ موجّہ بڑی نعمت ہے۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے ؎

ایہو ہیگی کیمیا جو کوئی جانے بول

پیغامِ حق پہنچانے کا طریق

ہر ایک کو ایسی بات کرنی نہیں آتی۔ پس چاہیئے کہ جب کلام کرے تو سوچ کر اور مختصر کام کی بات کرے۔ بہت بحثیں کرنے سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ پس چھوٹا سا چٹکلہ کسی وقت چھوڑ دیا جو سیدھا کان کے اندر چلا جائے پھر کبھی اتفاق ہوا تو پھر سہی۔ غرض آہستہ آہستہ پیغام حق پہنچاتا رہے اور تھکے نہیں کیونکہ آجکل خدا کی محبت اور اس کے ساتھ تعلق کو لوگ دیوانگی سمجھتے ہیں۔ اگر صحابہؓ اس زمانہ میں ہوتے تو لوگ انہیں سودائی کہتے اور وہ انہیں کافر کہتے۔ دن رات بیہودہ باتوں اور طرح طرح کی غفلتوں اور دنیاوی فکروں سے دل سخت ہوجاتا ہے۔ بات کا اثر دیر سے ہوتا ہے۔ ایک شخص علیگڑھی غالباً تحصیلدار تھا۔ مَیں نے اُسے کچھ نصیحت کی۔ وہ مجھ سے ٹھٹھا کرنے لگا۔ میں نے دل میں کہا میں بھی تمہارا پیچھا نہیں چھوڑنے کا۔ آخر باتیں کرتے کرتے اس پر وہ وقت آگیا کہ وہ یا تو مجھ پر تمسخر کر رہا تھا یا چیخیں مار مار کر رونے لگا۔ بعض وقت سعید آدمی ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے شقی ہے۔

یاد رکھو۔ ہر قفل کے لیے ایک کلید ہے۔ بات کے لیے بھی ایک چابی ہے۔ وہ مناسب طرز ہے۔ جس طرح دواؤں کی نسبت میں نے ابھی کہا ہے کہ کوئی کسی کے لیے مفید اور کوئی کسی کے لیے مفید ہے۔ ایسے ہی ہر ایک بات ایک خاص پیرائے میں خاص شخص کے لیے مفید ہوسکتی ہے۔ یہ نہیں کہ سب سے یکساں بات کی جائے۔ بیان کرنے والے کو چاہیئے کہ کسی کے بُرا کہنے کو بُرا نہ منائے بلکہ اپنا کام کئے جائے اور تھکے نہیں۔ امراء کا مزاج بہت نازک ہوتا ہے اور وہ دُنیا سے غافل بھی ہوتے ہیں۔ بہت باتیں سُن بھی نہیں سکتے۔ انہیں کسی موقعہ پر کسی پیرائے میں نہایت نرمی سے نصیحت کرنا چاہیئے۔[1]

بلا تاریخ

عقیقہ کس دن کرنا چاہیئے

عقیقہ کی نسبت سوال ہوا کہ کس دن کرنا چاہیئے۔

فرمایا:۔

---

[1] بدر جلد ۷ نمبر ۶ صفحہ ۴۔۵ مورخہ ۱۳؍ فروری ۱۹۰۸ء

ساتویں دن۔ اگر نہ ہوسکے تو پھر جب خدا تعالیٰ توفیق دے۔ ایک روایت میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا عقیقہ چالیس سال کی عمر میں کیا تھا۔ ایسی روایات کو نیک ظن سے دیکھنا چاہیئے۔ جب تک قرآنِ مجید اور احادیثِ صحیحہ کے خلاف نہ ہوں۔

مسجد کے ستونوں کے درمیان نماز

پیل پایوں کے بیچ میں کھڑے ہونے کا ذکر آیا کہ بعض احباب ایسا کرتے ہیں۔

فرمایا:۔
اضطراری حالت میں تو سب جائز ہے۔ ایسی باتوں کا چنداں خیال نہیں کرنا چاہیئے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی رضامندی کے موافق خلوصِ دل کے ساتھ اس کی عبادت کی جائے ان باتوں کی طرف کوئی خیال نہیں کرتا۔[۱]

۲۶؍جنوری ۱۹۰۸ء

قربِ قیامت سے مراد

ایک شخص نے سوال کیا کہ حضور نے اپنی تقریر جلسہ ماہِ دسمبر میں فرمایا تھا کہ قیامت آنے والی ہے اور اس کا وقت قریب ہے۔ کیا اس سے یہ مُراد ہے کہ کچھ سالوں کی بات ہے؟

فرمایا کہ:۔
قرآن میں بھی ہے اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ (القمر: ۲) اور ایسی دیگر آیات۔ پس سمجھ سکتے ہو کہ قریب کے کیا معنے ہیں۔ قرب الساعۃ کے جو نشانات تھے وہ تو ظاہر ہو چکے جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ آخری زمانہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی ہولناک واقعہ پیش آتا تو فرماتے کہ قیامت آگئی۔

نشان وہ ہوتا ہے جو اپنی عظمت سے رُعب ڈال دے

ایک شخص کا سوال پیش ہوا کہ حضور کا الہام تھا تشائیں کو خوشیاں منائیں گے۔ سو ۲۷؍ماہ پوہ کو بارش ہوگئی اور لوگوں نے خوشیاں منائیں۔

فرمایا:۔

---

[۱] بدر جلد ۷ نمبر ۶ صفحہ ۱۰ مورخہ ۱۳؍فروری ۱۹۰۸ء

یہ تکلفات ہیں جو ہم نہیں چاہتے۔ خدا کا وہ نشان ہوتا ہے جو دل بول اُٹھیں بلکہ دشمن بھی کہدیں کہ یہ بات ہو گئی گو دشمن کا اقرار زبان سے محال ہے مگر تاہم نشان وہ ہوتا ہے جو اپنی عظمت سے رُعب ڈال دے۔

دُعا کی دو قسمیں

فرمایا:- جو خط آتا ہے میں اُسے پڑھ کر اس وقت تک ہاتھ سے نہیں دیتا جب تک دُعا نہ کر لوں کہ شاید موقعہ نہ ملے یا یاد نہ رہے۔ مگر دُعا دو قسم کی ہے جو اس کو جی میں داخل ہووے وہی خوب سمجھتا ہے۔ ایک معمولی۔ ایک شدت توجہ سے۔ اور یہ آخری صورت ہر دُعا میں میسّر نہیں آتی۔ سوز اور قلق کا پیدا ہونا اپنے اختیار میں نہیں۔ کوئی مخلص ہو تو اس کے لیے خود ہی دُعا کرنے کو جی چاہتا ہے۔ یُوں تو ہر ایک شخص جو ہماری جماعت میں داخل ہے اس کے لیے ہم دُعا کرتے ہیں مگر مذکورہ بالا حالت ہر ایک کے لیے میسّر نہیں آتی۔ یہ اختیاری بات نہیں۔ پس جسے جوش دلانا ہو وہ زیادہ قرب حاصل کرے۔

حقیقی دُعا

دُعا دو قسم ہے، ایک تو معمولی طور سے، دوم وہ جب انسان اُسے انتہاء تک پہنچا دیتا ہے پس یہی دُعا حقیقی معنوں میں دُعا کہلاتی ہے۔

انسان کو چاہیئے کہ کسی مشکل پڑنے کے بغیر بھی دُعا کرتا رہے۔ کیونکہ اسے کیا معلوم کہ خدا تعالیٰ کے کیا ارادے ہیں اور کل کیا ہونے والا ہے۔ پس پہلے سے دُعا کرو تا بچائے جاؤ۔ بعض وقت بلا اس طور پر آتی ہے کہ انسان دُعا کی مہلت ہی نہیں پاتا۔ پس پہلے اگر دُعا کر رکھی ہو تو اُس آڑے وقت میں کام آتی ہے۔

مَکْر کے معنے

فرمایا:- جب انسان مکر کرتا ہے تو اس کے ساتھ خدا تعالیٰ بھی مکر کرتا ہے۔ مکر کا مقابلہ مکر کرے جب ہی بات بنتی ہے۔ نادان مکر کے لفظ پر اعتراض کرتے ہیں۔ یہ زبان کی ناواقفیت کی وجہ سے ہے اس میں کوئی بُری بات نہیں۔ مَکْر اس باریک تدبیر کو کہتے ہیں جو خبیث آدمی کے دفع کے لیے کی جائے۔ اسی لیے خدا تعالیٰ نے اپنا نام خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ (آل عمران: ۵۵) رکھا۔

عذاب کا فلسفہ

جب لوگ حد سے زیادہ دُنیا میں دل لگاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ سے بے پروائی اختیار کرتے ہیں تو انہیں متنبہ کرنے کے لیے عذاب نازل ہوتا ہے۔ دیکھو طاعون کیسی تباہی ڈال رہی ہے۔ ایک کو دفن کر کے آتے ہیں تو دوسرا جنازہ تیار ہوتا ہے۔

یاد رکھو کہ بُت پرستی، انسان پرستی، مخلوق پرستی کی سزا آخرت میں ہے۔ مگر شوخیوں، بدمعاشیوں، ظلم و تعدّی

غفلت اور اہلِ حق کو ستانے اور دُکھ دینے کی سزا اسی دُنیا میں دی جاتی ہے۔ نوح کے وقت جو عذاب آیا اگر خدا تعالیٰ کے رسول کو نہ ستاتے تو وہ عذاب نہ آتا۔ یہ شوخی پر اس لیے عذاب آتا ہے کہ "ایک چور دوسرا چتر" دنیا دار المکافات نہیں۔ اس میں دست بدست سزا صرف اُسے ملتی ہے جو بدمعاشی کرے۔ جو شرافت کے ساتھ گناہ میں گرفتار ہو تو اس کی سزا آخرت میں ہے اور اب جو دُنیا میں عذاب آیا تو اسی لیے کہ دلیری، شوخی، شرارت حد سے بڑھ گئی ایسی کہ گویا خدا ہے ہی نہیں۔ طاعون نے اس قدر سخت بربادی کی مگر ابھی ان کے دلوں نے کچھ محسوس نہیں کیا۔ پوچھو تو ہنسی ٹھٹھے میں گذار دیتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں معمولی بیماری ہے گویا خدا کی قضاء و قدر سے منکر ہیں۔ بیشک یہ بیماری ہے۔ مگر انہی بیماریوں سے عذاب آیا کرتا ہے۔ یہودیوں پر جب یہ وبا پڑی تو خدا تعالیٰ نے اسے عذاب فرمایا یاد رکھو کہ جب خدا چاہتا ہے انہیں بیماریوں کو شدت و کثرت میں بڑھا کر ہلاک کر دیتا ہے۔ ان لوگوں کی بے یقینی کی یہ علامت ہے کہ عذاب کو عذاب نہیں سمجھتے۔ خدا تعالیٰ رحیم ہے۔ سزا دینے میں دھیما ہے مگر یہ لوگ یاد رکھیں کہ جب تک وہ وقت نہ آئے گا کہ پکار اُٹھیں "اب ہم سمجھے" یہ عذاب ہٹنے کا نہیں۔ اس کا علاج وہی ہے جو ہم بارہا دفعہ بتا چکے ہیں یعنی تضرع و انابت الی اللہ [1]

۳؍ فروری ۱۹۰۸ء

مومن پر ابتلاء نہ آنا سنت اللہ کے خلاف ہے

خدا تعالیٰ کے مامور پر ایمان لانے کے ساتھ ابتلاء ضروری ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ (العنکبوت: ۳) کیا لوگوں نے سمجھا کہ چھوڑے جائیں گے یہ کہنے پر کہ ہم ایمان لائے اور آزمائے نہ جائیں گے۔ گویا ایمان کی شرط ہے آزمایا جانا۔ صحابہ کرام کیسے آزمائے گئے۔ ان کی قوم نے طرح طرح کے عذاب دیئے اُن کے اموال پر بھی ابتلاء آئے۔ جانوں پر بھی، خویش و اقارب پر بھی۔ اگر ایمان لانے کے بعد آسائش کی زندگی آجاوے تو اندیشہ کرنا چاہیئے کہ میرا ایمان صحیح نہیں کیونکہ یہ سُنّت اللہ کے خلاف ہے کہ مومن پر ابتلاء نہ آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی نہیں ہو سکتا۔ وہ جب اپنی رسالت پر ایمان لائے تو اسی وقت سے مصائب کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ عزیزوں سے جُدا ہوئے۔ میل ملاپ بند کیا گیا۔ ملک سے نکالے گئے۔ دشمنوں نے زہر تک دے دیا۔ تلواروں کے سامنے زخم

---

[1] بدر جلد ۷ نمبر ۷ صفحہ ۳ مورخہ ۲۰؍ فروری ۱۹۰۸ء

کھائے۔ اخیر عمر تک یہی حال رہا پس جب ہمارے مقتداء و پیشوا کے ساتھ ایسا ہوا تو پھر اس پر ایمان لانے والے کون ہیں جو بچے رہیں۔ ایسے ابتلاء جب آویں تو مردانہ طریق سے ان کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔

ابتلاء اسی واسطے آتے ہیں کہ صادق جُدا ہو جائے اور کاذب جُدا۔ خدا رحیم ہے مگر وہ غنی اور بے نیاز بھی ہے۔ جب انسان اپنے ایمان کو استقامت کے ساتھ مدد نہ دے۔ تو خدا تعالیٰ کی مدد بھی منقطع ہو جاتی ہے۔ بعض آدمی صرف اتنی سی بات سے دہریہ ہو جاتے ہیں کہ ان کا لڑکا مر گیا یا بیوی مر گئی یا رزق کی تنگی ہو گئی حالانکہ یہ ایک ابتلاء تھا جس میں پُورا نکلتے تو انہیں اس سے بڑھ کر دیا جاتا اور رزق کی تنگی سے پراگندہ دل ہونا مومن کا کام متقی کا شیوہ نہیں یہ جو ؂

پراگندہ روزی پراگندہ دل

کہتے ہیں۔ اس کے یہ معنے ہیں کہ جو پراگندہ دل ہو وہ پراگندہ روزی رہتا ہے۔ اور اوّل تو صادقوں کے سوانح دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے خود اپنے تئیں پراگندہ روزی بنالیا۔ کیونکہ حضرت ابوبکرؓ تاجر تھے۔ بڑے معزز، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاکر سب کو دشمن بنالیا۔ کاروبار میں بھی فرق آگیا یہاں تک کہ اپنے شہر سے بھی نکلے۔ یہ بات خوب یاد رکھو کہ سچا تقویٰ ایسی چیز ہے جس سے تمام مشکلات حل ہو جاتی ہیں اور کُل پراگندگیوں سے نجات ملتی ہے۔ جھُوٹے ہیں وہ لوگ جو خدا تعالیٰ پر تہمتیں دیتے ہیں۔ تمام انبیاء و راستبازوں کی گواہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ رحیم و کریم کوئی نہیں۔ انسان جو حد سے زیادہ تنگ ہو جاتا ہے تو اس کی اپنی ہی غلطی کا نتیجہ ہے۔ توکّل میں کمی ہوتی ہے۔ صدقِ قدم نہیں ہوتا۔ صحیح طور سے مومن معلوم کرنا مشکل ہے انسان کہہ سکتا ہے مَیں صالح ہوں، زاہد ہوں مگر خدا کے نزدیک وہ بدکار ہوتا ہے۔ ایسے ہی بعض ایسے بندے بھی ہیں جو لوگوں میں بُرے سمجھے جاتے ہیں مگر خدا تعالیٰ کے نزدیک وہی صالح ہیں۔ دیکھو ابوجہل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت بُرا سمجھا مگر اللہ کے نزدیک آپ سرورِ کائنات تھے۔ ابوجہل کو آپؐ کے بُرے ہونے پر یقین تھا کہ اُس نے مباہلہ تک کرلیا اور کہا۔ اَللّٰھُمَّ مَنْ کَانَ اَفْسَدُ لِلْقَوْمِ وَ اَقْطَعُ لِلرَّحِمِ فَاَھْلِکْہُ الْیَوْمَ معلوم ہوتا ہے اسے پکا یقین تھا جبھی تو یہ کلمات کہے۔ مگر اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ کہ خدا تعالیٰ نے فعلی رنگ میں ظاہر کر دیا کہ صادق اور پاکباز کون ہے اور کاذب اور بدکار کون۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْۤ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ (الملک: ۱۱) علمِ صحیح اور عقلِ سلیم یہ بھی خوش قسمتی کی نشانیاں ہیں۔ جس میں شقاوت ہو اس کی مَت ماری جاتی ہے وہ نیک کو بد اور بد کو نیک سمجھتا ہے[1]

---

[1] بدر جلد ۷ نمبر ۷ صفحہ ۳-۴ مورخہ ۲۰، فروری ۱۹۰۸ء

بلا تاریخ[1]

امرِ حق کے پہنچانے میں کسی قسم کا اخفا نہیں رکھنا چاہیئے

ایک مخلص بھائی نے اپنا قصہ سُنایا کہ ایک نواب ریاست نے جو شیعہ ہے اُن سے آپ کے بارے میں چند سوال کئے اور انکے میں نے یہ جواب دیئے۔

مرزا صاحب کا آلِ نبیؐ کے بارے میں کیا عقیدہ ہے۔ ہم سُنتے ہیں کہ وہ ان کی توہین کرتے ہیں؟

انہوں نے جواب دیا کہ ان کا ایک شعر ہے ؎

جان و دلم فدائے جمالِ محمدؐ است
خاکم نثار کوچۂ آل محمدؐ است

دوم یہ کہ یزید کے بارے میں ان کی کیا رائے ہے۔ انہوں نے یہ شعر پڑھا۔

؎ ہر طرف کُفر است جوشاں ہمچو افواجِ یزید
دین حق بیمار و بیکس ہمچو زین العابدین

جب اس طرح کوئی اعتراض کا موقعہ نہ پایا تو پوچھا کہ تم ان کے نہ ماننے والوں کو کیا سمجھتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ جو مہدی موعود کے مخالفین کو سمجھنا چاہیئے اور جو کچھ اہلِ سُنت و شیعہ سمجھتے ہیں۔

پوچھا کہ رسالت کے مدعی ہیں؟

انہوں نے کہا کہ ان کا ایک شعر ہے ؎

من نیستم رسول و نیاوردہ اَم کتاب
ہاں ملہم استم و ز خداوند منذرم

اس پر دوسرے روز فرمایا کہ

اس کی تشریح کر دینا تھا کہ ایسا رسول ہونے سے انکار کیا گیا ہے جو صاحبِ کتاب ہو۔ دیکھو جو امور سماوی ہوتے ہیں ان کے بیان کرنے میں ڈرنا نہیں چاہیئے اور کسی قسم کا خوف کرنا اہلِ حق کا قاعدہ نہیں۔ صحابہ کرام کے طرزِ عمل پر نظر کرو۔ وہ بادشاہوں کے درباروں میں گئے اور جو کچھ ان کا عقیدہ تھا وہ صاف صاف کہہ دیا۔ اور حق کہنے سے ذرا نہیں جھجکے۔ جبھی تو لَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ (المائدۃ: ۵۵) کے مصداق ہوئے۔

٭ ٭ ٭

---

[1] یہ ۱۹۰۱ء کا واقعہ ہے اور اسی پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "ایک غلطی کا ازالہ" لکھا تھا۔ (مرتب)

مسیح موعود علیہ السلام کا دعویٰ نبوت

ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم نبی اور رسول ہیں۔اصل میں یہ نزاعِ لفظی ہے۔خدا تعالیٰ جس کے ساتھ ایسا مکالمہ مخاطبہ کرے کہ جو بلحاظ کمیت وکیفیت دوسروں سے بڑھ کر ہو اور اس میں پیشگوئیاں بھی کثرت سے ہوں اسے نبی کہتے ہیں اور یہ تعریف ہم پر صادق آتی ہے پس ہم نبی ہیں۔ہاں یہ نبوت تشریعی نہیں جو کتاب اللہ کو منسوخ کرے اور نئی کتاب لائے۔ایسے دعویٰ کو تو ہم کفر سمجھتے ہیں۔بنی اسرائیل میں کئی ایسے نبی ہوئے ہیں جن پر کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی۔صرف خدا کی طرف سے پیشگوئیاں کرتے تھے جن سے موسوی دین کی شوکت وصداقت کا اظہار ہوتا۔پس وہ نبی کہلائے۔یہی حال اس سلسلہ میں ہے۔بھلا اگر ہم نبی نہ کہلائیں تو اس کے لیے اور کونسا امتیازی لفظ ہے جو دوسرے ملہموں سے ممتاز کرے۔

دیکھو اور لوگوں کو بھی بعض اوقات سچے خواب آجاتے ہیں بلکہ بعض دفعہ کوئی کلمہ بھی زبان پر جاری ہوجاتا ہے جو سچ نکل آتا ہے۔یہ اس لیے تا اُن پر حجت پوری ہو اور وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہم کو یہ حواس نہ دیئے گئے۔پس ہم سمجھ نہیں سکتے کہ یہ کس بات کا دعویٰ کرتے ہیں۔آپ کو سمجھانا تو یہ چاہیئے تھا کہ وہ کس قسم کی نبوت کے مدعی ہیں۔

ہمارا مذہب تو یہ ہے کہ جس دین میں نبوت کا سلسلہ نہ ہو وہ مُردہ ہے۔یہودیوں،عیسائیوں،ہندوؤں کے دین کو جو ہم مُردہ کہتے ہیں تو اسی لیے کہ اُن میں اب کوئی نبی نہیں ہوتا۔اگر اسلام کا بھی یہی حال ہوتا تو پھر ہم بھی قصّہ گو ٹھہرے۔کس لیے اس کو دوسرے دینوں سے بڑھ کر کہتے ہیں۔آخر کوئی امتیاز بھی ہونا چاہیئے۔صرف سچے خوابوں کا آنا تو کافی نہیں کہ یہ تو چوہڑے چماروں کو بھی آجاتے ہیں۔مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ ہونا چاہیئے اور وہ بھی ایسا کہ جس میں پیشگوئیاں ہوں اور بلحاظ کمیت وکیفیت کے بڑھ چڑھ کر ہو۔ایک مصرعہ سے تو شاعر نہیں ہوسکتے۔اسی طرح معمولی ایک دو خوابوں یا الہاموں سے کوئی مدعی رسالت ہو تو وہ جھُوٹا ہے۔ہم پر کئی سالوں سے وحی نازل ہو رہی ہے اور اللہ تعالیٰ کے کئی نشان اس کے صدق کی گواہی دے چکے ہیں۔اسی لیے ہم نبی ہیں۔امرِحق کے پہنچانے میں کسی قسم کا اخفاء نہ رکھنا چاہیئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی

فرمایا:-

آریہ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پوتر نہیں تھی۔یہ ان لوگوں کی سخت غلطی ہے کیونکہ پاک ناپاک ہونا بہت کچھ دل سے تعلق رکھتا ہے اور اس کا حال سوائے اللہ کے اور کسی کو معلوم نہیں۔پس پاک وہ ہے جس کے پاک ہونے پر خدا گواہی دے۔دیکھو ابوجہل نے مباہلہ کیا تھا کہ جو ہم میں اَفْسَدُ لِلْقَوْمِ اور اَقْطَعُ لِلرَّحِمِ ہے اسے ہلاک کر۔وہ اسی روز ہلاک ہوگیا۔ایسا

ہی خسرو پرویز۔ وہ تو خدا کی بات ہے۔ خود اس کے گھر میں ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک غلام سے مباہلہ کیا۔ مدت مقررہ کے اندر مر کر گواہی دے گیا۔

اسلام کی فتح

پھر اسی آریہ نے لکھا ہے کہ الہامی کتاب وہ ہے جس سے اللہ کے اعلیٰ درجہ کے اخلاق ظاہر ہوں۔

فرمایا:۔

یہ سچ ہے اور اس میں بھی اسلام ہی کی فتح ہے۔ یہ آریہ اللہ کے رحیم و غفور ہونے کے قائل نہیں۔ حالانکہ ان میں سے کوئی مقدمہ میں پھنس جائے تو یہ دل سے چاہتا ہے کہ خواہ میں نے قصور کیا ہے مجھے حاکم بخش دے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی فطرت چاہتی ہے کہ اس کا حاکم غفور رحیم ہو۔ پھر باوجود اس کے اللہ کی اس صفت سے انکار ایک ہٹ دھرمی ہے۔[۱]

۱۰ر فروری ۱۹۰۸ء

بوقت ظہر

شیعوں کا مبالغہ

فرمایا:۔

شیعوں نے مبالغہ کی حد کر دی۔ ایک شیعہ اپنی کتاب میں لکھتا ہے۔ تمام انبیاء حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی امام حسینؓ کی شفاعت کے محتاج ہیں۔ پھر کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ پر وحی آئی تھی مگر جبرئیل بھول گیا۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج کو گئے تو آگے علیؓ موجود تھے اور ایک شخص حضرت علیؓ کو خدا کہتا ہے تو کہا کہ اچھا لاکھوں کروڑوں بندے خدا کے اور ایک بندہ تو میرا ہی سہی۔ گویا حضرت علیؓ کو خدا بنا دیا ہے۔ تعجب ہے کہ علی آسمان پر تو خدا ہے مگر زمین پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف ایک صحابی ہے جو معمولی خلافت کو بھی نہ سنبھال سکا۔ معلوم نہیں کہ لوگ شیعہ (مذہب) میں کونسا اسلام پاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کل صحابہؓ کو سوائے دو چار کے یہ مرتد کہتے ہیں۔ اُمہات المومنین پر سخت اعتراض کرتے ہیں۔ قرآن کو بیاض عثمانی قرار دیتے ہیں۔ جس قوم کے پاس کتاب اللہ نہیں اس کا مذہب ہی کیا ہوا۔ کیا گالیاں دینا اور گھر بیٹھ کر دوسروں پر اور مرے ہوؤں پر تبرے بھیجتے رہنا یہ بھی کوئی مذہب ہے؟

---

[۱] بدر جلد ۷ نمبر ۹ صفحہ ۲ مورخہ ۵ مارچ ۱۹۰۸ء و الحکم جلد ۱۲ نمبر ۱۷ صفحہ ۵ مورخہ ۶ مارچ ۱۹۰۸ء

پھر تقیہ جس سے بُری بات کوئی نہیں ہوسکتی یعنی جس سے دب گئے یا جہاں کوئی اپنا مطلب جاتا دیکھا وہاں اپنے عقیدہ سے انکار کر دیا۔

پھر بتائیں کہ ان کی کوئی عمدہ تفسیر بھی ہے جس سے معلوم ہو کہ یہ لوگ کلام الٰہیہ کے واقف ہیں۔ ہم نے تو جو تفسیر دیکھی ان میں ہر ایک آیت کے یہی معنے دیکھے کہ یہ علی کے حق میں ہے۔ مقطعات میں بھی یہی خبط رہا ہے۔ کٓھٰیٰعٓصٓ۔ ک سے مراد کربلا ہے۔ پھر توحید جو مذہب اسلام کی رُوح ہے۔ اس کا یہ حال کہ آریہ باوجود سخت معاندِ اسلام ہونے کے ان سے اچھے ہیں جو ہزارہا بُتوں کی پرستش سے نفرت رکھتے ہیں اور ان لوگوں نے بُت پرستی کو از سرِ نو جاری کر دیا۔ اجی کوئی پتھر پرست یا درخت پرست یا انسان پرست ہو۔ ایک ہی بات ہے۔

یہ امام حسینؓ کے فضائل بیشک بیان کریں ہم منع نہیں کرتے اور جس حد تک انبیاء کرام کی تکذیب لازم نہ آئے اور راستبازوں کی ہتک نہ ہو ہم ماننے کو تیار ہیں مگر یہ تو نہیں کہ انہیں خدا بنا لیں۔ اگر واقعی ان کو امام حسینؓ سے محبت ہے تو ان کی پیروی کریں جس سے انسان کو محبت ہو وہ اس کے رنگ سے رنگین ہونا چاہتا ہے اور اُس کے سے کام کرنا اپنا دین و ایمان سمجھتا ہے۔ اتنے پیغمبر گذرے ہیں کیا کبھی کسی نے کہا ہے کہ میری بندگی کرو؟ اصل بات تو یہ ہے کہ دُور دُور سے گمراہوں کا جو اسلام میں ہو کر اس درجہ تک پہنچے ہدایت پانا نسبتاً مشکل ہے۔ امام حسینؓ کو میں نے دو مرتبہ دیکھا کہ دُور سے ایک شخص چلا آرہا ہے اور میری زبان سے یہ لفظ نکلا۔

ابو عبداللہ حسین

پھر دوبارہ دیکھا۔

آدابِ مجلس

ہمارا مذہب تو یہ ہے اور یہی مومن کا طریق ہونا چاہیئے کہ بات کرے تو پُوری کرے۔ ورنہ چُپ رہے۔ جب دیکھو کہ کسی مجلس میں اللہ اور اس کے رسُول پر ہنسی ٹھٹھا ہو رہا ہے تو یا تو وہاں سے چلے جاؤ تاکہ ان میں سے نہ گنے جاؤ اور یا پھر پورا پورا کھول کر جواب دو۔ دو باتیں ہیں یا جواب یا چپ رہنا۔ یہ تیسرا طریق نفاق ہے کہ مجلس میں بیٹھے رہنا اور ہاں میں ہاں ملائے جانا۔ دبی زبان سے اِخفاء کے ساتھ اپنے عقیدہ کا اظہار کرنا۔[1]

---

[1] بدر جلد ۷ نمبر ۱۰ صفحہ ۴ مورخہ ۱۲ مارچ ۱۹۰۸ء

۲۵؍فروری ۱۹۰۸ء

قبل نمازِ عصر

والدین کی فرمانبرداری بجا لیکن خدا تعالیٰ کا حق مقدم ہے

ایک شخص نے سوال کیا کہ

یا حضرت! والدین کی خدمت اور ان کی فرمانبرداری اللہ تعالیٰ نے انسان پر فرض کی ہے مگر میرے والدین حضور کے سلسلہ بیعت میں داخل ہونے کی وجہ سے مجھ سے سخت بیزار ہیں اور میری شکل تک دیکھنا پسند نہیں کرتے۔ چنانچہ جب میں حضور کی بیعت کے واسطے آنے کو تھا تو انہوں نے مجھے کہا کہ ہم سے خط و کتابت بھی نہ کرنا اور اب ہم تمہاری شکل بھی دیکھنا پسند نہیں کرتے اب میں اس فرضِ الٰہی کی تعمیل سے کس طرح سبکدوش ہو سکتا ہوں۔

فرمایا کہ:۔

قرآنِ شریف جہاں والدین کی فرمانبرداری اور خدمت گذاری کا حکم دیتا ہے وہاں یہ بھی فرماتا ہے کہ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِیْ نُفُوْسِكُمْ اِنْ تَكُوْنُوْا صَالِحِیْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِیْنَ غَفُوْرًا (بنی اسرائیل: ۲۶) اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اگر تم صالح ہو تو وہ اپنی طرف جھکنے والوں کے واسطے غفور ہے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی بعض ایسے مشکلات پیش آگئے تھے کہ دینی مجبوریوں کی وجہ سے ان کی ان کے والدین سے نزاع ہو گئی تھی۔ بہر حال تم اپنی طرف سے ان کی خیریت اور خبر گیری کے واسطے ہر وقت تیار رہو۔ جب کوئی موقعہ ملے اسے ہاتھ سے نہ دو۔ تمہاری نیت کا ثواب تم کو مل کے رہے گا۔ اگر محض دین کی وجہ سے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کو مقدم کرنے کے واسطے والدین سے الگ ہونا پڑا ہے تو یہ ایک مجبوری ہے۔ اصلاح کو مدِ نظر رکھو اور نیت کی صحت کا لحاظ رکھو اور ان کے حق میں دعا کرتے رہو۔ یہ معاملہ کوئی آج نیا نہیں پیش آیا حضرت ابراہیم کو بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا تھا۔ بہر حال خدا کا حق مقدم ہے۔ پس خدا تعالیٰ کو مقدم کرو اور اپنی طرف سے والدین کے حقوق ادا کرنے کی کوشش میں لگے رہو اور اُن کے حق میں دُعا کرتے رہو اور صحتِ نیت کا خیال رکھو[1]

⊠⊠⊠⊠⊠⊠⊠⊠⊠⊠

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۱۶ صفحہ ۴ مورخہ ۲۹؍فروری ۱۹۰۸ء

۲۶ فروری ۱۹۰۸ء

بوقتِ سیر

ہمارے دعویٰ کے دو پہلو

مسیح کی وفات اور ان کی آمدِ ثانی

فرمایا کہ:۔

اصل میں ہمارے دعویٰ کے دو پہلو ہیں۔ ایک تو حضرت عیسیٰ کی وفات، دوسرا ان کی آمدِ ثانی۔ وفات کے متعلق تو ہم ہزاروں بار بیان کر چکے ہیں کہ قرآن شریف میں خود مسیح کا اقرار لکھا ہے۔ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ (المائدۃ: ۱۱۸) یہ عجیب نکتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بیان کو قیامت کے دن کے لیے خاص کر دیا ہے۔ اس سے تو صاف ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ وفات پا چکے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوال کے جواب میں کہ کیا ایسے مشرکانہ خیالات اور عقائد تم نے ان لوگوں کو بتائے ہیں۔ حضرت مسیح صاف انکار کرتے ہیں اور کانوں پر ہاتھ رکھتے ہیں کہ یا الٰہی! میں نے تو ان کو توحید کی تعلیم دی تھی۔ یہ مشرکانہ تعلیم میری وفات کے بعد انہوں نے اختیار کی ہے۔ میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ چاہے تو ان کو عذاب دے اور چاہے تو ان کو بخش دے تیرے بندے ہیں۔ اب صاف بات ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ دوبارہ دُنیا میں آئے ہوتے اور عیسائیوں کے ایسے فاسد عقائد کی اصلاح کی ہوتی تو بڑے زور سے عرض کرتے کہ یا اللہ! میں نے بڑے بڑے جنگ کئے ہیں اور بہت مشکلات اُٹھا کر ان کے مشرکانہ خیالات اور عقائد کی جگہ دوبارہ تیری توحید ان میں قائم کی ہے۔ میں تو بڑے انعامات کا مستحق ہوں چہ جائیکہ مجھ سے ایسا سوال کیا جاتا۔ غرض خود ان کے اس بیان سے ظاہر ہے کہ وفات پا چکے اور دوبارہ دُنیا میں نہیں آئیں گے۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو معراج کی رات مُردوں میں دیکھا۔ بھلا زندوں کو مُردوں سے کیا تعلق! اگر مسیح زندہ تھے تو پھر مُردوں میں کیوں جا شامل ہوئے؟

اس کے سوا سینکڑوں مقامات قرآنِ شریف میں ہیں جن سے ان کی وفات ثابت ہے۔

عجیب بات ہے کہ یہی تَوَفِّي کا لفظ ہے جب اَوروں کے واسطے آوے تو اس کے معنے موت کے کئے جاتے ہیں اور جب حضرت عیسیٰ کے واسطے آوے تو کچھ اَور کئے جاتے ہیں۔ نہ معلوم یہ خصوصیت حضرت عیسیٰؑ کو کیوں دی جاتی ہے۔ دیکھو حضرت یُوسفؑ کی دُعا ہے تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ (یوسف: ۱۰۲)

علاوہ ازیں اور بیسیوں جگہ تَوَفِّیْ کا لفظ موت ہی کے معنوں میں وارد ہوا ہے۔ کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ توفی فعل کا فاعل اللہ ہو اور مفعول ذی رُوح چیز ہو تو معنے بجز موت کوئی اور ہو سکتے ہیں۔

مسیح کے احیاءِ موتیٰ کی حقیقت

ان کے مُردے زندہ کرنے کے معجزے کو بھی خواہ مخواہ خصوصیت دی گئی ہے۔ تعجب آتا ہے ان مولویوں پر کہ حضرت عیسیٰ کے واسطے احیاء موتیٰ کا لفظ آوے تو حقیقی مُردے زندہ ہو جاویں جو سنت اللہ اور قرآنِ مجید کے خلاف ہیں۔ مگر جب وہی لفظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے آتے ہیں تو اس سے مراد رُوحانی مُردے بن جاتے ہیں۔

انجیل میں لکھا ہے کہ جتنے مُردے قبروں میں تھے سب زندہ ہو کر شہروں میں آ گئے اس کثرت سے آپ نے مُردے زندہ کئے۔ بھلا ان سے کوئی سوال تو کرے کہ ہزاروں مُردے زندہ ہو کر شہروں میں آ گئے ان کا گذر کیسے ہوا؟ اور دوسرا یہ کہ باوجود اتنا بڑا معجزہ دیکھنے کے پھر وہ لوگ ایمان کیوں نہ لائے؟ ان کو کوئی سمجھاتا کہ انہوں نے ہی دُعا کی اور تم زندہ ہوئے اب ان پر ایمان لے آؤ۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنا بڑا معجزہ نہ اُن مُردوں کے واسطے مفید ہوا نہ ان کے رشتہ داروں کے واسطے جنہوں نے ان مُردوں کو بچشم خود زندہ ہوتے قبروں میں سے نکل کر شہروں میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔

اصل بات یہ ہے کہ علم تعبیر رؤیا میں لکھا ہے کہ جب کوئی دیکھے کہ مُردے قبروں میں سے زندہ ہو کر شہروں میں آ گئے ہیں تو اس کی تعبیر یہ ہوتی ہے کہ اس وقت کے نیک طبع لوگ قید سے رہائی پا جائیں گے۔ اس وقت چونکہ خود حضرت مسیح قید میں تھے تو ممکن ہے کہ انہوں نے خود یا کسی اور نے یہ رؤیا یا مکاشفہ دیکھا مگر بعد میں وہ مکاشفہ یا رؤیا تو ترک کر دیا گیا اور اصل مطلب لے لیا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بھی مُردے زندہ کرنے کے متعلق کئی روایات تھیں مگر معتبر کتب احادیث میں ان کا ذکر نہیں کیا گیا۔ دیکھو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے بڑے مشکلات جھیل کر قریب ایک لاکھ کے حدیث جمع کی۔ مگر آخر ان میں سے صرف چالیس ہزار رکھیں باقی متروک کر دیں۔ ہمارے مسلمان اس بارے میں بڑے محقق گذرے ہیں۔

مسئلہ خلقِ طیور

اسی طرح حضرت عیسیٰ کا خلقِ طیور کا مسئلہ ہے۔ ہم معجزات کے منکر نہیں بلکہ قائل ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کا خلقِ طیور کا مسئلہ بعینہٖ موسیٰ علیہ السلام کے سونٹے والی بات ہے دشمنوں کے مقابلہ کے وقت وہ اگر سانپ بن گیا تھا تو دوسرے وقت میں وہی سونٹے کا سونٹا تھا نہ یہ کہ وہ کہیں سانپوں کے گروہ میں چلا گیا تھا۔ پس اسی طرح حضرت عیسیٰ کے وہ طیور بھی آخر مٹی کے مٹی ہی تھے۔ بلکہ حضرت موسیٰ کا سونٹا تو چونکہ مقابلہ میں آ گیا تھا اور وہ مقابلہ میں غالب ثابت ہوا تھا اس واسطے حضرت عیسیٰؑ کے طیور سے بہت بڑھا ہوا

ہے کیونکہ وہ طیور تو نہ کسی مقابلہ میں آسئے اور نہ اُن کا غلبہ ثابت ہوا۔

غرض ایک حصہ تو ہمارے دعاوی کا حضرت عیسٰیؑ کی وفات ثابت کرنے کے متعلق ہے جس کو ہم نے ہر طرح سے عقل سے، نقل سے، اقوالِ ائمہ سے غرض ہر پہلو سے بیسیوں کتابیں تالیف کرکے ثابت کر دیا ہے۔

مسیح کی آمدِ ثانی

دوسرا حصہ آمدِ ثانی کے متعلق ہے۔ سو وہ اللہ تعالیٰ نے خود آسمانی نشانات اور تائیداتِ سماوی کے ذریعہ سے اور آئے دن ہماری ترقی اور دشمنوں کا تنزل کرکے ظاہر کر دیا ہے۔ ایک طوفان اور دریا کی لہریں تائید اور نصرت کی خدا تعالیٰ کی طرف سے آ رہی ہیں۔ ان کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ تازہ نشانات اور قبل از وقت زبردست کثیر پیشگوئیاں دلوں پر اثر ڈالتی ہیں۔ اور انہیں سے ترقی ہوتی۔ ان ملانوں کے پُرانے رطب و یابس جو ان کے پاس قصے کہانیوں کے رنگ میں ہیں ان سے کیا ترقی ہو سکتی ہے بلکہ تنزل کے اسباب ہیں۔

تعجب ہے کہ یہ لوگ منبروں پر چڑھ کر رو یا کرتے تھے کہ یہ تیرھویں صدی سخت منحوس ہے۔ چودھویں صدی انعامات و برکات کا موجب ہوگی اور امام مہدی اور مسیح موعود اس صدی میں آوے گا۔ صدیق حسن خاں نے کئی اولیاء اللہ کی روایات سے اپنی کتاب میں ثابت کیا ہے کہ سب کا اتفاق تھا کہ مسیح آنے والا چودھویں صدی میں آوے گا مگر خدا جانے اب لوگوں کو کیا ہو گیا۔

زبانی بیعت کی کچھ بھی حقیقت نہیں

خیر اصل بات یہ ہے کہ انسان کو اپنی صفائی کرنی چاہیئے۔ صرف زبان سے کہہ دینا کہ مَیں نے بیعت کر لی ہے کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا جب تک عملی طور سے کچھ کرکے نہ دکھلایا جاوے۔ صرف زبان کچھ نہیں بنا سکتی۔ قرآنِ شریف میں آیا ہے کہ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۔ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (الصف: ۳،۴) یہ وقت ہے کہ سابقوں میں داخل ہو جاؤ یعنی ہر نیکی کے کرنے میں سبقت لے جاؤ۔ اعمال ہی کام آتے ہیں۔ زبانی لاف و گزاف کسی کام کی نہیں۔ دیکھو حضرت فاطمہؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ فاطمہ اپنی جان کا خود فکر کر لے مَیں تیرے کسی کام نہیں آ سکتا۔ بھلا خدا کا کسی سے رشتہ تو نہیں۔ وہاں یہ نہیں پوچھا جاوے گا کہ تیرا باپ کون ہے بلکہ اعمال کی پرسش ہوگی۔

انسان میں کئی قسم کے گناہ، کسل، کبر، سستیاں اور باریک در باریک گناہ ہوتے ہیں ان سب سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ شریف میں نفسِ انسانی کے تین مرتبے بیان فرمائے ہیں۔ امّارہ۔ لوّامہ۔ مطمئنہ۔ نفسِ امّارہ تو ہر وقت انسانوں کو گناہ اور نافرمانی کی طرف کھینچتا رہتا ہے اور بہت خطرناک ہے۔ لوّامہ وہ ہے کہ کبھی کوئی بدی ہو جاوے تو ملامت کرتا ہے۔ مگر یہ بھی قابلِ اطمینان نہیں ہے۔ قابلِ اطمینان

صرف نفس کی وہ حالت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے نفسِ مطمئنہ کے نام سے پکارا ہے اور وہی اچھا ہے۔ وہ اس حالت کا نام ہے کہ جب انسان خدا کے ساتھ ٹھہر جاتا ہے۔ اسی حالت میں آ کر انسان گناہ کی آلائش سے پاک کیا جاتا ہے۔ یہی ایک گناہ سوز حالت ہے اور اسی درجہ کے انسانوں کے ساتھ برکات کے وعدے ہوئے ہیں۔ ملائکہ کا نزول ان پر ہوتا ہے اور حقیقی نیکی اور پاکی صرف انہیں کا حصہ ہوتی ہے۔

صرف زبان کا اقرار تو خدا تعالیٰ کے نزدیک کچھ چیز ہی نہیں۔ ہم نے اکثر ہندو دیکھے ہیں کہ خیانت کرتے ہیں۔ کم تولتے ہیں۔ جھوٹ بولتے ہیں۔ دنیا کی محبت میں مَرے جاتے ہیں۔ مگر زبان سے دوسری طرف یہ بھی کہے جاتے ہیں کہ اجی صاحب دُنیا فانی ہے ناپائیدار ہے۔

میری حقیقی جماعت بنو

پس تم ایسے ہو جاؤ کہ خدا تعالیٰ کے ارادے تمہارے ارادے ہو جاویں اسی کی رضا میں رضا ہو۔ اپنا کچھ بھی نہ ہو۔ سب کچھ اس کا ہو جاوے۔ صفائی کے یہی معنے ہیں کہ دل سے خدا تعالیٰ کی عملی اور اعتقادی مخالفت اُٹھا دی جاوے۔ خدا تعالیٰ کسی کی نصرت نہیں کرتا۔ جب تک وہ خود نہیں دیکھتا کہ اس کا ارادہ میرے ارادے اور اس کی مرضی میری رضا میں فنا نہیں ہے۔

مَیں کثرتِ جماعت سے کبھی خوش نہیں ہوتا۔ اب اگرچہ چار لاکھ بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے مگر حقیقی جماعت کے معنے یہ نہیں ہیں کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر صرف بیعت کر لی۔ بلکہ جماعت حقیقی طور سے جماعت کہلانے کی تب مستحق ہو سکتی ہے کہ بیعت کی حقیقت پر کاربند ہو۔ سچے طور سے ان میں ایک پاک تبدیلی پیدا ہو جاوے اور ان کی زندگی گناہ کی آلائش سے بالکل صاف ہو جاوے۔ نفسانی خواہشات اور شیطان کے پنجے سے نکل کر خدا تعالیٰ کی رضا میں محو ہو جاویں۔ حق اللہ اور حق العباد کو فراخ دلی سے پورے اور کامل طور سے ادا کریں۔ دین کے واسطے اور اشاعتِ دین کے لیے ان میں ایک تڑپ پیدا ہو جاوے۔ اپنی خواہشات اور ارادوں، آرزوؤں کو فنا کر کے خدا کے بن جاویں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم گمراہ ہو پر جسے میں ہدایت دوں۔ تم سب اندھے ہو مگر وہ جس کو مَیں نور بخشوں۔ تم سب مُردے ہو مگر وہی زندہ ہے جس کو میں رُوحانی زندگی کا شربت پلاؤں۔ انسان کو خدا تعالیٰ کی ستّاری ڈھانکے رکھتی ہے ورنہ اگر لوگوں کے اندرونی حالات اور باطن دنیا کے سامنے کر دیئے جاویں تو قریب ہے کہ بعض بعض کے قریب تک بھی جانا پسند نہ کریں۔ خدا تعالیٰ بڑا ستّار ہے۔ انسانوں کے عیوب پر ہر ایک کو اطلاع نہیں دیتا۔ پس انسان کو چاہیئے کہ نیکی میں کوشش کرے اور ہر وقت دُعا میں لگا رہے۔

یقیناً جانو کہ جماعت کے لوگوں میں اور ان کے غیر میں اگر کوئی مابہ الامتیاز ہی نہیں ہے۔ تو پھر خدا کوئی کسی کا رشتہ دار تو نہیں ہے۔ کیا وجہ ہے کہ اِن کو عزت دے اور ہر طرح حفاظت میں رکھے۔ اور اُن کو ذلت دے اور عذاب میں گرفتار کرے۔ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ (المائدۃ: ۲۸) متقی وہی ہیں کہ

خدا تعالیٰ سے ڈر کر ایسی باتوں کو ترک کر دیتے ہیں جو منشاء الٰہی کے خلاف ہیں نفس اور خواہشاتِ نفسانی کو اور دُنیا و مافیہا کو اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں ہیچ سمجھیں۔ ایمان کا پتہ مقابلہ کے وقت لگتا ہے۔

بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ایک کان سے سُنتے ہیں دوسری طرف نکال دیتے ہیں ان باتوں کو دل میں نہیں اُتارتے۔ چاہے جتنی نصیحت کرو مگر ان کو اثر نہیں ہوتا۔ یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ بڑا بے نیاز ہے جب تک کثرت سے اور بار بار اضطراب سے دُعا نہیں کی جاتی وہ پروا نہیں کرتا۔ دیکھو کسی کی بیوی یا بچہ بیمار ہو یا کسی پر سخت مقدمہ آجاوے تو ان باتوں کے واسطے اس کو کیسا اضطراب ہوتا ہے۔ پس دُعا میں بھی جب تک سچی تڑپ اور حالتِ اضطراب پیدا نہ ہو تب تک وہ بالکل بے اثر اور بیہودہ کام ہے۔ قبولیت کے واسطے اضطراب شرط ہے جیسا کہ فرمایا اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ (النمل: ۶۳)

اپنے آپ کو عمدہ اور نیک نمونہ بناؤ

ہماری جماعت کے لوگوں کو نمونہ بن کر دکھانا چاہیئے اگر کسی کی زندگی بیعت کے بعد بھی اسی طرح کی ناپاک اور گندی زندگی ہے جیسا کہ بیعت سے پہلے تھی اور جو شخص ہماری جماعت میں ہو کر بُرا نمونہ دکھاتا ہے اور عملی یا اعتقادی کمزوری دکھاتا ہے تو وہ ظالم ہے کیونکہ وہ تمام جماعت کو بدنام کرتا ہے اور ہمیں بھی اعتراض کا نشانہ بناتا ہے۔ بُرے نمونے سے اوروں کو نفرت ہوتی ہے اور اچھے نمونہ سے لوگوں کو رغبت پیدا ہوتی ہے۔ بعض لوگوں کے ہمارے پاس خط آتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ مَیں اگرچہ آپ کی جماعت میں ابھی داخل نہیں مگر آپ کی جماعت کے بعض لوگوں کے حالات سے البتہ اندازہ لگاتا ہوں کہ اس جماعت کی تعلیم ضرور نیکی پر مشتمل ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ (النحل: ۱۲۹) خدا تعالیٰ بھی انسان کے اعمال کا روزنامچہ بناتا ہے۔ پس انسان کو بھی اپنے حالات کا ایک روزنامچہ تیار کرنا چاہیئے اور اس میں غور کرنا چاہیئے کہ نیکی میں کہاں تک آگے قدم رکھا ہے۔ انسان کا آج اور کل برابر نہیں ہونے چاہئیں۔ جس کا آج اور کل اس لحاظ سے کہ نیکی میں کیا ترقی کی ہے برابر ہو گیا وہ گھاٹے میں ہے۔ انسان اگر خدا کو ماننے والا اور اسی پر کامل ایمان رکھنے والا ہو تو کبھی ضائع نہیں کیا جاتا بلکہ اس ایک کی خاطر لاکھوں جانیں بچائی جاتی ہیں۔

ایک شخص جو اولیاء اللہ میں سے تھے ان کا ذکر ہے کہ وہ جہاز میں سوار تھے۔ سمندر میں طوفان آگیا۔ قریب تھا کہ جہاز غرق ہو جاتا۔ اس کی دُعا سے بچا لیا گیا اور دُعا کے وقت اس کو الہام ہوا کہ تیری خاطر ہم نے سب کو بچا لیا۔ مگر یہ باتیں نرا زبانی جمع خرچ کرنے سے حاصل نہیں ہوتیں۔ دیکھو ہمیں بھی اللہ تعالیٰ نے ایک وعدہ دیا ہے۔ اِنِّیْ اُحَافِظُ كُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ۔ مگر دیکھو ان میں غافل عورتیں بھی ہیں۔ مختلف طبائع اور حالات کے انسان ہیں خدانخواستہ اگر ان میں سے کوئی طاعون سے مر جاوے یا جیسا کہ بعض آدمی ہماری جماعت میں طاعون سے فوت

ہوگئے ہیں تو ان دشمنوں کو ایک اعتراض کا موقعہ ہاتھ آگیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ (الانعام : ۸۳) بہر حال جماعت کے افراد کی کمزوری یا بُرے نمونہ کا اثر ہم پر پڑتا ہے اور لوگوں کو خواہ مخواہ اعتراض کرنے کا موقعہ مل جاتا ہے۔ پس اس واسطے ہماری طرف سے تو یہی نصیحت ہے کہ اپنے آپ کو عمدہ اور نیک نمونہ بنانے کی کوشش میں لگے رہو۔ جب تک فرشتوں کی سی زندگی نہ بن جاوے تب تک کیسے کہا جا سکتا ہے کہ کوئی پاک ہوگیا۔ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ (التحریم:۷)

فنا فی اللہ ہو جانا اور اپنے سب ارادوں اور خواہشات کو چھوڑ کر محض اللہ کے ارادوں اور احکام کا پابند ہو جانا چاہیئے کہ اپنے واسطے بھی اور اپنی اولاد، بیوی، بچوں خویش و اقارب اور ہمارے واسطے بھی باعث رحمت بن جاؤ۔ مخالفوں کے واسطے اعتراض کا موقعہ ہرگز ہرگز نہ دینا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ فَمِنْھُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِہٖ وَمِنْھُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْھُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَیْرٰتِ (فاطر:۳۳) پہلی دو نو صفات ادنیٰ ہیں۔ سابق بالخیرات بننا چاہیئے۔ ایک ہی مقام پر ٹھہر جانا کوئی اچھی صفت نہیں ہے۔ دیکھو ٹھہرا ہوا پانی آخر گندہ ہو جاتا ہے۔ کیچڑ کی صحبت کی وجہ سے بدبُودار اور بدمزا ہو جاتا ہے۔ چلتا پانی ہمیشہ عمدہ ستھرا اور مزیدار ہوتا ہے اگرچہ اس میں بھی نیچے کیچڑ ہو مگر کیچڑ اس پر کچھ اثر نہیں کر سکتا۔ یہی حال انسان کا ہے کہ ایک ہی مقام پر ٹھہر نہیں جانا چاہیئے۔ یہ حالت خطرناک ہے۔ ہر وقت قدم آگے ہی رکھنا چاہیئے۔ نیکی میں ترقی کرنی چاہیئے ورنہ خدا تعالیٰ انسان کی مدد نہیں کرتا اور اس طرح سے انسان بے نُور ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ آخر کار بعض اوقات ارتداد ہو جاتا ہے۔ اس طرح سے انسان دل کا اندھا ہو جاتا ہے۔

اپنی اصلاح میں اپنے اہل وعیال کو شامل رکھو

خدا تعالیٰ کی نصرت انہیں کے شاملِ حال ہوتی ہے جو ہمیشہ نیکی میں آگے ہی آگے قدم رکھتے ہیں ایک جگہ نہیں ٹھہر جاتے اور وہی ہیں جن کا انجام بخیر ہوتا ہے۔ بعض لوگوں کو ہم نے دیکھا ہے کہ ان میں بڑا شوق ذوق اور شدت رقت ہوتی ہے مگر آگے چل کر بالکل ٹھہر جاتے ہیں اور آخر ان کا انجام بخیر نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں یہ دُعا سکھلائی ہے کہ اَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ (الاحقاف:۱۶)

میرے بیوی، بچوں کی بھی اصلاح فرما۔ اپنی حالت کی پاک تبدیلی اور دُعاؤں کے ساتھ ساتھ اپنی اولاد اور بیوی کے واسطے بھی دُعا کرتے رہنا چاہیئے کیونکہ اکثر فتنے اولاد کی وجہ سے انسان پر پڑ جاتے ہیں اور اکثر بیوی کی وجہ سے۔ دیکھو پہلا فتنہ حضرت آدم پر بھی عورت ہی کی وجہ سے آیا تھا۔ حضرت موسیٰؑ کے مقابلے میں بلعم کا ایمان جو حبط کیا گیا اصل میں اس کی وجہ بھی توریت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ بلعم کی عورت کو اس بادشاہ نے بعض زیورات دکھا کر طمع دے دیا تھا اور پھر عورت نے بلعم کو حضرت موسیٰؑ پر بد دُعا کرنے کے واسطے اُکسایا

تھا۔غرض ان کی وجہ سے بھی اکثر انسان پر مصائب شدائد آجایا کرتے ہیں تو اُن کی اصلاح کی طرف بھی پوری توجہ کرنی چاہیئے اور ان کے واسطے بھی دُعائیں کرتے رہنا چاہیئے [1]

۴ر مارچ ۱۹۰۸ء

قبل نماز عصر

بیعت کی حقیقت اور غرض وغایت

ایک شخص نے عرض کی کہ حضور میں نے پیشتر بذریعہ خط کے بیعت کی ہوئی ہے کیا وہی کافی ہے؟ فرمایا کہ:۔

ہزاروں آدمی ہیں کہ ان بیچاروں کو دنیوی مشکلات کی وجہ سے استطاعت نہ ہونے کے باعث قادیان میں آنا دشوار ہے اور انہوں نے بذریعہ خطوط ہی بیعت کی ہوئی ہے۔بیعت کرنے سے مطلب بیعت کی حقیقت سے آگاہ ہونا ہے۔ایک شخص نے روبرو ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت کی۔اصل غرض اور غایت کو نہ سمجھا یا پروانہ کی تو اس کی بیعت بے فائدہ ہے اور اس کی خدا کے سامنے کچھ حقیقت نہیں۔مگر دوسرا شخص ہزار کوس سے بیٹھا بیٹھا صدق دل سے بیعت کی حقیقت اور غرض وغایت کو مان کر بیعت کرتا ہے اور پھر اس اقرار کے اوپر کاربند ہو کر اپنی عملی اصلاح کرتا ہے وہ اس روبرو بیعت کرکے بیعت کی حقیقت پر نہ چلنے والے سے ہزار درجہ بہتر ہے۔

دیکھو مولوی عبداللطیف صاحب شہید اسی بیعت کی وجہ سے پتھروں سے مارے گئے ایک گھنٹہ تک برابر ان پر پتھر برسائے گئے حتٰی کہ ان کا جسم پتھروں میں چھپ گیا مگر انہوں نے اُف تک نہ کی۔ایک چیخ تک نہ ماری بلکہ ان کو اس ظالمانہ کارروائی سے پیشتر تین بار خود امیر نے اس امر سے توبہ کرنے کے واسطے کہا اور وعدہ کیا کہ اگر تم توبہ کرو تو معاف کر دیا جاوے گا اور پیشتر سے زیادہ عزت اور عہدہ عطا کیا جاوے گا۔مگر وہ تھا کہ خدا کو مقدم کیا اور کسی دُکھ کی جو خدا کے واسطے اُن پر آنے والا تھا پروانہ کی اور ثابت قدم رہ کر ایک نہایت عمدہ زندہ نمونہ اپنے کامل ایمان کا چھوڑ گئے۔وہ بڑے فاضل، عالم اور محدث تھے۔

سُنا ہے کہ جب ان کو پکڑ کر لے جانے لگے تو اُن سے کہا گیا کہ اپنے بال بچوں سے مل لو ان کو دیکھ لو مگر

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۱۶ صفحہ ۴ تا ۶ مورخہ ۶ مارچ ۱۹۰۸ء

انہوں نے کہا کہ اب کچھ ضرورت نہیں۔ یہ ہے بیعت کی حقیقت اور غرض وغایت۔

بعض لوگوں کے ہمارے پاس خطوط آتے ہیں کہ میں ایک مسجد کا مُلّاں تھا۔ آپ کی بیعت کرنے کی وجہ سے لوگ مجھ سے ناراض ہیں۔ مخالفت کرتے ہیں۔ غرض مجھے بیعت کی وجہ سے سخت تکلیف ہے حالانکہ اس آزادی اور امن کے زمانہ اور سلطنت میں ان لوگوں کو کوئی تکلیف ہی کیا پہنچا سکتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ کسی نے زبان سے گالیاں نکال دی ہوں گی۔ تو ان باتوں سے ہوتا بھی کیا ہے۔ مگر وہ اس کو تکلیف سمجھتے ہیں اور شکایت کرتے ہیں کہ بیعت کرنے کی وجہ سے مجھے یہ تکلیف پہنچی۔ غرض بعض لوگ ذرا سی مخالفت کی بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ اصل میں انہوں نے بیعت کی حقیقت ہی کو نہیں سمجھا[1]

---

۵ مارچ ۱۹۰۸ء

بوقتِ سیر

کرشن جی مہاراج کا مذہب

مولوی ابو رحمت صاحب نے حضرت اقدس کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور کرشن جی مہاراج کا مذہب جیسا کہ خود ان کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے ان کے زمانہ کے عام اہلِ ہنود سے الگ تھا۔

حضرت اقدس نے فرمایا:۔

یہ واقعی اور صحیح بات ہے کہ بعد کے لوگ بزرگوں کی تعلیم کو بوجہ امتدادِ زمانہ بھول جاتے ہیں اور اُن کی سچی تعلیموں میں بہت کچھ بے جا تصرّف کر لیا کرتے ہیں اور مرورِ زمانہ سے ان کی اصلی تعلیم پر سینکڑوں پردے پڑ جاتے ہیں اور حقیقتِ حال دُنیا کی نظروں سے پوشیدہ ہو جاتی ہے اصل بات یہی سچ ہے کہ اُن کا مذہب موجودہ مذہب اہلِ ہنود سے بالکل مختلف اور توحید کی سچی تعلیم پر مبنی تھا۔

حضرت اقدس نے اس جگہ اپنے دو الہام بیان فرمائے۔ اوّل یہ ہے کہ

ہے کرشن رُودَر گوپال تیری مہما گیتا میں لکھی گئی ہے

اور دوسرا الہام یہ بیان فرمایا کہ

ایک بار الہام ہوا تھا کہ آریوں کا بادشاہ آیا۔

ایک اور خواب حضرت اقدس نے بیان فرمایا کہ

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۱۷ صفحہ ۶ مورخہ ۶ مارچ ۱۹۰۸ء

ایک بار ہم نے کرشن جی کو دیکھا کہ وہ کالے رنگ کے تھے اور پتلی ناک، کشادہ پیشانی والے ہیں۔کرشن جی نے اُٹھ کر اپنی ناک ہماری ناک سے اور اپنی پیشانی ہماری پیشانی سے ملا کر چسپاں کر دی۔

ایک اور واقعہ آپ نے یوں بیان فرمایا کہ

خواجہ باقی باللہ صاحب کے سامنے کسی شخص نے اپنی خواب یوں بیان کی کہ میں نے دیکھا ہے کہ ایک آگ ہے اور راجہ رامچندر جی اس کے کنارے پر ہیں اور کرشن جی عین اس کے وسط میں پڑے ہیں۔حاضرین مجلس میں سے ایک شخص نے یوں اس خواب کی تعبیر بیان کی کہ چونکہ وہ دونو کافر ہیں اس واسطے آگ میں ہیں۔مگر ایک کافر کم ہے اس لیے وہ کنارے پر ہے اور دوسرا سخت کافر ہے اس واسطے وہ آگ کے بیچوں بیچ پڑا ہے مگر مرزا جان جاناں صاحب جو کہ خواجہ صاحب کے مُرید تھے انہوں نے عرض کی کہ حضور! یہ تعبیر صحیح نہیں ہے۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ تم کیا بیان کرتے ہو۔ اس پر مرزا جان جاناں نے یوں تعبیر کی کہ وہ آگ آتشِ محبت الٰہی ہے، دوزخ کی آگ نہیں۔ رامچندر جی سالک ہیں اور ابھی کمالِ عشق حاصل نہیں ہوا۔اس واسطے اس کو کنارے پر دیکھا۔مگر کرشن جی مجذوب ہیں اور محبتِ الٰہی کی آگ جس سے غیر اللہ جل جاتا ہے اس میں ان کو کمال حاصل ہو گیا ہے۔اس واسطے ان کو عین بیچوں بیچ میں دیکھا ہے۔

ایک اور واقعہ اسی مضمون کے متعلق حضرت اقدسؑ نے یوں بیان فرمایا کہ

اولیاء اللہ میں سے ایک صاحب کشف ایک دفعہ اجودھیا میں پہنچے۔ وہاں پہنچ کر مسجد میں لیٹ گئے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ کرشن جی آئے اور سات روپے اُن کی نذر کئے کہ ہماری طرف سے بطور دعوت قبول کیا جاوے۔ وہ ولی اللہ صاحب چونکہ مسلمان تھے انہوں نے کہا کہ تم لوگ کافر ہو ہم تمہارا مال نہیں کھاتے تو اس پر کرشن جی نے عرض کیا کہ کیا آپ موجودہ ہندوؤں سے ہماری حالت اور ایمان کا اندازہ لگاتے ہیں؟ ہم ان میں سے ہرگز ہرگز نہیں ہیں بلکہ ہمارا مذہب توحید ہے اور ہم آپ لوگوں کے بالکل قریب ہیں۔

علاوہ ازیں ابن عربی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ کَانَ فِی الْھِنْدِ نَبِیٌّ اَسْوَدُ اللَّوْنِ اِسْمُہٗ کَاھِنٌ یعنی ہندوستان میں ایک نبی گذرا ہے جس کا رنگ کالا تھا اور نام اس کا کاہن تھا۔

مجدد الف ثانی سرہندی صاحب فرماتے ہیں کہ ہندوستان میں بعض قبریں ایسی ہیں جن کو میں پہچانتا ہوں کہ نبیوں کی قبریں ہیں۔

غرض ان سب واقعات اور شہادتوں سے اور نیز قرآن شریف سے صاف طور سے ثابت ہے کہ ہندوستان میں بھی نبی گذرے ہیں۔ چنانچہ قرآن شریف میں آیا ہے کہ اِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْرٌ۔ (فاطر: ۲۵) اور حضرت کرشن بھی انہیں انبیاء میں سے ایک تھے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہو کر خلق اللہ

کی ہدایت اور توحید قائم کرنے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک قوم میں نبی آئے ہیں۔ یہ بات الگ ہے کہ ان کے نام ہمیں معلوم نہ ہوں۔ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ (المؤمن : ۷۹) لمبے زمانے گذر جانے کی وجہ سے لوگ ان کی تعلیمات کو بھول کر کچھ اَور کا اَور ہی ان کی طرف منسوب کرنے لگ جاتے ہیں۔ اب دیکھو بیچارے حضرت عیسیٰؑ وہ تو خود اپنی وفات کا اقرار کرتے ہیں اور اپنے آپ کو خدا کا ایک عاجز بندہ اور معمولی انسان کی طرح کھاتا پیتا اور دیگر حوائج انسانی کا محتاج بیان کرتے ہیں اور خدائی سے کانوں پر ہاتھ رکھتے ہیں مگر عیسائی ہیں کہ ان کو زبردستی خدا بنائے بیٹھے ہیں یہی حال حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا ہے۔

ایک شخص نے کچھ عرصہ ہوا لکھا تھا کہ تمام انبیاء اولیاء اور ہر طبقہ کے لوگ حضرت امام حسین کی شفاعت ہی سے نجات پاویں گے۔ دیکھو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف سے تو انہوں نے پہلے ہی قصہ تمام کر رکھا تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باقی رہ گئے تھے۔ سو اب دیکھ لو کہ آپؐ کے متعلق بھی قصہ تمام کر دیا کہ ان کو بھی بجز امام حسینؓ نعوذ باللہ نجات نہیں ہوگی اور بجز شفاعت امام حسینؓ آپ کو بھی کوئی چارہ نہ ہوگا۔ دیکھو ان لوگوں نے کہاں تک غلو کر دیا ہے۔

غرض انبیاء کے دُنیا سے گذر جانے کے بعد ان کی پاک تعلیمات کا یہ حال کیا جاتا ہے قرآن شریف کیا ہے حَکَم ہے۔ کُل کتبِ سابقہ کی اصلیت کھول کر دکھا دی ہے۔

سچا مومن بننا چاہیئے

مولوی ابو رحمت صاحب نے عرض کی۔ حضور میرے واسطے دُعا فرمائی جاوے کہ پیشتر تو میری زندگی اور رنگ میں تھی مگر اب جب سے مَیں نے علی الاعلان حضور کے عقائد کی اشاعت اپنا فرض مقرر کر لیا ہے تو میری برادری بھی مخالف ہوگئی ہے اور درپئے آزار ہے اور عام طور سے لوگ بھی مجلسوں میں کم آتے ہیں۔

اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ :۔

آپ صبر سے کام لیں اور استقلال رکھیں۔ آپ دیکھ لیں گے کہ پہلے سے بھی زیادہ لوگ آپ کے مجلسوں میں جمع ہوں گے اور ساری مشکلات دُور ہو جاویں گی۔ ایسی مشکلات کا آنا ازبس ضروری ہے۔ دیکھو امتحان کے بغیر کسی کی کچھ قدر نہیں ہوتی۔ دُنیا ہی میں دیکھ لو کہ پاسوں کی کیسی پُوچھ ہوتی ہے کہ کیا پاس کیا ہے! پس جو لوگ خدائی امتحان میں پاس ہو جاتے ہیں پھر اُن کے واسطے ہر طرح کے آرام و آسائش، رحمت اور فضل کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ دیکھو۔ قرآن شریف میں صاف فرمایا ہے کہ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ۔ (العنکبوت : ۳) صرف زبان سے کہہ لینا تو آسان ہے مگر کچھ

کرکے دکھانا اور خدائی امتحان میں پاس ہونا بڑی بات ہے۔

دیکھو۔ ہماری ہی ابتدائی حالت پر غور کرو کہ اوّل اوّل ہمارے ساتھ ایک آدمی بھی نہ تھا۔ مولوی محمد حسین نے ہمارے واسطے کُفر کا فتویٰ تیار کیا اور پشاور سے لے کر بنارس تک تمام ہندوستان کے بڑے بڑے مولویوں کی دو تین صد مُہریں لگوائیں اور فتویٰ دے دیا کہ ان کا قتل کرنا، ان کا مال لوٹ لینا، ان کی عورتیں چھین لینا سب جائز ہے۔ اور یہ لوگ کافر، اکفر، ضالّ، مُضِلّ اور یہود و نصاریٰ سے بھی بدتر ہیں۔ مگر دیکھ لو کہ ان کی کیا پیش گئی۔ خدا تعالیٰ نے ان کو کیسا ذلیل کیا۔

پس سچے مومن بنا چاہیئے۔ دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات پر ذرا نظر ڈالو۔ آپ کے زمانہ میں کیسی مشکلات کا سامنا تھا۔ مگر آپ کے اور آپ کے صحابہؓ کے وفا، صدق، صبر اور استقامت نے کیا کچھ کر دکھایا یقیناً جانو کہ اگر کروڑ توپ بھی ہوتی۔ جب بھی یہ کام جو ان لوگوں کے ایمان، صدق، صبر اور استقلال نے کر دکھایا ہرگز ہرگز نہ کر سکتی۔ دیکھو آپ کے پاس نہ کوئی فوج تھی نہ توپیں تھیں نہ سپاہی تھے مگر اللہ تعالیٰ نے کیسی تائید کی کہ بڑے بڑے لوگ خس و خاشاک کی طرح فتح ہوتے چلے گئے۔

ہمیں خیال آیا کہ ہمارا نام مہدی ہے۔ عیسیٰ ہے اور کرشن کے نام سے بھی اللہ تعالیٰ نے ہمیں پکارا ہے اور انہیں تینوں کی آمد کی انتظار میں اس وقت تین بڑی قومیں لگی ہوئی ہیں۔ مسلمان مہدی کے، عیسائی عیسیٰ کی آمدِ ثانی کے اور ہندو کرشن اوتار کے۔ چنانچہ ان ناموں میں یہی حکمتِ الٰہی ہے۔

کرشن کی گوپیوں کی حقیقت

مولوی ابو رحمت صاحب نے عرض کی کہ حضور کرشن کے معنے ان کی لغت کے بموجب ہیں وہ روشنی جو آہستہ آہستہ دُنیا کو روشن کرتی ہے۔ تاریکیٔ جہالت کے مٹانے والے کا نام کرشن ہے۔

حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ:۔

ان کے متعلق جو گوپیوں کی کثرت مشہور ہے اصل میں ہمارے خیال میں بات یہ ہے کہ اُمّت کی مثال عورت سے بھی دی جاتی ہے۔ چنانچہ قرآن شریف سے بھی اس کی نظیر ملتی ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے۔ ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ۔ الخ (التحریم: ۱۲) یہ ایک نہایت ہی باریک رنگ کا لطیف استعارہ ہوتا ہے۔ اُمّت میں جو ہرِ صلاحیت ہوتا ہے اور نبی اور اُمّت کے تعلق سے بڑے بڑے حقائق معارف اور فیضان کے چشمے پیدا ہوتے ہیں اور نبی اور اُمّت کے سچے تعلق سے وہ نتائج پیدا ہوتے ہیں جن سے خُدائی فیضان اور رحم کا جذب ہوتا ہے۔ پس کرشن اور گوپیوں کے ظاہری قصّہ کی تہہ میں ہمارے خیال میں یہی رازِ حقیقت پنہاں ہے۔

مولوی ابورحمت صاحب نے عرض کی کہ گوپی کے معنے یوں بھی ہیں کہ گو کہتے ہیں زمین کو اور پی پالنے والے یعنی کرشن جی کے مریدان باصفا ایسے لوگ تھے جو نیک مزاج اور مخلوق کی پرورش کرنے والے تھے۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

اس میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ انسان کو زمین سے بھی تشبیہ دی گئی ہے جیسا کہ قرآن شریف میں ذکر ہے کہ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا (الحدید : ۱۸) ارض کے زندہ کرنے سے مراد اہل زمین ہیں

پھر مولوی ابورحمت صاحب نے عرض کی کہ یہ بھی ممکن ہے کہ کرشن جی نے اپنی تعلیم کو عورتوں ہی کے ذریعہ سے پھیلایا ہو کیونکہ ان کے مرد تو عموماً کھیتی کے دھندوں میں جنگلوں بنوں میں رہتے تھے اور ان کو اشاعتِ مذہب کے واسطے کم فرصت ہوتی تھی۔ عورتیں ہی یہ کام کرتی ہوں گی۔

حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ:۔

ہمیں ایک دفعہ خیال آیا کہ کرشن جی کو داؤدؑ کے ساتھ بالکل مشابہت معلوم ہوتی ہے۔ بلحاظ راگ، رقص مجمع مستورات اور بہادری میں۔ خدا جانے یہ کیا بات ہے۔

کتاب "چشمہ معرفت"

فرمایا کہ:۔

ہم نے اپنی کتاب کا نام (جس کا ابھی کچھ حصہ باقی ہے) چشمہ معرفت رکھا ہے کیونکہ اس میں بڑی معرفت کی باتیں اور حقائق و معارف درج کئے گئے ہیں۔

فرمایا:

وہ لیکچر تو ہم نے خاص اس مجمع کا لحاظ رکھ کر اور ان کے شائع کردہ شرائط کے مطابق اور مناسب موقعہ اختصار سے لکھا تھا مگر جب انہوں نے خود اپنے پیش کردہ شرائط کی پابندی نہ کی۔ اور اپنے اقرار کی ذرہ بھی پروا نہ کرکے بہت سے وہی پرانے اعتراضات جن کا بار بار جواب دے دیا گیا ہے۔ پھر دلآزاری کے واسطے بیان کئے تو ہمیں بطور تتمہ ان کے سب سوالات کا جواب لکھنے کے واسطے کتاب کو اور بڑھانا پڑا۔

فرمایا:۔

مشکل یہ ہے کہ ان لوگوں نے تو قسم کھائی ہوئی ہے کہ ہماری کتاب نہ پڑھیں۔ جہل، نادانی اور تعصب کی پٹی آنکھوں پر باندھی ہوئی ہے۔ ہماری کسی کتاب کو نہیں پڑھتے۔ دلائل کو نہیں مانتے بے تحاشا اعتراض کئے جاتے ہیں۔

فرمایا:۔
اس کتاب میں ہم نے بڑی بسط سے ان کے متعلق لکھدیا ہے اور اگر کوئی حق جُو بن کر مطالعہ کرے تو اس کے واسطے کافی ہے ۔
دورانِ تقریر میں حضرت اقدس نے یہ بھی فرمایا کہ :۔
آریوں کے ہاتھ میں آجکل مسلمانوں کے برخلاف غلط فہمی پھیلانے کے واسطے صرف تعددِ ازدواج ہی کا مسئلہ رہ گیا ہے جس پر یہ لوگ اپنی نادانی کی وجہ سے اس کی حکمت اور حقیقت سے بے خبر ہونے کی وجہ سے اعتراض کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ موجودہ زمانہ پکار اُٹھا ہے اور زبانِ حال سے کہہ رہا ہے کہ واقعی تعددِ ازدواج کی ضرورت ہے ۔ آریوں نے بھی اس ضرورت کو محسوس کیا ہے ۔غرض ضرورت کا احساس تو سب نے کرلیا ہے باقی رہی یہ بات کہ اس ضرورت کو ہم نے کس رنگ میں پورا کیا اور آریوں نے اس کے پورا کرنے کی کیا راہ سوچی۔ سو وہ تعددِ ازدواج اور نیوگ ہے ۔اب ان دونو باتوں کا مقابلہ کر کے دیکھ لو کہ کونسی راہ اچھی ہے [1]

قبل از نمازِ ظہر [2]

لائف انشورنس

ایک دوست کا خط حضرت اقدس کی خدمت میں پیش ہوا جس میں لکھا تھا۔

بحضور جناب مسیح موعود و مہدی مسعود علیہ السلام

مارچ ۱۹۰۰ئہ میں مَیں نے اپنی زندگی کا بیمہ واسطے دو ہزار روپے کے کرایا تھا۔ شرائط یہ تھیں کہ اس تاریخ سے تا مرگ میں ۱۲۰ سالانہ بطور چندہ کے ادا کرتا رہوں گا۔ تب دو ہزار روپیہ بعد مرگ میرے وارثان کو ملے گا اور زندگی میں یہ روپیہ لینے کا حقدار نہ ہوں گا۔ اب تک میں نے تقریباً مبلغ چھ سو روپیہ کے بیمہ کرنے والی کمپنی کو دے دیا ہے۔ اب اگر میں اس بیمہ کو توڑ دوں تو بموجب شرائط اس کمپنی کے صرف تیسرے حصہ کا حقدار ہوں۔ یعنی دو صد روپیہ ملے گا اور باقی چار صد روپیہ ضائع جائے گا۔ مگر چونکہ مَیں نے آپ کے ہاتھ پر اس شرط کی بیعت کی ہوئی ہے کہ مَیں دین کو دُنیا پر مقدم رکھوں گا۔ اس واسطے بعد اس مسئلہ کے معلوم ہو جانے کے میں اس حرکت کا مرتکب ہونا

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۱۷ صفحہ ۷، ۸ مورخہ ۶ مارچ ۱۹۰۸ئہ

[2] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۱۷ مورخہ ۶ مارچ ۱۹۰۸ئہ صفحہ ۹ کالم اوّل سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ یہ ڈائری ۵ مارچ ۱۹۰۸ئہ قبل از نمازِ ظہر کی ہے۔ (مرتب)

نہیں چاہتا جو خدا اور اس کے رسول کے احکام کے برخلاف ہو اور آپ حَکَم اور عدل ہیں۔ اس واسطے نہایت عجز سے ملتجی ہوں کہ جیسا مناسب حکم ہو صادر فرمایا جاوے تاکہ اس کی تعمیل کی جائے اس کے جواب میں حضرت نے فرمایا کہ:۔

زندگی کا بیمہ جس طرح رائج ہے اور سُنا جاتا ہے اس کے جواز کی ہم کوئی صورت بظاہر نہیں دیکھتے کیونکہ یہ ایک قمار بازی ہے۔ اگرچہ وہ بہت سارا روپیہ خرچ کر چکے ہیں لیکن اگر وہ جاری رکھیں گے تو یہ روپیہ اُن سے اَور بھی گناہ کروائے گا۔ اُن کو چاہیئے کہ آئندہ زندگی کے گناہ سے بچنے کے واسطے اس کو ترک کر دیویں اور جتنا روپیہ اب مل سکتا ہے وہ واپس لے لیں۔

قبولیتِ دُعا

ایک صاحب نے حضرت کی خدمت میں لکھا کہ میرے واسطے آپ ایسی دُعا کریں جو ضرور قبول ہو اور اس اور اُس معاملہ میں ہو۔

حضرت نے فرمایا:۔

اس کو جواب لکھ دیں کہ خدا تعالیٰ کی یہ عادت نہیں کہ ہر ایک دُعا قبول کرے۔ جب سے دُنیا پیدا ہوئی ہے ایسا کہیں نہیں ہوا۔ ہاں مقبولوں کی دُعائیں بہ نسبت دوسروں کے بہت قبول ہوتی ہیں۔ خدا کے معاملہ میں کسی کا زور نہیں [1]

---

۶ رمارچ ۱۹۰۸ء

(قبل نمازِ عصر)

مولوی محمد حسین بٹالوی کا ظاہر و باطن

مولوی محمد حسین صاحب نے حضرت اقدس کی خدمت میں بذریعہ ایک دو خطوں کے اور زبانی بھی کسی مقدمہ میں منصف بننے کے واسطے لکھا اور کہلا بھیجا تھا اور ساتھ ہی دھمکیاں بھی دی تھیں کہ اگر آپ اس معاملہ میں منصف نہ بنیں گے تو میں عدالت میں آپ کو گواہ لکھوا دوں گا اور اس طرح سے آپ کو عدالت میں حاضر ہونا پڑے گا۔

---

[1] بدر جلد ۷ نمبر ۱۴ صفحہ ۳ مورخہ ۹ر اپریل ۱۹۰۸ء

حضرت اقدس نے فرمایا:۔

تعجب آتا ہے کہ ایک طرف تو ہمیں کافر و دجال، بیدین اور مُرتد ٹھہرایا جاتا ہے اور پھر یہی نہیں کہ اپنے آپ تک ہی محدود رکھا ہو بلکہ اس فتویٰ میں قریباً تمام ہندوستان کے بڑے بڑے مولویوں کو اپنے ساتھ شامل کرنے کے واسطے سر توڑ کوشش کرتا رہا ہے۔ دوسری طرف ہمیں ایک شرعی معاملہ میں منصف بنانا چاہتا ہے۔ اس کے نزدیک جب ہم دائرۂ اسلام سے ہی خارج ہیں۔ تو پھر ایک شرعی معاملہ میں ہمارا دخل کیا اور فیصلہ کیسا؟ اس سے کہو کہ پہلے تم ہمارے کُفر و اسلام کا تو فیصلہ کر لو۔ پھر ہمیں منصف بھی بنا لینا۔

اس شخص نے تو جہاں تک اس سے ممکن ہو سکا اور اس کا بس چلا ہے ہمیں پھانسی دلانے کی کوششوں میں بھی کمی نہیں کی۔ مگر یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی خاص نصرت تھی کہ اُس نے ہمیں ہر میدان میں عزت دی اور اعداء اور ہماری ذلت چاہنے والوں کو ذلیل کیا۔ دیکھو لیکھرام کے قتل کے وقت بھی اس نے کس طرح آریوں کو اُکسایا۔ ہماری تلاشی ہوئی اور پھر خُون کے مقدمہ میں ایک عیسائی کی طرف سے گواہ بن کر ہمارے برخلاف اقدام قتل کے ثبوت کے واسطے کوششیں کیں۔ گورنمنٹ کو ہم سے بدظن کرنے میں اس نے کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ ہمیں باغی بتایا اور صاف کہا کہ گورنمنٹ کیوں ایسے باغی کو نہیں پکڑتی۔ عام لوگوں کو ہم سے بدظن کرنے میں اپنے ناخنوں تک زور لگایا۔ لوگوں سے کہہ دیا کہ ان سے سلام مت کرو۔ مصافحہ مت کرو، ان کی چوری کرنا، ان کو قتل کر دینا اور ان کی عورتیں چھین لینا جائز ہے۔ پھر جب اس کے ہم پر ایسے ایسے احسانات ہیں تو اب یہ نامہ و پیام کیسے ہیں؟

معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں جس کے واسطے یہ اتنے زور دیتا ہے اس کی کوئی ذاتی اور نفسانی غرض ہے اگر کچھ بھی سعادت کا حصہ اس میں ہوتا تو اسی معاملہ میں غور کرتا کہ جس دن سے اس نے ہماری مخالفت کا بیڑا اُٹھایا ہے، اور ہمارے نیست و نابود کرنے میں جان توڑ کوششیں کی ہیں۔ اسی دن سے اندازہ تو لگائے کہ ہم پر اللہ تعالیٰ کے کیسے فیضان نازل ہوئے اور ہمیں کس طرح خدا تعالیٰ نے بڑھایا اور اس کا اپنا کیا حال ہوا۔ ایک سعید انسان اور سلیم الفطرت آدمی کے ہدایت پا جانے کے واسطے صرف یہی بات کافی تھی۔

پھر اپنے خط میں لکھا ہے کہ میرے گھر لڑکا پیدا ہوگا۔ یہ فقرہ لکھنے سے اس کی مراد نکتہ چینی ہے اور پیشگوئیوں اور امورِ نبوت کا نعوذ باللہ استخفاف کرنا مدِ نظر ہے۔ سو اس کے جواب میں اس سے کہہ دیا جاوے کہ ہماری کتاب حقیقۃ الوحی کا مطالعہ کرے۔ ہم نے ان امور کو اُس میں بالتفصیل لکھ دیا ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ خواب تو اکثر چوہڑے چماروں اور مُردار خوروں کو بھی ہو جاتا ہے اور اکثر سچا بھی ہوتا ہے تو پھر اس میں کیا شیخی ہے کہ میرے گھر لڑکا ہوگا۔

عام لوگوں کے سچے خوابوں اور ماموریں کے الہامات میں مابہ الامتیاز

ہمارے پاس بعض ہندو آتے ہیں اور

خواب سُناتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ خواب سچا بھی نکلا۔ اس سے مطلب ان کا صرف یہ ہوتا ہے کہ اعتراض کریں کہ اسلام کی اس میں خصوصیت ہی کیا ہے۔ ہم ایسی نظیریں بتلا سکتے ہیں کہ بعض فاسق، فاجر، بدمعاش، مشرک، چور، زانی ڈاکوؤں کو بھی خواب آجاتے ہیں اور ان میں سچے بھی ہوتے ہیں تو پھر اس میں مولوی محمد حسین کی کیا خصوصیت ہوئی؟

شرمپت یہاں کا ایک آریہ ہے اس نے ایک خواب میں اپنے ہاں لڑکا پیدا ہونا بتایا تھا۔ چنانچہ لڑکا پیدا ہوا۔ اور پھر ایک بار بیان کیا کہ بالو اللہ دتہ تبدیل ہو جاوے گا۔ چنانچہ یہ خواب بھی اس کا پورا ہو گیا اور بالو اللہ دتہ کو وہ اس معاملہ کا گواہ بھی کرتا ہے تو پھر کیا ان باتوں سے یہ نتیجہ نکالنا چاہیئے کہ شرمپت کو یا اور ایسے لوگوں کو نعوذ باللہ ہم نبی مان لیں؟

بلکہ اصل بات یہ ہے کہ یہ امور بطور شہادت اللہ تعالیٰ نے ہر طبقہ کے لوگوں میں اس لیے ودیعت کر دیئے ہیں کہ تا انسان ملزم ہو جاوے اور قبولِ نبوت کے واسطے اس کے پاس اپنے نفس میں سے شاہد پیدا ہو جاوے خواب کا ملکہ اللہ تعالیٰ نے اس لیے انسان کی بناوٹ میں رکھ دیا ہے کہ کہیں یہ نبوت کا انکار ہی نہ کر دے۔

سچی خواب کے واسطے اللہ تعالیٰ نے کوئی شرط نہیں رکھی بلکہ بلا امتیاز کفر و اسلام، نیک و بد یہ بلکہ ہر فرد بشر میں رکھ دیا ہے۔ بھلا دیکھو تو حضرت یوسفؑ کے ساتھ جو دو آدمی قید تھے ان دونو کو بھی خوابیں آئیں اور وہ دونو سچی بھی تھیں۔ فرعون کو بھی جو اس وقت کا بادشاہ تھا خواب آئی اور سچی نکلی تو کیا حضرت یوسفؑ نے ان کی کوئی تعظیم کی یا ان کو نبی مان لیا؟ یا بتاؤ تو بھلا تم نے بھی ان کو کوئی مرتبہ دیا ہے؟ بھلا ایک نے تو اپنے خواب کو قتل ہو کر سچا کر دیا مگر دوسرا تو بادشاہ کا مقرب بن گیا تھا اس کی عزت کی ہوتی؟ اگر اسی طرح کی ایک دو خوابیں سچی ہو جانے سے کوئی نبی بن جاتا ہے اور اس میں نبوت کی شان آجاتی ہے تو بتاؤ کس کس کو امام مانو گے؟ نعوذ باللہ اس طرح تو شانِ نبوت کی ہتک اور انبیاء کا تمسخر کرتے ہو۔

یاد رکھو کہ ایک دو پیسے پاس ہونے سے یا دو چار آنے کا مالک بننے سے یا چند پونڈوں کے پاس ہونے سے کوئی بادشاہ نہیں بن جاتا۔ بلکہ پیسے روپے اور پونڈ تو کثرتِ مال و زر کی ایک شہادت ہیں کہ تا ان سے قیاس کر لیا جاوے کہ کروڑ در کروڑ پونڈ اور لاتعداد خزانے بھی ضرور اور یقیناً ہیں۔

پس ان لوگوں کی خوابوں اور انبیاء کے الہامات مکالمات اور مخاطبات میں ایک مابہ الامتیاز ہوتا ہے۔ انبیاء کی وحی اپنے تمام لوازمات کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس میں ایک شوکت اور جلال و رُعب ہوتا ہے۔ انبیاء کی وحی کیا بلحاظ کیفیت اور کیا بلحاظ کمیت عام لوگوں سے بہت بڑھی ہوئی ہوتی ہے اور وہ ان کی کامیابی اور ان کے دشمنوں کی نامرادی پر مبنی ہوتی ہے۔ انبیاء کی وحی غیب پر مشتمل ہوتی ہے لَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (الجن ۲۷، ۲۸) غرض انبیاء کی وحی میں کسی انسان کو کسی طرح کا اشتراک نہیں ہوتا۔

جنسیت کے لحاظ سے جو اشتراک رکھا گیا ہے وہ بھی صرف اس واسطے کہ تا انسان کو انبیاء کی پاک وحی پر ایمان لانے میں مدد دے ورنہ اس کی کوئی حقیقت نہیں اور وہ تو انبیاء کی وحی کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔

پس مولوی محمد حسین صاحب کو آپ (جو صاحب پیغام لائے تھے) کہدیں کہ مولوی ہو کر آپ کے مُنہ سے کس طرح ایسی باتیں نکلتی ہیں جن سے نعوذ باللہ شانِ نبوت کا تمسخر اور استخفاف ہوتا ہے۔ اوّل تو آپ کا یہ خواب یا الہام جو کچھ بھی ہے تعبیر طلب ہے۔ دوسرے اگر یہ سچا بھی ہو تو نہ یہ شانِ نبوت کے لیے اعتراض ہوسکتا ہے اور نہ ہی آپ اس سے نبی بن سکتے ہیں۔ آپ سے پہلے بھی ایک شخص نے ہمارے مقابلہ میں امرتسر سے اپنے ہاں لڑکا ہونے کی پیشگوئی کی تھی۔ مگر خدا جانے کیا ہوا وہ موہوم حمل بھی حمل نہ رہا اور ایک چوہا بھی پیدا نہ ہوا۔ غرض آپ کا خواب یا الہام بھی تو ابھی تصدیق طلب ہے مگر جن کے خوابوں کی تصدیق ہو چکی ہے اور ان میں سے بعض مشرک اور دہریہ بھی ہیں اور بعض فاسق و فاجر اور چور و زانی۔ ان کو بھی تو آپ کچھ جواب دیں کہ کیا آپ ان کو نبی یا ولی اللہ مان لیں گے؟

یہاں آنا ہو تو نفسانی غرض سے نہ آؤ بلکہ تحقیقِ حق کے لیے آؤ۔ اسی تصفیہ کے واسطے آجاؤ کہ خوابیں کفار فُجّار کو بھی آجاتی ہیں اور انبیاء کو بھی۔ جنسیت میں دونو مشترک ہیں تو پھر کفار اور انبیاء کی خوابوں اور الہامات میں مابہ الامتیاز کیا ہے؟ ان میں کوئی معیار بھی خدا تعالیٰ نے رکھا ہے کہ نہیں؟ یہ ایک دینی کام ہے اس کی تحقیق کے واسطے آجاؤ۔ ثواب بھی ہے۔

یاد رکھو کہ قرآن شریف نے ان دونو قسموں میں امتیازی معیار پیشگوئی کو رکھا ہے جو انسانی طاقتوں سے بالاتر اور خارق عادت رنگ میں غیب پر مشتمل ہو۔

معجزات دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو کہ موسیٰؑ کے سونٹے کی طرح فوراً دکھا دیئے جاتے ہیں۔ دوسرے علمی رنگ کے معجزات اور غیب پر مشتمل پیشگوئیاں۔ اوّل الذکر معجزات اس قسم کے ہوتے ہیں کہ ان سے دشمنوں کے مُنہ بند ہو جاتے ہیں مگر دیرپا اور ہمیشہ کے واسطے نہیں ہوتے بلکہ وہ وقتی ضرورت کے مناسبِ حال ہوتے ہیں پیچھے آنے والی قوموں کے واسطے وہ کوئی حجت اور دلیل نہیں ہوتے کیونکہ ان میں تدبر و فکر کا انسان کو موقعہ نہیں ملتا۔ مگر موخر الذکر معجزات ایسے علمی رنگ میں ہوتے ہیں کہ وہ ہمیشہ کے واسطے اور دیرپا ہوتے ہیں۔ انسان جوں جوں ان میں غور و خوض کرتا ہے توں توں ان کی شوکت اور عظمت بھی بڑھتی جاتی ہے اور جوں جوں بُعدِ زمانی ہوتا جاتا ہے۔ ان کی ضیاء اور شوکت میں ترقی ہوتی جاتی ہے۔ ان کی عظمت میں فرق نہیں آتا۔ چنانچہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اس قسمِ ثانی کے ہیں۔ دیکھ لو۔ تیرہ سو برس گذر چکے ہیں۔ زمانہ ترقی کے لحاظ سے معراج پر پہنچ گیا ہے۔ نئے نئے علوم اور طبعیات نکلے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا کوئی نقص

کوئی ثابت نہ کرسکا اور نہ ہی آپ کے معجزات کی قدر وعظمت میں فرق آیا بلکہ روز افزوں ان کی عظمت اور شوکت بڑھتی ہی جاتی ہے اور جُوں جُوں نئے نئے علوم نکلتے ہیں، سائنس اور فلسفہ ترقی کرتا جاتا ہے توں توں آپ کی تعلیم کی عظمت اور آپ کے معجزات کی شوکت زیادہ ہوتی ہے۔

دیکھو ایک اور بڑا بھاری ما بہ الامتیاز اللہ تعالیٰ نے یہ قائم کیا ہے لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ (الحاقۃ: ۴۵تا۴۷) یعنی اگر کوئی شخص تقول علی اللہ کرے تو وہ ہلاک کر دیا جاوے گا۔ خبر نہیں کیوں اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی خصوصیت رکھی جاتی ہے۔ کیا وجہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر تقول علی اللہ کریں تو اُن کو تو گرفت کی جاوے اور اگر کوئی اور کرے تو اس کی پروا نہ کی جاوے۔ نعوذ باللہ اس طرح سے تو امان اُٹھ جاتی ہے۔ صادق اور مفتری میں ما بہ الامتیاز ہی نہیں رہتا۔ اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ (طٰہٰ: ۷۵) فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (الزلزال: ۸-۹) اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ۔ (الانعام: ۲۲) ان آیات سے صاف طور سے عموم ظاہر ہو رہا ہے۔ کوئی خصوصیت نہیں۔ تو نہ معلوم پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر افترا علی اللہ کریں تو خدا بُرا مناتا ہے مگر کوئی اور یہی جُرم کر دے تو خیر چنداں حرج کی بات نہیں۔ معاذ اللہ،

براہین کے زمانہ کو دیکھو جبکہ اس نے خود ریویو بھی لکھا ہے۔ اس سے قسماً پوچھ لو کہ اس وقت میں اکیلا تھا اور اب اس وقت چار لاکھ سے بھی زیادہ آدمی ہمارے ساتھ ہیں۔ بھلا کبھی مفتری کی بھی اللہ تعالیٰ ایسی نُصرت کرتا ہے؟

پس عام لوگوں کی خوابوں اور انبیاء کی وحی میں اللہ تعالیٰ نے خود ما بہ الامتیاز مقرر کر دیئے ہیں۔ جنسیت کے لحاظ سے تو کم و بیش ہر طبقہ کے لوگ شامل ہیں مگر بلحاظ اپنی کیفیت اور کمیت، مقدار و نصرت انبیاء ہی کی وحی ممتاز اور قابلِ اعتبار ہوتی ہے۔

پھر ہمیں تشریعی نبوت کا دعویٰ نہیں ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ تشریعی نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگئی۔ اب اسی شریعت کی خدمت بذریعہ الہامات، مکالمات، مخاطبات اور بذریعہ پیشگوئیوں کے کرنے کا ہمارا دعویٰ ہے۔

مجدد صاحب لکھتے ہیں کہ یہی خوابیں اور الہامات جو گاہ گاہ انسان کو ہوتے ہیں اگر کثرت سے کسی کو ہوں تو وہ محدث کہلاتا ہے۔ غرض یہ سب کچھ ہم نے اپنی کتاب حقیقۃ الوحی میں مفصل لکھ دیا ہے۔ اس کا مطالعہ کرکے تسلی کر لیں۔[1]

---

[1] (الحکم جلد ۱۲ نمبر ۱۸ صفحہ ۴-۵ مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۰۸ء)

۷؍مارچ ۱۹۰۸ء

بوقتِ سیر

تحویلِ قبلہ کی حقیقت

کسی آریہ کے اس اعتراض پر کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خود اپنی وحی اور الہامات پر یقین اور وثوق نہ تھا اسی واسطے تحویلِ قبلہ ہوئی۔

فرمایا کہ:-

یہ نادان لوگ نہیں جانتے کہ تحویلِ قبلہ اور یہ انقلاب اللہ تعالیٰ نے اس واسطے کرائے کہ تا یہ ظاہر ہو جاوے کہ مسلمان کعبہ پرست نہیں ہیں۔ ہر دو متبرک مقامات جن کی بزرگی اور عزت کی وجہ سے کبھی کسی زمانے میں کسی کو ان کی پرستش کا خیال ہو سکتا تھا ان کو پیٹھ کے پیچھے کرا کے اس امر کا اظہار عام طور پر کرا دیا کہ مسلمان واقعی اور حقیقی طور سے خدا پرست ہیں نہ کعبہ پرست۔ بایں ہمہ یہ لوگ مسلمانوں پر حجرِ اسود کی پرستش کا الزام دیئے ہی جاتے ہیں۔ صاف بات ہے کہ عبادت کے لیے انسان کو کسی نہ کسی طرف تو مُنہ کرنا ہی پڑتا ہے۔ پس ایک شخص تو خود اپنی خواہش سے کسی طرف کو پسند کرتا ہے اور دوسرا حکمِ الٰہی سے ایک خاص طرف مُنہ کرتا ہے۔ بھلا بتاؤ تو سہی ان میں سے کون اچھا ہے۔ ایک تو حکم پرست ہے اور دوسرا نفس پرست۔ بایں ہمہ یہ لوگ مسلمانوں کو کعبہ پرست کہتے ہوئے شرماتے کیوں نہیں؟

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تحویلِ قبلہ کرنا اسی حقیقت پر مبنی تھا کہ مسلمان خاص موحّد اور توحید کے پابند ہو جاویں۔ کعبہ پرستی کا وہم تک بھی ان کے دل سے نکل جاوے نہ کسی تلوّن اور یقین کی کمی کی وجہ سے جیسا کہ نادان آریوں کا وہم ہے کیونکہ آپ تو صاف کہتے ہیں قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ (یوسف: ۱۰۹)

اس اعتراض کا جواب کہ مسلمانوں نے جنگوں میں لونڈیاں کیوں بنائیں؟

ایک دوسرے اعتراض پر کہ مسلمان لوگ جو جنگوں میں لونڈیاں بنا لیا کرتے تھے یہ بڑا ظلم اور وحشت ہے،

فرمایا کہ:-

مسلمانوں نے جو کچھ بھی کیا تھا سب کچھ کفارِ مکہ کے جَور و ستم اور ظلم و تعدّی کے بعد کیا تھا۔ ان کے مظالم کے کارنامے دیکھ کر پھر مسلمانوں پر اعتراض کرنا چاہیئے۔ بھلا غور کرو کہ مکہ میں آپ کی زندگی کس طرح گذری ہے۔

کس غربت اور انکساری سے اہلِ مکّہ کے تشدد اور مظالم کا مسلمان نشانہ بنتے رہے تھے کہ آخر ان کی شرارتوں سے تنگ آکر آپ کو اپنا عزیز وطن بھی چھوڑنا پڑا۔ اس زندگی میں ایک مسلمان بیوی کا ایک جگر خراش واقعہ ہے جو کفار مکّہ کے جَور وظلم کا مُشتے نمونہ از خروارے است۔ ہماری فطرت تقاضا نہیں کرتی کہ اس ظُلم کی تفصیل اور تشریح کریں۔ جنہوں نے وہ واقعہ کتبِ تواریخ میں پڑھا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ وہ کیسا جانکاہ واقعہ ہے۔

غرض مسلمانوں نے جو کچھ بھی کیا ہے دفاعی رنگ میں کیا ہے۔ مقابل لوگوں نے پہلے وہ سارے کام کئے تھے بعد میں مسلمانوں نے کئے۔ جیسا جیسا انہوں نے کیا تھا ویسا ان سے کیا گیا۔ جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا۔ (الشورٰی : ۴۱)

اصل بات یہ ہے کہ دُنیا کے انتظام کے واسطے خدا تعالیٰ نے دو حکومتیں بنائی ہیں۔ ایک ظاہری اور ایک باطنی۔ ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دونو حکومتیں عطا کی گئی تھیں۔ پس شریروں، بدمعاشوں، لٹیروں، راہزنوں کو ان کی شرارتوں کی سزا دینی ملک میں امن قائم کرنے کے واسطے ضروری تھی۔ مدینہ کے لوگوں نے آپؐ کو اس وقت اپنا ظاہری بادشاہ بھی مان لیا تھا۔ اکثر مقدمات کے فیصلے آپؐ سے ہی کراتے تھے۔ چنانچہ ایک مقدمہ ایک مسلمان اور یہودی کا تھا۔ آپؐ نے یہودی کو اس میں ڈگری دی تھی۔ بعض وقت آپ نے کفار کے جرائم انکو معاف بھی کئے اور بعض رسومِ بد کو آپ نے مقابلہ میں بھی ترک کر دیا ہے چنانچہ کفارِ مکّہ لڑائی میں مسلمان مُردوں کی بے حُرمتی کیا کرتے تھے۔ ناک کان کاٹ لیے جاتے تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اس رسمِ بد کے ترک کر دینے کا حکم دیا تھا۔

غرض ان معترضوں کو دونو آنکھوں سے کام لینا چاہیئے۔ دو آنکھوں کے ہوتے کانے کیوں بنتے ہیں؟ کفارِ مکّہ کے مظالم کو پہلے مطالعہ کریں۔ پھر مسلمانوں کی اگر کوئی زیادتی ثابت ہو تو ان کو حق ہے۔ مسلمانوں کے تمام جنگ اور کفار کے ساتھ تمام سلوک دفاعی رنگ میں ہیں۔ ابتداء ہرگز ہرگز مسلمانوں نے کبھی نہیں کی۔ اچھا اب دیکھو یہ سرحدی لٹیرے جو آئے دن گورنمنٹ کی رعایا کے جان و مال پر حملے کرتے ہیں اور بدامنی پھیلاتے ہیں۔ تو کیا گورنمنٹ کو چُپکے بیٹھے رہنا چاہیئے اور ان کی سرکوبی اور سزا کی کوئی مناسب تجویز نہیں کرنی چاہیئے؟ ذرا غور کرو اور سوچو! [1]

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۱۹ صفحہ ۲-۳ مورخہ ۱۴؍ مارچ ۱۹۰۸ء

۱۰؍مارچ ۱۹۰۸ء

(بوقتِ سیر)

دینی ضرورت کے لیے چندوں کی ضرورت

فرمایا:۔ دینی ضروریات کے انجام دینے کے واسطے چندوں کی ضرورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پیش آئی تھی۔ دیکھو ہماری جماعت جو اس وقت چار لاکھ یا اس سے بھی زیادہ ہے اگر اس میں سے صرف دس ہزار آدمی جو خواہ غریب کسان ہی ہوں اور اخلاص سے ضروریاتِ دینی کے واسطے اپنے نفس پر وہ اگر صرف آٹھ آنے (۸؍) ماہوار ہی مقرر کریں اور التزام سے ماہوار ادا کرتے رہیں تو پانچ ہزار روپیہ ماہوار کی کافی امداد دینی ضروریات کی انجام دہی کے واسطے پہنچ سکتی اور یہ امر جفاکش، محنتی اور دیانتدار واعظوں کے ذریعہ سے اچھی طرح سے پورا ہو سکتا ہے جو لوگوں کو دینی ضروریات سے آگاہ کرتے رہیں۔

فرمایا کہ:۔

سلسلہ خطوط کے دیکھنے سے پتہ لگ سکتا ہے کہ کس قدر لوگوں کے خط ہر روز بیعت کے واسطے آتے ہیں اور یوں بھی کوئی ہفتہ خالی نہیں جاتا کہ دس بیس آدمی بیعت نہ کرتے ہوں۔ اب اس طرح سے بیعت کے رجسٹروں کی تعداد میں تو روز افزوں ترقی ہے مگر یہ رجسٹر (یعنی باقاعدہ چندہ دہندگان کا) اپنی اسی حالت پر ہے۔ اس میں کوئی نمایاں ترقی نہیں ہوتی۔ اصل وجہ یہی ہے کہ لوگ بذریعہ خطوط بیعت کرتے ہیں یا اس جگہ آکر بیعت کرتے ہیں اور چلے جاتے ہیں مگر ان کو ضروریاتِ سلسلہ سے مطلع کرنے کا کوئی کافی ذریعہ نہیں ہے۔ ہمارے خیال میں مولوی فتح دین صاحب بھی اس کام کے واسطے موزون ہیں۔ آدمی مخلص دیانتدار ہیں اور یوں ان کی کلام بھی مؤثر ہے۔ ان کی پنجابی نظم جو اس ملک کی مادری زبان ہے اور جسے لوگ خوب سمجھتے ہیں وہ بھی اچھی مؤثر ہے ہمارے خیال میں ان کے ذریعہ سے تبلیغ و اشاعت کا کام بھی ہوتا رہے گا اور چندہ کی وصولی کا بھی باقاعدہ انتظام ہو جاوے گا۔

اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو عظمت اور رُعب عطا کرتا ہے

مولوی فتح دین صاحب کی کسی عرض پر فرمایا کہ:۔

خدا جب بندے سے خوش ہو جاتا ہے تو وہ اپنے بندے کو خود عظمت اور رُعب عطا کر دیتا ہے کیونکہ حق کے ساتھ ایک عظمت اور رُعب ہوتا ہے۔ دیکھو ابوجہل وغیرہ جو اس وقت مکہ میں بڑے آدمی بنے ہوئے تھے

اصل میں ان کا سارا تکبر اور دبدبہ جھوٹا تھا۔ ان کی عظمت فانی تھی۔ چنانچہ نتیجہ میں دیکھ لو کہ ان کی عظمت و شوکت کہاں گئی۔
اصل بات یہ ہے کہ سچا رُعب اور حقیقی عظمت ان لوگوں کو عطا کی جاتی ہے جو اوّل خدا کے واسطے اپنے اُوپر ایک موت وارد کر لیتے ہیں اور اپنی عظمت اور جلال کو خاکساری سے، انکساری سے، تواضع سے تبدیل کر دیتے ہیں۔ تب چونکہ انہوں نے خدا کے لیے اپنا سب کچھ خرچ کیا ہوتا ہے خدا خود اُن کو اُٹھاتا ہے اور قدرت نمائی سے ان کو نوازتا ہے۔ دیکھو تو بھلا اگر حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ بھی اپنی پہلی خاندانی بزرگی اور عظمت ہی کو دل میں جگہ دیئے رہتے اور خدا کے لیے وہ اپنا سب کچھ نہ کھو بیٹھتے تو کیا تھے زیادہ سے زیادہ مکہ کے کمرپنچ بن جاتے مگر نہیں خداتعالیٰ نے ان کے دلوں کے اندرونی حالات کو خلوص سے بھرا پایا اور انہوں نے خداتعالیٰ کی راہ میں اپنی کسی بزرگی اور عظمت و سطوت کی پروا نہ کی بلکہ سب کچھ نثار کر دیا اور خدا کے لیے فروتن، متواضع اور خاکسار ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو کیسا نوازا کیسی عظمت اور جبروت عطا کی۔ بھلا جو کچھ خدا نے ان کو دیا اس کا وہم بھی کبھی کسی عرب کے دل میں اس وقت آ سکتا تھا؟ ہرگز نہیں۔ پس سچی عظمت اور سچا رُعب یہی تھا نہ کہ ابوجہل وغیرہ کا۔ اور یہ سچی باتیں انہی کو دی جاتی ہیں جو پہلے اپنے اُوپر خدا کے لیے ایک موت وارد کر لیتے ہیں۔

استقامت اور دُعا سے کام لیں

فرمایا کہ:۔
بات دراصل یہ ہے کہ صبر سے کام لینا چاہیئے۔ ترقی ہو رہی ہے۔ قبولیت دلوں میں پیدا ہوتی جاتی ہے اور دُنیا کے کناروں تک اب یہ سلسلہ پہنچ چلا ہے۔ ہمارے پاس بعض ایسے لوگوں کے بھی خط آتے ہیں جن میں سے بعض رؤسائے ریاست بھی ہوتے ہیں اور انہوں نے بیعت بھی نہیں کی ہوتی وہ لکھتے ہیں کہ ہمارے لیے فلاں امر میں دُعا کی جاوے۔ اصل بات یہ ہے کہ دنیا کے دل مان گئے ہیں اور اب دیکھو متواتر چھبیس یا ستائیس برس سے ہمارا دعویٰ چلا آ رہا ہے اور خداتعالیٰ اس میں روز بروز ترقی دے رہا ہے۔ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے اس بات کی نظیر نہیں ملتی کہ کسی مفتری علی اللہ کو اس قدر مہلت دی گئی ہو اور ایسی قبولیت اور ترقی عطا کی گئی ہو۔ آسمانی اور زمینی نشان اس کے واسطے بطور شاہد پیدا کئے گئے ہوں۔ آخر ان باتوں کا بھی تو دلوں پر اثر ہوتا ہے۔ گھبرانا نہیں چاہیئے۔ صبر، استقامت اور دعا سے کام لینا چاہیئے۔

حضور کی ذرہ نوازی

سیر سے واپسی پر ایک کسان منگو نام سکنہ بھینی نے سامنے سے آ کر سلامِ مسنون اور مصافحہ کرنے کے بعد عرض کی کہ حضور تھوڑی دیر ٹھہر جاویں میں کچھ گنّے نذر کرنا چاہتا ہوں۔ حضور نے فرمایا:۔

کچھ ضرورت نہیں تمہیں ثواب ہوگیا۔ اب تکلیف مت کرو

مگر اس نے نہ مانا اور اصرار کیا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ :۔

اچھا میاں شادی خاں کو دیدو۔ وہ ہمارے واسطے لے آوے گا

مگر اس شخص نے نہایت ہی الحاح سے عرض کی کہ نہیں حضور ٹھہر ہی جاویں اور حضور کے سارے ساتھی گنّوں کی دعوت قبول کریں۔ یہ کہہ کر لپٹ گیا اور حضور کا ہاتھ پکڑ کر اپنے کھیت میں لے گیا حضرت اقدس مسکرائے اور اس کے کھیت میں چند منٹ تک ٹہلتے رہے۔ اتنے میں اس نے گنّے لا ڈھیر کئے۔ چنانچہ حضرت کے تمام ساتھیوں نے لے لیے۔ چلنے سے پہلے حضرت اقدس نے نہایت لُطف اور مہربانی سے اس شخص کو بُلا کر اس کا نام وغیرہ دریافت کیا اور اس کے صدق اور خلوصِ محبت سے مسکرا کر رُخصت ہوئے۔ اس واقعہ سے حضرت کے ہمراہیوں پر خاص اثر ہوا کہ لطف اور شفقت سے اور فراخدلی سے حضرت اقدس اس سے پیش آئے اور یہ آپ کے اخلاقِ حمیدہ کا ایک نمونہ تھا۔

ویدوں میں مورتی پوجا اور توحید

فرمایا :۔ ہر قوم کی اصلی تعلیم کا خواہ اس پر ہزاروں ہی برس کیوں نہ گذر جائیں کچھ نہ کچھ اثر یا نمونہ بطور بیج کے رہ ہی جاتا ہے۔ ویدوں میں اگر توحید کی تعلیم کا کوئی بھی شعبہ موجود ہوتا تو اس تعلیم کا اثر اس کے ماننے والوں میں ضرور کچھ نہ کچھ تو پایا جاتا۔ کروڑوں نمونے بُت پرستی کے موجود ہیں۔ لاکھوں مندروں میں طرح طرح کے بُت رکھے ہیں بلکہ اکثروں میں تو فحش اور ننگی مورتیاں انکے تمدن اور ویدوں کی تعلیم کی اصلیت کا راز عملی طور سے دنیا کے سامنے پیش کرتی ہیں۔ علمی رنگ میں انکی کتب جو دیانند سے پہلے اسلام کے مقابل میں علمِ مناظرہ میں لکھی گئی ہیں وہ ان کی تعلیم کی اصلیت ظاہر کرتی ہیں چنانچہ وہ لوگ ہمیشہ مسلمان موحدوں کے مقابلہ میں بُت پرستی کے اثبات کے دلائل اپنی انہی کتب منزلہ یعنی ویدوں سے پیش کیا کرتے تھے۔ اور ان کی ساری جدوجہد مورتی پوجا کے اثبات کے لیے ہوا کرتی تھی سوائے چندان آدمیوں کے جن کو دیانند نے پیدا کیا ہے۔ کُل بڑے بڑے علماء اور فضلاء مورتی پوجا ہی کے معتقد تھے۔ اب ہم ان لاکھ در لاکھ پنڈتوں اور متقدمین بزرگانِ اہلِ ہنود کو ان معدودے چند دیانندی خیال کے مقلدوں کے مقابلہ میں کس طرح جھوٹا جان سکتے ہیں۔ والفضل للمتقدم۔

یہ بات دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو یہ دعویٰ توحید پنڈت دیانند کا زمانہ حال کی موجودہ روش اور ترقی کو دیکھ کر خود ساختہ مسئلہ ہے اور دراصل ویدوں میں اس کا نام و نشان نہیں بلکہ وہی مُورتی پُوجا کا پُرانا مسلّمہ مسئلہ

ان کتب میں اصل الاصول ہے جس کا ثبوت مدت ہائے دراز سے اہلِ ہنود کے کروڑوں رشی اور پنڈت بزرگ اپنے عملی نمونے سے دنیا میں قائم کر گئے ہیں اور یا اگر پنڈت دیانند کو اپنے دعویٰ میں سچا مان لیں اور ان متقدمین کو جو ان کتابوں کے اصل وارث اور اہل تھے غلطی پر خیال کریں تو یوں ماننا پڑے گا کہ وید گونگے ہیں اور وہ اپنے اظہارِ مطلب سے بالکل عاری ہیں۔ توحید اور بُت پرستی میں زمین آسمان کا فرق ہے مگر ان دونو کا سرچشمہ وہی کتبِ مقدسہ یعنی وید ہی بتایا جاتا ہے۔ ایک طرف متقدمین اہلِ ہنود انہی ویدوں کو ہاتھ میں لیکر بُت پرستی ثابت کرتے ہیں اور موحدوں سے مباحثہ کرتے ہیں۔ دوسری طرف انہی پاک کتب سے آج کل موجودہ نسل کے دیانندی خیال کے لوگ جو بلحاظ زمانہ اور زبان کے بہت پیچھے کی نسلیں ہیں وہ انہی کتب سے توحید نکالتے ہیں اور بت پرستی کے دشمن ہیں۔ بہر حال ایک بات سے انکار نہیں یا تو پہلے بزرگ راستی پر ہیں اور یا وید گونگے ہیں کہ اپنے اظہارِ مطلب سے عاجز اور عاری ہیں۔ بھلا کبھی کسی نے کسی مسلمان کو بھی بُت پرستی اور مُورتی پوجا کا حامی دیکھا یا سُنا ہے۔ قرآن شریف نے توحید کے مسئلہ کو ایسا صاف اور بیّن دلائل سے کُھلے کُھلے طور سے بیان کیا ہے کہ بُت پرستی کا کبھی کسی مسلمان کے دل میں وہم و گمان تک بھی نہیں پیدا ہوا۔

فرمایا کہ:۔

چشمہ معرفت میں ہم نے ان لوگوں کے کُل اعتراضات کا پُورے طور سے ہمیشہ کے واسطے فیصلہ ہی کر دیا ہے۔ ہم یقین کرتے ہیں کہ اگر کوئی حق جُو انسان تعصب اور ہٹ دھرمی کو چھوڑ کر حق کی تلاش کے واسطے ہماری اس کتاب کو اوّل سے آخر تک پڑھ لے گا تو وہ کم از کم کبھی بھی اسلام کے برخلاف زبان یا قلم نہیں اُٹھا سکتا۔ پوری توجہ سے ایک سرے سے دوسرے سرے تک نظرِ انصاف سے پڑھنا شرط ہے[1]

۱۷ر مارچ ۱۹۰۸ء

حضرت علیؓ خلفاء ثلاثہ کو اپنا مقتداء تسلیم کرتے تھے

فرمایا:۔ شیعہ کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں کچھ کمی بیشی ہے۔ اس اعتراض کی زد میں سب سے پہلے وہی آتے ہیں۔ حضرت علیؓ اس لیے خلیفہ نہیں ہوئے تھے کہ معاویہ کے ساتھ جنگ کریں بلکہ ان کا فرض تھا کہ قرآنِ شریف کی حفاظت کریں جو اصل الاصول دین ہے۔ پس

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۱۹ صفحہ ۳-۴ مورخہ ۱۴ر مارچ ۱۹۰۸ء

وہ اپنی خلافت کے زمانے میں اصل قرآن کو شائع کر جاتے۔ کیا جس قرآن مجید کی اشاعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہزاروں مخالف و موافق لوگوں میں ہوتی رہی ہو اس میں کچھ تغیر ممکن تھا؟ یہ کیسی لغویات ہے۔

پھر ہم پوچھتے ہیں کہ ان ہی خلفاء کے پیچھے حضرت علیؓ نمازیں پڑھتے رہے۔ اگر ان کے غاصب ظالم ہونے کا یقین تھا تو ایسا کیوں کیا؟ دیکھو ہمارے مُرید ہیں وہ دوسروں کے پیچھے نماز نہ پڑھیں گے تو کیا حضرت علیؓ ان سے بھی ایمانی حالت میں کمزور تھے جو تقیہ کرتے رہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ کی زمین وسیع ہے۔ ایسی بات ہو تو ہجرت کر جاؤ۔ آپ نے یہ بھی نہ کیا جس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ خلفائے ثلاثہ کو اپنا مقتدا تسلیم کرتے تھے۔

امراء اہل اللہ کے محتاج ہوتے ہیں

فرمایا:۔ شَرُّ الْفُقَرَاءِ مَنْ هُوَ عَلٰى بَابِ الْاُمَرَاءِ۔

یہ لوگ (اولیاء، انبیاء) اللہ تعالیٰ سے بہتری پاتے ہیں۔ پس انہیں امراء کے پاس جانے کی کیا ضرورت ہے ہاں امراء ان کے بہت محتاج ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا احسان

فرمایا:۔ لوگ دینِ حق اختیار کر کے داعی الی اللہ پر احسان رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کہا یہ تو میرا احسان ہے کہ تمہیں ہلاکت سے بچا لیا۔ تم بجائے احسان نمائی کے نبی کا شکریہ ادا کرو۔

کیمیاء گری اور رزقِ کریم

فرمایا کہ:۔ بہت سے لوگ کیمیاء کی فکر میں لگے رہتے ہیں اور عمر کو ضائع کرتے ہیں اور بجائے اس کے کہ کچھ حاصل کریں جو کچھ پاس ہوتا ہے اس کو بھی کھو دیتے ہیں۔ ایک شخص بٹالہ کا رہنے والا تھا جو کہ کسی قدر غربت سے گذارہ کرتا تھا اور اس نے جو مکان رہائش کے لیے بنایا تھا اس کے باہر کی ایک ایک اینٹ تو پکی تھی اور باقی اندر سے کچا تھا۔ ایک دن اسے ایک فقیر ملا جو بہت وظیفہ پڑھتا رہتا تھا اور ظاہراً نہایت نیک معلوم ہوتا تھا۔ بوجہ اس کے ظاہری ورد و وظائف کے وہ سادہ لوح آدمی اس کے ساتھ بہت بیٹھتا اور تعلق رکھتا تھا۔ کچھ مدت کے بعد اس فقیر نے بڑی سنجیدگی سے اُس آدمی سے پوچھا کہ تم نے یہ مکان اس طرح پر کیوں بنایا ہے کیوں نہیں سارا پختہ بنا لیتے۔ اس نے جواب دیا کہ روپیہ نہیں غریب ہوں۔ اس پر فقیر نے

کہا روپیہ کی کیا بات ہے اور اتنا کہہ کر خاموش ہوگیا۔ اس ذومعنے جواب پر اس شخص کو کچھ خیال پیدا ہوا۔ اور اس نے اس سے پوچھا کہ کیا تم کچھ کیمیا جانتے ہو۔ اس نے کہا کہ ہاں اُستاد صاحب جانتے تھے اور بہت اصرار کے بعد مان لیا کہ مجھ کو بھی آتا ہے پر مَیں کسی کو بتاتا نہیں۔ چونکہ تم بہت پیچھے پڑے ہو اس لیے کچھ تم کو بتا دیتا ہوں اور یہ کہہ کر اس کو گھر کا زیور اکٹھا کرنے کی ترغیب دی اور کچھ مدت تک باہر میدان میں جاکر وظیفہ پڑھتا رہا۔ ایک دن زیور لے کر ہنڈیا میں رکھنے لگا مگر کسی طرح اس زیور کو تو چرا لیا اور اس کی جگہ اینٹیں اور روڑے بھر دیئے اور خود وظیفہ کے بہانے باہر چلا گیا اور جاتے وقت کہہ گیا کہ اس ہنڈیا کو بہت سے اُپلوں میں رکھکر آگ دو۔ مگر دیکھنا کچا نہ اُتارنا بلکہ جب تک میں نہ آؤں اسے ہاتھ نہ لگانا۔ اس نے اسکے کہنے کے مطابق اس ہنڈیا کو خوب آگ دی اور اس قدر دھواں ہوا کہ ہمسائے اکٹھے ہو گئے اور دروازہ کھلوا کر اندر گئے اور جب اُس سے پوچھنے پر معلوم کیا کہ کیمیا بن رہا ہے تو انہوں نے اس شخص کو سمجھایا کہ وہ تجھے لُوٹ کر لے گیا اور جب ہنڈیا کھولی تو اس میں سے روڑے نکلے۔ چنانچہ وہ شخص جب کسی کام کے لیے گورداسپور گیا تو اُسے وہاں معلوم ہوا کہ وہی شخص کسی اَور کو دھوکا دے گیا ہے اور وہاں آگ جل رہی ہے۔ پس اس نے ان کو بھی سمجھا دیا کہ مجھ کو بھی لُوٹ کر لے گیا ہے اور وہاں بھی ہنڈیا کھولنے پر اینٹ پتھر ہی نکلے۔

اسی طرح قادیان کے پاس ایک گاؤں ہے۔ وہاں ایک کیمیاگر آیا اور مسجد میں ٹھہرا۔ مسجد والے سے پوچھا کہ یہ مسجد ٹوٹی پھوٹی ہے اس کو بناتے کیوں نہیں؟ اس نے کہا کہ ہمارے آباؤ اجداد کے زمانے میں یہ مسجد بنی تھی اب ہم غریب ہیں اس قدر روپیہ نہیں۔ اس نے کہا کہ نہیں روپیہ کا کیا ہے بندوبست ہو جائے گا اور پوچھے جانے پر جواب دیا کہ مَیں چاندی بنا سکتا ہوں۔ چنانچہ اس شخص نے پچیس روپے دیئے اور وہ کیمیاگر اس کو لے کر بٹالہ آیا اور وہاں پہنچ کر اس کو صاف کی ہوئی قلعی دیدی۔ وہ شخص بیچارہ سادہ لوح تھا فرق نہ کر سکا اور اپنے گاؤں آکر سُنار کو دکھلائی تو معلوم ہوا کہ بالکل بے قیمت ہے۔

اسی طرح ایک ڈپٹی صاحب تھے جن کو مُدت سے کیمیا کا شوق تھا اور اس میں بہت روپیہ ضائع کر چکے تھے۔ ایک دن ایک آدمی اُن کے پاس آیا اور کہا کہ مَیں کیمیا بنانی جانتا ہوں مگر سامان وغیرہ کے لیے پانچ سو روپیہ درکار ہے۔ وہ ڈپٹی صاحب نے فوراً دلوا دیا۔ روپیہ لے کر وہ شخص ایک پاس کی دکان میں بیٹھ گیا اور ڈپٹی صاحب کو کہلا بھیجا کہ روپیہ تو مَیں لے چکا۔ اب جو مرضی ہو کرو۔ مَیں نہیں دیتا۔ لینا ہے تو عدالت میں نالش کرو۔ ڈپٹی صاحب اب ایسے بوڑھاپے میں نالش کس طرح کرتے اور کرتے تو اپنی بے عزتی ہوتی۔ چُپ ہو رہے۔ غرض یہ سب بیہودہ ہے۔

کیمیا کی مرض پہلے زمانہ میں تو عام طور پر تھی اور ہنود اس میں مدت سے پھنسے ہوئے تھے مگر افسوس بعض

تعلیم یافتہ لوگ اب تک اس کے دلدادہ ہیں۔ اسلام اس کو بالکل ناجائز قرار دیتا ہے اور قرآن شریف سے ثابت ہے کہ رزقِ کریم متقی کو ضرور ملتا ہے اور وہ رزق جس سے فائدہ پہنچے کریم ہی ہوتا ہے۔ ورنہ بہت سے ایسے مال ہوتے ہیں جو ناجائز طریقوں سے کمائے جاتے ہیں اور ناجائز باتوں میں اور فضول رسُومات میں اُٹھ جاتے ہیں۔ حالانکہ محنت اور نیکی سے کمایا ہوا روپیہ اپنے اصل موقعہ پر خرچ ہوتا ہے جیسا کہ ان دو بھائیوں کے قصہ سے ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ نے اَبُوْهُمَا صَالِحًا (الکھف: ۸۳) کی وجہ سے دو نبیوں کو اس بات پر مامور کیا کہ اس روپیہ کی حفاظت کیلئے جو کہ نیکی اور تقویٰ سے کمایا ہوا تھا ایک دیوار بنائیں۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ فِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ (الذاریات: ۲۳-۲۴) یعنی ہر ایک انسان کو خدا تعالیٰ اپنے پاس سے روزی دیتا ہے۔ حضرت داؤد کہتے ہیں کہ میں بچہ تھا اور بوڑھا ہو گیا ہوں مگر آج تک مَیں نے کسی صالح کی اولاد کو ٹکڑے مانگتے نہیں دیکھا۔ اسی طرح توریت میں ہے کہ نیک بخت انسان کا اثر اس کی سات پُشت تک جاتا ہے۔ پھر قرآنِ مجید میں بھی ہے کہ كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا (الکھف: ۸۳) یعنی ان کا باپ صالح تھا اس لیے خدا تعالیٰ نے ان کا خزانہ محفوظ رکھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لڑکے کچھ ایسے نیک نہ تھے۔ باپ کی نیکی کی وجہ سے بچائے گئے۔

پس انسان کے لیے متقی اور نیک بننا کیمیاگر سے بہت بہتر ہے۔ اس کیمیا گری میں تو روپیہ ضائع ہوتا ہے مگر اس کیمیا گری میں دین بھی اور دُنیا بھی دونو سدھر جاتے ہیں۔ افسوس ہے ان لوگوں پر جو ساری عمر یونہی فضول ضائع کر دیتے ہیں اور کیمیا کی تلاش میں ہی مر جاتے ہیں حالانکہ اس کوچہ میں سوائے نقصانِ مال اور نقصانِ ایمان اَور کچھ نہیں اور ایسا شخص یکے نقصان مایہ و دیگر شماتتِ ہمسایہ کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

اصل کیمیا تقویٰ ہے جس نے اس کو حاصل کر لیا اس نے سب کچھ حاصل کر لیا اور جس نے اس نسخہ کو نہ آزمایا اُس نے اپنی عمر ضائع کی۔ اگر کیمیا واقعی ہو بھی تو بھی اس کے پیچھے عمر کھونے والا کبھی متقی اور پرہیز گار نہیں ہو سکتا۔ جس کو رات دن دُنیا کی محبت لگی رہے گی وہ اپنے پاک اور پیارے خدا کی محبت کو اپنے دل میں کس طرح جگہ دے گا۔

عقیدۂ کفّارہ

کفارہ کی نسبت فرمایا کہ:۔

عیسائی کفارہ پر اس قدر زور دیتے ہیں حالانکہ یہ بالکل لغویات ہے۔ انکے اعتقاد کے موافق مسیح کی انسانیت قربان ہو گئی مگر صفتِ خدائی زندہ رہی۔ اب اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ وہ جو دنیا کے لیے فدا ہوا وہ تو ایک انسان تھا خدا نہ تھا۔ حالانکہ کفارہ کے لیے بموجب انہی کے اعتقاد کے خدا کو قربان ہونا ضروری تھا مگر ایسا نہیں ہوا بلکہ ایک انسانی جسم فدا ہوا اور خدا زندہ رہا۔ اور اگر خدا فدا ہوا تو اس پر موت آئی۔

اصل میں اس کفارہ کی وجہ سے ہی دُنیا میں گناہوں کی کثرت ہو رہی ہے مگر جب عیسائیوں کو کہا جاتا ہے کہ کفارہ نے دُنیا میں گناہ پھیلایا ہے تو وہ جواب دیتے ہیں کہ کفارہ صرف نجات کے لیے ہے۔ ورنہ جب تک انسان پاک نہ ہو اور گناہوں سے پرہیز نہ کرتا ہو کفارہ کچھ نہیں۔ مگر جب انہی لوگوں کی طرف دیکھا جاتا ہے جو اس قول کے کہنے والے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ طرح طرح کے گناہوں میں مبتلا ہیں۔ ایک دفعہ ایک پادری کسی گندگی کی وجہ سے پکڑا گیا تو اس نے جواب دیا کہ کفارہ ہو چکا ہے اب کوئی گناہ نہیں۔ اگر کفارہ گناہ کرنے سے نہیں بچاتا تو اس کا کیا فائدہ؟ چنانچہ اس کا جواب عیسائی کچھ نہیں دے سکتے۔[1]

غیروں کے پیچھے نماز

۱۷ر مارچ ۱۹۰۸ء کو ایک صاحب علاقہ بلوچستان نے حضرت اقدس کی خدمت میں خط لکھا کہ "آپ کا ایک مرید نور محمد نام میرا دلی دوست ہے۔ وہ بڑا نمازی ہے، نیکوکار ہے۔ سب اس کی عزت کرتے ہیں۔ ہمہ صفت موصوف خلیق شخص ہے۔ دیندار ہے۔ اس سے ہم کو آپ کے حالات معلوم ہوئے تو ہمارا عقیدہ یہ ہو گیا ہے کہ حضور بڑے ہی خیر خواہ اُمتِ محمدیہ و مداحِ جناب رسُول مقبول و اصحاب کبار ہیں۔ آپ کو جو بُرے نام سے یاد کرے وہ خود بُرا ہے مگر باوجود ہمارے اس عقیدہ وخیال کے نور محمد مذکور ہمارے ساتھ باجماعت نماز نہیں پڑھتا اور نہ جمعہ پڑھتا ہے اور وجہ یہ بتلاتا ہے کہ غیر احمدی کے پیچھے ہماری نماز نہیں ہوتی۔ آپ اس کو تاکید فرماویں کہ وہ ہمارے پیچھے نماز پڑھ لیا کرے تاکہ تفرقہ نہ پڑے کیونکہ ہم آپ کے حق میں بُرا نہیں کہتے۔" یہ اس خط کا اقتباس اور خلاصہ ہے۔ اس کے جواب میں اسی خط پر حضرت نے عاجز[2] کے نام تحریر فرمایا:

جواب میں لکھ دیں کہ چونکہ عام طور پر اس ملک کے مُلّاں لوگوں نے اپنے تعصّب کی وجہ سے ہمیں کافر ٹھہرایا ہے اور فتوے لکھے ہیں اور باقی لوگ ان کے پیرو ہیں۔ پس اگر ایسے لوگ ہوں کہ وہ صفائی ثابت کرنے کے لیے اشتہار دے دیں کہ ہم ان مکفّر مولویوں کے پیرو نہیں ہیں تو پھر ان کے ساتھ نماز پڑھنا روا ہے ورنہ جو شخص مسلمانوں کو کافر کہے وہ آپ کافر ہو جاتا ہے پھر اس کے پیچھے نماز کیونکر پڑھیں یہ تو شرعِ شریف کی رُو سے جائز نہیں ہے۔

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۰ صفحہ ۷۔۸ مورخہ ۱۸ر مارچ ۱۹۰۸ء

[2] یعنی حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ عنہ ایڈیٹر "بدر" (مرتب)

فوٹوگرافی ایک شخص نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے سوال کیا تھا کہ کیا عکسی تصویر لینا شرعاً جائز ہے؟

فرمایا کہ:۔

یہ ایک نئی ایجاد ہے۔ پہلی کتب میں اس کا ذکر نہیں۔ بعض اشیاء میں ایک منجانب اللہ خاصیت ہے جس سے تصویر اُتر آتی ہے۔ اگر اس فن کو خادمِ شریعت بنایا جاوے تو جائز ہے۔

قضاء نماز ایک شخص نے سوال کیا کہ چھ ماہ تک تارکِ صلوٰۃ تھا۔ اب میں نے توبہ کی ہے کیا وہ سب نمازیں اب پڑھوں؟

فرمایا:۔

نماز کی قضا نہیں ہوتی۔ اب اس کا علاج توبہ ہی کافی ہے[1]

بلا تاریخ[2]

تین سال کے اندر طلبِ نشان والی پیشگوئی کے اشتہار کا انگریزی میں ترجمہ ہو کر لاہور میں طبع ہونے کے واسطے آیا ہوا تھا۔ اس کو لیکر ہفتہ کی شام کو میں یہاں سے روانہ ہوا۔ اور چھینہ کے سٹیشن پر اُتر کر دارالامان کو روانہ ہوا۔ راستہ میں سے چراغ علی صاحب جو کہ شیخ حامد علی صاحب کے چچا ہیں نہایت مہربانی سے میرے ساتھ ہوئے اور میرا بوجھ اُٹھایا اور مجھے راستہ دکھایا اور ہم دارالامان میں پہنچے۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

نمازِ فجر کے وقت حضور اقدس کی زیارت مسجد میں ہوئی جس سے قلب کو نُور حاصل ہوا اور نمازِ فجر کے بعد آپ نے وہ انگریزی اشتہار اول سے آخر تک سُنا۔ عبارت انگریزی پڑھ کر اور ہر ایک فقرہ کے ساتھ ترجمہ کر کے مَیں نے سُنایا اور اس کے بعد آپ اندر تشریف لے گئے اور پھر

---

[1] بدر جلد ۸ نمبر ۷-۸-۹ صفحہ ۵ مورخہ ۲۴-۳۱ دسمبر ۱۹۰۸ء

[2] حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ عنہ نے دسمبر ۱۸۹۹ء میں ڈاکٹر رحمت علی صاحب کے نام ایک مکتوب لکھا جس میں دارالامان کے حالات اور سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ملفوظات درج کئے یہ خط ۱۹ مارچ ۱۹۰۸ء کے بدر میں "دارالامان کے حالات آج سے آٹھ سال پہلے" کے عنوان سے شائع ہوا چنانچہ یہ ملفوظات اسی مکتوب میں سے لیے گئے ہیں جو ۱۸۹۹ء کے ہیں (مرتب)

نو بجے کے قریب سیر کے واسطے تشریف لائے۔ ملتے ہی فرمایا:۔
آپ نے اس کام میں خوب ہمت کی۔

انگریزی دانوں کیلئے حصولِ ثواب کی راہ

فرمایا کہ:۔
اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ ہم نے انگریزی نہیں پڑھی کہ آپ لوگوں کو ثواب میں شامل کرنا چاہتا ہے۔ انگریزی اگر ہم پڑھے ہوئے ہوتے تو اردو کی طرح اس کے بھی دو چار صفحے ہم لکھ دیا کرتے مگر خدا نے چاہا کہ جیسے آپ ہیں اور مولوی محمد علی صاحب ہیں آپ لوگوں کو بھی یہ ثواب دیا جاوے۔

مَیں نے عرض کی کہ یہ ہمت اور ثواب تو مولوی محمد علی صاحب کی ہی ہے۔

فرمایا کہ:۔
عالمگیر کے زمانہ میں مسجد شاہی کو آگ لگ گئی تو لوگ دوڑے دوڑے بادشاہ سلامت کے پاس پہنچے اور عرض کی کہ مسجد کو تو آگ لگ گئی۔ اس خبر کو سُن کر وہ فوراً سجدہ میں گرا اور شکر کیا۔ حاشیہ نشینوں نے تعجب سے پوچھا کہ حضور سلامت یہ کونسا وقت شکر گذاری کا ہے کہ خانۂ خدا کو آگ لگ گئی اور مسلمانوں کے دلوں کو سخت صدمہ پہنچا ہے۔ تو بادشاہ نے کہا کہ مَیں مدت سے سوچتا تھا اور آہ سرد بھرتا تھا کہ اتنی بڑی عظیم الشان مسجد جو بنی ہے اور اس عمارت کے ذریعہ سے ہزارہا مخلوقات کو فائدہ پہنچتا ہے۔ کاش کوئی ایسی تجویز ہوتی کہ اس کارِ خیر میں کوئی میرا بھی حصہ ہوتا لیکن چاروں طرف سے میں اس کو مکمل اور بے نقص دیکھتا تھا کہ مجھے کچھ سوجھ نہ سکتا کہ اس میں میرا ثواب کس طرح ہو جاوے۔ سو آج خدا نے میرے واسطے حصولِ ثواب کی ایک راہ نکال دی۔ وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ (البقرۃ: ۲۲۵)

تین آریہ معاندینِ اسلام

پھر لیکھرام کے متعلق دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ فرمایا:۔
اسلام پر حملہ کرنے میں اور مسلمانوں کا بے جا دل دکھانے میں آریوں کے درمیان ایک طرح کی تریمورتی تھی جن میں سے سب سے بڑھ کر لیکھرام تھا اور اس کے بعد اندرمن اور الکھ دھاری تھے۔

فرمایا کہ:۔
دیانند بھی تھا مگر اس کو ایسا موقعہ نہیں ملا تھا اور نہ وہ اس طرح سے کتابیں لکھتا تھا۔

فرمایا:۔
ان تینوں نے اور خصوصاً لیکھرام نے بڑی بے ادبیاں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کی تھیں۔

اللہ تعالیٰ کا طریق ہے کہ جس راہ سے کوئی بدی کرے اسی راہ سے گرفتار کیا جاتا ہے۔ چونکہ لیکھرام نے زبان کی چھری کو اسلام کے برخلاف حد سے بڑھ کر چلایا۔ اس واسطے خدا نے اس کو چھری سے سزا دی۔

فرمایا:۔

لیکھرام کے معاملہ میں غیب کا ہاتھ کام کرتا ہوا صاف دکھائی دیتا ہے۔ ایک شخص کا شدھ ہونے کے لیے اس کے پاس آنا، اس کا اس پر بھروسہ کرنا یہانتک کہ اپنے گھر میں بلاتکلف اس کو لے جانا۔ شام کے وقت دیگر ملاقاتیوں کا چلا جانا، ان کا اکیلا رہ جانا، عین عید کے دوسرے دن اس کا اس کام کے لیے عازم ہونا، لیکھرام کا لکھتے لکھتے کھڑے ہو کر انگڑائی لینا اور اپنے پیٹ کو سامنے نکالنا اور چھری کا وار کاری پڑنا، مرتے وقت تک اس کی زبان کو خدا تعالیٰ نے ایسا بند کرنا کہ باوجود ہوش کے اور اس علم کے کہ ہم نے اس کے برخلاف پیشگوئی کی ہوئی ہے ایک سیکنڈ کے واسطے اس شبہ کا اظہار بھی نہ کرنا کہ مجھے مرزا صاحب پر شک ہے۔ پھر آج تک اس کے قاتل کا پتہ نہ چلنا، یہ سب خدا کے فعل ہیں جو ہیبت ناک طور پر اس کی قدرت اور طاقت کو جلوہ دے رہے ہیں۔

فرمایا کہ:۔

لیکھرام بڑا ہی زبان دراز تھا اور اس کے بعد ایسا کوئی پیدا نہیں ہوا کیونکہ اِذَا ھَلَکَ کِسْرٰی فَلَا کِسْرٰی بَعْدَہٗ۔ اب اللہ تعالیٰ زمین کو ایسے لوگوں سے پاک رکھے گا۔

معجزات اور شعبدہ بازی میں فرق

فرمایا کہ:۔

دنیا کے اندر جو نشانات حضرت موسیٰ یا دیگر انبیاء نے اس طرح کے دکھائے جیسا کہ سوٹے سے رسی کا سانپ بنانا۔ یہ سب شبہ میں ڈالنے والی باتیں ہیں۔ خصوصاً اس زمانہ کے درمیان جبکہ ہر طرح کی شعبدہ بازیاں مداری لوگ دکھاتے ہیں کہ انسان کی سمجھ میں ہرگز نہیں آتا کہ یہ امر کس طرح سے ہو گیا اور انگریز لوگ ایسے ایسے کرتوت شعبدہ بازی کے دکھاتے ہیں کہ مرا ہوا آدمی واپس آجاتا ہے اور ٹوٹی ہوئی چیزیں ثابت دکھائی دیتی ہیں جیسا کہ آئین اکبری میں بھی ابوالفضل نے ایک قصہ بیان کیا ہے کہ ایک شعبدہ باز آسمان پر لوگوں کے سامنے چڑھ گیا اور اوپر سے اس کے اعضاء ایک ایک ہو کر گرے اور اس کی بیوی ستی ہو گئی لیکن وہ آسمان سے پھر اُتر آیا اور اُس نے اپنی بیوی کے لیے مطالبہ کیا اور ایک وزیر پر شبہ کیا کہ اُس نے چھپا رکھی ہے اور یہ اس پر عاشق ہے اور پھر اس کی تلاشی کی اجازت بادشاہ سے لیکر اسی کی بغل سے نکال لی۔

فرمایا:۔

ایسی صورتوں میں پھر سوائے اس کے اور کچھ باقی نہیں رہتی ہے کہ انسان ایمان سے کام لے اور انبیاء کے کاموں کو خدا کی طرف سے سمجھے اور شعبدہ بازوں کے کاموں کو دھوکا اور فریب خیال کرے اور اس طرح سے یہ

معاملہ بہت نازک ہو جاتا ہے لیکن خدا تعالیٰ نے قرآنِ شریف کو جو معجزہ عطا فرمایا ہے وہ اعلیٰ درجہ کی اخلاقی تعلیم اور اصولِ تمدن کا ہے اور اس کی بلاغت اور فصاحت کا ہے جس کا مقابلہ کوئی انسان کر نہیں سکتا اور ایسا ہی معجزہ غیب کی خبروں اور پیشگوئیوں کا ہے۔ اس زمانہ کا کوئی شعبدہ بازی میں اُستاد ہرگز ایسا کرنے کا دعویٰ نہیں کرتا اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمارے نشانات کو ایک تیزِ صاف عطا فرمائی ہے تاکہ کسی شخص کو حیلہ حجت بازی کا نہ رہے اور اس طرح خدا تعالیٰ نے اپنے نشانات کھول کھول کر دکھائے ہیں جن میں کوئی شک وشبہ اپنا دخل نہیں پیدا کر سکتا۔

ایک شخص نے کہا کہ کوئی اعتراض کرتا تھا کہ مرزا صاحب نے لیکھرام کو آپ مروا ڈالا۔

فرمایا:۔

ایک بیہودہ اور جھوٹ بات ہے بگران لوگوں کو یہ تو خیال کرنا چاہیئے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابورافع اور کعب کو کیوں قتل کروایا تھا؟

فرمایا:۔

ہماری پیشگوئیاں سب اقتداری پیشگوئیاں ہیں اور یہ نشان ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہیں۔

قرآنِ شریف کا اعجاز

فرمایا:۔

لوگوں کی فصاحت اور بلاغت الفاظ کے ماتحت ہوتی ہے اور اس میں سوائے قافیہ بندی کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ جیسے ایک عرب نے لکھا ہے سَافَرْتُ اِلٰی رُوْمَ وَ اَنَا عَلٰی جَمَلٍ مَالُوم۔ میں روم کو روانہ ہوا۔ اور میں ایک ایسے اونٹ پر سوار ہوا جس کا پیشاب بند تھا۔ یہ الفاظ صرف قافیہ بندی کے واسطے لائے گئے ہیں۔ یہ قرآنِ شریف کا اعجاز ہے کہ اس میں سارے الفاظ ایسے موتی کی طرح پروئے گئے ہیں اور اپنے اپنے مقام پر رکھے گئے ہیں کہ کوئی ایک جگہ سے اُٹھا کر دوسری جگہ نہیں رکھا جا سکتا اور کسی کو دوسرے لفظ سے بدلا نہیں جا سکتا۔ لیکن اس کے باوجود اس کے قافیہ بندی اور فصاحت وبلاغت کے تمام لوازم موجود ہیں

کلمۂ طیبہ کے بغیر حقیقی شجاعت پیدا نہیں ہوتی

ایک شخص نے کسی صوفی گدی نشین کی تعریف کی کہ وہ آدمی بظاہر نیک معلوم ہوتا ہے اور اگر اس کو سمجھایا جاوے تو اُمید کی جا سکتی ہے کہ وہ اس بات کو پا جاوے اور عرض کی کہ میرا اس کے ساتھ ایک ایسا تعلق ہے کہ اگر حضور مجھے ایک خط ان کے نام لکھ دیں تو میں لے جاؤں اور امید ہے کہ ان کو فائدہ ہو۔

فرمایا:۔

آپ دو چار دن اَور یہاں ٹھہریں۔ مَیں انتظار کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ خود بخود استقامت کے ساتھ کوئی بات دل میں ڈال دے تو مَیں آپ کو لکھ دوں۔

پھر فرمایا کہ:۔

جب تک ان لوگوں کو استقامت، حُسنِ نیت کے ساتھ چند دن کی صحبت نہ حاصل ہو جاوے تب تک مشکل ہے۔ چاہیئے کہ نیکی کے واسطے دل جوش مارے اور خدا کی رضا کے حصول کے لیے دل ترساں ہو۔

اس شخص نے عرض کی کہ ان لوگوں کو اکثر یہ حجاب بھی ہوتا ہے کہ شاید کسی کو معلوم ہو جاوے تو لوگ ہمارے پیچھے پڑ جاویں۔

فرمایا:۔

اس کا سبب یہ ہے کہ ایسے لوگ لاالٰہ الاّ اللہ کے قائل نہیں ہوتے اور سچے دل سے اس کلمہ کو زبان سے نکالنے والے نہیں ہوتے۔ جب زید و بکر کا خوف درمیان میں ہے تب تک لاالٰہ الاّ اللہ کا نقش دل میں نہیں جم سکتا۔

فرمایا:۔

یہ جو رات دن مسلمانوں کو کلمہ طیبہ کہنے کے واسطے تائید اور تاکید ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ بغیر اس کے کوئی شجاعت پیدا نہیں ہو سکتی۔ جب آدمی لاالٰہ الاّ اللہ کہتا ہے تو تمام انسانوں اور چیزوں اور حاکموں اور افسروں اور دشمنوں اور دوستوں کی قوت اور طاقت ہیچ ہو کر صرف اللہ کو دیکھتا ہے اور اس کے سوائے سب اس کی نظروں میں ہیچ ہو جاتے ہیں پس وہ شجاعت اور بہادری کے ساتھ کام کرتا ہے اور کوئی ڈرانے والا اس کو ڈرا نہیں سکتا۔

فراست

فرمایا:۔

فراست بھی ایک چیز ہے جیسا کہ اس یہودی نے دیکھتے ہی حضرت رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہدیا کہ مَیں ان میں نبوت کے نشان پاتا ہوں اور ایسا ہی مباہلہ کے وقت عیسائی حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نہ آئے کیونکہ ان کے مشیر نے ان کو کہہ دیا تھا کہ میں ایسے مونہہ دیکھتا ہوں کہ اگر وہ پہاڑ کو کہیں گے کہ یہاں سے ٹل جا تو وہ ٹل جائے گا۔

فرمایا:۔
اگر کسی کے باطن میں کوئی حصّہ رُوحانیت کا ہے تو وہ مجھ کو قبول کرے گا۔

ایک کتاب لکھنے کی خواہش

فرمایا کہ:۔
مَیں چاہتا ہوں کہ ایک کتاب تعلیم کی لکھوں اور مولوی محمد علی صاحب اس کا ترجمہ کریں۔ اس کتاب کے تین حصّے ہوں گے ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں ہمارے کیا فرائض ہیں اور دوسرے یہ کہ اپنے نفس کے کیا کیا حقوق ہم پر ہیں اور تیسرے یہ کہ بنی نوع کے ہم پر کیا کیا حقوق ہیں۔

اولیاء کی کراماتِ مشہورہ

فرمایا:۔
زمانۂ نبوت تو نورٌ علیٰ نور تھا اور ایک آفتاب تھا، لیکن اس کے بعد کے اولیاء کے جو خوارق و کرامات بتلائے جاتے ہیں وہ اپنے ساتھ انکشاف نہیں رکھتے اور ان کی تاریخ کا صحیح پتہ نہیں لگ سکتا۔ چنانچہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے کرامات ان کے دو سو سال بعد لکھے گئے اور علاوہ اس کے ان لوگوں کو یہ موقعہ مقابلہ دشمن کا نہیں ملا اور نہ ان کو ایسا فتنہ درپیش آیا جیسا کہ ہم کو۔
ایسی ہی باتوں پر سیر کا وقت ختم ہوا۔ اور رُوحوں کو ایک تازگی حاصل ہوئی۔

لُوقا کے بارہ میں تحقیق کی ضرورت

اس کے بعد حضور اقدس ظہر اور عصر کی نمازیں ہمارے ساتھ شامل ہوئے اور مغرب سے عشاء کے پڑھ چکنے تک باہر تشریف فرما رہے اور مغرب کے بعد آپ نے ایک مخلص کا خط سُنا اور دو اخباریں سنیں ایک تو سیالکوٹ کی جس میں مرہم عیسٰی کا ذکر ہے اور اس کو سُنکر بہت محظوظ ہوئے مَیں اُمید کرتا ہوں کہ لکھنے والے کا اجر قائم ہو گیا۔ خصوصاً ڈاکٹر لُوقا کے لفظ پر بہت خوش ہوئے اور اس کے ڈاکٹر ہونے کے متعلق زیادہ تحقیقات کرنے کے واسطے اس عاجز کو ارشاد صادر فرمایا۔
نمازِ فجر کے وقت حضرت اقدس تشریف لائے اور نماز کے بعد اندر چلے گئے اور اس کے بعد نو بجے کے قریب سیر کے واسطے تشریف لائے اور احباب ہم گوش ہو کر ساتھ ہو لیے۔ وہی رات والے مضمون ڈاکٹر لوقا کا ذکر درمیان آیا۔ میاں اللہ دیا صاحب لدھیانوی بھی اتفاقاً ساتھ تھے انہوں نے بھی تصدیق کی کہ لُوقا ڈاکٹر تھا مگر یہ ثابت نہیں ہوتا تھا کہ حضرت مسیح کے زمانہ میں تھا۔ اسکے واسطے زیادہ تحقیقات کے لیے میاں اللہ دیا کو بھی ارشاد ہوا۔ اسی پر بہت دیر تک گفتگو ہوتی رہی

گئ۔ حضرت نے فرمایا:۔
عربی میں لق چٹنی کو بھی کہتے ہیں۔
مَیں نے عرض کی کہ انگریزی میں لِق چاٹنے کو کہتے ہیں۔
فرمایا:۔
چٹنی تک تو بات پہنچ گئی ہے۔ اُمید ہے مرہم پٹی تک بھی بات نکل آوے۔
فرمایا کہ:۔
انگریزی کتابوں اور تاریخ کلیسا سے اس کے حالات کے متعلق تحقیقات کرنی چاہیئے یہ ایک نئی بات نکلی ہے۔
پھر فرمایا کہ:۔
یہ مشکل امر نہیں ہے۔ اگر ہم چاہیں تو لوقا پر توجہ کریں اور اس سے سب حال دریافت کریں مگر ہماری طبیعت اس امر سے کراہت کرتی ہے کہ ہم اللہ کے سوائے کسی اور کی طرف توجہ کریں۔ خدا تعالیٰ آپ ہی سب کام بناتا ہے۔

کشف قبور

پھر فرمایا کہ:
یہ لوگ جو کشفِ قبور لیے پھرتے ہیں یہ سب جھوٹ اور لغو اور بیہودہ بات ہے اور شرک ہے۔ ہم نے سُنا ہے کہ اس طرف ایک شخص پھرتا ہے اور اس کو بڑا دعویٰ کشفِ قبور کا ہے اگر اس کا علم سچا ہے تو چاہیئے کہ وہ ہمارے پاس آئے اور ہم اس کو ایسی قبروں پر لے جائیں گے جن سے ہم خوب واقف ہیں۔ مگر یہ سب بیہودہ باتیں ہیں اور ان کے پیچھے پڑنا وقت کو ضائع کرنا ہے۔ سعید آدمی کو چاہیئے کہ ایسے خیالات میں اپنے اوقات کو خراب نہ کرے اور اس طریق کو اختیار کرے جو اللہ اور اس کے رسُول اور اس کے صحابہؓ نے اختیار کیا۔

گدی نشینوں کے عُرس

اس کے بعد صاحبزادہ صاحب نے ایک اشتہار پڑھا جو کہ ان کے بھائی صاحب نے اپنے سلسلہ کے عرس کے واسطے مریدین کو دیا ہے۔ اس میں ہر قسم کے کھانوں اور ہر قسم کے کھیل تماشوں اور ناچ رنگوں اور آتشبازیوں کا نقشہ بڑی مقفّٰی عبارت میں اور رنگین فقروں میں کھچا ہوا تھا۔ اس پر گدی نشینوں کے حالات پر افسوس ہوتا رہا اور مولوی برہان الدین صاحب نے اپنے مشاہدہ کی چند گدیوں اور ان کی مجلسوں کا نقشہ کھینچ کر احباب کو خوش کیا۔ چونکہ اس میں سرود سے حظ اُٹھانے اور سر دھننے کا ذکر تھا اس پر

حضرت اقدس نے فرمایا کہ :۔

انسان میں ایک ملکہ استلذاذ کا ہوتا ہے کہ وہ سرود سے حظ اُٹھاتا ہے اور اس کے نفس کو دھوکا لگتا ہے کہ میں اس مضمون سے سرور پا رہا ہوں مگر دراصل نفس کو صرف حظ درکار ہوتا ہے خواہ اس میں شیطان کی تعریف ہو یا خدا کی۔ جب یہ لوگ اس میں گرفتار ہو کر فنا ہو جاتے ہیں تو ان کے واسطے شیطان کی تعریف یا خدا کی سب برابر ہو جاتے ہیں۔

ہماری مخفی جماعت

اس پر آج کا سیر ختم ہوا۔ لیکن کل کے سیر میں سے ایک بات رہ گئی تھی جس کو میں اب عرض کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ :۔

ابھی ہمارے مخالفوں میں سے بہت سے ایسے آدمی بھی ہیں جن کا ہماری جماعت میں داخل ہونا مقدر ہے۔ وہ مخالفت کرتے ہیں پر فرشتے ان کو دیکھ کر ہنستے ہیں کہ تم بالآخر انہی لوگوں میں شامل ہو جاؤ گے وہ ہماری مخفی جماعت ہے جو کہ ہمارے ساتھ ایک دن مل جائے گی۔

خدا تعالیٰ کی توحید و تفرید کیلئے جوش کی ضرورت

پھر کھانے کے وقت حضور اقدس تشریف لائے اور روٹی کھانے کے بعد حضور اقدس نے ایک تقریر فرمائی جو دلوں کے واسطے نور اور ہدایت حاصل کرنے کا موجب ہوئی۔ جو کچھ اس میں سے میں ضبط رکھ سکا وہ آپ کو سناتا ہوں آپ توجہ سے سُنیں۔ اس زمانہ کے فتنہ و فساد کا ذکر تھا۔ فرمایا :۔

ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ اس زمانہ کے درمیان جو فتنہ اسلام پر پڑا ہوا ہے اس کے دُور کرنے میں کچھ حصہ لے جاوے۔ بڑی عبادت یہی ہے کہ اس فتنہ کے دور کرنے میں ہر ایک حصہ لے۔ اس وقت جو بدیاں اور گستاخیاں پھیلی ہوئی ہیں چاہیئے کہ اپنی تقریر اور علم کے ساتھ اور ہر ایک قوت کے ساتھ جو اس کو دی گئی ہے مخلصانہ کوشش کے ساتھ ان باتوں کو دنیا سے اُٹھاوے۔ اگر اسی دنیا میں کسی کو آرام اور لذت مل گئی تو کیا فائدہ؟ اگر دنیا میں ہی اجر پالیا تو کیا حاصل؟ عقبیٰ کا ثواب لو جس کا انتہا نہیں۔ ہر ایک کو خدا کی توحید و تفرید کے لیے ایسا جوش ہونا چاہیئے جیسا خود خدا کو اپنی توحید کا جوش ہے۔ غور کرو کہ دُنیا میں اس طرح کا مظلوم کہاں ملے گا۔ جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ کوئی گند اور گالی اور دُشنام نہیں جو آپ کی طرف نہ پھینکی گئی ہو۔ کیا یہ وقت ہے کہ مسلمان خاموش ہو کر بیٹھ رہیں۔ اگر اس وقت میں کوئی کھڑا نہیں ہوتا اور حق کی گواہی دے کر جھوٹے کے منہ کو بند نہیں کرتا اور جائز رکھتا ہے کہ کافر بے حیائی سے ہمارے نبی پر اتہام لگاتا جائے اور لوگوں کو گمراہ کرتا

جائے ۔ تو یاد رکھو کہ وہ بیشک بڑی باز پرس کے نیچے ہے ۔ چاہیئے کہ جو کچھ علم اور واقفیت تم کو حاصل ہے وہ اس راہ میں خرچ کرو اور لوگوں کو اس مصیبت سے ۔ بچاؤ ۔ حدیث سے ثابت ہے کہ اگر تم دجال کو نہ مارو تب بھی وہ تو مر ہی جائے گا ۔ مثل مشہور ہے کہ ہر کمالے را زوالے ۔ تیرھویں صدی سے یہ آفتیں شروع ہوئیں اور اب وہ وقت قریب ہے کہ اس کا خاتمہ ہو جاوے ۔ ہر ایک کا فرض ہے کہ جہانتک ہو سکے پوری کوشش کرے ۔ نور اور روشنی لوگوں کو دکھائے ۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک ولی اللہ اور صاحب برکات وہی ہے جس کو یہ جوش حاصل ہو جائے ۔

خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کا جلال ظاہر ہو ۔ نماز میں جو سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْم اور سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰی کہا جاتا ہے وہ بھی خدا تعالیٰ کے جلال کے ظاہر ہونے کی تمنا ہے خدا تعالیٰ کی ایسی عظمت ہو کہ اس کی نظیر نہ ہو ۔ نماز میں تسبیح و تقدیس کرتے ہوئے یہی حالت ظاہر ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے ترغیب دی ہے کہ طبعاً جوش کے ساتھ اپنے کاموں سے اور اپنی کوششوں سے دکھا دے کہ اس کی عظمت کے برخلاف کوئی شئی مجھ پر غالب نہیں آسکتی ۔ یہ بڑی عبادت ہے ۔ جو اس کی مرضی کے مطابق جوش رکھتے ہیں وہی مؤید کہلاتے ہیں اور وہی برکتیں پاتے ہیں جو خدا تعالیٰ کی عظمت اور جلال اور تقدیس کے واسطے جوش نہیں رکھتے ان کی نمازیں جھوٹی ہیں اور ان کے سجدے بیکار ہیں ۔ جب تک خدا تعالیٰ کے لیے جوش نہ ہو ۔ یہ سجدے صرف جنتر منتر ٹھہریں گے جن کے ذریعہ یہ بہشت کو لینا چاہتا ہے ۔

یاد رکھو کوئی جسمانی بات جس کے ساتھ کیفیت نہ ہو فائدہ مند نہیں ہو سکتی جیساکہ خدا تعالیٰ کو قربانی کے گوشت نہیں پہنچتے ایسے ہی تمہارے رکوع اور سجود بھی نہیں پہنچتے جب تک ان کے ساتھ کیفیت نہ ہو ۔ خدا تعالیٰ کیفیت کو چاہتا ہے ۔ خدا ان سے محبت کرتا ہے جو اس کی عزت اور عظمت کے لیے جوش رکھتے ہیں ۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ ایک باریک راہ سے جاتے ہیں اور کوئی دوسرا ان کے ساتھ نہیں جا سکتا ۔ جب تک کیفیت نہ ہو انسان ترقی نہیں کر سکتا گویا خدا تعالیٰ نے قسم کھائی ہے کہ جب تک اس کے لیے جوش نہ ہو کوئی لذت نہیں دے گا ۔

ہر ایک آدمی کے ساتھ ایک تمنا ہوتی ہے پر مومن نہیں بن سکتا جب تک ساری تمناؤں پر خدا تعالیٰ کی عظمت کو مقدم نہ کر لے ۔ ولی قریب اور دوست کو کہتے ہیں ۔ جو دوست چاہتا ہے وہی یہ چاہتا ہے تب یہ ولی کہلاتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذّٰریٰت : ۵۷) چاہیئے کہ یہ خدا تعالیٰ کے لیے جوش رکھے ۔ پھر یہ اپنے ابنائے جنس سے بڑھ جائے گا ۔ خدا تعالیٰ کے مقرب لوگوں میں سے بن جائے گا ۔ مُردوں کی طرح نہیں ہونا چاہیئے کہ مُردہ کے مُنہ میں ایک شئے ایک طرف سے ڈالی جاتی ہے تو دوسری طرف سے نکل آتی ہے ۔ اسی طرح شقاوت کے وقت کوئی چیز اچھی ہو اندر نہیں جاتی ۔

یاد رکھو کہ کوئی عبادت اور صدقہ قبول نہیں ہوتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ کے لیے جوش نہ ہو ۔ ذاتی جوش نہ ہو ۔

جس کے ساتھ کوئی طبعی ذاتی فوائد اور منافع کی نہ ہو۔ ایسا ہو کہ خود بھی نہ جانے کہ یہ جوش میرے میں کیوں ہے۔ بہت ضرورت ہے کہ ایسے لوگ بکثرت پیدا ہوں مگر سوائے خدا کے ارادہ کے کچھ ہو نہیں سکتا اور جو لوگ اس طرح دینی خدمات میں مصروف ہوتے ہیں وہ یاد رکھیں کہ وہ خدا پر کوئی احسان نہیں کرتے۔ جیساکہ ہر ایک فصل کے کاٹنے کا وقت آجاتا ہے ایسا ہی مفاسد کے دُور کر دینے کا اب وقت آگیا ہے۔

عیسائیت کے زوال کا وقت آگیا ہے

تثلیث پرستی حد کو پہنچ گئی ہے صادق کی توہین و گستاخی انتہا تک کی گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قدر بھی اور زنبور جتنا نہیں کیا گیا۔ زنبور سے بھی آدمی ڈرتا ہے اور چیونٹی سے بھی اندیشہ کرتا ہے۔ مگر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بُرا کہنے میں کوئی نہیں جھجکا۔ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ (البقرۃ: ۴۰) کے مصداق ہو رہے ہیں۔ جتنا منہ اُن کا کُھل سکتا ہے انہوں نے کھولا اور منہ پھاڑ پھاڑ کر سب و شتم کئے۔ اب وہ وقت واقعی آگیا ہے کہ خدا تعالیٰ ان کا تدارک کرے۔ ایسے وقت میں وہ ہمیشہ ایک آدمی کو پیدا کیا کرتا ہے۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا (الاحزاب: ۶۳) وہ ایسے آدمی کو پیدا کرتا ہے جو اس کی عظمت و جلال کے لیے بہت ہی جوش رکھتا ہو۔ باطنی مدد کا اس آدمی کو سہارا ہوتا ہے۔ دراصل سب کچھ خدا تعالیٰ آپ کرتا ہے مگر اس کا پیدا کرنا صرف ایک سُنّت کا پورا کرنا ہوتا ہے۔ اب وقت آگیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے عیسائیوں کو قرآنِ کریم میں نصیحت کی تھی کہ اپنے دین میں غلو نہ کریں پر انہوں نے اس نصیحت پر عمل نہ کیا اور پہلے وہ صرف ضالین تھے پر اب مضلین بھی بن گئے۔ خدا تعالیٰ کے صحف قدرت پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بات حد سے گذر جاتی ہے تو آسمان پر تیاری کی جاتی ہے۔ یہی اس کا نشان ہے کہ اب تیاری کا وقت آگیا ہے۔ سچے نبی رسول مجدد کی بڑی نشانی یہی ہے کہ وہ وقت پر آوے، ضرورت کے وقت آوے۔ لوگ قسم کھا کر کہیں کہ کیا یہ وقت نہیں کہ آسمان پر کوئی تیاری ہو؟

مگر یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ سب کچھ آپ کرتا ہے۔ ہم اور ہماری جماعت اگر سب کے سب حجروں میں بیٹھ جاویں تب بھی کام ہو جاوے گا اور دجال کو زوال آوے گا۔ تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا (اٰل عمران: ۱۴۱) اس کا کمال بتاتا ہے کہ اب اس کے زوال کا وقت ہے۔ اس کا ارتفاع ظاہر کرتا ہے کہ اب وہ نیچا دیکھے گا۔ اس کی آبادی اس کی بربادی کا نشان ہے۔ ہاں ٹھنڈی ہوا چل پڑی ہے۔ خدا تعالیٰ کے کام آہستگی کے ساتھ ہوتے ہیں۔

اگر ہمارے پاس کوئی دلیل بھی نہ ہوتی تو پھر بھی مسلمانوں کو چاہیئے تھا کہ دیوانہ وار پھرتے اور تلاش کرتے کہ مسیح اب تک کیوں نہیں آیا؟ کسرِ صلیب کے لیے آیا ان کو چاہیئے نہیں تھا کہ یہ اس کو اپنے جھگڑوں کے لیے

بُلاتے؟ اس کا کام کسرِ صلیب ہے اور اسی کی زمانہ کو ضرورت ہے اور اسی واسطے اس کا نام مسیح موعود ہے۔ اگر مُلّانوں کو نوعِ انسان کی بہبودی مدِّ نظر ہوتی تو وہ ہرگز ایسا نہ کرتے۔ ان کو سوچنا چاہیئے تھا کہ ہم نے فتویٰ لکھ کر کیا بنا لیا ہے جس کو خدا تعالیٰ نے کہا کہ ہو جاوے اس کو کون کہہ سکتا ہے کہ نہ ہووے۔ یہ ہمارے مخالف بھی ہمارے نوکر چاکر ہیں کہ مشرق و مغرب میں ہماری بات کو پہنچا دیتے ہیں۔ ابھی ہم نے سُنا ہے کہ گولڑے والا پیر ایک کتاب ہمارے برخلاف لکھنے والا ہے سو ہم خوش ہوئے کہ اس کے مریدوں میں سے جس کو خبر نہ تھی اس کو بھی خبر ہو جاوے گی اور ان کو ہماری کتابوں کے دیکھنے کے لیے ایک تحریک پیدا ہوگی۔

اس کے بعد آپ اندر تشریف لے گئے۔

ایک اَور وقت میں فرمایا کہ :۔

یہ جو حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں ذلیل لوگ عزت پا جائیں گے۔ سو یہ بات چوہڑوں اور چماروں کے عیسائی ہونے میں پوری ہوئی کہ انگریزی کی تعلیم دے کر اور انگریزی نام رکھ کر دفتروں میں افسر کیا جاتا ہے اور بڑے بڑے خاندانی ان کے سامنے ایک ذلیل کی طرح کھڑے ہوتے ہیں۔

وحدتِ شہود

صاحبزادہ سراج الحق صاحب نے لطیفہ سُنایا کہ میں وحدتِ وجود کے مسئلہ کا قائل تھا اور شہودیوں کا سخت مخالف۔ جب میں پہلے پہلے حضرت اقدس مرزا صاحب کی خدمت میں پہنچا تو آپ سے اس کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ :۔

ایک سمندر ہے جس سے سب شاخیں نکلتی ہیں مگر ہمیں شہودیوں والی بات درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ قرآنِ شریف کے شروع ہی میں جو کہا گیا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ (الفاتحة : ۲) عالمین کا رب۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رب اور ہے اور عالم اَور ہے۔ ورنہ اگر وحدت وجود والی بات صحیح ہوتی تو رب العالمین کہا جاتا [۱]

---

۱۹ ؍مارچ ۱۹۰۸ء

بوقتِ سیر

شیعوں کا غلو، قرآنِ شریف میں تدبر نہ کرنے کا نتیجہ ہے

فرمایا :۔

شیعہ لوگ خواہ مخواہ غلو

---

[۱] بدر جلد ۷ نمبر ۱۱ صفحہ ۳ تا ۶ مورخہ ۱۹ ؍مارچ ۱۹۰۸ء

کرتے ہیں ان کے مقابلہ میں خارجی ان کا منہ بند کرتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ صحابہؓ میں کبھی کوئی نزاع بھی اگر واقع ہو گئی ہو تو کیا ہرج کی بات ہے۔ نزاع اور جھگڑا ہمیشہ وہیں ہوا کرتا ہے جن کے آپس میں گہرے تعلقات ہوں۔ یہ کوئی عیب کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب باتوں کا یوں فرما کر فیصلہ ہی کر دیا ہے کہ نَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِھِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ (الحجر: ۴۸) پس خدائی فیصلہ کے بعد ان امور میں زبان کھولنا ایمان کا نشان نہیں۔ اگر صحابہ کرامؓ پر شیعہ اعتراض کرتے ہیں تو خارجی حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر بھی تو اعتراض کرتے ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارادہ تھا کہ ابوجہل کی لڑکی سے شادی کریں مگر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی اطلاع ہوئی تو آپ بہت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکے گا کہ خدا کے رسول کی لڑکی اور خدا کے دشمن کی لڑکی ایک گھر میں جمع ہوں۔ اگر ایسا ہی کرنا منظور ہو تو فاطمہؓ کو طلاق دے دی جاوے۔ بلکہ خارجی تو یہاں تک کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے نعوذ باللہ اپنے اسی ارادے کو پورا کرنے کے واسطے خود دانستہ حضرت فاطمہؓ کو زہر دے کر مار دیا تھا اور آخر کار اس طرح اپنے اس ارادے کو پورا بھی کر لیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے متعلق قرآنِ شریف نے فرمایا ہے کہ وہ امہات المومنین ہیں تو حضرت علی گویا مدت تک ماں سے جھگڑا کرتے رہے ہیں۔ حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہ کے مقابلہ میں ملک ہی چھوڑ دیا تھا مگر دیکھو حضرت علیؓ نے ماں سے جھگڑا نہ چھوڑا بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اوّل اوّل حضرت ابوبکر کی بیعت سے بھی تخلف کیا تھا۔ مگر پھر گھر میں جا کر خدا جانے یک دفعہ کیا خیال آیا کہ پگڑی بھی نہ باندھی اور فوراً ٹوپی سے ہی بیعت کرنے کو آ گئے اور پگڑی پیچھے منگائی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دل میں خیال آ گیا ہو گا کہ یہ تو بڑی معصیت ہے۔ اسی واسطے اتنی جلدی کی کہ پگڑی بھی نہ باندھی۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ سب باتیں قرآنِ شریف میں تدبّر نہ کرنے کی وجہ سے ہیں۔

مسیح علیہ السّلام کا رفع

وفاتِ مسیح پر فرمایا کہ:۔

قرآنِ شریف یہود و نصاریٰ کے اختلافات کے لیے بطور حَکَم ہے اصل جھگڑا تو یہ تھا کہ توریت میں لکھا تھا کہ جو سُولی پر لٹکایا جاوے اس کا رفع رُوحانی نہیں ہوتا اور وہ اس قابل نہیں ہوتا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایسے شخص کو خلعتِ نبوت عطا کیا جاوے۔ بلکہ ملعون اور لعنتی ہوتا ہے۔ سُولی جرائم پیشہ لوگوں کی سزا ہے اور جو جرائم پیشہ لوگوں کی سزا سے موت کا لقمہ بن جاوے وہ اس قابل کہاں ہوتا ہے کہ اس کا رفع رُوحانی ہو۔ غرض ان یہود کا دعویٰ تو صرف یہی تھا کہ حضرت عیسیٰؑ کا رفع رُوحانی

نہیں ہوا۔ وہ حضرت موسیٰ کے رفع روحانی کے قائل تھے نہ کہ رفع جسمانی کے۔ رفع جسمانی کا تو ان کے دلوں میں خیال تک بھی نہ تھا۔ پس سچی بات یہی ہے کہ مسلمانوں اور یہود کا متفقہ اور مسلّم اعتقاد اس پر ہے کہ خدا کے نیک بندوں کا بعد وفات رفع روحانی ہوا کرتا ہے اور یہی قابلِ بڑائی بات ہے۔ رفع جسمانی کے یہ نہ قائل ہیں اور نہ کوئی اس میں فضیلت مدِنظر ہے۔ چنانچہ قرآن شریف بھی اسی اصول کو یوں بیان فرماتا ہے کہ مُفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ (صٓ: ۵۱) یعنی جو خدا کے نزدیک متقی اور برگزیدہ انسان ہوتے ہیں خدا ان کے لیے آسمانی رحمت کے دروازے کھول دیتا ہے اور ان کا رفع روحانی بعد الموت کیا جاتا ہے اور ان کے مقابل میں جو لوگ بدکار اور خدا تعالیٰ سے دُور ہوتے ہیں اور ان کو خدا تعالیٰ سے کوئی تعلق صدق و اخلاص نہیں ہوتا اُن کے واسطے آسمانی دروازے نہیں کھولے جاتے جیسا کہ فرمایا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ (الاعراف: ۴۱)

غرض یہود کا اعتراض تو یہی تھا کہ نعوذ باللہ حضرت عیسیٰؑ چونکہ سُولی پر چڑھائے گئے ہیں اس واسطے وہ ملعون ہیں اور صاف بات ہے کہ ملعون کا رفع روحانی نہیں ہو سکتا۔ اسی کے جواب میں قرآن شریف نے فرمایا ہے بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ (النسآء: ۱۵۹)

اچھا ہم یہ دریافت کرتے ہیں کہ اگر یہودیوں کا یہی اعتراض تھا کہ حضرت عیسیٰ کا رفع جسمانی نہیں ہوا تو پھر قرآن شریف جو کہ ان دونو قوموں میں حَکَم ہو کر آیا ہے اس نے یہود کے اس اعتراض کا کیا جواب دیا ہے؟ کیا وجہ کہ قرآن شریف نے یہود کے اصل اعتراض کا تو کہیں جواب نہ دیا اور رفع روحانی پر اتنا زور دیا اور رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ فرمایا رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَى السَّمَآءِ کیوں نہ فرمایا۔

عرشِ الٰہی ایک وراء الوراء مخلوق ہے جو زمین سے اور آسمان سے بلکہ تمام جہات سے برابر ہے۔ یہ نہیں کہ نعوذ باللہ عرشِ الٰہی آسمان سے قریب اور زمین سے دُور ہے۔ لعنتی ہے وہ شخص جو ایسا اعتقاد رکھتا ہے عرش مقامِ تنزیہ ہے اور اسی لیے خدا ہر جگہ حاضر ناظر ہے جیسا کہ فرماتا ہے هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ (الحدید: ۵) اور مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ (المجادلۃ: ۸) اور فرماتا ہے کہ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (قٓ: ۱۷)

غرض اصل جھگڑا تو صرف ان کے رفع روحانی اور مقرب بارگاہِ سلطانی ہونے کے متعلق تھا سو اللہ تعالیٰ نے اس کا فیصلہ ہی کر دیا یہ فرما کر کہ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ اب کوئی بتائے کہ بھلا اس سے ان کا آسمان پر چڑھ جانا کیسے ثابت ہوتا ہے۔ کیا خدا تعالیٰ آسمان پر ہے اور زمین پر نہیں؟

☆ ☆ ☆

وفاتِ مسیح علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے تو حضرت عیسیٰؑ کا قصہ ہی تمام کر دیا ہے جہاں یہ سوال و جواب ہے کہ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْھِمْ (المائدۃ: ۱۱۸) اس آیت سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ ایک تو حضرت عیسیٰؑ کا وفات پا جانا اور دوسرے ان کا دوبارہ دُنیا میں نہ آنا۔ کیونکہ یہ سوال و جواب قیامت کے دن کو ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ سوال حضرت عیسیٰ سے کہ کیا تم نے عیسائیوں کو یہ شرک کی تعلیم دی تھی اور حضرت عیسیٰؑ کا یہ جواب دینا کہ یا الٰہی یہ میری وفات کے بعد بگڑے ہیں۔ مجھے اس بات کا علم نہیں کہ میرے بعد انہوں نے کیسے عقائد اختیار کر لیے۔ مَیں نے تو ان کو صرف توحید کی تعلیم دی تھی۔ اس سوال و جواب سے صاف صریح اور واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ وفات پا چکے ہیں اور وہ دُنیا میں دوبارہ نہیں آئیں گے ورنہ اگر وہ دوبارہ کبھی دُنیا میں آئے ہوتے اور ان کی گندی تعلیم اور مشرکانہ عقائد کی اصلاح کی ہوتی۔ صلیب توڑی ہوتی اور خنزیر قتل کئے ہوتے تو کیا اللہ تعالیٰ اُنکو ایسے صریح جھوٹ سے سرزنش نہ کرتا؟ اور وہ ایسی جُرأت اور دلیری سے حضورِ الٰہی کے سامنے قیامت کے دن ایسا جھُوٹ بولتے؟ ہرگز نہیں۔ پس واقعی اور حق بات یہی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ وفات پا چکے اور وہ دوبارہ دُنیا میں نہیں آئیں گے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا قول ہوا اس کی تصدیق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فعل سے کر دی۔ اور آپ نے معراج کی رات حضرت عیسیٰؑ کو حضرت یحییٰ کے پاس بیٹھے دیکھا۔ غور کا مقام ہے کہ زندہ کو مردہ سے کیا تعلق اور کیا کام؟ حیات اور وفات تو دو ضدیں ہیں جس طرح نُور اور ظُلمت ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح مُردے اور زندہ لوگوں کا بھی آپس میں کوئی تعلق نہیں کہ ایک جگہ رہیں بلکہ حضرت عیسیٰؑ کے واسطے تو کوئی الگ کوٹھری درکار تھی۔

مسیحِ موعودؑ کی آمد اور پیشگوئیوں کا ظہور

اس کے بعد اور زیادہ تشریح بخاری اور مُسلم نے کر دی ہے۔ جنہوں نے آخری زمانہ کی علامات کا ذکر کرتے ہوئے ایک نئی سواری کا ذکر کر کے یہ کہا کہ لَیُتْرَکَنَّ الْقِلَاصُ فَلَا یُسْعٰی عَلَیْھَا اور قرآنِ شریف نے اسی مضمون کو عبارت ذیل میں بیان فرما کر اور بھی صراحت کر دی کہ اِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ (التکویر: ۵) قرآن و حدیث کا تطابق اور پھر عملی رنگ میں اس دُور دراز زمانہ میں جبکہ ان پیشگوئیوں کو تیرہ سَو برس سے بھی زائد عرصہ گذر چکا ہے ان کا پورا ہونا ایمان کو کیسا تازہ اور مضبوط کرتا ہے۔ چنانچہ ایک اخبار میں ہم نے دیکھا ہے کہ شاہِ روم نے تاکیدی حکم دیا ہے کہ ایک سال کے اندر حجاز ریلوے تیار ہو جاوے۔ سبحان اللہ کیسا عجیب نظارہ ہوگا اور ایمان کیسے تازے ہوں گے کہ جب پیشگوئی کے بالکل مطابق بجائے اونٹوں کی لمبی لمبی قطاروں کے ریل کی قطاریں دوڑتی ہوئی نظر آویں گی۔ پس جب یہ پیشگوئی جو آثارِ قربِ قیامت اور مسیحِ موعودؑ کی آمد کے نشانات

میں سے ایک زبردست اور اقتداری پیشگوئی ہے پوری ہو رہی ہے تو ایمان لانا چاہیئے کہ مسیح موعود بھی موجود ہے۔

زلازل اور طاعون کا سلسلہ

فرمایا کہ:۔ زلازل اور طاعون کا سلسلہ بھی حکامِ وقت کے دورہ کی طرح دورہ ہی کر رہا ہے۔ جس طرح حکامِ وقت اپنے انتظامی دَوروں میں جہاں کوئی سرکشی یا بدنظمی پاتے ہیں اس کی اصلاح کرتے ہیں اسی طرح زلازل اور طاعون بھی ملک کے مختلف حصوں میں دورہ کر رہے ہیں بعض ممالک میں سُنا گیا ہے کہ زلزلوں سے پہاڑ گر گئے اور شہروں کے شہر فنا ہو گئے۔ یہی حال طاعون کا ہے جب لوگ کسی قدر وقفہ دیکھ کر مطمئن ہو جاتے ہیں اور گناہ اور غفلت میں ترقی کرنے لگ جاتے ہیں تو پھر خدا طاعون کو ان کی سرزنش اور سرکوبی کے واسطے بھیج دیتا ہے۔ پس بے فکر اور مطمئن نہیں ہونا چاہیئے بلکہ قبل اس کے کہ کوئی مصیبت اچانک آن پکڑے اپنی اصلاح میں لگے رہنا چاہیئے اور توبہ استغفار میں مشغول ہونا چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ کے اقتداری نشانات

فرمایا:۔ خدا جب کسی کام کو کرانا ہی چاہتا ہے تو گردن سے پکڑ کر بھی کرا دیتا ہے۔ اس کے منوانے کے عجیب عجیب رنگ ہیں۔ چنانچہ ایک مسلمان بادشاہ کا ذکر ہے کہ اُس نے امام موسیٰ رضا کو کسی وجہ سے قید کر دیا ہوا تھا۔ خدا کی قدرت ایک رات بادشاہ نے اپنے وزیر اعظم کو نصف رات کے وقت بلوایا اور نہایت سخت تاکید کی کہ جس حالت میں ہو اسی حالت میں آجاؤ حتّٰی کہ لباس بدلنا بھی تم پر حرام ہے۔ وزیر حکم پاتے ہی ننگے سر ننگے بدن فوراً حاضر ہوئے اور اس جلدی اور گھبراہٹ کا باعث دریافت کیا۔ بادشاہ نے اپنا ایک خواب بیان کیا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ ایک حبشی آیا اور اس نے گنڈاسے کی قسم کے ایک ہتھیار سے مجھے ڈرایا اور دھمکایا ہے اس کی شکل نہایت پُر ہیبت اور خوفناک ہے اس نے مجھے کہا ہے کہ امام موسیٰ کو ابھی چھوڑ دو ورنہ میں تمہیں ہلاک کر دوں گا اور اسے ایک ہزار اشرفی دے کر جہاں اس کا جی چاہے رہنے کی اجازت دو۔ سو تم ابھی جاؤ اور امام موسیٰ رضا کو قید سے رہا کر دو۔ چنانچہ وزیر اعظم قید خانہ میں گئے اور قبل اس کے کہ وہ اپنا عندیہ ظاہر کرتے امام موسیٰ رضا بولے کہ پہلے میرا خواب سُن لو۔ چنانچہ انہوں نے اپنا خواب یُوں بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بشارت دی ہے کہ تم آج ہی قبل اس کے کہ صبح ہو قید سے رہا کئے جاؤ گے۔ غرض یہ ہیں خدا تعالیٰ کے اقتداری نشانات۔

شیعوں کے عقاید کا ردّ

فرمایا:۔ شیعہ لوگ جس راہ کو اختیار کئے ہوئے ہیں اس راہ سے تو نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سارا مذہب ہی برباد جاتا ہے دیکھو اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ

یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا (النصر ۲، ۳) اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ دینِ الٰہی یعنی اسلام میں بہت کثرت اور بہتات سے لوگ شامل ہوں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عینِ حیات میں ہی ایسا ظہور میں آوے گا۔ بھلا ان لوگوں سے کوئی پوچھے کہ کیا دو چار آدمیوں کا نام ہی افواج ہے اور کیا یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتنی لمبی محنت اور جانکاہ کوششوں کا نتیجہ تھا؟ افسوس۔ دیکھو فوج ہی کچھ کم نہیں ہوتی یہاں تو اللہ تعالیٰ نے فوج کی بھی جمع کا لفظ بولا ہے اور اَفْوَاجًا کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں فوجوں کی فوجیں داخل اسلام ہو جاویں گی۔ ان لوگوں کے عقائد کے لحاظ سے تو قرآن شریف ہی کی تکذیب لازم آتی ہے۔ انہوں نے قرآنِ شریف کو تو محرّف مبدّل کا الزام دے کر چھوڑ دیا۔ رہے قرآنِ شریف کے پہنچانے والے جن کی نسبت اللہ تعالیٰ نے رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ (البیّنۃ ۹) فرمایا اور ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تخت کا وارث بنایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنہ سے نکلی ہوئی پیشگوئیوں کی تصدیق کرنے والے اور پُورا کرنے والے بتایا۔ انہی کے ہاتھ سے بڑے بڑے قرآنی وعدے پورے کئے۔ قیصر و کسریٰ کے تخت اور خزانے انہی کے ذریعہ اسلام کا ورثہ بنائے۔ سو اُن کو غدار، ظالم، منافق اور غاصب کا لقب دے کر چھوڑ دیا۔ ان کا تو وہ حال ہے جس طرح ایک عورت کو جب اس کے دن حمل کے پورے ہو چکتے ہیں تو دردِ زہ شروع ہوتی ہے جس کی تکلیف سے وہ اور اس کے عزیز و اقارب اور خویش روتے اور دردمند ہوتے ہیں کیونکہ وہ ایک تاریک حالت ہوتی ہے۔ نتیجہ کی کسی کو خبر نہیں ہوتی۔ مگر جب اس کے ہاں لڑکا پیدا ہو جاوے اور وہ چِلّہ پورا کر کے غسل صحت بھی کر لے اور بچہ بھی اس کا صحیح سالم جیتا جاگتا ہو اس وقت لگے کوئی آدمی رونے تو اس کا رونا کیسا بے محل اور بے موقعہ ہو گا۔

سو یہی حال ہے ان کا، وقت گذر چکا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کامیابی کے ساتھ تختِ خلافت کو مقررہ وقت تک زیب دے کر اپنی اپنی خدمات بجا لا کر بڑی کامیابی اور اللہ تعالیٰ کی رضوان لے کر چل بسے اور جَنَّات وعُیُوْن جو آخرت میں ان کے واسطے مقرر تھے اور وعدے تھے وہ اُن کو عطا ہو گئے۔ اب یہ روتے ہیں اور چلّاتے ہیں کہ نعوذ باللہ ایسے تھے اور ایسے تھے۔

محرم میں شہیدانِ کربلا کو یاد کر کر کے رونے سے کیا حاصل؟ اپنے نفس کا غم کرنا چاہیئے اس کی اصلاح کی فکر کرنی چاہیئے۔ سب سے بڑا فکر انسان کو جو کرنا چاہیئے وہ یہی ہے کہ اپنے نفس کی اصلاح کر لے اور آخرت کے واسطے زادِ راہ لے لے۔ دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کیا کہا تھا۔ اے فاطمہؓ اپنی جان کو آگ سے بچانے کی فکر کر لے میں تیرے کسی کام نہیں آ سکتا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال ہے تو پھر اور کسی کا کیا حال؟[1]

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۰ صفحہ ۲-۳ مورخہ ۲۲ مارچ ۱۹۰۸ء

۲۴؍مارچ ۱۹۰۵ء

بوقتِ سیر

پیشگوئی میں مذکور سورج اور چاند گرہن کی شرائط

حضرت مولانا مولوی سید محمد احسن صاحب جو کہ کسی کارِ ضروری کے واسطے حضرت اقدس کی اجازت سے امروہہ تشریف لے گئے ہوئے تھے۔ بخیر و عافیت واپس تشریف لے آئے ہیں۔ انہوں نے حضرت اقدس کی خدمت میں عرض کی کہ حضور کا نے دجال[1] نے بڑا دجل کر رکھا ہے اور بعض جاہل اور بے علم لوگ اس کے دھوکے میں آئے ہوئے ہیں کہ اس نے اپنی کتاب میں پچیس۲۵ یا چھبیس۲۶ دفعہ چاند یا سورج گرہن رمضان میں ہونے کا ثبوت دیا ہے اس پر فرمایا کہ:۔

ہم نے اس بات سے کبھی انکار نہیں کیا کہ پہلے بھی رمضان میں کبھی کسوف خسوف ہوا ہو بلکہ ہم تو نظامِ شمسی کے قائل ہیں اور ایمان رکھتے ہیں کہ ممکن ہے کبھی پہلے بھی ایسا واقعہ ہو گیا ہو۔ ہمارا دعویٰ تو صرف یہ ہے کہ جن شرائط اور لوازم کا ذکر حدیث دارقطنی میں درج ہے ایسا آج سے پہلے کبھی واقعہ نہیں ہوا۔ مثلاً اس حدیث میں صاف تاریخ مقرر کی گئی ہے کہ چاند گرہن اپنے گرہن کی مقررہ تاریخوں میں سے اوّل تاریخ میں اور سُورج گرہن اپنے گرہن کی مقررہ تاریخوں میں سے ان کے نصف میں یعنی تیرھویں چاند اور اٹھائیسویں کو سورج گرہن ہوگا اور اس وقت پہلے سے ایک مدعی مہدویّت کا دعویٰ موجود ہوگا نہ کہ سورج گرہن اور چاند گرہن کو دیکھ کر دعویٰ کرے گا بلکہ وہ پیشتر ہی سے دعویٰ موجود ہوگا اور اس کی تائید اور نصرت کے واسطے آسمان پر اس طرح سے چاند اور سُورج گرہن ہوگا اور علاوہ ازیں اَور اَور نشانات زمینی و آسمانی اور دلائل و براہین سے اپنے دعویٰ کو مبرہن کرتا ہوگا اور اس کا دعویٰ خوب طرح سے شہرت پاکر دُور دُور اطراف میں مشہور ہو گیا ہوگا۔

پس کیا عبدالحکیم نے ایسا بھی ثبوت دیا ہے کہ وہ پہلے گرہن جو رمضان میں واقع ہوئے تھے ان میں سے کوئی ان شرائط و لوازم اور قید تاریخ سے بھی واقع ہوا تھا؟ اور کیا اس وقت پہلے اس کے کہ وہ اس طرح کا موعودہ کسوف خسوف ظہور میں آوے کوئی مدعی مہدویت اور مسیحیت موجود تھا جس نے اپنے دعویٰ کو عام کتب کے ذریعہ سے شائع بھی کیا ہو اور اس کا دعویٰ دُنیا میں شہرت یافتہ ہو اور پھر اس کے ساتھ کوئی آسمانی یا زمینی نشان اور

---

[1] ڈاکٹر عبدالحکیم مُرتد کی طرف اشارہ ہے۔ (مرتب)

تائیدات بھی موجود ہوں یا قرآن و حدیث سے مبرہن کیا گیا ہو۔ ہمارا مطالبہ تو ان شرائط و لوازم کے ساتھ کسوف خسوف ثابت کرنے کا ہے۔

دیکھو اس واقعہ کا بیان تو انگریزی اخبارات مثل سول ملٹری اور پاؤنیر وغیرہ نے بھی کر دیا تھا کہ اس ہیئتِ کذائی سے اس سے پہلے کبھی کوئی واقعہ ظہور میں نہیں آیا۔ اس سے بڑھ کر دجل اور بے ایمانی کیا ہوگی کہ سب لوازم کو ترک کرکے صرف ایک بات کو ہاتھ میں لے کر اعتراض کر دینا۔ دکھانا تو یہ چاہیئے تھا کہ ایسا نشان ظاہر ہونے سے پہلے کہ وہ مقررہ تاریخوں میں ظاہر ہوا ہو، کوئی مدعی بھی موجود ہو۔ پھر اُس نے دعویٰ بھی کیا ہو۔ اس دعویٰ کی اشاعت بھی کی ہو اور اس کو آیات و نشانات ارضی و سماوی اور دلائل قاطعہ سے مبرہن بھی کیا ہو۔ یونہی زبانِ اعتراض ہلا دینے سے کیا ہوتا ہے۔ اس طرح سے تو تمام نبوت کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔

ڈاکٹر عبدالحکیم کے عقاید

مولوی عبداللہ خاں صاحب پٹیالوی نے عرض کیا کہ حضور تمام جماعت پٹیالہ نے بڑا شکر کیا تھا جس دن یہ شخص جماعت میں سے خارج کیا گیا تھا۔ وہ بارہا مجھ سے یوں مخاطب ہوا کرتا تھا کہ مولوی صاحب جب کونین میں ذاتی خاصیت شفا کی موجود ہے تو کیا ضرورت ہے کہ عبدالحکیم کو ڈاکٹر ماننے ہی سے کونین شفا دے اس طرح سے جب توحیدِ الٰہی پر ایمان لانے کا نتیجہ نجات ہے تو کیا ضرورت ہے کہ ہم محمدؐ کو نبی مانیں بلکہ جس طرح سے کونین بغیر اس کے بھی کہ کسی زید بکر کو ڈاکٹر تسلیم کیا جاوے نفع پہنچاتی ہے اسی طرح توحید بھی اپنے نفع پہنچانے اور نجات دلانے کے لیے کسی کے رسول اور نبی ماننے کی محتاج نہیں۔

فرمایا:۔

ہم نے یہی مناسب سمجھا کہ بجائے اس کے کہ نعوذ باللہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر اعتراض سُنیں اور ایمان لانے کی ضرورت نہ سمجھنے کا سوال سُنیں کیوں عبدالحکیم ہی کو جماعت سے خارج نہ کر دیں[1]

۲۵ر مارچ ۱۹۰۸ء

بوقتِ سیر

مسلمان ریاستوں کی تباہی کی وجہ

جناب خلیفہ ڈاکٹر رشیدالدین صاحب اسسٹنٹ سرجن فرخ آباد کے گذشتہ نوابی حالات کا ذکر کرتے

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۲ صفحہ ۳ مورخہ ۲۶ر مارچ ۱۹۰۸ء

ہوئے ان کی تباہی اور بربادی اوران کے محلات کے کھنڈرات بنائے جانے کے متعلق ذکر کرتے تھے اس پر حضرت اقدس (علیہ السلام) نے فرمایا کہ:-

پہلے بادشاہوں کے زمانہ میں یہ قاعدہ ہوتا تھا کہ ان کے درباروں میں کوئی نہ کوئی اہل اللہ بھی موجود ہوا کرتے تھے جن کے صلاح مشوروں سے بادشاہ کام کیا کرتے تھے اوران کی دُعاؤں سے فائدہ اُٹھایا کرتے تھے مگر اب وہ حال نہیں رہا بلکہ ان مسلمانوں کا بھی بنی اسرائیل والا حال ہوگیا۔ان کو بھی خدا نے بوجہ ان کی بدکاریوں کے چھوڑ دیا تھا اور کوئی نصرت ان کی نہیں ہوتی تھی۔وہی حال اب بھی ہو رہا ہے۔اسلام کی نصرت اور مدد کا خدا تعالیٰ نے خود وعدہ کیا ہے مگر کوئی مسلمان بھی ہو۔مسلمان تو خود ہی مورد قہر و عذابِ الٰہی ہو رہے ہیں۔ان کی نصرت کیسے ہو۔یہ چند ہندوستانی مسلمانوں کی ریاستیں جو خدا کے قہر کا نشانہ بنیں۔اگر یہ کچھ بھی نیک طینت ہوتے تو خدا ضرور ان کو محفوظ رکھتا اور ان کی نصرت کرتا۔یہ عذاب اور تنزل جو اُن کو نصیب ہوا یہ ان کی اپنی ہی بدعملیوں کا باعث تھا۔دیکھو بنی اسرائیل کو خود موسیٰ کے ہوتے ہوئے شکست ہوئی تھی اس کی بھی یہی وجہ تھی کہ ان کی حالت خود جاذبِ نصرت نہیں تھی بلکہ حضرت موسیٰ نے ان کو کہدیا تھا اس وقت مقابلہ مت کرو۔موقعہ مناسب نہیں اور نہ ہی وہ وقت آیا ہے کہ تمہاری نصرت ہو۔

صلاح الدین ایوبی

صلاح الدین ایک نیک بخت شخص تھا۔نمازوں کا بھی پابند تھا۔چنانچہ خدا تعالیٰ نے بھی اس کی تائید کی اور سخت سے سخت مشکلات اور مخالفوں کے حملوں میں اس کو فتح نصیب کی۔اصل بات یہ ہے کہ جب کوئی قوم بگڑ جاتی ہے اور خدا کو چھوڑ کر دُنیا کی طرف جُھک جاتی ہے اور بدکاریوں اور فسق و فجور میں غرق ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ایک دوسری قوم کو خود اپنے ارادہ سے اس پر مسلط کر دیتا ہے۔

والدہ کا حق

ایک دوست نے خط کے ذریعہ اس امر کا استفسار کیا کہ میری والدہ میری بیوی سے ناراض ہے اور مجھے طلاق کے واسطے حکم دیتی ہے مگر مجھے میری بیوی سے کوئی رنجش نہیں۔میرے لیے کیا حکم ہے؟

فرمایا کہ:-

والدہ کا حق بہت بڑا ہے اور اس کی اطاعت فرض۔مگر پہلے یہ دریافت کرنا چاہیئے کہ آیا اس ناراضگی کی تہہ میں کوئی اور بات تو نہیں ہے جو خدا کے حکم کے بموجب والدہ کی ایسی اطاعت سے بری الذمہ کرتی ہو مثلاً اگر والدہ اس سے کسی دینی وجہ سے ناراض ہو یا نماز روزہ کی پابندی کی وجہ سے ایسا کرتی ہو تو اُس کا حکم ماننے اور اطاعت کرنے کی ضرورت نہیں۔اور اگر کوئی ایسا مشروع امر ممنوع نہیں ہے جب تو وہ خود واجب الطلاق ہے۔

اصل میں بعض عورتیں محض شرارت کی وجہ سے ساس کو دُکھ دیتی ہیں۔ گالیاں دیتی ہیں۔ ستاتی ہیں۔ بات بات میں اس کو تنگ کرتی ہیں۔ والدہ کی ناراضگی بیٹے کی بیوی پر بے وجہ نہیں ہوا کرتی۔ سب سے زیادہ خواہشمند بیٹے کے گھر کی آبادی کی والدہ ہوتی ہے اور اس معاملہ میں ماں کو خاص دلچسپی ہوتی ہے۔ بڑے شوق سے ہزاروں روپیہ خرچ کرکے خدا خدا کرکے بیٹے کی شادی کرتی ہے تو بھلا اس سے ایسی اُمید وہم میں بھی آسکتی ہے کہ وہ بے جا طور سے اپنے بیٹے کی بہو سے لڑے جھگڑے اور خانہ بربادی چاہے۔ ایسے لڑائی جھگڑوں میں عموماً دیکھا گیا ہے کہ والدہ ہی حق بجانب ہوتی ہے۔ ایسے بیٹے کی بھی نادانی اور حماقت ہے کہ وہ کہتا ہے کہ والدہ تو ناراض ہے مگر مَیں ناراض نہیں ہوں جب اسکی والدہ ناراض ہے تو وہ کیوں ایسی بے ادبی کے الفاظ بولتا ہے کہ مَیں ناراض نہیں ہوں۔ یہ کوئی سوکنوں کا معاملہ تو ہے نہیں۔ والدہ اور بیوی کے معاملہ میں اگر کوئی دینی وجہ نہیں تو پھر کیوں یہ ایسی بے ادبی کرتا ہے۔ اگر کوئی وجہ اور باعث اَور ہے تو فوراً اُسے دُور کرنا چاہیئے۔ خرچ وغیرہ کے معاملہ میں اگر والدہ ناراض ہے اور یہ بیوی کے ہاتھ میں خرچ دیتا ہے تو لازم ہے کہ ماں کے ذریعہ سے خرچ کرادے اور کُل انتظام والدہ کے ہاتھ میں دے۔ والدہ کو بیوی کا محتاج اور دستِ نگر نہ کرے۔ بعض عورتیں اوپر سے نرم معلوم ہوتی ہیں مگر اندر ہی اندر وہ بڑی بڑی نیش زنیاں کرتی ہیں پس سبب کو دُور کرنا چاہیئے اور جو وجہ ناراضگی ہے اس کو ہٹا دینا چاہیئے اور والدہ کو خوش کرنا چاہیئے۔ دیکھو شیر اور بھیڑیئے اور اَور درندے بھی تو ہلانے سے ہل جاتے ہیں اور بے ضرر ہو جاتے ہیں۔ دشمن سے بھی دوستی ہو جاتی ہے اگر صلح کی جاوے تو پھر کیا وجہ ہے کہ والدہ کو ناراض رکھا جاوے۔

سوکنوں کی مشکلات

فرمایا کہ:۔

ایک شخص کی دو بیویاں تھیں۔ بیویوں میں باہم نزاع ہو جانے پر ایک بیوی خود بخود بلا اجازت اپنے گھر میکے چلی گئی۔ وہ شخص میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں طلاق دیدوں۔ میں نے سوچا کہ یہ معاملات بہت باریک ہوتے ہیں۔ سوکن کو بڑی بڑی تلخیاں اُٹھانی پڑتی ہیں اور بعض اوقات دیکھا گیا ہے کہ بعض عورتیں اپنی مشکلات کی وجہ سے خودکشی کر لیتی ہیں۔ جس طرح سے دیوانہ آدمی مرفوع القلم ہوتا ہے اسی طرح سے یہ بھی ایسے معاملات کی وجہ سے مرفوع القلم اور واجب الرحم ہوتی ہیں کیونکہ سوکن کی مشکلات بھی دیوانگی کی حد تک پہنچا دیتی ہیں۔

اصل بات یہ تھی کہ وہ شخص خود بھی دوسری بیوی کی طرف ذرا زیادہ التفات کرتا تھا اور وہ بیوی بھی اس بیچاری کو کوستی اور تنگ کرتی تھی۔ آخر مجبور ہو کر اور ان کی مشکلات کی برداشت نہ کرکے چلی گئی چنانچہ اس شخص نے خود اقرار کیا کہ واقعی یہی بات تھی اور اپنے ارادے سے باز آیا۔

ایسے قصوروں کو تو خود خدا تعالیٰ بھی معاف کر دیتا ہے۔ چنانچہ قرآنِ شریف میں ہے لَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا

طَاقَةَ لَنَا بِهٖ (البقرة: ۲۸۷) جو امرفوق الطاقت اور ناقابلِ برداشت ہو جاوے اس سے خدا بھی درگذر کرتا ہے دیکھو حضرت ہاجرہؑ کا واقعہ بھی ایسا ہی ہے جو کہ مومنین کی دادی تھی پہلی مرتبہ جب وہ نکالی گئی تو فرشتہ نے اُسے آواز دی اور بڑی تسلی دی اور اس سے اچھا سلوک کیا مگر جب دوسری مرتبہ نکالی گئی تو سوکن نے کہا کہ اس کو ایسی جگہ چھوڑو جہاں نہ دانہ ہو نہ پانی۔ اس کی غرض یہی تھی کہ وہ اس طرح سے ہلاک ہو کر نیست و نابود ہو جائے گی اور حضرت ابراہیمؑ کا ایسا منشاء نہ تھا مگر خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو کہا کہ اچھا جس طرح یہ کہتی ہے اسی طرح کیا جاوے اور سارہ کی بات کو مان لے۔

اصل میں بات یہ تھی کہ خدا تعالیٰ کا منشاء قدرت نمائی کا تھا۔ توریت میں یہ قصہ مفصل لکھا ہے۔ بچہ جب بوجہ شدت پیاس رونے لگا تو بی بی ہاجرہؑ پہاڑ کی طرف پانی کی تلاش میں اِدھر اُدھر گھبراہٹ سے دوڑتی بھاگتی پھرتی رہی مگر جب دیکھا کہ اب یہ مرتا ہے تو بچے کو ایک جگہ ڈال کر پہاڑ کی چوٹی پر دُعا کرنے لگ گئی کیونکہ اس کی موت کو دیکھ نہ سکتی تھی۔ اسی اثناء میں غیب سے آواز آئی کہ ہاجرہ! ہاجرہ لڑکے کی خبر لے وہ جیتا ہے۔ آکر دیکھا تو لڑکا جیتا تھا اور پانی کا چشمہ جاری تھا۔ اب وہی کنواں ہے جس کا پانی ساری دنیا میں پہنچتا ہے اور بڑی حفاظت اور تعظیم اور شوق سے پیا جاتا ہے۔

غرض یہ سارا معاملہ بھی سوکنوں کے باہمی حسد و ضد کی وجہ سے تھا۔

انبیاء کا وجود خدا تعالیٰ کے ظہور کا باعث ہوتا ہے

فرمایا:۔ خدا کا نام ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ وہی ظاہر ہے اور کوئی ظاہر نہیں۔ خدا کا ظہور دنیا میں انبیاء کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ انبیاء کا وجود خدا تعالیٰ کے ظہور کا باعث ہوتا ہے انبیاء کے آنے سے پہلے خدا مخفی ہوتا ہے۔ لوگ خدا کو بھول جاتے ہیں اور زبان حال سے دُنیا بول اُٹھتی ہے کہ گویا خدا ہے ہی نہیں۔ انبیاء آکر دُنیا کو خوابِ غفلت سے جگاتے ہیں اور ان کے ذریعہ سے خدا اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے اسی واسطے انبیاء خدا نما کہلاتے ہیں۔ وہ خود فنا ہو جاتے ہیں جب خدا کا ظہور ہوتا ہے۔

دیکھو جب تک انسان اپنے نفسانی جذبات اور خودی سے فنا نہ ہو جاوے تب تک خواہ الہام بھی ہو اور کشوف بھی دکھائے جاویں مگر کسی کام کے نہیں ہیں کیونکہ بجز اس کے کہ خدا میں اپنے آپ کو فنا کر دیا جاوے یہ امور عارضی ہوتے ہیں اور دیرپا نہیں ہوتے اور ان کی کچھ بھی قدر و قیمت نہیں ہوتی۔

☆ ☆ ☆

قبولیتِ دُعا کا راز

دُعا کی قبولیت کا بھی یہی راز ہے۔ انسان جب تک اپنی خواہشات، ارادوں اور علموں کو ترک کر کے خدا میں فنا نہ ہو جاوے اور خدا کی قدرتِ کاملہ اور قادرِ مطلق ہونے اور سُننے اور قبول کرنے والا ہونے پر یقینِ کامل اور پورا وثوق نہ رکھتا ہو تب تک دُعا بھی ایک بے حقیقت چیز ہے۔ فلسفیوں کو کیوں قبولیت دعا پر ایمان نہیں ہوتا؟ اس کی یہی وجہ ہے کہ ان کو خدا کی وسیع قدرت اور باریک در باریک سامانوں کے پیدا کر دینے والا ہونے پر ایمان نہیں ہوتا اور وہ خدا کی قدرت کو محدود جانتے ہیں اور اپنے تجارب اور علوم پر ہی بھروسہ کر بیٹھتے ہیں۔ ان کو اپنے تجارب کے مقابلہ میں یہ خیال بھی نہیں ہوتا کہ خدا بھی ہے اور وہ بھی کچھ کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات بعض سخت مہلک امراض میں وہ لوگ یقینی اور قطعی حکم لگا دیتے ہیں کہ یہ شخص بچ نہیں سکتا یا اتنے عرصے میں مر جاویگا یا اس طرز سے مرے گا۔ مگر بیسیوں مثالیں ایسی خود ہماری چشم دید ہیں اور بعض کو ہم جانتے ہیں جن میں باوجود ان کے یقینی اور قطعی حکم لگا دینے کے خدا تعالیٰ نے ان بیماروں کے واسطے ایسے اسباب پیدا کر دیئے کہ وہ آخر کار بچ گئے اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض وہ بیمار جن کے حق میں یہ لوگ موت کا قطعی اور اٹل فتویٰ دے چکے تھے زندہ سلامت ہو گئے اور کسی دوسرے موقعہ پر ان کو مل کر شرمندہ کیا اور ان کے علم و دعویٰ کو بھی شرمندہ کیا ہے۔

حدیث میں آیا ہے مَا مِنْ دَاءٍ اِلَّا دَوَاءٌ لَهٗ دَوَاءٌ ایک مشہور ڈاکٹر کا ہمیں قول یاد ہے وہ کہتا ہے کہ کوئی مرض بھی ناقابلِ علاج نہیں ہے بلکہ یہ ہماری سمجھ اور عقل و علم کا نقص ہے کہ ہمارے علم کی رسائی وہاں تک نہیں ہوتی۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مرض کے واسطے بعض ایسے ایسے اسباب پیدا کئے ہوں جن سے وہ شخص جس کو ہم ناقابلِ علاج یقین خیال کرتے ہیں قابلِ علاج اور صحت یاب ہو کر تندرست ہو جاوے پس قطعی حکم ہرگز نہ لگانا چاہیئے بلکہ اگر رائے ظاہر بھی کرنی ہو تو یوں کہدو کہ ہمیں ایسا شک پڑتا ہے مگر ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسے سامان پیدا کر دے کہ جن سے یہ روک اُٹھ جاوے اور بیمار اچھا ہو جاوے۔ دُعا ایک ایسا ہتھیار خدا تعالیٰ نے بنایا ہے کہ اَنہونے کام بھی جن کو انسان ناممکن خیال کرتا ہے ہو جاتے ہیں کیونکہ خدا کے لیے کوئی بات بھی اَنہونی نہیں[1]

خدا تعالیٰ کا فضل

حاجی الٰہی بخش صاحب گجراتی حضرت کے حضور میں حاضر تھے انہوں نے عرض کی کہ مجھے قبل از بیعت پندرہ سال کی عادت افیون اور

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۲ صفحہ ۳-۴ مورخہ ۲۶ ؍ مارچ ۱۹۰۸ء

حقہ نوشی کی تھی۔ بیعت کے بعد مَیں شرمندہ ہوا کہ اب تک مجھ میں ایسی عادتیں پائی جاتی ہیں تب میں جنگل میں جا کر خدا تعالیٰ کے آگے رویا اور مَیں نے دُعا کی اور پھر یک دفعہ دونو چیزوں کو چھوڑ دیا نہ مجھے کوئی تکلیف ہوئی اور نہ کوئی بیماری وارد ہوئی۔

فرمایا:۔

یہ خدا تعالےٰ کا فضل ہے

قبل از ظہر

بہشت دائمی ہے اور دوزخ غیر دائمی

فرمایا:۔
بہشت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ (ھود: ۱۰۹) یہ ایک ایسی نعمت ہے جس کا انقطاع نہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو بہشت کے درمیان بھی مومنوں کو کھٹکا رہتا کہ کہیں نکالے نہ جاویں۔ لیکن برخلاف اس کے دوزخ کے متعلق ایسا نہیں۔ بلکہ حدیث سے ثابت ہے کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ سب دوزخ سے نکل چکے ہوں گے۔ خدا تعالیٰ کی رحمت کا تقاضا بھی یہی ہے۔ آخر انسان خدا تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ خدا تعالیٰ اس کی کمزوریوں کو دُور کر دیگا اور اس کو رفتہ رفتہ دوزخ کے عذاب سے نجات بخشے گا۔[1]

۲۶ر مارچ ۱۹۰۸ء

بوقتِ سیر

اخلاقی معجزات کی زبردست تاثیر

فرمایا:۔
اگر انسان تکبر چھوڑ دے اور اخلاق اور ملنساری سے پیش آوے تو یہ ایک بھاری معجزہ ہوتا ہے۔ اخلاقی معجزہ ہمیشہ اپنے اندر ایک زبردست تاثیر رکھتا ہے۔ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ سچی تعلیم اور پاک ایمان کا اثر اخلاق سے ظاہر ہوتا ہے۔

درجہ کمال کے دو ہی حصے ہیں۔ ایک تعظیم لِاَمرِ اللہ، دوسرے شفقت علیٰ خلق اللہ۔ امرِ اوّل کا تعلق تو

---

[1] بدر جلد ۷ نمبر ۱۲ صفحہ ۴ مورخہ ۲ر اپریل ۱۹۰۸ء

دل سے اور خدا سے ہوتا ہے جس کو یکایک ہر کوئی نہیں جان سکتا۔ دوسرا پہلو چونکہ خلقت سے تعلق رکھتا ہے اور اوّل ہی اوّل انسان کی نظر انسانی اخلاق پر پڑتی ہے اس واسطے اس خُلق کا کمال ایک بڑا بھاری اور شاندار معجزہ ہے۔ دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایسے کئی ایک نمونے پائے جاتے ہیں کہ بعض لوگوں نے محض آپؐ کے اخلاقِ کمال کی وجہ سے اسلام قبول کیا۔ چنانچہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک مشرک عیسائی مہمان آیا۔ صحابہؓ اس کو اپنا مہمان بنانا چاہتے تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں یہ میرا مہمان ہے اس کا کھانا میں لاؤں گا۔ چنانچہ اس مشرک کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاں مہمان رکھا اور اس کی بہت خاطر تواضع کی اور عمدہ عمدہ کھانے اس کو کھلائے اور عمدہ مکان اور اچھا بستر اس کو رات بسر کرنے کے واسطے دیا مگر وہ بوجہ کھانا زیادہ کھا جانے کے بدہضمی کی وجہ سے رات بھر اسی کوٹھڑی میں رفع حاجت کرتا رہا۔ مکان اور بستر خراب کر دیا۔ صبح منہ اندھیرے ہی شرم کے مارے اُٹھ کر چلا گیا مگر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاش کی اور وہ نہ ملا تو بہت ہی افسوس کیا اور کپڑے جو نجاست سے آلودہ ہو گئے تھے خود اپنے دستِ مبارک سے صاف کر رہے تھے کہ وہ اتنے میں واپس آ گیا کیونکہ وہ اپنی ایک بیش قیمت صلیب بھول گیا تھا۔ اس کو آتے دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور اس سے کوئی اظہارِ رنج نہیں فرمایا بلکہ آپ نے اس کی مدارات اور خاطر کی اور اسکی صلیب نکال کر اس کو دیدی۔ وہ شخص اس واقعہ سے ایسا متاثر ہوا کہ وہیں مسلمان ہو گیا۔

اس کے سوا اور کئی ایسے ایسے واقعات اس قسم کے اعلیٰ درجۂ اخلاق کے موجود ہیں۔ غرض یہ ہے کہ اخلاق معجزہ صداقت کی ایک بڑی بھاری دلیل ہے۔

اسلام کی تمام جنگیں دفاعی تھیں

یہ نہایت درجہ کا ظلم ہے کہ اسلام کو ظالم کہا جاتا ہے حالانکہ ظالم وہ خود ہیں جو تعصب کی وجہ سے بے سوچے سمجھے اسلام پر بے جا اعتراض کرتے ہیں اور باوجود بار بار سمجھانے کے نہیں سمجھتے کہ اسلام کے کل جنگ اور مقابلے کفارِ مکہ کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر دفاعی رنگ میں حفاظت جان و مال کی غرض سے تھے اور کوئی بھی حرکت مسلمانوں کی طرف سے ایسی سرزد نہیں ہوئی جس کا ارتکاب اور ابتداء پہلے کفار کی طرف سے نہ ہوئی ہو۔ بلکہ بعض قابلِ نفرین حرکات کا مقابلہ بتقاضائے وسعتِ اخلاق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود عمداً ترک کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ مثلاً کفار میں ایک سخت قابلِ نفرت رسم تھی جو کہ وہ مسلمان مُردوں سے کیا کرتے تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبیح فعل سے مسلمانوں کو قطعاً روک دیا۔

قرآنِ شریف میں بڑی بسط اور تفصیل سے اس امر کا ذکر موجود ہے مگر کوئی غور کرنے والا اور بے تعصب دل سچائی اور حق کی پیاس بھی اپنے اندر رکھتا ہو۔ قرآنِ شریف میں صاف طور سے اس امر کا ذکر آ گیا ہے

وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ (التوبہ:۱۳) یعنی ہر ایک شرارت اور فساد کی ابتدا پہلے کفار کی طرف سے ہوئی ہے بلکہ قرآن شریف نے تو اس امر کی بڑی وضاحت کر دی ہے کہ جنہوں نے مقابلہ کیا ان کا مقابلہ تلوار سے کیا جاوے اور جو لوگ الگ رہتے ہیں اور انہوں نے ایسی جنگوں میں کوئی حصہ نہیں لیا ان سے تم بھی جنگ مت کرو بلکہ اُن سے بیشک احسان کرو اور ان کے معاملات میں عدل کرو۔ چنانچہ فرماتا ہے لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ (الممتحنة:۹)

اب جائے غور ہے کہ قرآن شریف نے جن اضطراری حالتوں میں جنگ کرنے کی اجازت دی ہے ان میں سے آج اس زمانہ میں کوئی بھی حالت موجود ہے؟ ظاہر ہے کہ کوئی جبر و تشدد کسی دینی معاملہ میں ہم پر نہیں کیا جاتا بلکہ ہر ایک کو پوری آزادی دی گئی ہے اب نہ کوئی جنگ کرتا ہے کسی دینی غرض کے لیے اور نہ ہی لونڈی غلام کوئی بناتا ہے۔ نہ کوئی نماز روزے اذان حج اور ارکانِ اسلام کی ادائیگی سے روکتا ہے تو پھر جہاد کیسا اور لونڈی غلام کیسے؟

عورت اور مرد میں مساوات

فرمایا کہ:۔

آریہ لوگ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے ایک یہ بھی اسلام پر اعتراض کیا کرتے ہیں کہ اسلام نے مرد اور عورت میں مساوات نہیں رکھی۔ مردوں کو ترجیح دی ہے۔

فرمایا:۔

تعصب اور حق کی مخالفت نے ان کو اندھا کر دیا ہے ایسا کہتے ان کو شرم نہیں آتی۔ پہلے اپنے گریبان میں تو منہ ڈال کر دیکھیں اور پھر انصاف کریں۔ غور کا مقام ہے کہ ان میں سے اگر کسی آریہ کے ہاں چالیس لڑکیاں بھی ہو جاویں جب بھی ان کے مذہب کی رُو سے اپنی بیوی کو کسی دوسرے سے منہ کالا کرانے کے واسطے بھیجنا پڑیگا تاکہ وہ اپنی نجات کے واسطے لڑکا حاصل کرے کیونکہ ویدوں کی تعلیم کے مطابق جس کے ہاں لڑکا نہیں اس کی مُکتی نہیں۔

اب ذرا انصاف تو کریں کہ مساوات کس جانور کا نام ہے۔ چالیس پچاس لاتعداد لڑکیاں بھی ایک لڑکے کی برابری نہیں کر سکتیں اور لڑکیاں بلحاظ کثرت کے خواہ کتنی بھی ہوں اپنی ماں کو اس قابلِ نفرت اور خلاف فطرت قبیح فعل سے بچا نہیں سکتیں جب تک لڑکا پیدا نہ ہو اسے نیوگ کرانا ہی پڑے گا۔ اب بتاؤ کہ کیا تم نے مرد و عورت میں مساوات رکھی ہے؟

اسلام جو کہ بڑا پاک اور بالکل فطرتِ انسانی کے مطابق واقع ہوا ہے اور بڑی کامل اور حکیمانہ تعلیم اپنے اندر رکھتا ہے اس نے عورتوں کے نکاح میں جس طرح ولی کا ہونا ضروری قرار دیا ہے اسی طرح ان کی طلاق میں بھی ایک ولی کا ہونا ضروری رکھا ہے مثلاً جس طرح عورت اپنے نکاح کے واسطے اپنے ولی کی محتاج ہے اسی طرح طلاق کے واسطے بھی ولی کی محتاج ہے۔ اگر کسی عورت کا کسی خاص شخص سے گذارہ اور نباہ نہیں ہو سکتا تو اس کو اجازت ہے کہ قاضی یا حاکمِ وقت کی معرفت خلع کرائے۔ وہی قاضی یا حاکم وقت اس کا ولی طلاق ہوگا۔ کوئی روک ٹوک نہیں۔

باقی رہا ورثہ کے متعلق سو قرآنِ شریف نے مرد سے عورت کا حصہ نصف رکھا ہے اس میں بھید یہ ہے کہ نصف اس کو والدین کے ترکہ میں سے مل جاتا ہے اور باقی نصف وہ اپنے سسرال میں سے لیتی ہے اور پھر اس کے نان و نفقہ، لباس و پوشاک کا ذمہ دار بھی اس کا خاوند ہوتا ہے۔ اس طرح پر ایک طرح سے عورت مرد سے بھی بڑھ جاتی ہے۔ ان معترضوں کو شرم اور حیا سے کام لینا چاہیئے۔ پہلے اپنے گریبان میں تو منہ ڈال کر جھانک لیا کریں، پھر زبانِ اعتراض کھولا کریں۔

آرام کی زندگی بسر کرنے کا طریق

فرمایا:- ایک حدیث میں آیا ہے کہ ظالم کو ظالم مت کہو بلکہ خود اپنے آپ کو کوسو۔ بادشاہ یا حاکم کو مت کوسو۔ اگر تم اپنی حالت کو سنوار لو تو حاکم بھی نرم اور رحمدل ہو جاویں گے اگر کسی کا حاکم ظالم اور جابر ہے تو وہ جان لے کہ اس کے اعمال ہی اس لائق ہیں۔ قرآنِ شریف نے کیا پاک اُصول قائم کیا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (الرعد: ۱۲) جب انسان پر خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی فردِ جرم لگ جاوے تو کون ہے جو اس کی رعایت کرے اور بچا سکے۔ حکام خدا کے قہر اور رحم کا نمونہ ہوتے ہیں۔ اگر خدا خوش ہو تو حکام کے دل میں خود بخود رحم پیدا ہو جاتا ہے اور اگر خدا ہی ناراض ہے تو پھر انسان خود واجبِ سزا ہے کسی کے کیا بس کی بات۔

پس اگر تم اس دُنیا میں آرام کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہو تو خدا کی طرف جُھک جاؤ اور اپنی اصلاح کر لو اور پورے طور سے خدا کے ہو جاؤ۔ مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ۔ پنجابی کی مشہور مثل ہے کہ جے توں میرا ہو رہیں سب جگ تیرا ہو۔ اصل بات یہی ہے کہ خدا خوش ہو تو سب خوش ہو جاتے ہیں۔ خدا کا راضی کرنا مقدم ہے نادر شاہ کے حملہ کے وقت دلی کے بعض عقلمندوں نے کیا خوب کہا ہے ؎ شومئ اعمالِ ما صورتِ نادر گرفت [۱]

---

[۱] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۲ صفحہ ۷-۸ مورخہ ۲۶ مارچ ۱۹۰۸ء

۲۹؍مارچ ۱۹۰۸ء

قبل از ظہر

ایک دل آویز نصیحت

ایک معزز صاحب جو حضرت حکیم الامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوستوں میں سے ہیں اور رامپور میں قیام رکھتے ہیں، رامپور سے کانگڑہ تشریف لیجا رہے تھے حضرت حکیم الامت کی ملاقات کے واسطے قادیان بھی تشریف لائے حضرت اقدس سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے ذکر کیا کہ گرما کی شدت کی مَیں برداشت نہیں کر سکتا اور تمام گرما اپریل سے نومبر تک کانگڑہ میں جہاں میرے چائے کے باغ ہیں بسر کرتا ہوں اور آج ہی واپس جانے کا ارادہ ہے کیونکہ میں گرمی کی برداشت نہیں کر سکتا۔

حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ:۔

موسم تو کوئی بھی اللہ تعالیٰ نے بے فائدہ نہیں بنایا۔ آپ نے جہاں جسمانی تپش سے بچنے کا فکر کیا ہے اور آرام و آسائش کی راہیں سوچی ہیں وہاں چند روز یہاں رہ کر رُوحانی تپش کی اصلاح کے واسطے بھی غور کریں۔

ہمارا کام صرف اللہ تعالیٰ کے حضور دُعا کرنا ہے

قبل عصر ایک شخص نے اپنی کچھ حاجات تحریری طور سے پیش کیں۔ حضرت اقدس نے پڑھ کر فرمایا کہ:۔

اچھا ہم دُعا کریں گے

تو وہ شخص کسی قدر مُتحیر ہو کر پوچھنے لگا۔ آپ نے میری عرضداشت کا جواب نہیں دیا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

ہم نے تو کہا ہے کہ دُعا کریں گے

اس پر وہ شخص بولا کہ حضور کوئی تعویذ نہیں کیا کرتے؟ فرمایا:۔

تعویذ گنڈے کرنا ہمارا کام نہیں۔ ہمارا کام تو صرف اللہ تعالیٰ کے حضور دُعا کرنا ہے[1]

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۵ صفحہ ۱ مورخہ ۶؍اپریل ۱۹۰۸ء

۳۰ر مارچ ۱۹۰۸ء

قبل از عصر

لائف انشورنس

ملک مولا بخش صاحب کا ایک خط حضرت اقدس علیہ السلام کی خدمت میں بدیں مضمون آیا تھا کہ لائف انشورنس کی کسی کمپنی میں وہ حضرت اقدس کے سلسلۂ بیعت میں داخل ہونے سے کئی سال پیشتر سے ممبر ہیں اور کہ وہ قریب چھ سو روپیہ کے اس کمپنی کو دے چکے ہیں۔ وہ خط حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کر کے اس کے متعلق استفسار کیا۔ ملک صاحب موصوف نے اپنے خط میں یہ بھی لکھا کہ چونکہ میں نے حضور کے ہاتھ پر دین کو دُنیا پر مقدم کرنے کا عہد کرلیا ہے اس واسطے اگر اب یہ مسئلہ دین کے کسی رنگ میں بھی مخالف ہو تو میں خوشی سے اس سے دست بردار ہونا چاہتا ہوں۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

ہم تو اس کے جواز کی کوئی راہ نہیں پاتے۔ جو نقصان ہو چکا ہے وہ خدا کی راہ میں نقصان سمجھ کر آئندہ گناہ سے توبہ کرلینی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ اجر دینے والا ہے۔ اصل میں یہ بھی ایک قمار بازی ہے [1]

۳۱ر مارچ ۱۹۰۸ء

قبل نماز ظہر

مجاہدہ اور ریاضت کی ضرورت

پیر عبداللہ شاہ صاحب ساکن پنڈ صاحب خاں ضلع اٹک جو کہ پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی کے ایک معزز خلیفہ ہیں اور ان کو پیر صاحب موصوف کی طرف سے بیعت لینے کی بھی اجازت ہے، دو تین دن سے قادیان میں تشریف رکھتے تھے۔ انہوں نے آج حضرت اقدس کی خدمت میں نہایت ادب اور حق جوئی اور اطمینانِ قلب کی خاطر یوں عرض کی کہ ” خدا کے بندوں کے ساتھ خدا کے نشان ہوتے ہیں اور آپ کو بھی اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں مامور و مُرسل بنا کر دُنیا میں بھیجا ہے اور آپ کے

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۵ صفحہ ۱ مورخہ ۶ر اپریل ۱۹۰۸ء

ہزاروں نشان ظاہر ہو چکے ہیں۔ مگر چونکہ میں ایک بہت دُور دراز ملک کا رہنے والا ہوں اور ہم نے آپ کے ان نشانات سے کوئی حصہ نہیں لیا جس طرح آپ کی موجودہ جماعت کے لوگوں نے آپ کے نشانات کو دیکھا ہے۔ لہٰذا میری عرض یہ ہے کہ کوئی نشان دکھایا جاوے جو کہ اطمینانِ قلب اور ترقیٔ ایمان کا باعث ہو۔"

فرمایا:۔ اصل بات یہ ہے کہ بموجب تعلیم قرآنِ شریف ہمیں یہ امر یوں معلوم ہوتا ہے کہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں اپنے کرم، رحم، لطف اور مہربانیوں کی صفات بیان کرتا ہے اور رحمان ہونا ظاہر کرتا ہے اور دوسری طرف فرماتا ہے کہ اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (النجم : ۴۰) اور وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت : ۷۰) فرما کر اپنے فیض کو سعی اور مجاہدہ میں منحصر فرماتا ہے نیز اس میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا طرزِ عمل ہمارے واسطے ایک اسوہ حسنہ اور عمدہ نمونہ ہے۔ صحابہ کی زندگی میں غور کر کے دیکھو، بھلا انہوں نے محض معمولی نمازوں سے ہی وہ مدارج حاصل کر لیے تھے؟ نہیں! بلکہ انہوں نے تو خدا تعالیٰ کی رضا کے حصول کے واسطے اپنی جانوں تک کی پروا نہیں کی اور بھیڑ بکریوں کی طرح خدا تعالیٰ کی راہ میں قربان ہو گئے جب جا کر کہیں ان کو یہ رُتبہ حاصل ہوا تھا۔ اکثر لوگ ہم نے ایسے دیکھے ہیں۔ وہ یہی چاہتے ہیں کہ ایک پھُونک مار کر ان کو وہ درجات دلا دیئے جاویں اور عرش تک ان کی رسائی ہو جاوے۔

ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کون ہوگا وہ افضل البشر افضل الرسل والانبیاء تھے جب انہوں نے ہی پھُونک سے وہ کام نہیں کئے تو اور کون ہے جو ایسا کر سکے۔ دیکھو آپ نے غارِ حرا میں کیسے کیسے ریاضات کئے۔ خدا جانے کتنی مدت تک تضرعات اور گریہ وزاری کیا کئے۔ تزکیہ کے لیے کیسی کیسی جانفشانیاں اور سخت سے سخت محنتیں کیا کئے جب جا کر کہیں خدا تعالیٰ کی طرف سے فیضان نازل ہوا۔

اصل بات یہی ہے کہ انسان خدا کی راہ میں جب تک اپنے اوپر ایک موت اور حالتِ فنا وارد نہ کر لے تب تک ادھر سے کوئی پروا نہیں کی جاتی۔ البتہ جب خدا دیکھتا ہے کہ انسان نے اپنی طرف سے کمال کوشش کی ہے اور میرے پانے کے واسطے اپنے اوپر موت وارد کر لی ہے تو پھر وہ انسان پر خود ظاہر ہوتا ہے اور اس کو نوازتا اور قدرت نمائی سے بلند کرتا ہے۔ دیکھو قرآن شریف میں ہے۔ وَفَضَّلَ اللّٰہُ الْمُجٰھِدِیْنَ عَلَی الْقٰعِدِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا (النساء : ۹۶) قاعدین یعنی سُست اور معمولی حیثیت کے لوگ اور خدا کی راہ میں کوشش اور سعی کرنے والے ایک برابر نہیں ہوتے۔ یہ تجربہ کی بات ہے اور سالہائے دراز سے ایسا ہی دیکھنے میں آرہا ہے۔

انسان دُنیا میں دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو وہ جن کو بدقسمتی سے یہ سکھایا جاتا ہے کہ بعض اولیاء اور اقطاب دنیا میں ایسے بھی موجود ہیں کہ جن کی ایک توجہ سے انسان ولایت کے درجہ تک پہنچ سکتا ہے اور عرش تک کی اُسے

خبر ہو جاتی ہے۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو قرآن شریف میں تدبر کرتے ہیں اور خدا کی راہ میں اس کے پانے کے واسطے صدق و اخلاص سے کوشش اور ورزش کرتے ہیں اور یہی ہیں کہ آخر جن کی پُرسوز اور دردمندانہ محنتیں اور کوششیں ضائع نہیں کی جاتیں اور آخر یہ لوگ جو صبر سے خدا تعالیٰ کے دروازے پر مانگتے ہیں اور اخلاص اور صدق سے کھٹکھٹاتے ہیں ان کے واسطے کھولا جاتا ہے اور آخر وہ اپنے صدق و اخلاص اور سچی تڑپ اور حقیقی اضطراب کی وجہ سے خدائی فیوض کے خزانوں کے مالک اور وارث بنائے جاتے ہیں۔

دیکھو خدا بڑا بے نیاز ہے۔ اس کو اس بات کی کیا پروا ہے کہ کوئی جہنم میں جاوے یا کہ بہشت میں جاوے کسی کے دوزخ میں جانے سے خدا کا کچھ بگڑتا نہیں اور کسی کے بہشت میں جانے سے سنورتا نہیں۔ خدا کا اس میں ذاتی نفع یا نقصان کچھ بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ۔ (العنکبوت: ۳) یعنی کیا بس اتنی بات سے کہ لوگ زبان سے اتنا کہہ دیں کہ ہم ایمان لائے۔ خدا راضی ہو جاتا ہے اور حال یہ کہ ابھی ان کے اس قول کا امتحان نہیں کیا گیا کہ آیا وہ حقیقتاً مومن ہیں بھی یا کہ نہیں اور ان کے اس قول کا صدق و کذب ظاہر نہیں ہوا۔ پس سچی اور پکی بات یہی ہے کہ انسان اول صدق، اخلاص اور گدازش اختیار کرکے اپنے اُوپر ہزاروں موتیں وارد کرے جب جا کر اللہ تعالیٰ رحم کرتا ہے اور اس کی طرف جھانکتا ہے۔ جنتر منتر سے ولی بن جانے والے خیالات کے لوگ اور صرف ایک چھوہ سے آسمانی خزانوں کے مالک بن جانے کے خیالات رکھنے والے ہمیشہ محروم رہتے ہیں۔

ایک دفعہ ایک آدمی ہمارے پاس آیا اور کہا کہ میں تو ایسے کامل انسان کی تلاش میں ہوں جو دم بھر میں ایک توجہ سے ولی بنا دیوے۔ ہم نے بہتیرا سمجھایا مگر جب وہ باز نہ آیا تو ہم نے کہا کہ اچھا جاؤ تلاش کرو۔ اگر کہیں ایسا کوئی قطب غوث مل جاوے۔ آخر ایک مدتِ دراز کے بعد وہ ہمیں پھر مل گیا۔ بُرے حال مَندے دہاڑے۔ ہم نے پوچھا کہ کیوں، تم کو ایسا پھُونک مارنے والا آدمی ملا بھی جسے تم تلاش کرتے تھے؟ وہ چُپکا ہی رہ گیا اور کچھ جواب نہ دے سکا۔

ہمارے عقیدہ کے موافق تو یہ بات ہے کہ نہ اللہ تعالیٰ نے اور نہ ہی اس کے رسُول نے کسی نے بھی یہ راہ نہیں سکھائی۔ دیکھو صحابہؓ نے کس قدر کوششیں کی ہیں جس کی قسمت میں ہی ایسا ہو کہ اس کی عُمر ضائع ہو وہ کتاب اللہ سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ قرآنِ شریف پڑھ کر دیکھ لو اس میں کہیں بھی ایسا نہیں ملے گا کہ خدا تعالیٰ اس شخص پر بھی راضی ہوتا ہے جو اس کی رضامندی کی راہوں سے غافل اور لاپرواہی کرنے والا ہو۔ خدا تعالیٰ نے اپنی رضامندی کی جو راہیں مقرر کر دی ہیں۔ انہیں کے اختیار کرنے سے وہ راضی ہوتا ہے۔ صاف طور سے اُس نے یہ دُعا سکھا دی ہے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (الفاتحۃ: ۶) دیکھو انسان انسان سے خوش ہو کر اس کو انعامات عطا کرتا ہے

توکیا خدا اپنی رضامندی کی راہوں پر چلنے والوں اور اس کی تلاش کرنے والوں سے محبت نہیں کرے گا مگر استعداد بھی ہو اس کے فیوض کے لینے کی۔ ایک گندہ پھوڑا جس میں پیپ اور گندے مواد بھرے ہوں۔ اس پر کیسے رحم کیا جاوے۔ دیکھو صحابہؓ نے حقِ فرماں برداری اور رضا جوئی ادا کیا تھا اور وہ ایک عمدہ نمونہ اور اعلیٰ مثال ہیں۔ اس ثبوت کے واسطے انہوں نے کس طرح اپنی جانیں قربان کر دیں، اطاعت کی، خون کی ندیاں بہا دیں تو وہ بھی ان کی اس حالت پر کیسا راضی ہو گیا۔

جتنے بھی بزرگ اور اولیاء گذرے ہیں وہ سب مجاہدات اور ریاضات میں اپنے اوقات گذارتے تھے۔ دیکھو باوا فرید صاحب اور جتنے بھی اولیاء اور ابدال گذرے ہیں یہ سب گروہ ایک وقت تک خاص ریاضات اور مجاہدات شاقہ کرنے کی وجہ سے ان مدارج پر پہنچے ہیں اور ان لوگوں نے بڑی سختی سے اور پورے طور سے اتباعِ سنّت کی ہے جب جا کر ان کی شیخت، ننگ و ناموس اور خواہ نخواہ کی کبریائی نکلی اور وہ گویا کہ سُوئی کے ناکے میں سے ہو کر نکلے ہیں جس سے ہمیشہ ایسے لوگ نکلا کرتے ہیں جب جا کر کہیں ان لوگوں کو یہ حالتیں نصیب ہوئی ہیں۔ دُعائیں بھی انہی لوگوں کی قبول ہوتی ہیں ورنہ دیکھو جس طرح سے ایک حکیم کی دوائی بجز پرہیز کرنے کے مؤثر نہیں ہوتی اسی طرح سے دُعا کی قبولیت کا بھی یہی راز ہے۔ دُعا کچھ اثر نہیں کر سکتی جب تک انسان پورا اور کامل پرہیزگار نہ ہو۔

لوگوں نے بعض اولیاء کی نسبت بعض جھوٹے قصّے کہانیاں بنا رکھی ہیں وہ بھی مخلوق کی راہ میں بڑا بھاری پتھر اور روک ہو جاتے ہیں اور بہتوں کی ٹھوکر کا باعث ہو جاتے ہیں۔ دیکھو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بھی ایک قصّہ ایسا گھڑ رکھا ہے کہ ایک چور ان کے سامنے آیا اور انہوں نے گویا ایک ہی پھونک سے اس کو ولی اور قطب بنا دیا تھا۔ یاد رکھو کہ کوئی بھی بجز اپنے اوپر ایک موت وارد کرنے اور پوری اِتباعِ سُنّت کے کسی خاص اور اعلیٰ مقام پر نہیں پہنچا۔

فیضان بھی استعداد پر ہوتے ہیں

ہاں البتہ یہ بھی صحیح ہے کہ استعداد کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ بعض طبیعتیں اور استعدادیں ہی اس قسم کی اللہ تعالیٰ نے بنائی ہوتی ہیں اور ان میں ایسا مادہ رکھا ہوتا ہے کہ نخوت، تکبّر، عجب، پندار وغیرہ رذیل اخلاق ان سے خود بخود آسانی سے نکل جاتے ہیں اور ایک فانی اور لاشئے بن جاتے ہیں اور جس طرح سے ایک دانہ زمین میں مل کر پہلے خاک ہو جاتا ہے تو پھر خدا اس کو قدرت سے بڑھاتا ہے۔ اسی طرح سے وہ لوگ بھی اول اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں کھو دیتے ہیں۔ تب خدا ان کو پھر زندہ کرتا ہے اور بڑھاتا اور پھیلاتا ہے اور ان کی قبولیت دُنیا کے دلوں میں بڑھا دیتا ہے۔ پس اس طرح سے جو انسان کل مشکلات کو جو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے

امتحان کے واسطے وقتاً فوقتاً وارد ہوں۔ اُن کی برداشت کر لیتا ہے اور اپنی طرف سے کوئی خاص حدود اور شرائط نہیں مقرر کرتا بلکہ خدا پر چھوڑ دیتا ہے تو خدا اس کو اپنے فضل سے وہ کچھ دکھا دیتا ہے جس سے اس کا ایمان قوی اور مضبوط ہو جاتا ہے اور سلیم قلب حاصل ہو جاتا ہے مگر جو لوگ ضد کرتے ہیں اور خدا کو اپنے ارادوں کے ماتحت چلانے کی خواہش کرتے ہیں وہ لوگ محروم رہ جاتے ہیں اور پھر خُدا ایسے لوگوں کی پرواہی کیا رکھتا ہے وہ بے نیاز ہے۔ اس کے کروڑوں بندے ہیں۔ اگر نہیں مانتا تو نہ سہی وہ بھی جہنمی گروہ میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ نشان دکھانے میں بندے کی خواہش اور ارادے کے ماتحت نہیں ہوتا۔ فیضان بھی استعداد پر ہوا کرتے ہیں۔ جس طرح سے اگر ایک کھایا ہوا دانہ زمین میں باقاعدہ طور سے کاشت کیا جائے تو نہیں اُگتا اور بارور نہیں ہوتا اسی طرح سے بدبخت لوگ جن پر فردِ جرم شقاوت کا لگ چکا ہے خدا تعالیٰ کے انعامات اور نشانات کے وارث نہیں ہو سکتے۔ بھلا نبی سے بڑھ کر اور کون ہوگا۔ سارا قرآن شریف تدبّر سے پڑھ کر دیکھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے فیض کے حصول کے جو سامان مقرر فرمائے ہیں۔ انہی کی پیروی سے وہ فیضان ملے گا اور ان کی خلاف ورزی کرنے سے ہرگز ہرگز ممکن نہیں کہ کوئی خدا کے فیض کا وارث ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ (هود: ۱۰۶) یعنی انسان بلحاظ اپنی استعدادوں کے دو طرح کے ہیں۔ ایک تو وہ گروہ جس کو ایسے سامانوں کے جمع کرنے اور ایسے اعمال بجالانے کی توفیق ہوتی ہے جو فیوض و برکاتِ الٰہی کے انوار کے جاذب ہوتے ہیں اور وہ سعید کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ دوسرے وہ جن کے اعمالِ بد اور خبث باطن انکی ترقیوں کے آگے روک ہو کر ان کو اعمالِ صالحہ اور خدائی فیوض و برکات سے دور و مہجور کر دیتے ہیں اب بھی دیکھ لو کہ خوب زور سے تائیدات سماوی اور نشانات کی ایک بارش ہو رہی ہے اور ایک سیلاب کی طرح ترقی ہو رہی ہے، مگر اس میں بھی وہی داخل ہو سکتے ہیں جن کی روحوں میں سعادت کا حصہ ہے۔ شقی اور بدبخت لوگ باوجود ہزارہا نشانات کے دیکھنے کے ان میں بھی وساوسِ شیطانی کو داخل کر کے سعادت اور قبولِ حق سے محروم رہ جاتے ہیں اور خدا کا بھی یہی منشاء ہے کہ بعض سعادت کی وجہ سے سعید اور بعض شقاوت کی وجہ سے شقی ہو کر یہ اختلاف قیامت تک برابر قائم رہے۔ پس جن کو خدا تعالیٰ کا منشاء ہی ہماری جماعت سے باہر رکھنے کا ہو اس کو ہم کیسے ہدایت دے سکتے ہیں۔

نشانات خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں

دیکھو کسی خاص شخص کی پروا نہ خدا کو ہوا کرتی ہے اور نہ ہی اس کے رسول کسی خاص شخص کی ہدایت کے لیے زور دیا کرتے ہیں بلکہ ان کی دُعائیں اور اضطراب عام خلقِ خدا کے واسطے ہوتے ہیں۔ دیکھو رسول اکرمؐ سے بھی معجزات مانگے گئے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے کیا جواب دیا وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۔

(الانعام: ۳۸) قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللّٰهِ (الانعام: ۱۱۰) اللہ تعالیٰ نے اقتراح کو منع کیا ہے اور تجربہ بتاتا ہے کہ اقتراح کرنے والے لوگ ہمیشہ ہدایت سے محروم ہی رہتے ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ نہ ان کی مرضی اور خواہشات کا تابع ہوتا ہے اور نہ وہ ہدایت پاتے ہیں۔ دیکھو جب نشانات اور معجزات اقتراحی رنگ میں طلب کئے گئے جب ہی یہی جواب ملا قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل: ۹۴) خدا تعالیٰ کے اب بھی ہزاروں نشانات ہیں جو گننے سے گنے نہیں جا سکتے اور ہماری کتابوں میں تفصیل سے درج ہیں۔ ان کو دیکھا جاوے کیا وہ قابلِ قبول اور خدائی شان و شوکت کا رُعب اپنے اندر رکھتے ہیں یا کسی انسان کی طاقت میں ان کا امکان ہے؟ پھر جو نشانات خدا تعالیٰ نے خود اپنی مرضی سے اور خوشی سے دیئے ہیں۔ ان سے تسلی تشفی نہ پاکر اپنی تسلی تشفی کے واسطے خاص نشانات طلب کرنا نہ تو قرآنِ کریم میں ثابت ہے اور نہ کسی پہلے نبی کی زندگی میں ملتا ہے پس ہم سے کیوں منہاجِ نبوت سے باہر سوال کیا جاتا ہے ایسا ہرگز جائز نہیں۔ پہلے سوال کرنے والوں اور معجزات مانگنے والوں کو دیکھ لو اُن سے کیا معاملہ ہوا۔ وہی اب موجود ہے۔

ہم نے خدائی کا دعویٰ تو نہیں کیا۔ نشان خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ جب اور جس قسم کے وہ چاہے اپنی مرضی سے ظاہر کرے۔ وہ کسی زید بکر کی خواہشات کا پابند اور ماتحت نہیں ہے اور میں نہیں سمجھ سکتا کہ ایسا انسان کبھی کامیاب بھی ہوا ہو۔ وہی قرآن شریف موجود ہے اسمیں دیکھ لیا جاوے۔ خدا تعالیٰ کبھی مجبور نہیں ہوا۔ اور نہ وہ مجبور ہو کر ایسا کیا کرتا ہے بلکہ جب وہ چاہتا ہے اپنی مرضی سے مانگنے والوں کی خواہشات سے ہزار درجہ بڑھ چڑھ کر بھی نشان دکھا سکتا ہے اور دکھاتا ہے۔ اس کو کسی خاص انسان کی پروا نہیں ہوا کرتی کہ یہی شخص ہدایت پاوے گا تو یہ کارخانہ چلے گا۔

آپ بھی مسلمان ہیں بھلا آپ نے بھی کہیں قرآنِ شریف میں اس قسم کا مضمون پایا ہے کہ کبھی کسی نے اقتراحی رنگ میں معجزہ مانگا ہو اور پھر اس نے پا بھی لیا ہو۔ ہرگز ایسا ثابت نہ ہوگا کہ کسی نے اس طرح مانگا اور پھر پا لیا ہو۔ پس اگر ایسا ثابت نہیں ہوتا تو یہ ایک قسم کی جرأت اور بے ادبی ہے اس سے مسلمان کو بچنا چاہیئے۔ پس جس طرح سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نشان مانگنے والوں کو کہا اور جواب دیا تھا۔ ہم بھی اسی طرح کہتے ہیں کہ نشان خدا کے پاس ہیں وہ جس طرح کے چاہے اور جس وقت چاہے دکھا سکتا ہے۔ نشان دکھانا ہمارا کام نہیں۔ خدا تعالیٰ کے دکھائے ہوئے نشانات ہزاروں موجود ہیں۔ ہاں البتہ ان میں یہ بات ضرور ہے کہ وہ کسی کے خاص کر کے مانگے ہوئے نہیں ہیں بلکہ وہ ہیں جو خدا تعالیٰ نے خود اپنے ارادے اور خوشی سے دکھائے۔

میں تو ایسے شخص کے اسلام میں ہی شک کرتا ہوں جو مسلمان کہلا کر قرآنِ شریف اور سُنّتِ رسولؐ سے باہر کوئی سوال کرتا ہے اگر سعادت و رُشد کا انسان میں کچھ بھی حصہ ہو اور حق طلبی کی پیاس اور سچی تڑپ موجود ہو تو کیوں خدائی نشانات میں غور نہیں کی جاتی اور اُن کو کیوں قبول نہیں کیا جاتا؟ کیا وہ نشانات باسی ہو گئے ہیں کہ

ان کی پروا نہیں کی جاتی اور کہا جاتا ہے کہ جو ہم مانگتے ہیں وہ ہمیں دیا جاوے۔

یاد رکھو یہ بڑی بھاری جرأت اور بے ادبی ہے۔ خدا بڑا بے نیاز ہے اُسے کسی کی پرواہی کیا ہے۔ اگر ساری دُنیا بھی اس سے مُنہ پھیرے تو اس کا کچھ نہیں بگڑتا۔ کسی کی خواہشات کا ماتحت ہوکر اور مجبور ہوکر وہ نہیں چلے گا۔

تسلّی پانے کیلئے دُعا کی ضرورت

نمازِ ظہر کے بعد پھر پیر صاحب موصوف کو بُلا کر نہایت نرمی، اخلاق اور محبت بھرے الفاظ سے یوں فرمایا کہ:۔

اصل بات یہ ہے کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب انسان کے دل کی حالت صاف ہوتی ہے اور خدا کو جو دلوں کے حالات سے واقف ہے اس کے لیے کوئی امرِ ہدایت کا منظور ہوتا ہے تو خدا اپنے مامورین کے دل میں اس شخص کے لیے ایک خاص جوش اور توجہ پیدا کر دیتا ہے اور الہامِ خفی سے مامور کو اس کی طرف متوجہ کر دیتا ہے مگر جب یہ ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو سائل کی حالتِ تقویٰ اور سچی تڑپ معلوم ہو جاوے۔ پس اس سے سمجھا جاتا ہے کہ حضورِ الٰہی میں سائل کا سوال قابلِ قبول ہو گیا ہے۔ پس آپ اس امر کے لیے خدا تعالیٰ کے حضور دُعا کریں اور توبہ استغفار سے کام لیں۔ ممکن ہے کہ آپ کی دُعا کی وجہ سے خدا تعالیٰ کوئی ایسے سامان مہیا کر دے جس سے آپ کے واسطے تسلّی کے سامان مہیا ہو جاویں۔ اس کے بغیر چارہ نہیں کیونکہ وہ بڑا بے نیاز ہے اور انسان اس کا ہر آن محتاج ہے اور اسی کی مدد کا محتاج ہے۔

اس کے بعد حضرت اقدس تشریف لے گئے[1]

۴؍اپریل ۱۹۰۸ء

خدا کے ماموروں میں کبریائی ہوتی ہے

کسی صاحب نے حضرت اقدس کی خدمت میں اس قسم کی ایک درخواست کی تھی کہ یہاں کے رئیس اعظم کو حضرت اقدس کے حالات کی تحقیق کا شوق ہے لہٰذا اگر ان کی خدمت میں براہِ راست اس قسم کی کوئی تحریر بھیج کر تحریک کی جاوے تو خالی از فائدہ نہ ہوگی۔

اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۴ صفحہ ۱ تا ۳ مورخہ ۱۰؍اپریل ۱۹۰۸ء

ہم اس قسم کی سردردی کو ہرگز پسند نہیں کرتے۔ اگر ان کو اس قسم کی تحقیق کا خیال ہے تو کیوں خود اپنے ہاتھ سے درخواست نہیں کی۔ اصل میں ان لوگوں میں ایک قسم کا مخفی کبر ہوتا ہے جس کی وجہ سے یہ لوگ ایسا کرتے ہیں۔ یہ لوگ رعایا پر تو حکومت کرتے ہیں مگر اس طرح سے خدا پر بھی حکومت کرنا چاہتے ہیں۔ یہ نہیں جانتے کہ خُدا کے ماموروں میں کبریائی ہوتی ہے کیونکہ وہ ظلِ الٰہی ہوتے ہیں۔ خدا سے ان کو تواضع اور بندوں سے لاپروائی ہوتی ہے۔ بجز اس کے کہ ان لوگوں میں سے کوئی شخص خود توجہ کرے اور پھر خدا بھی اُس کے لیے دل میں جوش پیدا کر دے۔ خواہ مخواہ بناوٹ سے توجہ کرنا بھی ایک قسم کی بُت پرستی ہے۔ خدا کے مامور کسی فردِ واحد کی خصوصیت کرنا بھی شرک جانتے ہیں کیونکہ ایسے لوگوں میں باریک در باریک رنگ میں کبر مخفی ہوتا ہے[1]

۷؍اپریل ۱۹۰۸ء

۱۰½ بجے دن

ایک امریکن میاں بیوی سے عیسائیت اور اپنی صداقت پر گفتگو

۷؍اپریل ۱۹۰۸ء کو ایک انگریز اور لیڈی جنہوں نے اپنے آپ کو امریکہ (شکاگو) کے رہنے والے ظاہر کیا اور کہ وہ سیاحت کی غرض سے ملک بہ ملک پھر رہے ہیں اور ہندوستان میں بھی یہاں کے پولیٹیکل اور ریلیجس حالات سے واقفیت حاصل کرنے کے واسطے آئے ہیں لاہور سے بہمراہی ایک سکاچ انگریز قادیان میں قریب دس بجے کے پہنچے۔ مسجد مبارک کے نیچے دفتروں میں ان کو اچھی طرح سے بٹھایا گیا اور چونکہ انہوں نے حضرت اقدس سے ملاقات کرنے کی درخواست کی اس لیے حضرت اقدس بھی وہیں تشریف لے آئے اور سلسلہ گفتگو مترجم کے ذریعہ سے یُوں شروع ہوا۔

(مترجم کا کام اوّل اوّل ڈپٹی علی احمد صاحب نے اور پھر جناب مفتی محمد صادق صاحب نے کیا)

سوال:۔ ہم نے سُنا ہے کہ آپ نے مسٹر ڈوئی کو کوئی چیلنج دیا تھا کیا یہ درست ہے؟

جواب:۔ ہاں یہ درست ہے ہم نے ڈوئی کو چیلنج دیا تھا۔

سوال:۔ کس بناء پر آپ نے اس کو چیلنج دیا تھا؟

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۹ صفحہ ۲ مورخہ ۲۲؍اپریل ۱۹۰۸ء

جواب:۔ ڈوئی نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ مَیں خدا کا رسُول ہوں اور کہ خدا نے مجھے بذریعہ الہام یہ بتایا ہے کہ مسیح خدا کا بیٹا اور خود خدا تھا اور کہ خود مسیح نے مجھے بحیثیت خدا ہونے کے ایسا الہام کیا ہے اور کہ (نعوذ باللہ) اسلام تباہ ہو جاوے گا اور کہ (نعوذ باللہ) آنحضرتؐ جھُوٹے نبی تھے۔ چونکہ ہمیں خدا نے بذریعہ اپنے الہام کے یہ بتایا ہے کہ مسیح نہ خدا، نہ خدا کا بیٹا بلکہ صرف ایک پاکباز انسان اور رسُول تھا اور کہ ڈوئی اپنے اس دعویٰ رسالت میں کاذب ہے کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں کہ ایک ہی وقت میں اسی ایک ہی خدا کی طرف سے ایک دوسرے کے بالکل متضاد اور مخالف راہوں پر چلنے والے دو رسُول موجود ہوں۔ پس چونکہ اس طرح سے دُنیا میں فساد پیدا ہوتا اور حق و باطل میں امتیاز اُٹھ جاتا ہے ہم نے اسے صادق اور کاذب کے فیصلہ کرنے کے واسطے چیلنج دیا۔ اگرچہ مسیح کو ابن اللہ اور پھر واحد یگانہ خدا ماننے والے لوگ دُنیا میں بہت پائے جاتے ہیں مگر ان پر ایسا افسوس نہیں کیونکہ وہ خیالات اور عقائد صرف پُرانے غلط اور مصنوعی قصّے کہانیوں کی بناء پر ہیں اور وہ لوگ منقولات کے پیرو ہیں۔ مگر ڈوئی نے تو اپنے اس دعویٰ سے خدا پر ایک افتراء کیا اور اس طرح سے خدا پر تہمت باندھ کر لوگوں کو گمراہ کرنا چاہا تھا اور وہ تو کہتا تھا کہ خود خدا نے مجھے ایسا بتایا ہے اور بحیثیت ایک خدا کے رسول ہونے کے وہ مسیح کی ابنیت اور الوہیت کی منادی کرکے لوگوں کو گمراہ کرتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے اسے اس فیصلہ کے واسطے چیلنج دیا۔

سوال:۔ ڈوئی نے تو ایک جھُوٹا دعویٰ کیا تھا کیونکہ وہ اپنی صداقت ثابت نہیں کر سکا اور بائبل میں لکھا ہے کہ آخر زمانے میں جھُوٹے نبی آئیں گے تو پھر آپ کے دعویٰ کی سچائی کی کیا دلیل ہے؟

جواب:۔ فرمایا:۔

بائبل میں جہاں یہ لکھا ہے کہ جھُوٹے نبی آئیں گے وہاں سچّے نبی کے آنے کی نفی تو نہیں کی گئی۔ یہ تو نہیں لکھا کہ سچّا نہیں آئے گا بلکہ جھُوٹے نبیوں کا آنا خود بخود اس امر کی صراحت کرتا ہے کہ ان میں سچّا بھی ہوگا۔

سوال:۔ حضرت مسیح نے مُردے زندے کئے تھے چنانچہ ایک شخص جس کا نام[1] اسے زندہ کرنا ثابت ہے اور بائبل حضرت مسیح کی وفات کے بہت جلد بعد ہی ضبط تحریر میں لائی گئی اور بجز حضرت مسیح کے کسی اور کا مُردے زندہ کرنا ثابت نہیں ہے۔ پس یہ شہادت اُن کے دعویٰ کی دلیل اور ثبوت کے واسطے کافی ہے۔

جواب:۔ مُردوں کا زندہ ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بھی قرآنِ شریف میں مذکور ہے مگر ہم آنحضرت

---

[1] یہاں نام درج نہیں (مرتب)

صلی اللہ علیہ وسلم کے مُردے زندہ کرنے کو رُوحانی رنگ میں مانتے ہیں نہ کہ جسمانی رنگ میں۔ اور اسی طرح حضرت عیسیٰ کا مُردے زندہ کرنا بھی رُوحانی رنگ میں مانتے ہیں نہ کہ جسمانی طور پر۔ اور یہ امر کوئی حضرت عیسیٰ تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ بائیبل میں لکھا ہے کہ ایلیا نبی نے بھی بعض مُردے زندہ کئے تھے بلکہ وہ حضرت عیسیٰ سے اس کام میں بہت بڑھے ہوئے تھے۔ اگر فرض محال کے طور پر ہم مان بھی لیں کہ بائیبل میں حضرت عیسیٰ کا حقیقی مُردوں کے زندہ کرنے کا ذکر ہے تو پھر ساتھ ہی ایلیا نبی کو بھی خدا ماننا پڑے گا۔ اس میں حضرت عیسیٰ کی خدائی کی خصوصیت ہی کیا ہوئی؟ اور مابہ الامتیاز کیا ہوا؟ بلکہ لیسعیاہ نبی کے متعلق تو یہاں تک بھی لکھا ہے کہ مُردے ان کے جسم سے چھُو جانے پر ہی زندہ ہو جایا کرتے تھے۔ ان باتوں سے جو کہ اس بائیبل میں درج ہیں صاف شہادت ملتی ہے کہ مُردوں کا زندہ کرنا حضرت مسیح کی خُدائی کے واسطے کوئی دلیل نہیں ہو سکتا اور اگر اس کو دلیل مانا جاوے تو کیوں ان دوسرے لوگوں کو بھی جنہوں نے حضرت مسیح سے بھی بڑھ کر یہ کام کیا خدا نہ مانا جاوے اور خدائی کا خاصہ صرف حضرت مسیح کی ذات تک ہی محدود و مخصوص رکھا جاوے؟ بلکہ ہمارے خیال میں تو حضرت موسیٰ کا سوٹے کا سانپ بنانے کا معجزہ مُردے زندہ کرنے سے بھی کہیں بڑھ کر ہے کیونکہ مُردہ کو زندہ سے ایک تشبیہ اور لگاؤ بھی ہے کیونکہ وہی چیز ابھی زندہ تھی اور مُردے میں زندہ ہونے کی ایک استعداد خیال کی جا سکتی ہے۔ مگر سانپ کو سوٹے سے کوئی بھی نسبت اور تعلق نہیں ہے وہ ایک نباتات کی قسم کی چیز اور وہ سانپ۔ تو یہ سوٹے کا سانپ بن جانا تو مُردوں کے زندہ ہو جانے سے نہایت ہی عجیب بات ہے۔ لہٰذا حضرت موسیٰؑ کو بڑا خدا ماننا چاہیئے۔ مگر حقیقی اور اصلی بات یہ ہے کہ ہم حقیقی مُردوں کی زندگی کے قائل نہیں ہیں۔

سوال:۔ حضرت مسیح ازلی ابدی ہیں اور وہ اب بھی زندہ ہیں اور اس وقت خدا کے دہنے ہاتھ بیٹھے ہیں۔ ان کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آیا جس میں یہ خاصے پائے جاتے ہوں۔

جواب:۔ ہم قطعی طور سے انکار کرتے ہیں کہ کوئی حقیقی مُردے بھی زندہ کر سکتا ہے جیسا کہ قرآن شریف میں آیا ہے فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ -الخ (الزمر: ۴۳)

باقی رہے آپ کے دعوے سو ہم ان کو بغیر کسی دلیل کے قبول نہیں کر سکتے۔ مُردوں کے زندہ کرنے کے ساتھ ان کا خود ازلی ابدی ہونا اور اب زندہ اور خدا کے دہنے ہاتھ بیٹھے ہونا بھی آپ کے دعوے ہیں جن کی کوئی دلیل آپ نے پیش نہیں کی اور دلیل کی جگہ ایک اور دعویٰ پیش کر دیا۔

حضرت عیسیٰ کو بھی ہم اور انبیاء کی طرح خدا تعالیٰ کا ایک نبی یقین کرتے ہیں۔ ہم مانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں صدق اور اخلاص رکھنے والے لوگ خدا تعالیٰ کے مقرب ہوتے ہیں۔ جس طرح خدا تعالیٰ نے اپنے

اور مخلص بندوں کے حق میں بباعث ان کے کمالِ صدق اور محبت کے بیٹے کا لفظ بولا ہے۔ اس طرح سے حضرت عیسیٰ بھی انہی کی ذیل میں ہیں۔ حضرت عیسیٰ میں کوئی ایسی بڑی طاقت نہ تھی جو اور نبیوں میں نہ پائی جاتی ہو اور نہ ہی اُن میں کوئی ایسی نئی بات پائی جاتی ہے جس سے دوسرے محروم رہے ہوں۔ اگر حضرت عیسیٰ میں مُردے زندہ کرنے کی طاقت تھی تو اب بھی اُن کا پیرو مُردے زندہ کر کے دکھائے۔ مُردے زندہ کرنے تو درکنار بلکہ ہمارے مقابلہ میں کوئی نشان ہی دکھا دیوے۔

دیکھو انسان اپنی انسانی حدود اور ہیئت کے اندر ترقی مدارج کر سکتا ہے نہ یہ کہ وہ خدا بھی بن سکتا ہے جب انسان خدا بن ہی نہیں سکتا تو پھر ایسے نمونے کی کیا ضرورت جس سے انسان فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ انسان کے واسطے ایک انسانی نمونے کی ضرورت ہے جو کہ رسولوں کے رنگ میں ہمیشہ خدا کی طرف سے دُنیا میں آیا کرتے ہیں نہ کہ خدائی نمونہ کی جس کی پیروی انسانی مقدرت سے بھی باہر اور بالاتر ہے۔ ہم حیران ہیں کہ کیا خدا کا منشاء انسانوں کو خدا بنانے کا تھا کہ اُن کے واسطے خُدائی کا نمونہ بھیجا تھا۔ پھر یہ اور بھی عجیب بات ہے کہ خدا ہو کر پھر یہود کے ہاتھ سے اتنی ذلت اُٹھائی اور رُسوا ہوا اور ان پر غالب نہ آسکا بلکہ مغلوب ہو گیا۔

سوال:۔ آپ نے جو دعویٰ کیا ہے اس کی سچائی کے دلائل کیا ہیں؟

جواب:۔ مَیں کوئی نیا نبی نہیں۔ مجھ سے پہلے سینکڑوں نبی آچکے ہیں۔ توریت میں جن انبیاء کا ذکر ہے اور آپ ان کو سچا مانتے ہیں۔ جو دلائل ان کی صداقت کے اور ان کو نبی اور خدا تعالیٰ کا فرستادہ یقین کرنے کے ہیں وہ آپ پیش کریں انہی دلائل سے میری صداقت کا ثبوت مِل جائے گا۔ جن دلائل سے کوئی سچا نبی مانا جا سکتا ہے وہی دلائل میرے صادق ہونے کے ہیں۔ مَیں بھی منہاجِ نبوت پر آیا ہوں۔

سوال:۔ نہیں بلکہ ہم چاہتے ہیں کہ آپ سے وہ دلائل سُنیں جن سے آپ کو اپنے صدق کا یقین ہوا اور آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ آپ نبی ہیں؟

جواب:۔ خدا تعالیٰ نے ہمیں اپنے کلام سے اس بات کا علم دیا ہے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے آنیوالے لوگوں کے ساتھ خدائی نشان ہوتے ہیں جو کہ اقتداری اور غیب پر مشتمل زبردست پیشگوئیوں کے رنگ میں انکو عطا کئے جاتے ہیں۔ کوئی دشمن ان پر فتح نہیں پا سکتا اور باوجود کمزور اور ناتواں اور بے سروسامان، بے یارومددگار ہونے کے انجام کار انہی کی فتح ہوتی ہے ان کی مخالفت کرنے والوں کا نام و نشان مٹا دیا جاتا ہے منجملہ ہزاروں نشانات کے آپ لوگوں کے واسطے تو ایک ڈوئی کا معاملہ ہی جو کہ آپ کے ملک میں ہی ظہور میں آیا۔ اگر غور کریں تو کافی ہے۔ وہ دعویٰ کرتا تھا کہ مسیح خدا ہے۔ مگر ہمارے خدا نے ہم پر یہ ظاہر کیا کہ وہ خدا نہیں بلکہ ایک

عاجز انسان ہے۔ تب ہم نے اُس سے اس معاملہ میں خط وکتابت کی مگر وہ اپنے دعویٰ سے باز نہ آیا۔ آخر ہم نے خدا سے خبر پاکر اس کی ہلاکت اور نامُرادی کی پیشگوئی کی۔ جو ہماری زندگی میں پُوری ہونی ضروری تھی چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا اور وہ پیشگوئی کے مطابق نہایت ذلت اور عذاب سے صادق کی زندگی ہی میں ہلاک ہوگیا۔ اب کوئی غور کرنے والا دماغ اور مان لینے والا دل چاہیئے کہ اس میں غور کرے کہ آیا یہ پیشگوئی اس قابل ہے یا کہ نہیں کہ اس کو خدا تعالیٰ کی طرف سے یقین کیا جاوے یا کیا یہ بھی کوئی انسانی منصوبہ ہے۔

دوم۔ آپ لوگوں کا یہاں آنا بھی تو ہمارے واسطے ایک نشان ہے جو اگر آپ کو اس کا علم ہوتا تو شاید آپ یہاں آنے میں بھی مضائقہ اور تأمل کرتے۔ اصل میں آپ لوگوں کا اتنے دور دراز سفر کر کے یہاں ایک چھوٹی سی بستی میں آنا بھی ایک پیشگوئی کے نیچے ہے اور ہماری صداقت کے واسطے ایک نشان اور دلیل ہے کہاں امریکہ اور کہاں قادیان۔ مُردے زندہ کر لینا تو ایک طرف دھرا رہ گیا ایک کوڑھی (مجذوم) تو صحتیاب ہو نہ سکا اور اُسے تو حضرت مسیح چنگا نہ کر سکے تو مُردے زندہ کرنا کیسا؟ وہ باتیں تو ہزاروں سال کی ہیں اور خدا جانے ان میں کیا کچھ ملاوٹیں ہوگئی ہیں اور وہ صرف قصّے کہانیوں کے رنگ میں باقی رہ گئی ہیں۔ ان کی صداقت کا کوئی نشان یا ان کے سچے ہونے کے کوئی آثار ہی پائے جاتے تو بھی اُن کو مان لینے کی ایک راہ ہوتی۔ مگر وہ تو اب باتیں ہی باتیں اور نرے دعوے ہی دعوے ہیں۔ مگر ہم تو آجکل کی موجودہ اور زندہ مثال پیش کرتے ہیں۔

سوال:۔ ڈوئی کے انجام کا تو ہر شخص اندازہ لگا سکتا تھا کیونکہ اس نے ایک جھُوٹا دعویٰ کیا تھا اور یہ صاف بات ہے کہ جھُوٹا مدعی ذلیل ہوا کرتا ہے۔ ہم تو آپ کے دعویٰ کی عظمت کی وجہ سے یہاں آئے ہیں کہ اتنا بڑا دعویٰ کرنے والا انسان کیسا ہوگا نہ یہ کہ آپ کے واسطے نشان بننے کے واسطے آئے ہوں۔

جواب:۔ فرمایا کہ:۔

اگر ڈوئی کو آپ لوگ ایسا ہی سمجھتے تھے اور جانتے تھے کہ وہ اپنے دعویٰ میں جھُوٹا ہے اور خدا پر بہتان باندھ رہا ہے تو پھر کیا اسی یقین سے آپ لوگوں نے لاکھوں بلکہ کروڑوں روپوں کے نذرانے اُسے دیئے اور بیش قیمت تحائف اس کے واسطے دور دراز سے مہیا کئے؟ اور اس کی حد سے زیادہ عزت کی حتّٰی کہ دس ہزار سے بھی زیادہ لوگ اس کے مُرید بن گئے۔ تعجب کی بات ہے کہ ایک انسان کو باوجود جھُوٹا یقین کرنے کے بھی کوئی یہ عزت و عظمت دیتا ہو اور اپنا مال و جان اس پر نثار اور تصدُّق کرتا ہو۔

امرِ دوم کے لیے ان کو سُنانا چاہیئے کہ ایک ایسے وقت میں جبکہ ایک فرد واحد بھی ہمارا واقف نہ تھا اور کسی

کو ہمارے دعوےٰ کا علم تک بھی نہ تھا بلکہ بہت کم لوگ تھے جن کو قادیان کے نام سے بھی اس وقت واقفیت ہوگی حتّٰی کہ ہماری طرف کسی کا خط تک بھی نہ آتا تھا اور ہم ایک گمنامی کی حالت میں پڑے ہوئے تھے۔ اس زمانے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ الہام ہوا کہ یَأْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ اور یَأْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ اور وَلَا تُصَعِّرْ لِخَلْقِ اللّٰہِ وَلَا تَسْئَمْ مِنَ النَّاسِ اور بعض اس مضمون کے الہام زبانِ انگریزی میں بھی تھے۔ حالانکہ ہم زبانِ انگریزی سے بالکل ناآشنا ہیں اور یہ سب خبریں اس زمانہ کی ہیں جبکہ ان کے کچھ بھی آثار موجود نہ تھے اور ہماری اس وقت کی حالت کو دیکھنے اور جاننے والے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس حالت میں ایسی خبروں کے امکان کا وہم وگمان بھی نہیں ہوسکتا تھا بلکہ ان الہامات کے بعد اندرونی اور بیرونی طور سے یعنی خود اپنی قوم بھی اور دیگر عیسائی اور ہندو وغیرہ بھی سب دشمن ہوگئے مگر باوجود ان سب امور کے اللہ تعالیٰ کی نصرت ہمیشہ ہمارے شاملِ حال رہی اور اس نے ایسی ایسی تائیدات کیں کہ اب اس وقت چار لاکھ یا اس سے بھی کچھ زیادہ انسان ہمارے ساتھ ہیں اور دور دراز سے آتے ہیں۔ تحفے تحائف اور نقد وجنس جن کے وعدے خدا تعالیٰ کے کلام میں کئے گئے تھے سب پورے ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ پیشگوئیوں کو انکے تمام لوازم پیشگوئی کے وقت اور حالت سے دیکھنا چاہیئے اور پھر اُسکا انجام دیکھنا چاہیئے کہ کس کروفر سے پورا ہوا۔ اگر کسی مفتری کے سوانح میں بھی اسکی نظیر ہے تو پیش کرو اگر ہماری اس پیشگوئی کے ماننے سے انکار ہے تو کوئی نظیر دو کہ بجز خدا تعالیٰ کی تائید اور نصرت کے کسی مفتری نے بھی ایسا عروج پالیا ہو۔

حضرت مفتی محمد صادق صاحب کا لڑکا عبدالسلام حضرت اقدس کے نزدیک کھڑا تھا۔ حضرت اقدس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے انگریزوں کے روبرو کیا اور فرمایا کہ:۔

ان کو سمجھایا جاوے کہ اگر مثلاً یہ لڑکا آج اس حالت میں پیشگوئی کرے کہ میں ستّر برس کی عُمر پاؤں گا یا لاکھوں انسان دور دراز کی راہوں سے میرے دیکھنے کے واسطے آئیں گے یا کوئی اور عظیم الشان انقلاب کی خبر دے تو کیا ایسی پیشگوئیوں کی اس کی موجودہ حالت کے لحاظ سے کچھ وقعت کی جاوے گی؟ اور پھر اگر بالفرض جو کچھ اس نے اس حالت میں کہا ہو وہ ایک وقت میں پورا ہوجاوے تو اس وقت اس کو کوئی جھوٹا کہہ سکے گا؟ یا کسی کو یہ کہنے کا استحقاق ہوگا کہ یہ امر انسانی منصوبوں یا تدبیروں سے اسے حاصل ہوا ہے؟

حضرت اقدسؑ کے اتنے بیان کے بعد انہوں نے اقرار کیا کہ ہاں ہم اسے تسلیم کرتے ہیں کہ پیشگوئیاں ثبوتِ دعویٰ کی ایک دلیل ہوتی ہیں۔

سوال:۔ ہم کوئی اور دلیل بھی سُننا چاہتے ہیں۔

جواب :۔ فرمایا :۔
اور دلیل قبولیت دُعا ہے۔
اس موقعہ پر حضرت حکیم الامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرزند صاحبزادہ عبدالحی بھی حضرت اقدس کے قریب ہی موجود تھا۔ حضرت حکیم الامت نے اُسے آگے کر دیا اور حضرت نے اُسے بازُو سے پکڑ کر ان لوگوں کے روبُرو کر کے یوں فرمایا کہ :۔
ایک شخص نے جو کہ مولوی صاحب کا دشمن تھا اس نے آپ کے متعلق یہ کہا تھا کہ آپ ابتر ہیں اور اشتہار بھی شائع کر دیا تھا۔ اس پر ہم نے دُعا کی وہ جناب الٰہی میں قبول کی گئی اور ہمیں بتایا گیا کہ لڑکا پیدا ہوگا اور اس کا یہ نشان ہوگا کہ اس کے بدن پر پھنسیاں ہونگی اور یہ اس کی پیدائش کے چھ برس پہلے کا واقعہ ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ کے فضل سے لڑکا پیدا ہوا اور اس کے بدن پر پھنسیاں نکلیں جن کے داغ ابتک موجود ہیں۔ علاوہ ازیں اور ایسے ہزاروں نمونے قبولیتِ دُعا کے موجود ہیں۔
سوال :۔ آپ کے آنے کا مقصد کیا ہے اور اب آئندہ کیا ہوگا ؟
جواب :۔ فرمایا کہ :۔
ہمارے آنے کا یہ مقصد ہے کہ عیسائیوں، ہندوؤں اور مسلمانوں میں جو غلطیاں (خواہ وہ عملی ہوں یا اعتقادی) پیدا ہوگئی ہیں ان کی اصلاح کی جاوے۔ بھلا آپ ہی بتائیں کہ آیا عیسائیت یورپ میں اپنی اصلیت پر ہے ؟ یا عیسائیوں نے توریت یا انجیل کی تعلیم کے کسی نقطہ پر بھی عمل کیا ہے ؟ تمام یورپ کی عملی حالت کیا کہہ رہی ہے ؟ آیا ان لوگوں کے دلوں میں خدا تعالیٰ پر بھی ایمان ہے ؟ اور کیا ان کو خدا کا خوف بھی ہے ؟
(ان باتوں کے جواب میں انگریز نے صاف اقرار کیا کہ واقعی نہ تو توریت پر عمل ہے اور نہ ہی یورپ کی عملی حالت درست ہے)
فرمایا کہ :۔
ہمیں خدا نے بتایا ہے کہ حضرت مسیح خدا کے ایک برگزیدہ بندے اور نبی تھے۔ یہ نہیں کہ وہی ایک ہی ایسا نمونہ تھے اور پھر خدا تعالیٰ نے اپنا فیضان کسی پر نازل نہیں کیا اور ہمیشہ کے واسطے ایسی برکات کا دروازہ بند کر دیا ہو بلکہ وہ خدا جس کی شان بلند ہے اور وہ تمام ملکوں کا ایک اکیلا خدا ہے۔ اس نے اپنے فیضان بھی تمام ملکوں پر کئے ہیں۔
دیکھو توریت چھوڑ دی گئی۔ اس کی تعلیمات کی کچھ پروا نہیں کی جاتی۔ اس میں ہزاروں غلطیاں لگائی گئی

ہیں۔حضرت عیسیٰ کی شان کی بے ادبی کی جاتی ہے کیونکہ ان کو خواہ نخواہ خدا بنایا جاتا ہے۔کیا یہ کافی نہ تھا کہ اُن کو خدا کے ایک برگزیدہ بندے مان کر ان کی پیروی کی جاتی اور ان کے نقشِ قدم پر ان کا نمونہ اور رنگ اختیار کیا جاتا۔

انسان کا یہ کام نہیں کہ وہ خدا بن جاوے تو پھر اُسے ایسے نمونے کیوں دیئے جاتے ہیں ؟ جب کسی کو کوئی نمونہ دیا جاتا ہے تو اس سے نمونہ دینے والے کا یہ منشاء ہوتا ہے کہ اس نمونہ کے رنگ میں رنگین ہونے کی کوشش کی جاوے اور پھر وہ اس شخص کی طاقت میں بھی ہوتا ہے کہ اس نمونے کے مطابق ترقی کر سکے خدا جو فطرتِ انسانی کا خالق ہے اور اسے انسانی قویٰ کے متعلق پورا علم ہے اور کہ اس نے انسانی قویٰ میں یہ مادہ ہی نہیں رکھا کہ خدا بھی بن سکے تو پھر کیوں اس نے ایسی صریح غلطی کھائی کہ جس کام کے کرنے کی طاقت ہی انسان کو نہیں دی اس کام کے کرنے کے واسطے اُسے مجبور کیا جاتا۔کیا یہ ظلمِ صریح نہ ہوگا ؟ رسالت اور نبوت کے درجہ تک تو انسان ترقی کر سکتا ہے کیونکہ وہ انسانی طاقت میں ہے پس اگر حضرت عیسیٰ خدا تھے تو اُن کا آنا ہی لاحاصل ٹھہرتا ہے اور اگر ان کو نبی اور رسول مانا جاوے تو بے شک مفید ثابت ہوتا ہے۔

پھر اس میں خدا تعالیٰ کی بھی ہتک اور بے ادبی لازم آتی ہے۔گویا خدا نے بخل کیا کہ اپنی تجلیات کا مظہر صرف ایک ہی شخص کو ٹھہرایا اور اپنے فیوض کو صرف حضرت عیسیٰ تک ہی محدود کر دیا۔غور تو کرو اگر کسی بادشاہ کی رعایا صرف ایک فرد واحد ہی ہو تو کیا اس میں اس بادشاہ کی تعریف ہے یا ہتک ؟ اگر یہ کہا جاوے کہ بادشاہ کا فیض اور انعام صرف ایک خاص نفسِ واحد تک ہی محدود ہے تو پھر اس میں اس بادشاہ کی کیا بڑائی ہوگی ؟ پس جب خدا کے کروڑوں بندے دنیا کے مختلف ممالک میں موجود تھے تو کیا وجہ کہ خدا تعالیٰ نے اپنے فیوض کو صرف بنی اسرائیل ہی تک محدود رکھا۔دیکھو بند پانی بھی آخر کار گندہ ہو جاتا ہے اور کیچڑ کی صحبت سے اس میں ایک قسم کا تعفن پیدا ہو جاتا ہے تو پھر خدا کے اُوپر ایسا بہتان باندھنا کہ اس کے فیوض اور برکات صرف ایک خاص قوم تک ہی محدود اور بند ہیں خدا کی شان کی ہتک اور بے ادبی ہے۔

حضرت عیسیٰ کے خدا بنانے میں فائدہ کیا ؟ اور ان کی شان میں ترقی کیا ؟ بلکہ اُلٹی اس میں تو ان کی ہتک اور کسرِ شان ہے۔مَردی اس میں ہے کہ جو کام وہ کرتے تھے وہ کام کئے جاویں اور ان کی تعلیم پر عمل درآمد کر کے اچھا نمونہ دکھانے کے ذریعہ دکھایا جاوے کہ وہ خود اعلیٰ قسم کے انسان تھے اور ان کے انفاس میں تزکیہ کا اثر اور تعلیم میں اعلیٰ درجہ تک ترقی کرنے کی طاقت موجود تھی۔زبانی تعریف کرنے میں غلو کرنے سے

کیا فائدہ ؟ کیا ان کی تعلیم کا اثر اسی زمانہ تک محدود تھا یا اب بھی ہے؟ اور اگر ہے تو کہاں اور کس ملک میں ؟

افسوس آتا ہے اگر عیسٰی اب آجاویں تو وہ تو اس قوم کو پہچان بھی نہ سکیں۔ ہم اُن سے محبت رکھتے ہیں اور آپ محبت نہیں رکھتے ہوں گے کیونکہ آپ کو اُن کی خبر نہیں۔ ہم نے تو اُن کو بارہا دیکھا ہے۔ بلکہ ہم تو جانتے ہیں کہ اب بھی خود آپ لوگوں کے گھر میں ہی تفرقہ ہے، اختلاف ہے۔ بعض ایسے فرقے عیسائیوں میں اب بھی موجود ہیں جو حضرت عیسٰی کو خدا نہیں مانتے بلکہ صرف ایک برگزیدہ نبی مانتے ہیں۔ اور قرآن شریف سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے تو جب گھر میں ہی اختلاف ہے تو کیوں وہ راہ ترک نہیں کی جاتی جو کہ بالاتفاق خطرناک ثابت ہو چکی ہے۔ باقی رہا یہ کہ اب دُنیا میں کیا ہوگا سو اس کے متعلق ہم صرف اتنا کہہ دینا کافی سمجھتے ہیں کہ دُنیا اپنی اس موجودہ حالت پر نہیں رہے گی بلکہ اس میں ایک عظیم الشان تغیر اور انقلاب واقع ہوگا۔

سوال :۔ مسیح کو آپ نے کس طور سے دیکھا ہے۔ آیا جسمانی رنگ میں دیکھا ہے ؟

جواب :۔ فرمایا کہ :۔

ہاں جسمانی رنگ میں اور عین حالتِ بیداری میں دیکھا ہے۔

سوال :۔ ہم نے بھی مسیح کو دیکھا ہے اور دیکھتے ہیں مگر وہ رُوحانی رنگ میں ہے۔ کیا آپ نے بھی اسی طرح دیکھا ہے جس طرح ہم دیکھتے ہیں۔

جواب :۔ نہیں ہم نے ان کو جسمانی رنگ میں دیکھا ہے اور بیداری میں دیکھا ہے۔

اس تقریر کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ :۔

ان کے واسطے چائے تیار ہے لہٰذا ان کو چائے پلائی جاوے

اور اس طرح سے جلسہ برخواست ہوا۔ انگریزوں نے حضرت اقدس کا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور کچھ کھانا اور چائے پینے کے بعد مدرسہ کو دیکھتے ہوئے جہاں ایک طالب علم ہائی کلاس محمد منظور علی شاکر نے سُورۂ مریم کی چند ابتدائی آیات نہایت خوش الحانی سے پڑھ کر سُنائیں کیونکہ اس وقت ان کی قرآن شریف کی گھنٹی تھی۔ قرآن شریف سُنکر وہ خوش ہوئے اور پھر بٹالہ کو چلے گئے۔

کھانا کھانے کے میز پر بیٹھے ہوئے انہوں نے حضرت مفتی محمد صادق صاحب سے ایک سوال کیا کہ مرزا صاحب کی وفات کے بعد کیا ہوگا؟ جسکا جواب مفتی صاحب موصوف نے یوں دیا کہ آپ کی وفات کے بعد وہ ہوگا جو خدا کو منظور ہوگا اور جو ہمیشہ انبیاء کی موت کے بعد ہوا کرتا ہے۔ (الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۶ صفحہ ۱ تا ۴ مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۰۸ء)

۱۱؍اپریل ۱۹۰۸ء

بوقتِ سیر

مرزا احمد بیگ کے بارہ میں پیشگوئی پر اعتراض کا جواب

کسی معترض کا ایک خط حضرت مولٰنا مولوی سید محمد احسن صاحب کی خدمت میں آیا تھا جس میں اس نے مرزا احمد بیگ والی پیشگوئی پر اعتراض کیا تھا۔ حضرت مولوی صاحب موصوف نے حضرت اقدسؑ کی خدمت میں بوقتِ سَیر اس کا تذکرہ کیا۔

حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ :۔

ایسے آدمی سے پہلے یہ دریافت کرنا چاہیئے کہ آیا تم کلمہ گو بھی ہو یا کہ نہیں[1]؟ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اَور انبیاءِ سابقین پر بھی ایمان رکھتے ہو یا کہ نہیں؟ تعجب آتا ہے ایسے لوگوں کی حالت اور عقل پر کہ ہزارہا قسم کے نشانات دیکھتے ہیں ان کی تو کچھ پروا نہیں کرتے اور نہ اُن سے کوئی فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ مگر جب ایک ایسے امر کو جو متشابہات میں سے ہوتا ہے بوجہ اپنی کم فہمی اور کم عقلی کے اس کی حقیقت کو نہ سمجھنے کے باعث اعتراض کرنے بیٹھ جاتے ہیں حالانکہ اُن سے اگر یہ سوال کیا جاوے کہ اور جو ہزارہا بیّن نشان موجود ہیں ان سے تم نے کیا فائدہ اُٹھایا ہے تو یقیناً اُن سے کوئی جواب بن نہیں آتا۔ حالانکہ وہ امر جس کو وہ اپنی کم علمی کی وجہ سے نشانۂ اعتراض بناتے ہیں۔ عین سنّت اللہ کے موافق ایک امر ہوتا ہے اور کوئی بھی نبی نہیں گذرا جو اس سنّت سے باہر رہا ہو۔ پس اس سُنّت سے انکار کرنے والے کا ایمان کیسے خطرے میں ہے وہ صرف ہماری پیشگوئی پر ہی اعتراض نہیں کرتا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی تکذیب کرتا ہے اور اس طرح سے تو دوسرے تمام انبیاء کی بھی تکذیب لازم آتی ہے۔

دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صُلح حدیبیہ کا معاملہ جس میں بعض بڑے بڑے اکابر صحابہؓ کو بھی ٹھوکر لگ گئی تھی مگر پھر خدا نے ان کی دستگیری فرما کر ان کو بچا لیا حتّٰی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس میں شریک تھے۔ پھر

---

[1] بدر سے۔ فرمایا:۔
"یہ شخص ہمیں چھپا ہوا نیم مُرتد معلوم ہوتا ہے۔ ہزارہا روشن نشانات دیکھنے کے بعد بھی ابھی اُسے تاریکی ہی نظر آتی ہے۔ یہ اس کی آنکھوں کا قصور ہے۔ اگر وہ اس قسم کے شبہات کرنے لگا تو قریب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اس کا ایمان نہ رہے۔" (بدر جلد ۷ نمبر ۱۶ صفحہ ۴ مورخہ ۲۳؍اپریل ۱۹۰۸ء)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس امر کا اظہار فرمانا کہ ابوجہل مسلمان ہو جاوے گا[1]۔ ماسوی ان کے حضرت عیسیٰ کے بارہ حواریوں کے بارہ تختوں کا معاملہ۔ حضرت یونسؑ نبی کی قوم کا معاملہ۔ حضرت موسیٰؑ کی زندگی میں بھی ایسا معاملہ موجود ہے[2] تو پھر ہم حیران ہیں کہ ایسا معترض مسلمان کہلا کر کس کس بات کا انکار کرے گا۔ یہ تو ایک بیہودہ بات ہے کہ جس بات کی سمجھ نہ آئی اس کا انکار کر دیا۔

دیکھو ہماری اس پیشگوئی کی ایک ٹانگ تو اسی وقت پیشگوئی کے عین مطابق ٹوٹ گئی۔ جس کی وجہ سے ان لوگوں پر خوف طاری ہوا اور انہوں نے صدقہ اور خیرات سے اور اَور طرح سے عجز و انکسار، گریہ و بکا سے توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ نے بھی مطابق اپنی سنت کے اُن سے سلوک کیا۔ دیکھو حضرت یونس نبی کی قوم سے جو عذاب کا وعدہ ہوا تھا اس میں تو کوئی بھی شرط موجود نہ تھی اور صاف اور صریح الفاظ تھے کہ چالیس دن کے بعد تم پر عذاب نازل ہو جاوے گا۔ پس جب ایک غیر مشروط اور قطعی پیشگوئی کا توبہ اور اضطراب اور گریہ و بکا سے ٹل جانا سنت اللہ کے مطابق ہے تو پھر مشروط پیشگوئی پر کیوں اعتراض کیا جاتا ہے جس میں صاف یہ الفاظ موجود ہیں تُوْبِیْ تُوْبِیْ فَاِنَّ الْبَلَآءَ عَلٰی عَقِبِکِ[3]

حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی کتاب فتوح الغیب میں لکھتے ہیں کہ قَدْ یُوْعَدُ وَلَا یُوْفٰی کہ بعض وعدے خدا تعالیٰ کے ایسے بھی ہوتے ہیں جو پورے نہیں کئے جاتے۔ خود قرآن شریف میں متشابہات کا ذکر ہے۔ مومن اور کافر میں ایسے متشابہات سے تمیز ہو جاتی ہے اور چھپے ہوئے مُرتد اور منافق لوگوں کے الگ کرنے کا یہ ایک آلہ ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اگر متشابہات نہ رکھتا تو دُنیا دُنیا ہی نہ رہتی۔ منافق کا قاعدہ ہے کہ

---

[1] بدر سے:۔ "ابوجہل کی نسبت دیکھا گیا کہ بہشتی انگور کا خوشہ اس کو ملا ہے مگر وہ مسلمان نہ ہوا۔"
(بدر جلد ۷ نمبر ۱۶ صفحہ ۴ مورخہ ۲۳ اپریل ۱۹۰۸ء)

[2] بدر سے:۔
"حضرت موسیٰ سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا کہ اس ارض کے تم مالک ہو گے اور اس میں کئی برس گذر گئے۔"
(بدر حوالہ مذکور)

[3] بدر سے:۔
"جس سے صاف ظاہر ہے کہ توبہ سے یہ سب باتیں ٹل جاویں گی اور احمد بیگ کی موت سے جو خوف ان پر چھا گیا اس نے پیشگوئی کے حصہ کو ٹال دیا۔ اصل بات یہ ہے۔ خدا ہزارہا نشان دکھا کر بعض نشان ایسی حالت میں بھی رکھ لیتا ہے ہے جو منافقین وغیرہ کے امتیاز کا موجب ہوں۔" (بدر حوالہ مذکور)

اس کو دریا بہتا ہوا نظر نہیں آتا اور وہ اس سے فائدہ نہیں اُٹھاتا بلکہ خس و خاشاک کی طرف جُھک جاتا ہے اور مُرتد ہوجاتا ہے۔

اگر ہم منہاجِ نبوت سے باہر کوئی امر پیش کرتے ہوں اور کوئی نئی بات اپنی طرف سے پیش کرتے تو اعتراض کا موقعہ بھی تھا۔ قرآن شریف میں آیا ہے کہ لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ (الملک : ۱۱) پس جس شخص نے نہ کبھی صحبت میں رہ کر ہماری باتوں کو سُنا ہو اور نہ خود منہاجِ نبوت کے ثبوت پر پرکھنے کی عقل ہو وہ کیسے ہدایت پا سکتا ہے؟[1] دیکھو موجودہ زمانے میں خدا نے اتنی کثرت سے زبردست نشانات کا ذخیرہ جمع کر دیا ہے اور ایسے ایسے اسباب مہیا کر دیئے ہیں کہ اگر ایک لاکھ نبی بھی ان نشانات سے اپنی نبوت کا ثبوت کرنا چاہے تو کر سکے کیونکہ اس وقت نہ تو ایسی ضرورتیں تھیں اور نہ ہی ایسے ذرائع و اسباب مہیا تھے۔ دیکھو اگر انبیاء کی بعثت کے ساتھ ہی بڑے بڑے زبردست نشانات اور کُھلے کُھلے معجزات دکھا دیئے جایا کریں تو پھر ایمان ایمان ہی نہیں رہ سکتا بلکہ وہ تو عرفان ہوجاتا ہے۔ اور پھر اس میں انسان کو ثواب اور مدارج کے حصول کی کوئی وجہ ہی نہیں رہتی۔ اگر ابتداء ہی میں کُھلی کُھلی کامیابیاں اور فتوحات ہوجائیں تو سب سے پہلے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہونے والے بدمعاش اور فاسق فاجر لوگ ہی ہوتے[2] اور صادق اور کاذب، مخلص اور منافق میں تمیز کی کوئی راہ باقی رہ نہ جاتی اور نعوذ باللہ اس طرح سے تو امان اُٹھ جاتی۔ دیکھو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فراستِ صحیحہ اور نُورِ ایمان سے پہچان لیا تھا کیا انہوں نے کوئی معجزہ مانگا تھا؟ ہرگز نہیں بلکہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ابتدائی واقعات ہی سے آپ کے صدقِ دعویٰ کو بڑی قوت اور استقلال سے قبول کر لیا۔

نبی کے بعد خلیفہ بنانا خدا تعالیٰ کا کام ہے

صوفیاء نے لکھا ہے کہ جو شخص کسی شیخ یا رسول اور نبی کے بعد خلیفہ ہونے والا ہوتا ہے تو سب سے پہلے خدا کی طرف سے اس کے دل میں حق ڈالا جاتا ہے جب کوئی رسُول یا مشائخ وفات پاتے ہیں تو دنیا پر ایک زلزلہ آجاتا ہے اور وہ ایک بہت ہی خطرناک وقت ہوتا ہے مگر خدا تعالیٰ کسی خلیفہ کے

---

[1] بدر سے :۔ "پس انجام اچھا معلوم نہیں ہوتا" (بدر جلد ۷، نمبر ۱۶ صفحہ ۴ مورخہ ۲۳ را پریل ۱۹۰۸ء)

[2] بدر سے :۔
"اگر تمام نشانات یکساں روشن اور بیّن اور حسبِ خواہش ہوتے تو ابوجہل بھی ایمان ہی لے آتا مگر وہ خبیث النفس تھا۔ خدا نے نہ چاہا کہ ایسی پاک جماعت میں شامل ہو۔" (حوالہ مذکور)

ذریعہ اس کو مٹاتا ہے اور پھر گویا اس امر کا از سرِ نو اس خلیفہ کے ذریعہ اصلاح و استحکام ہوتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں اپنے بعد خلیفہ مقرر نہ کیا اس میں بھی یہی بھید تھا کہ آپ کو خوب علم تھا کہ اللہ تعالیٰ خود ایک خلیفہ مقرر فرمادے گا کیونکہ یہ خدا کا ہی کام ہے اور خدا کے انتخاب میں نقص نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کام کے واسطے خلیفہ بنایا اور سب سے اوّل حق انہی کے دل میں ڈالا۔

حضرت مولانا المکرم سید محمد احسن صاحب نے عرض کیا کہ حضور کے الہام میں بھی تو یہی مضمون ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَکَ الْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ اور آیتِ استخلاف میں بھی اللہ تعالیٰ نے اسناد لَیَسْتَخْلِفَنَّ اور لَیُمَکِّنَنَّ کی اپنی طرف ہی فرمائی ہے نہ کہ رسول کی طرف۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

ایک الہام میں اللہ تعالیٰ نے ہمارا نام بھی شیخ رکھا ہے۔ اَنْتَ الشَّیْخُ الْمَسِیْحُ الَّذِیْ لَا یُضَاعُ وَقْتُہٗ اور ایک اور الہام میں یوں آیا ہے کہ کَمِثْلِکَ دُرٌّ لَا یُضَاعُ۔ ان الہامات سے ہماری کامیابی کا بیّن ثبوت ملتا ہے۔

مومن خود جماعت ہے

حضرت مولانا سید محمد احسن صاحب نے ایک اور خط کے متعلق عرض کیا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

ہمارے پاس تو جب کوئی اس قسم کا خط آتا ہے کہ مَیں اکیلا ہوں تو ہمیں اس کے ایمان ہی کا خطرہ ہوجاتا ہے۔ مومن خود جماعت ہے۔ مومن اکیلا کبھی نہیں رہتا۔ جس کا خدا تعالیٰ پر ایمانِ کامل ہوتا ہے خدا تعالیٰ اسے اکیلا نہیں رہنے دیتا۔

غیر احمدی کو لڑکی دینے میں گناہ ہے

فرمایا کہ:۔
غیر احمدیوں کی لڑکی لے لینے میں حرج نہیں ہے کیونکہ اہلِ کتاب عورتوں سے بھی تو نکاح جائز ہے بلکہ اس میں تو فائدہ ہے کہ ایک اور انسان ہدایت پاتا ہے۔ اپنی لڑکی کسی غیر احمدی کو نہ دینی چاہیئے۔ اگر ملے تو لے بیشک لو۔ لینے میں حرج نہیں اور دینے میں گناہ ہے۔

حُبِّ دنیا کا غلبہ سلبِ ایمان کا باعث بنتا ہے

فرمایا:۔
بعض لوگ جو یَکْتُمُ اِیْمَانَہٗ

(المومن : ۲۹) میں داخل ہیں اور بعض مخفی در مخفی معقول وجوہات کے باعث وہ اپنے ایمان کا اظہار بھی نہیں کر سکتے اور وہ ایسے نہیں ہیں کہ لَآ اِلٰی هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰی هٰٓؤُلَآءِ (النسآء : ۱۴۴) بلکہ انہوں نے تمہارے پاس اپنے ایمان اور صدقِ خلوص کا اظہار کر دیا ہے تو وہ لوگ معذور ہیں اور بعض وہ لوگ جو اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہیں کہ وہ مکفرین میں داخل نہیں ہیں ان کو چاہیئے کہ وہ اس قسم کا ایک اشتہار دے دیں کہ وہ ہمارے مکفرین میں سے نہیں ہیں اور جو لوگ ہم کو کافر وغیرہ ناموں سے یاد کرتے ہیں اُن سے اپنے آپ کو یوں الگ کر دیں بلکہ یہ بھی لکھ دیں کہ جو لوگ ہمیں کافر کہتے ہیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مطابق ایک مسلمان کو کافر کہنے کی وجہ سے خود کافر ہیں۔ لیکن چپکے چپکے کبھی ہم میں آئے تو ہمارے بن بیٹھے اور ان میں گئے تو ان کے ہو گئے۔ یہ ایمانداروں کی روش نہیں ہے۔ ہم کوئی غیب کا علم تو رکھتے نہیں کہ کسی کے دل کی حالت سے ہمیں آگاہی ہو جاوے۔ پس یہ ایک راہ ہے کہ جس سے یہ لوگ اگر ان کے دلوں میں کوئی نفاق کا مرض نہیں ہے تو ہمارے مکفرین میں سے الگ ہو کر الگ ایک جماعت بن سکتے ہیں اور اگر فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا (البقرۃ : ۱۱) والا معاملہ ہے اور ان کے دلوں میں واقعی نفاق کی آگ ہے تو اس طرح سے ان کی بیماری اور بھی زیادہ ہو جاوے گی اور ظاہر ہو جاوے گی۔

اصل بات یہ ہے کہ بعض اوقات حبِّ دُنیا کا غلبہ بھی سلبِ ایمان کا باعث ہو جایا کرتا ہے لہٰذا دنیوی اُمور میں بہت انہماک اور دنیوی امور کو اتنی اہمیت دے دینا کہ گویا دین ایمان اور آخرت کی پرواہی نہ رہے۔ یہ بھی خطرناک زہریلا مرض ہے۔ یہ تو وہ زمانہ ہے جس کے متعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پہاڑوں کی چوٹیوں پر چلے جاؤ، درختوں کے تنوں سے لگ جاؤ اور جس طرح سے بن پڑے زمانہ کے فتن سے اپنے ایمان کو سلامت رکھنے کی کوشش کرو۔ پس اگر بحالتِ مجبوری کوئی احمدی اکیلا ہی ہو تو اُسے تنہا ہی نماز گذار لینی چاہیئے اور کوشش اور دُعا کرنی چاہیئے کہ خدا اسے جماعت بنا دے۔

بعض دفعہ سختی کرنا ضروری ہوتا ہے

اصل میں مومن کو بھی تبلیغ دین میں حفظِ مراتب کا خیال رکھنا چاہیئے۔ جہاں نرمی کا موقعہ ہو وہاں سختی اور درشتی نہ کرے اور جہاں بجز سختی کرنے کے کام ہوتا نظر نہ آوے وہاں نرمی کرنا بھی گناہ ہے[1]

گر حفظِ مراتب نہ کُنی زندیقی

---

[1] بدر سے :۔ "ہر معترض سے جو باوجود سمجھانے کے پھر بھی اعتراض کرتا چلا جائے نرمی کا برتاؤ ٹھیک نہیں۔" (بدر جلد ۷ نمبر ۱۶ صفحہ ۴)

دیکھو فرعون بظاہر کیسا سخت کافر انسان تھا مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰؑ کو یہی ہدایت ہوئی کہ قُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا (طٰهٰ : ۴۵) رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے بھی قرآنِ شریف میں اسی قسم کا حکم ہے وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا (الانفال: ۶۲) مومنوں اور مسلمانوں کے واسطے نرمی اور شفقت کا حکم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بھی ایسی ہی حالت بیان کی گئی جہاں فرمایا ہے کہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (الفتح)

چنانچہ ایک دوسرے مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے فرماتا ہے کہ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (التوبة : ۷۳) غرض ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خود خدا تعالیٰ نے بھی حفظِ مراتب کا لحاظ رکھا ہے۔ مومنین اور ایمانداروں کے واسطے کیسی نرمی کا حکم ہے اور کفار میں سے بعض میں مادہ ہی ایسا ہوتا ہے کہ ان کو سختی کی ضرورت ہوتی ہے جس طرح سے بعض بیماریوں یا زخموں میں ایک حکیم حاذق کو چیرا پھاڑی اور عملِ جراحی سے کام لینا پڑتا ہے۔

حضرت ابن عربی لکھتے ہیں کہ فرعون کے لیے کیوں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو نرمی کا سلوک کرنے کی ہدایت کی۔ اس میں بھید یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ آخر اسے ایمان نصیب ہو جاوے گا۔ چنانچہ اٰمَنْتُ کا لفظ اسی کے مُنہ سے نکلا۔ بلکہ وہ تو یہاں تک لکھتے ہیں کہ قرآنِ شریف سے اس کی نجات بھی ثابت ہے۔ قرآنِ شریف میں یہ نہیں لکھا کہ فرعون جہنم میں داخل ہوگا۔ صرف یہی لکھا ہے يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ (هود : ۹۹)

آسمانی بجلی

فرمایا:۔

خدا تعالیٰ کی ہیبت ناک اور غضب کی تجلیات کا سب سے اکمل اور اتم مظہر صاعقہ ہے اس میں دونو باتیں سمندر میں میٹھے اور کڑوے پانی کی طرح خدا تعالیٰ کے غضب اور مراحم کی پہلو بہ پہلو چلی جارہی ہیں[1]۔ ایک طرف صاعقہ خدا تعالیٰ کے غضب کا مظہر ہے تو دوسری طرف روشنی اور بارش خدا تعالیٰ کے رحم کے مظہر بھی موجود ہیں۔

فرمایا:۔

ایک الہام بھی ہے کہ اِنِّيْٓ اَنَا الصَّاعِقَةُ

---

[1] بدر سے:۔ ”خدا تعالیٰ کی دو صفتیں ہیں۔ جلال اور جمال۔ دونوں ساتھ ساتھ کام کر رہی ہیں“

(بدر جلد ۷ نمبر ۱۶ صفحہ ۴)

فرمایا کہ :-

بعض اوقات ایسا بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ بغیر اس کے کہ بجلی اپنا اثر کرے موت کا باعث ہو جایا کرتی ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ ہم نے دیکھا کہ ایک موقعہ پر کچھ گدھے بجلی کے صدمے سے ہی مر گئے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ہم سیالکوٹ میں ایک مکان پر تھے اور پندرہ یا سولہ آدمی اَور بھی ہمارے ساتھ تھے۔ دفعتاً بجلی اس مکان کے دروازے پر پڑی اور دروازے کی شاخ کو دو ٹکڑے کر دیا اور مکان دھواں دھار ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا بڑی کثرت سے گندھک جلائی گئی ہے۔ پھر چند منٹ کے بعد ہی ایک دوسرے محلے میں ایک مندر تھا اور اس کے پیچ در پیچ راستے تھے۔

چنانچہ اس موقعہ پر آپ نے کھڑے ہو کر اپنے دستِ مبارک کی لکڑی سے زمین پر ذیل کی صورت کا ایک نقشہ کھینچا

اور فرمایا کہ :-

اس قسم کے پیچ در پیچ راستوں سے ہو کر وہ بجلی اندر مندر میں گئی اور وہاں ایک سادھو بیٹھا تھا اس پر جا کر گری چنانچہ وہ سادھو ایک چُو[1] کی طرح ہو گیا ہوا تھا۔

صداقت کی ایک دلیل

فرمایا کہ :-

ہمارا معاملہ تو غور کرنے والوں کے واسطے بالکل صاف اور کھُلا ہے عقلمند انسان کے واسطے تو اگر اَور کوئی بھی معجزہ نہ ہو (حالانکہ یہاں تو ہزاروں زمینی آسمانی نشانات اور تائیدات موجود ہیں) تو بھی اتنی مدت دراز تک ہمارے وجود کا (ایسے زبردست دعاوی اور ایسے خطرناک حالات کے باوجود) ابقاء ہی کافی ہے۔ غور کا مقام ہے کہ ابھی تیرھویں صدی میں سے کچھ سال باقی تھے جب سے ہمارا دعویٰ ہے اور اب چودھویں صدی کے بھی چھبیس برس گذر چکے ہیں۔ اندرونی بیرونی دشمنوں کی مخالفتیں اور جوشیلی تدابیر کے ساتھ ساتھ خود ہمارے اپنے وجود کی بعض خطرناک بیماریوں کے ہوتے ہوئے پھر بھی خدا نے ہمیں معجزانہ زندگی عطا کی ہے پھر خود ہی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے تو ایک آدھ گھڑی کا افتراء بھی خطرناک اور رگِ جان کے کٹ جانے کا باعث تھا مگر ہمیں خدا نے باوجودیکہ ہم ان کے زُعم میں مفتری ہیں برابر تیس برس تک مہلت دی

---

[1] پنجابی میں جلی ہوئی لکڑی کو کہتے ہیں۔ (مرتب)

اور پھر یہی نہیں بلکہ ہزار ہا قسم کے زمینی آسمانی نشانوں سے ہمارے صدقِ دعویٰ کی تائید کی اور سارے معاملے ہمارے ساتھ صادقوں والے کئے۔ ایک بھی ایسی بات نہ کی جو کاذبوں والی ہو پھر بایں خدا جانے ان کی عقلوں پر کیسی جہالت کے پردے پڑ گئے ہیں اور یہ کیوں نہیں سمجھتے۔[1]

---

۱۲ اپریل ۱۹۰۸ء

فرمایا:-

یہ زندگی کچھ شئے نہیں

ذوالقرنین

فرمایا:-

وہ ذوالقرنین جس کا ذکر قرآنِ شریف میں ہے اَور ہے اور سکندر رومی اور شخص ہے بعض لوگ ہر دو کو ایک سمجھتے ہیں۔ دو صدیوں میں سے حصہ لینے والا ہے۔[2]

بلا تاریخ

سفوفِ بھلاوہ کے خواص

سفوف بھلاوہ کا ذکر تھا۔

فرمایا:-

باہ کے مایوسوں کے واسطے مفید ہے

فرمایا:-

یہ امر گناہ میں داخل ہے کہ انسان لوگوں کے ہنسی ٹھٹھے سے ڈر کر حق گوئی سے رہ جاوے۔

سلطانِ روم کا ذکرِ خیر

سلطانِ روم کا ذکر تھا۔ فرمایا:-

اس گئے گذرے زمانے میں بھی اسلامی بادشاہوں نے خدا تعالیٰ کی یاد

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۷ صفحہ ۱ تا ۳ مورخہ ۱۴ اپریل ۱۹۰۸ء

[2] بدر جلد ۸ نمبر ۷-۸-۹ صفحہ ۳ مورخہ ۲۴، ۳۱ دسمبر ۱۹۰۸ء

کی راہ کو نہیں چھوڑا۔ سُنا گیا ہے کہ سلطانِ روم نمازِ جمعہ کے واسطے مسجد جاتا ہے اور فقراء کو ملتا ہے۔

اس زمانہ کی سب سے اہم ضرورت

فرمایا:- ہمارے اُصول میں یہ بات ہے کہ سچائی کو دُنیا میں پھیلایا جائے۔ اس زمانہ میں بڑی ضرورت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ہستی کو ثابت کیا جاوے۔

قولِ مُوَجّہ

فرمایا:- قولِ مُوَجّہ صفتِ انبیاء ہے

اونٹ کی سواری کا طبّی فائدہ

فرمایا:- اونٹ کی سواری بھی مُقلّل ہے۔ امراض ذیابطیس سلیل البول کو مفید ہے۔

مبلغ کیلئے ایک اہم بات

فرمایا:- مبلغ کو چاہیئے کہ امراء کو جو لمبا کلام نہیں سُن سکتے ایک چھوٹا سا ٹوٹکا سنائے جو سیدھا کان کے اندر چلا جائے اور اپنا کام کرے۔

تعدّدِ ازدواج

تعدّدِ ازدواج کا ذکر تھا۔ فرمایا کہ:- شریعتِ حقّہ نے اس کو ضرورت کے واسطے جائز رکھا ہے۔ ایک لائق آدمی کی بیوی اگر اس قسم کی ہے کہ اس سے اولاد نہیں ہوسکتی تو وہ کیوں بے اولاد رہے اور اپنے آپ کو بھی عقیم بنالے۔ ایک عمدہ گھوڑا ہوتا ہے تو اس کی نسل بھی قائم رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ انسان کی نسل کو کیوں ضائع کیا جائے؟

پادری لوگ دوسری شادی کو زناکاری قرار دیتے ہیں تو پھر پہلے انبیاء کی نسبت کیا کہتے ہیں۔ حضرت سلیمان کی کہتے ہیں کئی سو بیویاں تھیں اور ایسا ہی حضرت داؤد کی تھیں۔ نیت صحیح ہو اور تقویٰ کی خاطر ہو تو دس بیس بیویاں بھی گناہ نہیں۔ اگر نعوذ باللہ عیسائیوں کے قول کے مطابق ایک سے زیادہ نکاح سب زنا ہیں تو حضرت داؤد کی اولاد سے ہی ان کا خدا بھی پیدا ہوا ہے۔ تب تو یہ نسخہ اچھا ہے اور بڑی برکت والا طریق ہے۔

پادری لوگ نکمی باتوں کی طرف جاتے اور اصل امر کو نہیں دیکھتے۔ انجیل میں لکھا ہے جس کے اندر رائی کے برابر ایمان ہے وہ پہاڑ کو کہے کہ یہاں سے اُٹھ کر وہاں چلا جا تو وہ چلا جائے گا۔ عیسائیوں کو چاہیئے کہ اپنے ایمان کا ثبوت دیں ورنہ سب بے ایمان ہیں۔ مسلمانوں میں ہمیشہ ایسے لوگ ہوتے رہے ہیں جنہوں نے نشانات دکھلائے۔

ایک سرکاری افسر کی ملاقات کے وقت فرمایا:۔
خدا وہ دن لائے کہ رُوحانی ملاقاتیں ہوں جسمانی ملاقات کوئی شئے نہیں نہ زبان کوئی شئے ہے دل چاہیئے۔

فرمایا:۔
جس قدر کوئی شخص انصاف اختیار کرتا ہے اسی قدر روشن ضمیر ہو جاتا ہے۔

فرمایا:۔
جو لوگ اس نبی کی تکذیب کرتے ہیں وہ سب انبیاء کے مکذّب ہیں۔

فرمایا:۔
دین آسمان سے آیا ہے اور ہمیشہ آسمان سے ہی اس کو آبپاشی حاصل ہوتی ہے[1]

---

۱۵ را پریل ۱۹۰۸ء

بوقتِ ظہر

لوگوں کے پیچھے پڑنا مومن کا کام نہیں ہے

ایک شخص کا خط حضرت اقدس کی خدمت میں پیش ہوا کہ فلاں شخص نماز نہیں پڑھتا، روزے نہیں رکھتا، یہ ہے، وہ ہے، اس کو کافر کہنا چاہیئے یا نہیں۔ وہ احمدی ہے یا نہیں؟

---

[1] بدر جلد ۸ نمبر ۷-۸-۹ صفحہ ۳ مورخہ ۲۴، ۳۱ر دسمبر ۱۹۰۸ء

فرمایا:۔
اس کو کہنا چاہیئے کہ تم اپنے آپ کو سنبھالو اور اپنی حالت کو درست کرو۔ ہر شخص کا معاملہ خدا تعالیٰ کے ساتھ الگ ہے۔ تم کو کس نے داروغہ بنایا ہے جو تم لوگوں کے اعمال پڑتال کرتے پھرو اور ان پر کُفر یا ایمان کا فتویٰ لگاتے پھرو۔ مومن کا کام نہیں کہ بے فائدہ لوگوں کے پیچھے پڑتا رہے۔

مشورہ بابرکت ہوتا ہے

ایک صاحب کے ایک خوفناک جگہ پر مکان بنوانے اور بسبب کمی روپیہ تعمیرِ مکان کو پورا نہ کرسکنے کا ذکر تھا۔

فرمایا:۔
افسوس ہے کہ بعض لوگ پہلے مشورہ نہیں کر لیتے۔ مشورہ ایک بڑی بابرکت چیز ہے اس پر حضرت مولوی نورالدین صاحب نے فرمایا کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ خود اپنے رسُول کو حکم دیتا ہے کہ وہ مشورہ کیا کرے تو پھر دوسروں کے لیے یہ حکم کس قدر زیادہ تاکیدی ہوسکتا ہے۔ آجکل لوگوں کا حال یہ ہے کہ یا تو مشورہ پوچھتے نہیں یا پوچھتے ہیں تو پھر مانتے نہیں۔
حضرت نے فرمایا کہ:۔
پھر ایسی بات کی لوگ سزا بھی پاتے ہیں۔ ایسوں کے حالات سے زیادہ تر وہ لوگ اب فائدہ اُٹھا سکتے ہیں جو عبرت حاصل کریں [1]

بلا تاریخ

اعلیٰ عہدہ پر فائز لوگوں کیلئے نصیحت

فرمایا کہ:۔
آجکل کے نواب اور امراء عیاشی میں پڑے ہوئے ہیں۔ دین کی طرف بالکل توجہ نہیں۔ ہر قسم کے عیش و عشرت کے کاموں میں مصروف ہیں مگر دین سے بالکل غافل ہیں اور دوسرے آدمی بھی جب ان کو کوئی بڑا عہدہ ملتا ہے یا کسی اعلیٰ جگہ پر مقرر ہوتے ہیں تو پھر غافل ہوجاتے ہیں اور بالکل مخلوق کی بہتری کا خیال نہیں رہتا۔ دُنیا میں عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ جب انسان کسی اعلیٰ مرتبہ کو حاصل کر لیتا ہے تو پھر وہ مغرور ہوجاتا ہے۔ حالانکہ وہ اس عرصہ میں بہت کچھ نیک کام کرسکتا ہے اور بنی نوعِ

---

[1] بدر جلد ۷ نمبر ۱۶ صفحہ ۱۴ مورخہ ۲۳ ؍ اپریل ۱۹۰۸ء

انسان کو فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ (ابراھیم: ۸) اگر تم میرا شکر ادا کرو تو میں اپنے احسانات کو اور بھی زیادہ کرتا ہوں اور اگر تم کُفر کرو تو پھر میرا عذاب بھی بڑا سخت ہے۔ یعنی انسان پر جب خدا تعالیٰ کے احسانات ہوں تو اس کو چاہیئے کہ وہ اس کا شکر ادا کرے اور انسانوں کی بہتری کا خیال رکھے اور اگر کوئی ایسا نہ کرے اور اُلٹا ظلم شروع کر دے تو پھر خدا تعالیٰ اس سے وہ نعمتیں چھین لیتا ہے اور عذاب کرتا ہے۔ آجکل نواب اور راجہ بالکل بُھولے ہیں اور پھر اپنے عیش و آرام میں پڑے ہوئے ہیں۔ دوسرے لوگوں کو چاہیئے کہ ایسے کاموں میں مخلوق کی بھلائی کا خیال رکھیں اور ان باتوں کو بھولیں نہیں جن سے اہلِ ملک کا فائدہ ہو اور ایسا نہ ہو کہ بڑا عہدہ پاکر انسان خدا کو بھول جائے اور اس کا دماغ آسمان پر چڑھ جائے بلکہ چاہیئے کہ نرمی اور پیار سے کام کیا جائے اور چاہیئے کہ جو شخص کسی ذمہ داری کے عہدہ پر مقرر ہو تو وہ لوگوں سے خواہ امیر ہوں یا غریب نرمی اور اخلاق سے پیش آئے کیونکہ اس میں نہ صرف ان لوگوں کی بہتری ہے بلکہ خود اس کی بھی بہتری ہے[1]

(منقول از تشحیذ الاذہان اپریل ۱۹۰۸ء)

۲۰؍اپریل ۱۹۰۸ء

قبل ظہر

خانہ کعبہ کی عظمت دلوں میں کم نہیں ہونی چاہیئے

شیخ فضل کریم صاحب جنہوں نے اسی سال حج کعبۃ اللہ کا شرف حاصل کیا ہے چند روز سے دارالامان میں تشریف رکھتے ہیں۔ قبل ظہر حضرت اقدس سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے اس سال کی ناقابلِ برداشت تکالیف کا جو حجاج کو برداشت کرنی پڑیں سارا حال بیان کیا۔ انہوں نے بیان کیا کہ انگلش حدود سے نکل کر ٹرکش حدود میں داخل ہوتے ہی ایسی مشکلات کا سامنا ہوا کہ جن کی وجہ سے یقیناً کہا جا سکتا ہے کہ یہ مشکلات ایسی ہیں جن سے حج کے بالکل بند ہو جانے کا اندیشہ ہے خصوصاً اہلِ ہند کے واسطے۔ انہوں نے بیان کیا کہ ٹرکی حدود میں کورنٹائن کی ناقابلِ برداشت سختیاں وہاں کے ڈاکٹروں اور حاکموں

---

[1] بدر جلد ۷ نمبر ۱۶ صفحہ ۱۴ مورخہ ۲۳؍اپریل ۱۹۰۸ء

کا سخت درجہ کا حریص اور طامع ہونا اور اپنے فائدے کے لیے ہزاروں جانوں کی ذرہ بھر پروا نہ کرنا، لوگوں کا سامان خوراک پوشاک بمپارہ میں ضائع کر دینا یا نقدی کا ضائع جانا۔ اور پھر جو چیز ایک مصری حاجی دس روپے میں حاصل کر سکتا ہے وہ ہندیوں کو تیس روپے تک بھی بمشکل دینا۔ راستوں میں باوجودیکہ سلطان المعظم نے ہر دو میل پر کنواں تیار کروا رکھا ہے عُمّال اور کارکنوں کا بغیر دو چار آنے لیے کے پانی کا گلاس تک نہ دینا اور پھر راستہ میں باوجود چوکی پہروں کے انتظام کے جو کہ سلطان المعظم کی طرف سے کیا گیا ہے پرلے درجہ کی بدامنی کا ہونا یہانتک کہ انسان اگر راستے سے دو چار گز بھی اِدھر اُدھر ہو جاوے تو پھر وہ زندہ نہیں بچ سکتا اور پھر ہندیوں سے خصوصاً سخت برتاؤ ہونا، بات بات پر پٹ جانا اور کوئی داد فریاد نہیں۔ بات بات پر کذّاب، بطّال اور الفاظ حقارت سے مخاطب کیا جانا وغیرہ وغیرہ ایسے سامان ہیں کہ بہت ہی مصیبت کا سامنا نظر آتا ہے۔

یہ سارا ماجرا سُنکر حضرت اقدس نے فرمایا کہ :-

ہم آپ کو ایک نصیحت کرتے ہیں۔ ایسا ہو کہ ان تمام امورِ تکالیف سے آپ کی قوتِ ایمانی میں کسی قسم کا فرق اور تزلزل نہ آوے۔ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ابتلا ہے۔ اس سے پاک عقائد پر اثر نہیں پڑنا چاہیئے۔ ان باتوں سے اُس متبرک مقام کی عظمت دلوں میں کم نہ ہونی چاہیئے کیونکہ اس سے بدتر ایک زمانہ گذرا ہے کہ یہی مقدس مقام نجس مشرکوں کے قبضہ میں تھا اور انہوں نے اُسے بُت خانہ بنا رکھا تھا۔ بلکہ یہ تمام مشکلات اور مصائب خوش آئند زمانے اور زندگی کے درجات ہیں۔ دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے پہلے بھی زمانہ کی حالت خطرناک ہو گئی تھی اور کفر و شرک اور فساد اور ناپاکی حد سے بڑھ گئے تھے تو اس ظلمت کے بعد بھی ایک نُور دُنیا میں ظاہر ہوا تھا۔ اسی طرح اب بھی اُمید کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ ان مشکلات کے بعد کوئی بہتری کے سامان بھی پیدا کر دیگا اور خدا تعالیٰ کوئی سامانِ اصلاح پیدا کر دیگا بلکہ اسی متبرک اور مقدس مقام پر ایک اور بھی ایسا ہی خطرناک اور نازک وقت گذر چکا تھا جس کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے توجہ دلائی تھی۔ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ (الفیل : ۲)

غرض یہ اب تیسرا واقعہ ہے۔ اس کی طرف بھی اللہ تعالیٰ ضرور توجہ کرے گا اور خدا کا توجہ کرنا تو پھر قہری رنگ میں ہی ہو گا۔

دین العجائز والوں سے مؤاخذہ میں نرمی ہو گی

ایک شخص کابلی سید عبدالمجید خاں نامی چند روز سے قادیان میں آیا

ہوا تھا۔ اس نے عرض کی کہ حضور میرا ارادہ ہے کہ حضور کے قدموں میں رہوں اور تحصیلِ علمِ دینی کروں۔
فرمایا کہ:۔
اب تمہاری عمر اس قابل نہیں کہ تحصیلِ علم کی طرف توجہ کرو۔ تمہارا کام یہ ہے کہ محنت کرو اور کماؤ اور خدا کی راہ میں تقویٰ اختیار کرو۔ تمام علومِ صحیحہ کی انتہائی غرض عمل ہوتی ہے۔ اگر انسان پڑھ کر عمل نہیں کرتا تو وہ سخت گناہ کرتا ہے اور پکڑ بھی سخت ہوگی۔ مولوی ہو اور پھر گناہ کرے یہ خدا تعالیٰ کے غضب اور قہر کی علامت ہے اور جو لوگ دین العجائز رکھتے ہیں اور معمولی مسلمان ہیں مؤاخذہ میں بھی اُن سے نرمی کی جاوے گی۔ پس کوشش کرو۔ عملی حالت میں ترقی کرو۔[1]

۱۲؍اپریل ۱۹۰۸ء

قبل از ظہر

ایمان قوی ہو تو نشہ چھوڑا جا سکتا ہے

تمباکو، افیون اور شراب وغیرہ کے متعلق ذکر تھا کہ ان کی عادت جن لوگوں کو ہو جاتی ہے پھر ان کا چھوٹنا مشکل ہو جاتا ہے اور بالخصوص شراب تو ایک ایسی چیز ہے کہ چھوڑ دینے کے بعد بھی کتابوں میں لکھا ہے کہ اس کا عام دوری امراض کی طرح بعض اوقات دورہ ہو جاتا ہے اور وہ ایسا خطرناک اور شدید دورہ ہوتا ہے کہ ایک انسان پاگل ہو جاتا ہے اور آخر کار پی ہی لیتا ہے خواہ پھر ہوش سنبھالنے پر توبہ ہی کرلے۔
فرمایا:۔
وہ معاصی کا دورہ ہوتا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے آگے کوئی بات انہونی نہیں ہے۔ جہاں قوتِ ایمانی ہو وہاں معاصی ٹھہر ہی نہیں سکتے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی کی طرف دیکھا جاوے کہ انہوں نے حرمت کی آیت نازل ہونے کے بعد کیسی چھوڑی کہ پھر اس توبہ کی حالت میں ہی مر گئے۔ وہاں تو شراب نے کبھی دورہ نہ کیا اور نہ ہی کسی کو از خود رفتہ کر لیا کہ وہ مجبور ہو جاتا۔ حکمِ حرمت کے دن شہر کی گلیوں میں ٹخنوں تک بہہ نکلی۔ مگر یہ سب کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسی اور تاثیر کا نتیجہ تھا کہ صحابہؓ کے ایمان ایسے قوی ہو گئے تھے کہ شراب بھی جس کا

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۹ صفحہ ۱ مورخہ ۲۲؍اپریل ۱۹۰۸ء

وہ لوگ پانی کی جگہ استعمال کرتے تھے شرک کی طرح ایسی نابود ہوئی کہ پھر نہ عَود کر سکی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ابتداء ہی سے کیسا معصوم رکھا تھا کہ باوجودیکہ آپ کے تمام رشتہ دار اور اقرباء اور ہم قوم اس خبیث چیز کے استعمال میں مستغرق تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ابتدائی چالیس سالہ زندگی انہی لوگوں میں بسر کی مگر کسی کا اثر آپ پر نہ ہوا۔ گویا روزِ ازل ہی سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو معصوم بنایا تھا اور یہ آپ کی فطرتِ سلیم کی اور عصمت کی ایک خاص دلیل ہے [1]

۲۲؍اپریل ۱۹۰۸ء

احباب جماعت پر نکتہ چینی نامناسب ہے

کسی شخص کا یہ اعتراض پیش ہوا کہ احمدیوں نے کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی بات بات پر آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

فرمایا:۔

ایسے اعتراض باریک در باریک بُغض کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ کیا شرک گناہ اور ناپاک زندگی سے توبہ کرنا تبدیلی نہیں ہے؟ ہم دیکھتے ہیں کہ جو شخص بیعت کر کے جاتا ہے اس میں تبدیلی ضرور ہوتی ہے شاذ و نادر پر اعتراض کرنا ایمانداری نہیں ہے بلکہ قرآنِ شریف نے تو نکتہ چینی کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ (النسآء: ۹۵) یعنی تم بھی تو ایسے ہی تھے۔ خدا تعالیٰ نے تم پر احسان کیا۔

غور سے دیکھا جاوے تو جو کچھ ترقی اور تبدیلی ہماری جماعت میں پائی جاتی ہے۔ وہ زمانہ بھر میں اس وقت کسی دوسرے میں نہیں ہے۔ دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد دُنیا میں کیسا طوفانِ ارتداد برپا ہوا تھا کہ سوائے چند ایک جگہ کے جماعت بھی نہ ہوتی تھی۔ معترض کو کوئی خاص عناد اور بُغض ہے اور اس نے ظلم کیا ہے اور خواہ مخواہ حملہ کیا ہے ورنہ ان لوگوں کی تبدیلی تو حیرت میں ڈالتی ہے معترض غیب دان تو ہے نہیں کہ دوسرے کے دل کے خیالات نیک و بد پر اطلاع پا سکے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان اندر ہی اندر تبدیلی کرتا ہے اور خدا تعالیٰ سے ایک خاص خلوص اور تعلقِ محبت رکھتا ہے مگر وہ دوسروں کی نظر

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۳۰ صفحہ ۱ مورخہ ۲۶؍اپریل ۱۹۰۸ء

سے پوشیدہ ہوتا ہے [1]

۲۴ر اپریل ۱۹۰۸ء

دُعا کے نتیجہ میں امراض سے شفا

فرمایا کہ :- بیماریوں میں جہاں قضا مُبرم ہوتی ہے وہاں تو کسی کی پیش ہی نہیں جاتی اور جہاں ایسی نہیں وہاں البتہ بہت سی دُعاؤں اور توجہ سے اللہ تعالیٰ جواب بھی دے دیتا ہے اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ مشابہ بمُبرم ہوتی ہے اس کے ٹلا دینے پر بھی خدا تعالیٰ قادر ہے۔ یہ حالت ایسی خطرناک ہوتی ہے کہ تحقیقات بھی کام نہیں دیتی اور ڈاکٹر بھی لاعلاج بتا دیتے ہیں مگر خدا تعالیٰ کے فضل کی یہ علامت ہوتی ہے کہ بہتر سامان پیدا ہوتے جاویں اور حالت دن بدن اچھی ہوتی جاوے ورنہ بصورت دیگر حالت مریض کی دن بدن ردی ہوتی جاتی ہے اور سامان ہی کچھ ایسے پیدا ہونے لگتے ہیں کہ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ اکثر ایسے مریض جن کے لیے ڈاکٹر بھی فتویٰ دے چکتے ہیں اور کوئی سامان ظاہری زندگی کے نظر نہیں آتے۔ ان کے واسطے دُعا کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کو معجزانہ رنگ میں شفا اور زندگی عطا کرتا ہے گویا کہ مُردہ زندہ ہونے والی بات ہوتی ہے۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام کا مُردوں کو زندہ کرنا

حضرت عیسٰیؑ کے مُردوں کو زندہ کرنے کے جو قصے مشہور ہیں معلوم ہوتا ہے کہ ان میں جھوٹ کی بہت کچھ ملاوٹ کی گئی ہے ورنہ اگر ہزاروں مُردے زندہ ہو جاتے تو یہودی کیا بالکل ہی اندھے ہو گئے تھے کہ ایسا کُھلا کُھلا نشان دیکھ کر بھی کہ جس میں غیب بالکل اُٹھ گیا اور گویا کہ خدا خود سامنے نظر آ گیا ایسی حالت دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے۔ کیا وہ ایسے ہی قسی القلب تھے کہ ایمان لانا تو در کنار بلکہ خود حضرت مسیحؑ کو جن کے لیے ایسے ایسے معجزات خدا نے دکھائے کہ گویا آسمان کے کُل پردے اُٹھا دیئے ان کو پکڑ کر سُولی دی اور ان کے سر پر کانٹوں کا تاج پہنایا۔

اصل بات یہی ہے کہ زمانہ دراز گذرا ہے۔ اصل کتاب موجود نہیں۔ نرے تراجم ہی تراجم رہ گئے ہیں۔ خدا جانے کیا کچھ ان لوگوں نے اپنی طرف سے بڑھایا اور کیا کیا نکال دیا۔ اس کا علم خدا ہی کو ہے۔

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۳۰ صفحہ ۱-۲ مورخہ ۲۶ر اپریل ۱۹۰۸ء

فرمایا کہ :۔
خدا کے معجزات تو ہوتے ہیں مگر ان سے فائدہ صرف مومن ہی اُٹھاتے ہیں۔ بے ایمان لوگ ان سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے اور محروم ہی رہ جاتے ہیں کیونکہ معجزات میں بھی ایک قسم کا پردہ اور غیب ضرور ہوتا ہے۔

مسیحیت کی ناقص تعلیم کے نتائج

مکرمی جناب ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب نے ذکر کیا کہ بعض انگریز ان پادریوں سے سخت متنفر ہوتے ہیں حتیٰ کہ بعض تو گرجوں کو بجائے اس کے کہ ان میں نماز پڑھیں کسی اور مفید کام پر لگا لینا بہتر جانتے ہیں۔
اس پر حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ :۔
اکثر ایسے کہ وہ تو خدا سے انکار کر بیٹھے ہیں کیونکہ عیسائی ہو کر سب سے پہلی نیکی شراب پینا ہے اور پھر آگے جُوں جُوں ترقی کریگا اور اپنے کمال کو پہنچے گا تو کفارہ پر ایمان لا دے گا اور یقین کرے گا کہ شریعت لعنت ہے اور کہ حضرت مسیح ساری اُمّت کے گناہوں کے بدلے پھانسی پاکر ہمارے گناہوں کا کفارہ ہو چکا۔ پھر گناہ کرے گا اور پیٹ بھر کر کرے گا اور اُسے کسی کا خوف نہ ہوگا اور خوف ہو تو کیسے؟ کیا مسیح انکے لیے پھانسی نہیں دیا گیا؟ غرض یہ تو ان کی عملی حالت ہے پھر دُنیا کو خدائی کا جو نمونہ دیا گیا تھا وہ ایسا کمزور اور ناتواں نکلا کہ تھپیٹر کھائے۔ پھانسی دیا گیا اور دشمنوں کا کچھ نہ کر سکا پس انہی باتوں سے وہ خدا کے بھی منکر ہوگئے ہیں اور وہ لوگ بیچارے ہیں بھی معذور۔ کیونکہ یہ سب امور فطرتِ انسانی کے بالکل خلاف پڑے ہیں۔ بھلا کفّارہ ایسی بیہودہ تعلیم سے بجز ناپاک زندگی کے اور ایسے کمزور و ناتواں خدا کے ماننے سے بجز ذلّت و ادبار کی مار کے اور حاصل ہی کیا؟ انہوں نے بھی فیصلہ کر لیا کہ ایسے خدا سے ہم یونہی اچھے ہیں۔ یہ ان کا قصور نہیں بلکہ تعلیم کا قصور ہے آریوں کو دیکھا جاوے تو انہوں نے ذرّہ ذرّہ کو خدا بنا رکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان کے اعمال ہی ان کے سُکھ اور دُکھ کا باعث ہیں گویا ان کے اعمال ہی ان کا خدا ہیں۔ غور کا مقام ہے کہ ذرّاتِ عالم مع اپنے خواص کے خدا کی طرح ازلی ابدی ہیں تو پھر خدا کو ان پر فضیلت کیسی اور حکم کیسا؟ خواہ مخواہ مداخلتِ بیجا کر کے ان کی آزادی میں تصرّف کرنے کا حق ہی کیا تھا خدا کا۔
اصل بات یہ ہے کہ یہ وہ زمانہ آگیا ہے کہ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہے کہ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَجَمَعْنَاهُمْ جَمْعًا (الکھف : ۱۰۰) موجودہ آزادی کی وجہ سے انسانی فطرت نے ہر طرح کے رنگ ظاہر کر دیئے ہیں اور تفرقہ اپنے کمال کو پہنچ گیا ہے۔ گویا ایسا زمانہ ہے کہ ہر شخص کا ایک الگ مذہب ہے۔ یہی امور دلالت کرتے ہیں کہ اب نفخ صور کا وقت بھی یہی ہے اور فَجَمَعْنٰهُمْ

جَمْعًا کی پیشگوئی کے پورا ہونے کا بھی یہی زمانہ ہے۔[1]

۲۷؍اپریل ۱۹۰۸ء

بمقام بٹالہ (دورانِ سفر لاہور)

توحید کی برکت سے مسلمان معاشرہ کی خوبیاں

ایک شخص نے عرض کیا کہ حضورؑ کیا اچھا ہو کہ اگر کوئی ایسی سبیل ہو جاوے کہ مسلمانوں کا باہمی اختلاف اُٹھ جاوے اور جس طرح دیگر اقوام دنیوی معاملات میں اپنی یکجائی اور متفقہ کوششوں سے کامیاب ہو رہے ہیں مسلمان بھی کم از کم دنیوی معاملات میں تو مل کر کام کریں وغیرہ وغیرہ۔

حضرت اقدس (علیہ السلام) نے فرمایا:۔

خدا تعالیٰ نے تو کہا ہے کہ اختلاف ہمیشہ رہے گا تو پھر انسان کون ہے جو اس اختلاف کو مٹانے کی کوشش کرے۔ اصل میں غور سے دیکھا جاوے تو اندرونی اتحاد تو انگریزوں میں بھی نہیں ہے۔ انہی میں سے بعض لوگ تو ایسے ہیں جو حضرت عیسیٰؑ کو نعوذ باللہ خدا مانتے ہیں۔ بعض ایسے ہیں جو موحّد ہیں وہ ان کو صرف ایک رسول خدا کا یقین کرتے ہیں اور پھر بعض انہی میں ایسے بھی موجود ہیں کہ وہ نہ عیسیٰ کو مانتے ہیں نہ خدا کو، دہریہ ہیں۔ البتہ فرق یہ ہے کہ کسی نے تو درندگی سے اپنے ان عقائد کا اظہار کیا ہے اور بعض نے ذرا نرمی سے اظہار کیا ہے۔ پس جب سب کا اختلاف ہے تو باوجود اس اختلاف کے کسی کی ہاں میں ہاں ملانے کے تو یہی معنے ہیں کہ انسان نفاق کا طریق اختیار کرے۔ مگر اللہ تعالیٰ اس اُمّت کو منافق نہیں بنانا چاہتا بلکہ اللہ تعالیٰ تو نفاق سے ڈراتا ہے اور اس طریقِ زندگی کو بدترین حالت بیان فرماتا ہے۔ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (النسآء: ۱۴۶) کسی پکے مسلمان کی غیرت اور حمیت یہ کب گوارا کر سکتی ہے کہ اپنے معتقدات اور مذہبی مسلّمہ پایہ عقائد کے خلاف سُن سکے یا ان کی توہین ہوتی دیکھ سکے یا ایسے لوگوں سے جو اس کے بزرگوں کو جن کو وہ دین کا پیشوا یقین کرتا ہے بُرا کہنے والے یا گالیاں دینے والوں سے سچی محبت اور اتفاق رکھ سکے۔ ہمارے نزدیک تو ایسا انسان جو با ایں ہمہ کسی سے محبت و مودّت رکھتا ہے دُنیا کا کُتّا اور منافق ہے کیونکہ ایک سچے مسلمان کی

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۳۰ صفحہ ۲ مورخہ ۲۶؍اپریل ۱۹۰۸ء

غیرت یہ چاہ سکتی ہی نہیں کہ وہ نفاق کرتا ہے۔

ابھی تھوڑا عرصہ گذرا ہے کہ ایک انگریز سیاح امریکہ سے ہمارے پاس آیا تھا ہم نے اس سے سوال کیا کہ آپ لوگ جو اتنی جان توڑ کوششیں کرتے ہو کہ لوگ آپ کا مذہب قبول کریں اور ساری دُنیا کو عیسائی بنانا چاہتے ہیں بھلا آپ یہ تو فرمائیں کہ عیسائی ہو کر آپ لوگوں نے کیا بنایا ہے کہ دوسرے وہ فائدہ اٹھاویں گے۔ فسق و فجور میں عیسائی قوم نے جو ترقی کی ہے وہ کوئی پوشیدہ امر نہیں۔ اکثر حصہ اس قوم کا ایسا ہے کہ خدا سے بھی برگشتہ ہے اور گویا کہ اپنے فعل سے بتا رہا ہے کہ خدا کی ان کو ضرورت ہی نہیں۔ اب کہئے کہ آپ ایک ایسی قوم کے کس طرح حامی بنتے ہیں جو خود ایسا اقرار کرتے ہیں۔ آپ کس طرح مسلمانوں سے ایسی خطرناک عادات اور فسق و فجور میں غرق شدہ قوم کی تقلید کرانا چاہتے ہیں جن پر خوف ہے کہ ان کے اعمالِ بد کی وجہ سے عذاب نازل ہو۔

خدا تعالیٰ تقویٰ طہارت کو چاہتا ہے۔ ہم مانتے ہیں کہ مسلمان بھی فاسق ہیں، فاجر ہیں، مگر اس قوم کے مقابلہ میں نسبتاً دیکھا جاوے تو صاف معلوم ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کی زندگی اُن کے مقابلہ میں ہزار درجہ بہتر ہے۔ خدا تعالیٰ نے مسلمانوں میں توحید کی برکت سے یہ فسق و فجور اور بے غیرتی پیدا نہیں ہونے دی۔ خود بعض انگریز مصنفوں نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ مسلمان قوم دُنیا میں غنیمت ہے اور عیسائی اقوام کے مقابلہ میں اُنکی زندگی ہزار درجہ بہتر ہے۔ عیسائی قوم کے واسطے کفارہ کی جو راہ کھلی ہے اس کے ذریعہ سے اس قوم میں کونسا گناہ ہے جو جرأت اور دلیری سے کیا نہیں جاتا؟ اور وہ کونسی بدی ہے جس کے کرنے سے کسی عیسائی کو کوئی روک پیدا ہو سکتی ہے؟ اصل میں کفارہ کا عقیدہ ہی ان میں ایسا ہے کہ سارے حرام ان کے واسطے حلال ہو گئے ورنہ کفارہ باطل ہوتا ہے۔

نور افشاں جو عیسائیوں کا ایک معتبر اخبار ہے اسی میں ایک دفعہ لکھا گیا تھا کہ مسلمانوں میں ان کی عبادت گاہوں اور مساجد میں ایک ادنیٰ مسلمان بادشاہِ وقت کے برابر بلکہ اس کے آگے کھڑا ہو سکتا ہے اور دنیوی ثروت اور جاہ و جلال کا کوئی اثر ان کی مسجدوں میں باقی نظر نہیں آتا۔ حالانکہ عیسائیوں میں ایک خاص یورپ کا عیسائی کبھی دیسی عیسائیوں سے گرجا میں بھی اکٹھا نہیں ہو سکتا۔ حتٰی کہ ان میں گرجا میں بھی کرسیوں کے درجے موجود ہوتے ہیں۔

غرض مسلمانوں میں بڑی بڑی برکات ہمیشہ موجود رہتی ہیں اور اب بھی ہیں۔ آپ ان معاملات میں غور کریں اور اپنے علم کو بڑھاویں۔ بغیر معلومات وسیع کے آپ کو ایسا دعویٰ نہیں کرنا چاہیئے کہ عیسائی مسلمانوں سے نیکی، تقویٰ، طہارت میں بڑھے ہوئے ہیں۔ ہر امر میں حکم نسبتاً لگایا جاتا ہے۔ مسلمان نسبتاً ان سے نیکی میں تقویٰ میں، طہارت میں، خدا ترسی میں بہت آگے بڑھے ہوئے ہیں۔

باقی رہی یہ بات کہ مسلمانوں میں باہمی اتفاق نہیں ہے سو اس کے متعلق تو اللہ تعالیٰ کا خود بھی منشا ہے اور

اس میں رحمت ہے۔ البتہ ایک حد تک جب خدا کو منظور ہو گا خود بخود اتفاق اور اتحاد بھی پیدا ہو جاوے گا۔
مسلمانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ خاص فضل ہمیشہ شاملِ حال رہا ہے کہ خدا تعالیٰ ان کو گرنے کے وقت سنبھال لیتا ہے حالانکہ اور قومیں اس سے محروم ہیں۔ مشکلات بھی دن اور رات کی طرح ہر قوم کے ساتھ دورہ کرتی ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ نے ہمیشہ مسلمانوں کو ایسے اوقات میں تائیدِ غیبی سے سنبھال لیا ہے۔ جس صلح کے آپ خواہش مند ہیں وہ تو ہمارے خیال میں نفاق ہے اور ہم ایسی صلح کے دشمن ہیں۔ یہ کہنا کہ انگریز قوم بڑی علم دوست ہے۔ کیسی ایک بیہودہ بات ہے۔ علم بھی ایک طاقت ہے۔ انسان اس طاقت کے ذریعہ سے ہر ظلمت اور ذلیل عقائد سے بچ جاتا ہے۔

ان کا علم کیا خاک علم ہے کہ ایک ناتواں کمزور اور ضعیف انسان جو کہ معمولی انسانوں کی طرح ماں کے پیٹ سے قانونِ قدرت کے موافق پیدا ہوا۔ اور دنیوی سختیوں اور تلخیوں سے بچنے کی مشکلات برداشت کرتا ہوا آخر یہودیوں کے ہاتھ سے طرح طرح کی ذلتیں سہتا اور ماریں کھاتا ہوا سُولی پر چڑھایا گیا۔ ایسے ایک انسان کو خدا بنا لیا۔ کیا علم اسی کا نام ہے؟ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور جب کوئی بادشاہ بنتا ہے تو اس سے قسماً عہد لیا جاتا ہے کہ وہ انجیل کے احکام کی پیروی کرے گا۔ کیا اسی کا نام ہے کہ انگریز علم دوست ہوتے ہیں؟

سائل نے کہا کہ ہر وقت ان کے ہاتھ میں کتاب یا اخبار موجود رہتی ہے۔

فرمایا:۔
جو شخص علومِ حقیقی اور الٰہیات سے بے نصیب محض ہو اس کو علم دوست نہیں کہا جا سکتا۔

ایمان کا امتحان

طلباء کے امتحان کا ذکر ہونے پر فرمایا:۔
عِنْدَ الْاِمْتِحَانِ یُکْرَمُ الْمَرْءُ اَوْ یُهَانُ

فرمایا:۔
اصل میں لڑکے بھی معذور ہیں۔ امتحان کے مشکلات بہت سخت ہوتے ہیں۔ جب دنیوی امتحانوں کا یہ حال ہے تو پھر دینی امتحان کا کیا حال ہے۔ انسان دنیوی امتحان کے واسطے کیا کیا تیاریاں کرتا ہے اور کس قدر فکر اور غم اس کو ہوتا ہے اور کیسی کیسی شاقہ محنت برداشت کرتا ہے۔ بے فکری ہے تو کس سے؟ دینی امتحان سے۔ نہیں محنت کی جاتی تو کس کے واسطے؟ دین کے امتحان کے واسطے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَ هُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ (العنکبوت: ۳) اللہ تعالیٰ بھی ایک امتحان کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ اس کا بھی کچھ فکر کرنا چاہیئے اور اس امتحان کے واسطے بھی کچھ تیاری کرنی ازبس لازمی ہے۔ دیکھو ہر صدی کے سرے پر جو ایک مجدد آتا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کا ایک امتحان ہی ہوتا ہے۔ اب اس وقت

بھی مسلمانوں کا ایک امتحان ہو رہا ہے۔ خدا تعالیٰ نے ایک مامور بھیجا ہے اور اس کے ساتھ ہزاروں زمینی اور آسمانی نشانات اور تائیدات کرکے روشن نشانوں سے دُنیا پر ثابت کر دیا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اب بھی لوگوں کے ایمان کا امتحان ہے۔ اب بھی یُعْرَفُ الْمَرْءُ أَوْ يُهَانُ کا نظارہ موجود ہے پس مبارک وہ جو خدائی امتحان کی فکر رکھتے ہیں اور پھر مبارک وہ جو خدائی امتحان میں پاس ہوتے ہیں۔

خدا کا کلام ٹکڑے ٹکڑے نازل ہوتا ہے

پھر اسی شخص نے سوال کیا کہ یہ جو بڑی بڑی سورتیں قرآن شریف میں موجود ہیں کیا یہ یکبارگی نازل ہوگئی تھیں؟

فرمایا کہ:۔

خدا تعالیٰ کا کلام ہمیشہ ٹکڑے ٹکڑے نازل ہوتا ہے اور پھر پُورا حصہ بن جاتا ہے۔ ہم اس معاملہ میں صاحب تجربہ ہیں جس طرح سے اب اُترتا ہے اسی طرح پہلے اُترتا تھا۔ اس میں اعتراض کی بات ہی کیا ہے اور خلافِ قانون کس امر کو کہا جاتا ہے۔ خلافِ قانون تو جب کوئی کہہ سکتا ہے کہ کوئی اس بات کا دعویٰ کرے کہ اُس نے اللہ تعالیٰ کے سارے اَسرار کا مطالعہ کر لیا ہے اور سارے قانونِ قدرت کا اس نے احاطہ کر لیا ہے۔ پھر یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ فلاں امر قانونِ قدرت کے خلاف ہے۔ مگر جب خدا تعالیٰ کی قدرت کا کوئی انتہاء ہی نہیں پا سکا تو پھر یہ دعویٰ کیسا؟ ہمارے الہامات کی کتاب تو بنیاد ہی ہے[1] مگر شریعت نہیں ہے۔ شریعت وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لائے اور جو قرآنِ شریف نے دنیا کو سکھلائی۔ ایک نقطہ نہ گھٹایا گیا نہ بڑھایا گیا ہے۔

خدا تعالیٰ اب بھی کلام کرتا ہے

خدا تعالیٰ جس طرح پہلے دیکھتا تھا اب بھی دیکھتا ہے اسی طرح جس طرح پہلے کلام کرتا تھا اب بھی صفت تکلّم اس میں موجود ہے۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اب خدا تعالیٰ کلام نہیں کرتا۔ کیا خیال کیا جا سکتا ہے کہ پہلے تو خدا سُنتا تھا مگر اب نہیں سُنتا۔ پس اللہ تعالیٰ کی تمام صفات جو پہلے موجود تھیں۔ اب بھی اس میں پائی جاتی ہیں۔ خدا تعالیٰ میں تغیّر نہیں۔ شریعت چونکہ تکمیل پا چکی ہے۔ لہٰذا اب کسی نئی شریعت کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ (المائدۃ : ۴) پس اکمالِ دین کے بعد اور کسی نئی شریعت کی حاجت نہیں۔

فراست

فرمایا:۔

خدا تعالیٰ جس کو حکومت دیتا ہے اُسے فراست بھی عطا فرماتا ہے بشرطیکہ وہ خود اپنے

---

[1] سہو کتابت سے عبارت مشتبہ ہوگئی ہے۔ غالباً اصل فقرہ یوں ہوگا "ہمارے الہامات کی تو کتاب پر بنیاد ہے اور یہ شریعت نہیں ہے۔"

(مرتّب)

اس پاک جوہر کو شرارت یا تعصب کی کدورت سے مکدر نہ کر دے۔ نیک طبع حکام کو اللہ تعالیٰ تائیدِ غیبی سے بعض ایسے امور میں جن میں حق و باطل پوشیدہ ہوتا ہے حق ظاہر کر دیتا ہے اور فراستِ صحیحہ سے وہ اس امر کی تہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ پھر ان کو دلائل کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔

ہمارے اس مقدمہ کی حالت جو ڈگلس کے سامنے پیش ہوا تھا اس میں غور کرنے والے کے واسطے کئی نشان موجود ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ فراست اچھی چیز ہے۔ انسان اندر ہی اندر سمجھ جاتا ہے کہ یہ سچا ہے۔ سچ میں ایک جرأت اور دلیری ہوتی ہے۔ جھوٹا انسان بزدل ہوتا ہے۔ وہ جس کی زندگی ناپاکی اور گندے گناہوں سے ملوث ہے وہ ہمیشہ خوفزدہ رہتا ہے اور مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ایک صادق انسان کی طرح دلیری اور جرأت سے اپنی صداقت کا اظہار نہیں کر سکتا اور اپنی پاکدامنی کا ثبوت نہیں دے سکتا۔ دنیوی معاملات میں ہی غور کر کے دیکھ لو کہ کون ہے جس کو ذرا سی بھی خدا نے خوش حیثیتی عطا کی ہو اور اس کے حاسد نہ ہوں۔ ہر خوش حیثیت کے حاسد ضرور ہو جاتے ہیں اور ساتھ ہی لگے رہتے ہیں۔ یہی حال دینی امور کا ہے۔ شیطان بھی اصلاح کا دشمن ہے۔ پس انسان کو چاہیئے کہ اپنا حساب صاف رکھے اور خدا سے معاملہ درست رکھے۔ خدا کو راضی کرے۔ پھر کسی سے نہ خوف کھائے اور نہ کسی کی پروا کرے۔ ایسے معاملات سے پرہیز کرے جن سے خود ہی موردِ عذاب ہو جاوے مگر یہ سب کچھ بھی تائیدِ غیبی اور توفیقِ الٰہی کے سوا نہیں ہو سکتا۔ صرف انسانی کوشش کچھ بنا نہیں سکتی جب تک خدا کا فضل بھی شاملِ حال نہ ہو۔ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيفًا (النسآء : ۲۹) انسان ناتواں ہے۔ غلطیوں سے پُر ہے۔ مشکلات چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ پس دُعا کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نیکی کی توفیق عطا کرے اور تائیداتِ غیبی اور فضل کے فیضان کا وارث بنا دے۔

توکل

اصل میں توکل ہی ایک ایسی چیز ہے کہ انسان کو کامیاب و بامراد بنا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (الطلاق : ۴) جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو کافی ہو جاتا ہے بشرطیکہ سچے دل سے توکل کے اصلی مفہوم کو سمجھ کر صدقِ دل سے قدم رکھنے والا ہو اور صبر کرنے والا اور مستقل مزاج ہو۔ مشکلات سے ڈر کر پیچھے نہ ہٹ جاوے۔ دنیا گذشتنی اور گذاشتنی ہے اور اس کے کام بھی ایسے ہی ہیں۔ پس انسان کو لازم ہے کہ اس کا غم نہ کرے اور آخرت کا فکر زیادہ رکھے۔ اگر دین کے غم انسان پر غالب آجاویں تو دُنیا کے کاروبار کا خود خدا متکفّل ہو جاتا ہے۔

عذاب نازل ہونے سے پہلے توبہ کرنی چاہیئے

افسوس ہے بڑے بڑے حوادث روز ہو رہے ہیں مگر لوگ ہیں کہ توجہ نہیں

کرتے۔ پروا نہیں کرتے۔ حضرت موسیٰ کے کافر ہی اچھے تھے کہ جب ان پر عذاب نازل ہوتے تھے، تب تو توجہ کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر یہ ٹل جاوے تو مان لیں گے۔ مگر آجکل کے کافر ان سے بھی زیادہ سخت جان ہیں کہ نت نئے عذاب آتے ہیں۔ نئی نئی صورت میں خدا کا قہر نازل ہوتا ہے مگر یہ ہیں کہ کان پر جُوں نہیں چلتی۔ دیکھو ایک طاعون نے ہی کیسے کیسے خطرناک حملے کئے۔ کیسی کیسی جانگداز تباہیاں واقع ہوئی ہیں کہ ان کا ذکر سُننے سے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں مگر کسی پر اثر نہیں ہوا۔ وہ لوگ تھے کہ ایسے اوقات میں حضرت موسیٰ سے دُعا کرایا کرتے تھے مگر یہ لوگ ہیں کہ کہتے ہیں کوئی نہیں معمولی بات ہے ایسا ہوا ہی کرتا ہے اور ایسے عذاب آیا ہی کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا قدیم سے یہ وعدہ تھا کہ آخری زمانہ میں طرح طرح کے عذاب آویں گے اس وقت بعض ہدایت پا جاویں گے اور اکثر ہلاک ہوں گے۔ نشان تو خدا دکھاتا ہے مگر نشان سے بھی فائدہ وہی اُٹھاتے ہیں جو مومن ہوتے ہیں اور وہ قلیل ہیں۔

ایک شخص ہمارے پاس آیا تھا۔ اس نے ذکر کیا کہ ہمارے شہر میں طاعون نے سخت تباہی ڈالی ہے۔ بہت لوگ تیار ہیں کہ حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر توبہ کریں اور اصل بات یہی ہے کہ مجھے بھی طاعون ہی حضور کے پاس لائی ہے۔ اس سال طاعون کسی قدر کم ہے اس وجہ سے دل بھی سخت ہیں۔ دیر ہیں۔ مگر کسی کو علم کیا ہے کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے پس مطمئن نہیں رہنا چاہیئے اور قبل اس کے کہ عذاب نازل ہو جاوے توبہ کرنی چاہیئے اور خدا تعالیٰ کی طرف جُھکنا اور حفاظت طلب کرنی چاہیئے مگر یہ سب کچھ اسی کی توفیق سے ہو سکتا ہے۔ انسان کو بعض اوقات شیطان بڑے بڑے وسوسے پیدا کر دیتا ہے۔ میرے رشتے ناطے ٹوٹ جاوینگے میرے جاہ و عزت میں فرق آجاوے گا یا وجوہ معاش بند ہو جاویں گے یا میرے حکام مجھ سے ناراض ہو جاویں گے مگر یاد رکھو کہ ہدایت کے قبول کرنے سے یہ سب امور روکتے نہیں۔

گورنمنٹ کو تو کسی مذہب سے کچھ سروکار ہی نہیں اور پھر خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ ہمارے اُصول ہی ایسے نہیں کہ گورنمنٹ ان سے ناراض ہو۔ باقی رہی یہ بات کہ رشتے ناطے ٹوٹ جاویں گے یا معاش میں فرق آجاویگا سو یاد رکھنا چاہیئے کہ انسان جب خدا تعالیٰ کے واسطے کچھ چھوڑتا ہے اور اپنے اوپر مشکلات برداشت کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کو ضائع نہیں کرتا بلکہ ہر حال میں اس کا خود مددگار اور کارساز ہو جاتا ہے[1]

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۳۱ صفحہ ۱ تا ۳ مورخہ ۱۰ رمئی ۱۹۰۸ء

۲۹ر اپریل ۱۹۰۸ء

اہلِ امرتسر کی عقیدت مندی اور اخلاص

۲۹ر اپریل ۱۹۰۸ء کو جبکہ بٹالہ سے لاہور کو جانے والی ٹرین امرت سر پہنچی جس میں حضرت اقدس خلیفۃ اللہ نبی ملل الانبیاء علیہ الف الف صلوٰۃ و سلام رونق افروز تھے اور مخلصین جماعتِ احمدیہ امرتسر صدق اور عقیدت مندی کا ایک نہ رکنے والا جوش اور اپنے آقا و مولا کی زیارت کے واسطے شوق بھرے دل لیے ہوئے پہلے ہی سے سٹیشن پر موجود تھے۔ ٹرین کے کھڑا ہوتے ہی تمام عقیدت مندانِ مخلص آگے بڑھ بڑھ کر سعادتِ مصافحہ اور شرفِ حضوری حاصل کرتے تھے۔ ہر کوئی یہی چاہتا تھا کہ مَیں آگے بڑھوں اور ان کے دلوں کا شوقِ عقیدت ان کے چہروں سے نمایاں تھا۔ جذب جو خاصۂ خاصانِ خُدا اور علامت بندگانِ عالی ہوتی ہے اور وہ خدا کی طرف سے آنے والوں کو بطور نشان کے عطا ہوتا ہے اس کا یہ عالم تھا کہ سٹیشن بھر کے جس انسان کے کان میں آپ کا نام پہنچا اس کے دل میں شوقِ زیارت نے گدگدی کی اور وہ بے تحاشا بھاگا چلا آیا۔ وہ سلامتی کا شہزادہ اور محبوبِ خدا سیکنڈ کلاس ڈیپارٹمنٹ میں متمکن تھا۔ جلال و شوکت اور رُعب و وقار، شہادتِ صداقت ادا کرنے کے واسطے حضوری میں حاضر کھڑے تھے۔ لوگ آتے اور زیارت کر کرکے چلے جاتے تھے۔ اہلِ ہنود اور سکھ صاحبان اپنے طرز میں اور مسلمان اپنے طریق سے سلام و نیاز عرض کرتے تھے۔ پلیٹ فارم کی جانب پلیٹ فارم پر اور گاڑی کے دوسرے پہلو سے لوگ پائیدانوں پر کھڑے کھڑکیوں میں سے حضور پُر نور کی صورت دیکھنے کے واسطے شوق سے جھانکتے تھے۔ سیری کسی کو نہ ہوتی تھی۔ اتنے میں ایک مسلمان صاحب مع چند آدمیوں کے تشریف لائے۔ حضرت اقدس نے ان کو گاڑی کے اندر بُلا کر اپنے پاس بٹھا لیا اور ان کے سوال پر ان کو یوں مخاطب فرمایا:[1]

وفات و حیاتِ مسیح میں قرآنِ کریم سے فیصلہ لینا چاہیئے

خدا تعالیٰ کی شہادت سب سے پہلے زیادہ معتبر ہے

خدا تعالیٰ کا پاک کلام قرآن شریف ہمارے پاس موجود ہے۔ مسائلِ مختلفہ میں فیصلہ کرنے اور حق پانے کے واسطے

---

[1] نقل مطابق اصل

مسلمانوں کو اول قرآن شریف ہی کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی حیاتِ ابدی کی کوئی دلیل اگر اُن کے پاس ہے تو اُن کو چاہیئے کہ قرآن کریم کی کوئی آیت پیش کریں۔ مگر قرآن شریف میں جب ہم اس غرض کے لیے غور کرتے ہیں تو ہمیں تو ان کے حق میں خدا تعالیٰ کا یہی کلام ملتا ہے کہ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ (آل عمران ۵۶) فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ (المائدۃ : ۱۱۸) اب جائے غور ہے کہ آیا یہ لفظ قرآن شریف میں کسی اور نبی کے حق میں بھی آیا ہے یا کہ نہیں؟ سو ہم صاف پاتے ہیں کہ اور انبیاء اور ہمارے سید و مولیٰ محمد مجتبیٰ احمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بھی یہی لفظ توفّی کا استعمال ہوا ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِمَّا نُرِیَنَّکَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُھُمْ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّکَ (یونس : ۴۷) اور پھر حضرت یوسف علیہ السلام کے حق میں بھی یہی لفظ نظر آتا ہے تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ (یوسف : ۱۰۲) اب ہم پوچھتے ہیں کہ ہمیں کوئی اس خصوصیت کی وجہ تو بتا دے کہ کیوں یہ لفظ اور انبیاء پر تو موت کے معنوں میں وارد ہوتا ہے اور کیوں حضرت عیسٰی کے حق میں آوے تو لفظ کی یہ خاصیت بدل جاتی ہے اور یہ لفظ موت کے معنے نہیں دیتا۔ ان کو چاہیئے کہ تعصب کو الگ کرکے ایک گھڑی بھر کے لیے حق جُو ہو کر اس میں غور کریں۔

گالیاں دینا تو ان لوگوں کا ایک فرض ہو چکا ہے سو دے لیں۔ مگر اب ہمیں شوق ہے تو صرف یہی کہ آیا تقویٰ اور خشیتِ الٰہی کو مدِّنظر رکھ کر اس فرقہ کے مُنہ سے کوئی علمی بات بھی نکلتی ہے؟ مگر افسوس یہ بات کبھی پوری نہ ہوئی۔

جو حق پر ہوتا ہے اس کے ساتھ خدا کی تائید اور نصرت، اس کے کلام میں قوت اور شوکت اور اس کے انفاس میں ایک جذب ہوتا ہے۔

فرمایا:۔

حیات کا مسئلہ ان کو مبارک نہ ہوا۔ کیونکہ ان میں سے بہت سے حیات حیات ہی پکارتے بصد حسرت و ارمان گذر گئے مگر حیاتِ مسیح نے ان کی کوئی مدد نہ کی۔

اتنے میں گھنٹی بجی۔ وِسل ہوا۔ اور گاڑی لاہور کو چل دی[1]

---

۳۰ راپریل ۱۹۰۸ء

بمقام لاہور۔ احمدیہ بلڈنگز

موجودہ مسلمانوں کی حالت

فرمایا:۔

صدق و صفا، تقویٰ طہارت، یہ اسلام کے برکات تھے جو کہ

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۴۶ صفحہ ۴-۵ مورخہ ۷ راگست ۱۹۰۸ء

مسلمانوں میں لازماً پائے جاتے ہیں مگر اب تو ان صفات سے لوگ بھی محروم ہوگئے ہیں۔ نماز بھی پڑھتے ہیں تو بہت ہی کم۔ مسجدیں ویران پڑی ہیں۔ نمازی کوئی نظر نہیں آتا۔ ایک وقت تھا کہ نمازیوں کو مسجدیں نہ ملتی تھیں۔ جتنے پڑھتے ہیں ان میں بھی اکثر دکھلاوے کی نماز پڑھتے ہیں کیونکہ حقیقی نماز کے آثار برکات اور ثمرات سے محروم ہیں۔ عیسائی تو حضرت مسیح کو پھانسی دے کر بے فکر ہو بیٹھے تھے اکثر مسلمان حضرت امام حسینؓ کی شہادت میں نجات پا چکے ہیں۔

شہوات کی آگ بجھانے کا ذریعہ

فرمایا:۔ جسمانی شہوات کے دلدل میں سے نکلنا ہی مشکل ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کے واسطے مقدر کیا ہوتا ہے کہ اسے سعادت میں سے کوئی حصہ عطا فرمادے تو اس کے واسطے کوئی ایسا عجوبہ اور خارق عادت نشان یا اپنی کوئی دل کو پکڑ لینے والی تجلی دکھا دیتا ہے۔ بجز اس کے دلوں کی گندگی دھوئی نہیں جاتی اور شہوات کی آگ بجھائی نہیں جاتی۔

غفلت اور بے باکی کے آثار

فرمایا:۔ جس قدر کسی کو دنیا کے سامانِ عیش و عشرت سے دیئے جاتے ہیں اسی قدر وہ خدا سے غافل اور بے پروا ہو کر متکبر ہو جاتے ہیں اور اسی قدر اس کا تکبر بڑھ جاتا ہے۔ امرتسر میں ہمیں پتھر مارے گئے۔ سیالکوٹ میں ہمارے ساتھ کیا بُرا سلوک کیا گیا۔ یہ سب غفلت اور بے باکی ہی کے آثار ہیں۔

ایک خدائی وعدہ

فرمایا:۔ خدا نے ہمیں ایک پکا وعدہ دیا ہوا ہے۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں اور وہ یہ ہے کہ

"بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے"

اس الہام کے بعد وہ بادشاہ بھی دکھائے گئے تھے۔

مسیح کے مرنے میں اسلام کی زندگی ہے

فرمایا:۔ مسلمانوں کی خوش قسمتی ہی اسی میں ہے کہ مسیح

مرجائے۔ اب زمانہ ہی ایسا آگیا ہے کہ خیال تبدیل ہوتے ہیں۔ کچھ مان جائیں گے کچھ مرجائیں گے۔ باقی ایسے ضعیف ہوجائیں گے کہ ان کو طاقت ہی نہ رہے گی اور ان کا عدم وجود برابر ہوگا۔ پس مسیح کو مرنے دو کہ اسلام کی زندگی اسی میں ہے۔

فروتنی کرنیوالا خدا کا محبوب ہوتا ہے

فرمایا:- متکبر خدا تعالیٰ کے تخت پر بیٹھنا چاہتا ہے پس اس قبیح خصلت سے ہمیشہ پناہ مانگو۔ خدا تعالیٰ کے تمام وعدے بھی خواہ تمہارے ساتھ ہوں مگر تم جب بھی فروتنی کرو۔ کیونکہ فروتنی کرنے والا ہی خدا تعالیٰ کا محبوب ہوتا ہے۔ دیکھو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابیاں اگرچہ ایسی تھیں کہ تمام انبیائے سابقین میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ مگر آپ کو خدا تعالیٰ نے جیسی جیسی کامیابیاں عطا کیں آپ اتنی ہی فروتنی اختیار کرتے گئے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص آپ کے حضور پکڑ کر لایا گیا۔ آپ نے دیکھا تو وہ بہت کانپتا تھا اور خوف کھاتا تھا مگر جب وہ قریب آیا تو آپ نے نہایت نرمی اور لطف سے دریافت فرمایا کہ تم ایسے ڈرتے کیوں ہو؟ آخر میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہی ہوں اور ایک بڑھیا کا فرزند ہوں۔

خدا تعالیٰ کی حکمتوں کو کوئی نہیں پاسکتا

فرمایا:- جب بات حد سے بڑھ جاتی ہے تو فیصلہ کو خدا تعالیٰ اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے۔ ہمیں چھبیس سال ہوئے تبلیغ کرتے اور جہاں تک ممکن تھا ہم ساری تبلیغ کر چکے ہیں اب وہ خود ہی کوئی ہاتھ دکھلاوے اور فیصلہ کرے۔ پس جس نے یہ شرط کر لی ہو کہ میں نے تو اس شخص کو ماننا ہی نہیں خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو اور اس کا غبار حد سے بڑھ گیا ہو تو اس کا حال خدا ہی کے سپرد ہے اسکے پیچھے نہیں پڑنا چاہیئے۔ خدا کی حکمتوں کو کوئی نہیں پاسکتا۔ یہ خدائی تصرفات ہیں جس کو چاہے اپنی طرف کھینچ لے اور جس کو چاہے رد کر دے۔

دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود دنیا کے واسطے رحمت تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء : ۱۰۸) مگر کیا ابوجہل کے واسطے بھی آپ رحمت ہوئے؟ وہ لوگ تو خیال کرتے ہوں گے کہ ابھی یہ ایک یتیم بچہ تھا۔ بکریاں چرایا کرتا تھا۔ کمزور اور غریب تھا۔ نکاح تک بھی تو میسر نہ آیا۔ غرض کچھ ایسے ہی خیالات ان کے دل میں آتے ہوں گے مگر ان بدقسمتوں کو کیا خبر تھی کہ ایک دن

یہی تیم دُنیا کا شہنشاہ اور نجات دہندہ ہوگا۔[1]

یکم مئی ۱۹۰۸ء

خدا کی طرف آنیوالا کبھی ضائع نہیں ہوتا

نماز جمعہ سے پہلے جبکہ چند اجنبی آپ کی ملاقات کے واسطے آئے۔

فرمایا:۔
ہمیں تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آجکل اسلام کی خوش قسمتی نہیں بلکہ بد قسمتی کے دن ہیں کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ لوگوں کو دینی اُمور سے کوئی دلچسپی نہیں۔ بلکہ لوگ خدا کو بھی بھُول چکے ہیں مسلمانوں کی یہ ایک غلطی ہے جو شاید غرغرے کے وقت ان کو معلوم ہو جائے گی اور لوگ اس وقت یقین کریں گے کہ واقعی ہم نے جو کچھ سمجھا ہوا تھا وہ سلا تانا بانا غلط تھا۔

جو انسان کوشش کرے گا وہی پائے گا۔ کوشش تو ہو ساری دُنیا کے واسطے اور خدا کا نام درمیان سے بھی بھُولے نہ آئے۔ تقویٰ ہو نہ طہارت۔ پھر ایسا انسان امیدوار ہو خدا کے ملنے کا، یہ محال ہے۔ آخر اب وقت آگیا ہے کہ ان لوگوں کے ہاتھ میں اجر دیا جاوے جو دین کو دُنیا پر مقدم کریں۔ بجز توفیقِ الٰہی کے کچھ نہیں ملتا۔

دیکھو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُنیا کو خدا کے لیے ترک کر دیا تھا مگر خدا تعالیٰ نے کس طرح ذلیل کر کے دنیا کو آپ کے سامنے غلاموں کی طرح حاضر کر دیا۔ دُنیا طلب سے بھاگتی اور کوسوں دُور جاتی ہے مگر جو صدقِ دل سے خدا کی طرف جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی راہ میں دُنیا کی کچھ پروا نہیں کرتا دنیا اس کے پیچھے پیچھے پھرتی ہے۔ دیکھو، حضرت مسیح کو اس وقت چالیس کروڑ انسان پوجنے والا موجود ہے۔ نبی ماننا تو درکنار اس کی خدائی کے قائل ہیں۔ یہ سب خدا کی قدرت کے نمونے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی طرف آنے والا کبھی ضائع نہیں کیا جاتا دین بھی اسے ملتا ہے اور دُنیا بھی اس کے لیے حاضر کی جاتی ہے۔ دنیا کا پرستار چند روز جو چاہے سو کرے مگر آخر کار دُنیا بھی چھُوٹ جائے گی اور آخرت بھی برباد۔

دیکھو دُنیا بھی آخر مفت تو نہیں مل جاتی۔ دنیا کے وعدے دینے والے بھی تو محنتیں چاہتے ہیں۔ امتحان

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۴۹۔۵۰ صفحہ ۳ مورخہ ۲۶، ۳۰ راگست ۱۹۰۸ء

لیتے ہیں۔ بصورت کامیابی اور پھر عمدہ کارگذاری سے کچھ ملتا ہے۔ اسی طرح اگر وہی محنت دوسرے رنگ میں خدا کے واسطے کی جاوے تو اجر یقینی ہیں۔ نہ دین جاوے اور نہ دُنیا۔ بلکہ بیک کرشمہ دو کار والی بات۔ نالے حج نالے ونج کا معاملہ ہو جاوے مگر کم ہیں جو ان باتوں سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ انسان کو چاہیئے کہ دُعا میں لگا رہے اور کسی قدر تبدیلی اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ شاید کہ اللہ تعالیٰ توفیق دیدے۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ زراعت والا زراعت کو اور تجارت والا تجارت کو، ملازمت والا ملازمت کو اور صنعت و حرفت والا اپنے کاروبار کو ترک کر دے اور ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جائے بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ لَا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (النور: ۳۸) والا معاملہ ہو۔ دست با کار دل با یار والی بات ہو۔ تاجر اپنے کاروبارِ تجارت میں اور زمیندار اپنے امورِ زراعت میں اور بادشاہ اپنے تختِ حکومت پر بیٹھ کر، غرض جو جس کام میں ہے اپنے کاموں میں خدا کو نصب العین رکھے اور اس کی عظمت اور جبروت کو پیشِ نظر رکھ کر اس کے احکام اور اوامر و نواہی کا لحاظ رکھتے ہوئے جو چاہے کرے۔ اللہ سے ڈر اور سب کچھ کر۔

اسلام کہاں ایسی تعلیم دیتا ہے کہ تم کاروبار چھوڑ کر لنگڑے لُولوں کی طرح نکمے بیٹھے رہو اور بجائے اس کے کہ اَوروں کی خدمت کرو خود دوسروں پر بوجھ بنو۔ نہیں بلکہ سُست ہونا گناہ ہے۔ بھلا ایسا آدمی پھر خُدا اور اس کے دین کی کیا خدمت کر سکے گا۔ عیال و اطفال جو خدا نے اس کے ذمّے لگائے ہیں ان کو کہاں سے کھلائے گا۔

پس یاد رکھو کہ خدا کا یہ ہرگز منشا نہیں کہ تم دُنیا کو بالکل ترک کر دو۔ بلکہ اس کا جو منشاء ہے وہ یہ ہے کہ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا (الشمس: ۱۰) تجارت کرو، زراعت کرو، ملازمت کرو اور حرفت کرو، جو چاہو کرو مگر نفس کو خدا کی نافرمانی سے روکتے رہو اور ایسا تزکیہ کرو کہ یہ امور تمہیں خدا سے غافل نہ کر دیں۔ پھر جو تمہاری دُنیا ہے یہی دین کے حکم میں آجاوے گی۔

انسان دُنیا کے واسطے پیدا نہیں کیا گیا۔ دل پاک ہو اور ہر وقت یہ لَو اور تڑپ لگی ہوئی ہو کہ کسی طرح خدا خوش ہو جائے تو پھر دنیا بھی اس کے واسطے حلال ہے۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ [1]

بعد نماز جمعہ

مسیحِ موعودؑ کو ماننے کی ضرورت

سوال کیا گیا کہ ہم اللہ اور اس کی کتاب قرآنِ شریف اور اس کے رسول محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کو

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۴۹۔۵۰ صفحہ ۳۔۴ مورخہ ۲۶ ، ۳۰ اگست ۱۹۰۸ء

صدقِ دل سے مانتے ہیں اور نماز روزہ وغیرہ اعمال سبھی بجالاتے ہیں۔ پھر ہمیں کیا ضرورت ہے کہ آپ کو بھی مانیں۔

فرمایا:۔

دیکھو جس طرح جو شخص اللہ اور اس کے رسُول اور کتاب کو ماننے کا دعویٰ کر کے ان کے احکام کی تفصیلات مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، تقویٰ طہارت کو بجا نہ لاوے اور ان احکام کو جو تزکیۂ نفس، ترکِ شر اور حصولِ خیر کے متعلق نافذ ہوئے ہیں چھوڑ دے وہ مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں ہے اور اس پر ایمان کے زیور سے آراستہ ہونے کا اطلاق صادق نہیں آسکتا۔ اسی طرح سے جو شخص مسیح موعود کو نہیں مانتا یا ماننے کی ضرورت نہیں سمجھتا وہ بھی حقیقتِ اسلام اور غایتِ نبوت اور غرضِ رسالت سے بے خبر محض ہے اور وہ اس بات کا حقدار نہیں ہے کہ اس کو سچا مسلمان، خدا اور اس کے رسُول کا سچا تابعدار اور فرمانبردار کہہ سکیں کیونکہ جس طرح سے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے قرآن شریف میں احکام دیئے ہیں اسی طرح سے آخری زمانہ میں ایک آخری خلیفہ کے آنے کی پیشگوئی بھی بڑے زور سے بیان فرمائی ہے اور اس کے نہ ماننے والے اور اس سے انحراف کرنے والوں کا نام فاسق رکھا ہے۔ قرآن اور حدیث کے الفاظ میں فرق (جو کہ فرق نہیں بلکہ بالفاظِ دیگر قرآن شریف کے الفاظ کی تفسیر ہے) صرف یہ ہے کہ قرآن شریف میں خلیفہ کا لفظ بولا گیا ہے اور حدیث میں اسی خلیفہ آخری کو مسیح موعود کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پس قرآنِ شریف نے جس شخص کے مبعوث کرنے کے متعلق وعدے کا لفظ بولا ہے اور اس طرح سے اس شخص کی بعثت کو ایک رنگ کی عظمت عطا کی ہے وہ مسلمان کیسا ہے جو کہتا ہے کہ ہمیں اس کے ماننے کی ضرورت ہی کیا ہے؟

خلفاء کے آنے کو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک لمبا کیا ہے اور اسلام میں یہ ایک شرف اور خصوصیت ہے کہ اس کی تائید اور تجدید کے واسطے ہر صدی پر مجدّد آتے رہے اور آتے رہیں گے دیکھو اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تشبیہ دی ہے جیسا کہ کما کے لفظ سے ثابت ہوتا ہے۔ شریعتِ موسوی کے آخری خلیفہ حضرت عیسیٰ تھے جیسا کہ خود وہ فرماتے ہیں کہ مَیں آخری اینٹ ہوں اسی طرح شریعتِ محمدی میں بھی اس کی خدمت اور تجدید کے واسطے ہمیشہ خلفاء آئے اور قیامت تک آتے رہیں گے اور اس طرح سے آخری خلیفہ کا نام بلحاظ مشابہت اور بلحاظ مفوضہ خدمت کے مسیح موعود رکھا گیا۔

اور پھر یہی نہیں کہ معمولی طور سے اس کا ذکر ہی کر دیا ہو بلکہ اس کے آنے کے نشانات تفصیلاً کل کتب سماوی میں بیان فرما دیئے ہیں۔ بائبل میں، انجیل میں، احادیث میں اور خود قرآنِ شریف میں اس کی آمد کی نشانیاں دی گئی ہیں اور ساری قومیں یہودی، عیسائی اور مسلمان متفق طور سے اس کی آمد کے قائل اور منتظر ہیں

اس کا انکار کر دینا کس طرح سے اسلام ہو سکتا ہے اور پھر جبکہ وہ ایک ایسا شخص ہے کہ اس کے واسطے آسمان پر بھی اللہ تعالیٰ نے اس کی تائید میں نشان ظاہر کئے اور زمین پر بھی معجزات دکھائے۔ اس کی تائید کے واسطے طاعون آیا اور کسوف و خسوف اپنے مقررہ وقت پر بموجب پیشگوئی مین وقت پر ظاہر ہو گیا۔ تو کیا ایسا شخص جس کی تائید کے واسطے آسمان نشان ظاہر کرے اور زمین اَلْوَقْت کہے وہ کوئی معمولی شخص ہو سکتا ہے کہ اسکا ماننا اور نہ ماننا برابر ہو اور لوگ اسے نہ مان کر بھی مسلمان اور خدا کے پیارے بندے بنے رہیں؟ ہرگز نہیں۔

یاد رکھو کہ موعود کے آنے کی کل علامات پوری ہو گئی ہیں۔ طرح طرح کے مفاسد نے دُنیا کو گندہ کر دیا ہے خود مسلمان علماء اور اکثر اولیاء نے مسیح موعود کے آنے کا یہی زمانہ لکھا ہے کہ وہ چودھویں صدی میں آئے گا۔ حجج الکرامہ میں بھی اسی چودھوین صدی کے متعلق لکھا ہے اور کوئی بھی نہیں جو اس صدی سے آگے بڑھا ہو۔ تیرھویں صدی سے تو جانوروں نے بھی پناہ مانگی تھی اور لکھا ہے کہ اب چودہویں صدی مبارک ہوگی۔ اس قدر متفقہ شہادت کے بعد بھی جو کہ اولیاء اور اکثر علماء نے بیان کی۔ اگر کوئی شبہ رکھتا ہو تو اسے چاہیئے کہ قرآن شریف میں تدبر کرے اور سورۃ النور کو غور سے مطالعہ کرے۔ دیکھو جس طرح حضرت موسیٰ سے چودہ سو برس بعد حضرت عیسیٰ آئے تھے اسی طرح یہاں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چودہویں صدی ہی میں مسیح موعود آیا ہے اور جس طرح حضرت عیسیٰؑ سلسلہ موسوی کے خاتم الخلفاء تھے۔ اسی طرح ادھر بھی مسیح موعودؑ خاتم الخلفاء ہوگا۔

اسلام اس وقت اس بیمار کی طرح تھا جس کی زندگی کا جام لبریز ہو چکا ہو۔ اسلام پر ظلم کیا گیا اور بڑی بے رحمی سے دشمن چاروں طرف سے اپنے پورے ہتھیاروں سے اس کو نیست و نابود کرنے کے واسطے مسلح و تیار ہو کر حملہ آور ہو رہے ہیں۔ اسلام اس وقت مُردہ ہو چکا تھا اور اندرونی اور بیرونی حملوں سے نیم جان۔ اسلام کی شمع کا اب آخری وقت تھا اور اس کی گردن پر بڑی بے رحمی سے چھُری پھیری جارہی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر: ۱۰) کس وقت کے لیے کیا گیا تھا؟ کیا ابھی کوئی اور مصیبت بھی رہ گئی تھی جو اسلام پر آنی باقی ہو؟ یاد رکھو حفاظت سے اوراق کی حفاظت ہی مراد نہیں بلکہ اس کی تشریح ایک حدیث میں ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک زمانہ ایسا آوے گا کہ قرآن شریف دُنیا سے اُٹھ جاوے گا۔ ایک صحابیؓ نے عرض کیا کہ لوگ قرآن کو پڑھتے ہوں گے تو اُٹھ کیسے جاوے گا؟ فرمایا کہ مَیں تو تمہیں عقلمند خیال کرتا تھا مگر تم بڑے بیوقوف ہو کیا عیسائی انجیل نہیں پڑھتے؟ اور کیا یہودی توریت نہیں پڑھتے؟ قرآن شریف کے اُٹھ جانے سے مراد یہ ہے کہ قرآن شریف کا علم اُٹھ جاوے گا اور ہدایت دُنیا سے نابود ہو جاوے گی۔ انوار اور اسرارِ قرآنیہ سے لوگ بے بہرہ ہو جاویں گے اور عمل کوئی نہ کریگا۔

قرآن جس کے سکھانے کو آیا ہے لوگ اس راہ کو ترک کر دیں گے اور اپنی ہوا و ہوس کے پابند ہو جاویں گے۔ جب یہ حال ہوگا تو ابنائے فارس میں سے ایک شخص آوے گا اور وہ دین کو از سرِ نو واپس لائے گا اور دین کو اور قرآن کو از سرِ نو تازہ کرے گا۔ قرآن کی کھوئی ہوئی عظمت اور بھولی ہوئی ہدایت اور ثریا پر چڑھ گیا ہوا ایمان دوبارہ دُنیا میں پھیلاوے گا۔ لَوْ کَانَ الْاِیْمَانُ مُعَلَّقًا عِنْدَ الثُّرَیَّا لَنَالَہٗ رَجُلٌ مِّنْ ھٰؤُلَآءِ (ای ابناءِ فارس)

غرض قرآنِ شریف سے اور احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اس اُمت میں آخری زمانہ میں ایک خلیفہ کے آنے کا وعدہ دیا گیا ہے اور اس کے علامات اور نشانات بھی بتا دیئے گئے ہیں۔ ہمیں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ ہے۔ اب ہر شخص کا جو خدا اور رسُول سے پیار کرتا ہے اور اپنے ایمان کو سلامت رکھنا چاہتا ہے فرض ہے کہ اس معاملہ میں غور کرے کہ آیا ہم نے جو دعویٰ کیا ہے سچا ہے کہ جھوٹا۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے آنے والوں کے ساتھ خدائی نشان ہوتے ہیں۔ صرف نرا زبانی دعویٰ قابلِ پذیرائی نہیں ہوتا۔

منجملہ اور علامات کے جو ہمارے آنے کے واسطے اللہ اور رسول کی کتابوں میں مندرج ہیں ایک اونٹوں کی سواریوں کا معطل ہو جانا بھی ہے۔ چنانچہ اس مضمون کو قرآن شریف نے بالفاظ ذیل تعبیر کیا ہے وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ (التکویر: ۵) اور حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اس مضمون کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ وَلَیُتْرَکَنَّ الْقِلَاصُ فَلَا یُسْعٰی عَلَیْھَا۔

اب سوچنے والے کو چاہیئے کہ ان امور میں جو آج سے تیرہ سو برس[۱۳۰۰] پہلے خدا اور اس کے رسول کے مُنہ سے نکلے اور اس وقت وہ الفاظ بڑی شان اور شوکت سے پورے ہو کر اپنے کہنے والوں کے جلال کا اظہار کر رہے ہیں۔ دیکھئے اب اس پیشگوئی کے پورا ہونے کے کیسے کیسے سامان پیدا ہو رہے ہیں حتّٰی کہ حجاز ریلوے کے تیار ہو جانے پر مکّہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے سفر بھی۔ بجائے اونٹ کے ریل کے ذریعہ ہوا کریں گے اور اونٹنیاں بیکار ہو جاویں گی۔

رہی یہ بات کہ ان پیشگوئیوں کو مسیح موعود کے لفظ سے کیا تعلق ہے کیونکہ قرآنِ شریف میں تو مسیح موعود کا نام کہیں نہیں آیا۔ سو اس کے واسطے یاد رکھنا چاہیئے کہ ہم خاتم الخلفاء ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور خاتم الخلفاء کا قربِ قیامت کے وقت ظہور ہونے کا وعدہ قرآنِ شریف میں موجود ہے۔ پھر ہمیں بار بار بذریعہ الہام الٰہی اس امر کی بھی اطلاع دی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے مسیح موعود بھی ہمارا ہی نام رکھا ہے جس کے آنے کے متعلق احادیث میں وعدہ تھا۔ یاد رکھو کہ جو شخص احادیث کو ردّی کی طرح پھینک دیتا ہے وہ ہرگز ہرگز مومن نہیں ہو سکتا کیونکہ اسلام کا بہت بڑا حصہ ایسا ہے کہ جو بغیر مدد احادیث ادھورا رہ جاتا ہے۔ جو کہتا ہے کہ مجھے احادیث کی ضرورت

نہیں وہ ہرگز مومن نہیں ہوسکتا۔ اسے ایک دن قرآن کو بھی چھوڑنا پڑے گا۔
پس قرآن شریف میں جس شخص کا نام خاتم الخلفاء رکھا گیا ہے اسی کا نام احادیث میں مسیح موعود رکھا گیا ہے اور اسی طرح سے دونو ناموں کے متعلق جتنی پیشگوئیاں ہیں وہ ہمارے ہی متعلق ہیں۔ خلیفہ کہتے ہیں پیچھے آنے والے کو۔ اور کامل وہ ہے جو سب سے پیچھے آوے۔ اور ظاہر ہے کہ جو قرب قیامت کے وقت آوے گا وہی سب سے پیچھے ہوگا۔ لہٰذا وہی سب سے اکمل اور افضل ہوا۔ صرف تغیّر الفاظ ہی ہے۔ قرآن شریف نے خلیفہ کے لفظ سے پکارا ہے اور حدیث میں اس کو مسیح موعود کے نام سے نامزد کیا گیا ہے۔ رہا یہ کہ ہمارے اس دعویٰ کا ثبوت کیا ہے۔ سو یاد رکھو کہ ہماری صداقت کا ثبوت وہی ہے جو ہمیشہ سے انبیاء اور ماموروں کا ہوتا رہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا جو ثبوت کوئی شخص پیش کر سکتا ہے اسی دلیل سے ہم اپنے دعویٰ کا صدق ظاہر کر سکتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے آنے والے خدا تعالیٰ ہی کی گواہی سے سچے ٹھہرا کرتے ہیں۔ دعویٰ تو صادق بھی کرتا ہے اور کاذب بھی۔ اور نفسِ دعویٰ کرنے میں تو دونوں یکساں ہیں مگر اُن میں مابہ الامتیاز بھی تو ہوتا ہے۔
بھلا فرض کرو کہ مسیح موعودؑ کا ذکر قرآن میں بھی نہ ہوتا اور حدیث میں بھی پایا نہ جاتا تو پھر کیا تھا؟ پھر بھی صادق اپنے نشانوں سے شناخت کر لیا جاتا۔ دیکھو حضرت موسیٰؑ کا ذکر بھلا کس پہلی کتاب میں درج تھا؟ کوئی بتا سکتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے آنے کی خبر اور پیشگوئی کس کتاب میں موجود تھی؟ پھر حضرت موسیٰؑ کس طرح نبی مان لئے گئے؟ یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کی تازہ بتازہ گواہی ہی صدق کی دلیل ہوسکتی ہے۔ صرف دعویٰ بلا دلیل صدق کی دلیل ہرگز نہیں ہوسکتا۔ بلکہ جس دعویٰ کے ساتھ خدائی شہادت نہ ہو وہ جھوٹا ہے اور خدا کے مؤاخذہ کے قابل ہے۔ جھوٹے مدعی کو خدا خود ہلاک کرتا ہے اور اس کو مہلت نہیں دی جاتی کیونکہ وہ خدا پر افتراء کرتا ہے اور حق و باطل میں گڑبڑ ڈالنا چاہتا ہے۔

مَیں اِسی شریعت کی خدمت اور تجدید کے واسطے آیا ہوں

مَیں کوئی نئی بات نہیں لایا اور نہ ہی مَیں نے کوئی نئی شریعت قائم کی ہے۔ مَیں اسی شریعت کی خدمت اور تجدید کے واسطے آیا ہوں جو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) لائے تھے اور میری سچائی دعویٰ کے لیے بھی منہاجِ نبوت پر ہی نشان موجود ہیں۔ مَیں نے اپنی کتابوں میں اُن کا ذکر کیا ہے۔ ابھی ایک تازہ کتاب حقیقۃ الوحی مَیں نے لکھی ہے اس کا مطالعہ کرکے دیکھ لیا جاوے کہ کسقدر نشان خدا تعالیٰ نے میری تائید کے واسطے ظاہر فرمائے۔ کیا یہ کسی جھوٹے کے واسطے بھی دکھائے جاتے ہیں؟
دیکھو بعض انبیاء صرف ایک ہی معجزہ سے صادق قبول کر لیے گئے۔ مگر یہاں تو ہزاروں نشان موجود ہیں۔ پھر ہم اگر کسی نئے دین کا دعویٰ کرتے۔ کتاب اللہ کے خلاف کوئی نیا حکم اپنی طرف سے بیان کرتے۔ سنّتِ رسُول

صلی اللہ علیہ وسلم میں کمی بیشی کرتے یا ان کو منسوخ کرنے کا دعویٰ کرتے۔ نماز، روزہ اور حج کے مسائل میں کوئی تغیر تبدل کرتے تو اس قسم کا کوئی دغدغہ اور شک و شبہ بھی بجا تھا۔ مگر ہم تو کہتے ہیں کہ کافر ہے وہ شخص جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت سے ذرہ بھر بھی اِدھر اُدھر ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے روگردانی کرنے والا ہی ہمارے نزدیک جب کافر ہے تو پھر اس شخص کا کیا حال جو کوئی نئی شریعت لانے کا دعویٰ کرے یا قرآن اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں تغیر تبدل کرے یا کسی حکم کو منسوخ جانے ہمارے نزدیک تو مومن وہی ہے جو قرآن شریف کی سچی پیروی کرے اور قرآنِ شریف ہی کو خاتم الکتب یقین کرے اور اسی شریعت کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں لائے تھے۔ اسی کو ہمیشہ تک رہنے والی مانے اور اس میں ایک ذرہ بھر اور ایک شوشہ بھی نہ بدلے اور اس کی اِتباع میں فنا ہو کر اپنا آپ کھو دے اور اپنے وجود کا ہر ذرہ اسی راہ میں لگائے علماً اور عملاً اس کی شریعت کی مخالفت نہ کرے تب پکا مسلمان ہوتا ہے۔ البتہ ہمارے اوپر جو کلامِ الٰہی نازل ہوتا ہے اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئیے کہ ہم نے کسی نئی اور تشریعی نبوت کا دعویٰ کیا ہے بلکہ مکالمہ مخاطبہ کی کثرت کیا بلحاظ کمیت اور کیا بلحاظ کیفیت کی وجہ سے نبی کہا گیا ہے۔ اب اس مجلس میں اگر کوئی صاحب عبرانی یا عربی سے واقف ہے تو وہ جان سکتا ہے کہ نبی کا لفظ نبأ سے نکلا ہے اور نبأ کہتے ہیں خبر دینے کو۔ اور نبی کہتے ہیں خبر دینے والے کو۔ یعنی خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک کلام پا کر جو غیب پر مشتمل زبردست پیشگوئیاں ہوں مخلوق کو پہنچانے والا اسلامی اصطلاح کی رُو سے نبی کہلاتا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں ہے اَنۡۢبِـُٔوۡنِیۡ بِاَسۡمَآءِ هٰۤـؤُلَآءِ (البقرۃ: ۳۲) اصل میں ہماری اور ان لوگوں کی نزاع صرف لفظی ہے۔

ہمارے مخالف اگر تقویٰ طہارت نہ چھوڑیں اور تعصب اور عناد نہ کریں تو سب جانتے ہیں اور متقدمین بزرگ اور اولیاء اللہ صاف لکھ گئے ہیں وَ لِلّٰہِ بِاَوْلِیَاءِہٖ مُکَالِمَاتٌ وَ مُخَاطِبَاتٌ دُنیا میں صدہا نہیں بلکہ ہزاروں لاکھوں ہیں جن کو سچی خوابیں آتی ہیں بلکہ سچی خواب تو بعض اوقات بلا امتیاز نیک و بد کافر و مسلم کو بھی آ جاتی ہے۔ بعض وقت زانی مردوں اور زانیہ عورتوں کو، چوہڑے چماروں کو بھی سچی خوابیں آ جاتی ہیں۔ پھر مومن کو جو کہ بوجہ اپنے ایمان صحیح کے ان سے بڑھ کر اس بات کا مستحق ہے کیوں سچی خواب یا کشوف اور الہامات نہ ملنے جاویں۔ بلکہ مومن کو بہت بڑھ چڑھ کر یہ سب باتیں میسر آ سکتی ہیں۔

اس سے یہ مت خیال کرو کہ اس طرح صادقوں اور مامورین انبیاء و رسل کی رؤیا اور کشوف اور الہامات کی بے رونقی ہوتی ہے یا ان کی شان میں کوئی فرق یا بے وقعتی لازم آتی ہے۔ نہیں بلکہ یہ امور تو اس وحی نبوت اور خدا تعالیٰ کے مکالمات مخاطبات کے واسطے جو کہ اس کے انبیاء اور رسولوں کو اس کی طرف سے عطا کئے جاتے ہیں ان کی تصدیق کرتے ہیں اور ان کی صداقت کی ایک قوی دلیل ہیں کیونکہ اگر اس کا بیج ان لوگوں میں نہ پایا جاتا تو

ممکن تھا کہ وہ فاسق فاجر اور بے دین لوگ وحی اور الہام کے وجود سے ہی انکار کر بیٹھتے اور پھر ان کا اعتراض قوی ہوتا اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے اپنی کامل حکمت سے انبیاء اولیاء کے مکالمات اور مخاطبات اور وحی نبوت کے واسطے بطور تخم ریزی یہ ایک شہادت ہر طبقہ کے لوگوں میں خود ان کے نفسوں میں پیدا کر دی تاکہ انسان کو انکار کرنے کے واسطے کوئی مفر نہ رہ جاوے اور اندر ہی اندر ملزم ہوتا رہے۔

سلسلۂ مکالمہ و مخاطبہ اسلام کی رُوح ہے

قاعدہ کی بات ہے کہ انسان کو اگر کسی چیز کا نمونہ نہ دیا جاوے تو اس کے متعلق شبہات میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہ بات صرف صرف اسلام ہی میں پائی جاتی ہے اور یہ صداقتِ مذہب کی ایک اعلیٰ دلیل ہے جو کسی دوسرے مذہب میں پائی نہیں جاتی۔ اسلام ہی خدا کو پسند اور خدا تعالیٰ کا مقرب و مقبول مذہب ہے اس واسطے اس نے محض اپنے رحم سے اسلام میں مسلمانوں کو ٹھوکر اور شبہات سے بچانے کے واسطے سلسلہ مکالمات اور مخاطبات کا ہمیشہ جاری رہنے والا اکمل فیضان عطا کیا۔ لوگوں کے دلوں میں اس قسم کے خیالات اکثر جاگزیں ہو جایا کرتے ہیں کہ مَیں بھی انسان ہوں اور یہ مدعی الہام بھی آخر میری ہی طرح کا انسان ہے تو کیا وجہ ہے کہ مجھے الہام اور مکالمہ الٰہیہ نہیں ہوتا اور اس کو ہوتا ہے۔ اس واسطے ایسے شبہات کا قلع قمع کرنے کی غرض سے اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں اس فیضان کی ایک جھلک بطور نمونہ رکھ دی۔ دیکھو جس طرح ایک پیسہ لاکھ دو لاکھ پیسوں کے وجود کے لیے اور ایک روپیہ کروڑ دو کروڑ روپوں اور خزائن کے واسطے دلیل ہو سکتا ہے۔ اسی طرح سے ایک سچا خواب الہام کے واسطے دلیلِ صحیح ہو سکتا ہے۔ سچے خواب بطور ایک نمونہ کے فطرتِ انسانی میں ودیعت کئے گئے ہیں تاکہ اس نقطہ سے اس انتہائی کمال فیضان کا وجود یقین کر لیا جاوے۔ جب ایک خواب معمولی بلکہ ادنیٰ درجہ کے انسان کو بھی ممکن ہے تو کیا وجہ ہے کہ اعلیٰ درجہ کے کامل اور پاک مطہر انسان میں اس خواب کا اعلیٰ مرتبہ جس کو الہام کہتے ہیں موجود نہ ہو۔ کیونکہ سچا خواب بھی کمالاتِ نبوت کا ایک ادنیٰ ترین حصہ ہے۔

یاد رکھو کہ سلسلۂ مکالمہ مخاطبہ اسلام کی روح ہے۔ ورنہ اگر اسلام کو یہ شرف حاصل نہ ہوتا تو یقیناً اسلام بھی دوسرے مذاہب کی طرح ایک مُردہ مذہب ہوتا۔ اس بات کو خوب سمجھ لو کہ اگر اسلام اس فضلِ الٰہی اور برکت سے خالی ہوتا تو یقیناً اسلام میں بھی کوئی وجہ فضیلت نہ تھی۔ یہ خدا تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ وہ اس قسم کے زندہ نمونے اسلام میں ہر صدی کے سر پر بھیجتا رہا ہے اور اس طرح سے ہمیشہ اسلام کا زندہ مذہب ہونا دُنیا پر ثابت کرتا رہا ہے۔

اسلام ایک وقت وہ مذہب تھا کہ ایک شخص کے مُرتد ہو جانے سے قیامت برپا ہو جاتی تھی، مگر اب

وہی اسلام ہے کہ لاکھوں انسان اس سے مُرتد اور بے دین ہوگئے۔ اندرونی بیرونی دشمنوں کے حملوں سے اسلام کو نابود کرنے کی کوشش کی گئی اور اسلام کی ہتک کی گئی۔ پاؤں کے نیچے روندا اور کچلا گیا۔ خود مسلمانی کا دعویٰ کرنے والے دین کی حقیقت سے بے خبر ہو کر دین کے دشمن ثابت ہو رہے ہیں۔ اب بتاؤ کہ وہ کونسی ضلالت اور گمراہی باقی ہے جس کی اب انتظار کی جاتی ہے۔ عیسائیوں میں پادری فنڈر کی کتابیں مطالعہ کر کے دیکھ لو۔ وہ لکھتا ہے کہ اسلام میں ایک بھی پیشگوئی نہیں جو کی گئی اور نہ ہی کوئی پوری ہوئی۔ الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ (الروم:۲،۳) والی پیشگوئی کو بھی وہ ظنی اور ڈھکوسلا بتاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (نعوذ باللہ) واقعات موجود کو دیکھ کر ایسا اندازہ کر لیا تھا اور اس طرح سے پیشگوئی کر دی تھی۔ اس کے سوا اور سینکڑوں کتابیں اور رسائل ہیں جو اسلام کے خلاف لکھے گئے۔ کوئی مسلمان کسی عیسائی کے سامنے کھڑا نہیں ہو سکتا۔ اور دشمنانِ اسلام کو کوئی دندان شکن جواب نہیں دے سکتا۔ اگر اسلام اور اسلام کی زندگی صرف پُرانے قصّے کہانیوں پر ہی آرہی ہے تو پھر یاد رکھو کہ اسلام آج بھی نہیں ہے اور کل بھی نہیں ہے۔

یاد رکھو کہ اسلام کی جس طرح خدا تعالیٰ نے ابتداء میں حمایت کی اور کرتا آیا ہے۔ اسی طرح آج بھی اسلام کی حمایت میں وہ تازہ بتازہ نشان دکھا سکتا ہے اور ہر مومن کے واسطے وہ بشرطیکہ کوئی مومن ہو فرقان پیدا کر سکتا ہے مگر یہ ہیں نام کے مُلّاں اور حامیانِ دینِ متین کہ خود منبروں پر چڑھ کر بلند آوازوں سے کہتے ہیں کہ اب اسلام میں نشان دکھانے والا کوئی نہیں۔ چنانچہ مولوی محمد حسین صاحب نے خود جلسہ مہوتسو میں جہاں کہ تمام مذاہب کے لوگ جمع تھے اس بات کا اقرار کیا کہ افسوس ہے کہ اسلام میں آجکل ایسے لوگ موجود نہیں ہیں جو نشان دکھا سکیں۔ گویا خود اقرار کر لیا کہ ہمارا مذہب بھی دوسرے مذاہب کی طرح ایک مُردہ مذہب ہے اور زندگی کی جو علامات ہوتی ہیں وہ اب اس میں موجود نہیں ہیں۔

اب غور کرو کہ اسلام کی عزت ایسی ہی باتوں میں ہے؟ نہیں! بلکہ اس سے بڑھ کر اَور کیا ذلت ہوگی کہ اسلام کو ایسے لوگوں سے خالی مانا جاوے جن سے خدا تعالیٰ مکالمہ مخاطبہ کرتا ہو اور جن کی صداقت کے ثبوت کے واسطے ان کے ساتھ زبردست غیب پر مشتمل نشان موجود ہوں۔ یاد رکھو کہ اگر خدانخواستہ ایسا بھی کوئی زمانہ آجاوے کہ اسلام میں یہ برکات نہ رہیں تو یقین رکھو کہ اسلام بھی اَور مذہبوں کی طرح مَر گیا۔ کیونکہ زندگی کی جو علامت تھی جب وہی مفقود ہے تو پھر زندگی کیسی؟ دیکھو برہمو بھی تو لا الٰہ الا اللہ کے قائل ہیں وہ اگر تم سے سوال کریں کہ محمد رسول اللہ کے زیادہ کرنے سے تم میں کیا طاقت اور خصوصیت پیدا ہوگئی؟ تو بتاؤ ان کو کیا جواب دوگے؟ مسلمان کو چاہیے کہ ایک ایسی زبردست بات پکڑے اور ایسا اصول اختیار کرے کہ جس سے وہ دوسروں پر غالب آجاوے۔ اچھا اگر یہی بات ہے تو پھر بتاؤ تو سہی کہ تم میں اور تمہارے غیروں میں مابہ الامتیاز ہی کیا ہے جبکہ برہمو بھی

توحید کے قائل ہیں۔ عیسائی بھی توحید کے خیالات رکھتے ہیں۔ آریہ بھی توحید کے حامی بنتے ہیں۔ یہودی بھی مُوَحِّد ہیں۔ ہم نے ایک خط فاضل یہودی کو لکھا تھا کہ توحید کے متعلق تمہارا کیا عقیدہ ہے۔ اس کے جواب میں اُس نے لکھا کہ یہودی تعلیم توحید کی ہے اور ہمارا وہی خدا ہے جو قرآن کا خدا ہے۔ اب یہ سمجھنے اور غور کرنے کی بات ہے کہ جب یہ لوگ بھی توحید کا ہی دعویٰ کرتے ہیں تو مسلمانوں میں خصوصیت کی وجہ کیا ہے۔

حق و باطل میں تمیز کرنیوالے معجزات

رہی نظری اور دقیق بحثیں سو وہ تو ذبح کرنیوالی باتیں ہیں۔ بحثوں سے کبھی کوئی مانا نہیں دیکھو لیکھرام کا مجھ سے مقابلہ ہوا تھا۔ اس نے میرے واسطے پیشگوئی کی تھی کہ تین برس میں مر جاؤنگا میں نے خدا سے خبر پاکر اس کے حق میں پیشگوئی کی تھی کہ چھ برس میں بذریعہ قتل ہلاک ہوگا۔ لیکھرام کی کتاب "خبط احمدیہ" کھول کر دیکھ لو کہ کس طرح اس نے رو رو کر گریہ و بکا سے پرمیشر کے حضور نہایت عجز و انکسار سے التجا کی ہے اور خدا تعالیٰ سے صادق کی تائید اور نصرت اور کاذب کی ہلاکت اور بربادی کا فیصلہ مانگا ہے تاکہ حق و باطل میں تمیز ہو سکے۔ اور دُنیا پر ظاہر ہو جاوے کہ آریہ مت اور مذہب اسلام دونو میں سے خدا کے حضور کونسی راہ پیاری اور منظور ہے اور کونسی مردود۔ آخر کار جو فیصلہ ہوا ایک دُنیا اس کو جانتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے کس کی تائید کی اور کون نامراد مرا۔ اور اس طرح سے سچے اور جھوٹے اور اسلام اور آریہ مذہب کا ہمیشہ کے واسطے تصفیہ ہو گیا۔[1]

یہ ہیں خدا کے نشان اور ان کا نام ہے مابہ الامتیاز۔ خشک مباحثات سے کیا ہو سکتا ہے۔ بھلا کبھی کسی نے دیکھا بھی کہ مباحثہ سے کسی نے ہار منوائی ہو؟ ایک طرف خبط احمدیہ کو لے لو اور دوسری طرف میری کتابوں کو لے لو جن میں یہ پیشگوئی بڑی بسط سے درج ہے پھر مقابلہ کرو کہ کونسا خدا کا کلام ہے اور کونسا شیطان کا۔ اگر میرا نطق خدا کی طرف سے اور خدا کے حکم سے نہ ہوتا تو کیا ممکن نہ تھا کہ میں ہی مر جاتا اور وہ زندہ رہتا کیونکہ ظاہر اسباب اس بات کے متقاضی تھے۔ میں اس کی نسبت عمر میں زیادہ تھا اور پھر بیماری میرے لاحقِ حال تھی مگر برخلاف اس کے وہ مضبوط توانا اور تندرست تھا۔ یہی نہیں بلکہ اس کے سوا اور بھی جس جس نے مباہلہ کیا وہی ذلیل ہوا۔ ہلاک ہوا۔ غلام دستگیر قصوری۔ محی الدین لکھو کے والا۔ ان لوگوں نے مباہلے کئے اور خود ہی ہلاک ہو کر ہماری صداقت پر ہمیشہ کے واسطے مہریں کر گئے۔ مولوی چراغ دین جموں والا نے میری نسبت پیشگوئی کی کہ طاعون سے مرے گا اور مباہلہ کیا۔ مگر دیکھو خود ہی طاعون سے مرا۔ ایک فقیر مرزا تھا۔ اس نے

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۱۳ صفحہ ۳ تا ۶ مورخہ ۶ رمئی ۱۹۰۸ء

بھی اعلان کیا تھا کہ مرزا رمضان کے مہینے میں مرجائے گا۔ مجھے عرش سے یہ خبر دی گئی ہے۔ آخر جب وہ رمضان کا مہینہ آیا تو خود ہلاک ہو گیا۔ بابو الٰہی بخش صاحب نے بھی ہماری نسبت اپنی کتاب میں طاعون سے مرنے کی پیشگوئی کی تھی مگر آپ لوگ جانتے ہوں گے کہ وہ کس طرح مرے۔

اب بتاؤ کہ معجزات کے سر پر سینگ ہوتے ہیں۔ ڈوئی جو سمندروں کے پار بیٹھا تھا جب وہ ہمارے مقابلہ میں آیا اور ہم نے خدا سے خبر پا کر اس کے واسطے اس کی پر حسرت ہلاکت کے واسطے پیشگوئی کی تو فوراً اس پر آثار ادبار ظاہر ہونے شروع ہو گئے اور آخر کار بڑی نامرادی سے مفلوج ہو کر اور طرح طرح کے دُکھ اور ذلتیں دیکھتا ہوا ہلاک ہو گیا۔ غرضکہ اگر نشانات کی ایک کتاب بنائی جاوے تو یقین ہے کہ پچاس جزو کی ایک کتاب تیار ہو۔ دیکھو عبداللہ آتھم بھلا اب کہاں ہے؟

لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے واسطے کوئی نیا معجزہ دکھاؤ۔ خدائی نشانات کیا باسی ہو گئے ہیں اور وہ ردّی ہو گئے ہیں کہ ان کو ردّ کر دیا جاتا ہے اور اپنی مرضی کے نشانات مانگے جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کسی کا ماتحت ہو کر نہیں چلنا چاہتا کہ وہ کسی کی مرضی کا تابع ہو۔ وہ نشان دکھا رہا ہے مگر اپنی مرضی کے موافق دکھاتا ہے کیا ان سے تسلّی نہیں ہوتی کہ اَور مانگے جاتے ہیں۔

الغرض قرآن شریف میں آخری زمانہ کے موعود کا نام خلیفہ رکھا گیا ہے اور احادیث نبویہ میں مسیح کے نام سے اس کو یاد کیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بھی ہمارے دو نام رکھے ہیں جو کہ ہماری کتاب میں جس کو عرصہ چھبیس[26] سال ہو گیا کہ چھپ کر شائع ہو گئی اور دوست دشمن کے ہاتھ میں موجود ہے۔ چنانچہ ہمارے ایک الہام میں یُوں آیا ہے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً اور ایک دوسرے الہام میں ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَکَ الْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ۔ غرض حدیث اور قرآن شریف کے رو سے اللہ تعالیٰ نے ہمارا ہی یہ نام رکھا ہے اور آنے والا موعود ہمیں ہی مقرر فرمایا ہے۔

مسیح ناصری تو مر گیا اور قرآن شریف میں بار بار اس کی وفات کا بڑے زور سے ذکر کیا گیا ہے۔ وہ تو اب کسی طرح زندہ ہو ہی نہیں سکتا۔ جب اس کی جگہ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے کو بٹھا دیا تو اب بھی اس کا انتظار کرنا کیسی نادانی اور جہالت ہے۔ میرا مدعا یہ ہے کہ لوگ جو اس معاملہ میں بحث کرتے ہیں کہ ہمیں ہمارے مُنہ مانگے نشان دیئے جاویں۔ دیکھو صدہا نبی ایسے بھی آئے کہ ان کی پیشگوئی کسی پہلی کتاب میں نہیں کی گئی۔

اصل بات یہ ہے کہ سچے نبی کے ساتھ خدا تعالیٰ کی ہیبت ہوتی ہے اور جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے اس کے ساتھ خدائی نشان اور تائید کا عَلَمْ لازمی طور سے ہوتا ہے۔ دیکھو بائیبل، انجیل، قرآن، حدیث میں جن معجزات کا ذکر ہے دشمن ان کو نہ ماننے کے کئی وجوہ پیدا کر سکتا ہے۔ تحریف تبدیل کا الزام لگا سکتا ہے اور

اور رنگ کے دوسرے پہلو کے معنے کر سکتا ہے۔ غرضکہ گذشتہ امور پر ہی اگر فیصلہ کا انحصار اور دار و مدار ہو تو اس میں بڑی مشکلات پیش آسکتی ہیں، مگر اللہ تعالیٰ ہرگز پسند نہیں کرتا کہ حق و باطل میں خلط ہو اور حق دنیا پر مشتبہ رہے۔ اسی واسطے اس کی سُنّت ہے کہ وہ تازہ بتازہ نشانات سے امرِ حق کا ہمیشہ اظہار کرتا رہا ہے۔ چنانچہ اس زمانہ میں بھی جبکہ خدا تعالیٰ نے ہمیں مامور کر کے بھیجا اور مسیح موعود اور خاتم الخلفاء ہمارا نام رکھا تو ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ قُلْ عِنْدِیْ شَھَادَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ فَھَلْ اَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ یعنی ساتھ ہی اپنی شہادت اور گواہی بھی عطا فرمائی۔ پس اس وقت ہمارے ساتھ بھی خدائی شہادت موجود ہے۔ کوئی بھی اعتراض جو منہاجِ نبوت پر قرآن اور حدیث کی رو سے ہو ہم اس کا جواب دینے کو ہر وقت تیار ہیں۔ ہر مدعی سے یہی ہوتا ہے کہ اس کے صدقِ دعویٰ کا ثبوت مانگا جاتا ہے۔ سو ہم اس امتحان کے واسطے ہر وقت تیار ہیں بشرطیکہ منہاجِ نبوت پر ہو۔

خدا جانے ان پرانے قصّوں میں کیا رکھا ہے کہ یہ لوگ تازہ بتازہ نشانات کو تو نہیں مانتے اور قصّوں کے پیچھے پڑتے ہیں۔ بھلا ان سے کوئی پوچھے کہ قصّوں سے تمہیں حاصل ہی کیا؟ یہودیوں کے قصے تو تم سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہیں تو کیا ان کو مان لو گے؟ ہر قوم میں قصوں کی بھرمار ہے مگر خشک قصے تقویتِ ایمان اور تازگیٔ رُوح کے واسطے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ قصوں والا ایمان بھی کچھ بودا ہی ہوتا ہے۔ تازہ بتازہ نشانات اور خدا تعالیٰ کی گواہی کو جو لوگ نہیں مانتے ان کی سزا ہی آخر یہی ہے کہ وہ قصے کہانیوں کے پیرو ہیں۔

خلفاء اور مصلحین کا مُدّعا

سوال کیا گیا کہ خلیفہ کے آنے کا مدعا کیا ہوتا ہے؟ فرمایا:۔

اصلاح۔ دیکھو حضرت آدم سے اس نسلِ انسانی کا سلسلہ شروع ہوا اور ایک مدتِ دراز کے بعد جب انسانوں کی عملی حالتیں کمزور ہو گئیں اور انسان زندگی کے اصل مدعا اور خدا کی کتاب کی اصل غایت بھول کر ہدایت کی راہ سے دُور جا پڑے تو پھر اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے ایک ماُمور اور مُرسل کے ذریعہ سے دُنیا کو ہدایت کی اور ضلالت کے گڑھے سے نکالا۔ شانِ کبریائی نے جلوہ دکھایا اور ایک شمع کی طرح نورِ معرفت دُنیا میں دوبارہ قائم کیا گیا۔ ایمان کو نورانی اور روشنی والا ایمان بنا دیا۔

غرض اللہ تعالیٰ کی ہمیشہ سے یہی سُنّت چلی آتی ہے کہ ایک زمانہ گذرنے پر جب پہلے نبی کی تعلیم کو لوگ بھول کر راہ راست اور متاعِ ایمان اور نورِ معرفت کو کھو بیٹھتے ہیں اور دُنیا میں ظلمت اور گمراہی، فسق و فجور کا چاروں طرف سے خطرناک اندھیرا چھا جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی صفات جوش مارتی ہیں اور ایک بڑے عظیم الشان انسان کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کا نام اور توحید اور اخلاقِ فاضلہ پھر نئے سرے سے دُنیا میں اس کی معرفت قائم

کرکے خدا تعالیٰ کی ہستی کے بیّن ثبوت ہزاروں نشانوں سے دیئے جاتے ہیں اور ایسا ہوتا ہے کہ کھویا ہوا عرفان اور گمشدہ تقویٰ طہارت دُنیا میں قائم کی جاتی ہے اور ایک عظیم الشان انقلاب واقع ہوتا ہے۔ غرض اسی سُنّتِ قدیمہ کے مطابق ہمارا یہ سلسلہ قائم ہوا ہے۔

یاد رکھو کہ ایمان ہی ایمان کو پہچانتا ہے اور روشنی سے روشنی کی شناخت ہوتی ہے سُورج دُنیا میں موجود ہے مگر جس کی آنکھ میں ہی نُور نہ ہو وہ سُورج سے فائدہ ہی کیا اُٹھا سکتا ہے۔ مُنہ سے یہ دعویٰ کر دینا کہ ہمیں کسی امام یا مصلح کی کیا ضرورت ہے۔ بڑا خطرناک ہے۔

مَیں سچ کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے پانے کے واسطے بڑی بڑی سخت مشکلات اور دشوار گذار گھاٹیاں ہیں۔ ایمان صرف اسی کا نام نہیں کہ زبان سے کلمہ پڑھ لیا۔ لاالٰہ الّا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ پر ایمان ایک نہایت باریک اور گہرا راز ہے اور ایک ایسے یقین کا نام ہے جس سے جذباتِ نفسانیہ انسان سے دُور ہو جاویں۔ اور ایک گناہ سوز حالت انسان کے اندر پیدا ہو جاوے۔ جن کے وجود میں ایمان کا سچا نُور اور حقیقی معرفت پیدا ہو جاتی ہے۔ ان کی حالت ہی کچھ الگ ہو جاتی ہے اور وہ دُنیا کے معمولی لوگوں کی طرح نہیں بلکہ ممتاز ہوتے ہیں۔ کوئی ایک گناہ چھوڑ کر ایسا مغرور ہو جانا اور مطمئن ہو جانا کہ بس اب ہم مومن بن گئے اور تمام مدارجِ ایمان ہم نے طے کر لیے۔ یہ ایک اپنا خیال ہے۔

دیکھو انسان کی فطرت ہی ایسی ہے کہ ہمیشہ ایک حالت پر قائم نہیں رہتی۔ پس جب تک لمبے تجربہ اور استقامت سے یہ امر بپایۂ ثبوت نہ پہنچ جاوے کہ واقعی اب تم نے خدا تعالیٰ کو مقدم کر لیا ہے اور تمہاری حالت گناہ سوز مستقل ہو گئی ہے اور تم کو نفسِ امّارہ اور لوّامہ سے نکل کر نفسِ مطمئنہ عطا کیا گیا ہے اور عملی طور سے سچی پاکیزگی تم نے حاصل کر لی ہے تب تک مطمئن ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

ترکِ شر اور کسبِ خیر کے مراتب

دیکھو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی۔ (الاعلیٰ: ۱۵) فلاح وہ شخص پاوے گا جو اپنے نفس میں پوری پاکیزگی اور تقویٰ طہارت پیدا کر لے اور گناہ اور معاصی کے ارتکاب کا کبھی بھی اس میں دورہ نہ ہو اور ترکِ شر اور کسبِ خیر کے دونو مراتب پورے طور سے یہ شخص طے کر لے تب جا کر کہیں اسے فلاح نصیب ہوتی ہے۔ ایمان کوئی آسان سی بات نہیں۔ جب تک انسان مر ہی نہ جاوے تب تک کہاں ہو سکتا ہے کہ سچا ایمان حاصل ہو۔

دیکھو ایمان کی دو ہی نشانیاں ہیں۔ اوّل درجہ یہ ہے کہ گناہ کو انسان چھوڑ دے اور ایسی حالت اس کو میسر آجاوے کہ گناہ کرنا گویا آگ میں پڑنا ہے یا کسی کالے سانپ کے مُنہ میں انگلی دینا ہے یا کوئی خطرناک زہر کا

پیالہ پینے کے برابر ہے۔ پھر یاد رکھو کہ صرف ترکِ شر ہی نیکی نہیں ہے۔ نیکی اس میں ہے کہ ترکِ شر کے ساتھ ہی کسبِ خیر بھی ہو۔ ترکِ گناہ میں جب انسان اس درجہ تک ترقی کر جاوے تو پھر چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کے منشاء کے موافق سنّتِ رسول پر بڑی سرگرمی سے نیک اعمال کو بجا لاوے اور کوئی روک اس کی طبیعت میں پیدا نہ ہو اور انشراحِ صدر سے نیکی کرنے پر قادر ہو جاوے۔

دیکھو بعض لوگ فطرتاً ہی ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں بعض قسم کے معاصی کے ارتکاب کی طاقت اور مادہ ہی نہیں ہوتا۔ کیا ایک ایسا شخص جس کو قوتِ رجولیت دی ہی نہیں گئی یہ شیخی مار سکتا ہے کہ میں زنا نہیں کرتا۔ یا وہ جس کو دن بھر میں دو پیسے کی روٹی بھی مشکل سے میسر آتی ہے دعویٰ کر سکتا ہے کہ میں شراب نہیں پیتا۔ یا ایک ضعیف، ناتواں، کس مپرس جو کہ خود ہی ذلیل و خوار پھرتا ہے کہہ سکتا ہے کہ میں ہمیشہ صبر اور تحمل اور بردباری کرتا ہوں اور کسی کا مقابلہ نہیں کرتا۔ عفو کرتا ہوں۔ غرض بعض لوگ فطرتاً ہی ایسے پیدا ہوتے ہیں کہ وہ بعض گناہوں پر قادر ہی نہیں ہو سکتے۔ ممکن ہے کہ بعض سادہ لوح انسان ایسے بھی ہوں کہ جنہوں نے عمر بھر میں کوئی بھی گناہ نہ کیا ہو۔ پس صرف ترکِ ذنوب ہی نیکی کی شرط نہیں بلکہ کسبِ خیر بھی اعلیٰ جزو ہے۔ کوئی انسان کامل نہیں ہو سکتا جب تک دو نو قسم کے شربت پی نہیں لیتا۔ سورۂ دہر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ایک شربت کافوری ہوتا ہے اور دوسرا شربت زنجبیلی۔ مقربوں اور برگزیدہ لوگوں کو دو نو شربت پلائے جاتے ہیں۔ کافوری شربت کے پینے سے انسان کا دل ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور گناہ کے قویٰ ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں۔ کافور میں گندے مواد کے دبانے کی تاثیر ہے۔ پس وہ لوگ جن کو شربت کافوری پلایا جاتا ہے۔ ان کے گناہ والے قویٰ بالکل دب ہی جاتے ہیں اور پھر ان سے گناہ کا ارتکاب ہوتا ہی نہیں اور ایک قسم کی سکینت جس کو شانتی کہتے ہیں میسر آ جاتی ہے اور ایک نور پانی کی طرح اُترتا ہے جو اُن کے سینے میں سے سارے گندوں کو دھو ڈالتا ہے اور سفلی زندگی کے تمام تعلقات ان سے الگ کر دیئے جاتے ہیں اور گناہ کی آگ کی بھڑک ہمیشہ کے واسطے ٹھنڈی پڑ جاتی ہے۔ مگر یاد رکھو صرف یہی امر نیکی اور خوبی نہیں ہے۔ ایک شخص کا ہمیں واقعہ یاد ہے کہ اس کی کسی نے دعوت کی اور کھانا وغیرہ کھلا چکنے کے بعد میزبان نے اپنے مہمان کی خدمت میں عذر کیا کہ میں جیسا کہ آپ کی خدمت کا حق تھا ادا نہیں کر سکا یعنی جیسا کہ قاعدہ ہے اپنی طرف سے معذرت کی۔ مگر مہمان کچھ ایسا شوریدہ مغز تھا کہ میزبان کی اس بات سے بھڑک اُٹھا اور کہنے لگا کہ کیا تم مجھ پر اس طرح سے اپنا احسان جتانا چاہتے ہو۔ تمہارا نہیں بلکہ میرا تم پر بہت بھاری احسان ہے۔ میزبان نے فرمایا کہ یہ اور خوشی کی بات ہے میں وہ بھی جاننا چاہتا ہوں۔ تو اس مہمان نے کہا کہ دیکھو جب تم سامانِ مہمان داری میں مصروف تھے اور میری طرف سے بالکل بے خبر تھے میں تنہا اس جگہ موجود تھا اگر میں تمہارے اس مکان میں آگ لگا دیتا تو تمہارا کتنا نقصان ہوتا۔ پس میں نے تم پر احسان کیا ہے

نہ کرتم نے۔

غرض ترکِ شر کی یہ ایک مثال ہے مگر یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کے سامنے ایسی مثال کوئی پیش نہیں کر سکتا۔ وہاں توجیسا کرے گا ویسا پائے گا۔ ترکِ ذنوب کو اللہ تعالیٰ نے شربتِ کافوری کی ملونی سے تشبیہ دی ہے۔

اس کے بعد دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ انسان کو شربت زنجبیلی پلایا جاوے۔ زنجبیل سونٹھ کو کہتے ہیں۔ زنجبیل مرکب ہے لفظ زَنَا اور جبَل سے۔ زنجبیل کی تاثیر ہے کہ حرارتِ غریزی کو بڑھاتی ہے۔ اور لغوی معنے اس کے ہیں پہاڑ پر چڑھنا۔ اس میں جو نکتہ رکھا گیا ہے وہ یہ ہے کہ جس طرح سے پہاڑ پر چڑھنا مشکل کام ہے اور وہ اس مقوی چیز کے استعمال سے آسان ہو جاتا ہے اسی طرح رُوحانی نیکی کے پہاڑ پر چڑھنا بھی سخت دشوار ہے وہ رُوحانی شربتِ زنجبیل سے آسان ہو جاتا ہے۔

خالص اعمال محض للہ اخلاص اور ثواب کے ماتحت بجالانا بھی ایک پہاڑ ہے اور سخت دشوار گذار گھاٹی سے مشابہ ہے۔ ہر ایک پاؤں کا یہ کام نہیں کہ وہاں پہنچ سکے۔ دیکھو دنیوی امور میں تو ایک ظاہر نتیجہ مدِ نظر ہوتا ہے اور امر مخصوص کے واسطے کوشش کی جاتی ہے اور ضمیر میں ایک خاص غرض اور مقصد مدِ نظر رکھ کر محنت کی جاتی ہے اور کامیابی کے واسطے کس قدر جان توڑ کوشش کی جاتی ہے۔ حصولِ عزت اور مدارج کے پانے کے واسطے کیسی کیسی جانکاہ سختیاں برداشت کرنی پڑتی ہیں کہ بعض اوقات انسان ان محنتوں کی وجہ سے پاگل اور مجنون اور بعض اوقات ایسے عوارض میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ سِل اور دِق وغیرہ امراض اس کے لاحقِ حال ہو جاتی ہیں۔ جب دنیوی امتحانات کی گھاٹیاں ایسی مشکل ہیں تو پھر دینی اور روحانی مقاصد کی گھاٹیاں جن کے نتائج ابھی ایک قسم کے پردہ غیب میں ہیں اور بعض ظنی طبائع ان کے وجود اور عدمِ وجود میں بھی فیصلہ نہیں کر سکتے ان کے حصول کے واسطے پھر کیسی کیسی محنت اور کوشش کی ضرورت ہے۔ یہ خیال کر لینا کہ ہم ایک پھونک سے خدا تعالیٰ تک پہنچ سکتے ہیں اور صرف لسانی اقرار سے ہی پاک ہو سکتے ہیں۔ یہ ان لوگوں کا خیال ہے جنہوں نے اصلاح نہ کبھی دیکھی اور نہ سُنی۔

پاکیزگی کے مراحل بہت دور ہیں

یاد رکھو کہ پاکیزگی کے مراحل بہت دُور ہیں اور وہ ان خیالات سے بالاتر ہیں۔ صرف پاکیزگی حاصل کرنا اور سچے طور سے صغائر کبائر سے بچ جانا ان لوگوں کا کام ہے جو ہر وقت خدا کو آنکھ کے سامنے رکھتے ہیں اور فرشتہ سیرت بھی وہی لوگ ہو سکتے ہیں۔ دیکھو ایک بکری کو اگر ایک شیر کے سامنے باندھ دیں تو وہ اپنا کھانا پینا ہی بھول جاوے چہ جائیکہ وہ اِدھر اُدھر کھیتوں میں مُنہ مارے اور لوگوں کی محنت اور جانفشانیوں سے پیدا کی ہوئی کھیتیوں سے کھاوے۔ پس یہی حال انسان کا ہے اگر اس کو یقین ہو کہ میں خدا تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں یا کم از کم خدا تعالیٰ مجھے

دیکھ رہا ہے تو بھلا پھر ممکن ہے کہ کوئی گناہ اس سے سرزد ہو سکے؟ ہرگز نہیں۔ یہ ایک فطرتی قاعدہ ہے کہ جب یقین اور قطعی علم ہو کہ اس جگہ قدم رکھنا ہلاکت ہے یا ایک سوراخ جس میں کالا سانپ ہو اور یہ خود اسے دیکھ بھی لیوے تو کیا اس میں انگلی ڈال سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ غرض یہ فطرتِ انسانی میں ہی رکھا گیا ہے کہ جہاں اس کو ہلاکت کا یقین ہوتا ہے اس جگہ سے بچتا اور پرہیز کرتا ہے۔ جب تک اس درجہ تک خدا تعالیٰ کی معرفت نہ ہو جاوے اور یہ یقین پیدا نہ ہو جاوے کہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہ ایک بھسم کر دینے والی آگ ہے یا ایک خطرناک زہر ہے تب تک حقیقتِ ایمان کو نہیں سمجھا گیا اور بغیر ایسے کامل یقین اور معرفت کے پھر ایمان بھی اُدھورا ایمان ہے۔ وہ ایمان جس کا اعمال پر بھی اثر نہ ہو۔ یا جو ایمان امتحانی حالات میں ذرا بھی تبدیلی پیدا نہ کر سکے کس کام کا ایمان ہے اور اس کی کیا فضیلت ہو سکتی ہے۔

جو لوگ خیال کرتے ہیں کہ دُنیا کے کاروبار میں آرام سے زندگی بھی بسر کرتے رہیں اور خدا بھی مل جاوے اور انسان پاک بھی ہو جاوے اور اسے کوئی محنت اور کوشش نہ کرنی پڑے یہ بالکل غلط خیال ہے۔ کل انبیاء، اولیاء، اتقیاء اور صالحین کا یہ ایک مجموعی مسئلہ ہے کہ پاک کرنا خدا کا کام ہے اور خدا کے اس فضل کے جذب کے واسطے اتباع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم از بس ضروری اور لازمی ہے جیسا کہ فرماتا ہے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران : ۳۲) سُورج دُنیا میں موجود ہے مگر چشم بینا بھی تو چاہیئے۔ خدا تعالیٰ کا قانونِ قدرت لغو اور بے فائدہ نہیں ہے۔ جو ذرائع کسی امر کے حصول کے خدا تعالیٰ نے بنائے ہیں آخر انہیں کی پابندی سے وہ نتائج حاصل ہوتے ہیں۔ کان سننے کے واسطے خدا نے بنائے ہیں مگر دیکھ نہیں سکتے۔ آنکھ جو دیکھنے کے واسطے بنائی گئی ہے وہ سننے کا کام نہیں کر سکتی۔ پس اسی طرح خدا تعالیٰ کے فضل کے فیضان کے حصول کی جو راہ اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائی ہے اُس سے باہر رہ کر کیسے کوئی کامیاب ہو سکتا ہے۔ حقیقی پاکیزگی اور طہارت طلبی ہے اتباع نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیونکہ خود خدا نے فرمایا کہ اگر خدا کے محبوب بننا چاہتے ہو تو رسُولؐ کی پیروی کرو۔ پس وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہمیں کسی نبی یا رسُول کی کیا ضرورت ہے وہ گویا اللہ تعالیٰ کے قانونِ قدرت کو باطل کرنا چاہتے ہیں۔

خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم پاک نہیں ہو سکتے جب تک کہ میں کسی کو پاک نہ کروں۔ تم اندھے ہو مگر جسے میں آنکھیں دوں۔ تم مُردے ہو مگر جسے مَیں زندگی عطا کروں۔ پس انسان کو چاہیئے کہ ہمیشہ دُعا میں لگا رہے اور اپنے اندر پاک تبدیلی پیدا کرنے کی سچی تڑپ اور سچی خواہش پیدا کرے اور خدا تعالیٰ کی محبت کی پیاس دل میں پیدا کرے تا کہ پھر خدا تعالیٰ کا فیضان بھی اس کی نصرت کرے اور اسے قدرت نمائی سے اُٹھائے۔ خدا تعالیٰ کی تلاش میں اور اس کی مرضی کے ڈھونڈنے میں فنا ہو جاوے تا خدا پھر اسے زندہ کرے اور شربتِ وصل پلاوے

اور اگر انسان جلدی کرے گا اور خدا تعالیٰ کی چنداں پروا نہ کرے گا یا معمولی طور سے لاپرواہی کرے گا تو پھر یاد رکھو کہ خدا بھی غَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْنَ ہے۔ کیا کوئی ہے جو خدائی قانون کو مٹا سکے جو کہ اس نے فضل کے حصول کے واسطے بنا دیا ہے کہ فضل کے حصول کے امیدوار از راہِ نیاز اس دروازے سے داخل ہوں۔ جب ان کی امیدیں پوری ہوں گی ورنہ اگر تمام عمر بھی بھٹکتے پھریں بجز اس اصلی راہ کے (جو اتباع نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے) ہرگز ہرگز منزلِ مقصود کو نہیں پہنچ سکیں گے۔ خدا تعالیٰ نے ایک راہ بتا دی ہے۔ ہلاک ہوگا وہ جو پیروی نہ کرے گا۔ مگر لوگ باوجود سمجھانے کے نہیں سمجھتے اور لاپرواہی کرتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اس راہ کو جس کی ہم ان کو دعوت دیتے ہیں آزمالیں کہ آیا ہم سچ کہتے ہیں یا جھوٹ۔ ہماری طرف سے تو خدا بحث کر رہا ہے اور اس نے ہماری تائید میں آج تک ہزاروں نشان بھی دکھائے۔ کون شخص ہے جس نے ہمارا کوئی نہ کوئی نشان نہ دیکھا ہو ابھی ایک انگریز امریکہ سے ہمارے پاس آیا تھا۔ وہ خود اقرار کر گیا ہے کہ واقعی میں ڈوئی آپ کی پیشگوئی کے عین منشاء کے مطابق مرا مگر وہ تو خود بُرا تھا۔

غرض ایک ڈوئی کیا ہزاروں روشن اور زبردست نشان موجود ہیں۔ خدا تعالیٰ کسی کا محکوم تو ہے نہیں وہ چاہے مُردے زندہ کرے یا زندوں کو مارے۔

غرض دنیا کے کاموں کے واسطے اپنی عمریں، مال، دولت، صحت، وقت آپ لوگ خرچ کرتے ہیں۔ آخر دین کا بھی حق ہے کہ اس کے لیے بھی کوئی وقت، عمر، دولت خرچ کی جاوے آپ ولایت میں ساڑھے تین سال رہے۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ تین کو جانے دیں وہ باقی کی ساڑھ ہی ہمارے پاس رہ جاویں۔ پھر دیکھیں کہ آپ کی معلومات میں کیسا مفید اضافہ ہوتا ہے۔

خاتم النّبیین کے معنی

سوال کیا گیا کہ خاتم النبیین کے کیا معنے ہیں؟

فرمایا:-

اس کے یہ معنے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی صاحبِ شریعت نہیں آوے گا اور یہ کہ کوئی ایسا نبی آپ کے بعد نہیں آسکتا جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مُہر اپنے ساتھ نہ رکھتا ہو۔

رئیس المتصوفین حضرت ابنِ عربی کہتے ہیں کہ نبوت کا بند ہو جانا اور اسلام کا مر جانا ایک ہی بات ہے دیکھو حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں تو عورتوں کو بھی الہام ہوتا تھا چنانچہ خود حضرت موسیٰؑ کی ماں سے بھی خدا تعالیٰ نے کلام کیا ہے۔ وہ دین ہی کیا ہے جس میں کہا جاتا ہے کہ اس کے برکات اور فیوض آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئے ہیں۔ اگر اب بھی خدا اسی طرح سُنتا ہے جس طرح پہلے زمانہ میں سنتا تھا اور اسی طرح سے دیکھتا ہے جس طرح پہلے دیکھتا تھا تو کیا وجہ ہے کہ جب پہلے زمانہ میں سُننے اور دیکھنے کی طرح صفتِ تکلّم بھی موجود تھی تو اب کیوں مفقود ہوگئی؟ اگر

ایسا ہی ہے تو کیا اندیشہ نہیں کہ کسی وقت خدا تعالیٰ کی صفت سُننے کی اور دیکھنے کی بھی معطل ہو جاوے۔ افسوس ایسے بیہودہ خیالات پر۔ خدا تعالیٰ جس طرح سے پہلے تمام انبیاء کے ساتھ بولتا تھا اور کلام کرتا تھا اسی طرح اب بھی بولتا ہے۔ چنانچہ ہم خود اس ثبوت کے واسطے موجود ہیں۔ یقین جانو کہ جس طرح خدا دیکھتا ہے اور سُنتا ہے اسی طرح کلام بھی کرتا ہے بجز اس کے کہ خدا تعالیٰ کے مکالمات اور مخاطبات کو اسلام میں ہمیشہ کے واسطے مانا جاوے اسلام کی زندگی ہی نہیں رہتی اور کبھی عزت ہی نہیں پاسکتا اور اسلام بھی دیگر مذاہب کی طرح ایک بے فیض اور بے برکت مُردہ مذہب رہ جاتا ہے۔

آپ اگر آج اس وقت اس بات کو نہ سمجھو گے تو پھر کسی دوسرے وقت میں سمجھ جاؤ گے۔ اس کے مانے بغیر تو پھر اسلام رہ ہی نہیں سکتا اور آپ کو بھی مانے بغیر چارہ نہیں ہوگا۔ اگر فطرت ہی کسی کی بے پروا ہو تو فطری نقص کو تو کوئی دُور کر نہیں سکتا۔ ورنہ اگر فطرت سلیم ہے تو پھر کبھی نہ کبھی کشاں کشاں ادھر آہی جاوے گا۔

سوال کیا گیا کہ کیا ایک ہی وقت میں کئی نبی ہو سکتے ہیں؟

فرمایا:۔

ہاں۔ خواہ ایک ہی وقت میں ہزار بھی ہو سکتے ہیں مگر چاہیئے ثبوت اور نشانِ صداقت۔ ہم انکار نہیں کرتے۔

کیا یہ آخری صدی ہے؟

سوال کیا گیا کہ کیا یہ آخری صدی ہے؟

فرمایا:۔

اس کا علم خدا تعالیٰ کو ہے۔ وہ قادر ہے کہ ایک زلزلہ سے تمام دُنیا کا خاتمہ کر دے۔ اصل بات یہ ہے کہ آرام اور خوشی کے وقت میں بھی انسان کو ایسے ایسے سوالات سوجھتے ہیں اگر کوئی ذرا سی بھی مشکل آجاوے یا ابھی ایک زلزلہ آجاوے اور مکانات لرزنے لگ جاویں تو اس وقت معاً خیال کر لیں گے کہ قیامت آگئی اور یہی دُنیا کے خاتمہ کا وقت ہے اور سچے دل سے خدا کو مان لیں گے۔ مگر جب امن ہو جاتا ہے تو پھر ایسے ایسے سوالات ہی سوجھا کرتے ہیں۔

فرمایا:۔

میر محمد اسمٰعیل صاحب نے گذشتہ ۴ راپریل ۱۹۰۵ء والے زلزلہ کے متعلق قصہ سنایا کہ ایک شخص دہریہ تھا اور خدا سے منکر تھا مگر جب زلزلہ آیا وہ بھی رام رام کرنے لگ گیا۔ آخر جب وہ وقت جاتا رہا تو اس سے سوال کیا گیا کہ تم خدا کے منکر ہو پھر اس وقت رام رام کیسا تھا؟ شرمندہ سا ہو کر کہنے لگا کہ اصل میں میں نے غلطی ہی کھائی میری عقل ہی ماری گئی تھی۔

غرض خدا تعالیٰ چاہے تو صرف ایک ہی زلزلہ سے ہلاک کر دے۔ خدا تعالیٰ کے آگے کوئی مشکل بات نہیں اب بھی خدا نے ایک زلزلہ کی خبر دی ہوئی ہے۔ آوے گا اور بغتۃً آوے گا۔ ہر شخص اپنے اپنے کام میں بے فکری سے مصروف ہوگا۔ فلسفے بھی آرام کی حالت میں سوجھتے ہیں۔ عذاب نظر آجاوے تو سب کچھ بھول جاتا ہے۔ وہ جو ۴ ؍اپریل والا زلزلہ تھا۔ اس کی بھی ہم نے قبل از وقت خبر دی تھی اور یہ طاعون جس نے دُنیا میں ایک کہرام مچا رکھا ہے۔ اس کی بھی ہم نے قبل از وقت خبر دی تھی۔ کتابوں میں اشتہاروں میں اس بات کو شائع کر دیا تھا۔ کوئی زبانی بات ہی نہیں۔ چنانچہ وہ بعینہٖ بالکل پیشگوئی کے مطابق ظاہر ہوئی اور ابھی خدا نے بس نہیں کی۔ اس نے دُنیا کو متنبہ کرنے کا ارادہ کر لیا ہے اور نہیں چھوڑے گا جب تک طاقتور حملوں سے دنیا کو منوا نہ لے گا۔ ہمارے لیے تو ہر رات نئی ہوتی ہے۔ خدا جانے کیا ہونے والا ہے اور کیا کچھ ہوگا۔ ہمیشہ ترساں ولرزاں اور دُعاؤں میں مصروف رہنا چاہیئے[1]

---

۲ ؍مئی ۱۹۰۸ء

قبل ظہر۔ بمقام لاہور

سچائی کی تلاش کیلئے کوشش کرنا فرض ہے

ایک گریجویٹ صاحب حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی کہ آپ دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ حضور کے اس نور کی شناخت کی توفیق دے تاکہ اس نعمت سے محروم نہ رہ جائیں۔ وغیرہ۔ فرمایا:۔

اگرچہ جو کچھ ہوتا ہے وہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ہی ہوتا ہے مگر کوشش کرنا انسان کا فرض ہے جیسا کہ قرآنِ شریف نے صراحت سے حکم دیا ہے کہ لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (النجم: ۴۰) یعنی انسان جتنی جتنی کوشش کریگا اسی کے مطابق فیوض سے مستفیض ہوسکے گا۔ اور دوسری جگہ فرمایا وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت: ۷۰) جو لوگ خدا میں ہوکر خدا کے پانے کے واسطے تڑپ اور گدازش سے کوشش کرتے ہیں۔ ان کی محنت اور کوشش ضائع نہیں جاتی اور ضرور ان کی راہبری اور ہدایت کی جاتی ہے۔ جو کوئی صدق اور خلوصِ نیت سے خدا کی طرف قدم اُٹھاتا ہے خدا تعالیٰ اس کی طرف راہ نمائی کے

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۳۲ صفحہ ۱ تا ۵ مورخہ ۱۰ ؍مئی ۱۹۰۸ء

واسطے بڑھتا ہے۔ انسان کا فرض ہے کہ تدبّر کرے اور حق طلبی کی سچی تڑپ اور پیاس اپنے اندر پیدا کرے معلومات کے وسیع کرنے کی جو سبیل اللہ تعالیٰ نے بتائی ہے ان پر کاربند ہو۔ خدا بھی بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اس شخص سے جو خدا سے لاپروائی کرتا ہے جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ (آل عمران: ۹۸)
قبولیتِ دُعا کے واسطے بھی کوشش اور صدقِ دل کی سچی تڑپ ہی کی ضرورت ہوتی ہے۔ دیکھو دنیوی امتحانات کے واسطے لوگ کیسی کیسی خطرناک کوششیں کرتے ہیں۔ محنت کرتے کرتے ان کے دماغ پھر جاتے ہیں اور بعض اوقات خطرناک امراض مثل جنون اور سِل دِق وغیرہ پیدا ہو جاتے ہیں اور بصورت ناکامی بعض لوگ تو ایسے صدمات کے نیچے آجاتے ہیں کہ خودکشی تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ غرض ایک چند روزہ اور دنیوی زندگی کے لیے کیسی کیسی سختیاں برداشت کرتے ہیں۔ آخر یہ کامیابیاں کسی قدر ان کی محنتوں ہی کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ اگر ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہیں اور امتحان کی تیاری نہ کریں تو کبھی کسی کو وہم بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کامیاب ہوں مگر جب باوجود سخت محنت اور کوشش کے بھی بعض لوگ ناکام ہو جاتے ہیں تو بالکل نکمے اور ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہنے والوں کا کیا حال؟ مانا کہ کوشش کرنے والے بھی ناکام ہو جاتے ہیں مگر اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہیئے کہ اب آئندہ کوشش ہی نہ کی جاوے۔ یہ بالکل غلط راہ ہے۔ کیا عجب کسی کا شعر ہے ؎

گرچہ وصالش نہ بکوشش دہند
ہر قدر اے دل کہ توانی بکوش

دیکھو ایک کسان کیسی جانکاہی اور محنت سے ایک فصل تیار کرتا ہے مگر بعض اوقات ژالہ باری سے اور بعض اوقات امساکِ باراں کی وجہ سے اس کا فصل ضائع ہو جاتا ہے مگر اس ناکامی پر ایسا اثر نہیں ہوتا کہ پھر آئندہ کے واسطے لوگ زراعت ہی ترک کر دیں۔ ہزاروں ہیں کہ باوجود ان ناکامیوں کے پھر بھی پورے زور سے کوشش کئے جاتے ہیں اور آخر اپنی کوششوں کے ثمرات سے مستفید بھی ہوتے ہیں۔
فیضانِ الٰہی کوشش پر موقوف ہے۔ دیکھو شاعر بھی جب کوشش کرتا ہے اور ٹکریں مارتا ہے تو آخر کوئی نہ کوئی شعر سُوجھ ہی جاتا ہے۔ آپ کے واسطے بھی ضروری ہے کہ سلسلہ کی کتابیں مطالعہ کریں اور غور اور انصاف پسندی سے دیکھیں کہ آیا ان میں حق ہے یا کہ نہیں۔ کسی امر کے متعلق رائے قائم کرنے کے واسطے معلومات کا ہونا ازبس ضروری ہے جس کی معلومات وسیع ہو جاتی ہیں وہ خود موازنہ کر سکتا ہے کہ فریقین میں سے کون حق بجانب ہے۔ اکثر لوگ غرورِ نفس کی وجہ سے اوّل تو ہمارے پاس آنے میں ہی مضائقہ کرتے ہیں اور اگر آتے بھی ہیں تو وہ گھر سے ہی فیصلہ کر کے آتے ہیں۔ اس قسم کے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی گذرے ہیں اور ہمیشہ محروم ہی رہ جایا کرتے ہیں۔ ایمان ان کے نصیب ہوتا ہی نہیں۔ اصل میں ایسے لوگ

دہریہ بے دین اور بے قید ہوتے ہیں۔ جو شخص سچے طور پر پکا مسلمان ہوتا ہے اس پر حق کے پرکھنے کے واسطے بہت بڑی مشکلات پیش نہیں آتیں۔ کیونکہ ایک مسلمان جو حقیقت میں مسلمان ہے اور سُنّت اللہ اور سنّتِ رسُول سے واقف ہے وہ ہمیشہ منہاجِ نبوت کو مدِنظر رکھ کر ہی تحقیق کرے گا۔ ایسے لوگوں کے اعتراضات بہت تھوڑے رہ جاتے ہیں اور اس راستے کا بہت تھوڑا حصہ ان کے واسطے باقی رہ جاتا ہے اور اگر ایسا شخص ہے کہ اُسے خود اسلام کے متعلق ہی شک وشبہات پیدا ہو رہے ہیں اور ابھی اس نے اسلام کی صداقت کا ہی فیصلہ نہیں کیا تو پھر ایسے لوگوں کے واسطے سلامتی کی کوئی راہ نہیں اور یہی ہیں کہ آخر وہ ہلاک ہوجاتے ہیں ایسے لوگ دراصل رُوحانی امور کے دشمن ہوتے ہیں۔ ان میں ایک قسم کا کبر اور غرور ہوتا ہے۔ وہ لوگ اِتّباع کو عار سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ نئی روشنی میں بھی ہلاک ہوگئے مگر خدا کے آسمانی نُور کو قبول نہ کیا۔

خدا تعالیٰ کا ہمیشہ سے یہ قانون چلا آتا ہے کہ جب دُنیا فسق و فجور اور گناہ سے پُر ہوجاتی ہے اور ہر قسم کے مفاسد دُنیا میں پھیل جاتے ہیں تو خدا تعالیٰ اپنی طرف سے ایک رُوحانی سلسلہ قائم کرکے زمانہ کی اصلاح کرتا ہے مگر وہ جو کہتا ہے کہ مجھے اس کی کیا ضرورت ہے گویا وہ خدا کے قانون کو بدلنا چاہتا ہے۔ ایسے لوگوں سے تو یہ بھی خوف ہے کہ ایک دن اسلام سے بھی انکار کردیں اور یہانتک کہ خود خدا کی ہستی کی بھی ضرورت محسوس نہ کریں یہ بڑی خطرناک راہ ہے کیونکہ جو حقیقی اور سچی راہ شناختِ اسلام اور وجودِ باری تعالیٰ پر دلیل تھی ان لوگوں نے اسی سے روگردانی کرلی ہے۔ اکثر ان میں ایسے پائے جاتے ہیں کہ معلوماتِ وسیع کا دعویٰ کرتے ہیں مگر جاہل بلکہ اجہل ہوتے ہیں۔ دین اور علومِ دینی سے ان کو مَس بھی نہیں ہوتا۔ فائدہ وہ لوگ اُٹھاتے ہیں جو خالی النفس ہوتے ہیں۔ دین اور خدا تعالیٰ کی راہ میں سچی پیاس، نرمی اور صبر سے کام کرتے ہیں۔ روشنی کی ضرورت اس شخص کو ہوتی ہے جو ظلمت میں ہو۔ جس کے پاس پہلے ہی روشنی ہے وہ روشنی کا کیسے محتاج ہوسکتا ہے۔ جو برتن پہلے ہی پُر ہے اس میں اور کیا داخل ہوسکتا ہے۔ ہمیشہ خالی برتن میں کچھ بھرا جاتا ہے۔ عُمر کا اعتبار نہیں۔ زمانہ بڑا خطرناک ہے۔ بہت جلدی اس طرف توجہ کرنی چاہیئے۔

طاعُون میں کمی خوشی کا مقام نہیں

طاعُون کے ذکر پر فرمایا کہ:۔

اس سال طاعُون کسی قدر کم ہے۔ یہ کوئی خوشی کا مقام نہیں کیونکہ لوگوں نے طاعُون سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا۔ جس غرض کے واسطے یہ آیا تھا وہ غرض ابھی پوری نہیں ہوئی۔ اصل میں طاعُون نام ہے موت کا۔ لغت میں وہ خطرناک عوارض جن کا انجام موت ہوتا ہے اس کا نام طاعُون ہی رکھا ہے اور یہ لفظ لغت کی رو سے بڑا وسیع ہے۔ ممکن ہے کہ اب کسی اور رنگ میں نمودار

ہو جاوے یا اسی رنگ میں آئندہ اور بھی زور سے پھوٹ نکلے۔ اللہ تعالیٰ کے کلام میں بھی اَفْطِرُ وَ اَصُوْمُ کا لفظ ہے۔ یعنی ایک وہ وقت ہے جس طرح افطار میں کھانا پینا جائز ہوتا ہے۔ اسی طرح طاعون لوگوں کو کھاتا جاوے گا اور ایک وقت ایسا بھی ہوگا کہ صوم کی طرح امن ہو جاوے گا۔ اِنِّیْ مَعَ الرَّسُوْلِ اَقُوْمُ۔ اَفْطِرُ وَ اَصُوْمُ وَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ اِلَی الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ۔

لوگ امن اور آرام کے واسطے جلدی ایک بات بنا لیا کرتے ہیں۔ اجی ایک بیماری تھی سو چلی گئی۔ کیسا نشان اور کیسی تنبیہ! غرض اس طرح کے خیالات سے اپنی تسلی کر لیتے ہیں۔ اصل میں طاعون بڑا وسیع لفظ ہے۔ اَلطَّاعُوْنُ اَلْمَوْتُ کل امراض دَوری کا نام۔ یہ چیچک ہے۔ ذات الجنب ہے۔ تپ۔ گلٹیاں۔ قے۔ سکتہ۔ اس قسم کی کل امراض اس میں داخل ہیں یہ لفظ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ صحابہؓ کے وقت میں بھی ایک قسم کا طاعون پھوٹا تھا مگر وہ بہت باریک ایک دانہ کی طرح ایک پھنسی ہوتی تھی جو کہ ہتھیلی میں نکلتی تھی۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ غشی اور نیند کی حالت میں اور بعض ہنستے ہنستے ہی اس دُنیا سے چل گذرتے ہیں۔ بعض کو خون کے جلاب لگ جاتے ہیں بعض کا کسی کو علم بھی نہیں ہوتا کہ ہوا کیا؟ دسؔ آدمی تھے رات اچھے بھلے سوئے مگر صبح ہوتے ہی ان میں سے ایک بھی زندہ نہ اُٹھا۔ غرض اس قسم کے کئی واقعات ہیں کہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مرض کا کسی کو پتہ نہیں لگا اور اس کے کئی رنگ ہیں۔

اصل میں یہ وقفہ بھی شامتِ اعمال کی وجہ سے مفید نہیں بلکہ بہت ہی خطرناک ہے کیونکہ لوگ اب دلیر ہو جاویں گے اور جرأت سے ارتکابِ جرائم کریں گے اور اس وقفے سے یہ نتیجہ نکال لیں گے کہ اجی صاحب! ایک بیماری تھی گذر گئی۔ نہ کوئی نشان ہے کسی کا اور نہ عذاب۔ غرض یہ خوشی کا مقام نہیں بلکہ جائے خوف ہے۔ ایک ایسے وقت میں جبکہ طاعون کی وجہ سے ایک قہرِ الٰہی ٹوٹ پڑا تھا دُنیا پر ایسے وقت میں یہ الہام ہوا تھا کہ اَفْطِرُ وَ اَصُوْمُ یعنی ایک استعارہ تھا کہ کبھی یہ مرض زور پکڑ جاوے گا اور کبھی اس میں وقفہ بھی آجاوے گا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (الرعد: ۱۲) خدا تعالیٰ نہیں چھوڑے گا اور ہرگز نہیں چھوڑے گا جب تک لوگ اپنے اخلاق، اعمال اور خیالات میں ایک تبدیلی پیدا نہ کریں۔

اصل میں ان لوگوں کو یہ امر بھی گراں گذرتا ہے کہ خدا کی طرف کوئی امر منسوب کیا جاوے بلکہ یہ تو کہتے ہیں کہ اتفاقی طور سے ہو گئی۔ خدا کا اس میں کیا دخل و تصرف ہے۔ اب ہمیں تو اس بات کا فکر ہے کہ اب لوگ خواہ نخواہ یہ رائے قائم کریں گے اور پھر اس رائے کو صحیح یقین کریں گے کہ ایک اتفاقی مرض تھا سو جاتا رہا، اب امن و امان ہو گیا۔ غرض اس طرح سے اطمینان اور تسلی کر کے خدا سے منہ پھیریں گے اور بے باکی اور جرأت میں ترقی کر جاویں گے۔ دلوں میں سے اللہ تعالیٰ کی عظمت ہی اُٹھ چکی ہے۔ دنیا کے حکام کی اور اپنی اغراض کی

جس قدر عظمت اور تڑپ ان کے دلوں میں ہوتی ہے خدا اور اس کے رسول اور ان کی رضا کی اتنی بھی تڑپ اور عظمت باقی نہیں رہی۔ طاعون کا عالمگیر اور قہری نشان بھی ان کے واسطے مفید نہ ہوا۔ زلزلے بھی خدا کے وعدے کے عین مطابق آگئے اور شہروں کے شہر جو کسی وقت بڑے آباد تھے ویران ہوگئے۔ مگر دُنیا نے تبدیلی پیدا نہ کی۔ چند روز ہوئے الہام ہوا۔ زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ یہ بھی ایک مخفی اور خوفناک بات پر استدلال کرتا ہے۔ خواہ ظاہری ہو خواہ اندرونی۔ کیونکہ زلزلہ کا لفظ ظاہر معنوں کے سوا دوسرے معنوں پر بھی بولا گیا ہے جیسا کہ قرآنِ شریف سے معلوم ہوتا ہے۔ زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِیْدًا (الاحزاب: ۱۲) اب جتنے نشان بھی خدا تعالیٰ نے ظاہر کئے ہیں ان سب کا ان پر اُلٹا اثر پڑے گا اور سب کو یہ طاعون کی طرح اتفاقی سمجھ کر سخت دل ہو جاویں گے۔ فرعون والا حال ہے۔ وہ بھی جب ایک عذاب میں افاقہ ہوتا تھا تو اسے عارضی اور اتفاقی جان کر اور بھی سخت دل ہو جاتا تھا۔ آخر کار پھر غرق ہوتے وقت کہا میں بھی اس پر ایمان لایا جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے۔ خدا کا نام پھر بھی نہ لیا۔ یہی حال اس وقت اس قوم کا ہے۔ طاعون تھا سو وہ کسی قدر کم ہو ہی گیا ہے قحط بھی اب چنداں زور پر نہیں اور صورت امن کی نظر آنے لگ گئی ہے اب مطمئن ہو جاویں گے اور بےخوف ہو کر جرأت اور دلیری سے ارتکابِ معاصی اور جرائم میں آگے سے بھی سخت دل ہو کر ترقی کر جاویں گے۔ اور توبہ اور استغفار اور توجہ الی اللہ اور تبدیلی کی فکر دلوں میں پیدا نہ ہوگی۔ مگر خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔

بعد نماز عصر

صفاتِ حسنہ اور اخلاقِ فاضلہ کے دو حصے حقوق اللہ اور حقوق العباد

(جناب شاہزادہ محمد ابراہیم خاں صاحب کی ملاقات کے وقت حضرت اقدس (علیہ السلام) نے بزبانِ فارسی تقریر فرمائی)

فرمایا:۔

دُنیا میں اس زمانہ میں نفاق بہت بڑھ گیا ہے۔ بہت کم ہیں جو اخلاص رکھتے ہیں۔ اخلاص اور محبت شعبۂ ایمان ہے۔ آپ کو خدا آپ کی محبت اور اخلاص کا اجر دے اور تقویت عطا کرے۔ اخلاقِ فاضلہ اسی کا نام ہے بغیر کسی عوض معاوضہ کے خیال سے نوعِ انسان سے نیکی کی جاوے۔ اسی کا نام انسانیت ہے۔ ادنیٰ صفت انسان کی یہ ہے کہ بدی کا مقابلہ کرنے یا بدی سے درگذر کرنے کی بجائے بدی کرنے والے کے ساتھ نیکی کی جاوے یہ صفت انبیاء کی ہے اور پھر انبیاء کی صحبت میں رہنے والے لوگوں کی ہے اور اس کا اکمل نمونہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ خدا تعالیٰ ہرگز ضائع نہیں کرتا ان دلوں کو کہ ان میں ہمدردی بنی نوع ہوتی ہے۔

صفاتِ حسنہ اور اخلاق فاضلہ کے دو ہی حصے ہیں اور وہی قرآن شریف کی پاک تعلیم کا خلاصہ اور لُب لباب ہیں۔ اوّل یہ کہ حق اللہ کے ادا کرنے میں عبادت کرنا فسق و فجور سے بچنا اور کل محرماتِ الٰہی سے پرہیز کرنا اور اوامر کی تعمیل میں کمربستہ رہنا۔ دوم یہ کہ حق العباد ادا کرنے میں کوتاہی نہ کرے اور بنی نوعِ انسان سے نیکی کرے۔ بنی نوع انسان کے حقوق بجا نہ لانے والے لوگ خواہ حق اللہ کو ادا کرتے ہی ہوں بڑے خطرے میں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ تو ستار ہے، غفار ہے۔ رحیم ہے اور حلیم ہے اور معاف کرنے والا ہے۔ اس کی عادت ہے کہ اکثر معاف کر دیتا ہے مگر بندہ (انسان) کچھ ایسا واقع ہوا ہے کہ کبھی کسی کو کم ہی معاف کرتا ہے۔ پس اگر انسان اپنے حقوق معاف نہ کرے تو پھر وہ شخص جس نے انسانی حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کی ہو یا ظلم کیا ہو خواہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجاآوری میں کوشاں ہی ہو۔ اور نماز، روزہ وغیرہ احکامِ شرعیہ کی پابندی کرتا ہی ہو۔ مگر حق العباد کی پروا نہ کرنے کی وجہ سے اس کے اور اعمال بھی حبط ہونے کا اندیشہ ہے۔

غرض مومن حقیقی وہی ہے جو حق اللہ اور حق العباد دونو کو پورے التزام اور احتیاط سے بجالاوے۔ جو دونو پہلوؤں کو پوری طرح سے مدِ نظر رکھ کر اعمال بجالاتا ہے وہی ہے کہ پورے قرآن پر عمل کرتا ہے ورنہ نصف قرآن پر ایمان لاتا ہے۔ مگر یہ ہر دو قسم کے اعمال انسانی طاقت میں نہیں کہ بزورِ بازو اور اپنی طاقت سے بجالانے پر قادر ہو سکے۔ انسان نفسِ امّارہ کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کا فضل اور توفیق اس کے شاملِ حال نہ ہو کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ لہٰذا انسان کو چاہیئے کہ دُعائیں کرتا رہے تاکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اُسے نیکی پر قدرت دی جاوے اور نفسِ امّارہ کی قیدوں سے رہائی عطا کی جاوے۔ یہ انسان کا سخت دشمن ہے۔ اگر نفسِ امّارہ نہ ہوتا تو شیطان بھی نہ ہوتا۔ یہ انسان کا اندرونی دشمن اور مارِ آستین ہے اور شیطان بیرونی دشمن ہے۔ قاعدہ کی بات ہے کہ جب چور کسی کے مکان میں نقب زنی کرتا ہے تو کسی گھر کے بھیدی اور واقف کار سے پہلے سازش کرنی ضروری ہوتی ہے۔ بیرونی چور بجز اندرونی بھیدی کی سازش کے کچھ کر ہی نہیں سکتا۔ پس یہی وجہ ہے کہ شیطان بیرونی دشمن، نفسِ امّارہ اندرونی دشمن، اور گھر کے بھیدی سے سازش کر کے ہی انسان کے متاعِ ایمان میں نقب زنی کرتا ہے اور نورِ ایمان کو غارت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِيْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ (یوسف: ۵۴) یعنی میں اپنے نفس کو بَری نہیں ٹھہراتا اور اس کی طرف سے مطمئن نہیں کہ نفس پاک ہو گیا ہے بلکہ یہ تو شریر الحکومت ہے۔

٭ ٭ ٭

مدارِ نجات تزکیۂ نفس پر موقوف ہے

تزکیۂ نفس بڑا مشکل مرحلہ ہے اور مدارِ نجات تزکیۂ نفس پر موقوف ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا (الشمس ۱۰) اور تزکیہ نفس بجز فضلِ خدا میسر نہیں آسکتا۔ یہ خدا تعالیٰ کا اٹل قانون ہے لَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰہِ تَبْدِیْلًا (الفتح : ۲۴) اور اس کا قانون جو جذبِ فضل کے واسطے ہمیشہ سے مقرر ہے وہ یہی ہے کہ اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جاوے۔ مگر دُنیا میں ہزاروں ایسے موجود ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم بھی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہتے ہیں۔ نیک اعمال بجالاتے ہیں۔ اعمالِ بد سے پرہیز کرتے ہیں۔ اصل میں ان کا مدعا یہ ہوتا ہے کہ ان کو اتباعِ رسول کی ضرورت نہیں مگر یاد رکھو یہ بڑی غلطی ہے اور یہ بھی شیطان کا ایک بڑا دھوکہ ہے کہ ایسا خیال لوگوں کے دلوں میں پیدا کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے خود اپنے کلام پاک میں تزکیہ اور محبت الٰہی کو مشروط باتباعِ رسول رکھا ہے تو کون ہے کہ وہ دعویٰ کر سکے کہ میں خود بخود ہی اپنی طاقت سے پاک ہو سکتا ہوں۔ سچا یقین اور کامل معرفت سے پُر ایمان ہرگز ہرگز میسر ہی نہیں آسکتا جب تک انبیاء کی سچی فرماں برداری اور محبت اختیار نہ کی جاوے گناہ سوز ایمان اور خدا کو دکھا دینے والا یقین بجز اقتداری اور غیب پر مشتمل زبردست پیشگوئیوں کے جو انسانی طاقت اور وہم و گمان سے بالاتر ہوں۔ ہرگز ہرگز میسر نہیں آسکتا۔ دُنیا اپنے کاروبارِ دنیوی میں بھی استغراق اور انہماک سے مصروف ہوتی اور جیسی جیسی جانکاہ اور خطرناک شکل سے مشکل کوششیں اپنی دنیا کے واسطے کرتی ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کی طرف بھی اسی طرح کی کوشش سے قدم اُٹھاویں اور اس وقت جو ایک آسمانی سلسلہ خدا تعالیٰ نے اس غرض کے لیے مقرر فرمایا ہے۔ اس کی طرف متوجہ ہوں تو ہم یقین سے کہتے ہیں کہ ضرور اللہ تعالیٰ ان کے واسطے رحمت کے نشان دکھانے پر قادر ہے۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ لوگ اس پہلو سے لاپرواہیں ورنہ دینی امور اور اعمال کیا مشکل ہیں۔ نمازیں کوئی مشکل نہیں۔ پانی موجود ہے۔ زمین سجدہ کرنے کے واسطے موجود ہے۔ اگر ضرورت ہے تو ایک فرماں بردار اور پاک دل کی جس کو محبتِ الٰہی کی سچی تڑپ ہو۔ دیکھو اگر ساری نمازوں کو جمع کیا جاوے اور ان کے وقت کا اندازہ کیا جاوے تو شاید ایک گھڑی بھر میں ساری پوری ہو سکیں آخر پاخانہ بھی جاتے ہیں۔ اگر اتنی ہی قدر نماز کی ان لوگوں کے دلوں میں ہو تو بھی یہ نماز کو ادا کر سکتے ہیں۔ مگر افسوس اسلام اس وقت بہت خطرے میں ہے اور مسلمان درحقیقت نورِ ایمان سے بے نصیب ہیں۔ اگر کسی کو ایک مہلک مرض لگ جاوے تو کیسا فکر لگ جاتا ہے مگر اس رُوحانی جذام کی کسی کو بھی پروا نہیں جس کا انجام جہنم ہے۔

ماموریں کیساتھ دُنیا کا سلوک

اصل میں ہمارے پاس آنا خدا کے حضور جانا ہے اور ہماری عزت درحقیقت خدا اور رسُول کے کلام کی عزت ہے

متواتر چھبیس[۲۶] سال ہوئے ہیں کہ اس نے ہمیں مامور کیا۔ مجدد بنایا اور اصلاحِ مفاسدِ زمانہ کی غرض سے دُنیا میں بھیجا۔ اور پھر یہی نہیں کہ صرف ہمارا زبانی دعویٰ ہو بلکہ اس نے ساتھ ہی ساتھ اپنے ہزاروں زبردست نشان بھی دیئے۔ منہاجِ نبوت پر بھیجا۔ مگر لوگوں نے پروا نہ کی بلکہ اُلٹا کافر کہا۔ اکفر کہا۔ دجّال کہا۔ کذّاب کہا۔ حالانکہ جس خدا نے مجھے بھیجا اُس نے مجھے میری صداقت کے لیے نشان بھی ظاہر کئے۔ ایک نہیں۔ دو نہیں بلکہ ہزاروں نشان۔ دنیوی عدالتوں میں خواہ کتنا ہی سخت سے سخت مقدمہ ہو مگر دو تین گواہ گذرنے پر سزائے موت تک بھی دی جاتی ہے مگر یہاں تو ہزاروں لوگ ہیں جو ہمارے ان نشانات کے گواہ ہیں مشرق سے مغرب تک کوئی جگہ نہیں جہاں ہمارے نشانوں کی گواہی موجود نہ ہو مگر باایں ہمہ ان لوگوں نے پروا نہیں کی۔

گورنمنٹ کا ادنیٰ چپڑاسی وصولی لگان کے واسطے آجاوے کوئی اس کا مقابلہ نہیں کرتا اور اگر کرے تو گورنمنٹ کا باغی ٹھہرتا ہے اور سزا پاتا ہے مگر خدائی گورنمنٹ کی لوگ پروا نہیں کرتے خدا تعالیٰ سے آنے والے لاریب غربت کے لباس میں ہوتے ہیں۔ لوگ ان کو حقارت اور تمسخر سے دیکھتے ہیں ہنسی ٹھٹھا کرتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (یٰسٓ: ۳۱) اللہ تعالیٰ سچا ہے وہ جھوٹ نہیں کہتا۔ وہ فرماتا ہے کہ آدم سے لے کر اخیر تک جتنے بھی نبی آئے ہیں ان تمام سے ہنسی ٹھٹھا کیا گیا ہے مگر جب وقت گذر جاتا ہے پھر لگتے ہیں تعریفیں کرنے۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ پر بھی قریباً دو سو علماءِ وقت نے کُفر کا فتویٰ لگایا تھا۔ ابن جوزی جو محدثِ وقت تھا اس نے ایک کتاب لکھی اور تلبیس ابلیس اس کا نام رکھا اور بہت کچھ تلخ اور نازیبا الفاظ ان کے حق میں استعمال کئے۔ مگر ان کے دو سو برس بعد ان کو کیسا کامل اور پاکباز صادق انسان مانا گیا اور کیسی قبولیت ہوئی۔ دُنیا جانتی ہے۔ یہ صرف انہی پر نہیں بلکہ تمام اولیاء کے ساتھ یہی سلوک ہوتا چلا آیا ہے۔

غرض اسی منہاج پر مجھے بھی تمام پنجاب اور ہندوستان کے علماء نے کافر، دجّال، فاسق، فاجر وغیرہ کے خطاب دیئے ہیں اور کہتے ہیں کہ نعوذ باللہ میں انبیاء کو گالیاں دیتا ہوں۔ حالانکہ میں ان تمام انبیاء کی عزت کرتا ہوں اور ان کی عظمت اور صداقت ظاہر کرنے کے واسطے ہی میری بعثت ہوئی ہے یقین جانو کہ اگر میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوں اور میں ہی جھوٹا ہوں تو پھر تمام انبیاء میں سے کسی کی نبوت کو کوئی ثابت نہیں کر سکتا۔ اگر حضرت عیسیٰؑ کی وفات کا ذکر کرنا گالیاں دینا ہے تو پھر سب سے پہلے جس نے حضرت عیسیٰؑ کو گالی دی وہ خدا ہے۔

مُصلح کی ضرورت

میرا مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ سے ایسا چلا آیا ہے کہ جب دُنیا میں حق اللہ اور حق العباد کی پروا دلوں سے اُٹھ جاتی ہے اور ظلم اور تعدی انسانوں

کا شیوہ ہوجاتا ہے اور لوگ اپنے خالق اور معبودِ حقیقی سے منہ پھیر کر سینکڑوں بُت اپنے واسطے تجویز کر لیتے ہیں اور انبیاء کی تعلیم لوگ بھول جاتے ہیں۔ ایسے خطرناک وقت میں اللہ تعالیٰ ایک رُوحانی سلسلہ پیدا کر کے ان سب مفاسد کی اصلاح کرتا ہے۔ آج بھی اگر کسی انسان میں فراست موجود ہے تو دیکھ سکتا ہے کہ کیا اسلام کی حالت اس خطرناک حالت تک پہنچی ہے یا کہ نہیں جس وقت خدا تعالیٰ اس کی خبر گیری کرے۔ زمانہ خود پکار پکار کر زبانِ حال سے کہہ رہا ہے کہ مصلح کی ضرورت ہے۔

مسلمان حکمرانوں کی حالت

مسلمانوں کی حالت ناگفتہ بہ ہے معمولی مسلمان تو کسی شمار میں ہی نہیں۔ جو لوگ بادشاہ کہلاتے ہیں اور خلیفۃ المسلمین امیر المومنین ہیں۔ خود ان کا حال ایسا ہے کہ باوجود بادشاہ ہونے کے ان کو اتنی جرأت نہیں کہ ان کی سلطنت میں کوئی شخص جرأت اور آزادی سے اظہارِ حق بھی کر سکے۔ سلطانِ روم کی سلطنت میں کوئی چار سطر بھی مذہب عیسوی کے خلاف نہیں لکھ سکتا۔ شاید یہ خیال ہوگا کہ تمام عیسائی سلطنتیں ناراض ہو کر سلطنت چھین لیں گی۔ مگر خدا کی سلطنت کا ذرہ بھی خیال نہیں اور نہ ہی خدا تعالیٰ کی طاقت پر پورا بھروسہ ہے۔ خود داری بھی ایک حد تک اچھی ہوتی ہے۔ مگر جہاں ایمان جاتا ہے وہاں ایسی باتوں کا کیا خیال۔ حالانکہ ہمارا تجربہ بتلاتا ہے کہ گورنمنٹ کو مذہب سے تعلق ہی کوئی نہیں۔ دیکھو ہم نے عیسائیوں کے خلاف کتنی کتابیں لکھی ہیں اور کس طرح کے زور سے ان کے عقائدِ باطلہ کا رد کیا ہے مگر گورنمنٹ میں یہ بڑی بھاری خوبی ہے کہ کوئی ناراضگی کا اظہار نہیں کیا گیا۔ اصل وجہ اپنی ہی کمزوری ہوتی ہے ورنہ گورنمنٹ دین کے معاملات میں کبھی بھی دست اندازی نہیں کرتی۔ دیکھو ہمارے اس مقدمہ کی طرف ہی غور کر کے دیکھ لو کہ کس دیانت داری اور انصاف سے اس کا فیصلہ کیا گیا۔ امرتسر سے چالیس ہزار روپیہ کی ضمانت پر وارنٹ نکالا گیا۔ مگر خدا کی قدرت وہ کتاب ہی میں پڑا رہ گیا اور بعد میں اس حاکم کو معلوم ہوا کہ وہ ایسا کرنے کا مجاز بھی نہ تھا مگر خدا کا تصرف جو ہمیشہ اپنے فرستادوں کے واسطے رنگارنگ طرزوں میں ظاہر ہوا کرتا ہے اس نے اس خطرناک وقت میں بھی ہماری نصرت کی۔ پھر مقدمہ تبدیل ہو کر معاً گورداسپور کے ڈپٹی کمشنر کی عدالت میں آ گیا جس نے کوئی وارنٹ نہ نکالا اور ہمیں بلوا کر بڑے احترام اور عزت سے ہمارے ساتھ سلوک کرتا رہا۔

ہماری غرض اس امر کے اظہار سے صرف یہی ہے کہ اوّل تو گورنمنٹ پر مذہبی معاملات کی وجہ سے مخالف ہو یا موافق کوئی اثر نہیں پڑتا اور وہ کیا جاتا ہے جو انصاف اور دیانت کا تقاضا ہو۔ دوسرے یہ کہ خدا تعالیٰ کا تعلق ایک ایسی چیز ہے کہ جس سے ہر مشکل کے وقت اسے تسلی اور ہر بلا سے نجات عطا کی جاتی ہے جو خدا کا ہو جاتا ہے۔ خدا بھی پھر ہر بات میں اس کا پاس کرتا ہے۔ ایسے لوگ مومن کہلانے کے مستحق نہیں ہیں جو دنیا کے خطرات اور

تفکرات میں ہی غرق ہوں اور خدا کا خانہ بالکل خالی پڑا رہے۔ مومن وہ کہلاتا ہے کہ ہلاکت کے قریب بھی پہنچ جاوے مگر خدا کو نہ چھوڑے۔ ایمان کا یہ ایک نشان ہے کہ آخر تک کل امور اسی کے ہاتھ میں یقین کرے اور ناامید نہ ہو۔

بادشاہ اور خلیفۃ المسلمین اور امیرالمومنین کہلا کر بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے بے پروائی اچھی بات نہیں۔ مخلوق سے اتنا ڈرنا کہ گویا خدا کو قادر ہی نہیں سمجھتا یہ ایک قسم کی سخت کمزوری ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ خادم الحرمین ہیں مگر ہم کہتے ہیں کہ حرمین اس کے محافظ ہیں۔ حرمین کی برکت اور طفیل ہے کہ اب تک وہ بچا ہوا ہے۔ جو مذہبی آزادی اس ملک میں ہمیں نصیب ہے وہ مسلمان ممالک میں خود مسلمانوں کو بھی نصیب نہیں۔ دیکھو کس آزادی سے ہم کام کر رہے ہیں اور پھر کیا اثر ہماری تالیفات کا ملک پر ہوا ہے۔ قادیان میں ہمیشہ پادری لوگ آیا کرتے تھے۔ ان کے خیمے ہمیشہ قادیان کے باہر کی طرف نصب کئے جاتے تھے اور پھر کر اپنا وعظ کیا کرتے تھے۔ مگر اب عرصہ پندرہ برس کا ہوتا ہے کہ کبھی کسی پادری کی شکل بھی نظر نہیں آئی۔ ہمیشہ کہا کرتے تھے اور مسلمانوں کو دعویٰ سے بلایا کرتے تھے کہ کوئی ان سے مباحثہ کرے اور کہتے تھے کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بھی معجزہ ظاہر نہیں ہوا۔ ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ زندہ نبی کے مضمون پر بحث کی جاوے۔ مگر اب یہ معاملہ ہے کہ ہم بلاتے ہیں۔ انعام دیتے ہیں مگر کوئی ادھر آتا ہی نہیں گویا وہ پہلو ہی بدل دیا ہے۔ ہم جہاں تک کوئی طریق اتمامِ حجت کا ہو سکتا ہے کرنے کو ہر وقت تیار ہیں۔

اسلام پر بیرونی حملے

وہ وقت بھی آپ کو یاد ہوگا کہ کہا کرتے تھے کہ قرآن میں ایک بھی معجزہ نہیں ہے۔ غُلِبَتِ الرُّوۡمُ (الروم: ۳) والی پیشگوئی محض ایک اٹکل تھی۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (نعوذ باللہ) دونو طاقتوں کا مقابلہ کرنے سے کردی تھی۔ نوبت یہاں تک تھی۔

پھر ایک اور خطرناک دھبہ ہمیشہ سے اسلام کے پاک اور نورانی چہرہ پر لگاتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ غرضکہ طرح طرح کے الزامات اور بے جا اعتراضات کا ایسا طوفان بے تمیزی برپا کر رکھا تھا کہ ان کی کتابوں اور رسائل کو جو انہوں نے اسلام کے برخلاف اس نصف صدی میں لکھی ہیں جمع کیا جاوے تو میرے خیال میں ایک پہاڑ بنتا ہے۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ اتنے حملے نہ کبھی کسی نبی پہ کئے گئے اور نہ اتنی گندہ دہانی کسی نبی کے مقابل پر کی گئی اور جب سے دنیا پیدا ہوئی نہ کسی کو اتنی گالیاں دی گئیں اور نہ کسی نبی کی اتنی ہتک کی گئی۔

آریوں کو دیکھو ان کی کتابوں میں تو اتنا گند بھرا پڑا ہے کہ کوئی باغیرت مسلمان میں سمجھتا ہوں کہ ان کتابوں کی ایک سطر بھی پڑھ نہیں سکتا خصوصاً اگر لیکھرام کی کتابوں کو دیکھا جاوے اصل میں یہ لوگ اسلام کو ایک ذلیل اور

جُھوٹا مذہب دکھانا چاہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کا دُنیا سے بالکل استیصال ہو جاوے۔

اسلام کے اندرونی دشمن

غرض یہ تو بیرونی دشمنوں کا حال ہے۔ خود گھر کا حال اس سے بدتر ہے اور اندرونی دشمن دوستی کے مدعی بن کر اس سے بھی زیادہ نقصان اور مضرت کا باعث ہو رہے ہیں۔ علماء جو دین کے ستون اور نجات کا باعث سمجھے جاتے تھے ان کا یہ حال ہے کہ جب خدا تعالیٰ نے عین سنتِ قدیمہ کے مطابق محض حق و حکمت سے عین ضرورت کے وقت ان مفاسد کی اصلاح اور انسداد کے واسطے ایک آسمانی سلسلہ قائم کیا اور اس کے منجانب اللہ ہونے کی صداقت کے واسطے ہزاروں اقتداری نشانات ظاہر فرمائے ہیں۔ یہ لوگ جن کا بوجہ اس کے کہ دین کے ستون اور قرآن اور حدیث کے علوم سے واقف و آگاہ ہونے کے زیادہ مستحق اس بات کے تھے کہ اس سلسلہ کی تائید کرتے، اُلٹے دشمن اور استیصال چاہنے والے بن گئے اور طرح طرح کے منصوبوں سے اس خدائی نُور کے بُجھا دینے کی کوشش میں معروف ہو گئے اور ان کی علمی حالت ایسی ناگفتہ بہ ہے کہ حافظ شیرازی کا یہ شعر ؎

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر مے کنند
چوں بخلوت مے روند آں کارِ دیگر مے کنند

شاید انہی علماء کے واسطے لکھا گیا تھا۔

پھر ان سے دوسرے طبقہ کے لوگ جو امراء ہیں ان کا جو حال ہے وہ بھی اَظہر من الشمس ہے وہ تو دین سے بے تعلق ہیں۔ ان کو اپنے عیش و عشرت سے ہی فرصت نصیب نہیں۔ اگر فرصت نصیب ہو گی تو شطرنج کھیلنے میں گذار دیں گے۔

پھر اگر تیسرے طبقہ کی طرف نگاہ اُٹھا کر دیکھا جاوے جو کہ عوام ہیں تو اَور بھی اسلام کی غربت اور نازک حالت پر رحم آتا ہے۔ جیلخانوں میں مسلمان بھرے پڑے ہیں۔ شراب خانوں میں مسلمان خراب ہو رہے ہیں۔ طوائف کے رنگ میں مسلمان کہلانے والے ہی بدحال ہیں۔ غرض ہر فسق و فجور اور معاصی اور گناہ کی مجلس میں غور سے دیکھو تو مسلمانوں کا نمبر بڑھا ہوا ہے۔ جھوٹی گواہیاں دینا بھی مسلمانوں بلکہ خصوصاً نام کے مولویوں کا پیشہ ہی ہو گیا ہے پھر بایں ہمہ ہم پر کفر کے فتوے لگائے جاتے ہیں اور طرح طرح کے الزام لگاتے ہیں۔

ہماری یہ خواہش ہے اور ہمیں اس بات کا اشتیاق ہے کہ صاحب اثر مسلمانوں کی ایک جماعت اس معاملہ کی تحقیقات تو کرے کہ آیا ہم پر جو الزامات لگائے جاتے ہیں وہ سچے ہیں؟ کیا یہ سچ ہے کہ ہم نے قرآن اور رسول کو چھوڑ دیا ہے؟ اور نعوذ باللہ کوئی نیا دین بنالیا ہے؟ کیا یہ سچ ہے کہ ہم انبیاء کو گالیاں دیتے ہیں؟

☆ ☆ ☆

تحریری اور زبانی تبلیغ کا موازنہ

شاہزادہ صاحب موصوف نے سوال کیا کہ آپ بجائے اس کے کہ قادیان میں ہمیشہ قیام رکھیں دورہ کرکے پنجاب اور ہندوستان کے مختلف شہروں میں اگر پھر کر وعظ و تبلیغ کا کام کریں تو زیادہ مفید ہوگا۔

فرمایا کہ:۔

اصل بات یہ ہے کہ تبلیغ کے وسائل ہر زمانہ میں مناسب وقت اور مناسب حال الگ الگ ہوتے ہیں۔ اس زمانہ کی آزادی اگرچہ عمدہ چیز ہے مگر ساتھ ہی اس میں بعض نقائص بھی ہیں آپ نے جو طریق فرمایا ہے مَیں نے اس طریق تبلیغ کو بھی استعمال کیا ہے اور بعض مقامات میں اس غرض کے لیے سفر بھی کئے ہیں۔ مگر اس میں تجربہ نے دیکھا ہے کہ اصل مقصد کما حقہٗ حاصل نہیں ہو سکتا۔ دورانِ تقریر میں بعض لوگ بول اُٹھتے ہیں۔ دو چار گالیاں بھی سُنا دیتے ہیں اور شور و غوغا کرکے بدنظمی کا باعث ہو جاتے ہیں۔ اس لاہور میں ہی ایک دفعہ حالانکہ خود ہمارا اپنا مکان تھا اور پولیس وغیرہ کا بھی انتظام تھا۔ مگر ایک شخص دوران تقریر میں عین بھری مجلس میں کھڑا ہوا اور مُنہ پر کھڑے ہو کر گالیاں سُنائیں۔ میاں محمد خاں صاحب مرحوم جو کہ ہمارے بڑے مخلص اور محبت کرنے والے تھے ان کو جوش آگیا مگر ہم نے ان کو بند کر دیا کہ ہمارے اخلاق کے یہ امر برخلاف ہے کہ اسی قسم کا پہلو اختیار کیا جاوے۔

غرض لاہور میں، امرتسر میں، دہلی میں، سیالکوٹ وغیرہ میں ہم نے اچھی طرح سے آزما لیا ہے کہ یہ نسخہ فتنہ سے خالی نہیں اور اس میں شر کا اندیشہ زیادہ ہے چنانچہ امرتسر میں ہمیں پتھر مارے گئے اور ایک پتھر ہمارے لڑکے کے بھی لگا۔ بعض دوستوں کو جوتیاں بھی لگیں۔ لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَّاحِدٍ مَرَّتَيْنِ۔ پس آزمودہ نسخہ کو ہم دوبارہ کیسے آزما سکتے ہیں؟

پھر دوسرا بڑا نقص یہ ہے کہ زبانی گفتگو میں نقل کرنے والے جو ان کا دل چاہے کریں اور چاہیں تو رائی کا پہاڑ بنالیں۔ قلم ان کے ہاتھ میں ہے۔ پھر بعض شریر النفس لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ دو دو گھنٹے تک ان کو سمجھایا جاتا ہے۔ مگر چونکہ ان زبانی تقریروں میں انسان کو سوچنے کا بہت کم موقعہ ملتا ہے اور زبانی تقریریں صرف آنی اور فوری ہوتی ہیں ان کا اثر دیرپا نہیں ہوتا اس واسطے مجبوراً اس راہ سے اجتناب کرنا پڑا اور سلسلہ تحریر میں مَیں نے اتمام حجت کے واسطے مفصل طور سے ستر اسّی کتابیں لکھی ہیں اور ان میں سے ہر ایک جُداگانہ طور سے ایسی جامع ہے کہ اگر کوئی طالبِ حق اور طالبِ تحقیق ان کا غور سے مطالعہ کرے تو ممکن نہیں کہ اس کو حق و باطل میں فیصلہ کرنے کا ذخیرہ بہم نہ پہنچ جاوے۔ ہم نے اپنی عمر میں ایک بھاری ذخیرہ معلومات کا جمع کر دیا ہے اور جہاں تک ممکن تھا ان کی اشاعت بھی کی گئی ہے اور دوست اور دشمنوں نے ان کو پڑھا بھی ہے۔ زبانی تقریر کا عرصہ کم ہوتا ہے ۔

انسان کو اس میں تدبر کرنے کا موقعہ ہی نہیں ملتا۔ بلکہ بعض جوشیلی طبیعت کے آدمیوں کو سمجھنے کا موقعہ ہی نہیں ملتا کیونکہ وہ تو اپنے خیالات کے خلاف سنتے ہی آگ ہو جاتے ہیں اور ان کے منہ میں جھاگ آنے لگ جاتا ہے۔ برخلاف اس کے کتاب کو انسان ایک الگ حجرے میں لے کر بیٹھ جاوے تو تدبر کا بھی موقعہ ملتا ہے اور چونکہ اس وقت مدمقابل کوئی نہیں ہوتا اس واسطے خالی الذہن ہو کر سوچنے کا اچھا موقعہ ملتا ہے۔ مگر بایں ہمہ ہم نے دوسرے پہلو کو بھی ہاتھ سے نہیں دیا اور اس غرض کے واسطے مختلف شہروں میں گئے تبلیغ کی ہے۔ بعض مقامات میں تو ہمارا اینٹ پتھروں سے بھی مقابلہ کیا گیا ہے۔ ابھی آپ کے نزدیک تبلیغ نہیں کی گئی۔

ہم اپنا کام ختم کر چکے ہیں

ہم نے اپنی زندگی میں کوئی کام دنیوی نہیں رکھا۔ ہم قادیان میں ہوں یا لاہور میں جہاں ہوں ہمارے انفاس اللہ ہی کی راہ میں ہیں معقولی رنگ میں اور منقولی طور سے تو اب ہم اپنے کام کو ختم کر چکے ہیں۔ کوئی پہلو ایسا نہیں رہ گیا جس کو ہم نے پورا نہ کیا ہو۔ البتہ اب تو ہماری طرف سے دعائیں باقی ہیں۔ خدا نے بھی کوئی امر باقی اٹھا نہیں رکھا معجزات اس کثرت اور ہیبت سے دکھائے ہیں کہ دشمن ان کی عظمت اور شوکت کو مان گئے ہیں۔ اب اگر کوئی ہدایت نہ پاوے تو یہ ہمارے اختیار کی بات نہیں ہے۔ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ (القصص : ۵۷)

وفاتِ مسیح کا نسخہ

خدا تعالیٰ کے سلسلے کو ہتک اور خفت کی نظر سے نہ دیکھنا چاہیئے۔ اس نے بہت بڑا ارادہ کیا ہے۔ اسلام کی خیر اسی میں ہے۔ ایک دفعہ ہم دلّی میں گئے تھے۔ ہم نے وہاں کے لوگوں سے کہا کہ تم نے تیرہ سو برس سے یہ نسخہ استعمال کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مدفون اور حضرت عیسٰیؑ کو زندہ آسمان پر بٹھایا۔ یہ نسخہ تمہارے لیے مفید ہوا یا مضر؟ اس سوال کا جواب تم خود ہی سوچ لو۔ ایک لاکھ کے قریب لوگ اسلام سے مرتد ہو گئے ہیں۔ ہر قوم اور ہر فرقے میں سے، سید، مغل، پٹھان قریشی وغیرہ۔ یہ تو حضرت عیسٰی کو بار بار زندہ کہنے کا نتیجہ ہے۔ مگر اب دوسرا نسخہ ہم بتاتے ہیں وہ استعمال کر کے دیکھو اور وہ یہ ہے کہ حضرت عیسٰیؑ کو (جیسا کہ قرآن شریف سے ثابت ہوتا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فعلی شہادت دے دی) وفات شدہ مان لو۔ ان میں سے ایک شخص جو کہ لمبے قد کا تھا وہ بولا کہ آپ سچ کہتے ہیں آپ اپنا کام کئے جاویں میں نے آپ کا طریق سمجھ لیا ہے۔ واقع میں اسلام کی خیر اسی میں ہے۔

قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسٰی کے حق میں توفّی کا لفظ استعمال کیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رویت سے فعلی شہادت دی کہ ان کو معراج کی رات مُردوں کے ساتھ دیکھا۔ بھلا زندوں کو مُردوں سے کیا تعلق؟ حضرت عیسٰی اگر زندہ ہوتے تو ان کے واسطے تو کوئی الگ کوٹھڑی چاہیئے تھی نہ یہ کہ وہ بھی مُردوں کے ساتھ ہی رہیں۔ توفّی کا لفظ بجز وفات کے جسم عنصری سے آسمان پر چڑھ جانے کے ہرگز

قرآن شریف سے کوئی ثابت نہ کر سکے گا۔ دیکھو یہی لفظ توفی کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں قرآن شریف نے بولا ہے۔ اِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ (یونس: ۴۷) اور حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں بھی یہی لفظ توفی ہی آیا ہے تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ (یوسف: ۱۰۲)

اب جائے غور ہے کہ اوروں کے واسطے تو یہی لفظ موت پر دلالت کرے مگر حضرت عیسیٰ کے حق میں اگر آجاوے تو اس میں کچھ ایسی تاثیر پیدا ہو جاتی ہے کہ اس کے معنے بجائے موت کے جسم عنصری سے آسمان پر چڑھ جانے کے ہو جاتے ہیں۔

سب سے پہلا اجماع جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہوا وہ وفاتِ عیسیٰ کے مسئلہ پر ہے۔ ایک دفعہ مفتی محمد صادق صاحب جو ایک بڑے مخلص آدمی ہیں ان کو ایک بشپ پادری سے زندہ رسول کے مسئلہ پر مباحثہ کرنے کا موقعہ ملا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ لاہور میں ایک لارڈ بشپ نے ایک بڑے بھاری مجمع میں بیان کیا کہ مسلمانوں کا رسول (نعوذ باللہ) زندہ نبی کہلانے کا مستحق نہیں ہے زندہ نبی صرف حضرت عیسیٰ ہی ہیں۔ مسلمانوں کے رسول مدینہ میں مدفون اور مسیح زندہ آسمان پر خدا کے داہنے ہاتھ بیٹھا ہے۔ سب مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہا کہ تم ہی سوچو اور فیصلہ کرو کہ افضل ان میں سے کون ہے؟ مسلمان بیچاروں کے پاس اس سوال کا کیا جواب تھا۔ اتفاق سے مفتی محمد صادق صاحب اس جلسہ میں موجود تھے۔ انہوں نے یہ حال دیکھ کر غیرتِ اسلامی کے تقاضا اور جوش سے اُٹھ کر کہا کہ میں آپ کے اس سوال کا جواب دیتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے حضرت مسیح کی وفات کو بیان کر کے کہا کہ قرآن شریف میں حضرت مسیح کی حیات کا کہیں بھی ذکر نہیں۔ قرآنِ شریف ان کو بار بار انبیاء کی طرح وفات یافتہ قرار دے چکا ہے۔ یہ جواب سُن کر وہ بشپ چونک پڑا اور کوئی جواب اس سے بن نہ آیا۔ صرف یہ کہہ کر ٹال دیا کہ معلوم ہوتا ہے تم مرزائی ہو۔ ہم تم سے گفتگو نہیں کرتے۔ ہمارے مخاطب عام مسلمان ہیں۔ اس واقعہ نے ہمارے دشمنوں کے دلوں پر بھی اثر کیا اور اندر ہی اندر وہ ملزم ہو گئے اور ان کو یقین ہو گیا کہ آج اگر کوئی عیسائیوں پر غالب آسکتا ہے تو وہ یہی فرقہ ہے اور لوگوں نے متفق اللفظ ہو کر یہ کہا کہ اگرچہ ہیں تو یہ کافر مگر آج اسلام کی عزت انہی لوگوں نے رکھ لی ہے۔

صداقت کے زبردست نشانات

فرمایا کہ:۔

قربان جائیے ایسے کُفر کے جو اسلام کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کا باعث ہو۔

پس یاد رکھو کہ دُنیا میں ایسے رہو جیسے کوئی غریب مسافر گٹھڑی باندھے سفر کو تیار بیٹھا ہوتا ہے۔ دُنیا کے بہت سے فکر اپنے ذمے ڈال لینے ٹھیک نہیں ہوتے۔ دیکھو دُنیا میں طرح طرح کے آفات کیسے خطرناک حملے کر رہے ہیں طاعون ہے۔ زلزلے ہیں۔ قحط ہے۔ ان کے علاوہ اور سینکڑوں آفات ارضی و سماوی ہیں ان کے ہوتے ہوئے انسان مطمئن کیسے ہو سکتا ہے۔ دیکھو یہی طاعون بھی ہماری صداقت کا ایک زبردست نشان ہے۔ ہم نے اللہ تعالیٰ سے وحی پاکر اس مرض کی خبر اس وقت دی تھی جبکہ پنجاب میں اس کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ اور یہ کوئی ہمارا زبانی دعویٰ نہیں بلکہ بار بار ہم نے اس کے متعلق اپنی کتابوں اور سلسلہ کے اخباروں میں لکھ کر دُنیا کو اطلاع دی تھی کہ خطرناک طاعون ملک میں پھیلنے والا ہے۔ ہر ایک کو چاہیئے کہ قبل اس کے کہ وہ وارد ہو جاوے توبہ استغفار میں مصروف ہو جاؤ اور اپنے اندر ایک پاک تبدیلی پیدا کرلو مگر بہت تھوڑے تھے جنہوں نے ہماری بات کو سچا جانا اور اس کی طرف توجہ کی۔ ہم نے دیکھا کہ ملک کے مختلف حصوں میں بعض لوگ سیاہ رنگ کے درخت لگا رہے تھے۔ اُن سے پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ درخت طاعون کے ہیں۔ اور پھر ہاتھی کا سا جانور جس کے اعضاء مختلف حیوانات سے مشابہ تھے اور مجموعی شکل ہاتھی سے مشابہ تھی، دیکھا کہ وہ ہاتھی ایک بن میں کبھی اِدھر اور کبھی اُدھر مختلف سمتوں میں جاتا تھا اور مختلف قسم کے جنگلی جانوروں مثل ہرن، بکری، سانپ، خرگوش وغیرہ وغیرہ پر حملہ کرتا اور ان کو کھا جاتا۔ جب وہ حملہ کرتا تو جانوروں کے شور و غل سے ایک قیامت کا شور بپا ہو جاتا اور اس کے ہڈیوں وغیرہ کے چبانے کی آواز ہم سنتے تھے ایک طرف سے فارغ ہو کر وہ ہمارے پاس آجاتا اور اس کے چہرہ سے بڑے حلم اور غربت کے آثار نمایاں تھے اور گویا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زبانِ حال سے کہتا ہے کہ میرا اس میں کیا قصور ہے میں تو مامور ہوں۔ مجھے جو حکم ہوتا ہے اس کی تعمیل کرتا ہوں۔ تھوڑی دیر ہمارے پاس ٹھہرنے کے بعد پھر دوسری طرف جاتا اور وہاں بھی پہلے کی طرح عمل کرتا اور پھر میرے پاس آبیٹھتا۔ ایک طرف تو وہ جنگلی جانوروں کو کھاتا اور دوسری طرف ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خدا تعالیٰ کے نازل شدہ غضب سے وہ خود بھی ہیبت زدہ تھا۔

یہ باتیں ہم نے آج نہیں بنائیں بلکہ یہ اس وقت کی ہیں کہ جب طاعون کا ملک میں نام و نشان بھی نہ تھا۔ کیا اس قسم کی غیبی پیشگوئیاں انسان کی طاقت میں ہیں؟ اور انسان ایسے غیب کے بتانے پر قادر ہو سکتا ہے؟ غور تو کرو کہ یہ کس قسم کا افتراء ہے جو عین دعویٰ کے مطابق ظہور پذیر ہو کر صدقِ دعویٰ کی ایک زبردست اور لاجواب دلیل بن گیا ہے۔

پھر زلزلہ کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ نے قبل از وقت خبر دی تھی۔ زلزلہ کا دھکا اور عَفَتِ الدِّیَارُ مَحَلُّهَا وَمُقَامُهَا دیکھو پھر کیسا زلزلہ آیا اور کیسی کیسی تباہیاں دنیا میں واقع ہوئیں۔ ذرا کانگڑہ کے مندر کے حالات

ہی غور سے پڑھ سن لیے جاویں تو اس پیشگوئی کی عظمت اور ہیبت معلوم ہوگی۔ کیا یہ انسان کا کام ہے ؟ ہرگز نہیں۔ پس اگر یہ خدا کا کلام ہے تو پھر کیوں خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں ایسی جرأت اور دلیری کی جاتی ہے۔

اولیاء اور صاحب کشف لوگوں کے نزدیک مہدی اور مسیح موعود کا زمانہ

میں کمزور اور ایک عاجز انسان ہوں مگر خدا تعالیٰ جس سے چاہے کام لے لے۔ یہ اس کی بندہ نوازی ہے کسی کا حق نہیں کہ خدا تعالیٰ کے فعل پر اعتراض کرے۔ زمانہ آگیا تھا اور تمام اہل اللہ نے اس وقت کی خبر دی تھی۔ نجم الکرامہ میں بہت سے اولیاء اللہ اور اہلِ کشف لوگوں کے اقوال کے حوالے درج کر کے صدیق حسن خاں نے یہ ثابت کیا ہے کہ جتنے بڑے بڑے اولیاء اور صاحبِ کشف لوگ تھے تمام نے متفق طور سے یہی خبر دی ہے کہ آنے والا مہدی اور مسیح موعود چودھویں صدی میں ہی آئے گا۔ چودھویں صدی سے آگے کوئی بھی نہیں بڑھا۔ پھر آگے چل کر لکھا ہے کہ " کاش وہ میرے زمانہ میں پیدا ہوں تو میں ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام پہنچا دوں ورنہ میں اپنی اولاد کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اس کو پاویں گے میرا سلام پہنچا دیں۔" مگر ہم جانتے ہیں کہ ایسے لوگوں کو بہت کم توفیق قبولِ حق کی ملتی ہے کیونکہ سنت اللہ یہی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے زمانہ سے پہلے ایک شخص بڑے زور سے وعظ کیا کرتا تھا کہ لوگو! نبی آخرالزمان آنے والے ہیں۔ ان کی آمد کے تمام نشانات اور لوازم پورے ہوگئے ہیں مگر خدا کی شان کہ جب آپؐ مبعوث ہوئے تو اوّل المکذبین ہوا۔

اصل بات یہ ہے کہ ہم زمانہ ہونا بھی ایک فخر اور تکبر بیجا پیدا کر دیتا ہے جو قبولِ ہدایت سے محرومی کا باعث ہو جاتا ہے۔ صدیق حسن نے بھی ہماری کتاب کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا اور بے ادبی کی تھی مگر بہت دن نہ گذرے کہ خدائی عتاب میں آگیا اور آخر بڑی عاجزی اور انکساری سے دُعا کے واسطے لکھا ہم نے اس کے واسطے دُعا کی۔ اور خدا تعالیٰ نے ہمیں خبر دی کہ ہم نے اس کی عزت کو سرکوبی سے بچا لیا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس کے واسطے نوابی کا خطاب بحال رکھنے کا حکم آگیا مگر وہ اس حکم کے آنے سے پہلے وفات پا چکا تھا۔[1]

انبیاء کا ساتھ دینے والے ہمیشہ کمزور اور ضعیف لوگ ہوتے ہیں

مسٹر محمد علی جعفری ایم۔ اے وائس پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور کو جو حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۳۳ صفحہ ۱ تا ۷ مورخہ ۱۴ رمئی ۱۹۰۸ء

کی خدمت میں ملاقات کے واسطے حاضر ہوئے۔ حضرت اقدس نے مخاطب کر کے فرمایا:۔

میں جب مامور ہوا تھا اور خدا تعالیٰ نے اس سلسلہ کو بہت صاف طور سے قائم کیا۔ کوئی شک و شبہ نہیں تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں اور قرآن شریف کے عین منشاء کے مطابق اور ٹھیک وقت پر ظہور ہوا تھا اور پھر صداقتِ دعویٰ کے ساتھ خدائی نشان بھی تھے تو میں نے سب سے اول اس امر کو گروہِ علماء کے پیش کیا کیونکہ میں جانتا تھا کہ علماء اس امر کو سب سے پہلے قبول کریں گے۔ میرا خیال تھا کہ یہ لوگ بوجہ علومِ دین سے واقفیت رکھنے کے بلا عذر مجھے قبول کریں گے۔ کیونکہ میرا دعویٰ عین قرآن و حدیث کے مطابق اور ضرورتِ حقہ کے واسطے تھا اور یہ لوگ خود انتظار میں تھے اور تحریراً تقریراً اپنے وعظوں اور لیکچروں میں کہا کرتے تھے کہ چودھویں صدی میں مسیح موعود کا آجانا یقینی اور قطعی ہے اور علاوہ ازیں کل علامات جو یہ بیان کرتے تھے میری صداقت کے لیے ظاہر ہو چکی تھیں۔ مگر ہماری وہ امید بالکل غلط نکلی۔ علماء کی طرف سے ہمیں اس دعوت کا جو جواب علاوہ ایک فتویٰ تھا جس میں ہمیں کافر، اکفر، ضال، مضل، دائرہ اسلام سے خارج، یہود اور نصاریٰ سے بدتر قرار دیا اور لکھا گیا کہ ان لوگوں کو اپنی قبروں میں داخل نہ کیا جائے۔ ان کے جنازے نہ پڑھے جاویں۔ ان کے ساتھ ملاقات نہ کی جاوے۔ ان سے مصافحہ نہ کیا جائے۔ حتیٰ کہ یہاں تک تشدد کیا کہ جو ان سے میل جول رکھے گا وہ بھی انہی میں سے ہوگا۔

پھر ان لوگوں سے یہ جواب پاکر ہمیں خیال آیا کہ تعلیم یافتہ لوگ عموماً بے تعصب اور عناد سے پاک ہوتے ہیں۔ لہٰذا اسی خیال سے ہم نے پھر اپنی دعوت نئے تعلیم یافتہ گروہ کے پیش کی مگر ان میں سے اکثر کو بے قید پایا اور اکثر کو دیکھا کہ وہ خود اسلام میں ترمیم کرنا چاہتے ہیں اور ان کا یہ خیال ہے کہ اسلام کی تعلیم ایک جاہلانہ اور وحشیانہ زمانہ کی تعلیم تھی اب اس کی ضرورت نہیں۔ اب اس سے فراغت حاصل کرنی چاہیئے اور زمانہ کی رفتار کے مناسب حال ترمیم کر لینی چاہیئے۔ غرض اس طرح سے اس قوم کے لوگوں سے بھی محرومی ہی ہوئی۔ الا ماشاء اللہ

پھر رؤساء کے گروہ کی طرف اپنی دعوت بھیجی کہ ان کو دُنیا کا حصہ دیا جاتا ہے اور یہ سیدھے سادے مسلمان ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک شخص صدیق حسن خاں نے ہماری کتاب کو چاک کر کے واپس بھیج دیا اور اس طرح سے اپنی قساوتِ قلبی کا اظہار کیا۔ ان کے بعد ہم نے سمجھا کہ یہ سعادت ہمیشہ ضعفاء ہی کا حصہ ہوتی ہے چنانچہ ہمارا یہ خیال بالکل صحیح نکلا اور سنتِ قدیمہ کے بموجب ضعفاء ہی اکثر ہمارے ساتھ ہوئے جن کو نہ مولویت کا گھمنڈ اور نہ دولت کا تکبر بلکہ سادہ لوح اور پاک نفس ہوتے ہیں۔ اور وہی خدا تعالیٰ کے بھی مقرب ہوتے ہیں، چنانچہ اسی گروہ میں سے کئی لاکھ انسان اب ہمارے ساتھ ہیں۔

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جب نبوت کا خلعت خدا تعالیٰ سے پاکر دعوتِ اسلام کے خط بادشاہوں

کو لکھے تھے تو ان میں سے ہرقل قیصرِ روم کے نام بھی ایک خط لکھا تھا۔ اس نے پڑھ کر کسی عرب کی جو آپ کی قوم کا ہو تلاش کرائی۔ چنانچہ چند قریشی جن میں ابوسفیان بھی تھا پیش خدمت کئے گئے۔ ان سے بادشاہ نے چند سوال کئے جن میں یہ بھی تھا کہ اس شخص کے آباء واجداد میں سے کبھی کسی نے نبوت کا دعویٰ تو نہیں کیا؟ جسکا جواب نفی میں دیا گیا پھر پوچھا گیا کہ کوئی بادشاہ تو نہیں گذرا اُسکے بزرگوں میں؟ اسکا جواب بھی نفی میں دیا گیا۔ پھر یہ سوال کیا کہ اس شخص کے پیرو کون لوگ ہیں؟ اسکے جواب میں کہا گیا کہ انکی پیروی کرنیوالے غریب اور کمزور لوگ ہیں۔ پھر اس نے دریافت کیا کہ لڑائیوں میں کیا نتیجہ نکلتا ہے؟ جواب دیا گیا کہ کبھی وہ فتح پاتا ہے اور کبھی ہم کامیاب ہوتے ہیں۔ ان سوالات کے جوابات سنکر قیصر نے اقرار کیا کہ انبیاء ہمیشہ دُنیا میں اسی شان میں آیا کرتے ہیں، انکے ساتھ اوّل میں ہمیشہ کمزور اور ضعیف لوگ ہی شامل ہوا کرتے ہیں۔ اس شخص نے اپنی فراستِ صحیحہ سے معلوم کر لیا کہ واقعی یہ شخص سچا نبی ہے اور یہ وہی نبی ہے جس کی پیشگوئی کی گئی ہے چنانچہ اس نے یہ بھی کہا وہ وقت قریب ہے کہ وہ میرے تخت کا بھی مالک ہو جاویگا۔

غرض یہ سُنتِ قدیمہ ہے کہ انبیاء کا ساتھ دینے والے ہمیشہ کمزور اور ضعیف لوگ ہی ہوا کرتے ہیں۔ بڑے بڑے لوگ اس سعادت سے محروم ہی رہ جاتے ہیں ان کے دلوں میں طرح طرح کے خیالات آتے ہیں اور وہ اپنے آپ کو ان باتوں سے پہلے ہی فارغ التحصیل سمجھے بیٹھے ہوتے ہیں۔ وہ اپنی بڑائی اور پوشیدہ کبر اور مشیخت کی وجہ سے ایسے حلقہ میں بیٹھنا بھی ہتک اور باعثِ ننگ و عار جانتے ہیں جس میں غریب لوگ مخلص کمزور مگر خدا تعالیٰ کے پیارے لوگ جمع ہوتے ہیں۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ صدہا لوگ ایسے بھی ہماری جماعت میں داخل ہیں جن کے بدن پر مشکل سے لباس بھی ہوتا ہے۔ مشکل سے چادر یا پاجامہ بھی ان کو میسر آتا ہے۔ ان کی کوئی جائیداد نہیں مگر ان کے لا انتہاء اخلاص اور ارادت سے محبت اور وفا سے طبیعت میں ایک حیرانی اور تعجب پیدا ہوتا ہے جو اُن سے وقتاً فوقتاً صادر ہوتی رہتی ہے یا جس کے آثار اُن کے چہروں سے عیاں ہوتے ہیں وہ اپنے ایمان کے ایسے پکے اور یقین کے ایسے سچے اور صدق و ثبات کے ایسے مخلص اور باوفا ہوتے ہیں کہ اگر ان مال و دولت کے بندوں ان دنیوی لذات کے دلدادوں کو اس لذّت کا علم ہو جائے تو اس کے بدلے میں یہ سب کچھ دینے کو تیار ہو جاویں۔ ان میں سے مثال کے طور پر ایک شخص شاہزادہ مولوی عبداللطیف صاحب مرحوم ہی کے حالات کو غور سے دیکھ لو کہ کیسا صدق کا پکا اور وفا کا سچا تھا۔ جان تک سے دریغ نہیں کیا۔ جان دے دی مگر حق کو نہیں چھوڑا۔ ان کی جب مخبری کی گئی اور ان کو امیر کے روبرو پیش کیا گیا تو امیر نے ان سے یہی پوچھا کہ تم نے ایسے شخص کی بیعت کی ہے؟ تو اُس نے چونکہ وہ ایک راستباز انسان تھا صاف کہا کہ "ہاں مَیں نے بیعت کی ہے مگر نہ تقلیداً اندھا دھند بلکہ علیٰ وجہ البصیرۃ اس کی اتباع اختیار کی ہے۔ مَیں نے دُنیا بھر میں اس کی مانند کوئی شخص نہیں دیکھا۔ مجھے اس سے الگ ہونے

سے اس کی راہ میں جان دے دینا بہتر ہے"
غرض مرحوم اس بات کا ایک نمونہ چھوڑ گئے ہیں کہ ہمارے تعلق رکھنے والے کیسے صادق الایمان اور صادق الاعتقاد ہیں۔

منکرین کا انجام

اصل بات یہ ہے کہ مشکلات صرف یہی ہیں کہ لوگوں کو امورِ دینی میں تدبر کرنا اور خدا سے ڈر کر کسی معاملہ میں غور کرنا اور حق و باطل میں امتیاز چاہنا اور یہ تڑپ رکھنا کہ آیا یہ سلسلہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے یا نہیں اس طرف توجہ ہی نہیں مگر یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فعل عبث نہیں بلکہ اس نے حق و حکمت سے سلسلہ قائم کیا ہے اور ضرورتِ حقہ کے وقت اس کو کھڑا کیا ہے۔ پس وہ منکروں سے ضرور مطالبہ کرے گا مَا اَرْسَلَ اللّٰہُ رَسُوْلاً اِلَّا اَخْزٰی بِہٖ قَوْمًا لَا یُؤْمِنُوْنَ۔ یاد رکھو کہ دنیا میں ایسا کوئی بھی نبی یا رسول نہیں گذرا جس کے منکروں کو خدا تعالیٰ نے ذلت اور رسوائی کا عذاب نہ دیا ہو۔ یہ ضروری اور لازمی ہوتا ہے کہ رسول کی حجت پوری کر دینے کے بعد منکر قوم کو حق و باطل میں امتیاز پیدا کرنے کے واسطے عذاب دیا جاوے۔

خدا تعالیٰ کے نزدیک دو بڑے گناہ

خدا تعالیٰ کے نزدیک دو بڑے ہی سخت گناہ ہیں۔ اوّل افتراء اور تقوّل علی اللہ۔ یعنی یہ کہ کوئی شخص دعویٰ کرے کہ خدا تعالیٰ مجھ سے ہمکلام ہوتا ہے یا وحی یا الہام کرتا ہے حالانکہ اسے نہ کوئی وحی ہوتی ہے اور نہ الہام اور نہ خدا اس سے کبھی ہمکلام ہوا حتٰی کہ جھوٹی خواب کا بنا لینا بھی اسی میں داخل ہے۔ غرض ایک تو یہ امر کہ خدا پر افتراء کرنا حالانکہ خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ کاذب ہے۔ دوسرے وہ شخص خدا تعالیٰ کے بڑے سخت غضب اور عتاب کا مورد ہوگا جو ایک صادق اور خدا تعالیٰ کی طرف سے آنے والے کا انکار کرتا ہے۔

بہرحال ہمارا مطلب یہ ہے کہ یہ بات ہمیشہ سے چلی آئی ہے اور اس زمانہ میں خدا تعالیٰ نے عملی طور پر ایک سلسلۂ نبوت قائم کرکے دکھا دیا ہے۔ اس سے اس قدر فائدہ تو اُٹھانا چاہیئے کہ جہاں اور اپنے دنیوی کاروبار کے واسطے اتنی سرگردانی اور محنت اور کوشش کرتے ہو اس بات کی بھی کچھ تحقیقات تو کرو کہ آیا جو اپنے کاروبار کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرتا ہے اور اتنا بڑا دعویٰ پیش کرتا ہے اتنا تو معلوم کریں کہ یہ صادق ہے یا کاذب۔

پھر خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص میرے رسول کی نافرمانی کرے گا میں اس کو نہیں چھوڑونگا جب تک اس سے اس انکار کا مطالبہ نہ کرلوں۔ معمولی حکام اور گورنمنٹ بھی اپنے احکام کی تحقیر کرنے والوں اور باغیوں کو بغیر سزا نہیں چھوڑتی تو پھر وہ جو خدا ہے اور احکم الحاکمین ہے ذرہ ذرہ اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے تو پھر اسکے

مرسل کی نافرمانی اور اس کے احکام کی ہتک کرنے والا کس طرح امن میں رہ سکتا ہے۔

صداقت مسیح موعود علیہ السلام

اگر میرے ساتھ خدا تعالیٰ کا کوئی نشان نہ ہوتا اور نہ اس کی تائید اور نصرت میرے شامل حال ہوتی اور میں نے قرآن سے الگ کوئی راہ نکالی ہوتی یا قرآنی احکام اور شریعت میں کچھ دخل و تصرف کیا ہوتا یا منسوخ کیا ہوتا یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے باہر کوئی اور نئی راہ بتائی ہوتی تو البتہ حق تھا اور لوگوں کا عذر معقول اور قابلِ قبول ہوتا کہ واقعہ میں یہ شخص خدا اور خدا کے رسول کا دشمن اور قرآنِ شریف اور تعلیم قرآن کا منکر اور منسوخ کرنیوالا ہے۔ فاسق ہے۔ فاجر ہے۔ مُرتد ہے۔ مگر جب میں نے نہ قرآن میں کوئی تغیر کیا اور نہ پہلی شریعت کا جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے ایک شوشہ اور نقطہ میں نے بدلا بلکہ میں قرآن اور احکامِ قرآنی کی خدمت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک مذہب کی خدمت کے واسطے کمربستہ ہوں اور جان تک میں نے اپنی اسی راہ میں لگا دی ہے۔ اور میرا یقینِ کامل ہے کہ قرآن کے سوا جو کامل اکمل اور مکمل کتاب ہے اور اسکی پوری اطاعت اور بغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے نجات ممکن ہی نہیں اور قرآن میں کمی بیشی کرنے والے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا جُوا اپنی گردن سے اُتارنے والے کو کافر اور مُرتد یقین کرتا ہوں تو پھر اس صورت میں اور باوجود میری صداقت کے ہزارہا نشان ظاہر ہو جانے کے جو کہ خدا تعالیٰ نے آج تک میری تائید میں آسمان اور زمین پر ظاہر کئے پھر مجھے جو شخص کاذب اور مفتری اور دجال کے نام سے پکارتا ہے یا جو میری پرواہ نہیں کرتا اور میری آواز کی طرف کان نہیں دھرتا یقیناً جانو کہ خدا تعالیٰ بغیر مؤاخذہ اسے ہرگز ہرگز نہ چھوڑے گا۔ اسلام کی کشتی غرق ہونے کو ہے۔ زمانہ شہادت دے رہا ہے اور وقت پکار پکار کر ضرورت کو محسوس کر رہا ہے۔ اندرونی حالت ایسی خطرناک ہے کہ اس سے ہرگز ہرگز کسی کا دل مطمئن اور خوش نہیں ہو سکتا۔ بیرونی حملے ایسے خطرناک ہیں کہ قریب ہے کہ اسلام کو بیخ و بن سے اُکھاڑ پھینکیں تو کیا اب بھی وہ وقت نہیں آیا کہ کسی کو خدا تعالیٰ اسلام کی حمایت کے واسطے مبعوث فرماتا اور کوئی مجدد بھیجتا جو اسلام کی ڈوبتی ناؤ کو سنبھال لیتا۔ صدی کا سر بھی گذر گیا مگر کل وعدے جھوٹے ہی جھوٹے نکلے؟ تو پھر تم ہی بتاؤ کہ کیا ابھی وہ وقت نہیں کہ خدا اسلام کی خبر گیری کرتا؟ یا کیا کوئی اس سے بھی زیادہ خطرناک اور نازک حالت ہوگی؟ کیا جب اسلام بالکل مر ہی جاویگا اور اس میں کوئی دم باقی نہ رہیگا اس وقت کوئی آویگا؟ پھر ایسے آنیوالے سے کیا فائدہ اور کیا حاصل؟

یاد رکھو کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو پھر اسلام بھی جھوٹا ہے اور اگر اسلام بھی دوسروں کی طرح ایک مُردہ مذہب ہے تو پھر اسلام میں کیا بڑائی ہے اور اس کی کیا خصوصیت؟ توحید جس کا تم کو ناز ہے اس کے تو برہمو اور آریہ بھی دعویدار ہیں۔ ایک شخص نے اسی لاہور میں ایک دفعہ لیکچر دیا تھا کہ ہم لوگ لا الٰہ الا اللہ کے قائل ہیں پھر ہمیں

محمد رسول اللہ کی کیا حاجت ہے؟ جب یہ صورت ہے اور توحید کے اور مذاہب بھی قائل ہیں تو پھر تم میں اور تمہارے غیروں میں مابہ الامتیاز ہی کیا ہوا؟

جہاد کی حقیقت

اگر یہی جہاد وغیرہ کے عقائد ہی مابہ الامتیاز ہیں تو پھر یاد رکھو کہ یہ سخت غلطی ہے اور اس طرح تم اسلام کے حامی نہیں بلکہ دشمن ہو، اسلام کو بدنام کرتے ہو۔ دیکھو اگر ہمیں اس بات کا علم ہوتا کہ واقعہ میں قرآن شریف کا یہی منشاء ہے تو پھر ہم اس ملک کے باہر چلے جاتے اور ایسی جگہ اپنی قیام گاہ بناتے جہاں سے ہمیں ان احکام کی ادائیگی میں ہر طرح کی سہولت اور آسانی ہوتی اور خوب دل کھول کر ان احکام کو بجالاتے مگر میں سچ کہتا ہوں کہ قرآن کا یہ منشا نہیں جو بدقسمتی سے بعض نادان مُلّانوں نے سمجھا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس زمانہ میں بڑی بڑی مشکلات کا سامنا تھا۔ آپ کے بہت سے جان نثار اور عزیز دوست ظالم کفار کے تیرو تفنگ کا نشانہ بنے اور طرح طرح کے قابلِ شرم عذاب ان لوگوں نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو پہنچائے حتیٰ کہ آخر کار خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا منصوبہ کر لیا۔ چنانچہ آپ کا تعاقب بھی کیا۔ آپ کے قتل کرنے والے کے واسطے انعام مقرر کئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک غار میں پناہ گزیں ہوئے۔ تعاقب کرنے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی گئی۔ مگر یہ تو خدا تعالیٰ کا تصرف تھا کہ آپ کو ان کی نظروں سے باوجود سامنے ہونے کے بچا لیا اور ان کی آنکھوں میں خاک ڈال کر خود اپنے رسول کو ہاتھ دے کر بچا لیا۔ آخر کار جب ان کفار کے مظالم کی کوئی حد نہ رہی اور مسلمانوں کو ان کے وطن سے باہر نکال کر بھی وہ سیر نہ ہوئے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ارشاد ہوا۔ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ (الحج: ۴۰) خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو تلوار اُٹھانے کی اجازت دی اور اس اجازت میں یہ ثابت کر دیا کہ واقع میں یہ لوگ ظالم تھے۔ اور شرارت ان کی حد سے بڑھ چکی تھی اور مسلمانوں کا صبر بھی اپنے انتہائی نقطہ تک پہنچ چکا تھا۔ اب خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے تلوار سے مقابلہ کیا وہ تلوار ہی سے ہلاک کئے جاویں اور گو یہ چند اور ضعیف ہیں مگر میں دکھا دوں گا کہ میں بوجہ اس کے کہ وہ مظلوم ہیں ان کی نصرت کرونگا اور تم کو ان کے ہاتھ سے ہلاک کراؤں گا۔

چنانچہ پھر اس حکم کے بعد ان ہی چند لوگوں کی جو ذلیل اور حقیر سمجھے گئے تھے اور جنکا نہ کوئی حامی بنتا تھا اور نہ مددگار اور وہ کفار کے ہاتھ سے سخت درجہ تنگ اور مجبور ہو گئے تھے انکی مشارق اور مغارب میں دھاک بیٹھ گئی اور اس طرح سے خدا نے اُن کی نصرت کر کے دُنیا پر ظاہر کر دیا کہ واقعی وہ مظلوم تھے۔ غرض ہر طرح سے، ہر رنگ میں اور ہر پہلو پر نظر ڈال کر دیکھ لو واقع میں اس وقت مسلمان مظلوم تھے یا کہ نہیں۔ اگر خدا تعالیٰ ایسے خطرناک اور نازک وقت میں بھی ان چند کمزور مسلمانوں کو اپنی حفاظت

جان کے واسطے تلوار اُٹھانے اور دفاعی طور سے لڑائی کرنے کی اجازت نہ دیتا تو کیا ان کو دُنیا کے تختہ سے نابود ہی کر دیتا؟ تو پھر اس حالت میں ان کا تلوار اُٹھانا جبکہ ہر طرح سے ان کا حق تھا کہ وہ تلوار اُٹھاتے کیا شرعاً اور کیا عُرفاً۔ مگر وہ بھی آج تک نشانۂ اعتراض بنا ہوا ہے اور متعصب اور جاہل دشمن اب تک اس کو نہیں بھولتے تو کیا اب یہ لوگ خونی مہدی کا عقیدہ پیش کر کے ان کے ان اعتراضوں کو پھر تازہ کرتے اور مسلمانوں سے متنفر کرنا چاہتے ہیں۔ دیکھو مہدی کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود صاف فرمایا ہے کہ یَضَعُ الْحَرْبَ وہ جنگ کا خاتمہ کر دے گا اور وہ جنگ ایک علمی جنگ ہوگی۔ قلم تلوار کا کام کرے گا اور اسرارِ رُوحانی، برکاتِ سماوی اور نشاناتِ اقتداری سے دُنیا کو فتح کیا جاوے گا اور تازہ بتازہ غیبی پیشگوئیوں اور تائیداتِ خدائی سے سچے مذہب کو ممتاز کر کے دکھایا جاوے گا۔ یہ کہدینا کہ معجزات سابقہ ہمارے پاس موجود ہیں کافی نہیں۔ یاد رکھو کہ ہندوؤں کے پُستکوں اور عیسائیوں اور یہودیوں کی کتابوں کے قصّے کہانیوں سے بڑھ کر تمہارے پاس بھی کچھ نہیں۔ اگر تم قصّے پیش کرو گے تو وہ تم سے بڑھ چڑھ کر قصے پیش کر سکتے ہیں۔ اگر اسلام کی سچائی کا معیار بھی صرف قصّے کہانیوں کی بناء پر رہ گیا ہے تو پھر یاد رکھو کہ یہ امر مشتبہ ہے۔

انبیاء کے وجود اور نشانات کی ضرورت

اسلام میں فرقان ہے۔ خدا نے ہمیشہ سے اسلام میں ایک امرِ خارق رکھا ہے اور تازہ بتازہ نشانات ہیں۔ نشان کا نام سُنکر آجکل کے فلسفہ پڑھنے والے کچھ کشیدہ خاطر ہوتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا کے وجود کا پتہ لگانے کے واسطے نشانات اور انبیاء کے وجود کی کیا ضرورت ہے؟

مگر یاد رکھو کہ اس نظامِ شمسی اور اس ترتیبِ عالم سے جو کہ ایک اَبلغ اور مُحکم رنگ میں پائی جاتی ہے۔ اس سے نتیجہ نکالنا کہ خدا ہے یہ ایک ضعیف ایمان ہے اس سے خدا کے وجود کے متعلق پوری تسلی نہیں ہو سکتی، امکان ثابت ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یقیناً خدا ہے اگر اس میں یقینی اور قطعی دلائل ہوتے تو پھر لوگ دہریہ کیوں ہوتے؟ بڑے بڑے محقق کتابیں تالیف کرتے ہیں مگر ان کے دلائل ناطقہ اور براہین قاطعہ نہیں ہوتے۔ کسی کا منہ بند نہیں کر سکتے اور نہ ان سے یقینی ایمان تک انسان پہنچ سکتا ہے۔ اگر ایک شخص ان امور سے خدا تعالیٰ کی ہستی کے دلائل بیان کرے گا تو ایک دہریہ اس کے خلاف دلائل بیان کر دیگا۔

دراصل بات یہ ہے کہ اس طرح اتنا ثابت ہو سکتا ہے کہ خدا ہونا چاہیئے۔ یہ ثابت نہیں ہوتا کہ "ہے"۔ "ہونا چاہیئے" اور "ہے" میں بہت بڑا فرق ہے۔ "ہے" مشاہدہ کو چاہتا ہے۔ مگر دوسرا حصہ جو وجودِ باری تعالیٰ کے واسطے انبیاء نے پیش کیا ہے کہ زبردست نشانات معجزات اور خدا کی زبردست طاقت کے ظہور سے اس کی ہستی ثابت کی جاوے۔ یہ ایک ایسی راہ ہے کہ تمام سر اس دلیل کے آگے جُھک پڑتے ہیں

اصل میں بہت سے عرب دہریہ تھے جیسا کہ قرآن شریف کی آیت ذیل سے معلوم ہوتا ہے۔ اِنْ هِیَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَ نَحْيَا (المؤمنون: ۳۸) کیا عرب جیسے اجڈ اور بے باک، بے قید، بے دھڑک لوگ تلوار سے آپ نے سیدھے کئے تھے۔ اور ان کی آپ کی بعثت سے پہلی اور پچھلی زندگی کا عظیم الشان امتیاز اور فرق اس وجہ سے تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کا مقابلہ نہ کر سکے تھے؟ یا کیا صرف سادہ اور نری اخلاقی تعلیم تھی جس سے ان کے دلوں میں ایسی پاک تبدیلی پیدا ہو گئی تھی؟ نہیں ہرگز نہیں۔ یاد رکھو کہ تلوار انسان کے ظاہر کو فتح کر سکتی ہے مگر دل کبھی تلوار سے فتح نہیں ہوتے۔ بلکہ وہ وہ انوار تھے جن میں خدا کا چہرہ نظر آتا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایسے ایسے خارق عادت نشانات دکھائے تھے کہ خود خدا ان لوگوں کے سامنے آموجود ہوا تھا اور انہوں نے خدا تعالیٰ کے جلال اور جبروت کو دیکھ کر گناہ سوز زندگی اور پاک تبدیلی اپنے اندر پیدا کر لی تھی۔

خدا تعالیٰ پر زندہ ایمان پیدا کرنے کی ضرورت

اب پھر وہی وقت ہے اور ویسا ہی زمانہ۔ پس اس وقت بھی خدا کی ہستی کا یقین اسی ذریعہ سے ہوگا جس ذریعہ سے ابتداء میں ہوا تھا۔ اسلام وہی اسلام ہے لہٰذا اس کی کامیابی اور سرسبزی کے بھی وہی ذریعے ہیں جو ابتداء میں تھے۔ اب بھی ضرورت ہے تو اس بات کی کہ خدا کے چہرہ نما ہیبت ناک اقتداری نشانات ظاہر ہوں اور یقین جانو کہ کوئی شخص گناہ سے پاک نہیں ہو سکتا۔ جب تک خدا تعالیٰ کی معرفت کامل نہ ہو۔ یہ گناہ اور طرح طرح کے معاصی جو چاروں طرف دنیا میں بھرے پڑے ہیں ان کے دُور کرنے کے واسطے صرف خشک ایمان کافی نہیں۔ کیا وہ خوفِ خدا جیسا کہ چاہیئے دنیا میں موجود ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ اصل میں انسان نفسِ امارہ کی زنجیروں میں ایسا جکڑا ہوا ہے جیسے کوئی چڑیا کا بچہ ایک شیر کے پنجے میں۔ جب تک اس نفس کے پنجے سے نجات نہ پا جاوے تب تک تبدیلی محال ہے اور گناہ سے بچنا مشکل۔ مگر دیکھو اگر ابھی ایک ہیبت ناک زلزلہ آجاوے اور در و دیوار اور مکان کا چھت لرزنے لگے تو دلوں پر ایک ایسی ہیبت طاری ہوگی اور ایسا خوف دلوں پر چھا جائے گا کہ اس وقت گناہ کا خیال تک بھی دلوں میں نہ رہے گا۔ ایک خطرناک مہلک مرض کے وقت جو حالت انسان کی ہوتی ہے وہ امن اور آرام و آسائش کی زندگی میں ہرگز ممکن نہیں۔

انسان اپنی حالت میں تبدیلی پیدا کرنے کے واسطے خدا تعالیٰ کی تجلیات اور زبردست نشانوں کا محتاج ہے۔ ضروری ہے کہ خدا کوئی ایسی راہ پیدا کر دے کہ انسان کا ایمان خدا تعالیٰ پر تازہ اور پختہ ہو جاوے اور صرف زبان تک ہی محدود نہ رہے بلکہ اس ایمان کا اثر اس کی عملی حالت پر بھی ظاہر ہو جاوے اور اس طرح

سے انسان سچا مسلمان ہو جاوے۔ اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں الہاماً یہ فرمایا ؎

چو دورِ خسروی آغاز کردند
مسلماں را مسلماں باز کردند

یہ خدا کا کلام ہے۔ آجکل اگر عمیق نظر سے اور غور سے دیکھا جاوے تو زبانی ایمان ہی کثرت سے نظر آوے گا۔ پس خدا کا یہی منشاء ہے کہ نفلی اور زبانی مسلمانوں کو حقیقی مسلمان بنایا جاوے۔ یہودی کیا توریت پر نہ کرتے تھے؟ مگر خدا تعالیٰ نے ان پر لعنت بھیجی اور کہا کہ تم مومن نہیں ہو بلکہ بعض نمازیوں کی نماز پر بھی لعنت بھیجی ہے جہاں فرمایا ہے فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ (الماعون : ۵، ۶) یعنی لعنت ہے ایسے نمازیوں پر جو نماز کی حقیقت سے بے خبر ہیں۔ صلوٰۃ اصل میں آگ میں پڑنے اور محبتِ الٰہی اور خوفِ الٰہی کی آگ میں پڑ کر اپنے آپ سے جل جانے اور ماسوی اللہ کو جلا دینے کا نام ہے اور اس حالت کا نام ہے کہ صرف خدا ہی خدا اس کی نظر میں رہ جاوے اور انسان اس حالت تک ترقی کر جاوے کہ خدا کے بُلانے سے بولے اور خدا کے چلانے سے چلے۔ اس کی کل حرکات اور سکنات، اس کا فعل اور ترکِ فعل سب اللہ ہی کی مرضی کے مطابق ہو جاوے خودی دُور ہو جاوے۔

غرض یہ باتیں ہیں اگر خدا تعالیٰ کسی کو توفیق دے تو۔ مگر جب تک خدا کسی کے دل کے دروازے نہ کھولے کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ دلوں کے دروازے کھولنا خدا تعالیٰ ہی کا کام ہے۔ اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا اَقَامَ وَاعِظًا فِي قَلْبِهٖ۔ جب انسان کے اچھے دن آتے ہیں اور خدا تعالیٰ کو انسان کی دوستی اور بہتری منظور ہوتی ہے تو خدا انسان کے دل میں ہی ایک واعظ کھڑا کر دیتا ہے اور جب تک خود انسان کے اندر ہی واعظ پیدا نہ ہو، تب تک بیرونی وعظوں کا اس پر کچھ بھی اثر نہیں ہوتا۔ مگر وہ کام خدا کا ہے۔ ہمارا کام نہیں ہے ہمارا کام صرف بات کا پہنچا دینا ہے۔ مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ (المائدۃ : ۱۰۰) تصرف خدا کا کام ہے ہم اپنی طرف سے بات کو پہنچا دینا چاہتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ ہم پوچھے جاویں کہ کیوں اچھی طرح سے نہیں بتایا۔ اسی واسطے ہم نے زبانی بھی لوگوں کو سنایا ہے۔ تحریری بھی اس کام کو پورا کر دیا ہے۔ دُنیا میں کوئی کم ہی ہوگا جو اب بھی یہ کہدے کہ اس کو ہماری تبلیغ نہیں پہنچی یا ہمارا دعویٰ اُس تک نہیں پہنچا[1]

○○○○○○○○

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۳۹ صفحہ ۵ تا ۷ مورخہ ۱۸ر جُون ۱۹۰۸ء

۳؍مئی ۱۹۰۸ء

بروز اتوار۔ بمقام لاہور۔ بر مکان ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب

خدا تعالیٰ کو شناخت کرنے کا طریق

ایک دہریہ سے ملاقات کے دوران فرمایا:۔
طبائع میں اختلاف ہوتا ہے۔بعض طبائع میں ایسی استعداد ہوتی ہے کہ وہ حق کے قبول کرنے میں جلدی کرتی ہیں اور بعض ایسی بھی ہوتی ہیں کہ حق ان کی سمجھ میں تو آجاتا ہے مگر دیر بعد۔ اور بعض ایسی بھی ہیں کہ ان میں قبولِ حق کی استعداد دبتے دبتے ایک وقت بالکل زائل ہی ہو جاتی ہے۔خدا تعالیٰ جس کا وجود مخفی در مخفی اور نہاں در نہاں ہے۔ہم نے اس کو ایسا نہیں مانا کہ وہ ایک ہیولیٰ ہے۔ ایسا ایک انسان جس کو سچا شوق، حقیقی جوش اور دلی تڑپ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کو پہچانے۔ اس کے لیے تمام گذشتہ قصص اور واقعات پر نظر ڈال کر غور کرنا ازبس مفید ہو سکتا ہے۔تاریخ ایسے انسان کے واسطے رہبری کر سکتی ہے۔تاریخ اور تمام واقعاتِ سلف بجز اس کے اَور کوئی راہ نہیں بتاتے کہ خدا کو خدا کے عجائباتِ قدرت اور تصرفات سے جو کہ وہ بذریعہ اپنے الہامات، وحی اور مکالمات دنیا پر ظاہر کرتا ہے پہچان سکتے ہیں۔ اس راہ سے بڑھ کر اور کوئی یقینی راہ خدا تعالیٰ کی شناخت کی ہرگز نہیں ہے۔جن لوگوں کو وہ خاص کر لیتا ہے اور حصۂ معرفت ان کو عطا کرتا ہے ان پر وہ مکالمہ مخاطبہ کا فیضان جاری کرتا ہے۔ مشتاق کی تسلی اور تسکین کے لیے دیدار یا گفتار دو ہی چیزیں ہیں۔جہاں دیدار نہیں ہو سکتا وہاں گفتار دیدار کی جا بجا اور قائم مقام ہو جاتی ہے۔ایک مادر زاد نابینا گفتار ہی کے ذریعے شناسائی کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ غیر محدود ہے اور اس کی ذات ایسی نہیں کہ اس کی رؤیت اور دیدار جسمانی چیزوں کی طرح ہو سکے۔ اس واسطے اُس نے اپنی گفتار جس کو بالفاظ دیگر الہام، وحی، مکالمات کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے، دیدار کے قائمقام رکھ دی ہے۔کم ہیں جن کو دیدار ہوتا ہو۔اکثر گفتار ہی کے ذریعہ تسلی پاتے اور طمانیت حاصل کرتے ہیں۔

کلام اللہ کا امتیاز

اس جگہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ بھلا یہ کیونکر معلوم ہو کہ وہ گفتار جو انسان سُنتا ہے واقعی خدا کا کلام ہے کسی اَور کا نہیں۔سو اس کے لیے یاد رکھنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کے کلام کے ساتھ خدائی طاقت، جبروت اور عظمت ہوتی ہے جس طرح تم لوگ ایک معمولی انسان اور بادشاہ کے کلام میں فرق کر سکتے ہو اسی طرح اس احکم الحاکمین کے کلام میں بھی شوکت و سطوتِ سلطانی ہوتی ہے جس سے شناخت ہو سکتی ہے کہ واقعی یہ کلام بجز خدائے عزوجل کے

اور کسی کا نہیں۔

ملہمین کی علامات

دوسرا بڑا بھاری نشان اس شناخت اور تمیز کا یہ ہوتا ہے کہ جس انسان سے خدا تعالیٰ کلام کرتا ہے وہ خالی نہیں ہوتا بلکہ اس میں بھی خدائی شان جلوہ گر ہوتی ہے اور وہ بھی ایک گونہ خدائی صفات کا مَظہر اور جلوہ گاہ ہوتا ہے۔ اس میں وہ لوازم پائے جاتے ہیں۔ اس میں ایک خاص امتیاز ہوتا ہے۔ علومِ غیبی جو عقلی خیالات کے انسانوں کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتے وہ ان کو عطا کئے جاتے ہیں۔ اس کی دُعائیں قبول کر کے اس کو اطلاع دی جاتی ہے اور اس کے کاروبار میں خاص نصرت اور مدد کی جاتی ہے اور جس طرح خدا سب پر غالب ہے اور اس کو کوئی جیت نہیں سکتا۔ اسی طرح انجامکار وہ بھی غالب اور ہر طرح سے مظفر و منصور اور کامیاب و بامراد ہو جاتے ہیں۔

غرض یہ نشان ہوتے ہیں جن کے ذریعہ سے عقلمند انسان کو ضرورتاً ماننا ہی پڑتا ہے کہ خدا بھی ضرور ہے۔ ہمیں ایسے لوگوں سے بھی گفتگو اور ملاقات کا اتفاق ہوا ہے جو مصنوعات سے صانع کو پہچاننے اور شناخت کرنے کی راہ اختیار کرتے ہیں اور اس طریق کو ہم نے آزمایا بھی ہے۔ مگر یاد رکھو کہ یہ راہ ٹھیک نہیں اُدھوری ہے۔ اس راہ سے انسان کو حقیقی معرفت اور یقین کامل جو انسان کی عملی حالت پر اثر ڈال سکے ہرگز ممکن نہیں۔ زیادہ سے زیادہ بس یہی ہوتا ہے کہ خدا ہونا چاہیئے۔ مگر ہے اور ہونا چاہیئے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

معرفتِ کاملہ

اس بیان سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ معرفت بھی وہی فائدہ بخش ہوسکتی ہے جس سے انسان میں ایک تبدیلی بھی پیدا ہو۔ ایک شخص جو بینائی اور قوتِ رویئت کا دعویٰ کرے مگر اس کے دعوے کے ساتھ کوئی عملی ثبوت نہ ہو اور وہ کھڑا ہوتے ہی دیواروں سے ٹکریں کھائے کیا اس کا دعویٰ قابلِ پذیرائی ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ کارآمد صنعت کمال ہی ہے۔ نیم مُلّاں خطرۂ ایمان اور نیم حکیم خطرۂ جان مشہور مقولے ہیں۔ پس کامل معرفت کی تلاش کرنا شرط ہے اور وہ اس راہ سے میسر آسکتی ہے جو راہ انبیاء دُنیا میں لائے۔

ایک دہریہ تو وہ ہے جو صانع کے وجود کا منکر ہے اور یہ گروہ قدیم سے ہے مگر میں کہتا ہوں فرض کرو کہ دنیا میں ایسا ایک بھی متنفس نہیں تو بھی ہر وہ جس کو کامل معرفت نہیں وہ بھی دہریہ ہے۔ جب تک کامل معرفت نہ ہو اس وقت تک کچھ نہیں۔ جس طرح ایک دانہ بھوک کو اور ایک قطرہ پیاس کو نہیں مٹا سکتے اسی طرح خشک ایمان جس کے ساتھ کمال معرفت اپنے تمام لوازم کے ساتھ نہیں نجات نہیں دلا سکتا۔ جس طرح وہ انسان زندہ نہیں رہ سکتا جس کو بھوک کے وقت کھانا اور پیاس کے وقت پانی دیکھنا تک بھی نصیب نہیں ہوا۔ اسی

طرح وہ بھی ہلاک ہو جائے گا جس نے بھوک کے وقت ایک دانہ دیکھ لیا یا کھا لیا اور ایک قطرہ شدید پیاس کے وقت دیکھ لیا یا پی بھی لیا ہو۔ پس بعینہٖ اسی طرح سے معرفتِ کامل ہی موجبِ نجات ہو سکتی ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ان محسوسات میں بھی کامل علم اور معرفت ہی کا اثر ہوتا ہے۔ ایک انسان کے پاس خواہ ایک شیر یا بھیڑیا آجاوے مگر جب تک وہ شیر کو شیر اور بھیڑیئے کو بھیڑیا مع ان کے تمام لوازم اور خواص کے یقین نہیں کر لیتا ان سے کوئی خوف نہیں کرتا۔ ایک زہریلے سانپ کو جو انسان ایک چوہا یقین کرتا ہوگا وہ اس سے ہرگز گریز اور پرہیز نہ کرے گا مگر اس علم کے ساتھ ہی کہ یہ ایک زہریلا سانپ ہے اور اس کا کاٹنا گویا پیغامِ اجل ہے۔ وہ اس سے خوف کرے گا اور معاً الگ ہو جاوے گا۔

عقیدہ کفارہ

دیکھو نفسِ اَمّارہ انسان کے ساتھ ساتھ لگا ہوا ہے اور خون کی طرح انسان کے ہر رگ و ریشہ میں اور ذرہ ذرہ میں داخل ہے۔ عیسائیوں نے تو ایک سہل اور آسان راہ نکال لی۔ ایک شخص کو سُولی پر چڑھا دیا۔ اب قیامت تک عیسائی نسل کا ہر فرد جو چاہے سو کرے اس سے کوئی سوال ہی نہیں ہوگا۔ خونِ مسیح ان کے تمام گناہوں کا کفارہ ہو چکا ہے۔ نادان نہیں سمجھتے کہ زید کے تو سر درد ہے بکر نے اُٹھ کر اپنے سر میں پتھر مار لیا۔ بھلا زید کو اس سے کیا فائدہ؟ مَیں یقیناً کہتا ہوں کہ ایک بیمار کو مُرغ کی یخنی جس قدر فائدہ پہنچا سکتی ہے ان کا کفارہ اور خونِ مسیح اس قدر بھی مفید نہیں ہے۔ ان کے پادری جو دوسروں کو تعلیم دیتے ہیں خود ان کے اپنے حالات نہایت ہی خطرناک ہیں۔ کفارہ کے عقیدہ نے اُن کو بہت دلیر کر دیا ہے۔ گناہ ایک خطرناک زہر ہے مگر جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ خونِ مسیح کافی ہے اور کفارہ پر ایمان لے آنا تمام گناہوں کے واسطے کفارہ ہو جاتا ہے وہ گناہ کے زہر کو زہر یقین کرے تو کیسے؟

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک پادری زنا کے جُرم میں پکڑا گیا۔ عدالت میں جب اُس سے سوال ہوا تو اس نے بڑی دلیری اور جرأت سے کہا کہ کیا مسیح کا خون میرے واسطے کافی نہیں ہو چکا ہے؟ غرض ان کا کفارہ ہی تمام بدیوں کی جڑ ہے۔

ہمارے نزدیک کوشش کر کے انسان جب تک ایک پاک تبدیلی کی طرف نہیں جُھکتا اس وقت تک کوئی فائدہ نہیں حاصل ہو سکتا۔ نفسِ اَمّارہ کا مغلوب کرنا بہت بڑا بھاری مجاہدہ ہے۔ اسی نفسِ امّارہ ہی کے زیرِ اثر ہونے کی وجہ سے انسان نہ حق اللہ کو ادا کر سکتا ہے اور نہ حق العباد سے سبکدوش ہو سکتا ہے۔

حق اللہ اور حق العباد

شریعت نے دو ہی حصے رکھے ہیں۔ ایک حق اللہ اور دوسرا حق العباد۔ حق اللہ کیا ہے؟ یہی کہ اس کی عبادت کرنا اور اس کی عبادت

میں کسی کو شریک نہ کرنا اور ذکر اللہ میں لگے رہنا، اس کے اوامر کی تعمیل اور نواہی سے اجتناب کرنا، اس کے محرمات سے بچتے رہنا وغیرہ۔

حق العباد کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی پر ظلم نہ کرنا اور کسی کے حقوق میں دست اندازی نہ کرنا جہاں اس کا حق نہیں ہے۔ جھوٹی گواہی نہ دینا وغیرہ۔

اب یہ دونو امر ایسے مشکل ہیں کہ تمام گناہ، جرائم، معاصی اور دوسری طرف تمام نیکیوں کے اصول اسی میں آگئے ہیں۔ کہنے کو تو ہر ایک کہہ دیتا ہے کہ میں اپنی قوت سے گناہ سے بچ سکتا ہوں مگر انسان فطرت سے الگ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ فطرتِ انسانی کسی کپڑے کا دامن تو ہے نہیں کہ پلید ہوا تو کاٹ کر الگ کر دیا جا سکے۔ فطرت رُوح کا پیدائشی جزو ہے۔ پس جبکہ انسانی فطرت میں ہی یہی رکھا گیا ہے کہ انسان انہی امور سے خائف ہوتا اور پرہیز کرتا ہے۔ جن کو وہ اپنی ہلاکت کا باعث اور مضر یقین کرتا ہے۔ کسی نے کوئی نہ دیکھا ہوگا کہ سٹر کنیا کو باوجود سٹر کنیا تسلیم کرنے کے دانستہ استعمال کرے یا سانپ کو سانپ یقین کرتے ہوئے ہاتھ میں پکڑ لے یا ایک طاعون زدہ گاؤں میں جہاں موتا موتی کا بازار گرم ہے خواہ مخواہ جا گھسے۔ اس اجتناب اور پرہیز کی وجہ کیا ہے۔ یہی کہ ان باتوں کو وہ مہلک یقین کرتا ہے۔

گناہ سے بچنے کا راز

پس انسان معاصی اور جرائم کی مرض سے تب ہی نجات پا سکتا ہے کہ اسے چور اور سانپ وغیرہ سے بڑھ کر ان کے مضر اور نقصان دہ ہونے کا یقین ہو اور خدا کا جلال، اس کی عظمت اور جبروت ہر وقت اس کے مدِنظر ہو۔ انسان اپنی حرص و خواہش اور دلی آرزوؤں کو بھی ترک کر سکتا ہے۔ مثلاً ایک ذیابیطس کا مریض جس کو ڈاکٹر کہہ دے کہ شیرینی کا استعمال بالکل ترک کر دو۔ پھر اپنی جان کی خاطر میٹھے کو چھوتا بھی نہیں۔ پس یہی حال رُوحانی حرص و ہوا اور خواہشاتِ نفسانی کا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کی عظمت اور اس کا جلال سچے طور سے اس کے دل میں گھر کر چکا ہو تو پھر اس کی نافرمانی کو آگ کے کھانے سے اور موت سے بھی بدتر محسوس کرے گا۔

انسان کو جس قدر خدا تعالیٰ کے اقتدار اور سطوت کا علم ہوگا اور جس قدر یقین ہوگا کہ اس کی نافرمانی کرنے کی سخت سزا ہے اسی قدر گناہ اور نافرمانی اور حکم عدولی سے اجتناب کرے گا۔ دیکھو بعض لوگ موت سے پہلے ہی مَر رہے ہیں۔ یہ اخیار، ابدال اور اقطاب کیا ہوتے ہیں؟ اور ان میں کیا چیز زائد آجاتی ہے؟ وہ یہی یقین ہوتا ہے۔ یقینی اور قطعی علم ضرورتاً اور فطرتاً انسان کو ایک امر کے واسطے مجبور کر دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی نسبت ظن کفایت نہیں کر سکتا۔ شبہ مفید نہیں ہو سکتا۔ اثر صرف یقین ہی میں رکھا گیا ہے۔ خدا تعالیٰ کی صفات کا یقینی علم ایک ہیبت ناک بجلی سے بھی زیادہ اثر رکھتا ہے۔ اسی کے اثر سے تو یہ لوگ سر ڈال دیتے اور گردن جھکا دیتے ہیں۔

پس یاد رکھو کہ جس قدر کسی کا یقین بڑھا ہوا ہوگا اسی قدر وہ گناہ سے اجتناب کرتا ہوگا۔
بظاہر نظر تو گناہ سے بچنے والے اور اس قسم کا دعویٰ کرنے والے بہت ہوں گے مگر ان کی مثال وہی ہے جس طرح ایک پھوڑا جو کہ پیپ سے خوب بھر گیا ہو ظاہری جانب سے چمک اُٹھتا ہے اور باقی حصہ جسم سے بھی اس کی چمک دمک اور روشنی بڑھی ہوئی نظر آتی ہے مگر اندر اس کے پیپ اور گندہ مواد بھرے ہوتے ہیں۔ گناہ سے بچنے کے آثار بھی تو ساتھ ہوں۔ روشنی، دھوپ اور گرمی اس بات کے شاہد ہیں کہ آفتاب نکلا ہوا ہے مگر جو شخص کہ رات کے وقت کہتا ہے کہ آفتاب چڑھا ہوا ہے حالانکہ آفتاب کے آثار نہیں۔ اب بتاؤ کہ کوئی اس کی بات کو باور کرے گا؟ ہرگز نہیں۔ پس یہی حال ان لوگوں کا ہے جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لاتے ہیں۔ حالانکہ اس ایمان کے آثار یعنی گناہ سے کلّی نفرت اور پھر اس کے آثار کہ خدا تعالیٰ کے فیوض و برکات اور تائیدات اور سچی پاکیزگی، تقویٰ اور طہارت ان میں مفقود ہوتے ہیں۔ یہ بات کہ انسان خدا تعالیٰ کی رضا کے خلاف کاموں سے بالکل دست کش ہو جائے اور گناہ اور خدا تعالیٰ کی نافرمانی اُسے آگ کھانے سے بھی بدتر نظر آوے اور خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں کسی دنیوی جاہ و جلال کا رُعب داب اس پر اثر نہ کرے بلکہ یہ ماسویٰ اللہ کو بجز ارادۂ الٰہی کسی کے نفع اور ضرر پہنچانے میں ایک مرے ہوئے کیڑے کی طرح سمجھے اور ایسا ہو جاوے کہ اس کا سکون اور اس کی حرکت اور اس کے تمام افعال خدا تعالیٰ کی مرضی کے تابع ہو جاویں اور یہ اپنے آپ سے فنا ہو کر خدا میں محو ہو جائے۔

گناہ سوز حالت پیدا کرنے کیلئے مامور کی ضرورت

یہ تمام امور انسانی طاقت سے بالاتر ہیں۔ انسان کی اپنی طاقت نہیں کہ ان سب فضائل کو حاصل کر سکے اور تمام رذائل سے کلّی پاک ہو سکے۔ سو اس غرض کے واسطے اللہ تعالیٰ کا یہ ہمیشہ سے قاعدہ ہے کہ وہ دنیا میں ایک انسان کو مامور کر کے بھیجا کرتا ہے اور اپنے عجائباتِ قدرت اس کے ہاتھ پر ظاہر کرتا ہے۔ اس کی دُعائیں قبول کر کے اس کو اطلاع دیتا ہے۔ اس پر مکالمہ مخاطبہ کا فیضان جاری کرتا ہے اور اس کے ہاتھ پر ایسے ایسے خارق عادت معجزات اور غیبی امور ظاہر کرتا ہے جن سے سفلی خیالات کے انسان عاجز ہوتے ہیں اور ایسے چمکتے ہوئے اور ہیبت ناک امور اس کی تائید میں ظاہر کرتا ہے کہ لوگوں کے دل نورِ عرفان اور لذّتِ یقین سے پُر ہو کر گویا خدا کو دیکھ لیتے ہیں اور اس طرح سے خدا تعالیٰ کی عظمت اور جبروت، سطوت اور ہیبت کے نظارہ کرنے سے ان کے دلوں میں سے غیر اللہ اور تمام گندی اور نفسانی خواہشات جو گناہ کا مبداء ہوتی ہیں جل جاتی ہیں اور خدا تعالیٰ کا جلال اور کبریائی ان کے دلوں میں بیٹھ جاتی ہے۔ غرض اس طرح سے وہ ایک جماعت پاک دل انسانوں کی تیار کر

دیتا ہے۔

گناہ سوز حالت جب ہی پیدا ہوتی ہے جبکہ خدا تعالیٰ اپنے جلال اور ہیبت کو دنیا میں ظاہر کرتا ہے اور جب اس کے جبروت وسطوت کا دورہ ہو کر دُنیا پر ایک قہری تجلی ہوتی ہے اور جس طرح ایک خطرناک بجلی جس میں ایک خوفناک کڑک اور آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی چمک ہوتی ہے۔ دلوں پر اپنا تسلّط اور رُعب بٹھا جاتی ہے اسی طرح اس مامور کے زمانہ میں خدا تعالیٰ کی جلالی صفات جلوہ گر ہو کر دُنیا میں ایک پاک تبدیلی پیدا کر جاتا ہے۔

دیکھئے اگر آپ کے پاس ایک آدمی نہایت ہی رذّی اور خستہ حالت میں آوے خواہ وہ درحقیقت بادشاہ ہی کیوں نہ ہو آپ پر اس کا کوئی اثر نہ ہوگا اور آپ اس کے آنے کی کچھ پروا نہ کریں گے بلکہ اگر وہ کچھ کہنا چاہیے گا تو آپ حقارت سے اس کی بات کی طرف بھی متوجہ نہ ہوں گے۔ مگر اگر وہی شخص اپنی شاہانہ شان وشوکت اور سلطانی جلال اور ہیبت سے کر آوے۔ تو آپ کو اس کا استقبال بھی کرنا پڑے گا۔ عزّت وعظمت بھی کرنی پڑے گی اور ضرور ہے کہ آپ ہمہ تن گوش ہو کر اس کے احکام کی بجا آوری کے لیے تیار ہو جائیں۔ پس یہی حال خدا تعالیٰ کی معرفت کا ہے۔ جب تک کسی کو خدا تعالیٰ کی معرفت ہی نہیں وہ تذلّل اور انکسار جو عبادت کا خلاصہ ہے کیسے بجا لاوے گا۔ سچ ہے ؎

آناں کہ عارف تراند ترساں تر

میں نے آپ کو یہ سب کچھ قصے کہانی کے رنگ میں نہیں سُنایا بلکہ خدا اب بھی اسی طرح موجود ہے جس طرح کہ وید، توریت اور انجیل کے زمانہ میں تھا اور خدا اسی طرح اب بھی سُنتا ہے جیسا کہ پہلے زمانوں میں سُنتا تھا اور اسی طرح اب بھی بولتا ہے جس طرح ان زمانوں میں بولا کرتا تھا اور اسی بات کے ثابت کرنے کے واسطے ہم آئے ہیں۔

گناہ کی حقیقت

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام اتنی تقریر فرما چکے تھے کہ سوال کیا گیا کہ بعض لوگ ایک امر کو گناہ یقین کرتے ہیں حالانکہ ایک دوسرے ملک یا خود اسی ملک کے بعض لوگ اسی امر کو گناہ نہیں مانتے یا ثواب یقین کرتے ہیں تو اب ان میں امر فیصل کیا ہوا؟

فرمایا:۔

آپ کے بیان سے یہ ثابت ہو گیا کہ کم از کم اختلاف تو ہے۔ پس اسی اختلاف میں ہی ہماری فتح ہے ایک مومن اور محتاط انسان کی شان سے یہ بالکل بعید ہے کہ وہ مختلف امور کو اختیار کرے۔ مثلاً آپ ہی کے سامنے ایک کھانا رکھا جاوے۔ اتنے میں کوئی شخص آپ کو یہ بتا دے کہ اس کھانے میں زہر کا احتمال ہے۔ اب

آپ ہی فرماویں کہ کیا آپ اُس کو استعمال کریں گے؟ میں تو ہرگز یقین نہیں کر سکتا کہ ایک ایسا آدمی جس کو اپنی زندگی عزیز ہو اس کا ایک لقمہ بھی کھا سکے۔

بیشک یہ سچی بات ہے کہ دہریہ ایک بے باکی کا طریق اختیار کرتا ہے مگر اس کو یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ یہ امر اس کے واسطے مضر نہیں اور وہ بچ گیا ہے بلکہ بات یہ ہے کہ جس طرح ہر درخت کے پھل لانے کا ایک معین وقت ہوتا ہے اسی طرح ہر زہر کے اثر کا بھی ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔ بعض زہر ایسے ہیں کہ ہاتھوں ہاتھ اپنا اثر دکھا دیتے ہیں۔ بعض گھڑی اور بعض گھنٹے بعد اور بعض کی میعاد اس سے بھی زیادہ کئی دنوں کی ہوا کرتی ہے۔

عقلمند انسان کو دیکھنا یہ چاہیئے کہ اتنے نامی اور مشہور اوتار، نبی، رسول جو لاکھوں لاکھ دنیا میں آئے۔ انہوں نے دُنیا میں کیا راہ قائم کی؟ اچھا آپ ہی بتائیں کہ مہذب فرقہ کے لوگ چوری، جھوٹ، زنا وغیرہ امور کو کیسا خیال کرتے ہیں۔ پس اب یقین جانیں کہ خود یہ اختلاف ہی ظاہر کرتا ہے کہ واقعی وہ اُمور جن میں اختلاف کیا گیا ہے گناہ ہیں۔ علاج مرض کا کیا جانا چاہیئے ہم کہتے ہیں کہ گناہ تو ایسی چیز ہے کہ خدا تعالیٰ کی ہستی کو نہ ماننے والا بھی طبعاً اس سے نفرت کرتا ہے۔ پس ایک صحیح الفطرت انسان خواہ اس تک آسمانی تعلیم نہ بھی پہنچی ہو۔ فطرتاً گناہ کو گناہ یقین کرتا اور قابلِ نفرت جانتا ہے۔

دوم یہ کہ بعض امور جو ممنوعات میں سے ہوتے ہیں وہ قانون اور باریک حکمت کے خلاف ہوتے ہیں اور خود انسان کے اپنے حق میں یا بنی نوع انسان کے واسطے بھی ان کا ارتکاب مضر ہوتا ہے مثلاً زنا سے زانی کو آتشک، سوزاک وغیرہ خطرناک امراض لاحق ہو کر وبالِ جان ہو جاتی ہے۔

پس یاد رکھنا چاہیئے کہ نہ خدا نے گناہ سے اس واسطے روکا ہے کہ اس میں اس کا کوئی نقصان متصوّر ہے اور نہ نیکی کی اس واسطے تاکید فرمائی ہے کہ اس میں اس کا کوئی فائدہ ہے بلکہ یہ اس کا رحم ہے کہ اس نے ایسے امور جو خود انسان کے اپنے ہی واسطے مضر تھے یا بنی نوع انسان کے واسطے مضر تھے ان سے روک دیا اور یہ اس کا کمالِ رحم ہے وہ چونکہ قدوس اور پاک ہے اس کی قدوسیت اور پاکی کا تقاضا ہے کہ دُنیا میں نیکی پھیلے۔ ورنہ انسان اگر بے قید ہو کر بدی اور گناہ کرے گا اور ممنوعاتِ شرعیہ کا ارتکاب کرے گا تو اس کا وبال بھی خود ہی برداشت کرے گا۔ خدا تعالیٰ کا اس میں کچھ نقصان نہیں[1]

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۴۶ صفحہ ۲ تا ۴ مورخہ ۶ راگست ۱۹۰۸ء

برمکان خواجہ کمال الدین صاحب

وفاتِ مسیح علیہ السّلام کے دلائل

خلیفہ رجب الدین صاحب نے سوال کیا کہ حضور بعض لوگ دریافت کرتے ہیں کہ وفاتِ مسیحؑ کے کیا دلائل ہیں؟ اس سوال کے جواب میں حضرت اقدس نے ذیل کی تقریر فرمائی۔ فرمایا:۔

حضرت عیسیٰ کی وفات قرآنِ شریف میں بہت آئی ہے۔ دو قسم کی آیات ہیں جن سے ان کا وفات پانا ثابت ہوتا ہے۔ بعض آیات عام ہیں اور بعض خاص حضرت عیسیٰ ہی کے متعلق۔ عام طور پر تمام انبیاء علیہم السلام کی وفات کے متعلق جس میں حضرت عیسیٰؑ بھی شامل ہیں۔ یہ آیت واضح اور کھلا بیان کرتی ہے۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (آل عمران: ۱۴۵)۔

خَلَتْ کا لفظ قرآنِ شریف کے محاورے میں ہرگز کسی ایسے شخص کے واسطے استعمال نہیں ہوا جو زندہ ہو بلکہ ہمیشہ وفات یافتہ لوگوں پر ہی اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی یہی معنے کئے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے موقعہ پر جب حضرت عمرؓ نے جوشِ محبت اور وفورِ الفت کی وجہ سے تلوار کھینچ لی تھی اور آپ ننگی تلوار لیے گلیوں میں پھرتے تھے اور کہتے تھے کہ جو کوئی کہے گا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں اس کی گردن مار دوں گا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس واقعہ سے خبر پا کر مسجد میں آئے اور منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا جس میں ابتداءً یہی آیت پڑھی۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ (آل عمران: ۱۴۵) اس وقت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس آیت کو سُنکر رو پڑے اور یہ سمجھے کہ گویا یہ آیت آج ہی اُتری ہے اور حضرت عمرؓ نے بھی جن کو اتنا جوش تھا اور تلوار لیے پھرتے تھے اور ان کا یہ خیال تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی وفات نہیں پائی اس خطبہ کے بعد تلوار چھوڑ دی اور پھر کبھی کوئی ایسا ذکر نہ کیا۔

اب ظاہر ہے کہ اگر صحابہؓ میں سے کسی ایک نفسِ واحد کا بھی یہ اعتقاد ہوتا کہ حضرت عیسیٰ زندہ بجسم عنصری آسمان پر ہیں تو کیوں وہ اس وقت اعتراض نہ کرتے اور کہتے کہ کیا وجہ ہے کہ ایک چھوٹی سی قوم کا رسول تو زندہ ہے پر ہمارا رسول جس کو خدا نے تمام جہان کے واسطے قیامت تک کی تمام انسانی نسلوں کے لیے بلا کسی خصوصیت کے بھیجا۔ وہ تو ستّر برس تک بھی زندہ نہ رہ سکے۔ پس صحابہؓ کا سکوت اور خاموشی اور کسی قسم کا اعتراض نہ کرنا اس بات کی روشن دلیل ہے کہ تمام صحابہؓ حضرت عیسیٰؑ کو دوسرے انبیاء کی طرح وفات یافتہ یقین کرتے تھے اور کسی ایک کا بھی ہرگز یہ اعتقاد نہ تھا کہ وہ آسمان پر زندہ بجسمِ عنصری خدا کے داہنے ہاتھ بیٹھے ہیں اور یہ اسلام میں سب سے پہلا اجماع ہے۔

دوسری آیت جو حضرت عیسیٰؑ کی وفات کے بارہ میں خصوصیت سے ذکر ہوئی ہے وہ خود حضرت عیسیٰؑ کا قول ہے جو وہ قیامت کے دن خدا کے حضور عرض کریں گے کہ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ (المائدة : ۱۱۸) اللہ تعالیٰ کے اس سوال کے جواب میں کہ اے عیسیٰ کیا تُو نے اس قوم کو ایسی بدراہی اور گمراہی کی تعلیم دی کہ تجھے اور تیری ماں کو معبود بنالیں اور خدائے عزوجل واحد ویگانہ کی عبادت کو ترک کر دیں؟ حضرت عیسیٰؑ کانوں پر ہاتھ دھریں گے اور قوم نصاریٰ کے گمراہ ہونے سے اپنی لاعلمی اور معذرت عرض کریں گے کہ اے خداوند مجھے ان کے حالات سے اسی وقت تک اطلاع تھی جب تک کہ مَیں ان میں رہا تب تک میں نے ان کو یہی تعلیم دی تھی کہ تم اس خدا کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا سب کا ایک ہی خدا ہے۔ پھر جب تو نے مجھے وفات دے دی اس کے بعد کا تو ہی نگران اور واقفِ حال ہے مجھے کوئی علم نہیں۔

اب یہ بات دو حال سے خالی نہیں یا تو یہ لوگ اقرار کریں کہ واقعی قوم نصاریٰ ابھی تک بگڑی نہیں اور جو عقیدہ اتخاذِ ولد اور تثلیث وغیرہ کا انہوں نے اختیار کیا ہوا ہے یہی عین توحید اور رضاء الٰہی کا موجب اور موافق تعلیم حضرت مسیحؑ ہے جس کا اقرار ان کی زبانی قرآن میں موجود ہے اور یا یہ لوگ اس بات کا اقرار کریں کہ درحقیقت مسیح ناصری جو کہ بنی اسرائیل کی بھیڑوں کے واسطے مامور کیا گیا تھا۔ اپنی مفوّضہ خدمت کو انجام دیکر بموجب حکم الٰہی اپنی طبعی موت سے وفات پا گیا ہے اور کہ آئندہ وہ کبھی دُنیا میں نہیں آسکتا بلکہ آنے والا اُمتِ محمدیہؐ میں سے ہوگا جو کہ ان کی خو بو پر ہونے اور مناسب وقت اور مناسب کام کے لحاظ سے مسیح کہلائے گا۔

ظاہر ہے کہ صورتِ اوّل خدا اور خدا کے رسول، قرآن اور قرآنی تعلیم کے بالکل خلاف ہے اور ایسی ہے کہ اس کے ماننے کے ساتھ ہی تمام اسلام کی عمارت گرتی ہے۔ اور صورتِ دوم خدا تعالیٰ کے منشاء کے مطابق حقیقت الامر اور قرآنی تعلیم کا سچا اُصول ہے اور اسی میں اسلام کی فتح، کامیابی، صداقت اور بزرگی کا اظہار ہے۔ اب ان کا اختیار ہے کہ ان دونوں راہوں میں سے جو راہ چاہیں اختیار کریں۔

ہم علیٰ وجہ البصیرت یقین رکھتے ہیں کہ تَوَفِّي کے معنے لغتِ عرب میں اور کلامِ خدا اور رسول میں ہرگز مع جسم عنصری اُٹھائے جانے کے نہیں ہیں۔ تمام قرآن شریف کو یکجائی نظر سے دیکھنا چاہیئے۔ قرآن خدائے علیم وخبیر کی طرف سے علم اور حکمت سے نازل کیا گیا ہے۔ اس میں اختلاف ہرگز نہیں بعض آیات بعض کی تفسیر واقع ہوئی ہیں۔ اگر ایک متشابہات ہیں تو دوسری محکمات ہیں۔ جب یہی لفظ اور مقامات میں دوسرے انبیاء کے حق میں بھی وارد ہوا ہے۔ تو اس کے معنے بجز موت کے اور کچھ نہیں کئے جاتے تو پھر نہ معلوم کہ کیوں حضرت مسیحؑ کو ایسی خصوصیت دی جاتی ہے کیا ابھی تک مسیح کو خصوصیت دینے کا انہوں

نے مزہ نہیں چکھا۔

دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں صاف لفظ ہیں۔ اِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِىْ نَعِدُ هُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ (یونس : ۴۷) پھر حضرت یوسف کے متعلق بھی قرآن شریف میں یہی توفّی کا لفظ وارد ہوا ہے اور اس کے معنے بجز موت اور کچھ نہیں ہیں۔ دیکھو تَوَفَّنِىْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِىْ بِالصّٰلِحِيْنَ (یوسف: ۱۰۲)

یہ حضرت یوسفؑ کی دُعا ہے تو کیا اس کے بھی یہی معنے ہیں کہ اے خدا مجھے زندہ مع جسم عنصری آسمان پر اٹھا لے اور پچھلے صلحاء کے ساتھ شامل کر دے جو کہ زندہ آسمان پر موجود ہیں؟ تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يَصِفُوْنَ۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابل میں جو ساحر فرعون نے بُلائے تھے۔ ان کے ذکر میں تَوَفِّی کا لفظ مذکور ہے جہاں فرمایا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ (الاعراف : ۱۲۷) اب ایک مسلمان کی یہ شان نہیں کہ خدا اور اس کے کلام کے مقابلہ میں دم مارے۔ قرآن حضرت عیسٰیؑ کو سراسر مارتا ہے اور اُن کے وفات پا جانے کو دلائل اور براہین قطعیہ سے ثابت کرتا ہے اور رسُول اکرمؐ نے اس کو معراج کی رات میں وفات یافتہ انبیاء میں دیکھا۔ جائے غور ہے کہ اگر حضرت عیسٰیؑ زندہ مع جسم عنصری آسمان پر اُٹھائے جا چکے تھے تو پھر ان کو وفات شدہ انبیاء سے کیا مناسبت؟ زندہ کو مُردہ سے کیا تعلق اور کیسی نسبت؟ اُنکے لئے تو کوئی الگ کوٹھڑی چاہیئے تھی۔ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (البقرۃ : ۲۵۷)

کوئی گڑبڑ نہیں اور نہ کوئی شک وشبہ اس میں باقی ہے۔ مسلمان کہلا کر ایسی بات پیش کرنا جو قرآن کے خلاف اسلام کے متضاد۔ کیا عقلمندی ہے؟ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خلاف جو شخص کسی امر پر اجماع کا قائل ہے وہ کذّاب ہے۔ صوفیاء کرام اور بعض صلحاءِ اُمّت خیرالانام کا یہی مذہب تھا کہ وہ وفات پا چکے اور آنے والا اسی اُمّت میں سے ہوگا۔ مگر تعصب ایک ایسی بلا ہے کہ باوجود دیکھنے کے نہیں دیکھتے اور باوجود جاننے کے نہیں سمجھتے۔ باوجود کانوں کے نہیں سُنتے۔ افسوس تعصب اور ضد نے ان میں اپنے نفع نقصان کی بھی تمیز باقی نہیں رہنے دی۔ چالیس کروڑ انسان ایک ضعیف اور ناتواں انسان کو انہی دلائل سے خدا مان رہا ہے کہ وہ ازلی ابدی ہے۔ زندہ آسمان پر موجود ہے اور اس نے خلقِ طیر کیا۔ مُردوں کو زندہ کیا۔ اور یہ مسلمان ہیں کہ اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی مارتے اور اپنی گردن کاٹنے کے واسطے خود ان کے ہاتھ میں چھُری دیتے اور ان کی اس خطرناک بُت پرستی میں مدد کرتے ہیں جس کے واسطے خدا تعالیٰ نے ایسا غضب ظاہر کیا۔ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا (مریم : ۹۱)

ان نام کے مسلمانوں کو اتنا بھی علم نہیں کہ ان کی اپنی ہی اولاد کو خود ان کے اپنے اقوال کو حجت پکڑ کر ملزم کر کے مُرتد کیا جاتا ہے۔ کاش یہ اس خوابِ غفلت سے بیدار ہوں اور دوست و دشمن اور اپنے نفع

نقصان کو پہنچا نہیں۔ یہ اسلام کے نادان دوست اتنا نہیں سمجھتے کہ خدا تو ایسا غیور ہے کہ ان کے عقائدِ فاسدہ کو بیخ و بن سے اُکھاڑتا اور ذرا سی دیر کے واسطے بھی ان کے مشرکانہ اُصولوں کو سُن نہیں سکتا۔ قرآن شریف میں تدبر اور خوض کرنے والے جانتے ہیں کہ باطل کا سر کچلنے کے واسطے خدا تعالیٰ نے کیسے کیسے حربے اختیار کئے ہیں دیکھو۔ نصاریٰ نے مسیح کے بن باپ ہونے کو اس کی خدائی کی دلیل خیال کیا تھا۔ خدا تعالیٰ نے کس طرح ان کو آدم کی نظیر پیش کر کے نادم و ذلیل کیا اور ان کے دعوے کو باطل کیا۔ اِنَّ مَثَلَ عِیۡسٰی عِنۡدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ (آل عمران: ۶۰) مسیح تو بن باپ تھا۔ آدم اس سے بھی بڑھ کر خدائی کے لائق ہے کیونکہ یہاں باپ نہ ماں دونو ندارد۔

پس یاد رکھو کہ اگر فی الواقع حضرت مسیح زندہ مع جسم عنصری آسمان پر گئے ہوتے اور خدا ان کی اس دلیل کو بھی سچا ماننا تو ضرور تھا کہ اس کی کوئی نظیر پیش کر کے ان کے اس باطل خیال کو بھی ملیامیٹ کر دیتا مگر خدا نے ان کی اس بات کو نفی کے رنگ میں باطل کیا ہے اور یہی جواب دیا ہے کہ وہ تو مر گیا آسمان پر جانا کیسا؟ یاد رکھو کہ اگر خدا کا بھی یہی منشاء ہوتا کہ درحقیقت حضرت عیسیٰؑ زندہ آسمان پر ہیں تو ضرور تھا کہ بُت پرستی کی اس دلیل اور باطل کے اس دیو کے سر کچلنے کے واسطے بھی کوئی نظیر ہی کا حربہ چلاتا مگر خدا کے نظیر پیش نہ کرنے سے اور وفات کا جا بجا ذکر کرنے سے یہ صاف عیاں ہے کہ وہ ضرور وفات پا چکا اور زندہ آسمان پر نہیں ہے اور خدا نے ان کی اس دلیل کو مانا ہی نہیں ورنہ ضروری تھا کہ جس طرح پہلے نظیر پیش کر کے اُن کو ملزم و خوار کیا یہاں بھی نظیری وجہ سے عیسائیت کے بُت کو پاش پاش کرتا مگر خدا نے ایسا نہیں کیا۔ اس کی یہی وجہ ہے کہ خدا نے ان کی اس دلیل کو ان کی وفات کے بیان سے ردّ کیا ہے اور درحقیقت ان کی اس حجت کا حقیقی اور اصل جواب یہی ہے کہ قرآن کا یہ منشاء ہرگز نہیں کہ حضرت عیسیٰؑ زندہ آسمان پر اُٹھائے گئے بلکہ وہ بھی وفات پا چکے جس طرح تمام انبیاء وفات پا گئے۔

یہ عجیب بات ہے کہ چونکہ وہ قتل نہیں ہوئے اس واسطے آسمان پر چڑھ گئے۔ کیا جو قتل نہیں کیا جاتا وہ لازماً آسمان پر چلا جاتا ہے۔ جب تو پھر لاکھوں کروڑوں کو زندہ آسمان پر ماننا پڑے گا۔

اصل جھگڑا تو یہود کا یہ تھا کہ حضرت مسیحؑ کا رفع رُوحانی نہیں ہوا۔ وہ تو اس بات کو ثابت کرنا چاہتے تھے کہ نعوذ باللہ مسیحؑ لعین اور مردود ہیں۔ اسی واسطے وہ اس بات پر زور دیتے تھے کہ ہم نے مسیح کو صلیب دیا اور اس طرح سے ان کو قتل کرنے کے مدعی تھے تا کہ اپنی کتاب کے فرمودہ کے مطابق ان کو جھوٹا نبی ثابت کریں۔ رفع جسمانی کے متعلق تو کوئی جھگڑا ہی نہ تھا۔ قرآن شریف چونکہ بنی اسرائیل کے متنازع فیہ امور میں حَکَم اور قولِ فیصل ہے اس نے یہود کے اس اعتراض اور بہتان کا جو انہوں نے مسیحؑ کو لعنتی اور جھوٹا ثابت کرنے

کے واسطے باندھا تھا جواب دیا کہ مَا قَتَلُوْہُ یَقِیْنًا بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ (النسآء : ۱۵۸، ۱۵۹) کہ یہود نے جیسا کہ ان کا زعم ہے حضرت مسیح کو قتل نہیں کیا اور نہ ہی اس طرح سے وہ ان کو جھوٹا نبی ثابت کرنے کے دعویٰ میں کامیاب ہوئے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کا رفع رُوحانی کیا اور ان کو ایسی ذلّت اور ادبار سے بچا لیا۔ اگر رفع جسمانی ہی نجات اور پاکیزگی اور مقبول اور محبوب الٰہی ہونے کا موجب ہے تو پھر تو سارے ہی نبی جھوٹے ٹھہرتے ہیں اور کوئی بھی نجات یافتہ نہیں رہتا چہ جائیکہ کوئی خدا کا مقبول اور محبوب بھی ہو (نعوذ باللہ من ذٰلک) تعصب نے ان کو کسی کام کا نہیں چھوڑا۔[1]

بلا تاریخ

خدا تعالیٰ کو ہر چیز پر مقدم کرنا ہی نیک بختی ہے

فرمایا کہ :- وہ ایمان کیا ہے اگر کوئی شخص کسی چیز کو یا کسی انسان کو خدا پر مقدم کر لے۔ جب تک ہر ایک چیز پر خدا کو مقدم نہ کیا جائے تو وہ شرک کہلاتا ہے۔ دیکھو ہمیں دو دفعہ موقعہ پیش آیا ہے۔ ایک دفعہ تو مولوی عبد الکریم صاحب کی وفات پر جبکہ نہایت زور سے دُعا مانگنے کے بعد الہام ہوا۔

اِنَّ الْمَنَایَا لَا تَطِیْشُ سِہَامُھَا

اور پھر بھی دُعاؤں کا سلسلہ جاری رہا تو الہام ہوا کہ

یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ

یعنی اس شخص نے مرنا ضرور ہے اور عبادت کے لائق وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا۔ یعنی زندہ رہنے والا وہی ہے اس سے دل لگاؤ۔ پس ایمانداری تو یہی ہے کہ خدا سے خاص تعلق رکھا جائے اور دوسری سب چیزوں کو اس کے مقابلہ میں ہیچ سمجھا جائے اور جو شخص اولاد کو یا والدین کو یا کسی اَور چیز کو ایسا عزیز رکھے کہ ہر وقت انہیں کا فکر رہے تو وہ بھی ایک بُت پرستی ہے۔

بُت پرستی کے یہی تو معنے نہیں کہ ہندوؤں کی طرح بُت لے کر بیٹھ جائے اور اس کے آگے سجدہ کرے حد سے زیادہ پیار و محبت بھی عبادت ہی ہوتی ہے۔ ہمیں تو بچپن سے اس بات کی سمجھ آگئی تھی اور اب بھی ہمارا لڑکا مبارک احمد فوت ہو گیا ہے اور اگر ایک مبارک کی جگہ لاکھ مبارک بھی آجائے اور خدا تعالیٰ فرمائے

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۴۹ صفحہ ۲ تا ۴ مورخہ ۱۴ اگست ۱۹۰۸ء

کریا ان کی طرف جاؤ یا ہماری طرف تو قسم بخدا ایک منٹ کے لیے یا ایک سیکنڈ کے لیے بلکہ اس کے ہزارویں حصّہ کے لیے کبھی دل میں یہ خیال نہ پیدا ہو کہ اس کی طرف نہ جائیں اور مبارک احمد کی طرف چلے جاویں۔ اولاد چیز کیا ہے؟ بچپن سے ماں اس پر جان فدا کرتی ہے مگر بڑے ہو کر دیکھا جاتا ہے کہ بہت سے لڑکے اپنی ماں کی نافرمانی کرتے ہیں اور اس سے گستاخی سے پیش آتے ہیں۔ پھر اگر فرمانبردار بھی ہوں تو دکھ اور تکلیف کے وقت وہ اس کو ہٹا نہیں سکتے۔ ذرا سا پیٹ میں درد ہو تو تمام عاجز آجاتے ہیں۔ نہ بیٹا کام آسکتا ہے نہ باپ نہ ماں نہ کوئی اور عزیز۔ اگر کام آتا ہے تو صرف خدا۔ پس ان کی اس قدر محبت اور پیار سے فائدہ کیا جس سے شرک لازم آئے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (التغابن: ۱۶) اولاد اور مال انسان کے لیے فتنہ ہوتے ہیں۔ دیکھو اگر خدا کسی کو کہے کہ تیری کُل اولاد جو مر چکی ہے زندہ کر دیتا ہوں مگر پھر میرا تجھ سے کچھ تعلق نہ ہوگا تو کیا اگر وہ عقلمند ہے اپنی اولاد کی طرف جانے کا خیال بھی کریگا؟

پس انسان کی نیک بختی یہی ہے کہ خدا کو ہر ایک چیز پر مقدم رکھے۔ جو شخص اپنی اولاد کی وفات پر بُرا مناتا ہے وہ بخیل بھی ہوتا ہے کیونکہ وہ اس امانت کے دینے میں جو خدا تعالیٰ نے اس کے سپرد کی تھی بخل کرتا ہے اور بخیل کی نسبت حدیث میں آتا ہے کہ اگر وہ جنگل کے دریاؤں کے برابر بھی عبادت کرے تو وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ پس ایسا شخص جو خدا سے زیادہ کسی چیز کی محبت کرتا ہے اس کی عبادت نماز روزہ بھی کسی کام کے نہیں۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا مثالی صبر

حضرت ایوبؑ کی طرف دیکھو کہ وہ کیسے صابر تھے خدا تعالیٰ نے اُن کا ذکر قرآن شریف میں بھی کیا ہے کہ وہ میرا ایک صابر بندہ ہے۔ پہلی کتابوں میں اُن کا ذکر بالتفصیل لکھا ہے کہ شیطان نے خدا تعالیٰ سے کہا کہ ایوب کیوں صبر نہ کرے کہ اس کو تو نے مال دیا ہے۔ دولت دی ہے۔ غلام دیئے ہیں۔ نوکر چاکر دیئے ہیں۔ اولاد دی ہے۔ بیوی دی ہے۔ صحت دی ہے تو خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ تو اس کو آزما۔ اس پر پہلے تو اس کی بھیڑ بکریاں ماری گئیں۔ پھر بڑے بڑے جانور مارے گئے مگر پھر بھی حضرت ایوبؑ نے صبر سے کام لیا۔ اس پر شیطان نے کہا کہ ابھی اس کے پاس دولت اور غلام اور اولاد ہے وہ صبر کیوں نہ کرے۔ اس پر اس کے غلام بھی مر گئے۔ پھر انہوں نے صبر کیا۔ یہاں تک کہ ہوتے ہوتے سب کچھ ہلاک ہو گیا۔ ایک وہ اور ان کی بیوی رہ گئیں۔ پھر بھی شیطان نے کہا کہ ابھی ان کی صحت درست ہے اس پر ان کو جُذام ہو گیا یعنی کوڑھ ہو گیا۔ پھر بھی انہوں نے صبر سے کام لیا۔ پس جب وہ اس طرح صابر اور صادق ثابت ہوئے تو خدا تعالیٰ نے ان کو آگے سے بھی زیادہ مال و دولت، غلام، لونڈیاں اور اولاد عطا فرمائی اور صحت بھی عطا فرمائی۔

پس جب انسان صبر سے کام لے تو اس کو سب کچھ ہی مل رہتا ہے۔ انسان کو چاہیئے جو کام کرے خدا تعالیٰ کی رضا کے مطابق کرے۔ شیخ سعدی صاحب کیا عمدہ فرماتے ہیں ؎

کہ بے حکم شرع آب خوردن خطا است
اگر خوں بہ فتویٰ بریزی روا است

یعنی اگر تم خدا تعالیٰ کے منشاء کے برخلاف پانی پیو تو وہ گناہ ہے لیکن اگر اس کے حکم کے مطابق خون بھی کر دو تو وہ جائز ہے۔

پس مَیں تم کو سچ سچ کہتا ہوں کہ خدا کے سوا جس چیز کی انسان خواہش کرتا ہے نہ وہ اس کو ملتی ہے نہ خدا۔ کیونکہ اس کے سوا ہر ایک چیز فانی ہے لیکن جو شخص خدا تعالیٰ کو پسند کرتا ہے اس کو خدا بھی ملتا ہے اور دوسری چیزیں بھی ملتی ہیں اور اس کی جو خواہش ہوتی ہے وہ پوری ہو کر رہتی ہے۔ اب میں نے جو کچھ خدا کے لیے کہنا تھا وہ کہہ چکا تم کو چاہیئے کہ اپنے دین کی حفاظت کرو۔[1]

۴؍ مئی ۱۹۰۸ء

بعد نماز عصر۔ بمقام لاہور

جماعت کو نصیحت

فرمایا:۔ ملاقات سے غرض یہی ہوتی ہے کہ امرِ دین کے متعلق کچھ سوچا جاوے

مَیں بار بار اور کئی مرتبہ کہہ چکا ہوں کہ ظاہر نام میں تو ہماری جماعت اور دوسرے مسلمان دونو مشترک ہیں۔ تم بھی مسلمان ہو۔ وہ بھی مسلمان کہلاتے ہیں۔ تم کلمہ گو ہو وہ بھی کلمہ گو ہیں۔ تم بھی اتباعِ قرآن کا دعویٰ کرتے ہو۔ وہ بھی اتباعِ قرآن ہی کے مدعی ہیں۔ غرض دعووں میں تو تم اور وہ دونو برابر ہو مگر اللہ تعالیٰ صرف دعووں سے خوش نہیں ہوتا جب تک کوئی حقیقت ساتھ نہ ہو اور دعویٰ کے ثبوت میں کچھ عملی ثبوت اور تبدیلی حالت کی دلیل نہ ہو۔ اس واسطے اکثر اوقات مجھے اس غم سے سخت صدمہ پہنچتا ہے۔ ظاہری طور سے جماعت کی تعداد میں تو بہت ترقی ہو رہی ہے کیا خطوط کے ذریعہ سے اور کیا خود حاضر ہو کر دونو طرح سے سلسلہ بیعت میں روز افزوں ترقی ہو رہی ہے۔ آج کی ڈاک میں بھی ایک لمبی فہرست بیعت کنندگان کی آئی ہے، لیکن بیعت

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۴۸ صفحہ ۱-۲ مورخہ ۲۲؍ اگست ۱۹۰۸ء (منقول از تشحیذ الاذہان)

کی حقیقت سے پوری واقفیت حاصل کرنی چاہیئے اور اس پر کاربند ہونا چاہیئے اور بیعت کی حقیقت یہی ہے کہ بیعت کنندہ اپنے اندر سچی تبدیلی اور خوفِ خدا اپنے دل میں پیدا کرے اور اصل مقصود کو پہچان کر اپنی زندگی میں ایک پاک نمونہ کر کے دکھا دے اگر یہ نہیں تو پھر بیعت سے کچھ فائدہ نہیں بلکہ یہ بیعت پھر اس کے واسطے اَور بھی باعثِ عذاب ہوگی کیونکہ معاہدہ کر کے جان بوجھ اور سوچ سمجھ کر نافرمانی کرنا سخت خطرناک ہے۔

مَیں خوب جانتا ہوں کہ ان باتوں کا کسی دل میں پہنچا دینا میرا کام نہیں اور نہ ہی میرے پاس کوئی ایسا آلہ ہے جس کے ذریعہ میں اپنی بات کسی کے دل میں بٹھا دوں مگر یہ معاملہ مجھ سے ہی نہیں بلکہ تمام انبیاء اسی راہ پر آئے ہیں۔ اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ (القصص: ۵۷) یہ ارشاد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوتا ہے۔ اب اَور کون ہے جو اپنی مرضی سے کسی کو ہدایت پر قائم کر سکے۔ نصیحت کرنا اور بات پہنچا نا ہمارا کام ہے یوں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس جماعت نے اخلاص اور محبت میں بڑی نمایاں ترقی کی ہے۔ بعض اوقات جماعت کا اخلاص، محبت اور جوشِ ایمان دیکھ کر خود ہمیں تعجب اور حیرت ہوتی ہے اور یہاں تک کہ دشمن بھی تعجب میں ہیں۔ ہزار ہا انسان ہیں جنہوں نے محبت اور اخلاص میں تو بڑی ترقی کی ہے مگر بعض اوقات پُرانی عادات یا بشریت کی کمزوری کی وجہ سے دُنیا کے اُمور میں ایسا وافر حصہ لیتے ہیں کہ پھر دین کی طرف سے غفلت ہو جاتی ہے۔

ہمارا مطلب یہ ہے کہ بالکل ایسے پاک اور بے لوث ہو جاویں کہ دین کے سامنے امورِ دنیوی کی حقیقت نہ سمجھیں اور قسما قسم کی غفلتیں جو خدا سے دُوری اور مہجوری کا باعث ہوتی ہیں وہ دُور ہو جاویں۔ جب تک یہ بات پیدا نہ ہو اس وقت تک حالت خطرناک ہے اور قابلِ اطمینان نہیں۔ کیونکہ جب تک ان باتوں کا ذرہ بھی وجود موجود ہے تو اندیشہ ہے اور ایک دبدہ لگی رہتی ہے کہ کسی وقت یہ باتیں زور پکڑ جاویں اور باعثِ حبطِ اعمال ہو جاویں۔ جب تک ایک قسم کی مناسبت پیدا نہیں ہوتی تب تک حالت قابلِ اطمینان نہیں ہوتی۔

دین کو دُنیا پر مقدم رکھنے کا عہد یاد رکھو

موت کا کوئی وقت نہیں۔ آئے دن طاعون ہیضہ، زلازل، وبائیں، قحط اور اور طرح کے امراض انسان پر حملہ کر رہے ہیں اور اگر یہ بھی نہ ہوں تب بھی بعض اوقات خدا تعالیٰ کی ناگہانی گرفت اس طور سے انسان کو آدباتی ہے کہ پھر کچھ بَن نہیں پڑتا۔ پس ضروری ہے کہ جو اقرار کیا جاتا ہے کہ مَیں دین کو دُنیا پر مقدم رکھونگا اس اقرار کا ہر وقت مطالعہ کرتے رہو اور اس کے مطابق اپنی عملی زندگی کا عمدہ نمونہ پیش کرو۔ عمر کا اعتبار نہیں۔ دیکھو ہر سال میں کئی دوست ہم سے جُدا ہو جاتے ہیں اور کئی دشمن بھی چل بستے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے بعض خوفناک خبریں دی ہیں اور وہ اپنی بات میں سچا ہے۔ ان سے اَور بھی خوف آتا ہے وہ بھی بہت ہی خطرناک ہیں۔

رنگا رنگ کے خوف احاطہ کئے ہوئے ہیں۔

طاعون نام ہے مری کا۔ لغت میں ہے الطاعون : الموت۔ کسی کو کیا معلوم کہ خدا تعالیٰ کا کیا غضب بھڑکنے والا ہے۔ خدا محفوظ رکھے ممکن ہے کہ ایسا شدید ہو کہ جس کی برداشت ہی نہ ہو۔ قاعدہ کی بات ہے۔ جیسا کہ ہم نے کل بھی بیان کیا تھا کہ جب کوئی عذاب اور قہرِ الٰہی دُور ہو جاتا ہے ہیضہ ہو یا طاعون، وبا ہو یا قحط تو لوگ مطمئن ہو جاتے ہیں اور جان لیتے ہیں کہ وقت جاتا رہا۔ پھر اس طرح سے دل سخت ہو جاتے ہیں مگر تمہارا کام یہ ہونا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کے آئندہ وعدوں کو یاد کرکے ترساں و لرزاں رہو اور قبل از وقت سنبھل جاؤ۔ نت نئی توبہ کرو۔ جو توبہ کرتا ہے وہ نیکی کی طرف رجوع کرتا ہے اور جو توبہ نہیں کرتا وہ گناہ کی طرف جاتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس بندے سے محبت کرتا ہے جو بہت توبہ کرتا ہے توبہ نہ کرنے والا گناہ کی طرف جُھکتا ہے اور گناہ آہستہ آہستہ کفر تک پہنچا دیتا ہے۔ تمہارا کام یہ ہے کہ کوئی مابہ الامتیاز بھی تو پیدا کرو تم میں اور تمہارے غیروں میں اگر کوئی فرق پایا جاوے گا تو جب ہی خدا بھی نصرت کرے گا۔ ورنہ بنی اسرائیل کی طرف دیکھ لو کہ جب ان میں اور ان کے غیر میں فرق نہ پایا گیا تو باوجودیکہ حضرت موسیٰؑ اُن میں موجود تھے کافروں سے کیسی ذلت کی ہزیمت دلائی۔ ان کے مقابل میں ایک کافر کی تائید کی اور ان کو سزا دی۔ نبی موجود، کتاب موجود احکام موجود، بایں انہوں نے خلاف کیا۔ آخر کافروں سے بھی شکست کھائی۔ کافر تو احکامِ الٰہی سے بے خبر ہوتے ہیں۔ وہ ایسے مواخذہ کے قابل نہیں ہوتے جیسے کوئی مان کر۔ جان پہچان کر خلاف ورزی احکام کرنے والا۔

تقویٰ کی اہمیت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ (النحل : ۱۲۹) تقویٰ، طہارت اور پاکیزگی اختیار کرنے والے خدا تعالیٰ کی حمایت میں ہوتے ہیں اور وہ ہر وقت نافرمانی کرنے سے ترساں و لرزاں رہتے ہیں۔ آجکل دُنیا کا اُصول منافقانہ زندگی بسر کرنا ہو گیا ہے۔ اوّل اوّل انسان انسان سے نفاق کرتا ہے اور منافقانہ رنگ میں ہاں میں ہاں ملاتا ہے حالانکہ دلوں میں کدورت اور رنج و بغض بھرا ہوتا ہے۔ پھر یہ عادت ترقی کرتے کرتے ایسی بڑھتی ہے کہ خدا تعالیٰ سے بھی منافقانہ تعلق کرنا چاہتا ہے اور خدا کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتا ہے حالانکہ جانتا ہے کہ خدا عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ہے دل سے تو مومن ہوتا نہیں مگر خدا کے آگے مومن بننا چاہتا ہے بھلا خدا کسی کے دھوکے میں آ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

دیکھو تقویٰ ایک ایسی چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ایک متقی انسان کی خاطر دوسروں پر بھی رحم کرتا ہے اور اس کے اہل و عیال، خویش و اقارب اور متعلقین پر بھی اثر پڑتا ہے اور اسی طرح سے اگر جرائم اور فسق و فجور کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کا اثر بھی پڑتا ہے۔

غرض خدا تعالیٰ سے ڈرنا اور متقی بننا بڑی چیز ہے خدا اس کے ذریعہ سے ہزار آفات سے بچا لیتا ہے۔ بجز اس کے کہ خدا تعالیٰ کی حفاظت اس کے شامل ہو۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ مجھے بلا نہیں پکڑے گی اور کسی کو بھی مطمئن نہیں ہونا چاہیئے۔ آفات تو ناگہانی طور سے آجاتے ہیں۔ کسی کو کیا معلوم کہ رات کو کیا ہو گا۔

استغفار کی تلقین

لکھا ہے کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے۔ پہلے بہت روئے اور پھر لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔ یا عباد اللہ خدا سے ڈرو آفات اور بلیات چیونٹیوں کی طرح انسان کے ساتھ لگے ہوئے ہیں ان سے بچنے کی کوئی راہ نہیں۔ بجز اس کے کہ سچے دل سے توبہ استغفار میں مصروف ہو جاؤ۔

استغفار اور توبہ کا یہ مطلب نہیں جو آجکل لوگ سمجھے بیٹھے ہیں۔ استغفر اللہ استغفر اللہ کہنے سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا جبکہ اس کے معنے بھی کسی کو معلوم نہیں۔ استغفر اللہ ایک عربی زبان کا لفظ ہے۔ ان لوگوں کی تو چونکہ یہ مادری زبان تھی اور وہ اس کے مفہوم کو اچھی طرح سے سمجھے ہوئے تھے۔ استغفار کے معنے یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ سے اپنے گذشتہ جرائم اور معاصی کی سزا سے حفاظت چاہنا اور آئندہ گناہوں کے سرزد ہونے سے حفاظت مانگنا۔ استغفار انبیاء بھی کیا کرتے تھے اور عوام بھی۔

بعض نادان پادریوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار پر اعتراض کیا ہے اور لکھا ہے کہ انکے استغفار کرنے سے نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گنہگار ہونا ثابت ہوتا ہے۔ یہ نادان اتنا نہیں سمجھتے کہ استغفار تو ایک اعلیٰ صفت ہے۔ انسان فطرتاً ایسا بنا ہے کہ کمزوری اور ضعف اس کا فطری تقاضا ہے۔ انبیاء اس فطرتی کمزوری اور ضعفِ بشریت سے خوب واقف ہوتے ہیں۔ لہٰذا وہ دعا کرتے ہیں کہ یا الٰہی تو ہماری ایسی حفاظت کر کہ وہ بشری کمزوریاں ظہور پذیر ہی نہ ہوں۔ غفر کہتے ہیں ڈھکنے کو۔ اصل بات یہی ہے کہ جو طاقت خدا کو ہے وہ نہ کسی نبی کو ہے نہ ولی کو اور نہ رسول کو۔ کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں اپنی طاقت سے گناہ سے بچ سکتا ہوں پس انبیاء بھی حفاظت کے واسطے خدا کے محتاج ہیں۔ پس اظہارِ عبودیت کے واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اور انبیاء کی طرح اپنی حفاظت خدا تعالیٰ سے مانگا کرتے تھے۔

یہ ان لوگوں کا خیال غلط ہے کہ حضرت عیسٰیؑ استغفار نہ کرتے تھے۔ یہ ان کی بیوقوفی اور بے سمجھی ہے اور یہ حضرت عیسٰیؑ پر تہمت لگاتے ہیں۔ انجیل میں غور کرنے سے صریح اور صاف طور سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے جا بجا اپنی کمزوریوں کا اعتراف کیا اور استغفار بھی کیا۔ اچھا بھلا اَیْلِی اَیْلِی لِمَا سَبَقْتَانِیْ سے کیا مطلب؟ ابی ابی کر کے کیوں نہ پکارا؟ عبرانی میں ایل خدا کو کہتے ہیں۔ اس کے یہی معنے ہیں کہ رحم کر اور فضل کر اور مجھے ایسی بے سروسامانی میں نہ چھوڑ (یعنی میری حفاظت کر)

درحقیقت مشکل تو یہ ہے کہ ہندوستان میں بوجہ اختلافِ زبان استغفار کا اصل مقصد ہی مفقود ہوگیا ہے اور ان دُعاؤں کو ایک جنتر منتر کی طرح سمجھ لیا ہے۔ کیا نماز اور کیا استغفار اور کیا توبہ؟ اگر کسی کو نصیحت کرو کہ استغفار پڑھا کرو تو وہ یہی جواب دیتا ہے کہ میں تو استغفار کی سو بار یا دو سو بار تسبیح پڑھتا ہوں مگر مطلب پوچھو تو کچھ جانتے ہی نہیں۔ استغفار ایک عربی لفظ ہے اس کے معنے ہیں طلب مغفرت کرنا کہ یا الٰہی ہم سے پہلے جو گناہ سرزد ہو چکے ہیں ان کے بدنتائج سے ہمیں بچا کیونکہ گناہ ایک زہر ہے اور اس کا اثر بھی لازمی ہے۔ اور آئندہ ایسی حفاظت کر کہ گناہ ہم سے سرزد ہی نہ ہوں۔ صرف زبانی تکرار سے مطلب حاصل نہیں ہوتا۔

توبہ

توبہ کے معنے ہیں ندامت اور پشیمانی سے ایک بدکام سے رجوع کرنا۔ توبہ کوئی بُرا کام نہیں ہے۔ بلکہ لکھا ہے کہ توبہ کرنے والا بندہ خدا کو بہت پیارا ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کا نام بھی تواب ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب انسان اپنے گناہوں اور افعالِ بد سے نادم ہو کر پشیمان ہوتا ہے اور آئندہ اس بدکام سے باز رہنے کا عہد کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس پر رجوع کرتا ہے رحمت سے۔ خدا انسان کی توبہ سے بڑھ کر توبہ کرتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر انسان خدا کی طرف ایک بالشت بھر جاتا ہے تو خدا اس کی طرف ہاتھ بھر آتا ہے۔ اگر انسان چل کر آتا ہے تو خدا تعالیٰ دوڑ کر آتا ہے یعنی اگر انسان خدا کی طرف توجہ کرے تو اللہ تعالیٰ بھی رحمت، فضل اور مغفرت میں انتہاء درجہ کا اس پر فضل کرتا ہے۔ لیکن اگر خدا سے مُنہ پھیر کر بیٹھ جاوے تو خدا تعالیٰ کو کیا پروا۔

دیکھو یہ خدا تعالیٰ کے فیضان کے لینے کی راہیں ہیں۔ اب دروازے کھُلے ہیں تو سورج کی روشنی برابر اندر آ رہی ہے اور ہمیں فائدہ پہنچا رہی ہے۔ لیکن اگر ابھی اس مکان کے تمام دروازے بند کر دیئے جاویں تو ظاہر ہے کہ روشنی آنی موقوف ہو جاوے گی۔ اور بجائے روشنی کے ظلمت آ جاوے گی۔ پس اسی طرح سے دل کے دروازے بند کرنے سے تاریکئ ذنوب اور جرائم موجود ہوتی ہے اور اس طرح انسان خدا کی رحمت اور فضل کے فیوض سے بہت دُور جا پڑتا ہے۔ پس چاہیئے کہ توبہ استغفار منتر جنتر کی طرح نہ پڑھو۔ بلکہ ان کے مفہوم اور معانی کو مدِّنظر رکھ کر تڑپ اور سچی پیاس سے خدا تعالیٰ کے حضور دُعائیں کرو۔ توبہ میں ایک مخفی عہد بھی ہوتا ہے کہ فلاں گناہ میں کرتا تھا۔ اب آئندہ وہ گناہ نہیں کروں گا۔ اصل میں انسان کی خدا تعالیٰ پردہ پوشی کرتا ہے کیونکہ وہ ستار ہے بہت سے لوگوں کو خدا تعالیٰ کی ستاری نے ہی نیک بنا رکھا ہے۔ ورنہ اگر خدا تعالیٰ ستاری نہ فرماوے تو پتہ لگ جاوے کہ انسان میں کیا کیا گند پوشیدہ ہیں۔

انسان کے ایمان کا کمال

انسان کے ایمان کا بھی کمال یہی ہے کہ تخلّق باخلاق اللہ کرے۔ یعنی جو جو اخلاق فاضلہ خدا میں ہیں اور صفات ہیں

ان کی حتی المقدور اتباع کرے اور اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے رنگ میں رنگین کرنے کی کوشش کرے۔ مثلاً خدا تعالیٰ میں عفو ہے۔ انسان بھی عفو کرے۔ رحم ہے۔ حلم ہے۔ کرم ہے۔ انسان بھی رحم کرے۔ حلم کرے۔ لوگوں سے کرم کرے۔ خدا تعالیٰ ستار ہے۔ انسان کو بھی ستاری کی شان سے حصہ لینا چاہیئے اور اپنے بھائیوں کے عیوب اور معاصی کی پردہ پوشی کرنی چاہیئے۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب کسی کی کوئی بدی یا نقص دیکھتے ہیں جب تک اس کی اچھی طرح سے تشہیر نہ کر لیں ان کو کھانا ہضم نہیں ہوتا۔ حدیث میں آیا ہے جو اپنے بھائی کے عیب چھپاتا ہے خدا تعالیٰ اس کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ انسان کو چاہیئے شوخ نہ ہو۔ بے حیائی نہ کرے مخلوق سے بدسلوکی نہ کرے۔ محبت اور نیکی سے پیش آوے۔

اپنی نفسانی اغراض کی وجہ سے کسی سے بُغض نہ رکھو

اپنی نفسانی اغراض کی وجہ سے کسی سے بغض نہ رکھے۔ سختی اور نرمی مناسبِ موقعہ اور مناسب حال کرے اور اگر کسی جگہ درشتی کرنی بھی پڑ جائے تو اس طرح کرے جس طرح کوئی کسی کا مامور یا نائب حکم کی پابندی کی وجہ سے کرتا ہے انبیاء نے بھی بعض اوقات سختی کی ہے مگر نہ جوشِ نفس سے بلکہ محض خدا تعالیٰ کے حکم اور اصلاح کی غرض سے۔

ہم نے کسی کتاب میں ایک حکایت پڑھی ہے۔ لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کی ایک کافر سے جنگ ہوئی جنگ میں مغلوب ہو کر وہ کافر بھاگا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس کا تعاقب کیا اور آخر اُسے پکڑا۔ اس سے کشتی کر کے اس کو زیر کر لیا۔ جب آپ رضی اللہ عنہ اس کی چھاتی پر خنجر نکال کر اس کے قتل کرنے کے واسطے بیٹھ گئے تو اس کافر نے آپ کے مُنہ پر تھوک دیا۔ اس سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس کی چھاتی سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور اُس سے الگ ہو گئے۔ وہ کافر اس معاملہ سے حیران ہوا اور تعجب سے اس کا باعث دریافت کیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کہا کہ اصل بات یہ ہے کہ ہم لوگ تم سے جنگ کرتے ہیں تو محض خدا کے حکم سے کرتے ہیں۔ کسی نفسانی غرض سے نہیں کرتے بلکہ ہم تو تم لوگوں سے محبت کرتے ہیں۔ مَیں نے تم کو پکڑا خدا کے لیے تھا۔ مگر جب تم نے میرے مُنہ پر تھوک دیا تو اس سے مجھے بشریت کی وجہ سے غصہ آگیا تب مَیں ڈرا کہ اگر اس وقت جبکہ اس معاملہ میں میرا نفسانی جوش بھی شامل ہو گیا ہے تم کو قتل کروں تو میرا سارا ساختہ پرداختہ ہی برباد ہو جاوے اور جوشِ نفس کی ملونی کی وجہ سے میرے نیک اور خالصاً لِلّٰہ اعمال بھی حبط نہ ہو جاویں۔ یہ ماجرا دیکھ کر کہ ان لوگوں کا اتنا باریک تقویٰ ہے۔ اس نے کہا کہ میں نہیں یقین کر سکتا کہ ایسے لوگوں کا دین باطل ہو۔ لہٰذا وہ مسلمان ہو گیا۔

غرض اسی طرح ہماری جماعت کے بھی جنگ ہوتے ہیں ان میں جوشِ نفس کو شامل نہ کرنا چاہیئے۔ دیکھو

اگر ہم خدا تعالیٰ کے نزدیک کافر اور دجّال نہیں ہیں تو پھر کسی کے کافر اور دجّال وغیرہ کہنے سے ہمارا کچھ بگڑتا نہیں اور اگر واقعی ہی ہم خدا تعالیٰ کے حضور میں مقبول نہیں بلکہ مردود ہیں تو پھر کسی کے اچھا کہنے اور نیک بنانے سے ہم خدا تعالیٰ کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔

دلوں کو فتح کرو

پس تم یاد رکھو کہ نرمی عمدہ صفت ہے۔ نرمی کے بغیر کام چل نہیں سکتا۔ فتح جنگ سے نہیں۔ جنگ سے اگر کسی کو نقصان پہنچا دیا تو کیا کیا؟ چاہیئے کہ دلوں کو فتح کرو۔ اور دل جنگ سے فتح نہیں ہوتے بلکہ اخلاقِ فاضلہ سے فتح ہوتے ہیں۔ اگر انسان خدا کے واسطے دشمنوں کی اذیتوں پر صبر کرنے والا ہو جاوے تو آخر ایک دن ایسا بھی آجاتا ہے کہ خود دشمن کے دل میں ایک خیال پیدا ہو جاتا ہے اور اثر ہوتا ہے اور جب وہ برکات، فیوض اور نصرتِ الٰہی کو دیکھتا ہے اور اخلاقِ فاضلہ کا برتاؤ دیکھتا ہے تو خود بخود اس کے دل میں ایسا خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ اگر یہ شخص جھوٹا ہی ہوتا اور خدا تعالیٰ پر افتراء کرنے والا ہی ہوتا تو اس کی یہ نصرت اور تائید تو ہرگز نہ ہوتی۔

ان لوگوں نے ہمیں ہی یہ گالیاں نہیں دیں بلکہ یہ معاملہ تمام انبیاء کے ساتھ اسی طرح چلا آیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کذّاب، ساحر، مجنون، مفتری وغیرہ الفاظ سے یاد کیا گیا تھا اور انجیل کھول کر دیکھو تو معلوم ہوگا کہ حضرت عیسیٰ سے بھی ایسا ہی برتاؤ کیا گیا۔ حضرت موسیٰ کو بھی گالیاں دی گئی تھیں۔ اصل میں تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ والی بات ہے اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ یٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ اِلَّا كَانُوا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (یٰسٓ : ۳۱) کوئی بھی ایسا سچا نبی نہیں آیا کہ آتے ہی اسکی عزت کی گئی ہو۔ ہم کیونکر سنت اللہ سے باہر ہو سکتے ہیں۔ بات تو آسان ہی تھی اور معاملہ بڑا صاف تھا۔ مگر ان منصوبہ بازوں نے معاملہ کچھ کا کچھ کر دیا ہے۔ کیا یہ سچ ہے کہ ہم نبیوں کو گالیاں دیتے ہیں۔ ہم تو اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے آئے ہیں اور کر رہے ہیں۔ ہماری کتابیں دیکھ لو۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ کس طرح ہمارا ہر ذرہ ذرہ خدا تعالیٰ کی راہ میں فدا اور قربان ہے۔

دعویٰ نبوت کی حقیقت

باقی رہی یہ بات کہ ہم نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ یہ نزاعِ لفظی ہے مکالمہ مخاطبہ کے تو یہ لوگ خود بھی قائل ہیں۔ اسی مکالمہ مخاطبہ کا نام اللہ تعالیٰ نے دوسرے الفاظ میں نبوت رکھا ہے ورنہ اس تشریعی نبوت کا تو ہم نے بارہا بیان کیا ہے کہ ہم نے ہرگز ہرگز دعویٰ نہیں کیا۔ قرآن سے برگشتہ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے برگشتہ ہو کر نبوت کا دعویٰ کرنے والے کو تو ہم واجب القتل اور لعنتی کہتے ہیں۔ اس طرح کی نبوت کا کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو منسوخ کر دے، دعویٰ کرنے والے کو ہم ملعون اور واجب القتل جانتے ہیں۔

ہم پر جو اللہ تعالیٰ کے فضل ہیں یہ سب رسُول اکرمؐ کے فیض سے ہی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ ہوکر ہم سچ کہتے ہیں کہ کچھ بھی نہیں اور خاک بھی نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور مرتبہ دل میں اور ہر رگ و ریشہ میں ایسا سمایا ہے کہ ان کو اس درجہ سے خبر تک بھی نہیں۔ کوئی ہزار تپسیا کرے، جپ کرے۔ ریاضتِ شاقہ اور محنتوں سے مشتِ استخواں ہی کیوں نہ رہ جاوے مگر ہرگز کوئی سچا رُوحانی فیض بجُز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اتباع کے کبھی میسر آسکتا ہی نہیں اور ممکن ہی نہیں۔ اب جبکہ ہمارا یہ حال ہے اور ایسا ایمان ہے تو پھر ان کا ہمیں کافر و دجّال کہنا کیا معنے رکھتا ہے؟

ابھی چند روز ہوئے ہمارے پاس ایک اور نیا فتویٰ چھپ کر آیا ہے جس میں ہمیں طرح طرح کے ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔ مگر ہم جانتے ہیں کہ ان باتوں سے ہمارا کچھ بگڑتا نہیں۔ اگر ہم خدا تعالیٰ کی نظر میں مقبول ہیں تو پھر ان کے فتوے ہمیں کوئی ضرر دے سکتے ہی نہیں ہمیں کافر کہنے والے خود بھی تو کفر سے نہیں بچے بلکہ ان کا کفر تو بہت پکا کفر ہے۔ ان کے واسطے تو لکھا جا چکا ہے کہ اگر ان میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو وہ صرف دھونے سے پاک نہیں ہو سکتی بلکہ اینٹیں اُکھاڑ کر نیا فرش لگایا جانے سے مسجد پاک ہوتی تھی۔ ہمارے واسطے ایسی بات تو نہیں۔

عجیب بات یہ ہے کہ جتنے اہل اللہ گذرے ان میں کوئی بھی تکفیر سے نہیں بچا۔ کیسے کیسے مقدس اور صاحب برکات تھے۔ حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ان پر بھی قریباً دو سو علماء وقت نے کفر کا فتویٰ لکھا تھا ابن جوزی جو محدّث وقت تھا اس نے ان کی تکفیر کی نسبت ایک خطرناک کتاب تالیف کی اور اس کا نام تلبیسِ ابلیس رکھا۔ سُنا گیا ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب پر بھی کُفر کا فتویٰ لگایا گیا تھا۔ یہ تو کفر بھی مبارک ہے جو ہمیشہ اولیاء اور خدا تعالیٰ کے مقدس لوگوں کے حصہ میں ہی آتا رہا ہے۔

خاکسار اور متواضع بنو

ہمارا اس وقت اصل مدعا یہ ہے کہ ہمیشہ ڈرتے رہنا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ کفر سچا ہی ثابت ہو جاوے۔ انسان اگر خدا تعالیٰ کے نزدیک بھی موردِ قہر و عذابِ الٰہی ہو تو پھر دشمن کی بات پکی ہی ہو جایا کرتی ہے۔ خالی شیخیوں سے اور بے جا تکبّر اور بڑائی سے پرہیز کرنا چاہیئے اور انکساری اور تواضع اختیار کرنی چاہیئے۔ دیکھو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ حقیقتاً سب سے بڑے اور مستحق بزرگی تھے ان کے انکسار اور تواضع کا ایک نمونہ قرآن شریف میں موجود ہے۔ لکھا ہے کہ ایک اندھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر قرآن شریف پڑھا کرتا تھا۔ ایک دن آپ کے پاس عمائدِ مکّہ اور رؤسائے شہر جمع تھے اور آپ ان سے گفتگو میں مشغول تھے۔ باتوں میں مصروفیت کی وجہ سے کچھ دیر ہو جانے سے وہ نابینا اُٹھ کر چلا گیا۔ یہ ایک معمولی بات تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق سورۃ

نازل فرمادی۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے گھر میں گئے اور اُسے ساتھ لا کر اپنی چادر مبارک بچھا کر بٹھایا۔

اصل بات یہ ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں عظمتِ الٰہی ہوتی ہے ان کو لازماً خاکسار اور متواضع بننا ہی پڑتا ہے کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کی بے نیازی سے ہمیشہ ترساں ولرزاں رہتے ہیں ؎

آنانکہ عارف تراند ترساں تر

کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ نکتہ نواز ہے اسی طرح نکتہ گیر بھی ہے۔ اگر کسی حرکت سے ناراض ہو جاوے تو دم بھر میں سب کارخانہ ختم ہے پس چاہیئے کہ ان باتوں پر غور کرو اور ان کو یاد رکھو اور عمل کرو۔[1]

---

۹ رمئی ۱۹۰۸ء

بمقام لاہور

(قبل نماز ظہر)

احمدی ڈاکٹروں اور اطباء کیلئے خاص نصیحت

طاعون اور ہیضہ وغیرہ وباؤں کا ذکر تھا فرمایا:۔

بدقسمت ہے وہ انسان کہ ان بلاؤں سے بچنے کے واسطے سائنس، طبعی یا ڈاکٹروں وغیرہ کی طرف توجہ کر کے سامان تلاش کرتا ہے اور خوش قسمت ہے وہ جو خدا تعالیٰ کی پناہ لیتا ہے اور کون ہے جو بجز خدا تعالیٰ کے ان آفات سے پناہ دے سکتا ہو؟ اصل میں یہ لوگ جو فلسفی طبع یا سائنس کے دلدادہ ہیں ایسی مشکلات کے وقت ایک قسم کی تسلی اور اطمینان پانے کے واسطے بعض دلائل تلاش کر لیتے ہیں اور اس طرح سے ان وباؤں کے اصل بواعث اور اغراض سے محروم رہ جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ سے پھر بھی غافل ہی رہتے ہیں۔
ہماری جماعت کے ڈاکٹروں سے میں چاہتا ہوں کہ ایسے معاملات میں اپنے ہی علوم کو کافی نہ سمجھیں بلکہ خدا کا خانہ بھی خالی رکھیں اور قطعی فیصلے اور یقینی رائے کا اظہار نہ کر دیا کریں کیونکہ اکثر ایسا تجربہ میں آیا ہے کہ بعض ایسے مریض جن کے حق میں ڈاکٹروں نے متفقہ طور سے قطعی اور یقینی حکم موت کا لگا دیا ہوتا ہے ان کے واسطے خدا کچھ ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے کہ وہ بچ جاتے ہیں اور بعض ایسے لوگوں کی نسبت جو کہ اچھے بھلے اور بظاہر ڈاکٹروں کے نزدیک ان کی موت کے کوئی آثار نہیں نظر آتے خدا قبل از وقت ان کی موت کی

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۳۴ صفحہ ۱ تا ۴ مورخہ ۱۸ رمئی ۱۹۰۸ء

نسبت کسی مومن کو اطلاع دیتا ہے۔ اب اگرچہ ڈاکٹروں کے نزدیک اس کا خاتمہ نہیں۔ مگر خدا کے نزدیک اس کا خاتمہ ہوتا ہے اور چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آجاتا ہے۔

علم طب یونانیوں سے مسلمانوں کے ہاتھ آیا مگر مسلمان چونکہ موحد اور خدا پرست قوم تھی۔ انہوں نے اسی واسطے اپنے نسخوں پر ھوالشّافی لکھنا شروع کردیا۔ ہم نے اطباء کے حالات پڑھے ہیں۔ علاج الامراض میں مشکل امر تشخیص کو لکھا ہے۔ پس جو شخص تشخیصِ مرض میں ہی غلطی کرے گا وہ علاج میں بھی غلطی کرے گا کیونکہ بعض امراض ایسے ادق اور باریک ہوتے ہیں کہ انسان ان کو سمجھ ہی نہیں سکتا۔ پس مسلمان اطباء نے ایسی دقتوں کے واسطے لکھا ہے کہ دُعاؤں سے کام لے۔ مریض سے سچی ہمدردی اور اخلاص کی وجہ سے اگر انسان پوری توجہ اور دردِ دل سے دعا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر مرض کی اصلیت کھول دے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ سے کوئی غیب مخفی نہیں۔

پس یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ سے الگ ہو کر صرف اپنے علم اور تجربہ کی بناء پر جتنا بڑا دعویٰ کرے گا اتنی ہی بڑی شکست کھائے گا۔ مسلمانوں کو توحید کا فخر ہے۔ توحید سے مراد صرف زبانی توحید کا اقرار نہیں بلکہ اصل یہ ہے کہ عملی رنگ میں حقیقتاً اپنے کاروبار میں اس امر کا ثبوت دے دو کہ واقعی تم موحد ہو اور توحید ہی تمہارا شیوہ ہے۔ مسلمانوں کا ایمان ہے کہ ہر ایک امر خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ اس واسطے مسلمان خوشی کے وقت الحمدللہ اور غمی اور ماتم کے وقت اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ (البقرۃ: ۱۵۷) کہہ کر ثابت کرتا ہے کہ واقع میں اس کا ہر کام میں مرجع صرف خدا ہی ہے جو لوگ خدا تعالیٰ سے الگ ہو کر زندگی کا کوئی حظ اُٹھانا چاہتے ہیں وہ یاد رکھیں کہ ان کی زندگی بہت ہی تلخ ہے کیونکہ حقیقی تسلی اور اطمینان بجز خدا میں محو ہونے اور خدا کو ہی ہر کام کا مرجع ہونے کے حاصل ہو سکتا ہی نہیں۔ ایسے لوگوں کی زندگی تو بہائم کی زندگی ہوتی ہے اور وہ تسلی یافتہ نہیں ہو سکتے۔ حقیقی راحت اور تسلی انہیں لوگوں کو دی جاتی ہے جو خدا سے الگ نہیں ہوتے اور خدا تعالیٰ سے ہر وقت دل ہی دل میں دُعائیں کرتے رہتے ہیں۔

سچے مذہب میں پابندیاں ہوتی ہیں

مذہب کی صداقت اس میں ہے کہ انسان خدا تعالیٰ سے کسی حالت میں بھی الگ نہ ہو۔ وہ مذہب ہی کیا ہے اور زندگی ہی کیسی ہے کہ تمام عمر گذر جائے مگر خدا تعالیٰ کا نام درمیان کبھی بھی نہ آوے اصل بات یہ ہے کہ یہ سارے نقائص صرف بے قیدی اور آزادی کی وجہ سے ہیں اور یہ بے قیدی ہی ہے کہ جس کی وجہ سے مخلوق کا بہت بڑا حصہ اس طرزِ زندگی کو پسند کرتا ہے۔

آج ہی ایک کتاب ہم نے دیکھی ہے جس میں بُدھ کی زندگی کے حالات لکھے ہیں۔ اس سے معلوم

ہوتا ہے کہ وہ خدا کا قائل ہی نہیں تھا اور کہ جو کچھ ہے یہی دنیا ہی ہے آئندہ کچھ نہیں۔ ایسے بے قید اور آزاد عقائد ہی ہیں جن کی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ دُنیا کا ⅓ یا ⅕ حصہ بُدھ عقائد کا پابند ہے یا ان عقائد کو پسند کرتا ہے۔ مذہب کا دائرہ جتنا تنگ ہوگا اتنا ہی اس میں داخل ہونے والے لوگ بھی کم ہوں گے اور اتنی ہی نسبتاً پاکیزگی اور طہارت اس میں موجود ہوگی۔

اسلامی پابندیاں

اسلام نے شرائط پابندی ہر دو عورتوں اور مردوں کے واسطے لازم کئے ہیں۔ پردہ کرنے کا حکم جیسا کہ عورتوں کو ہے مردوں کو بھی ویسا ہی تاکیدی حکم ہے غضِ بصر کا۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، حلال و حرام کا امتیاز، خدا تعالیٰ کے احکام کے مقابلہ میں اپنی عادات رسم و رواج کو ترک کرنا وغیرہ وغیرہ ایسی پابندیاں ہیں جن سے اسلام کا دروازہ نہایت ہی تنگ ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہر ایک شخص اس دروازے میں داخل نہیں ہو سکتا۔ عیسائی باش و ہر چہ خواہی کُن۔ اور ان کا مذہب بھی ایک بے قید مذہب ہے اور مسلمانوں میں بھی آجکل ان لوگوں کی دیکھا دیکھی ایک ایسا فرقہ پیدا ہوا ہے کہ وہ اسلام میں ترمیم کرنا چاہتے ہیں۔ اصل میں یہ سب امور اسی بے قیدی اور آزادی کے خواہشمندوں کو سوجھتے ہیں۔ مگر یاد رکھیں کہ بے قیدی اور پاکیزگی تو نُور و ظلمت کی طرح آپس میں دشمن ہیں۔ لاہور میں بھی طبائع میں قبولِ حق کی استعداد تو معلوم ہوتی ہے مگر بے قیدی اور آزادی ان کے راستے میں ایک سخت روک ہے۔

لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک قوم مسلمان ہوئی اور انہوں نے آپ کی خدمت میں عرض کی کہ یا رسُول اللہ ہمیں نماز معاف کر دی جاوے۔ مگر آپ نے ان کو یہی فرمایا کہ دیکھو جس مذہب میں خدا تعالیٰ کی عبادت نہیں وہ مذہب ہی کچھ نہیں۔

جب دنیا کی حالت کے اس آزاد اور بے قید حصہ پر نظر ڈالی جاتی ہے تو دل پر ایک قسم کا زلزلہ اور لرزہ وارد ہوتا ہے اور خیال آتا ہے کہ حقیقت میں اصلاح کی راہ میں سے اسی پتھر کا اُٹھنا مشکل ہے۔ بجز اس کے کہ دُنیا پر ایک عظیم الشان انقلاب آجاوے جو دلوں میں خدا تعالیٰ کی ہیبت اور سطوت اور جبروت و جلال کا یقین پیدا کر دے۔

آجکل اگر کوئی شراب کو چھوڑ بھی دیتا ہے اور کہتا ہے کہ شراب کا استعمال ناجائز ہے۔ اصل میں اس کا بھی یہ مطلب ہوتا ہے کہ اس کثرت سے استعمال نہ کی جاوے یا یہ کہ باہر لوگوں کے سامنے گلی بازاروں میں نہ پی جاوے۔ گھر کی چار دیواری میں جو چاہیں کریں۔ مگر اسلام نے ان سب امور کے ساتھ سچے تقویٰ اور حقیقی پاکیزگی کی سخت تاکیدی شرط اور خدا تعالیٰ کی حدود میں رہنے کی تاکید فرمائی ہے۔

☆ ☆ ☆

ساری بندگیوں کا خلاصہ

اتنی تقریر کر چکنے پر چند دوستوں نے بیعت کی اور ان کے ساتھ ہی ایک بڑے ضعیف العمر بھی تھے۔ انہوں نے عرض کی کہ حضور میرے واسطے دعا کی جاوے کہ اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کو معاف کرے۔

فرمایا:۔

سب سے اچھی بات یہ ہے کہ انسان ہر وقت اس بات کا خیال رکھے کہ عمر کا اعتبار نہیں۔ نہ معلوم کہ موت کس وقت انسان کو آ پکڑے گی اور پھر اس کے ساتھ توبہ استغفار کرتا رہے۔ خدا تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش چاہنا اور اس کی رضا کے حصول کی تڑپ دل میں پیدا کرنا اسی میں سب دین اور دنیا آجاتا ہے۔ ساری بندگیوں کا خلاصہ یہی ہے کہ انسان کے گناہ معاف ہوں اور اس سے خدا تعالیٰ خوش ہو جاوے۔

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دریافت فرمایا کہ

آپ کا نام کیا ہے؟

اس نے عرض کی کہ مستقیم۔

فرمایا:۔

اچھا خدا تعالیٰ آپ کو مستقیم کرے۔

بابا مستقیم صاحب نے عرض کی کہ حضور میرا دل چاہتا ہے کہ میں آپ کی کوئی خدمت کرنے کے قابل ہو سکوں۔

فرمایا:۔

سب کچھ نیت میں آجاتا ہے۔ آپ کو آپ کی نیت کا ثواب مل گیا۔ آپ نے یہاں تک آنے کی جو تکلیف اُٹھائی ہے اس کا بھی اجر دیا جاوے گا۔ اچھا خدا تعالیٰ پر راضی رہو۔

موجودہ زمانہ میں اصلاح کا کام

اس کے بعد حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پھر اس سلسلہ کلام کو شروع کر کے فرمایا کہ:۔

زمانہ موجودہ کے حالات کے لحاظ سے مسئلہ اصلاح کچھ بہت ہی مشکل اور پیچیدہ سا نظر آتا ہے۔ آجکل کچھ ہوا ہی اس کے خلاف چل رہی ہے۔ ہم جو امر پیش کر رہے ہیں وہ تو ایک داروئے تلخ ہے۔ یہ لوگ اپنی میٹھی میٹھی عادات چھوڑ کر کڑوی دوا جب ہی استعمال کر سکتے ہیں کہ اس کی حقیقت سے ان کو پوری واقفیت اور آگاہی ہو کہ واقع میں وہ مٹھائی ان کے حق میں مضر ہے اور یہ داروئے تلخ آب حیات کا اثر رکھتی ہے اور جب ہی کچھ فائدہ ہو سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے جو قید لگائی ہے اس میں سراسر رحمت اور کرم ہے۔ بھلا ان

بے قیدیوں کا انجام ہی کیا ہے؟ یہی ہوتا ہے کہ شراب خوری اور فسق و فجور میں یہ لوگ غرق نظر آتے ہیں اور پھر ان سے جو بد نتائج نکلتے ہیں وہ کیسے خطرناک ہیں؟ دُنیا اُن کا روز نظارہ کر رہی ہے۔ لقوہ، فالج، آتشک سوزاک اور بعض اوقات جذام تک نوبت پہنچتی ہے اور اس طرح زندگی خطرناک مصائب میں مبتلا ہو کر خوار ہو جاتی ہے چاہیئے کہ اس بے قیدی اور اس قید کے نتائج کا مقابلہ کر کے تو دیکھیں مگر یہ نوجوان جن کو نئی تعلیم کے مصالح لگے ہوئے ہیں سمجھتے نہیں۔ اس مصالح سے ہی ڈر آتا ہے۔ مگر پھر بھی ناامید نہیں ہونا چاہیئے۔

مَیں اس تجویز کا بھی مخالف نہیں جو اس گروہ کی سچی ہمدردی اور اصلاح کے واسطے کرنے کا ارادہ کیا گیا ہے بلکہ زور سے اس کے موافق ہوں۔ سَو میں سے ایک ہی سہی ورنہ ان کے ٹھٹھا ہنسی کرنے سے ہی ہمیں اپنی محنت کا ثواب مل رہے گا۔

قاعدہ کی بات ہے کہ جب کسی ایسے مجمع میں جہاں سَو پچاس آدمی جمع ہوں کوئی بات کہی جاتی ہے تو ان میں اختلاف ضرور ہو جاتا ہے۔ اگر بعض ہنسی ٹھٹھا کرتے ہیں تو بعض کو اس صداقت کی سمجھ بھی آ ہی جاتی ہے اگرچہ یہ سچ ہے کہ صداقت کے حصہ میں تھوڑے ہی آتے ہیں مگر وہ تھوڑے ہی جوانمرد ہوتے ہیں کیونکہ صداقت کا قبول کرنا بھی ایک جوانمردی ہے اور پھر حق اور صداقت میں ایک رُعب اور طاقت ہوتی ہے۔ اس طرح سے ان کی قوت کے ساتھ ایک اور قوت شامل ہو کر بہت بڑی طاقت ہو جاتی ہے۔

خبیث سے طیب کی تمیز

اور پھر ایک اَور خدا کا فضل ہمارے حصہ میں یہ آیا ہے کہ ہماری طرف آنے والے حلیم سلیم اور نیک آدمی ہی ہوتے ہیں ان لوگوں کے گندے اشتہاروں اور ان کی خلاف تہذیب اور خارج از انسانیت تحریروں، تقریروں اور گالی گلوچ دیکھ کر تو ہمیں خوش ہی ہونا پڑتا ہے۔ ہمیں فائدہ ہی کیا ہوتا اگر یہ گندے لوگ ہم میں آ شامل ہوتے خدا تعالیٰ نے ہمیں جو بتایا ہے اور وہ خدا تعالیٰ کے کلام میں داخل ہے کہ میں خبیث سے طیب کو الگ کرنا چاہتا ہوں۔ اس تمیز اور تمحیص کے ذرائع بھی خود خدا نے ہی بنا دیئے ہیں ورنہ ممکن تھا کہ یہ لوگ موت[1] کے بھی قائل ہو جاتے اور اس طرح سے ان میں اور ہم میں کوئی اختلاف نہ رہ جاتا۔ مگر خدا جو خبیث اور طیب میں فرق کرنا چاہتا ہے اس نے اپنی حکمت سے اُن میں اور ہم میں کچھ ایسے اختلاف ڈال دیئے کہ اُن کو ہم سے بالکل الگ ہی کر دیا۔

یہ عجیب بات ہے کہ ان کے پاس کوئی قوی دلیل نہیں ہے۔ مگر پھر بھی یہ غیظ و غضب میں بھر

---

[1] مراد عیسیٰ علیہ السلام کی موت ہے۔ (مرتب)

رہے ہیں۔ اگر کہیں قرآن شریف میں حضرت مسیح کی زندگی کا لفظ صریح طور سے لکھا ہوتا یا احادیث صحیحہ سے حضرت مسیح کی زندگی ثابت ہوتی جب تو اُن کا حق بھی تھا کہ غیظ و غضب کرتے اور ہمیں جو دل چاہتا کہتے۔ مگر جب خود قرآن اور حدیث ہی ان لوگوں کو دھکے دے رہے ہیں تو پھر ان کا حق نہیں ہے کہ اس قدر جھوٹا جوش دکھاویں۔

اصل بات یہ ہے کہ اس پُرفتن زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا ہے کہ میل کچیل سے نکال کر ایک علیحدہ فرقہ بنا دے اور دنیا کو دکھا دے کہ اسلام اس کو کہتے ہیں۔

حالات دو ہی قسم کے ماتحت ہوتے ہیں۔ عملی اور اعتقادی۔ مگر اس زمانہ کے مسلمانوں نے ہر دو رنگ میں اسلام کو بدنام کیا ہے۔ اسلام ہر گند سے پاک اور ہر میدان میں غالب ہے مگر ہم نہیں سمجھتے کہ ان لوگوں نے جو ہتھیار اختیار کئے ہیں ان سے کبھی اسلام غالب ہو سکے۔

جہنّم دائمی نہیں

اسلام ایک ایسا پاک اور کامل مذہب ہے کہ اس کے کسی اعتقاد پر اعتراض ہو ہی نہیں سکتا۔ معاد کے متعلق بعض لوگوں نے اعتراض کیا تھا کہ اگر دوزخ کا خلود اور حالتِ کفر میں مر جانے کی سزا بھی ابدالآباد اور لاانقطاع زمانہ کے واسطے مانی جاوے تو اس طرح سے ایک ظلم لازم آتا ہے اور یہ امر خدا تعالیٰ کے بے انتہا رحم کے برخلاف ہے۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ دوزخ کی ابدیت، جنت کی ابدیت اور خلود کی طرح لا انقطاع نہیں ہے۔ کیونکہ جن قویٰ سے انسان ارتکاب گناہ کرتا ہے آخر ان کا خالق بھی تو خود خدا ہی ہے۔ انسان وہ قویٰ اور وہ فطرت آخر گھر سے تو لایا نہیں۔ مانا کہ انسان فعل اور ترکِ فعل میں بعض اوقات دخل و تصرف رکھتا ہے اور خود بدی کرتا ہے مگر چونکہ خالقِ فطرت خدا تھا اور اس نے خود فرمایا ہے کہ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا (النساء: ۲۹) لہٰذا اس کو اس کا فائدہ بھی دیا جانا چاہیئے تھا۔ پس گناہ کی سزا ہوگی اور عذاب ہوگا مگر یہ ابدیت وہ نہیں جس طرح خدائی ابدیت ہے ایک خاص وقت تک جہنّم میں رکھ کر اصلاح ہو جانے پر رہائی ہو جاوے گی۔ کوئی مانے یا نہ مانے۔ مگر خدا تعالیٰ کے کلام سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ جہاں بہشت کا ذکر ہے وہاں عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ (هود: ۱۰۹) کا لفظ ہے اور جہاں جہنّم کا ذکر ہے۔ وہاں یہ فرمایا کہ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ (هود: ۱۰۸) ان آیات میں غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بہشتیوں کو خوف نہیں دلایا گیا مگر دوزخیوں کو مخلصی کی امید ضرور دلائی ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر بہشت کے متعلق عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ کا لفظ نہ ہوتا تو بہشت والوں کو بھی کھٹکا ہی رہتا۔ مگر خدا تعالیٰ نے عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ کا لفظ بڑھا

کر وہ کھٹکا ہی مٹا دیا کہ یہ خدا تعالیٰ کی عطا ہے وہ واپس نہیں لی جاتی۔ اور اس کی نسبت ہم نے ایک اور حدیث بھی دیکھی ہے جس میں لکھا ہے کہ يَأْتِيْ عَلٰى جَهَنَّمَ زَمَانٌ لَيْسَ فِيْهَا اَحَدٌ وَ نَسِيْمُ الصَّبَا تُحَرِّكُ اَبْوَابَهَا۔

اب دیکھو۔ یہ کیسا پاک اُصول اور عقیدہ ہے جو اسلام نے دوزخ اور بہشت کے متعلق مسلمانوں کو سکھایا ہے جس میں ایک ذرہ بھر بھی ظلم نہیں اور نہایت پاک اور حق و حکمت کا اُصول ہے کہ ایک خاص حد تک سزا ہوگی۔ بعد اس کے نجات ہو جاویگی کیونکہ آخر فطرتوں اور قویٰ انسانی کا خالق تو خدا تعالیٰ ہی ہے کوئی فطرت سلیم اور کانشنس منظور ہی نہیں کر سکتی کہ ایک کمزور اور ناتواں انسان کے گناہ کو ایسا عظیم الشان مانا جاوے جو کبھی بخشا ہی نہ جاوے۔

معراج کی حقیقت

دوسرا معاملہ معراج کا ہے۔ بیشک ہم بھی مانتے ہیں کہ جسم کے ساتھ آپ گئے تھے۔ بیداری بھی تھی اور جسم بھی تھا مگر وہ ایک اعلیٰ درجہ کی کشفی حالت تھی اس دلیل کے واسطے بخاری کو دیکھ لو کہ یہ سارا واقعہ لکھنے کے بعد لکھا ہوگا کہ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ بھلا اس کے کیا معنے؟ دیکھو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جن کو بہت عرصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے کا موقعہ ملا تھا۔ اور جن کا علم بھی بہت بڑا تھا ان کی یہ روایت ہے۔ اِسْتَيْقَظَ سے یہ مراد نہیں کہ آپ نے خواب دیکھا تھا بلکہ ایک قسم کی بیداری تھی اور اس میں یہ بھی شعور تھا کہ مع جسم گئے۔ یہ ایک خدا تعالیٰ کا تصرف ہوتا ہے کہ غیبوبت حس نہیں ہوتی اور یہ ایک نکتہ ہے کہ علم سے حل نہیں ہو سکتا بلکہ تجربہ صحیحہ اس کو حل کر سکتا ہے۔ فلسفہ اور طبعی کا اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا اور نہ ہی کوئی اعتراض کے قابل بات ہے مگر بعض لوگ خود اسلام کو بگاڑتے اور قابل اعتراض بناتے ہیں[1]

۱۲؍مئی ۱۹۰۸ء

بمقام لاہور

قبل نماز ظہر

انگلستان کے پروفیسر ریگ سے گفتگو

پروفیسر ریگ جو کہ انگلستان کا رہنے والا ایک بڑا بھاری ماہر علم ہیئت ہے۔ وہ تمام دُنیا

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۳۵ صفحہ ۲-۳ مورخہ ۳۰؍مئی ۱۹۰۸ء

کی سیر کے ارادے سے وطن سے نکلا اور علم ہیئت پر بڑے بڑے لیکچر دیتا پھرتا ہے۔ چنانچہ چند روز سے لاہور میں وارد ہے اور ایک لیکچر لاہور میں بھی دیا جس میں بڑے بڑے انگریز لیکچر سننے کے واسطے شامل تھے۔ حضرت مفتی محمد صادق بھی حسنِ اتفاق سے اس لیکچر میں موجود تھے۔ لیکچر کے خاتمہ پر مفتی صاحب ممدوح نے پروفیسر صاحب سے ملاقات کی اور حضرت اقدس کے دعاوی اور دلائل وغیرہ ان کو سنائے۔ چنانچہ پروفیسر موصوف اسی وقت تیار ہو گیا کہ حضرت اقدس کے حضور حاضر ہو مگر مفتی صاحب نے کہا کہ پہلے میں حضرت اقدس سے اجازت لے کر وقت مقرر کرا لوں پھر آپ کو لے جاؤں گا۔ چنانچہ حضرت اقدسؑ نے اجازت دی اور ۱۲ مئی قبل ظہر ملاقات ہوئی۔

سوال:۔ مَیں ایک علمی مذاق کا آدمی ہوں۔ میں دیکھتا ہوں کہ یہ زمین جس میں ہم رہتے ہیں ایک چھوٹی سی زمین ہے اور ہزار در ہزار اور لاکھ در لاکھ حصے اس کے علاوہ مخلوق الٰہی کے موجود ہیں اور یہ ان کے مقابلہ میں ایک ذرہ کی بھی حقیقت نہیں رکھتی تو پھر کیا وجہ کہ خدا کے فضل کو صرف اسی حصہ زمین یا کسی خاص مذہب وملت میں ہی محدود رکھا گیا؟

جواب:۔ دراصل یہ صحیح نہیں اور نہ ہی ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ ایک خاص فرقے یا قوم کے ذریعہ خدا تعالےٰ اپنی ہستی ظاہر کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ کو کسی خاص قوم سے اُنس یا رشتہ نہیں۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ خدا تمام دُنیا کا خدا ہے اور جس طرح اس نے ظاہر جسمانی ضروریات اور تربیت کے واسطے مواد اور سامان تمام قسم کی مخلوق کے واسطے بلا کسی امتیاز کے مشترکہ طور سے پیدا کئے ہیں اور ہمارے اُصول کی رو سے وہ رب العالمین ہے اور اُس نے اناج، ہوا، پانی، روشنی وغیرہ سامان تمام مخلوق کے واسطے بنائے ہیں اسی طرح سے وہ ہر ایک زمانہ میں ہر ایک قوم کی اصلاح کے واسطے وقتاً فوقتاً مصلح بھیجتا رہا ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف میں ہے وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (فاطر:۲۵)

خدا تعالیٰ تمام دُنیا کا خدا ہے۔ کسی خاص قوم سے اس کو کوئی رشتہ نہیں اور یہ جو مختلف اوقات میں مختلف آسمانی کتابیں آئی ہیں ان میں بھی دراصل کوئی اختلاف نہیں کیونکہ جو قابلِ اصلاح اُمور ہوتے ہیں جب دنیا عملی رنگ سے بالکل بگڑ جاتی ہے اور فسق وفجور اور چوری شرارت وغیرہ پیدا ہو جاتی ہے اور لوگ پاکیزگی سے دور ہو کر نفسانی شہوات سے مغلوب ہو جاتے ہیں اور اعتقادی طور سے بھی خدا کو چھوڑ کر بُت پرستی کی طرف جھک جاتے ہیں تو پھر خدا جو انسان کا جسمانی اور رُوحانی مُربی ہے اس کی غیرت تقاضا کرتی ہے کہ ان مفاسد کی اصلاح کے واسطے کوئی شخص پیدا کرے اور اس طرح کا مصلح قانونِ قدرت سے باہر نہیں۔ جس طرح ہمارے واسطے وہ اناج جو حضرت آدمؑ یا اور

گذشتہ انبیاء کے وقت میں پیدا ہوا تھا باعث زندگی نہیں ہو سکتا اور وہ پانی جو پہلے لوگوں کے واسطے تھا ہماری پیاس نہیں مٹا سکتا اسی طرح رُوحانی طور سے بھی ہمیں تازہ بتازہ رُوحانی غذا اور پانی کی ضرورت ہے۔

یہ عادت اللہ ہے کہ جس طرح سے وہ جسمانی سلسلے کی پرورش اور تربیت کرتا ہے اور گذشتہ پرورش کافی نہیں ہوتی اسی طرح سے رُوحانی سلسلہ کا حال ہے اور رُوحانی جسمانی دونو سلسلے پہلو بہلو چلتے ہیں۔ اگر کوئی شخص خدا سے ہی منکر ہو تو اس بحث کا الگ ایک طریق ہے۔ خدا تعالیٰ کے قائل کو چاہیئے کہ دونوں سلسلوں کو بالمقابل رکھ کر ایک ہی نظر سے دیکھ کر فائدہ اُٹھائے۔ جس نے جسمانی سلسلہ پیدا کیا ہے اسی نے رُوحانی سلسلہ بھی پیدا کیا ہے جس طرح وہ جسمانی سلسلہ کی تازہ بتازہ پرورش کرتا ہے اسی طرح وہ رُوحانی سلسلہ کی بھی تازہ بتازہ پرورش کرتا ہے۔ جس طرح جسمانی حالت ایک تازہ پانی کی محتاج ہے اسی طرح رُوحانی حالت بھی تازہ آسمانی وحی کی محتاج ہے۔ جس طرح جسم بغیر پرورش کے مرجاتا ہے اسی طرح رُوح بھی بغیر پرورش کے مُردہ ہو جاتی ہے۔ رُوحانی امور میں اگر ہمیشہ گذشتہ ہی گذشتہ کا حوالہ دیا جاوے تو بجُز اس کے رُوحانی حالت ایک مردہ حالت ہو جاوے گی اور کیا ہو سکتا ہے؟

خدا تعالیٰ ہمیشہ طبعاً چاہتا ہے کہ وہ پہچانا جاوے۔ وہ اپنی شناخت اور زندگی کے ثبوت میں ہمیشہ حقائق، معارف اور تازہ بتازہ نشان دکھایا کرتا ہے اور یہ امور کوئی عقلی استبعاد بھی نہیں رکھتے۔ یہی سلسلہ ہمیشہ سے چلا آتا ہے۔ ہزاروں لاکھوں انبیاء آئے۔ انہوں نے عملی طور سے ثبوت دیئے۔ دُنیا پر حجت پوری کی۔ اب کوئی شخص صرف یہ کہہ کر کہ میں سائنس دان یا فلاسفر ہوں ایک ایسی متواتر اور ثابت شدہ شہادت کو کیسے توڑ سکتا ہے۔ چاہیئے کہ جس طرح سے اس گروہ پاک نے عملی زندگی اور نمونے سے اپنے دعویٰ کا ثبوت دیا اسی طرح سے اس کا رد بھی کیا جاتا۔ ہاں البتہ ان لوگوں کو یہ کہنے کا حق پہنچتا تھا کہ پُرانے قصّے کہانیاں کیوں پیش کی جاتی ہیں کوئی زندہ نمونہ یا ثبوت پیش کیا جاوے۔ سو اس کے واسطے ہم تیار ہیں۔ صرف ہیئت دان اپنی ہیئت وغیرہ یا نظام شمسی میں غور کرنے سے خدا تعالیٰ کے وجود کا یقینی ثبوت بہم نہیں پہنچا سکتا۔ البتہ ایک امکان پیدا ہو سکتا ہے کہ خدا ہونا چاہیئے۔ یہ بات کہ خدا ہے اور یقیناً ہے ہمیشہ انبیاء کے پیش کردہ اصول سے ہی ثابت ہوتا رہا ہے۔ اگر ہماری طرح کے انسان دُنیا میں نہ آتے تو خدا کے ثبوت کا کوئی حقیقی اور کامل ذریعہ ہرگز ہرگز دُنیا میں نہ ہوتا۔ زیادہ سے زیادہ اگر کوئی منصف مزاج ہوتا اور شرافت بھی اس کے حصّہ میں آئی ہوتی تو اس

ابلغ اور محکم ترتیب اور نظام شمسی وغیرہ سے اتنا نتیجہ نکال سکتا تھا کہ خدا ہونا چاہیئے ۔ باقی یہ امر کہ یقیناً خدا ہے اور وہ دُنیا کا مالک ، متصرّف اور حکمران ہے ۔ بجز خدا سے اگر خدا نمائی کرنے والوں کے ممکن نہیں ۔ وہ لوگ مشاہدہ کرانے والے ہوتے ہیں اور تازہ بتازہ نشانوں کے پیش کرنے سے گویا خدا کو دکھا دیتے ہیں ۔

سوال :۔ لکھا ہے کہ ایک آدم اور حوّا تھے ۔ حوّا ایک کمزور عورت تھی ۔ اس نے ایک سیب کھالیا ۔ اب اس کے ایک سیب کھانے کی سزا ہمیشہ جاری رہے گی ۔ یہ امر میری سمجھ میں نہیں آتا اور کہ یہ زمین جس سے ہمارا تعلق ہے اس کے سوا اور ہزاروں کروڑوں سلسلے خدا نے پیدا کئے ہیں تو خدا تعالیٰ کی قدرت اور انعامات کو کیوں اس زمین تک محدود کیا جاتا ہے ؟

جواب :۔ ہمارا یہ عقیدہ نہیں ہے ۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ اس آسمان اور زمین کے سوا اور کوئی سلسلہ ہی نہیں ۔ بلکہ ہمارا خدا کہتا ہے کہ وہ رب العالمین ہے یعنی کہ وہ کل جہانوں کا رب ہے اور کہ جہاں جہاں کوئی آبادی ہے وہاں وہاں ہی اس نے رسُول بھیجے ہیں ۔ عدمِ علم سے عدمِ شئ لازم نہیں آتی ۔ جس خدا نے اس ایک چھوٹی سی زمین کے واسطے اتنا وسیع سامان پیدا کیا اس نے کیوں دوسری تمام آبادیوں کے واسطے سامان نہ پیدا کئے ہوں گے ؟ وہ سب کا یکساں ربّ ہے اور سب کی ضرورتوں سے واقف ۔

باقی یہ کہنا کہ انسانی رنج و محن حوّا کے سیب کھانے کی وجہ سے ہیں اسلام کا یہ عقیدہ نہیں ۔ ہمیں تو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى (الانعام : ۱۶۵) زید کے بدلے بکر کو سزا نہیں مل سکتی اور نہ ہی اس سے کوئی فائدہ متصوّر ہے ۔ حوّا کی سیب خوری ان مشکلات اور رنج و سزا کا باعث نہیں ہے بلکہ ان کی وجوہات قرآن نے کچھ اَور ہی بیان فرمائے ہیں ۔

سوال :۔ دو باتیں میں دریافت کرنا چاہتا ہوں ۔ ایک یہ کہ گناہ کیا چیز ہے ۔ ایک ملک کا انسان ایک امر کو گناہ یقین کرتا ہے ۔ حالانکہ ایک دوسرے ملک کا انسان اسی امر کو گناہ نہیں سمجھتا ۔ انسان ایک کیڑے سے ترقی کرتا کرتا انسان بنا اور پھر حق و باطل میں امتیاز حاصل کیا ۔ صداقت اور جھوٹ میں فرق کیا ۔ نیکی اور بدی کو سمجھا ۔ گناہ اور ثواب کا علم پیدا کیا ۔ بایں ہمہ پھر اس امر میں اختلاف پایا جاتا ہے ۔ ایک امر ایک شخص کے نزدیک گناہ ۔ دوسرا اس کو گناہ نہیں سمجھتا اور کرتا ہے ۔

دوسرا یہ کہ شیطان کیا چیز ہے ۔ خدا تعالیٰ کے اس علم اور قدرت کا مالک ہوتے ہوئے بھی شیطان کا اس قدر قابو پاجانا کہ اس کی اصلاح کے واسطے خود خدا کو دُنیا میں آنا پڑا ۔ اس سے کیا مراد ہے ؟

☆ ☆ ☆

گناہ کی حقیقت

جواب:۔ اصل میں جو لوگ خدا تعالیٰ کی ہستی کو ماننے والے ہیں۔ہم ان کے مذاق پر گفتگو کرتے ہیں۔خدا تعالیٰ کی ذات انسان کی زندگی کے واسطے ایک دائمی راحت اور خوشی کا سرچشمہ ہے۔جو شخص اس سے الگ ہوتا ہے یا کسی نہ کسی پہلو سے اس کو چھوڑتا ہے۔اس حالت میں کہا جاتا ہے کہ اس شخص نے گناہ کیا۔خدا تعالیٰ نے فطرتِ انسانی پر نظر ڈال کر جو اعمال باریک در باریک رنگ میں خود انسان کی اپنی ہی ذات کے واسطے مُضر پڑنے والے تھے۔ان کا نام بھی گناہ رکھا۔گو بعض اوقات انسان انکی مضرت کو نہ سمجھ سکتا ہو۔مثلاً چوری کرنا اور دوسروں کے حقوق میں دست اندازی کر کے ان کو نقصان پہنچانا۔گویا خود اپنی پاک زندگی کو نقصان پہنچاتا ہے۔زانی کا زنا کرنا اور دوسروں کے حق میں دست درازی کرنا اور خود اپنی فطرت کی پاکیزگی کو برباد کرنا اور طرح طرح کی مشکلات جسمانی،رُوحانی میں مبتلا ہوتا ہے اس طرح سے وہ امور بھی جو فطرتِ انسانی کی پاکیزگی اور طہارت کے خلاف ہوں گناہ کہلاتے ہیں اور پھر ان امور کے لوازم قریبہ یا بعیدہ بھی گناہ کے ضمیمہ ہی سمجھے جاتے ہیں۔خدا تعالیٰ جو سب سے بڑا اور سب سے زیادہ علم والا،انسان اور ذرّہ ذرّہ کا خالقِ حقیقی ہے اور وہ ان کے خواص کا بھی خالق اور دانا ہے۔وہ اپنی کامل حکمت اور کامل علم سے ایک بات تجویز کرتا ہے کہ یہ تمہارے حق میں مضر ہے اس کا ارتکاب ہرگز ہرگز تمہارے حق میں مفید نہیں بلکہ سراسر مضر ہے تو انسان،ہاں سلیم الفطرت انسان کا یہ کام نہیں کہ اس کی خلاف ورزی کرے۔ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ڈاکٹر جب ایک مریض کے واسطے کوئی پرہیز تجویز کرتا ہے تو بیمار کس طرح بے چون وچرا اس کی تعمیل کرتا ہے کیوں ایسا کرتا ہے؟ اس لیے کہ وہ ڈاکٹر کو اپنے سے زیادہ وسیع معلومات رکھنے والا یقین کرتا ہے۔

غرض اسی طرح بعض اُمور ایسے بھی ہیں کہ وہ انسان کے جسم یا رُوح کے واسطے مضر ہوتے ہیں خواہ انسان سمجھے یا نہ سمجھے۔بعض امور ایسے ہیں کہ اگر خدا تعالیٰ ان کے واسطے نہ بھی حکم دیتا تو بھی وہ مضر ہی تھے طب جسمانی میں بھی بعض گناہ رکھے گئے ہیں۔قواعدِ طب کا علم نہ ہونا عذر نہیں ہوسکتا اس شخص کے واسطے جو خلاف ورزی قواعدِ طب کرتا ہے۔اگر کسی کو یقین نہ ہو تو ڈاکٹروں اور اطباء سے پوچھ لو۔ یاد رکھنے کے لائق نکتہ یہی ہے کہ گناہ کی جڑ وہی امور ہیں جن کے کرنے سے سچی پاکیزگی اور تقویٰ طہارت سے انسان دُور جا پڑے۔خدا تعالیٰ کی سچی محبت اور اس کا وصال ہی سچی راحت اور حقیقی آرام ہے۔ پس خدا سے دُوری اور الگ ہونا بھی گناہ اور باعث دُکھ اور رنج ومصیبت ہے۔جن باتوں کو خدا

اپنی تقدیس کی وجہ سے پسند نہیں کرتا وہی گناہ ہے۔ اگر بعض امور میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ تو دوسری طرف اکثر حصّہ گناہ کا دُنیا میں مشترکہ طور سے مُسلّم ہے۔ جھُوٹ، چوری، زنا اور ظلم وغیرہ ایسے امور ہیں کہ تمام مذہب وملت کے لوگ مشترکہ طور سے ان کو گناہ ہی یقین کرتے ہیں۔ مگر یاد رکھو کہ گناہ کی جڑ وہی امور ہیں جو خدا سے بعید کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی تقدیس کے خلاف ہیں۔ خدا تعالیٰ کے ذاتی تقاضے کے برخلاف اور فطرتِ انسانی کے واسطے مضر ہیں وہی گناہ ہیں۔ ہر انسان گناہ کو محسوس کرتا ہے دیکھو جب کوئی کسی بے گناہ کو طمانچہ مارتا ہے اور جانتا ہے کہ میرا حق نہیں کہ ایسا کروں۔ وہ آخر ایک وقت جب ٹھنڈے دل سے بیٹھے گا اپنے دل میں خود نادم اور شرمندہ ہوگا اور محسوس کریگا کہ مَیں نے بُرا کیا۔ ایک انسان جو کسی بھُوکے کو کھانا دیتا ہے۔ پیاسے کو پانی پلاتا ہے، ننگے کو کپڑا پہناتا ہے وہ اپنے اندر ہی اندر ایک قسم کا احساس پاتا ہے کہ میں نے نیکی کی اور اچھا کام کیا۔ انسان کا دل اور کانشنس نورِ ایمان ہر کام کے وقت اس کو معلوم کرا دیتا ہے کہ آیا اس نے ثواب کیا یا گناہ کیا۔

شیطان

شیطان کے لیے یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ انسان کی سرشت اور بناوٹ میں دو قوتیں رکھی گئی ہیں اور وہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں اور یہ اس واسطے رکھی گئی ہیں کہ انسان ان کی وجہ سے آزمائش اور امتحان میں پڑ کر بصورت کامیابی قربِ الٰہی کا مستحق ہو۔ ان دو قوتوں میں سے ایک قوت نیکی کی طرف کھینچتی ہے اور دوسری بدی کی طرف بلاتی ہے۔ نیکی کی طرف کھینچنے والی قوت کا نام مَلک یا فرشتہ ہے اور بدی کی طرف بلانے والی قوت کا نام شیطان ہے یا بالفاظ دیگر یوں سمجھ لو کہ انسان کے ساتھ دو قوتیں کام کرتی ہیں ایک داعی خیر اور دوسری داعی شر۔ اگر کسی کو شیطان اور فرشتہ کا لفظ گراں گذرتا ہے تو یوں ہی سمجھ لے انسان میں دو قوتوں سے تو کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ خدا تعالیٰ نے کسی بدی کا کبھی ارادہ نہیں کیا۔ خدا تعالیٰ نے جو کیا خیر ہی خیر کیا ہے۔

دیکھو اگر دنیا میں گناہ کا وجود نہ ہوتا تو نیکی بھی نہ ہوتی۔ نیکی گناہ سے پیدا ہوتی ہے۔ گناہ کے وجود سے ہی نیکی کا وجود پیدا ہوتا ہے۔ دیکھو اگر کسی کو زنا کا موقعہ ملتا ہے اور اس میں طاقت موجود ہے اور پھر وہ گناہ سے بچتا ہے تو اس کا نام نیکی ہے۔ اگر کسی کو چوری اور ظلم وغیرہ گناہ کے مواقع ملتے ہیں اور پھر وہ اس کے کرنے پر قادر بھی ہو۔ بایں ہمہ وہ ان کا ارتکاب نہ کرے اور اپنے آپ کو بچا دے تو وہ نیکی کرتا ہے۔ گناہ کا موقعہ اور قدرت پا کر گناہ نہ کرنا ہی ثواب اور نیکی ہے۔

سوال :۔ دُنیا میں دو مختلف طاقتیں کام کرتی ہیں۔ مثبت اور منفی۔ اگر ہم ہمیشہ مثبت سے کام لیتے

رہیں اور منفی سے کام نہ لیں تو ایک دن ایسا ہوگا کہ منفی آہستہ آہستہ جمع ہو کر زور پکڑ جاوے گی اور کسی وقت یک دفعہ پھوٹ کر دُنیا کو تباہ کر دے گی۔ یہی حال نیکی اور بدی کا ہے اگر تمام دنیا میں نیکی ہی نیکی کی جاوے اور کوئی بدی نہ کرے تو اس طرح ایک دن بدی زور پکڑ کر دُنیا کو تباہ کر دے گی۔

جواب:۔ فرمایا:۔

دیکھو۔ اگر ایک شخص چلا کر بولنے پر قادر ہی نہیں تو اس کا نرمی سے بولنا اخلاقِ فاضلہ میں سے نہیں سمجھا جاوے گا۔ اگر انسان ہمیشہ ایک ہی حالت پر قائم رہتا اور دوسرا پہلو بدل ہی نہ سکتا تو پھر نیکی نیکی ہی نہ رہ سکتی۔ افراط اور تفریط دونوں کی موجودگی ہی نیکی پیدا کرتی ہے۔ یکطرفہ حالات ہوتے اور دوسرے قویٰ انسان کو دیئے ہی نہ جاتے اور انسان ہمیشہ نیکی کے واسطے ہی مجبور ہوتا۔ بدی کرنے کی طاقت ہی اُسے نہ ملتی تو پھر فرمانبرداری اور نیکی نام ہی کس چیز کا ہوتا؟ انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایک حد تک اختیار دیا ہے۔ ادھر بھی پہلو بدل سکتا ہے نیکی کی بھی طاقت ہے اور بدی کا بھی اختیار۔ اب جیسا کریگا اس کا اجر پاوے گا۔

دیکھو اگر اخلاقِ بَد نہ ہوتے تو اخلاقِ فاضلہ کن کا نام ہوسکتا؟ اخلاقِ رذیلہ ہوئے جب ہی اخلاقِ فاضلہ بھی ہوئے۔ کوئی اخلاقِ بد انسان کے ذہن میں ہوتے ہیں جب ہی تو انسان ان کا نقشہ ذہن میں رکھ کر ان کی مذمت کرتا اور اخلاقِ فاضلہ کسی خاص کام کا نام رکھتا ہے اور ان کی تعریف کرتا ہے اگر ذہن میں کوئی کسی امرِ بَد کا نقشہ موجود نہیں تو پھر اخلاقِ حسنہ بھی کچھ نہیں۔ ہمیشہ بدی سے ہی نیکی ممتاز کی جاتی ہے اگر ایک ہی پہلو پیدا کیا جاتا تو یقیناً کوئی اجر بھی نہ ہوتا اور کوئی خوشنودی بھی نہ ہوتی (رنج سے راحت، دُکھ سے سُکھ، ظلمت سے نُور، کڑوے سے میٹھا، زہر سے تریاق، بد سے نیک اور گناہ سے نیکی پیدا ہوتی ہے۔ اگر یہ ضدیں دنیا میں پیدا نہ کی جاتیں تو پھر زندگی ہی بدمزہ ہو جاتی) اگر صرف ایک ہی پہلو ہوتا تو وہ تو فطرت میں داخل تھا۔ اس پر اجر کیسا اور ثواب کیا؟ وہ ذریعہ رضامندی کیونکر ہوسکتا؟ وہ تو ایک مجبوری تھی کہ فطرتاً انسان سے اس کے مطابق ہی اعمال سرزد ہوتے۔ یاد رکھو کہ انسان ذو اختیار بنایا گیا ہے۔ انسان کو اختیار ہے کہ نیکی کرے یا بدی، احسان کرے یا ظلم، مروت کرے یا بخل، ہمیشہ دونو پہلوؤں پر لحاظ رکھ کر ہی کسی خاص انسان کے متعلق رائے زنی ہوسکتی ہے کہ نیک ہے یا بد۔ اعمال کا مفہوم ہی یہی ہے کہ دوسری طرف بھی قدرت رکھتا ہو جو انتقام لینے کی طاقت رکھتے ہوئے انتقام نہیں لیتا وہ نیکی کرتا ہے۔ مگر جس کو انتقام کے واسطے مکہ مارنے کا ہاتھ ہی نہیں دیا گیا وہ کس طرح کہہ سکتا ہے کہ مَیں نے نیکی کی اور احسان کیا کہ مکہ نہیں مارا۔ تَذ

اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا (الشمس : ۱۰،۱۱) اس آیتِ کریمہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نیکی اور خوبی کا مدار ہی دونو پہلوؤں پر ہے۔ جس کو ایک ہی قوت دی گئی ہے اور دوسری قوت اس کو عطا نہیں ہوئی وہ تو ایک نقش ہے جو مٹ نہیں سکتا۔ جو شخص مَلک اور شیطان کا انکار کرتا ہے وہ گویا بدیہیات اور امورِ محسوسہ مشہودہ کا انکاری ہے۔ ہم ہر روز دیکھتے ہیں کہ لوگ نیکی بھی کرتے ہیں اور ارتکاب جرائم بھی دُنیا میں ہوتا ہے اور دونو قوتیں دُنیا میں برابر اپنا کام کر رہی ہیں۔ اور ان کا تو کوئی فردِ بشر بھی انکار نہیں کر سکتا۔ کون ہے جو ان دونوں کا احساس اور اثر اپنے اندر نہیں پاتا؟ یہاں کوئی فلسفہ اور منطق پیش نہیں جاتی۔ جبکہ دونو قوتیں موجود ہیں اور اپنی اپنی جگہ اپنا اپنا کام کر رہی ہیں۔

باقی یہ امر کہ اگر نیکی ہی نیکی ہو جاوے تو بدی زور پکڑ کر دنیا کو تباہ کر دے گی۔ اس کے متعلق ہم صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں اس سے تعلق نہیں کہ ایسا ہو تو ایسا ہو اور ایسا ہو تو ایسا ہو۔ ہم اتنا دیکھتے ہیں کہ طبیعتیں مستعد پائی جاتی ہیں۔ کیا اخلاقِ فاضلہ کے واسطے اور کیا رذیلہ کے واسطے۔ ہم اس سے آگے نہیں بڑھتے۔

سوال :۔ عیسائیوں میں یہ ایک مسئلہ مشہور ہے کہ دُنیا گمراہ ہو گئی تھی مگر خدا نے پھر شیطان سے اس کو خریدا۔ کیا یہ صحیح ہے؟

جواب :۔ فرمایا کہ :۔

ہم ایسی لغو باتوں کے قائل نہیں۔ یہ ایک لغویات ہے۔ عیسائیوں سے پوچھا جاوے۔

سوال :۔ عیسائی عقائد سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم ایک اعلیٰ حالت سے ادنیٰ حالت کی طرف آ گئے تھے حالانکہ انسان ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کرتا ہے۔

جواب :۔ فرمایا کہ :۔

یہ ہمارا عقیدہ نہیں اور نہ ہی اس کو مانتے ہیں۔

سوال :۔ مَیں آئندہ زندگی کو مانتا ہوں کہ وہ ایک چولہ ہے۔ انسان اس کے ذریعہ ایک حالت سے دوسری حالت میں چلا جاتا ہے۔ مجھے سپرچول ازم سے خاص دلچسپی ہے۔ مَیں یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ آئندہ زندگی کس طرح سے ہوگی اور وہاں کیا کیا حالات ہوں گے؟

جواب :۔ فرمایا :۔

بیشک اس زندگی کا خاتمہ ہو کر ایک اَور نئے رنگ کی زندگی شروع ہوگی مگر اس وقت ابھی وقت نہیں کہ اس کی تفصیل بیان کریں۔ جنہوں نے اس زندگی میں اچھی تخم ریزی کی ہوگی۔ ان کے واسطے ایک پاک

سلسلہ شروع ہوگا اور جنہوں نے بُری تخم ریزی کی ہوگی۔ ان کے لیے مشکلات اور عذاب کا سلسلہ ہوگا۔ اس نئی زندگی کا ایک قسم کا تعلق اس زندگی سے بھی رہتا ہے اور بالکل ٹوٹ نہیں جاتا۔ مثال کے طور پر عالم خواب موجود ہے۔ بیداری میں ایک زندگی ہوتی ہے مگر سوتے ہی ایک عظیم الشان انقلاب آجاتا ہے بعض تفاصیل معلوم تو ہیں مگر ان کا بیان اس وقت نہیں ہوسکتا کیونکہ اس امر کے واسطے ایک لمبا وقت چاہیئے۔ منٹوں میں یہ امر طے نہیں ہوسکتا۔

سوال لیڈی صاحبہ۔ آیا یہ ممکن ہے کہ جو لوگ اس دُنیا سے گذر گئے ہیں اور مرچکے ہیں ان سے باتیں ہوسکیں یا کوئی تعلق یا واسطہ ہوسکے اور ان کے صحیح حالات معلوم کرسکیں؟

جواب:۔ یہ بات ممکن تو ہے کہ کشفی طور سے روحوں سے انسان مل سکتا ہے مگر اس امر کے حصول کے واسطے ریاضات شاقہ اور مجاہداتِ سخت کی اشد ضرورت ہے۔ ہم نے خود آزمایا ہے اور تجربہ کیا ہے اور بعض اوقات روحوں سے ملاقات کرکے باتیں کی ہیں۔ انسان ان سے بعض مفید مطلب امور اور دوائیں وغیرہ بھی دریافت کرسکتا ہے ہم نے خود حضرت عیسیٰؑ کی رُوح اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض صحابہ کرامؓ سے بھی ملاقات کی ہے اور اس معاملہ میں صاحبِ تجربہ ہیں، لیکن انسان کے واسطے مشکل یہ ہے کہ جب تک اس راہ میں مشق اور قاعدہ کی پابندی سے مجاہدات نہیں کرتا یہ امر حاصل نہیں ہوسکتا اور چونکہ ہر ایک کو یہ امر میسّر بھی نہیں آسکتا۔ اس واسطے اس کے نزدیک یہ ایک قصّہ کہانی ہی ہوتی ہے اور اس میں حقیقت نہیں ہوتی۔

انسانی قلب بڑے بڑے عجائبات کا مرکز ہے مگر جس طرح صاف اور عمدہ پانی حاصل کرنے کے واسطے سخت سے سخت محنت اُٹھا کر زمین کھودی جاتی ہے، مٹی نکالی جاتی ہے اور پھر صفائی کی جاتی ہے اسی طرح دل کے عجائباتِ قدرت سے اطلاع پانے کے واسطے بھی سخت محنت اور مجاہدات کی ضرورت ہے، اصل بات یہی ہے کہ اصلیت اس امر کی ضرور مانی جاتی ہے جس کے ہم خود گواہ ہیں اور صاحب تجربہ۔

سوال:۔ مجھے اس قسم کی ایک کمیٹی کی طرف سے بعض کاغذات آئے تھے اور میری خاص غرض آپ کے پاس حاضر ہونے کی یہی تھی کہ انکے متعلق آپ سے دریافت کروں اور آپ کی ہدایات سُنوں۔ کیا آپ مجھے اپنا کچھ عزیز وقت دے سکتے ہیں؟

جواب:۔ فرمایا کہ:۔

ان دنوں میں ہماری طبیعت بیمار ہے۔ ہم زیادہ محنت نہیں برداشت کرسکتے۔ البتہ صحت کی حالت ہو تو ممکن ہے۔ فقط[1]

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۳۶ صفحہ ۶ تا ۸ مورخہ ۲ رجون ۱۹۰۸ء

۱۴؍مئی ۱۹۰۸ء

بوقتِ صبح

کلام کی عمدگی

فرمایا:۔
قرآنِ مجید ایک ایسی غذا کی مانند ہے جو ہر طبقے ہر مزاج کے لوگوں کے مناسب حال ہے اور یہی اس کے خدا تعالیٰ کی طرف سے ہونے کا ثبوت ہے۔ ہم چاہتے ہیں ہماری جماعت کے لوگ بھی بولنا سیکھیں۔ ان کا طرزِ تقریر بھی ایسا ہی ہو کہ جیسا وہ اعلیٰ درجہ کے لوگوں کے لیے بھی مفید اور ادنیٰ کے لیے بھی فائدہ رساں ہے۔ اصل میں کلام کی عمدگی یہی ہے کہ وہ ہر قسم کے لوگوں کے مطابقِ حال ہو۔

اسلام ایک وسطی راہ ہے

فرمایا:۔
خدا تعالیٰ نے اسلام کو دوسرے لوگوں کے لیے نمونہ بنایا ہے۔ اس میں ایسی وسطی راہ اختیار کی گئی ہے جو افراط و تفریط سے بالکل خالی ہے۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (البقرۃ: ۱۴۴)

الزامی جواب کا جواز

فرمایا:۔
جواب دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تحقیقی، دوسرے الزامی۔ اللہ تعالیٰ نے بھی بعض جگہ الزامی جوابوں سے کام لیا ہے اس میں معترض کو اپنے مذہب کی کمزوری معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ جب عیسائیوں نے کہا کہ عیسیٰ خدا کا بیٹا ہے اور دلیل یہ کہ مریم کنواری کے پیٹ سے پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ (آل عمران: ۶۰) یعنی اگر یہی اس کا بیٹا ہونے کا ثبوت ہے، تو آدم بطریقِ اولیٰ بیٹا ہونا چاہیئے۔

چھوت چھات

چھوت وغیرہ دراصل اس بات کا نشان ہے کہ ہندوؤں کا مذہب کمزور ہے جو ہاتھ لگانے سے بھی جاتا رہتا ہے۔ اسلام کی بنیاد چونکہ قوی تھی اس لیے اس نے ایسی باتوں کو اپنے مذہب میں نہیں رکھا۔ چنانچہ کھانے کے متعلق فرما دیا لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِیْعًا اَوْ اَشْتَاتًا (النور: ۶۲)

مخلصانہ بیان کا اثر

بیان میں جب تک رُوحانیت اور تقویٰ و طہارت اور سچا جوش نہ ہو اس کا کچھ نیک نتیجہ مرتب نہیں ہوتا ہے۔ وہ بیان جو کہ بغیر روحانیت و خلوص کے ہے وہ اس پرنالہ کے پانی کی مانند ہے جو موقعہ بے موقعہ جوش سے پڑ جاتا ہے اور جس پر پڑتا ہے اسے بجائے پاک وصاف کرنے کے پلید کر دیتا ہے۔ انسان کو پہلے اپنی اصلاح کرنی چاہیئے۔ پھر دوسروں کی اصلاح کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ (المائدة: ۱۰۶) یعنی اے مومنو پہلے اپنی جان کی فکر کرو۔ اگر تم اپنے وجود کو مفید ثابت کرنا چاہو تو پہلے خود پاکیزہ وجود بن جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ باتیں ہی باتیں ہوں اور عملی زندگی میں اُن کا کچھ اثر دکھائی نہ دے۔ ایسے شخص کی مثال اس طرح سے ہے کہ کوئی شخص ہے جو سخت تاریکی میں بیٹھا ہے۔ اب اگر یہ بھی تاریکی ہی لے گیا تو سوائے اس کے کہ کسی پر گر پڑے اور کیا ہوگا؟ اُسے چراغ بن کر جانا چاہیئے تاکہ اُس کے ذریعہ سے دوسرے روشنی پائیں۔

دل کا تقدس اور تطہّر ہی صحیح ہتھیار ہیں

جسمانی علوم پر نازاں ہونا حماقت ہے چاہیئے کہ تمہاری طاقت رُوح کی طاقت ہو۔ خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے سائنس یا فلسفہ یا منطق پڑھایا اور اُن سے مدد دی بلکہ یہ کہ اَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ (المجادلة: ۲۳) یعنی اپنی روح سے مدد دی۔ صحابہؓ اُمّی تھے۔ ان کا نبی (سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم) بھی اُمّی۔ مگر جو پُر حکمت باتیں انہوں نے بیان کیں وہ بڑے بڑے علماء کو نہیں سُوجھیں۔ کیونکہ اُن کو خدا تعالیٰ کی خاص تائید تھی۔ تقویٰ و طہارت و پاکیزگی سے اندرونی طور سے مدد ملتی ہے۔ یہ جسمانی علوم کے ہتھیار کمزور ہیں۔ ممکن بلکہ اغلب ہے کہ مخالف کے پاس ان سے بھی زیادہ تیز ہتھیار ہوں۔ پس ہتھیار وہ چاہیئے جس کا مقابلہ دشمن نہ کر سکے۔ وہ ہتھیار سچی تبدیلی اور دل کا تقدس و تطہّر ہے۔ جسے نزول الماء ہو۔ دوسروں کے نزول الماء کو کیا تندرست کرے گا۔ صاحبِ باطن کی بات اگر اس وقت بظاہر رد بھی کر دی جائے تو بھی وہ خالی نہیں جاتی بلکہ انسانی زندگی پر ایک خفیہ اثر کرتی ہے۔

ع سخن کز دل بروں آید نشیند لاجرم بر دل

بوقتِ ظہر

ہنسی

ہنسی کے متعلق ذکر تھا۔ فرمایا:۔
جب اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں چنانچہ وہ فرماتا ہے اَنَّهٗ

هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى (النجم : ۴۴)

اصلاح کا صحیح طریق

ڈاڑھی منڈوانے کا ذکر آیا۔ فرمایا:۔
لوگ کن بیہودہ اعتراضوں میں پڑے ہیں وہ ظاہر کو دیکھتے ہیں۔ ہماری نگاہ باطن پر ہے۔ جب انسان کا دل پاک ہو جائے تو پھر یہ معمولی اصلاحیں خود بخود ہو جاتی ہیں۔ اگر پہلے ہی ایسی باتوں پر اعتراض کر دیا جائے تو انسان ابتلاء میں آجاتا ہے اور بہت سی بڑی باتوں سے محروم رہ جاتا ہے۔ بعض نومسلم صحابہؓ پر بھی ایسے اعتراض کئے گئے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ یوں نہیں چاہیئے۔ جب انسان نے ایک صداقت کو اختیار کر لیا تو آہستہ آہستہ دوسری صداقتوں کے اختیار کی توفیق بھی حاصل ہو جائیگی۔ تدریجی احکام اسی لیے نازل ہوتے رہے۔ شراب کی حُرمت یکدم نازل نہ ہوئی۔ کہ ابھی طبائع تیار نہ ہوئی تھیں ایسے لغو معترضوں سے ہمیں اُمید نہیں کہ وہ کچھ بھی فائدہ حاصل کریں۔ وہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ میں بھی ہوتے تو ان پر بھی اعتراض کرنے سے نہ رُکتے اور آخر مُرتد ہو جاتے۔ ہر نبی اور اس کی جماعت پر ایسے اعتراض ہوتے رہے ہیں۔ چنانچہ بعض نادانوں نے کہدیا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ (الفرقان : ۸) طعام سے مراد اچھا مکلف عمدہ کھانا ہے۔ جب انکار حد سے گذر جاتا ہے تو ایسے ہی اعتراض سوجھتے ہیں۔

اس پر ایک دوست نے ذکر کیا کہ ایک شخص کہتا تھا کہ اگر قرآن سے حضرت کی صداقت کا ثبوت مل جائے تو میں اس قرآن کو بھی نہیں مانتا۔ اگر خدا اپنے نشانوں سے سچا ثابت کر دے تو میں اس خدا پر بھی ایمان نہ لاؤں۔

یہ لعنتی قول انتہائی درجے کی قساوتِ قلبی پر دال ہے۔

خلوص کی قدر

حضرت عیسیٰؑ پر ایک شخص نے جو ان کا مُرید بھی تھا اعتراض کیا کہ آپ نے ایک فاحشہ سے عِطر کیوں ملوایا۔ انہوں نے کہا کہ دیکھ تو پانی سے میرے پاؤں دھوتا ہے اور یہ آنسوؤں سے۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک خلوص کی قدر ہوتی ہے اور میں سچ کہتا ہوں کہ آجکل کے جو فقیہ اور فریسی ہیں اُن سے ایسی کنچنیاں پہلے بہشت میں جائیں گی۔ درحقیقت انہوں نے اس زمانہ کے علماء کی حالت کے اعتبار سے ٹھیک کہا۔

جائز قیاس وہ ہے جو قرآن وسنت سے مستنبط ہو

ایک شخص نے مسئلہ پوچھا۔ مرغی کی گردن بلی اُتار کر لے گئی۔

مُرغی پھڑک رہی ہے ذبح کرلی جائے ؟

فرمایا :۔

ایسے مسائل میں اصُول کے طور پر یاد رکھو کہ دین میں صرف قیاس کرنا سخت منع ہے۔ قیاس وہ جائز ہے جو قرآن و حدیث سے مستنبط ہو۔ ہمارا دین منقول طور سے ہمارے پاس پہنچا ہے۔ پس اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایسی حدیث ثابت ہوجائے تو خیر ورنہ کیا ضرورت ہے دو چار آنے کے لیے ایمان میں خلل ڈالنے کی۔ لَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ (النحل : ۱۱۷)

اِنذاری پیشگوئی ٹل سکتی ہے

آنے والے زلزلہ کی نسبت سوال ہوا۔ فرمایا :۔

حقیقۃ الوحی پڑھو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے حکم میں کچھ منسوخ بھی فرما دیا ہے چنانچہ فرمایا۔ یُؤَخِّرُهُمْ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى (النحل : ۶۲) ہمارا خدا قادر مطلق خدا ہے۔ وہ کامل اختیارات رکھتا ہے۔ یَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ۔ ہمارا ایمان ہے۔ وہ جوتشی کی طرح نہیں۔ وہ ایک حکم صبح دیتا ہے اور رات کو اس کے بدلنے کے کامل اختیارات رکھتا ہے۔ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ (البقرۃ : ۱۰۷) والی آیت اس پر گواہ ہے۔ آخر صدقہ و استغفار سے ردِّ بلا ہوتا ہے۔ بلا کیا چیز ہے۔ یعنی وہ تکلیف وہ امر جو خدا تعالیٰ کے ارادے میں مقدر ہو چکا ہے۔ اب اس بلا کی اطلاع جب کوئی نبی دے تو وہ پیشگوئی بن جاتی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ اَرحم الراحمین ہے۔ وہ تضرع کرنے والوں پر اپنی رحمت سے رجوع کرتا ہے اس لیے ہمارا یہ عقیدہ نہیں کہ وعید کی پیشگوئیاں اٹل ہیں، بلکہ وہ ٹل جاتی ہیں۔

دیکھو جہاں میں نے زلزلہ کا ذکر کیا ہے وہاں ساتھ ہی توبہ استغفار تضرع و صدقہ کی طرف توجہ دلائی ہے۔ جس سے یہ مراد ہے کہ یہ عظیم بلا ٹل سکتی ہے۔ افسوس لوگ ہماری عداوت میں ایسے بڑھ گئے ہیں کہ وہ اسلام کے مسائل کو بھی بھول گئے ہیں۔ وہ مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (الانفال: ۳۴) اور پھر ہم پر اعتراض کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہدایت کرے۔[1]

---

۱۵ ر مئی ۱۹۰۸ء

۱۰ بجے دن

دو معزز بیرسٹرایٹ لاء ملاقات کو آئے۔ اُن سے مفصلہ ذیل مکالمہ ہوا۔

---

[1] بدر جلد ۷ نمبر ۱۹-۲۰ صفحہ ۳-۴ مورخہ ۲۴ ر مئی ۱۹۰۸ء

انشاء اللہ کہنا ضروری ہے

آپ نے آئندہ کے متعلق ایک بات کہی کہ ایسا کیا جائے گا۔ مگر ساتھ ہی انشاء اللہ فرمایا اور بتلایا کہ:۔

انشاء اللہ کہنا نہایت ضروری ہے کیونکہ انسان کے تمام معاملات اس کے اپنے اختیار میں نہیں۔ وہ طرح طرح کے مصائب اور مکارہ و موانع میں گھرا ہوا ہے۔ ممکن ہے کہ جو کچھ ارادہ اس نے کیا ہے وہ پورا نہ ہو۔ پس انشاء اللہ کہہ کر اللہ تعالیٰ سے جو تمام طاقتوں کا سرچشمہ ہے مدد طلب کی جاتی ہے۔ آجکل کے ناعاقبت اندیش و نادان لوگ اس پر ہنسی اُڑاتے ہیں۔

مخالفت کا فائدہ

مخالفوں کے سب وشتم کا ذکر تھا۔ فرمایا:۔

دیکھو کاشتکاری میں سب چیزوں ہی سے کام لیا جاتا ہے۔ پانی ہے۔ بیج ہے۔ مگر پھر بھی اس میں کھاد ڈالنے کی ضرورت پڑتی ہے جو سخت ناپاک ہوتی ہے پس اسی طرح ہمارے سلسلے کے لیے بھی گندی مخالفت کھاد کا کام دیتی ہے۔

جماعت کے قیام کا مقصد

فرمایا:۔

اسلامی فرقوں میں دن بدن پھوٹ پڑتی جاتی ہے۔ پھوٹ اسلام کے لیے سخت مضر ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ (الانفال: ۴۷) جب سے اسلام کے اندر پھوٹ پڑی ہے دم بدم تنزل کرتا جاتا ہے۔ اس لیے خدا نے اس سلسلہ کو قائم کیا تا لوگ فرقہ بندیوں سے نکل کر اس جماعت میں شامل ہوں جو بے ہودہ مخالفتوں سے بالکل محفوظ ہے اور اس سیدھے راستے پر چل رہی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا۔

دوسرے کلمہ گوؤں سے ہمارا اختلاف

ہم چاہتے ہیں کہ چند مہذب و شائستہ و منصف مزاج و خدا ترس لوگ جمع ہوں اور ہم انہیں سمجھائیں کہ ہمارا مذہب کیا ہے اور دوسرے کلمہ گوؤں سے ہمارا کس بات میں اور کیوں اختلاف ہے۔ دراصل ایسے وقت میں خدا تعالیٰ نے یہ سلسلہ قائم کیا ہے جبکہ اسلام دو حملوں کے صدمے اُٹھا رہا ہے۔ ایک بیرونی طور سے حملہ ہے اور ایک اندرونی طور سے۔ چنانچہ بعض مسلمانوں ہی میں سے کہتے ہیں کہ اسلام کے احکام کوئی نہیں۔ یہ روزہ و نماز و حج پرانے زمانے کی باتیں ہیں جو کچھ عرب کے وحشیوں کے لیے ہی مفید ہو سکتی تھیں۔ پھر قیامت کے

حالات پر طرح طرح کے اعتراض کرتے ہیں۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو افراط کی طرف گئے ہیں۔ اور وہ بعض انبیاء کی شان میں غلو کرتے کرتے یہاں تک پہنچے ہیں کہ انہیں خدا تک بنا دیا ہے۔ ایک حضرت عیسیٰ ہی کو لو۔ ان کو بعض ایسی صفات کا صاحب گردانا ہے جو خاصۂ الوہیت ہیں۔

حضرت عیسیٰ کے واسطے خصوصیت کیوں؟

وہ بیشک خدا تعالیٰ کے مقربین میں سے تھے۔ ان پر خدا تعالیٰ کا فضل تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی نبوت سے ممتاز تھے مگر ان کے لیے کوئی ایسی خصوصیت مقرر کرنا جو دوسرے انبیاء میں نہ ہو ٹھیک نہیں۔ کہتے ہیں کہ آسمان پر کئی صدیوں سے بجسدہ العنصری متمکن ہے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کفار نے قسمیں کھا کھا کر کہا کہ ہم ضرور مان لیں گے اگر آپ ہمارے سامنے آسمان پر چڑھ جاویں۔ اس کا جواب جو دیا گیا وہ یہ تھا کہ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل: ۹۴) جب اللہ تعالیٰ نے ابتداء سے ایک قانون مقرر کر دیا کہ فِيْهَا تَحْيَوْنَ تو پھر اللہ تعالیٰ اپنی سنت کے خلاف کیوں کرتا۔ اگر یہ عقیدہ (عیسیٰ کے مع جسم آسمان پر چڑھ جانے کا) اس وقت کے مسلمانوں میں ہوتا تو کافروں کا حق تھا کہ انہیں یہ کہہ کر ملزم کریں کیا وجہ ہے ایک نبی کیلئے یہ امر جائز قرار دیتے ہیں اور دوسرے کیلئے نہیں حالانکہ تم اس بات کے بھی قائل ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں سے اور بالخصوص حضرت عیسیٰ سے افضل اور جامع کمالاتِ نبوت ہیں۔

غرض یہ زندہ آسمان پر چڑھ جانے کا ذکر قرآن شریف میں نہیں ہے بلکہ قرآن تو اس عقیدہ کی تردید کرتا ہے یہ آیت ہے جو میں نے پڑھی ہے حدیث نہیں کہ اس پر ضعیف یا وضعی ہونے کا اعتراض ہو سکتا ہو سارا قرآن مجید اوّل سے آخر تک دیکھ لو عیسیٰ کے اب تک زندہ رہنے کا ثبوت نہ پاؤ گے۔ اگر پاؤ گے تو یہ کہ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ عیسیٰ علیہ السلام رب العزت کے حضور عرض کر رہے ہیں۔ جب تُو نے مجھے وفات دی تو پھر تُو نگرانِ حال تھا۔ میں دوبارہ نہیں آیا اور یہ کہ عیسائی میرے بعد بگڑے ہیں۔ توفی کے معنے موت ایسی بدیہی بات ہے کہ اس کا انکار نہیں ہو سکتا۔ یہ لفظ قرآنِ مجید میں اور انبیاء کے لیے بھی آیا ہے مثلاً حضرت یوسفؑ نے کہا تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا (یوسف: ۱۰۲) اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ (یونس: ۴۷) دونو باب تفعّل سے ہیں۔ کسی لغت کی کتاب میں بھی اس کے خلاف معنے نہ پاؤ گے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے کلام کی شہادت ہوئی۔ اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فعلی شہادت کی طرف دیکھو جو آپ کی رویت ہے آپ فرماتے ہیں کہ میں نے معراج کی رات عیسیٰ کو یحییٰ کے ساتھ دیکھا۔ اب اس میں تو کسی مسلمان کو شک نہیں کہ یحییٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔ پس فوت شدہ گروہ میں جو بہشت جا چکا ہے کسی کو دیکھنا سوا

اس بات کے اور کیا معنی رکھتا ہے کہ وہ بھی مرچکا ہے۔ غرض یہ دو شہادتیں ہیں۔ آپ خود ہی انصاف کریں کہ ان سے کیا بات ثابت ہوتی ہے۔ پس کیا وجہ ہے کہ عیسٰیؑ کے لیے خصوصیات پیدا کی جائیں۔ پادری عیسٰیؑ کے خدا ہونے کی دلیل بیان کرتے ہیں کہ وہ مُردے زندہ کرتا تھا حالانکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ (الزمر: ۴۳) اب خدا تعالیٰ کے کلام میں تناقض نہیں کہ ایک آیت میں کہے مُردے دوبارہ دُنیا میں نہیں آتے اور دوسری میں کہے کہ مُردہ زندہ ہوتے ہیں۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اُس کے ہاتھ پر مُردے زندہ ہوتے ہیں۔ لِمَا يُحْيِيْكُمْ (الانفال: ۲۵) اور سب کو معلوم ہے کہ اس سے مُراد رُوحانی مُردوں کا زندہ ہونا ہے۔ پس مسلمان جو پادریوں کی متابعت میں عیسٰیؑ کے مُردے زندہ کرنے کے قائل تھے غلطی کرتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں کہ جو مسِ شیطان سے پاک ہے وہ صرف عیسٰیؑ اور اس کی ماں ہی تھی۔ دیکھو۔ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کس قدر ہتک ہے۔ ایسے ہی اور بہت سی خصوصیتیں ہیں جو مسلمانوں نے عیسٰیؑ کو دے رکھی ہیں۔ جن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک لازم آتی ہے اور ہم اس بات کو کبھی بھی گوارا نہیں کرسکتے کہ اس سید الرسل سے بڑھ کر کسی کو بنایا جاوے جو عیسٰیؑ سے بدرجہا افضل اور اعلیٰ تھا (اللّٰھم صلّ علٰی سیّدنا محمّدٍ)

مکالماتِ الٰہیہ جاری ہیں

پھر ان مسلمانوں کا ہم سے اس بات میں اختلاف ہے کہ ہم اس بات کے قائل ہیں کہ خدا تعالیٰ کے مکالمات و مخاطبات اس اُمّت کے لوگوں سے قیامت تک جاری ہیں اور یہ بالکل سچ ہے کیونکہ یہی تمام اولیاء اُمّت کا مذہب رہا ہے۔ یاد رکھو کہ دینِ اسلام ایسا دین نہیں جس کے کمالات پیچھے رہ گئے ہیں اور آگے کے لیے اس میں کچھ نہیں۔ اگر یہ بات ہو اور اس کا دارومدار بھی قصوں پر ہی ہو تو پھر بتاؤ کہ اس میں اور دوسرے دینوں میں فرق کیا رہ گیا؟ اسلام میں اگر کوئی چیز مابہ الامتیاز ہے تو یہی کہ اس کے پیرو الٰہی مکالمات و مخاطبات سے مشرف ہوتے ہیں۔ خشک توحید کے قائل تو اور مذاہب بھی ہیں مثلاً یہود پھر برہمو سماج۔ یہ سوال ہو سکتا ہے کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے ساتھ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھنے کا کیا فائدہ ہے۔ یہی تو فائدہ ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت و پیروی و تصدیقِ رسالت اللہ تعالیٰ کا محبوب بنا دیتی ہے اور ان انعامات کا وارث جو اگلے برگزیدہ انبیاء پر ہوئے۔ چنانچہ فرمایا۔ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا (الانفال: ۳۰) یعنی وہ تمہیں ایک فرقان دے گا پس دوسرے مذاہب اور اس میں ایک مابہ الامتیاز اسی جہان میں ہونا ضروری ہے۔

ہم اپنی بات کا ذکر نہیں کرتے۔ ہمارے معاملہ کو الگ رکھ کر کوئی ہمیں سمجھائے کہ اگر اسلام بھی خشک

توحید ہی لے کر آیا تھا جیسے کہ یہودی رکھتے ہیں اور برہمو سماج کے لوگ اس کے قائل ہیں۔ تو اتنا بڑا شریعت کا بوجھ ڈالنے کی کیا ضرورت تھی؟ ایک طرف تو مانتے ہیں کہ اسلام ایک زندہ مذہب ہے اور دوسری طرف اس میں کوئی مابہ الامتیاز نہیں بتاتے اور اس کے جو کمالات اور خوبیاں ہیں وہ بھی مُردوں میں بتاتے ہیں۔ گویا زندوں کے لیے کچھ نہیں۔

مصنوع سے صانع کی طرف جانا خدا تعالیٰ کی ہستی کا اعلیٰ ثبوت نہیں ہوسکتا۔ بلکہ خداشناسی کا یہی ایک ذریعہ ہے کہ وہ خود انا الموجود کہے۔ پچھلے قصّے تو دوسرے مذاہب بھی سُناتے ہیں۔ پس اس کے مقابل میں اگر تم بھی دو چار گذشتہ قصّے سُنا دو تو اس میں بہتری کیا ہوئی اور اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ جو کچھ تم کہتے ہو وہ تو سچ ہے مگر جو دوسرا بیان کرتا ہے کہ ہمارے راہنما نے یہ معجزہ دکھایا وہ غلط ہے۔ دیکھو انجیل میں ایسے معجزوں کا بھی ذکر ہے کہ جب عیسیٰؑ کو صلیب دیا گیا تو سب مُردے قبروں سے نکل آئے۔ ہماری عقل کا تو یہاں آکر خاتمہ ہے کہ ایک شہر میں تمام مُردے کس طرح سما گئے۔ اور پھر باوجود ان کے نکلنے کے یہودیوں نے عیسیٰؑ کو کیوں نہ مانا۔ پس ایسے قصوں کے مقابلہ میں اگر ہماری طرف سے بھی قصّے ہی ہوں تو کسی مخالف پر کیا اثر پڑ سکتا ہے۔

معجزہ شق القمر

اس پر ایک صاحب نے پوچھا۔ شق القمر کی نسبت حضور کیا فرماتے ہیں؟

فرمایا:-

ہماری رائے میں یہی ہے کہ وہ ایک قسم کا خسوف تھا۔ ہم نے اس کے متعلق اپنی کتاب چشمہ معرفت میں لکھدیا ہے۔

معراج کی حقیقت

پھر معراج کی نسبت سوال ہوا۔ فرمایا:

بخاری میں جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ الباری ہے، تمام معراج کا ذکر کرکے اخیر میں فَاسْتَيْقَظَ لکھا ہے۔ اب تم خود سمجھ لو کہ وہ کیا تھا۔ قرآن مجید میں بھی اس کے لیے رؤیا کا لفظ ہے وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ (بنی اسرائیل: ۶۱)

مسلمانوں کے موجودہ فرقے

پھر دوسرے صاحب نے پوچھا کہ اسلام میں جو اور فرقے ہیں مثلاً حنفی، شافعی، نقشبندی، چشتی، قادری کیا جیسا ان کا باہم اختلاف ہے ایسا ہی یہ ایک فرقہ ہے یا اس میں کچھ زیادہ ہے؟

فرمایا:

ہمارے نزدیک تو یہ سب فرقے موجودہ صورتِ حالات میں اس تعلیم سے دُور ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے متعلق فرمائی۔ یہ طرح طرح کی بدعات میں گرفتار ہیں۔ ایسے درُود و وظائف اور ذکر کے طریقے نکال رکھے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ اُن میں ایک ذکر اَرّہ ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آدمی کو سِل ہو جاتی ہے بعض مجنون ہو جاتے ہیں جنہیں پیر ولی اللہ کہتے ہیں۔ اسلام میں ایسی پاگل کر دینے والی تعلیمات نہیں اور نہ یہ وصول الی اللہ کا طریقہ ہے۔ قرآن مجید میں تو یہ فرمایا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا (الشمس ۱۰،۱۱) جب انسان محض اللہ تعالیٰ کیلئے اپنے جذبات کو روک لیتا ہے تو اس کا نتیجہ دین و دُنیا میں کامیابی اور عزت ہے۔ فلاح دو قسم کی ہے۔ تزکیۂ نفس حسب ہدایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کرنے سے آخرت میں بھی نجات ملتی ہے اور دُنیا میں بھی آرام ہوتا ہے۔ گناہ خود ایک دُکھ ہے۔ وہ بیمار ہیں جو گناہ میں لذت پاتے ہیں۔ بدی کا نتیجہ کبھی اچھا نہیں نکلتا۔ بعض شرابیوں کو مَیں نے دیکھا ہے کہ انہیں نزول الماء ہو گیا۔ مفلوج ہو گئے۔ رعشہ ہو گیا۔ سکتہ سے مر گئے۔ خدا تعالیٰ جو ایسی بدیوں سے روکتا ہے تو لوگوں کے بھلے کے لیے۔ جیسے ڈاکٹر اگر کسی بیمار کو پرہیز بتاتا ہے تو اس میں بیمار کا فائدہ ہے نہ کہ ڈاکٹر کا۔

پس فلاحِ جسمانی و رُوحانی پانی ہے تو تم ان تمام آفات و منہیات سے پرہیز کرو۔ نفس کو بے قید نہ کرو کہ تم پر عذاب نہ آ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے کمال رحمت سے سب دُکھوں سے بچنے کی راہ بتا دی۔ اب کوئی اگر ان دُکھوں سے، ان گناہوں سے نہ بچے تو اسلام پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔

حاصل کلام دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ جو نیچریت میں حد سے بڑھ گئے ہیں قریب ہے کہ وہ دہریہ ہو جائیں۔ ان کے نزدیک ارکانِ صلوٰۃ ایک لغو حرکت ہے۔ وہ سمجھتے ہیں نبی بھی اُمّی۔ صحابہؓ بھی اُمّی۔ بس انہی کے لائق یہ حکم تھا۔ یہ افراط کا طریق ہے دوسرے وہ لوگ جو تفریط میں پڑے ہیں حقوقِ اسلام کو کھا گئے۔ فقیر ذکر اللہ کے طرح طرح کے طریقے نکال بیٹھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اُمَّةً وَّسَطًا ہو۔ پس اعتدال چاہیئے اور درمیانی راہ اختیار کرنی لازم ہے۔

ہم کسی کلمہ گو کو اسلام سے خارج نہیں کہتے

پھر اس معزز ملاقات کرنیوالے (مسٹر فضل حسین صاحب بیرسٹر ایٹ لاء) نے عرض کیا کہ اگر تمام غیر احمدیوں کو کافر کہا جائے تو پھر اسلام میں تو کچھ بھی نہیں رہتا۔ فرمایا:۔

ہم کسی کلمہ گو کو اسلام سے خارج نہیں کہتے جب تک کہ وہ ہمیں کافر کہہ کر خود کافر نہ بن جائے آپ کو شاید معلوم نہ ہو جب میں نے مامور ہونے کا دعویٰ کیا۔ تو اس کے بعد بٹالہ کے محمد حسین مولوی ابو سعید صاحب نے بڑی محنت سے ایک فتویٰ تیار کیا جس میں لکھا تھا کہ یہ شخص کافر ہے، دجال ہے۔ ضال ہے۔ اس کا جنازہ نہ

پڑھا جائے جو اُن سے السلام علیکم کرے یا مصافحہ کرے یا انہیں مسلمان کہے وہ بھی کافر۔ اب سُنو یہ ایک متفق علیہ مسئلہ ہے کہ جو مومن کو کافر کہے وہ کافر ہوتا ہے پس اس مسئلہ سے ہم کس طرح انکار کر سکتے ہیں۔ آپ لوگ خود ہی کہدیں کہ ان حالات کے ماتحت ہمارے لیے کیا راہ ہے؟ ہم نے ان پر پہلے کوئی فتویٰ نہیں دیا۔ اب جو انہیں کافر کہا جاتا ہے تو یہ انہیں کے کافر بنانے کا نتیجہ ہے ایک شخص نے ہم سے مباہلہ کی درخواست کی ہم نے کہا کہ دو مسلمانوں میں مباہلہ جائز نہیں۔ اس نے جواب لکھا کہ ہم تو تجھے پکا کافر سمجھتے ہیں۔

اس شخص نے عرض کیا کہ وہ آپ کو کافر کہتے ہیں تو کہیں لیکن اگر آپ نہ کہیں تو اس میں کیا حرج ہے؟

فرمایا کہ:۔

جو ہمیں کافر نہیں کہتا ہم اسے ہرگز کافر نہیں کہتے لیکن جو ہمیں کافر کہتا ہے اُسے کافر نہ سمجھیں تو اس میں حدیث اور متفق علیہ مسئلہ کی مخالفت لازم آتی ہے اور یہ ہم سے نہیں ہو سکتا۔

اس شخص نے کہا کہ جو کافر نہیں کہتے ان کے ساتھ نماز پڑھنے میں کیا حرج ہے؟

فرمایا:۔

لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَّاحِدٍ مَرَّتَيْنِ۔ ہم خوب آزما چکے ہیں کہ ایسے لوگ دراصل منافق ہوتے ہیں ان کا حال ہے وَ اِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ (البقرۃ: ۱۵) یعنی سامنے تو کہتے ہیں کہ ہماری تمہارے ساتھ کوئی مخالفت نہیں مگر جب اپنے لوگوں سے خلی بالطبع ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم اُن سے استہزاء کر رہے تھے پس جب تک یہ لوگ ایک اشتہار نہ دیں کہ ہم سلسلہ احمدیہ کے لوگوں کو مومن سمجھتے ہیں بلکہ ان کو کافر کہنے والوں کو کافر سمجھتے ہیں۔ تو میں آج ہی اپنی تمام جماعت کو حکم دے دیتا ہوں کہ وہ ان کے ساتھ مل کر نماز پڑھ لیں۔ ہم سچائی کے پابند ہیں۔ آپ ہمیں شریعتِ اسلام سے باہر مجبور نہیں کر سکتے۔ جب اس میں یہ بالاتفاق مسلمہ مسئلہ ہے کہ مومن کو کافر کہنے والا خود کافر ہے تو ہم انہیں کس طرح مسلمان کہیں؟ اور ان مکفرینِ اہلِ حق کو کافر نہ جانیں؟ ہم کس طرح سمجھیں کہ وہ سچے مسلمان ہیں۔ جب ان کے دلوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی عظمت نہیں ہے حالانکہ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اپنے سیّد و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کا پاس کرے اور جو کچھ انہوں نے فرمایا اسی کے مطابق عقیدہ رکھے۔

اس پر اس شخص نے پھر مکرر وہی کہا۔ آپ نے پھر بالتفصیل سمجھایا کہ

دیکھو۔ پہلے اپنے فلاں لوگوں سے پوچھ تو دیکھیں کہ وہ ہمیں کیا سمجھتے ہیں۔ وہ تو کہتے ہیں یہ ایسا کافر ہے

کہ یہود و نصاریٰ سے بھی اس کا کُفر بڑھ کر ہے۔ پس جیسا کہ یوسف علیہ السلام کو جب مخلصی کا پیغام پہنچا تو آپ نے فرمایا۔ پہلے ان سے یہ تو پوچھو کہ میرا قصور کیا ہے؛ سو آپ صلح سے پہلے یہ تو پُوچھئے کہ ہم میں کُفر کی کونسی بات ہے ہم تو جو کچھ کرتے ہیں جو کہتے ہیں سب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت، جلال و عزت کا اظہار موجود ہے۔ قرآن مجید میں ہے فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ (فاطر:۳۳)

ہم تو تینوں طبقوں کے لوگوں کو مسلمان کہتے ہیں مگر ان کو کیا کہیں کہ جو مومن کو کافر کہیں۔ جو ہمیں کافر نہیں کہتے ہم انہیں بھی اس وقت تک ان کے ساتھ سمجھیں گے جب تک کہ وہ اُن سے اپنے الگ ہونے کا اعلان بذریعہ اشتہار نہ کریں اور ساتھ ہی نام بنام یہ نہ لکھیں کہ ہم ان مکفرین کو بموجب حدیث صحیح کافر سمجھتے ہیں۔

تعلیم نسواں

پھر دوسرے صاحب نے پُوچھا کہ تعلیم نسواں کے متعلق آپ کے کیا خیالات ہیں؟

فرمایا:۔

حدیث ہے۔ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّ مُسْلِمَةٍ میں پہلے مردوں کا ذکر کرتا ہوں کہ قبل اس کے جو اسلام کی حقیقت معلوم ہو اور اس کی خوبیاں معلوم ہوں پہلے ان علوم کی طرف مشغول ہو جانا سخت خطرناک ہے۔ چھوٹے بچوں کو جب دین سے بالکل آگاہ نہ کیا جائے اور صرف مدرسہ کی تعلیم دی جائے تو وہی باتیں ان کے بدن میں شیرِ مادر کی طرح رچ جائیں گی۔ پھر سوا اس کے اور کیا ہے کہ وہ اسلام سے پھر جائیں۔ عیسائی تو بہت کم ہوں کیونکہ تثلیث و کفارہ اور ایک انسان کو خدا ماننے کا عقیدہ ہی کچھ ایسا لغو ہے کہ اسے کوئی عقیل و فہیم قبول نہیں کرسکتا۔ البتہ دہریہ ہو جانے کا بہت خطرہ ہے۔ پس ضرور ہے کہ پہلے روز ساتھ ساتھ رُوحانی فلسفہ پڑھایا جاوے۔ جب آجکل کی تعلیم نے مَردوں پر مذہب کے لحاظ سے اچھا اثر نہیں کیا تو پھر عورتوں پر کیا توقع ہے۔ ہم تعلیم نسواں کے مخالف نہیں ہیں بلکہ ہم نے تو ایک سکول بھی کھول رکھا ہے۔ مگر یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ پہلے دین کا قلعہ محفوظ کیا جائے تا بیرونی باطل تاثرات سے محفوظ رہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو سواء السبیل، توبہ، تقوےٰ و طہارت کی توفیق دے۔

ملازمت کیسی ہو

فرمایا:۔

ملازمت اگر منہیات سے روکے تو ایک نعمت ہے جو ہر طرح سے قابلِ شکریہ ہے اور اگر برخلاف اس کے بدافعال کا مرتکب کرے تو پھر ایک لعنت ہے جس سے بچنا لازم ہے۔

تعلق پیدا کرنا بڑے کام کی چیز ہے

تعلق پیدا کرنا بڑے کام کی چیز ہے۔ دیکھو کوئی چور ہے اور ایک شخص کا بڑا دوست ہے،

وہ شخص اس سے احسان و مدارات سے پیش آتا ہے تو وہ چور خواہ کس قدر بُرا ہے مگر اس شخص کی کبھی چوری نہ کریگا اور کبھی اس کے گھر میں نقب نہیں لگائے گا تو کیا خدا چور جیسا بھی نہیں؟ کیا خدا سے وفاداری کا تعلق بے فائدہ جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

تمام اخلاقِ حمیدہ اسی کے صفات کا پرتو ہیں۔ جو سچے دل سے اس کے پاس آتے ہیں وہ ان میں اور ان کے غیر میں ایک فرقان رکھ دیتا ہے۔

سچے دل سے تضرّع ایک حصار ہے

صوفی کہتے ہیں جس شخص پر چالیس دن گذر جائیں اور خدا کے خوف سے ایک دفعہ بھی اس کی آنکھوں سے آنسو جاری نہ ہوں تو ان کی نسبت اندیشہ ہے کہ وہ بے ایمان ہو کر مرے۔ اب ایسے بھی بندگانِ خدا ہیں کہ چالیس دن کی بجائے چالیس سال گذر جاتے ہیں اور ان کی اس طرف توجہ ہی نہیں ہوتی۔ دانشمند انسان وہ ہے جو بَلا آنے سے پہلے بَلا سے بچنے کا سامان کرے۔ جب بَلا نازل ہو جاتی ہے تو اُس وقت نہ سائنس کام دیتی ہے اور نہ دولت۔ دوست بھی اس وقت تک ہیں جب تک صحت ہے پھر تو پانی دینے کے لیے بھی کوئی نہیں ملتا۔ آفات بہت ہیں۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جلدی توبہ کرو۔ کہ انسان کے گرد چیونٹیوں سے بڑھ کر بَلائیں ہیں جن لوگوں کا تعلق خدا تعالیٰ سے ہے جس طرح وہ بَلاؤں سے بچائے جاتے ہیں دوسرے ہرگز نہیں بچائے جاتے۔ تعلق بڑی چیز ہے کہ ؎

بہ زیرِ سلسلہ رفتن طریقِ عیاری است

کوئی انسان نہیں جس کے لیے آفات کا حصہ موجود نہیں۔ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا (المنشرح ۷) انسان کو مایوس بھی نہیں ہونا چاہیئے ؎

بر کریماں کارہا دشوار نیست

ایک منٹ میں کچھ کا کچھ کر دیتا ہے ؎

نومید ہم مباش کہ رندانِ بادہ نوش ✤ ناگاہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند

امن اور صحت کے زمانہ کی قدر کرو۔ جو امن و صحت کے زمانے میں خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے خدا تعالیٰ اس کی تکلیف و بیماری کے زمانہ میں مدد کرتا ہے۔ سچے دل سے تضرّع ایک حصار ہے جس پر کوئی بیرونی حملہ آوری نہیں ہو سکتی [1]

---

[1] بدر جلد ۷ نمبر ۱۹۔۲۰ صفحہ ۴ تا ۷ مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۰۸ء

۱۷؍مئی ۱۹۰۸ء

تقریر حضرت اقدس علیہ السلام

۱۱ بجے صبح تا ایک بجے دوپہر

بمقام لاہور

تکمیل التبلیغ و اتمام الحجۃ[1]

شکریہ

مجھے اس وقت اس بات کا اظہار ضروری اور مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت ہمیں تین قسم کا شکر کرنا چاہیئے۔

سب سے مقدم اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں زندگی دی، صحت دی، تندرستی بخشی، امن دیا اور اشاعتِ دین کے لیے سامان مہیا کر دیئے اور حقیقتاً سچی بات یہی ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کی ان نعمتوں کا شمار کرنا چاہیں تو ہرگز ممکن نہیں کہ اس خدا کی مہربانیوں اور احسانوں کا شمار کر سکیں[2]

---

[1] بدر نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ تقریر "البلاغ المبین" کے زیر عنوان ۲۵؍جون ۱۹۰۸ء کے پرچہ میں درج کی ہے جس کے شروع میں یہ نوٹ لکھا ہے :۔

"۱۷؍مئی ۱۹۰۸ء کا وجد انگیز نظارہ آخر دم تک مجھے یاد رہے گا جب خدا تعالیٰ کے ہاتھوں سے معطّر کیا ہوا مسیح گیارہ بجے معزز رؤساء و امراءِ لاہور کے سامنے ایک تقریر فرما رہا تھا۔ تقریر کیا تھی معرفت کا ایک سمندر تھا جو اپنے پورے جوش میں تھا۔ عرفان کا ایک بادل تھا جو ابرِ رحمت بن کر اُن پر برسا۔ وہ ایک آخری پیغام تھا جو دارالخلافہ میں عزالخلافت نے اپنے قادر و توانا مالک الملکوت سلطان الجبروت کی طرف سے پہنچایا۔ بارہ بج گئے اور آپ نے فرمایا کھانے کا وقت گذرا جاتا ہے چاہو تو میں اپنی تقریر بند کر دُوں مگر سب نے یہی کہا کہ یہ کھانا تو ہم روز کھاتے ہیں۔ ہمیں رُوحانی غذا کی ضرورت ہے۔ چنانچہ تقریر ایک بجے ختم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ خواجہ کمال الدین صاحب پلیڈر چیف کورٹ کی مساعی جمیلہ کو مشکور کریں جنہوں نے اپنے دوستوں کیلئے حضور سے نیاز حاصل کرنے اور ان کے کلماتِ طیبات سننے کا یہ موقعہ دعوت کے رنگ میں نکال دیا۔" بدر جلد ۷ نمبر ۲۵ صفحہ ۲ مورخہ ۲۵؍جون ۱۹۰۸ء

[2] بدر سے :۔ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (ابراہیم : ۳۵) (حوالہ مذکور)

اس کے انعامات ہر دو رُوحانی اور جسمانی رنگ میں محیط ہیں اور جیسا کہ سُورہ فاتحہ میں جو کہ سب سے پہلی سورۃ ہے اور تمام قرآنِ شریف اسی کی شرح اور تفسیر ہے اور وہ پنجوقت نمازوں میں باربار پڑھی جاتی ہے اس کا نام ہے رب العالمین یعنی ہر حالت میں اور ہر جگہ پر اسی کی ربُوبیت سے انسان زندگی اور ترقی پاتا ہے اور اگر عمیق نظر سے دیکھا جاوے تو حقیقت میں انسانی زندگی کی بقاء اور آسودگی اور آرام، راحت و چین اسی صفتِ الٰہی سے وابستہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنی صفتِ رحمانیت کا استعمال نہ کرے اور دُنیا سے اپنی رحمانیت کا سایہ اُٹھالے تو دُنیا تباہ ہو جاوے۔ پھر اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے اپنا نام رحمٰن اور رحیم رکھا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمٰن اور رحیم میں فرق بیان کر دوں۔

رحمٰن اور رحیم میں فرق

الرحمٰن سو یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی اس رحمت کا نام جو بغیر کسی عوض یا انسانی عمل، محنت اور کوشش کے انسان کے شاملِ حال ہوتی ہے رحمانیت ہے مثلاً اللہ تعالیٰ نے نظامِ دُنیا بنا دیا، سُورج پیدا کیا، چاند بنایا، ستارے پیدا کئے، ہوا، پانی، اناج بنائے ہماری طرح طرح کی امراض کے واسطے شفا بخش دوائیں پیدا کیں۔ غرض اسی طرح کے ہزاروں ہزار انعامات ایسے ہیں کہ بغیر ہمارے کسی عمل یا محنت و کوشش کے اس نے محض اپنے فضل سے پیدا کر دیئے ہیں۔ اگر انسان ایک عمیق نظر سے دیکھے تو لاکھوں انعامات ایسے پائے گا اور اس کو کوئی وجہ انکار کی نہ ملے گی اور ماننا ہی پڑے گا کہ وہ انعامات اور سامانِ راحت جو ہمارے وجود سے بھی پہلے کے ہیں بھلا وہ ہمارے کس عمل کا نتیجہ ہیں؟

دیکھو یہ زمین اور یہ آسمان اور ان میں کی تمام چیزیں اور خود ہماری بناوٹ اور وہ حالت کہ جب ہم ماؤں کے پیٹ میں تھے اور اس وقت کے قویٰ یہ سب ہمارے کس عمل کا نتیجہ ہیں؟ میں ان لوگوں کا بیان بیان نہیں کرنا چاہتا جو تناسخ کے قائل ہیں مگر ہاں اتنا بیان کئے بغیر رہ بھی نہیں سکتا کہ اللہ تعالیٰ کے ہم پر اتنے لاتعداد انعام اور فضل ہیں کہ ان کو کسی ترازو میں وزن نہیں کر سکتے۔ بھلا کوئی بتا تو دے کہ یہ انعامات کہ چاند بنایا، سُورج بنایا، زمین بنائی اور ہماری تمام ضروریات ہماری پیدائش سے بھی پہلے مہیا کر دیں۔ یہ کُل انعامات کس عمل کے ساتھ وزن کریں گے؟

پس ضروری طور سے یہ ماننا پڑے گا کہ خدا تعالیٰ رحمٰن ہے اور اس کے لاکھوں فضل ایسے بھی ہیں کہ جو محض اس کی رحمانیت کی وجہ سے ہمارے شاملِ حال ہیں اور اس کے وہ عطایا ہمارے کسی گذشتہ عمل کا نتیجہ نہیں ہیں اور کہ جو لوگ ان امور کو اپنے کسی گذشتہ عمل کا

نتیجہ خیال کرتے ہیں وہ محض کوتاہ اندیشی اور جہالت کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کا فضل اور رحمانیت ہماری رُوحانی جسمانی تکمیل کی غرض سے ہے اور کوئی دعویٰ نہیں کرسکتا کہ یہ میرے اعمال کا نتیجہ ہیں۔

الرّحیم

انسان کی سچی محنت اور کوشش کا بدلہ دیتا ہے۔ ایک کسان سچی محنت اور کوشش کرتا ہے۔ اس کے مقابل میں یہ عادت اللہ ہے کہ وہ اس کی محنت اور کوشش کو ضائع نہیں کرتا اور بابرگ و بار کرتا ہے۔ شاذ و نادر حکم عدم کا رکھتا ہے[1]

صفتِ ربوبیت

اللہ کی ایک صفت ربّ ہے یعنی پرورش کرنے اور تربیت کرنے والا۔ کیا رُوحانی اور کیا جسمانی دونو قسم کے قویٰ اللہ تعالیٰ نے ہی انسان میں رکھے ہیں۔ اگر قویٰ ہی نہ رکھے ہوتے تو انسان ترقی ہی کیسے کرسکتا۔ جسمانی ترقیات کے واسطے بھی اللہ تعالیٰ ہی کے فضل و کرم اور انعام کے گیت گانے چاہئیں کہ اس نے قویٰ رکھے اور پھر ان میں ترقی کرنے کی طاقت بھی فطرتاً رکھ دی۔

صفتِ مالکیت

مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ (الفاتحة: ۴) خدا مالک ہے جزا سزا کے دن کا۔ ایک رنگ میں اسی دُنیا میں بھی جزا سزا ملتی ہے۔ ہم روزمرہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ چور چوری کرتا ہے۔ ایک روز نہ پکڑا جاوے گا دو روز نہ پکڑا جاوے گا آخر ایک روز پکڑا جائے گا اور زندان میں جائے گا اور اپنے کئے کی سزا بھگتے گا۔ یہی حال زانی، شراب خور اور طرح طرح کے فسق و فجور میں بے قید زندگی بسر کرنے والوں کا ہے کہ ایک خاص وقت تک خدا کی شانِ ستاری ان کی پردہ پوشی کرتی ہے۔ آخر وہ طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں اور دُکھوں میں مبتلا ہوکر اُن کی زندگی تلخ ہوجاتی ہے اور یہ اس اُخروی دوزخ کی سزا کا نمونہ ہے۔ اسی طرح سے جو لوگ سرگرمی سے نیکی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی اور فرماں برداری ان کی زندگی کا اعلیٰ فرض ہوتا ہے تو خدا تعالیٰ اُن کی نیکی کو بھی ضائع نہیں کرتا اور مقررہ وقت پر ان کی نیکی بھی پھل لاتی اور بار آور ہوکر دُنیا میں ہی ان کے واسطے ایک نمونہ کے طور پر مثالی جنت حاصل کردیتی ہے۔

غرض جتنے بھی بدیوں کا ارتکاب کرنے والے، فاسق، فاجر، شراب خور اور زانی ہیں۔ ان کو خدا کا اور روزِ جزا کا خیال آنا تو درکنار۔ اسی دُنیا میں ہی اپنی صحت، تندرستی، عافیت اور اعلیٰ قویٰ کھو بیٹھتے

---

[1] بدر سے: "کسی پوشیدہ حکمت یا کاشتکار کی بدعملی کی وجہ سے فصل برباد ہوجائے تو یہ علیحدہ بات ہے۔ یہ شاذ و نادر کالمعدوم کا حکم رکھتی ہے۔" (بدر جلد ۷ نمبر ۲۵ صفحہ ۳ مورخہ ۲۵ رجون ۱۹۰۸ء)

ہیں اور پھر بڑی حسرت اور مایوسی سے ان کو زندگی کے دن پُورے کرنے پڑتے ہیں۔ سِل، دق، سکتہ اور رعشہ اور اور خطرناک امراض ان کے شاملِ حال ہوکر مرنے سے پہلے ہی مَر رہتے اور آخر کار بے وقت اور قبل از وقت موت کا لقمہ بن جاتے ہیں۔

پس انسان کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے احسانات اور انعامات کا جو اس نے انسانی تربیت اور تکمیل کے واسطے مہیا کئے ہیں۔ ان کا خیال کرکے اس کا شکریہ کرے اور غور کرے کہ اتنے قویٰ اس کو کس نے عطا کئے ہیں۔ انسان شکر کرے یا نہ کرے۔ یہ اس کی اپنی مرضی ہے۔ لیکن اگر فطرتِ سلیم رکھتا ہے اور سوچ کر دیکھے گا تو اس کو معلوم ہوگا کہ کیا ظاہری اور کیا باطنی ہر قسم کے قویٰ اللہ تعالیٰ ہی کے دیئے ہوئے ہیں اور اسی کے تصرف میں ہیں۔ چاہے تو ان کو شکر کی وجہ سے ترقی دے اور چاہے تو ناشکری کی وجہ سے ایک دم ضائع کر دے۔ غور کا مقام ہے کہ اگر یہ تمام قویٰ خود انسان کے اپنے اختیار اور تصرف میں ہوں تو کون ہے کہ اس کا مرنے کو جی چاہے۔ انسان کا دل دُنیا کی محبت کی گرمی کی وجہ سے آخرت سے بے فکری و سرد مہری اختیار کرلیتا ہے۔ غافل انسان ایسا نادان ہے کہ اگر اس کو خدا سے پروانہ بھی آجاوے کہ تمہیں بہشت ملے گا۔ آرام ہوگا۔ اور طرح طرح کے باغ اور نہریں عطا کی جاویں گی تمہیں اجازت ہے اور تمہاری اپنی خواہش اور خوشی پر منحصر ہے کہ چاہو تو ہمارے پاس آجاؤ اور چاہو تو دُنیا میں ہی رہو۔ تو یاد رکھو کہ بہت سے لوگ ایسے ہوں گے کہ وہ اسی دُنیا کے گذارہ کو ہی پسند کریں گے اور باوجود طرح طرح کی تلخیوں اور مشکلات کے اسی دُنیا سے محبت کریں گے۔

دُنیا حدِ اعتدال سے باہر ہو چکی ہے

دیکھو عمر کا بھروسہ نہیں۔ زمانہ بڑا ہی نازک آگیا ہے۔ آپ لوگ دیکھتے ہوں گے کہ ہر سال کئی دوست اور کئی دشمن، کئی عزیز اور کئی پیارے بھائی اور بہن اس دُنیا سے کُوچ کر جاتے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی عزیز سے عزیز اور قریبی سے قریبی رشتہ دار انسان کی مشکلات میں سہارا دینے والا نہیں ہو سکتا مگر بایں ہمہ انسان جس قدر محنت اور کوشش اور مجاہدہ ان کے واسطے اور اپنے دنیوی امور کے واسطے کرتا ہے۔ وہ بمقابلہ خدا کے بہت ہی بڑھا ہوا ہے۔ خدا تعالیٰ کی عبادت اور فرماں برداری اور اس کی راہ میں کوشش اور سوز و گداز بہت کچھ نابود ہے۔ اعتدال نہیں کیا گیا۔ دُنیا حدِ اعتدال سے باہر ہو چکی ہے۔ دنیوی کاروبار میں ترقی کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ترقی ہو رہی ہے۔ مگر بھلا کسی نے ایسی کوشش بھی کی ہے کہ ایک دن اس کی موت کا مقرر ہے اس سے بھی یہ خود اپنے آپ کو یا کوئی دوسرا شخص اس کو باز رکھ سکے یا بچا سکے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ اگر کوئی موت کا یاد دلانے والا ہوگا تو اس کی بھی

پروانہ کریں گے اور ہنسی ٹھٹھے میں ٹال دیں گے۔ اکثر انسان بہت ہی غلطی پر ہیں۔

توجہ الی اللہ

دیکھو یہ نہ سمجھنا کہ ان باتوں سے میرا مطلب یہ ہے کہ تم تجارت نہ کرو یا کاروبارِ دُنیا کو ترک کر کے بیٹھ جاؤ۔ عیال و اطفال جو تمہارے گلے میں پڑے ہوئے ہیں اُن کی خبر گیری نہ کرو یا بیوی، بچوں یا بنی نوع انسان کے بعض حقوق جو تمہاری ذمہ داری میں داخل ہیں انکی پروانہ کرو۔ نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کو بھی بجا لاؤ اور خدا تعالیٰ سے بھی غافل نہ ہو۔ جب تم اپنی دنیوی آنی اور فانی ضروریات میں اس طرح کا انہماک اور استغراق پیدا کرتے ہو تو خدا تعالیٰ سے منہ پھیر لینا اور اس کی رضا جوئی اور خوشنودی کے حصول کے واسطے کوشش نہ کرنا اور خدا تعالیٰ سے مُنہ پھیر لینا بھلا کس عقلمندی کا کام ہے وہ خدا جس نے ابتداء میں پیدا کیا اور درمیانی حالات بھی اس کے قبضہ اور تصرف میں ہیں اور انجام کار بھی اسی کی حکومت اور اسی سے واسطہ پڑے گا۔ اس خدا سے فارغ محض اور غافل ہو جانا اس کا نتیجہ ہرگز خیر نہیں ہو سکے گا۔ وہ خدا جس کے انعامات انسان کے ساتھ ہر حال میں شامل رہتے ہیں اور وہ بے شمار اور بے اندازہ احسانات ہیں اسی کا شکر کرتے رہنا بہت ضروری ہے۔ شکر اسی کو کہتے ہیں کہ سچے دل سے اقرار کرے کہ واقعی اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ایسی ہیں کہ بیشمار اور بے اندازہ ہیں۔

انصاف پسند گورنمنٹ کا شکریہ

دوسری بات جو مَیں کہنا چاہتا ہوں اور کہوں گا۔ گو بعض لوگ اسے ظاہری خیال یا بناوٹ یا کچھ سمجھیں وہ یہ ہے کہ گورنمنٹ انگریزی کا احسان ہم مسلمانوں پر بہت بڑا احسان ہے اور وہ اس قابل ہے کہ اس کا شکریہ ادا کیا جاوے۔ سوچ کر دیکھ لو۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ اس عہد حکومت سے پہلے سکھوں کے زمانہ میں ہی ہم لوگوں پر کیسے کیسے مشکلات تھے۔ ہمارے باپ دادا کی حالت کیسی خطروں میں گھری ہوئی تھی اور احکامِ شرعیہ کا رواج تو بجائے خود اذان تک تو اُونچی آواز سے کوئی کہہ نہ سکتا تھا۔ بلند آواز سے اذان کہنا ایک ایسا جرم تھا جس کی سزا موت ہوتی تھی۔ کسی قسم کے حلال شرعیہ بھی استعمال نہ کئے جا سکتے تھے بات بات پر انسان کیڑوں مکوڑوں کی طرح ذلت سے ہلاک کر دیا جاتا تھا۔ مگر آج اس عہدِ حکومت میں کیسا امن کیسی آزادی ہے کہ ہر ایک مسلمان بشرطیکہ اپنی نیت میں خرابی نہ رکھتا ہو۔ تکمیلِ دین کے واسطے ہر کام کو آزادی سے ادا کر سکتا ہے۔ چاہے جس زور سے اذانیں کہو، نمازیں پڑھو، اعمال بجا لاؤ۔ علوم کی تحصیل کرو یا کسی کا ردّ لکھو۔ خواہ خود عیسائیوں کا ردّ لکھو کوئی ناراضگی نہیں۔

ابھی چند روز کا ذکر ہے کہ جناب فنانشل کمشنر صاحب بہادر دورہ کرتے ہوئے قادیان میں تشریف لائے۔ ملاقات کے وقت انہوں نے بیان کیا کہ کیسی آزادی ہے کہ ہر ایک شخص ایک خاص حد تک جو قانون

کی حد سے نکل نہ جاوے۔ آزادی سے خیالات کا اظہار کر سکتا ہے۔ کتابیں لکھ سکتا ہے۔ تقریریں کر سکتا ہے اگر کوئی تعصب ہوتا تو عیسائیوں کے رد کرنے والوں پر توکم از کم سختی کی جاتی۔

غرض یہ امر اس گورنمنٹ کی انصاف پسندی اور بے تعصبی کا ایک عمدہ نمونہ اور دلیل ہے مگر مسلمان کا یہ فرض ہے کہ بات کو اس حد تک نہ پہنچاوے کہ قانونی گرفت کے اندر آجائے اور جرم کی حد تک پہنچا دے۔ پس یاد رکھو کہ اگر کوئی شخص مسلمان ہو کر اس کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ خدا کی نافرمانی کرتا ہے حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص بندے کا شکر نہیں کرتا وہ خدا کا بھی شکر گذار نہیں بن سکتا۔

یاد رکھو کہ گورنمنٹ کی ناراضگی کی وجہ بغاوت ہوتی ہے ورنہ جائز طور سے دینی معاملات کی انجام دہی اور امن کی زندگی گذارنے سے گورنمنٹ ہرگز کسی پر عتاب نہیں کرتی۔ ایسے صلح کاری، امن پسندی اور انصاف شعاری کے اصول رکھنے والی گورنمنٹ کا شکریہ نہ کرنا بھی گناہ ہے۔ پس مسلمانوں پر عموماً اور ہماری جماعت پر خصوصاً واجب ہے کہ اپنی مہربان گورنمنٹ کا بھی شکریہ ادا کریں۔ اگر یہ گورنمنٹ سر پر نہ ہو تو پھر دیکھ لو کہ کیا حال ہوتا ہے۔ انسان کس طرح سے بے دریغ بھیڑ بکری کی طرح ذبح کئے جاتے ہیں۔ اس گورنمنٹ کی حکومت آئی تو اُن پر کیا الزام۔ یہ تو مشیتِ ایزدی ہی اسی طرح پر واقع ہوئی تھی۔ مسلمان بادشاہوں نے اپنے فرائض کو چھوڑ دیا۔ عیش و عشرت میں پڑ کر حکومت اور رعایا کے حقوق کی پروا نہ کی۔ عورتوں کی طرح زیب و زینت میں مصروف ہو گئے۔ سیاست مدن کے امور کو ترک کر دیا۔ خدا نے اُنکو نا اہل اور اِن کو اہل پا کر عنانِ حکومت انہی کے ہاتھ میں دی۔ یہ اگر کسی پر سختی بھی کرتے ہیں تو کسی وجہ سے۔ البتہ اگر کسی معاملہ میں علم نہ ہو تو مجبوری ہے کیونکہ بے علمی کی وجہ سے تو زاہد اور پارسا آدمی بھی غلطی کر بیٹھتے ہیں۔ دیدہ دانستہ ظلم کو ہرگز پسند نہیں کرتے بلکہ سلیم الطبع حکام بعض اوقات ظاہری امور کی پروا نہ کر کے اور ان سے تسلی نہ پانے کی وجہ سے مقدمات کی تہہ نکالنے کے واسطے اور اصلیت دریافت کرنے کی غرض سے اکثر بڑی محنت اور جانفشانی اور سچی انصاف پسندی سے کام کرتے ہیں۔

ہمارا ہی ایک مقدمہ تھا جو کہ ایک معزز پادری نے ہم پر اقدامِ قتل کا کیا کہ گویا ہم نے اس کے قتل کرنے کے واسطے آدمی بھیجا۔ عبدالحمید اس کا نام تھا۔ آٹھ نو آدمی گواہ بھی گذر گئے۔ وہی نہیں بلکہ مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب جو کہ مسلمانوں کے پیشوا کہلاتے ہیں۔ انہوں نے بھی ایسی گواہی دی۔ جس منصف مزاج حاکم کی عدالت میں ہمارا مقدمہ تھا۔ اس کا نام ڈگلس تھا۔ اُس نے ان سب امور کے ہوتے ہوئے کہا کہ مجھ سے ایسی بد ذاتی نہیں ہو سکتی کہ اس طرح سے ایک بے گناہ انسان کو ہلاک کر دوں اور حالانکہ مقدمہ سیشن سپرد کرنے کے لائق ہو گیا تھا مگر اس نے پھر کپتان صاحب پولیس کو حکم دیا کہ اس کی اچھی طرح سے تحقیقات کی جاوے۔ چنانچہ آخرکار اُسی

عبدالحمید نے اقرار کیا کہ مجھے اصل میں ان پادریوں نے سکھایا تھا کہ میں ایسا کہوں۔ اصل میں کوئی بات نہیں۔ یہ معلوم کر کے وہ ایسا خوش ہوا اور ہمیں اس کے تبسم سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایسا خوش ہے جیسا کہ کسی کو بہت سامان و دولت حاصل ہونے کی بھی اتنی خوشی نہیں ہوتی اور آخر کار خود مجھے کہا کہ مبارک ہو آپ بری کئے گئے۔ اب بتایئے کہ اگر کسی مسلمان کی عدالت میں ایسا مقدمہ ہوتا تو وہ ایسا کر سکتا تھا؟ اور وہ اس طرح سے صفائی اور انصاف کی جستجو کر سکتا تھا؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ ہمیں تو حالات موجودہ کے ماتحت یہی اُمید پڑتی ہے کہ اگر کسی مسلمان کے پاس ہمارا ایسا مقدمہ ہوتا تو وہ ہمیں ضرور ہی خوار کرتا۔ آٹھ نو گواہ گذر چکے تھے مِسل مکمل ہو چکی تھی۔ اب چھوڑتا تو کیونکر؟ مگر یہ قوم ہے کہ اس کو اسی انصاف کی وجہ سے ہر جگہ فتح نصیب ہوئی ہے۔ جب کوئی جس قدر انصاف اختیار کرتا ہے اسی قدر روشن ضمیری بھی اسے عطا کی جاتی ہے۔ مخالفتِ دینی اور مذہبی اور چیز ہے اور حکومت اور چیز ہے۔ اگر عدالت کو مدِّ نظر نہ رکھیں تو ایک دن میں یہ تختہ اُلٹ جاوے۔

مسلمانوں کا یہ خیال کہ ہمیں اعلیٰ اعلیٰ عہدے کیوں نہیں دیئے جاتے یہ اُن کی اپنی غلطی ہے۔ یاد رکھو کہ کوئی کام جب تک پہلے آسمان پر نہیں ہو لیتا زمین پر ہرگز نہیں ہو سکتا۔ خود نیک چلنی اختیار کرو اور اپنی حالت کو سنوارو۔ ایسے قابل بنو کہ خدا تعالیٰ کی نظر میں آسمان پر تم اس قابل ٹھہر جاؤ کہ تمہیں عزت مل سکے تو پھر خود خدا تعالیٰ تمہیں سب کچھ دے دیگا۔ اپنی حالتوں کو بدلو کہ تا خدا تعالیٰ بھی تمہارے واسطے کوئی اور راہ بناوے۔ ورنہ یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ نہیں چھوڑے گا جب تک کہ تم اپنی حالت کو نہیں سنوارو گے۔

تزکیہ نفس میں ہی کامیابیوں کا راز پنہاں ہے

تیسرا مقام خدا تعالیٰ کے شکر کا یہ ہے کہ یہ خاص خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ اُس نے آپ لوگوں کے دلوں میں اس طرف توجہ ڈالی اور آپ لوگ یہاں تکلیف اُٹھا کر تشریف لائے۔ خدا کرے کہ جس طرح ہم جسمانی طور سے مل کر بیٹھے ہیں اور جسمانی ملاقات ہوئی ہے اسی طرح ایک دن وہ بھی آوے کہ روحانی طور سے بھی ہم مل بیٹھیں۔ خدا تعالیٰ نے انسان کو زبان دی اور ایک دل بخشا ہے۔ صرف زبان سے کوئی فتح نہیں ہو سکتی۔ دلوں کو فتح کرنے والا دل ہی ہوتا ہے جو قوم صرف زبانی ہی زبانی جمع خرچ کرتی ہے یاد رکھو کہ وہ کبھی بھی فتحیاب نہیں ہو سکتی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا نمونہ دیکھو کہ کیا اُن کے پاس کوئی ظاہری سامان تھے؟ ہرگز نہیں۔ مگر پھر باایں ہمہ کہ وہ بے سروسامان تھے اور دشمنِ کثیر اور ہر طرح کے سامان سے مہیا تھے ان کو خدا تعالیٰ نے کیسی کیسی بے نظیر کامیابیاں عطا کیں بھلا کہیں کسی تاریخ میں ایسی کامیابی کی کوئی نظیر ملتی ہے؟ تلاش کر کے دیکھ لو مگر لاحاصل۔ پس جو شخص خدا کو خوش کرنا چاہتا ہے اور چاہتا

ہے کہ اس کی دُنیا ٹھیک ہو جاوے، خود پاک دل ہو جاوے۔ نیک بن جاوے اور اس کی تمام مشکلات حل اور دُکھ دُور ہو جاویں اور اس کو ہر طرح کی کامیابی اور فتح و نصرت عطا ہو تو اس کے واسطے اللہ تعالیٰ نے ایک اُصول بتایا ہے اور وہ یہ ہے کہ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا (الشمس ۱۰) کامیاب ہو گیا، بامراد ہو گیا وہ شخص جس نے اپنے نفس کو پاک کر لیا۔ تزکیۂ نفس میں ہی تمام برکات اور فیوض اور کامیابیوں کا راز پنہاں ہے۔

فلاح صرف امورِ دینی ہی میں نہیں۔ بلکہ دنیا و دین میں کامیابی ہو گی۔ نفس کی ناپاکی سے بچنے والا انسان کبھی نہیں ہو سکتا کہ وہ دنیا میں ذلیل ہو۔

میں یہ قبول نہیں کر سکتا کہ فلسفہ، ہیئت اور سائنس کا ماہر ہونے سے تزکیۂ نفس بھی ہو جاتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ البتہ یہ مان سکتا ہوں کہ ایسے شخص کے دماغی قویٰ تیز اور اچھے ہو جاتے ہیں۔ ورنہ ان علوم کو رُوحانیت سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ بعض اوقات یہ امور رُوحانی ترقی کی راہ میں ایک روک ہو جاتے ہیں اور آخری نتیجہ اس کا بجز اس خوش قسمت کے کہ وہ فطرتِ سلیم رکھتا ہے۔ اکثر کبر و نخوت ہی دیکھا ہے۔ کبھی نیکی اور تواضع ان میں نہیں ہوتی[۱]

ضرورت انسان کی راہ نما ہے

ایک اَور امر قابل یاد رکھنے کے یہ ہے کہ یہ قاعدہ ہے اور قانونِ قدرت میں داخل ہے کہ ہر چیز ضرورت سے پیدا ہوتی ہے۔ جس طرح ظاہری طور سے ہم دنیوی امور میں ہر روز مشاہدہ کرتے ہیں۔ یہ لباس، خوراک سواریاں اور آلاتِ معیشت جتنے بھی ہیں۔ یہ تمام ضرورت سے پیدا ہوئے ہیں۔ اسی طرح سے رُوحانی امور میں بھی بہت سے امور ضرورت سے پیدا ہوتے ہیں اور جب کبھی ضرورت ہوتی ہے وہ خدا کی طرف سے پُوری کی جاتی ہے۔ ضرورت انسان کی رُوحانی جسمانی تمام امور میں راہ نما ہے اور اسی سے حق و باطل میں امتیاز حاصل ہو سکتا ہے۔ جس طرح کوئی چیز بلا ضرورت اور بے فائدہ نہیں اسی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ضرورتِ حقہ کے وقت یہ خیال کرنا کہ خدا تعالیٰ نے اس وقت کوئی سامان پیدا نہیں کیا۔ سخت غلطی ہے۔

اسلام پر اندرونی اور بیرونی حملے

اب ہمارا یہ زمانہ جس میں ہم موجود ہیں کیا اندرونی اور کیا بیرونی طور سے اس میں اس قدر مفاسد بھرے

---

[۱] بدر سے:۔ "کبر ایسی بُری بلا ہے کہ انسان اس کی وجہ سے ہر قسم کی ترقی سے رُک جاتا ہے۔"
(بدر جلد ۷ نمبر ۲۵ صفحہ ۴)

ہوئے ہیں کہ جس پہلو پر نظر ڈالو کوئی بھی خوش کن نہیں۔ بیرونی طور پر اسلام پر اس قدر حملے ہوئے ہیں اور اسلام نے اس قدر صدمے اُٹھائے ہیں کہ ایک بہت بڑا حصّہ مسلمانوں کا ان سے متاثر ہو کر خود دین سے ہی ہاتھ دھو بیٹھا ہے۔ اور پھر انکے بعد ایک بہت بڑا حصّہ مُذبذب لوگوں کا پیدا ہو چکا ہے۔ جن کو اسلام کے متعلق اطمینان حاصل نہیں اور وہ بالکل کمزور ہیں۔ باقی یقینِ کامل رکھنے والے اور علیٰ وجہ البصیرۃ اسلام پر ایمان لانے والے بہت ہی قلیل ہیں۔ کئی قسم کے حملے ہو رہے ہیں منقولات کے اسلحہ اسلام پر چلائے جاتے ہیں۔ اور آریہ اور پادری لوگ اعتراضات کی بوچھاڑ کر رہے ہیں۔ اگرچہ وہ جانتے ہیں کہ خود وہ گندے ہیں۔ اُن کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں بلکہ نکتہ چینی کرنا سہل ہے مگر خوبی بیان کرنا مشکل۔

علوم جدیدہ کا حملہ علوم جدیدہ کا بھی ایک قسم کا اسلام پر حملہ ہے۔ آجکل کی تعلیم، فلسفہ، طبعی اور ہیئت بھی انسان کو ایک غلطی میں ڈالتی ہے۔ مَیں تجربہ سے دیکھ رہا ہوں کہ اکثر لوگ جنہوں نے خواہ مکمل طور سے ان علوم کو حاصل کیا ہو خواہ ناقص طور سے وہ عموماً بے قید زندگی اختیار کر لیتے ہیں اور پھر رفتہ رفتہ اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت ہی ان کے دلوں سے اُٹھ جاتی ہے اور پھر نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ خود خدا سے بھی انکار کر بیٹھتے ہیں۔ اُن کے کلام سے ہی ایک قسم کی بدبُو آتی ہے اور وہ ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ آج بھی ہاتھ سے گئے اور کل بھی گئے اور درحقیقت اس گروہ کا حملہ آریوں اور پادریوں کے حملوں سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ کیونکہ ان کے اعتراض عموماً منقولات کے رنگ میں ہوتے ہیں۔ ان میں صدق و کذب کا احتمال ہوتا ہے مگر یہ لوگ تو اپنا ذاتی تجربہ اور روزانہ مشاہدہ پیش کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے اس کا اثر بہت سخت اور بُرا پڑتا ہے۔

غرض سچی بات یہی ہے کہ اندرونی حملے بیرونی حملوں سے بہت بڑھے ہوئے اور خطرناک اور زہریلا اثر ڈالنے والے ہیں۔ سچ ہے کہ از ماست کہ بر ماست۔ اصل میں یہ قصور خود مسلمانوں کا ہے جنہوں نے اپنی سادہ لوح اولاد کو بغیر اس کے کہ ان کو قرآن اور اسلام کے ضروری علوم سے آگاہ کریں اُن مدرسوں اور کالجوں میں بھیج دیا۔ مانا کہ طلب علم ہر مرد و عورت پر فرض ہے جیسا کہ حدیث طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَّ مُسْلِمَۃٍ سے ظاہر ہے مگر اوّل علومِ دینیہ کا حصول فرض ہے۔ جب بچے علومِ دینی سے پُورے واقف ہو جاویں اور ان کو اسلام کی حقیقت اور نور سے پُوری اطلاع ہو جاوے تب ان مروجہ علوم کے پڑھانے کا کوئی حرج نہیں۔ اصل میں ان مسلمانوں کی موجودہ روش بہت ہی خطرناک ہے۔ دیکھیے پہلے ایک عورت کو بازاری کنجری بنا کر پھر توبہ کرائی جائے تو وہ کیسی توبہ کرے گی؟ شراب، بدکاری اور بے قید زندگی اس کی عادتِ ثانی ہو جاوے گی۔ اوّل تو اُسے توبہ کرنا ہی مشکل اور اگر کرے بھی تو وہ کیسی توبہ ہوگی؟

اس کو ہر کوئی سمجھ سکتا ہے۔ یہی حال ان لڑکوں کا ہے جن کو پہلے فلسفہ اور سائنس کے زہریلے علوم سکھا کر خود خدا کی ہستی پر ہی شبہات پیدا کرا دیئے جاتے ہیں اور پھر اُن سے اُمید کی جاتی ہے کہ وہ اسلام کے بھی شیفتہ ہوں ؎[1]

علومِ جدیدہ کے حملے کا علاج

ہمارا یہ ایمان ہے کہ کوئی فلسفہ اور سائنس خواہ وہ اپنی اس موجودہ حالت سے ہزار درجہ ترقی کر جاوے مگر قرآن ایک ایسی کامل کتاب ہے کہ یہ نئے علوم کبھی بھی اس پر غالب نہیں آ سکتے۔ مگر اس شخص کی نسبت ہم کیونکر ایسی رائے قائم کر سکتے ہیں کہ جس کی نسبت ہمیں معلوم ہے کہ اس کو علومِ قرآن سے مس ہی نہیں اور اس نے اس طرف کبھی توجہ ہی نہیں کی بلکہ کبھی ایک سطر بھی قرآنِ شریف کی غور و تدبر کی نظر سے نہیں پڑھی۔

مثال کے طور پر قرآن کی تعلیمِ رُوحانی کا ایک فلسفہ بیان ہوا ہے جو بعد الموت اعمال کے نتیجہ میں انسان کو بہشت کے رنگ میں ملے گا جس کے نیچے نہریں چلتی ہوں گی۔ بظاہر یہ ایک قصہ ہے مگر قصہ نہیں گو کہ قصہ کے رنگ میں آ گیا ہے۔ اس کی حقیقت یہی ہے کہ اس وقت کے لوگ علوم رُوحانی کے نہ جاننے کی وجہ سے نادان بچوں کی طرح تھے۔ ایسے باریک اور رُوحانی علوم کے سمجھانے کے واسطے ان کے مناسبِ حال استعاروں سے کام لینا اور مثالوں کے ذریعہ سے اصل حقیقت کو ان کے ذہن نشین کرنا ضروری تھا۔ اسی واسطے قرآنِ شریف نے بہشت کی حقیقت سمجھانے کے واسطے اس طریق کو اختیار کیا اور پھر یہ بھی فرمایا کہ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ (محمد: ۱۶) یہ ایک مثال ہے نہ کہ حقیقت۔ قرآنِ شریف کے ان الفاظ سے صاف عیاں ہے کہ وہ جنت کوئی اور ہی چیز ہے اور حدیث میں صاف یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ ان ظاہری جسمانی دنیوی امور پر نعماءِ جنت کا قیاس نہ کیا جاوے کیونکہ وہ ایسی چیز ہے کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھی نہ کسی کان نے سُنی وغیرہ۔ مگر وہ باتیں جن کی مثال دے کر جنت کی نعماء کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ تو ہم دیکھتے بھی ہیں اور سُنتے بھی ہیں ایک مقام پر قرآنِ شریف میں اللہ تعالیٰ جنت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (البقرۃ: ۲۶) اس آیت میں ایمان کو اعمالِ صالحہ کے مقابل پر رکھا ہے جنات اور انہار۔ یعنی ایمان کا نتیجہ تو جنت ہے اور اعمالِ صالحہ کا نتیجہ انہار ہیں۔ پس جس طرح باغ بغیر نہر اور پانی کے جلدی برباد ہو جانے والی چیز ہے اور دیرپا

---

[1] بدر سے:۔ "پادریوں کے یا آریوں کے مدرسوں میں اپنی اولاد کو بھیج دینا اور پھر ان سے اس بات کا طلبگار ہونا کہ یہ سچے مسلمان ہوں ؎ ایں خیال است و محال است و جنوں" (بدر جلد ۷ نمبر ۵ صفحہ ۴)

نہیں اسی طرح ایمان بے عمل صالح بھی کسی کام کا نہیں۔ پھر ایک دوسری جگہ پر ایمان کو اشجار (درختوں) سے تشبیہ دی ہے اور فرمایا ہے کہ وہ ایمان جس کی طرف مسلمانوں کو بلایا جاتا ہے وہ اشجار ہیں اور اعمالِ صالحہ ان اشجار کی آبپاشی کرتے ہیں۔ غرض اس معاملہ میں جتنا جتنا تدبر کیا جاوے اسی قدر معارف سمجھ میں آوینگے جس طرح سے ایک کسان کاشتکار کے واسطے ضروری ہے کہ وہ تخم ریزی کرے۔ اسی طرح رُوحانی منازل کے کاشتکار کے واسطے ایمان جو کہ رُوحانیات کی تخم ریزی ہے ضروری اور لازمی ہے اور پھر جس طرح کاشتکار کھیت یا باغ وغیرہ کی آبپاشی کرتا ہے اسی طرح سے رُوحانی باغِ ایمان کی آبپاشی کے واسطے اعمالِ صالحہ کی ضرورت ہے۔ یاد رکھو کہ ایمان بغیر اعمالِ صالحہ کے ایسا ہی بیکار ہے جیسا کہ ایک عمدہ باغ بغیر نہر یا دوسرے ذریعہ آبپاشی کے نکما ہے۔ درخت خواہ کیسے ہی عمدہ قسم کے ہوں اور اعلیٰ قسم کے پھل لانے والے ہوں مگر جب مالک آبپاشی کی طرف سے لاپروائی کرے گا تو اس کا جو نتیجہ ہوگا وہ سب جانتے ہیں۔ یہی حال روحانی زندگی میں شجرِ ایمان کا ہے۔ ایمان ایک درخت ہے جس کے واسطے انسان کے اعمالِ صالحہ روحانی رنگ میں اسکی آبپاشی کے واسطے نہریں بن کر آبپاشی کا کام کرتے ہیں پھر جس طرح ہر ایک کاشتکار کو تخم ریزی اور آبپاشی کے علاوہ بھی محنت اور کوشش کرنی پڑتی ہے اسی طرح خدا تعالیٰ نے رُوحانی فیوض و برکات کے ثمراتِ حسنہ کے حصول کے واسطے بھی مجاہدات لازمی اور ضروری رکھے ہیں۔ چنانچہ فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا[1] (العنکبوت: ۷۰)

نفسِ انسانی کی تین حالتیں

نفسِ انسانی ایک بیل کے مشابہ ہے اور اسکے تین درجے ہوتے ہیں۔ نفسِ امّارہ۔ امّارہ مبالغہ کا صیغہ ہے۔ امّارہ کہتے ہیں بدی کی طرف لے جانے والا۔ بہت بدی کا حکم کرنے والا[2]

دوسری قسم نفس کی نفسِ لوّامہ ہے۔ لوّامہ کہتے ہیں ملامت کرنے والے کو۔ انسان سے ایک وقت بدی ہو جاتی ہے مگر ساتھ ہی اس کا نفس اس کو بدی کی وجہ سے ملامت بھی کرتا اور نادم ہوتا ہے۔ یہ انسانی فطرت میں رکھا گیا ہے مگر بعض طبائع ایسے بھی ہیں کہ اپنی گندہ حالت اور سیاہ کاریوں کی وجہ سے وہ ایسے محجوب ہو جاتے ہیں کہ ان کی فطرت فطرتِ سلیم کہلانے کی مستحق نہیں ہوتی۔ ان کو اس ملامت کا احساس ہی نہیں ہوتا مگر شریف الطبع انسان ضرور اس حالت کا احساس کرتا اور بعض اوقات وہی ملامتِ نفس اس کے واسطے باعث ہدایت ہو کر موجبِ نجات ہو جاتی ہے۔ مگر یہ حالت ایسی نہیں کہ اس پر اعتبار کیا جاوے۔

نفس کی ایک تیسری حالت ہے جسے مطمئنہ کے نام سے پکارا گیا ہے اور وہ انسان کو جب حاصل ہوتی ہے،

---

[1] بدر سے:۔ "یعنی تم ہلکے ہلکے کام پر نہ رہو بلکہ اس راہ میں بڑے بڑے مجاہدات کی ضرورت ہے۔" (بدر جلد ۷ نمبر ۲۴ صفحہ ۵ مورخہ ۱۸ جون ۱۹۰۸ء)

[2] بدر سے:۔ "بدی کی طرف باربار جانے والا" (" " " " ")

کہ انسان نفسِ امّارہ اور پھر نفسِ لوّامہ کی مشکلات کو حل کر جائے اور اس جنگ میں اس کو فتح نصیب ہو۔ نفسِ امّارہ انسان کا دشمن ہے اور وہ گھر کا پوشیدہ دشمن ہے۔ لوّامہ بھی کبھی کبھی دشمنی کا ارادہ کرتا ہے مگر باز آجاتا ہے مگر برخلاف ان دونوں حالتوں کے جب انسان ترقی کر کے نفسِ مطمئنّہ کے درجہ تک ترقی کر جاتا ہے تو اس کی ایسی حالت ہوتی ہے کہ گویا اس کا دشمن اس کے زیر ہوگیا اور اُس نے دشمن پر نمایاں فتح حاصل کرلی اور صلح ہوگئی۔ انسانی ترقیات کی آخری حد اور اس کی زندگی کا انتہائی نقطہ اسی بات پر ختم ہوتا ہے کہ انسان حالتِ مطمئنّہ حاصل کرلے اور وہ ایسی حالت ہوتی ہے کہ اس کی رضا خدا کی رضا اور اس کی ناراضگی خدا تعالیٰ کی ناراضگی ہوجاتی ہے اس کا ارادہ خدا تعالیٰ کا ارادہ ہوتا ہے اور وہ خدا کے بلائے بولتا اور خدا کے چلائے چلتا ہے۔ تمام افعال حرکات و سکنات اس سے نہیں بلکہ خدا سے سرزد ہوتے ہیں اور انسان کی پہلی حالت پر ایک قسم کی موت وارد ہوجاتی ہے اور ایک نئی زندگی کا جامہ اُسے از سرِ نو عطا کیا جاتا ہے۔

غرض قانونِ قدرت میں ایسا پایا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے دو سلسلے پہلو بہ پہلو بنائے ہیں ایک جسمانی اور دوسرا رُوحانی۔ جو کچھ جسمانی طور سے مہیا ہے وہی رُوحانی طور سے بھی ہوتا ہے۔ پس جو شخص ان دونو سلسلوں کو نصب العین رکھ کر کاروبار میں کوشش اور محنت کریگا وہ جلدی ترقی کرے گا۔ اس کی معلومات وسیع ہوں گی۔ ہر صورت میں ہر جسمانی کام اُن کے رُوحانی اُمور کے مشابہ ہوگا۔ اَلدُّنْیَا مَزْرَعَۃُ الْاٰخِرَۃِ۔

ہر زمانہ میں مُزکّی اور مامور من اللہ کی ضرورت

ہم جسمانی نظام میں دیکھتے ہیں کہ جسمانی کاشتکار باوجود ہر قسم کی باقاعدہ محنت و مشقت کے بھی پھر آسمانی پانی کا محتاج ہے اور اگر اس کی محنتوں اور کوششوں کے ساتھ آسمانی پانی اس کی فصل پر نہ پڑے تو فصل تباہ اور محنت برباد ہوجاتی ہے۔ پس یہی حال رُوحانی رنگ میں ہے انسان کو خشک ایمان کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا جب تک کہ رُوحانی بارش نازل ہوکر بڑے زور کے نشانات سے اس کے اندرونی گند دھو کر اس کو صاف نہ کرے۔ چنانچہ قرآنِ شریف اسی کی طرف اشارہ کر کے فرماتا ہے۔ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ (الطارق: ۱۲، ۱۳) یعنی قسم ہے آسمان کی جس سے بارش نازل ہوتی ہے اور قسم ہے زمین کی جس سے شگوفہ نکلتا ہے۔ بعض لوگ اپنی نادانی کی وجہ سے کہتے ہیں کہ خدا کو قسم کی کیا ضرورت تھی مگر ایسے لوگ آخرکار اپنی جلد بازی کی وجہ سے ندامت اُٹھاتے ہیں۔ قسم کا مفہوم اصل میں قائمقام ہوتا ہے شہادت کے۔ ہم دنیوی گورنمنٹ میں بھی دیکھتے ہیں کہ بعض اوقات مقدمات کے فیصلوں کا حصر ہی قسم پر رکھا جاتا ہے۔ پس اسی طرح سے خدا تعالیٰ بھی بارشِ آسمانی کی قسم کھا کر نظامِ جسمانی کی طرح نظامِ رُوحانی میں اس بات کو بطور ایک شہادت کے پیش کرتا ہے کہ جس طرح سے زمین کی

سرسبزی اور کھیتوں کا ہرا بھرا ہونا آسمانی بارش پر موقوف ہے اور اگر آسمانی بارش نہ ہو تو زمین پر کوئی سبزی نہیں رہ سکتی اور زمین مُردہ ہو جاتی ہے بلکہ کنوؤں کا پانی بھی خشک ہو جاتا ہے اور دنیا زیر و زبر ہو کر ہلاکت کا باعث ہو جاتی ہے اور لوگ بھوک پیاسے مرتے ہیں۔ قحط کی وجہ سے انسان و حیوان اور پھر چرند و پرند اور درند وغیرہ پر بھی اس کا اثر ہوتا ہے بعینہٖ اسی طرح سے ایک رُوحانی سلسلہ بھی ہے۔

یاد رکھو کہ خشک ایمان بجز آسمانی بارش کے جو مکالمہ مخاطبہ کے رنگ میں نازل ہوتی ہے ہرگز ہرگز باعث نجات یا حقیقی راحت کا نہیں ہوسکتا۔ جو لوگ روحانی بارش کے بغیر اور کسی مامور من اللہ کے بغیر نجات پاسکتے ہیں اور ان کو کسی مزکی اور مامور من اللہ کی ضرورت نہیں۔ سب کچھ ان کے پاس موجود ہے۔ ان کو چاہیئے کہ پانی بھی اپنے گھروں میں ہی پیدا کر لیا کریں۱۔ اُن کو آسمانی بارش کی کیا احتیاج؟ آنکھوں کے سامنے موجود ہے کہ جسمانی چیزوں کا مدار کن چیزوں پر ہے۔ پس اس سے سمجھ لو کہ بعینہٖ اسی کے مطابق رُوحانی زندگی کے واسطے بھی لازمی اور لابد اور ضروری ہے۔

انسان کا یہ دعویٰ کہ میں نے سب کچھ سیکھ لیا ہے اور مَیں نے سارے علوم حاصل کر لیے ہیں یہ بالکل غلط خیال ہے۔ انسان کا علم کیا ہے جس طرح سمندر میں ایک سوئی ڈبو کر نکال لی جاوے۔ یہی حال انسان کے علم کا ہے کہ اس کو معارف اور حقائق میں سے دیا گیا ہے ؎

ترسم نہ رسی بہ کعبہ اے اعرابی
کیں راہ کہ تو میروی بترکستان است

پھر تعجب آتا ہے کہ بعض لوگ معمولی مُرَوَّجہ علوم کے پڑھ لینے سے بڑے بڑے دعوے کر بیٹھتے ہیں حالانکہ دین کی راہ ایک عمیق در عمیق راہ ہے اور اس کے حقائق اور روحانی فلسفہ ایسا نہیں کہ ہر فرد اس کا ماہر ہونے کا دعویٰ کر سکے۲۔ یہ دین آسمان سے ہی آیا اور ہمیشہ ہمیشہ اس کی سرسبزی کے سامان بھی آسمان ہی سے نازل ہوتے رہیں گے۔ ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اگر زمینی علوم اور مُرَوَّجہ تعلیم یافتوں سے سوال کیا جاوے تو اکثر اصحاب ایسے نکلیں گے کہ اُن کے ماہر ہی ہوں گے۔ مگر ہمیں اس جگہ ان اصحاب کی خدمت میں کہ وہ زمینی اور دنیوی علوم کے ماہر ہیں یہ بھی کہنا ہے کہ ؎

---

۱ بدر سے:۔ "جو لوگ کہتے ہیں ہمیں اب نبیوں کی کیا ضرورت ہے وہ جسمانی بارش کیوں مانگتے ہیں۔"
(بدر جلد ۷ نمبر ۲۵ صفحہ ۵ مورخہ ۲۵ رجون ۱۹۰۸ء)

۲ بدر سے:۔ "جو شخص دین سے بہرہ نہ رکھے اور پھر دعویٰ کرے کہ مجھے دوسرے کی کچھ ضرورت نہیں وہ نادان ہے۔" (بدر حوالہ مذکور)

اے کہ خواندی حکمتِ یونانیاں
حکمتِ ایمانیاں را ہم بخواں

حقیقی راحت دین سے ہی وابستہ ہے

ہم دیکھتے ہیں کہ آجکل بہت سے ایسے بھی خیالات والے لوگ موجود ہیں کہ اُنکی نظر میں دین ایک جنون ہے اور اس کی قدر ان کے دلوں میں نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عرب کے لوگ وحشی تھے اور اُمّی تھے۔ اس وقت ان کی ضرورتوں کے مناسب حال قرآن نازل ہوا۔ اب دُنیا ترقی کر گئی ہے اور روشنی کا زمانہ ہے۔ اب موجودہ زمانہ کے مناسب حال دین میں ترمیم ہونی چاہیئے مگر آپ لوگ سن رکھیں کہ دین کوئی لغو نہیں ہے بلکہ دُنیا کی حقیقی راحت اور اُخروی نجات اسی دین سے ہی وابستہ ہے وہ عرب کے اُمّی جو اس دین کے سچے خادم تھے۔ اُن کا اُمّی ہونا بھی ایک معجزہ ہی تھا تاکہ دُنیا کو دکھا دے کہ اُمّی لوگوں نے قرآنی تعلیم کے نیچے آکر کیا کچھ کر دکھایا کہ بڑے بڑے علوم کے مدعیوں سے بھی انکے مقابلہ میں کچھ بن نہ آیا۔

قرآنِ کریم کی پاک تعلیم کا انجیل سے موازنہ

خدا تعالیٰ خوب جانتا تھا کہ اس زمانہ میں کیسے کیسے جدید علوم پیدا ہوں گے اور خود مسلمانوں میں کیسے کیسے خیالات کے لوگ پیدا ہو جائیں گے۔ ان سب باتوں کا جواب اللہ تعالیٰ نے قرآن میں دے رکھا ہے اور کوئی نئی تحقیقات یا علمی ترقی نہیں جو قرآنِ شریف کو مغلوب کر سکے اور کوئی صداقت نہیں کہ اب پیدا ہو گئی ہو اور وہ قرآنِ شریف میں پہلے ہی سے موجود نہ ہو۔ جو راہ قرآنِ شریف نے پیش کی ہے وہ نہ انجیل میں پائی جاتی ہے نہ توریت میں اس کا پتہ چلتا ہے اور نہ ہی دُنیا کی کوئی اور کتاب اس کمال اور جامعیت کا دعویٰ کر سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ کاملہ سے قرآنِ شریف کو عطا کی ہے۔ قرآن کے مقابل پر ان کا ذکر ہی کیا ہے۔ انجیل نے ایک ضعیف ناتواں انسان کو خدا بنایا مگر اس کی طاقت کا اندازہ قومِ یہود کے مقابلہ سے ہی ہو سکتا ہے۔

دوسری بات اور مایۂ ناز انجیل کی اخلاقی تعلیم تھی مگر وہ ایسی بودی اور ناکمل ہے کہ کوئی صحیح الفطرت انسان اس کی پابندی نہیں کر سکتا بلکہ خود پادری صاحبان کا عمل بھی اس تعلیم کے بالکل برخلاف ہے۔ مثلاً انجیل تعلیم دیتی ہے کہ اگر تجھے کوئی ایک طمانچہ مارے تو تُو دوسری گال پھیر دے اور اگر کوئی تیرا کُرتہ مانگے تو اس کو چادر بھی اُتار دے اور اگر کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جانا چاہے تو تُو دو کوس اس کیساتھ چل۔ اب ہم اوّل ان انجیل کی حمایت اور تعریف کرنے والے پادری صاحبوں سے ہی دریافت کرتے

ہیں کہ ان کا اس تعلیم پر کہاں تک عمل درآمد ہے۔ انہوں نے اس تعلیم کا عملی نمونہ کیا دکھایا ہے کہ دوسروں کو بھی اس تعلیم کی طرف بُلاتے ہیں۔

پھر اسی انجیل میں لکھا ہے کہ تو بدی کا مقابلہ نہ کر۔ غرض انجیل کی تعلیم تفریط کی طرف جھکی ہوئی ہے اور بجز بعض خاص حالات کے ماتحت ہونے کے انسان اس پر عمل کر ہی نہیں سکتا۔ دوسری طرف توریت کی تعلیم کو دیکھا جاوے تو وہ افراط کی طرف جُھکی ہوئی ہے اور اس میں بھی صرف ایک ہی پہلو پر زور دیا گیا ہے کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت توڑ دیا جاوے۔ اس میں عفو اور درگذر کا نام تک بھی نہیں لیا گیا۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ کتابیں مختص الزمان اور مختص القوم ہی تھیں مگر قرآن شریف نے ہمیں کیا پاک راہ بتائی ہے جو افراط اور تفریط سے پاک اور عین فطرتِ انسانی کے مطابق ہے مثلاً مثال کے طور پر قرآنِ شریف میں فرمایا ہے جَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثْلُھَا فَمَنْ عَفَا وَ اَصْلَحَ فَاَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ (الشوریٰ: ۴۱) یعنی جتنی بدی کی گئی ہو اسی قدر بدی کرنی جائز ہے لیکن اگر کوئی معاف کردے اور اس معافی میں اصلاح مدنظر ہو۔ بے محل اور بے موقعہ عفو نہ ہو بلکہ برمحل ہو تو ایسے معاف کرنے والے کے واسطے اس کا اجر ہے جو اسے خدا سے ملیگا۔

دیکھو کیسی پاک تعلیم ہے نہ افراط نہ تفریط۔ انتقام کی اجازت ہے مگر معافی کی تحریص بھی موجود ہے۔ بشرطِ اصلاح یہ ایک تیسرا مسلک ہے جو قرآن شریف نے دنیا کے سامنے رکھا ہے۔ اب ایک سلیم الفطرت انسان کا فرض ہے کہ ان میں خود موازنہ اور مقابلہ کر کے دیکھ لے کہ کونسی تعلیم فطرتِ انسانی کے مطابق ہے اور کونسی تعلیم ایسی ہے کہ فطرتِ صحیح اور کانشنس اسے دھکے دیتی ہے۔ یہودیوں میں باپ اپنی اولاد کو وصیت کرتا تھا کہ میرا انتقام میرا بیٹا لے، میرا پوتا لے۔ چنانچہ بعض اوقات بیٹا اور پوتا باپ کے انتقام لیتے تھے۔ غرضکہ توریت میں تو سخت تشدد کیا گیا تھا۔

باقی رہی انجیل۔ سو اس کی اخلاقی تعلیم پر ناز کرنے والے نہیں سمجھتے کہ اوّل تو وہ تعلیم ہی ایسی ناقص ہے کہ بوجہ مختص الزمان اور مختص القوم ہونے کے آج اس کی ضرورت ہی نہیں اور نہ وہ اس وقت اخلاقی تعلیم کہلانے کی مستحق ہے اور اگر مان بھی لیا جائے تو کوئی شخص نہیں کہ اس تعلیم کا عامل نظر آتا ہو۔ خود اس کے شیفتہ لوگ ہی اس کا عملی نمونہ پیش کریں۔ اصل میں یہ ہاتھی کے دانت ہیں کھانے کے اَور دکھانے کے اَور۔ تاہم فلسفہ حقہ اس کے بالکل خلاف ہے۔ انسان ایک شاخ دار درخت ہے اور انجیلی تعلیم اس کی صرف ایک شاخ۔ کیا باقی قوائے انسانی بے کار ہیں؟

یاد رکھو کہ کُل قوائے انسانی اسی خالقِ فطرت ہی کی طرف سے انسان کو ملے ہیں۔ ان میں ایک قوت

غضبی بھی ہے، قوتِ انتقام بھی ہے۔ یہ قوئی بے کار یا فضول نہیں ہیں۔ بلکہ ان کی بد استعمالی اور ان کا بے محل و بے موقع استعمال بُرا ہے۔ انجیل میں تو ایک موقعہ پر خصی بن جانے کی بھی تعلیم دی گئی ہے۔ اگر سچے عیسائی اس تعلیم کا عملی نمونہ بنتے تو یقین ہے کہ دُنیا کا خاتمہ ہی ہو گیا ہوتا۔ عجیب بات یہ ہے کہ صرف حکم ہی نہیں بلکہ اس عمل پر بڑے ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے تو پھر کیا وجہ کہ ایسے کارِ خیر میں کوئی عیسائی بھی حصّہ نہیں لیتا۔

قرآن شریف میں کوئی دکھا تو دے کہ کوئی ایسا حکم بھی دیا گیا ہو جس پر عمل کرنا انسانی طاقت سے بالاتر ہو یا کوئی ایسا حکم بھی ہو جس کے کرنے سے کوئی قباحت لازم آتی ہو یا نظامِ دین میں فساد کا اندیشہ ہو۔ کیا ایسی ایک کتاب جس میں ایسے احکام داخل ہیں جو انسانی طاقت سے بالاتر ہیں یا اُن کے کرنے سے کوئی قباحت لازم آتی ہے اور نظامِ عالم درہم برہم ہوتا ہے کبھی اس خدا کی طرف منسوب ہو سکتی ہے جو خالقِ فطرت اور منتظمِ نظامِ دنیا اور قوائے انسانی کے پورے اندازے جاننے والا ہے اور کیا وہ کتاب کامل اور مکمل شریعت کہلانے کی مستحق ہو سکتی ہے؟

میں اعتراض نہیں کرتا بلکہ میرا مقصد اس بیان سے اس امر کا اظہار ہے کہ یہ دونو کتابیں صرف ایک ہی خاندان کی تھیں۔ نہ حضرت عیسیٰؑ نے اور نہ حضرت موسیٰؑ نے کبھی یہ دعویٰ کیا کہ وہ تمام دُنیا کے واسطے رسُول ہو کر آئے تھے بلکہ وہ تو صرف اسرائیلی بھیڑوں تک ہی اپنی تعلیم محدود کرتے ہیں۔ ان کا اپنا اقرار موجود ہے[1]۔ پس بلحاظ ضرورت کے ان کو جو کتاب ملی وہ بھی ایک قانون مختص الزمان اور مختص القوم تھا۔

اب ظاہر ہے کہ ایک چیز جو ایک خاص ضرورت کے لیے ایک خاص زمانے اور مکان کے واسطے آئی تھی۔ اگر اس کو زبردستی اور خواہ نخواہ تمام دُنیا پر محیط ہونے کے واسطے کھینچ تان کی جائے گی تو اس کا لازمی نتیجہ ہو گا کہ وہ اس کام سے عاری رہے گی جس بوجھ کے اُٹھانے کے واسطے وہ وضع ہی نہیں کی گئی اس کی کیسے متحمل ہو سکے گی؟ اور یہی وجہ ہے کہ ان تعلیمات میں موجودہ زمانہ کے حالات کے ماتحت نقص ہیں۔ مگر قرآن مجید مختص الزمان نہیں، مختص القوم نہیں اور نہ ہی مختص المکان ہے بلکہ اس کامل اور مکمل کتاب کے لانے والے کا دعویٰ ہے کہ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (الاعراف: ۱۵۹) اور ایک دوسری آیت میں یُوں بھی آیا ہے۔ لِاُنْذِرَکُمْ بِہٖ وَمَنْۢ بَلَغَ (الانعام: ۲۰) یعنی لازمی ہو گا کہ جس کو قرآنی تعلیم پہنچے وہ

---

[1] بدر سے:۔ "چنانچہ حضرت عیسیٰؑ نے خود کہا کہ میں بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کی طرف نہیں بھیجا گیا۔ قرآن مجید سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ وَرَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ (آل عمران: ۵۰)

(بدر جلد ۷ نمبر ۲۵ صفحہ ۶ مورخہ ۲۵ رجون ۱۹۰۸ء)

خواہ کہیں بھی ہو اور کوئی بھی ہو اس تعلیم کی پیروی کو اپنی گردن پر اُٹھائے۔

انسانی فطرت کا پورا اور کامل عکس صرف قرآن شریف ہی ہے۔ اگر قرآن نہ بھی آیا ہوتا جب بھی اسی تعلیم کے مطابق انسان سے سوال کیا جاتا کیونکہ یہ ایسی تعلیم ہے جو فطرتوں میں مرکوز اور قانونِ قدرت کے ہر صفحہ میں مشہود ہے۔ جن کی تعلیمات ناقص اور خاص قوم تک محدود ہیں اور وہ آگے ایک قدم بھی نہیں چل سکتیں۔ ان کی نبوت کا دروازہ بھی ان کے اپنے ہی گھر تک محدود ہے۔ مگر قرآن شریف کہتا ہے اِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْرٌ (فاطر: ۲۵) دیکھو یہ کیسی پاک اور دل میں دخل کر جانے والی بات اور کیسا سچا اصول ہے مگر یہ لوگ ہیں کہ خدا کی خدائی کو صرف اپنے ہی گھر تک محدود خیال کرتے ہیں۔

یہی حال آریوں کا ہے وہ بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہمیشہ وید ہی اُتارا جاتا ہے اور صرف چار آدمی ہی اس کام کے واسطے مخصوص ہیں اور ہمیشہ کے واسطے زبان سنسکرت ہی خدا کو پسند آگئی ہے۔ مجال نہیں کہ خدا تعالیٰ کی یہ نعمت وحی والہام کسی اور انسان یا زبان کو مل سکے۔ ان لوگوں کے اعتقاد کے موجب وحی الٰہی اب آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئی ہے اور اب ہمیشہ کے واسطے اس کو مُہر لگ چکی ہے مگر یہ لوگ نہیں جانتے کہ اس طرح سے تو خدا کی ہستی کے ثبوت میں ہی مشکلات پڑ جاویں گی۔ صرف شُنید سے انسان کب مطمئن ہو سکتا ہے اور کامل یقین اور سچی معرفت صرف دوسروں کی زبانی سُن لینے سے کہاں میسّر آتی ہے ؎

شُنیدہ کے بود مانند دیدہ

وحی والہام کی ضرورت

جب تک خدا خود اَنَا الْمَوْجُوْد کی آواز نہ دے یا اپنے پیارے کلام سے اور زبردست غیبی نشانات سے اپنا چہرہ نہ دکھا دے تب تک وہ پیاس کب مٹ سکتی ہے جو حق کی طلب کی پیاس انسان کو لگی ہوئی ہے۔ یہ کہنا کہ خدا پہلے تو نشانات اور معجزات دکھاتا تھا رسول بھیجتا تھا مگر اب نہیں۔ یہ نعوذ باللہ خدا تعالیٰ کی ذات کی سخت توہین اور بے ادبی ہے[1] کیا وجہ ہے کہ اب وہ سُنتا تو ہے اور دیکھتا بھی ہے مگر بولتا نہیں؟ اچھا تو اس پر تمہارے پاس کیا دلیل ہے کہ قوتِ شنوائی اور بینائی بھی قوتِ گویائی کی طرح جاتی نہیں رہیں۔

انسان اپنی فطرت سے الگ نہیں ہو سکتا۔ بکری سے بھیڑیئے کا کام لیں تو دے سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ پس یہی حال فطرتِ انسانی کا ہے کہ اپنی بناوٹ کے خلاف ہرگز نہیں چل سکتی۔ نرے قصوں سے کب وہ تسلّی

---

[1] بدر سے:۔ "اب خدا کا کچھ پتہ نہیں چلتا کہ وہ زندہ بھی ہے یا نہیں۔"
(بدر جلد ۷ نمبر ۲۵ صفحہ ۶ مورخہ ۲۵ جون ۱۹۰۸ء)

پاسکتی ہے۔ اگرچہ کوئی ظاہرداری کے واسطے ہاں میں ہاں ملا دے مگر دل لعنت بھیجتا ہوگا اور انکار کرتا ہوگا کہ میں نہیں مانتا۔ یاد رکھو کہ اگر پہلے کبھی الہام تھا تو اب بھی ضروری ہے کہ الہام ہو۔ اسلام جب صرف ایک ہی فرقہ تھا اور مختصر بھی تو اُس وقت تو نبی اور رسُول آنے اور الہامات ہونے کی ضرورت تھی۔ مگر اب جبکہ ایک سے تہتّر فرقے ہو گئے ہیں اور تفرقہ کی حد و نہایت نہیں رہی کلام الٰہی پر مُہر لگائی جاتی ہے اور خدا تعالےٰ کا منہ بند کیا جاتا ہے۔ کوئی فطرتِ سلیم اور عقلِ صحیح اس منطق کو قبول نہیں کر سکتی۔

ہر چیز کے پیدا ہونے کی ماں ضرورت ہے۔ دیکھو ایک چھوٹی سی مثال ریلوے تصادم کی ہے۔ تصادم کی واردات ترقی کرنے لگیں تو اصلاح کے سامان بھی پیدا ہو گئے۔ یہ سب طرح طرح کی کلیں جو دیکھنے میں آتی ہیں یہ سب ضرورت نے ہی مہیا کرا دی ہیں۔ تو اب جبکہ انسانی حالت کیا بلحاظ اپنی ظاہری حالت کے اور کیا بلحاظ اپنی باطنی حالت کے ابتری کے انتہائی درجہ تک پہنچ گئی ہے اور ہر فرقہ پر دہریت (ناستک مت) نے اپنا تسلط جمایا ہوا ہے زندہ ایمان کسی میں باقی نہیں۔ اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ زندہ ایمان ہی اعمال کی تحریک کرتا ہے۔ جب ایمان ہی نہیں جو کہ اعمال کا اصل محرک ہے تو پھر عمل کیسے؟

غرض اس طرح ایمان کے دُنیا سے اُٹھ جانے کے باعث اعمالِ صالحہ کا بھی ساتھ ہی نام و نشان مٹ چکا ہے تو پھر کیا وجہ کہ خدا تعالیٰ نے ایسی خطرناک حالت اور ایسی سخت ضرورت کے وقت بھی اپنی سنتِ قدیمہ کو ترک کر کے کوئی رسول اور نبی یا ملہم نہ بھیجا؟

کلمۂ طیبہ کی حقیقت

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ یہ توحید کا کلمہ ہے۔ اس کے معنے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی بھی عبادت اور سچی فرماں برداری کے لائق نہیں ہے۔

خدا تعالیٰ اگر توحید کے پھیلانے میں کسی دوسرے کا محتاج ہوتا یا کسی اَور کو اس کام میں اپنا شریک بناتا تو بھی شرک لازم آتا تھا۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا جُملہ کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے ساتھ شامل کرنے میں بھی یہی ہے کہ تا توحید کا سبق کامل ہو اور دُنیا کو معلوم ہو کہ جو کچھ آتا ہے درحقیقت اسی خدا کی طرف سے آتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان ہدایات کو خدا تعالیٰ سے پاکر مخلوق کو پہنچانے والے ہیں اور کہ جو کچھ ادھر سے آتا ہے وہ اسی راہ سے آتا ہے۔

شرک صرف پتھروں ہی کے پوجنے ہی کا نام نہیں ہے بلکہ شرک کی ایک قسم یہ بھی لکھی ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر صرف اسباب ہی پر تکیہ کر لے اور یہ شرک فی الاسباب کہلاتا ہے۔ برہمو وغیرہ اس رازِ توحید کو نہیں سمجھے جو خدا را بخدا باید شناخت میں دکھلایا گیا ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے آنے والا ایسا ہی ہے کہ گویا خود خدا ہی ہے۔ انسانی گورنمنٹ کی طرف سے آنے والا نائب ہوتا ہے۔ اسی طرح سے رسُول بھی

خدا میں فنا ہو کر وہ نہیں ہوتا بلکہ خود خدا ہوتا ہے۔ غرض مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا فقرہ توحید کامل کرنے کے واسطے لازمی تھا۔ خدا تعالیٰ توحید کو پسند کرتا ہے اور یہ شکر کا مقام ہے کہ یہ خصوصیت صرف اسلام میں پائی جاتی ہے جس کو آج ہم پیش کرتے ہیں۔ کسی دوسرے مذہب میں نہیں۔

عیسائیوں کی دوڑ کفارہ مسیح تک ہے۔ باپ، بیٹا اور روح القدس تین ہیں مگر تین مت کہو ایک کہو۔ یہ عجیب گورکھ دھندا ہے جو سمجھ میں نہیں آتا۔ یہودی بھی بڑے سخت دل ہیں اور طرح طرح کے شرک میں مبتلا ہیں ان کو اس طرف توجہ ہی نہیں۔ آجکل کے آریہ صاحبان جن کو اسلام کے خلاف اپنے عقائد پر بڑا گھمنڈ اور ناز ہے ان کا مذہب ہے کہ رُوح بمع اپنے تمام صفات کے اور مادہ بمع اپنے تمام صفات کے خود بخود ہیں اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ نیستی سے ہستی ممکن نہیں۔ غرض انہوں نے ذرہ ذرہ کو خدا تعالیٰ کا شریک بنا رکھا ہے انسانی ظاہری قویٰ کو تو خدا تعالیٰ کی طرف سے مانتے ہیں مگر کہتے ہیں کہ رُوح میں جو قویٰ ہیں وہ خود بخود ہیں، خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں۔ وہ مانتے ہیں کہ ارواح اور ذرات بمع اپنے قویٰ کے خود بخود موجود ہیں۔ خدا تعالیٰ کا کام صرف انکو جوڑنا ہی ہے مگر ہم پوچھتے ہیں کہ کیوں جائز نہیں کہ باہمی جوڑ ملاپ کی طاقت بھی انکی اپنی ذاتی خاصیت مانی جاوے؟

غرض تازہ معجزات کے یہ لوگ منکر ہیں۔ وید میں معجزات کا کوئی ذکر نہیں تو پھر خدا تعالیٰ کے وجود پر نشانی ہی کیا ہے؟ اور اس کی زندگی کی علامت ہی کیا؟ جب دو حصے خود بخود موجود ہیں تو پھر کیوں نہ مان لیا جاوے کہ تیسرا حصہ (باہمی جُڑ جانے کی خاصیت) بھی خود بخود ہے۔ جب ایک اہم کام خود بخود ہے تو سہل کے واسطے کیوں کسی کی احتیاج مانی جاوے؟

غرض یہ خدا تعالیٰ کا خاص فضل ہے جو صرف اسلام ہی کے شاملِ حال ہے کہ اسلام کی کوئی بھی تعلیم عقلِ سلیم اور فطرتِ سلیم کی مخالف نہیں۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ایک قول ہے۔ اس کا عملی ثبوت بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْہَہٗ لِلّٰہِ وَھُوَ مُحْسِنٌ (البقرۃ: ۱۱۳) فعل ہے نِرا قول (ایمان کا دعویٰ) کسی کام کا نہیں اور نہ ہی وہ کچھ مفید ہو سکتا ہے۔ خشک ایمان ایک بے بال و پَر مُرغ کی مثال ہے جو ایک مُضغہ گوشت ہے جو نہ چل پھر سکتا ہے نہ اُڑنے کی اس میں طاقت ہے بلکہ اسلام اس کو کہتے ہیں کہ انسان باوجود ہیبت ناک نظارے دیکھنے کے اور اس امر پر یقین ہونے کے کہ اس مقام پر کھڑا ہونا ہی گویا جان کو خطرہ میں ڈالنا ہے پھر بھی خدا تعالیٰ کی راہ میں سر ڈال دے اور خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنے کسی نقصان کی پروا نہ کرے۔ جنگ کے موقعہ پر سپاہی جانتا ہے کہ میں موت کے منہ میں جا رہا ہوں اور اسے بہ نسبت زندہ پھرنے کے مرنا یقینی نظر آتا ہے مگر باایں ہمہ وہ اپنے افسر کی فرمانبرداری اور وفاداری کر کے آگے ہی بڑھتا ہے اور کسی خطرے کی پروا نہیں کرتا اس کا نام اسلام ہے۔

غرض ایک فقرہ (لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ) میں تو اللہ تعالیٰ نے توحید سکھائی ہے اور دوسرے (مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ) میں یہ سکھایا کہ اس توحید پر سچے اور زندہ ایمان کا ثبوت اپنے اس فعل سے دو اور خدا تعالےٰ کی راہ میں اپنی گردن ڈال دو۔ اس بات کو توجہ سے سُننا چاہیئے۔ مسلمانوں کے واسطے یہ ایک مفید مسئلہ ہے۔ صرف اس بات سے راضی نہ ہونا چاہیئے کہ ہم مسلمان ہیں یا ظاہری نماز روزے کی پابندی کرتے ہیں۔ خطرناک مشکلات میں ثابت قدم رہنا اور قدم آگے ہی آگے اُٹھانا اور خدائی امتحان میں پاس ہو جانا سچے اور حقیقی ایمان کی دلیل ہے۔ مشکلات کا آنا اور ابتلاؤں کا آنا مومن پر ضروری ہے تا ظاہر ہو کہ کون سچا مومن اور کون صرف زبانی ایمان کا مدعی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْۤا اَنْ يَّقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ (العنکبوت: ۳) مسلمانوں کے صدر نے عمل سے ثابت کیا تھا کہ واقعی انہوں نے اپنی زندگیاں اللہ کے دین کی خدمت کے واسطے وقف کر دی تھیں کوئی دین ترقی نہیں کر سکتا جب تک خدا تعالیٰ کے احکام کو دُنیا کے کل کاموں پر مقدم نہ کیا جاوے۔ معمولی نماز روزے زکوٰۃ وغیرہ اعمال تو کرتے کرتے آخر عادت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ مثنوی رُومی میں ایک شعر میں یہ مضمون خوب ادا کیا گیا ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہم اپنے کوٹھے میں غلہ بھرتے رہتے ہیں مگر وہ بھرنے میں نہیں آتا۔ جب دیکھو خالی ہی نظر آتا ہے۔ آخر کوئی چُوہا تو ہے جو اس کوٹھے کو لگا ہوا ہے اس کا اناج کھائے جاتا ہے اور ایسے خالی کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ ہم بھرتے ہیں وہ خالی کرتا ہے۔ آخر کار دروازہ کھول کر دیکھا تو واقعی ایک چُوہا تھا کہ اس غلہ کو کھا جایا کرتا تھا۔ پس انسان کو اپنے اعمال پر ہی راضی نہ ہونا چاہیئے۔

ریا کاری سے اعمال حبط ہو جاتے ہیں

بعض بدیوں سے بعض اعمال حبط بھی ہو جاتے ہیں۔ ریا کاری بھی حبطِ اعمال کے واسطے ایک خطرناک کیڑا ہے۔ مثلاً ایک مجلس میں چندہ ہوتا ہے ایک شخص اُٹھتا ہے میرا پانصد روپیہ لکھا جاوے۔ اب اگر صرف دکھاوے اور واہ واہ کی آواز کے واسطے یا نام پیدا کرنے کے واسطے ایسا کرتا ہے تو اس کا اجر اس نے پا لیا عند اللہ اس کے واسطے کوئی اجر نہ ہوگا اس موقعہ پر ہمیں ایک نقل تذکرۃ الاولیاء کی یاد آگئی۔ لکھا ہے کہ ایک بزرگ تھے ان کو دس ہزار روپیہ کی سخت ضرورت پیش آگئی۔ انہوں نے اپنی ضرورت کا اظہار کیا تو ایک شخص نے دس ہزار روپیہ کی تھیلی ان کے آگے لا رکھی۔ اب وہ بزرگ لگے اس شخص کی تعریف کرنے اور ایک گھنٹہ تک برابر اس کی تعریف کی۔ آخر وہ شخص جس نے روپیہ دیا تھا مجلس میں سے اُٹھ کھڑا ہوا اور گھر سے واپس لَوٹ کر عرض کی کہ مجھ سے تو سخت غلطی ہوئی۔ اصل میں وہ روپیہ تو میری ماں کا تھا اور میں اس کا روپیہ خود بخود دینے کا مختار نہ تھا۔ روپیہ مجھے دے دیا جاوے۔ اب لگی اس کو بجائے تعریف کے

لعن طعن ہونے اور لوگ کہنے لگے کہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس نے بناوٹ کی ہے۔ بہانہ کرتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ
مگر جب وقت گذر گیا اور رات کی سنسان گھڑیاں تھیں کہ وہی شخص وہی روپیہ لے کر اسی بزرگ کے مکان پر چپکے
سے گیا اور وہی روپیہ پیش کرکے عرض کی کہ حضور میں نے روپیہ اللہ تعالیٰ کے واسطے دیا تھا نہ کہ تعریفیں
سُننے کے واسطے۔ اب آپ کو قسم ہے خدا کی کہ آپ اس روپیہ کا کسی سے ذکر نہ کریں۔ یہ سُن کر وہ بزرگ رو
پڑے اس خیال سے کہ اب جب تک یہ شخص جئے گا لوگ اُسے گالیاں دیں گے۔ طعن و تشنیع کرینگے ملامت
ہی کیا کریں گے۔ ان کو اس حقیقت کی کیا خبر؟

غرض جس کام میں ریا کاری کا ذرہ بھی ہو وہ ضائع جاتا ہے۔ اس کی وہی مثال ہے جیسے ایک اعلیٰ
قسم کے عمدہ کھانے میں کُتا مُنہ ڈال دے۔ آج کل بھی یہ مرض بہت پھیلا ہوا ہے اور اکثر امور میں ریا کاری
کی ملونی ساتھ ہوتی ہے۔ پس اعمال میں یہ ملونی ہونی نہ چاہیئے۔ اصل میں انسان ایک حد تک معذور بھی
ہے کہ ملونی کرنے کو تیار ہو جاتا ہے کیونکہ کمل تو ہے نہیں۔ جب تک اُسے نفسِ مطمئنہ حاصل نہ ہو جائے اور
کسی کی لعن کی پرواہ نہ کرے۔ اس کے اعمال میں ایسا اخلاص ہو جائے کہ تعریف کرنے والا اور گالی دینے والا،
مناقب بیان کرنے والا اور حقارت سے دیکھنے والا اس کی نظر میں یکساں ہو جائیں اور یہ دونو کو برابر جانے،
مُردے کی طرح جانے جو نہ اس کا کچھ بگاڑ سکتا ہے اور نہ سنوار سکتا ہے۔

اس وقت میں سِرًّا و علانیۃً پر بحث نہیں کرتا بلکہ نفس کی ملونی کا ذکر کرتا ہوں میں یہ نہیں کہتا کہ ہمیشہ
خفیہ ہی خیرات کرو اور علانیہ نہ کرو۔ نیک نیتی کے ساتھ ہر کام میں ثواب ہوتا ہے۔ ایک نیک طبع انسان ایک
کام میں سبقت کرتا ہے اس کی دیکھا دیکھی دوسرے بھی اس کارِ خیر میں شریک ہو جاتے ہیں۔ اس طرح سے
اس شخص کو بھی ثواب ملتا ہے بلکہ ان کے ثواب میں سے بھی حصہ لیتا ہے۔ پس اس رنگ میں کوئی نیک کام
اس نیت سے کرنا کہ دوسروں کو بھی ترغیب و تحریص ہو بڑا ثواب ہے۔

اخلاص کی اہمیت

شریعتِ اسلام میں بڑے بڑے باریک امور ایسے ہیں تاکہ اخلاص کی
قوت پیدا ہو جائے۔ اخلاص ایک موت ہے جو مخلص کو اپنے نفس
پر وارد کرنی پڑتی ہے۔ جو شخص دیکھے کہ علانیہ خرچ کرنے اور خیرات دینے یا چندوں میں شامل ہونے سے
اس کے نفس کو مزا آتا ہے اور ریا پیدا ہوتی ہے تو اس کو چاہیئے کہ ریا کاری سے دست بردار ہو جائے اور
بجائے علانیہ خرچ کرنے کے خفیہ طور سے خرچ کرے اور ایسا کرے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی علم نہ ہو۔ پھر
خدا قادر ہے کہ نیک کو اس کی نیکی اور پاک تبدیلی کی وجہ سے بخش دے۔ اس میں کوئی سَو برس کی ضرورت

نہیں، اخلاص کی ضرورت ہے[1]

دیکھو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بُڑھیا کو بلا ناغہ حلوا کھلایا کرتے تھے اور ان کے اس فعل کی کسی کو خبر نہ تھی۔ ایک دن جب بُڑھیا کو حلوا نہ پہنچا۔ اُس نے اس سے یقین کر لیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ وفات پاگئے۔ اب جائے غور ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کیسے تعاھُد سے اس بُڑھیا کی جو کہ اور کچھ نہ کھا سکتی تھی خدمت کیا کرتے تھے کہ ایک دن حلوا نہ پہنچنے سے اس کو یقین ہو گیا کہ آپ وفات پا گئے۔ یعنی اس بُڑھیا کے وہم میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ آپؓ زندہ ہوں اور اس کو حلوا نہ پہنچے۔ یہ ممکن ہی نہ تھا۔

غرض یہ ہے اخلاص اور یہ ہیں محض خدا کی راہ میں محض نیک نیتی کے اعمال۔ اخلاص جیسی اور کوئی تلوار دلوں کو فتح کرنے والی نہیں۔ ایسے ہی امور سے وہ لوگ دُنیا پر غالب آگئے تھے۔ صرف زبانی باتوں سے کچھ ہو نہیں سکتا۔ اب نہ پیشانی میں نُور اور نہ رُوحانیت ہے اور نہ معرفت کا کوئی حصّہ۔ خدا تعالیٰ ظالم نہیں ہے۔ اصل بات ہی یہی ہے کہ ان کے دلوں میں اخلاص نہیں۔

نماز کو رسم اور عادت کے رنگ میں پڑھنا مفید نہیں

صرف ظاہری اعمال سے جو رسم اور عادت کے رنگ میں کئے جاتے ہیں کچھ نہیں بنتا۔ اس سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ میں نماز کی تحقیر کرتا ہوں۔ وہ نماز جس کا ذکر قرآن میں ہے اور وہ معراج ہے۔ بھلا ان نمازیوں سے کوئی پُوچھے تو سہی کہ ان کو سُورہ فاتحہ کے معنے بھی آتے ہیں۔ پچاس پچاس برس کے نمازی ملیں گے مگر نماز کا مطلب اور حقیقت پوچھو تو اکثر بے خبر ہونگے حالانکہ تمام دنیوی علوم ان علوم کے سامنے ہیچ ہیں۔ بایں دنیوی علوم کے واسطے تو جان توڑ محنت اور کوشش کی جاتی ہے اور اس طرف سے ایسی بے التفاتی ہے کہ اُسے جنتر منتر کی طرح پڑھ جاتے ہیں۔ میں تو یہاں تک بھی کہتا ہوں کہ اس بات سے مت رُکو کہ نماز میں اپنی زبان میں دُعائیں کرو۔ بیشک اُردو میں، پنجابی میں، انگریزی میں، جو جس کی زبان ہو اُسی میں دُعا کرے۔ مگر ہاں یہ ضروری ہے کہ خدا تعالیٰ کے کلام کو اسی طرح پڑھو۔ اس میں اپنی طرف سے کچھ دخل مت دو۔ اس کو اسی طرح پڑھو اور معنے سمجھنے کی کوشش کرو۔ اسی طرح ماثورہ دُعاؤں کا بھی اسی زبان میں التزام رکھو۔ قرآن اور ماثورہ دعاؤں کے بعد جو چاہو خدا تعالیٰ سے

---

[1] بدر میں ہے:۔ "یہ خیال نہ کرو کہ سو سال تک عبادت کرنے ہی سے نجات ہوتی ہے بلکہ خدا تو نکتہ نواز ہے وہ ایک نیکی سے بخشش دیتا ہے۔ صرف اخلاص چاہیئے۔"

(بدر جلد ۷ نمبر ۲۴ صفحہ ۷ مورخہ ۲۵ رجون ۱۹۰۸ء)

مانگو اور جس زبان میں چاہو مانگو۔ وہ سب زبانیں جانتا ہے۔ سنتا ہے قبول کرتا ہے۔

اگر تم اپنی نماز کو باحلاوت اور پُرذوق بنانا چاہتے ہو تو ضروری ہے کہ اپنی زبان میں کچھ نہ کچھ دُعائیں کرو۔ مگر اکثر یہی دیکھا گیا ہے کہ نمازیں تو ٹکریں مار کر پوری کرلی جاتی ہیں پھر لگتے ہیں دُعائیں کرنے۔ نماز تو ایک ناحق کا ٹیکس ہوتا ہے۔ اگر کچھ اخلاص ہوتا ہے تو نماز کے بعد میں ہوتا ہے۔ یہ نہیں سمجھتے کہ نماز خود دُعا کا نام ہے جو بڑے عجز، انکسار، خلوص اور اضطراب سے مانگی جاتی ہے۔ بڑے بڑے عظیم الشان کاموں کی کنجی صرف دُعا ہی ہے۔ خدا تعالیٰ کے فضل کے دروازے کھولنے کا پہلا مرحلہ دُعا ہی ہے۔

نماز کو رسم اور عادت کے رنگ میں پڑھنا مفید نہیں بلکہ ایسے نمازیوں پر تو خود خدا تعالیٰ نے لعنت اور ویل بھیجا ہے چہ جائیکہ ان کی نماز کو قبولیت کا شرف حاصل ہو۔ وَیۡلٌ لِّلۡمُصَلِّیۡنَ (الماعون:۵) خود خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ یہ ان نمازیوں کے حق میں ہے جو نماز کی حقیقت سے اور اس کے مطالب سے بے خبر ہیں۔ صحابہؓ تو خود عربی زبان رکھتے تھے اور اس کی حقیقت کو خوب سمجھتے تھے۔ مگر ہمارے واسطے یہ ضروری ہے کہ اس کے معانی سمجھیں اور اپنی نماز میں اس طرح حلاوت پیدا کریں۔ مگر ان لوگوں نے تو ایسا سمجھ لیا ہے جیسے کہ دوسرا نبی آگیا ہے اور اس نے گویا نماز کو منسوخ ہی کر دیا ہے۔

دیکھو خدا تعالیٰ کا اس میں فائدہ نہیں بلکہ خود انسان ہی کا اس میں بھلا ہے کہ اس کو خدا تعالیٰ کی حضوری کا موقعہ دیا جاتا ہے اور عرض معروض کرنے کی عزت عطا کی جاتی ہے جس سے یہ بہت سی مشکلات سے نجات پاسکتا ہے۔ میں حیران ہوں کہ وہ لوگ کیونکر زندگی بسر کرتے ہیں جن کا دن بھی گذر جاتا ہے اور رات بھی گذر جاتی ہے مگر وہ نہیں جانتے کہ ان کا کوئی خدا بھی ہے۔ یاد رکھو کہ ایسا انسان آج بھی ہلاک ہوا اور کل بھی۔[1]

میں ایک ضروری نصیحت کرتا ہوں۔ کاش لوگوں کے دل میں پڑ جاوے۔ دیکھو عمر گذری جارہی ہے غفلت کو چھوڑ دو اور تضرع اختیار کرو۔ اکیلے ہو ہو کر خدا تعالیٰ سے دُعا کرو کہ خدا ایمان کو سلامت رکھے اور تم پر وہ راضی اور خوش ہو جائے۔

ترقی کرنے کے دو طریق

اوّل تو انسان تشریعی احکام یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ تکالیفِ شرعیہ کی پابندی سے جو کہ خدا کے حکم کے موجب خود بجا

---

[1] بدر سے:۔ "یہ بات سن لو کہ دُنیا فانی ہے۔ بی بی بھی ہے بھائی بھی۔ سب رشتہ دار ہیں۔ مال و دولت ہے یہ سب کچھ لیکن جب تک خدا تعالیٰ کو اپنی سپر نہیں بناتا تو کچھ بھی نہیں۔"

(بدر جلد ۷ نمبر ۲۵ صفحہ ۷ مورخہ ۲۵ جون ۱۹۰۸ء)

لاتا ہے۔ مگر یہ اُمور چونکہ انسان کے اپنے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ اس لیے کبھی ان میں سُستی اور تساہل بھی کو بیٹھتا ہے اور کبھی ان میں کوئی آسانی اور آرام کی صورت ہی پیدا کر لیتا ہے۔ لہٰذا دوسرا وہ طریق ہے جو براہِ راست خدا تعالیٰ کی طرف سے انسان پر وارد ہوتا ہے اور یہی انسان کی اصلی ترقی کا باعث ہوتا ہے۔ کیونکہ تکالیفِ شرعیہ میں انسان کوئی نہ کوئی راہ بچاؤ یا آرام و آسائش کی نکال ہی لیتا ہے۔ دیکھو کسی کے ہاتھ میں تازیانہ دے کر اگر اُسے کہا جاوے کہ اپنے بدن پر مارو تو قاعدہ کی بات ہے کہ آخر اپنے بدن کی محبت دل میں آ ہی جاتی ہے۔ کون ہے جو اپنے آپ کو دُکھ میں ڈالنا چاہتا ہے؟ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے انسانی تکمیل کے واسطے ایک دوسری راہ رکھ دی اور فرمایا وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ۔ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ (البقرۃ: ۱۵۶، ۱۵۷) ہم آزماتے رہیں گے تم کو کبھی کسی قدر خوف بھیج کر، کبھی فاقہ سے کبھی مال جان اور پھلوں پر نقصان وارد کرنے سے۔ مگر ان مصائب شدائد اور فقر و فاقہ پر صبر کرکے إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ (البقرۃ: ۱۵۷) کہنے والوں کو بشارت دے دو کہ ان کے واسطے بڑے بڑے اجر خدا تعالیٰ کی رحمتیں اور اس کے خاص انعامات مقرر ہیں۔ دیکھو ایک کسان کس محنت اور جانفشانی سے قلبہ رانی کرکے زمین کو درست کرتا، پھر تخم ریزی کرتا، آبپاشی کی مشکلات جھیلتا ہے۔ آخر جب طرح طرح کی مشکلات، محنتوں اور حفاظتوں کے بعد کھیتی تیار ہوتی ہے تو بعض اوقات خدا تعالیٰ کی باریک در باریک حکمتوں سے ژالہ باری ہو جاتی یا کبھی خشک سالی ہی کی وجہ سے کھیتی تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔ غرض یہ ایک مثال ہے ان مشکلات کی جن کا نام تکالیفِ قضا و قدر ہے۔ ایسی حالت میں مسلمانوں کو جو پاک تعلیم دی گئی ہے وہ کیسی رضا بالقضاء کا سچا نمونہ اور سبق ہے اور یہ بھی صرف مسلمانوں ہی کا حصہ ہے۔ آریہ جو کہ رُوح اور ذرات مع ان کے خواص کے خود بخود اور خدا کی طرح ازلی ابدی مانتے ہیں وہ کیونکر اِنَّا لِلّٰهِ کہہ سکتے ہیں اور یہ توفیق ان کو کیسے نصیب ہو سکتی ہے۔

غرض تکالیف دو قسم کی ہیں ایک حصہ تو وہ ہے جو احکام پر مشتمل ہے جن میں نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ داخل ہیں۔ ان میں کسی قدر عذر اور حیلے وغیرہ کی بھی گنجائش ہے اور جب تک پورا اخلاص اور کامل یقین نہ ہو انسان ان سے کسی نہ کسی قدر بچنے کی یا آرام کی صورت پیدا کرنے کی کوئی نہ کوئی راہ نکال ہی لیتا ہے۔ پس اس طرح کی کوئی کسر جو انسانی کمزوری کی وجہ سے رہ گئی ہو۔ اس کسر کے پورا کرنے کے واسطے اللہ تعالیٰ نے تکالیفِ قضا و قدر رکھ دی ہیں تاکہ انسانی فطرت کی کمزوری کی وجہ سے جو کمی رہ گئی ہو خدا تعالیٰ کے فضل کے ہاتھ سے پوری ہو جاوے تکالیفِ قضا و قدر کا نام آریہ لوگ پہلی جون کا پھل رکھتے ہیں مگر ہم

اُن سے پوچھتے ہیں کہ اگر ایسا ہی ہے تو پھر تمہارے جپ تپ کس مرض کی دوا ہیں۔ اگر آسمانی تکالیف تمہارے پہلے اعمال کا نتیجہ ہیں تو کیوں ایک اور عذاب جپ تپ کی مصیبت میں پڑ کر اپنے واسطے پیدا کرتے ہو۔

غرض یہ دونوں سلسلے کہ کبھی انسان تکالیف شرعیہ کی پابندی کر کے اپنے ہاتھوں اور کبھی قضاء و قدر کے آگے گردن جھکاتا ہے اس واسطے ہیں کہ انسان کی تکمیل ہو جاوے۔ اسی کی طرف اشارہ کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ (البقرۃ: ۱۱۳) یعنی اسلام کیا ہے؟ یہی کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس کی رضا کے حصول کے واسطے گردن ڈال دینا۔ ابتلاؤں کا ہیبت ناک نظارہ لڑائی میں ننگی تلواروں کی چمک اور گھٹاٹوپ کی طرح آنکھوں کے سامنے موجود ہے۔ جان جانے کا اندیشہ ہے مگر کسی بات کی پروانہ کر کے خدا کے واسطے یہ سب کچھ اپنے نفس پر وارد کر لینا یہ ہے اسلام کی تعلیم کا لُبِّ لباب۔

حقوق العباد کی ادائیگی کے تین مراتب

دوسرا حصہ خلق اللہ اور حق العباد کے متعلق ہے اس کے متعلق قرآنی تعلیم یوں بیان ہوئی کہ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى (النحل: ۹۱) پہلے فرمایا کہ عدل کرو۔ پھر اس سے بھی آگے بڑھ کر فرمایا۔ احسان کا بھی خدا تعالیٰ نے تم کو حکم کیا ہے یعنی صرف اُس سے نیکی نہ کرو جس نے تم سے نیکی کی ہو بلکہ احسان کے طور پر بھی جو کہ کوئی حق نہ رکھتا ہو کہ اس سے نیکی کی جاوے اس سے بھی نیکی کرو مگر احسان میں بھی ایک قسم کا باریک نقص اور مخفی تعلق اس شخص سے رہ جاتا ہے جس سے احسان کیا گیا ہے کیونکہ کبھی کسی موقعہ پر اس سے کوئی ایسی حرکت سرزد ہو جائے جو اس محسن کے خلافِ طبیعت ہو یا نافرمانی کر بیٹھے تو محسن ناراض ہو کر اس کو احسان فراموش یا نمک حرام وغیرہ کہہ دے گا اور اگرچہ وہ شخص اس بات کو دبانے کی کوشش بھی کریگا مگر پھر بھی اس میں ایک ایسا مخفی اور باریک رنگ میں نقص باقی رہ جاتا ہے کہ کبھی نہ کبھی ظاہر ہو ہی جاتا ہے۔ اسی واسطے اس نقص اور کمی کی تلافی کرنے کے واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ احسان سے بھی آگے بڑھو اور ترقی کر کے ایسی نیکی کرو کہ وہ ایتاء ذی القربیٰ کے رنگ میں رنگین ہو یعنی جس طرح سے ایک ماں اپنے بچے سے نیکی کرتی ہے۔ ماں کی اپنے بچے سے محبت ایک طبعی اور فطری تقاضا پر مبنی ہے نہ کہ کسی طمع پر۔ دیکھو بعض اوقات ایک ماں ساٹھ برس کی بڑھیا ہوتی ہے اس کو کوئی توقع خدمت کی اپنے بچے سے نہیں ہوتی کیونکہ اس کو کہاں یہ خیال ہوتا ہے کہ میں اس کے جوان اور لائق ہونے تک زندہ بھی رہونگی غرض ایک ماں کا اپنے بچے سے محبت کرنا بلا کسی خدمت یا طمع کے خیال کے فطرتِ انسانی میں رکھا گیا ہے۔ ماں خود اپنی جان پر دُکھ برداشت کرتی ہے مگر بچے کو آرام پہنچانے کی کوشش کرتی ہے۔ خود گیلی جگہ پر لیٹتی ہے اور اُسے خشک حصہ بستر پر جگہ دیتی ہے۔ بچہ بیمار ہو جائے

توراتوں جاگتی اور طرح طرح کی تکالیف برداشت کرتی ہے۔ اب بتاؤ کہ ماں جو کچھ اپنے بچے کے واسطے کرتی ہے اس میں تصنّع اور بناوٹ کا کوئی بھی شعبہ پایا جاتا ہے؟

پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ احسان کے درجہ سے بھی آگے بڑھو اور ایتاءِ ذی القربیٰ کے مرتبہ تک ترقی کرو اور خلق اللہ سے بغیر کسی اجر یا نفع و خدمت کے خیال کے طبعی اور فطری جوش سے نیکی کرو تمہاری خلق اللہ سے ایسی نیکی ہو کہ اس میں تصنّع اور بناوٹ ہرگز نہ ہو۔ ایک دوسرے موقعہ پر یوں فرمایا ہے لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا (الدھر: ۱۰) یعنی خدا رسیدہ اور اعلیٰ ترقیات پر پہنچے ہوئے انسان کا یہ قاعدہ ہے کہ اس کی نیکی خالصاً للہ ہوتی ہے اور اس کے دل میں یہ خیال بھی نہیں ہوتا کہ اس کے واسطے دُعا کی جاوے یا اس کا شکریہ ادا کیا جاوے۔ نیکی محض اس جوش کے تقاضا سے کرتا ہے جو ہمدردیِ بنی نوع انسان کے واسطے اس کے دل میں رکھا گیا ہے۔ ایسی پاک تعلیم نہ ہم نے توریت میں دیکھی ہے اور نہ انجیل میں۔ ورق ورق کرکے ہم نے پڑھا ہے مگر ایسی پاک اور مکمل تعلیم کا نام و نشان نہیں۔

اس زمانہ میں مصلح اور مجدد کی ضرورت

اس وقت دُنیا میں تاریکی بہت پھیلی ہوئی ہے۔ خدا تعالیٰ کی کتاب پر عمل کرنے کے واسطے جو قوت درکار ہے اس میں بہت کمزوری ہے۔ خدا تعالیٰ کی یہ قدیم سے عادت چلی آئی ہے کہ جب دُنیا میں گناہ کی ظلمت پھیل جاتی ہے لوگ زندگی کے مقصدِ اصلی سے دُور جا پڑتے ہیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ خود اپنی طرف سے ایمانوں کو تازہ کرنے کے واسطے انتظام کرتا ہے اور مصلح اور مجدد مبعوث کرتا ہے۔ سفلی ریفارمر اس وقت کچھ نہیں کرسکتے۔ خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ لوگوں ہی کا یہ منصب ہوتا ہے کہ دلوں پر قابو پاکر ان میں پاک زندگی پیدا کر جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے رُوحانی اصلاح کے لیے مقرر ہونے والے لوگ چراغ کی طرح ہوتے ہیں۔ اسی واسطے قرآن شریف میں آپؐ کا نام دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا (الاحزاب: ۴۷) آیا ہے دیکھو کسی اندھیرے مکان میں جہاں سو پچاس آدمی ہوں اگر ان میں سے ایک کے پاس چراغ روشن ہو تو سب کو اس کی طرف رغبت ہوگی اور چراغ ظُلمت کو پاش پاش کرکے اُجالا اور نُور کر دے گا۔[1]

---

[1] بدر سے:۔ "چراغ والا اندر اندھیرے میں چلا جائے تو یکدم سب مکان جگمگا اُٹھتا ہے پھر ہر ایک کو اس کی طرف رغبت ہو جاتی ہے۔"

(بدر جلد ۷ نمبر ۲۵ صفحہ ۸ مورخہ ۲۵ رجون ۱۹۰۸ء)

اس جگہ آپ کا نام چراغ رکھنے میں ایک اور باریک حکمت یہ ہے کہ ایک چراغ سے ہزاروں لاکھوں چراغ روشن ہو سکتے ہیں اور اس میں کوئی نقص بھی نہیں آتا۔ چاند سورج میں یہ بات نہیں۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اطاعت کرنے سے ہزاروں لاکھوں انسان اس مرتبہ پر پہنچیں گے اور آپ کا فیض خاص نہیں بلکہ عام اور جاری ہوگا۔ غرض یہ سنت اللہ ہے کہ ظلمت کی انتہا کے وقت اللہ تعالیٰ اپنی بعض صفات کی وجہ سے کسی انسان کو اپنی طرف سے علم اور معرفت دے کر بھیجتا ہے اور اس کے کلام میں تاثیر اور اس کی توجہ میں جذب رکھدیتا ہے۔ اس کی دُعائیں مقبول ہوتی ہیں۔ مگر وہ ان ہی کو جذب کرتے ہیں اور ان ہی پر اُن کی تاثیرات اثر کرتی ہیں جو اس انتخاب کے لائق ہوتے ہیں۔ دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سراجاً منیراً ہے۔ مگر ابوجہل نے کہاں قبول کیا؟ ؎

باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شورہ بوم وخس

جس طرح بارش آسمان سے زمینیں اپنی اپنی استعداد کے موافق روئیدگی پیدا کرتی ہیں۔ کہیں خس وخاشاک اور کہیں گلاب کے پھول۔ بعینہٖ یہی حال رُوحانی بارش کے وقت انسانی رُوحانیت کا ہے۔ عادت اللہ اسی طرح پر ہے کوئی نرالی بات نہیں۔ آدم سے لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک سلسلہ وحی جاری رہا۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ وہ تجدیدِ دین کے واسطے مجدد پیدا کرے گا۔ تجدید کہتے ہیں ایک کپڑا جو میل کچیل سے آلودہ ہوگیا ہو اس کو دھو کر صاف کر لیا جاوے اور میل اس سے قطعاً الگ کردی جاوے اور بالکل نئے کی طرح کر دیا جاوے۔ اسی طرح جب دین میں ایک زمانہ گذرنے کے بعد عقائد اور اعمال میں طرح طرح کے گند داخل ہو جاتے ہیں اور ایمان کی بناء صرف پُرانے قصہ کہانیوں پر ہی رہ جاتی ہے اور قصّوں کے سوائے کچھ ہاتھ میں نہیں رہتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ایسی حالت میں اسلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یہ وعدہ دیا ہے کہ ہر صدی کے سر پر ایسے شخص بھیجتا رہے گا جو تجدیدِ دین کیا کرینگے مگر چودھویں صدی کا سرا تو بجائے خود چھبیس ۲۶ برس بھی گذر گئے۔ آنے والا حسب وعدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عین وقت پر آگیا مگر یہ لوگ اب تک بھی شک میں ہیں۔

بعض الزامات کا جواب

اور مجھ پر خواہ مخواہ جھوٹ اور تہمت سے الزام لگاتے ہیں کہ نعوذ باللہ میں پیغمبروں کو گالیاں دیتا ہوں مگر کیسا ہی خبیث اور ملعون ہے وہ شخص جو کہ برگزیدہ بندوں کا انکار کرے یا ان کی کسی طرح سے اپنے قول سے یا فعل سے توہین کرے۔

یہ بھی مجھ پر الزام لگایا گیا ہے کہ میں معجزات سے منکر ہوں حالانکہ میرا ایمان ہے کہ بغیر معجزات کے زندہ ایمان ہی نصیب نہیں ہو سکتا[1] عقل انسان کا کہاں تک ساتھ دے سکتی ہے اور اس کی مدد سے یہ کہاں تک ترقی کر سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ زندہ موجود ہے اور جس طرح اس نے پہلے کام کئے ہیں اب بھی ضرور ہے کہ اسی طرح کرے۔ کیا وجہ کہ پہلے معجزات اور خوارق پر ایمان لایا جاتا ہے اور گذشتہ کا حوالہ دیا جاتا ہے کیا اب خدا بڈھا ہو گیا ہے؟ یا خدا کی قوتِ گویائی جاتی رہی ہے؟ یا اسکی قوت نصرتِ وقدرت کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے؟

حال کے فلسفہ والے ان باتوں کو نہیں مانتے مگر میں خود اس میں صاحب تجربہ ہوں جس طرح پہلے نشان ظاہر ہوتے تھے اب بھی ہوتے ہیں اور اسی طرح خدا تعالیٰ اپنے خاص بندوں کی تائید اور نصرت کرتا ہے اور اسی طرح وحی اور الہام سے ان کی تائید کرتا ہے۔ اگر تمہارے اعتقاد کے موافق مان لیا جاوے کہ اب کوئی سلسلہ وحی والہام نہیں رہا اور وہ مُردہ ہو گیا ہے تو پھر مُردے سے کیا اُمید رکھ سکتے ہو؟ کیا مُردہ مُردے کو زندہ کر سکتا ہے اور اندھا اندھے کی راہبری کر سکتا ہے؟

میں سچ کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ اسی طرح زندہ ہے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں زندہ تھا خدا تعالیٰ نے ہمیں ایک خاص مقام پر پہنچانے کا وعدہ کیا تھا۔ کیا اب وہ ہمیں راستے میں ہی چھوڑ دیگا؟ مثال کے طور پر بیان کرتا ہوں کہ مثلاً ایک اندھے سے کسی نے وعدہ کیا کہ تمہیں مدراس یا کلکتہ تک پہنچا دیں گے مگر جب وہ نصف راستہ میں پہنچا تو اس کو چھوڑ دیا۔ اب وہ نہ اِدھر کا نہ اُدھر کا۔ کیا یہ انصاف ہے اور ظلم نہیں؟ ہم خدا تعالیٰ پر ایسا الزام نہیں لگا سکتے کہ اس نے وعدہ تو کیا کہ قیامت تک خلفاء اور مجددین کا سلسلہ جاری رکھوں گا مگر ایک خاص وقت کے بعد اس نے ایسا کرنا چھوڑ دیا۔ سورۃ نور میں آیت استخلاف کو غور سے پڑھ کر دیکھ لو۔ میں بھی اسی وعدہ کے موافق آیا ہوں اور اس واسطے موعود کہلاتا ہوں۔ یہ نہیں کہ آواگون کے طور پر وہی مسیح آگیا ہو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ آخری زمانہ میں اُمت بگڑ جائے گی اور جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں یہود کی حالت تھی وہی حالت مسلمانوں کی موعود مسیح محمدی کے زمانہ میں ہو جائے گی۔ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ (الفاتحة: ۷) میں اسی کی طرف تو اشارہ ہے، خود مسلمانوں سے پوچھ لو کہ آخری زمانہ کے مسلمانوں اور علماء کا کیا حال لکھا ہے۔ یہی لکھا ہے کہ ایسے ہو جاوینگے

---

[1] بدر سے:۔ "جس دین میں زندہ معجزات نہیں وہ دین قائم رہ سکتا ہی نہیں"
(بدر جلد ۷ نمبر ۲۵ صفحہ ۸ مورخہ ۲۵ رجون ۱۹۰۸ء)

کہ قرآن پڑھیں گے مگر قرآن حلق سے نیچے نہیں اُترے گا۔ ایمان صرف زبانوں پر ہی ہوگا۔ اب صاف ہے کہ ایسے وقت میں ان کی اصلاح کے واسطے جو شخص آوے گا وہ بھی مناسبِ حال ہی آوے گا اور ضرورت اور کام کے لحاظ سے اس کا نام بھی مسیح ہوگا۔ کیا یہ ظاہر نہیں کہ دین مرگیا۔ تو پھر جب کسی آدمی کا عزیز دوست حتیٰ کہ پالتو کتّا۔ بلی ہی مرجائے تو اسے رنج ہوتا ہے اور افسوس آتا ہے تو کیا وجہ کہ دین کی موت کا کسی کو رنج نہیں اور کسی کے دل میں ماتم نہیں نظر آیا ؟

یہ بھی مجھ پر الزام لگایا جاتا ہے کہ میں نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں اور کہ میں نے نیا دین بنالیا ہے یا میں کسی الگ قبلہ کی فکر میں ہوں، نماز میں نے الگ بنائی ہے یا قرآن کو منسوخ کر کے اور قرآن بنالیا ہے۔ سو اس تہمت کے جواب میں مَیں۔ بجز اس کے کہ لَعْنَتَ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ (آل عمران : ۶۲) کہوں اور کیا کہوں ؟

مسیح موعود علیہ السلام کا دعویٰ

میرا دعویٰ صرف یہ ہے کہ موجودہ مفاسد کے باعث خدا تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے اور میں اس امر کا اخفاء نہیں کرسکتا کہ مجھے مکالمہ مخاطبہ کا شرف عطا کیا گیا ہے اور خدا تعالیٰ مجھ سے ہمکلام ہوتا ہے اور کثرت سے ہوتا ہے۔ اسی کا نام نبوت ہے مگر حقیقی نبوت نہیں۔ نبأ ایک عربی لفظ ہے جس کے معنے خبر کے ہیں۔ اب جو شخص کوئی خبر خدا تعالیٰ سے پاکر خلق پر ظاہر کرے گا اس کو عربی میں نبی کہیں گے۔ مَیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ ہوکر کوئی دعویٰ نہیں کرتا۔ یہ تو نزاع لفظی ہے۔ کثرتِ مکالمہ مخاطبہ کو دوسرے الفاظ میں نبوت کہا جاتا ہے ، دیکھو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ قول کہ قُوْلُوْا اِنَّهٗ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ وَلَا تَقُوْلُوْا لَا نَبِيَّ بَعْدَهٗ اس امر کی صراحت کرتا ہے نبوت اگر اسلام میں موقوف ہو چکی ہے تو یقیناً جانو کہ اسلام بھی مرگیا اور پھر کوئی امتیازی نشان بھی نہیں ہے۔ ایک باغ جس کو اس کے مالی اور باغبان نے چھوڑ دیا، اسے بھلا دیا، اس کی آبپاشی کی اس کو فکر نہیں تو پھر نتیجہ ظاہر ہے کہ چند سال بعد وہ باغ خشک ہوکر بے ثمر ہوجاوے گا اور آخر کار لکڑیاں جلانے کے کام میں لائی جاویں گی۔

اصل میں ان کی اور ہماری نزاع لفظی ہے۔ مکالمہ مخاطبہ کا تو یہ لوگ خود بھی اقرار کرتے ہیں۔ مجدد صاحبؒ[1] بھی اس کے قائل ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ جن اولیاء اللہ کو کثرت سے خدا تعالیٰ کا مکالمہ مخاطبہ ہوتا

---

[1] " مجدد صاحب سرہندی "

(بدر جلد ۷ نمبر ۲۵ صفحہ ۸ مورخہ ۲۵ جون ۱۹۰۸ء)

ہے وہ محدث اور نبی کہلاتے ہیں[1]۔ اچھا میں پوچھتا ہوں کہ ایک انسان خدا تعالیٰ سے خبر پاکر دُنیا پر ظاہر کرے تو اس کا نام آپ لوگ عربی زبان میں بجز نبی کے اور کیا تجویز کرتے ہیں؟ عجیب بات ہے کہ اسی لفظ کے مفہوم کو اگر زبانِ اُردو میں یا پنجابی میں بیان کیا جائے تو مان لیتے ہیں اور اگر عربی زبان میں پیش کریں تو نفرت اور انکار کرتے ہیں۔ یہ تعصب نہیں تو اور کیا ہے؟

اب صرف یہی بات باقی ہے جسے مَیں ضروری سمجھتا ہوں کہ ان لوگوں نے شاید اس مہذب اور تعلیم یافتہ گروہ کو بھی اس امر میں دھوکا دیا ہو اور ہم سے بدظن کرنے کی کوشش کی ہو۔ لہٰذا میں مناسب سمجھتا ہوں کہ آپ لوگوں پر ظاہر کردوں کہ خدا تعالیٰ نے مجھے تجدیدِ دین کے واسطے تائید اور نصرت کے ساتھ تازہ نشانات دیکر بھیجا ہے۔ آپ یقیناً سمجھیں کہ اگر خدا تعالیٰ نے مجھے نہ بھیجا ہوتا تو یہ دین بھی اور دینوں کی طرح صرف قصے کہانیوں میں ہی محدود ہو جاتا۔ خدا تعالیٰ سے آنے والا نابود نہیں کیا جاتا۔ انجام کار خدا اُس کی سرسبزی دنیا پر ظاہر کر دیتا ہے۔

ان لوگوں نے میری توہین کے واسطے جھُوٹ سے، تہمت سے، افتراء سے اور طرح طرح کے حیلوں سے کام لیا ہے اور ہماری ترقی کو روکنے کے واسطے، ہم سے لوگوں کو بدظن کرنے کے واسطے سخت سے سخت کوششیں کی ہیں مگر خدا تعالیٰ کی قدرت سے باینہمہ ہماری ترقی ہی ہوتی گئی اور ہو رہی ہے حتّٰی کہ اب چار لاکھ سے بھی زیادہ لوگ مختلف ممالک میں ہماری جماعت کے موجود ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ سمجھ دار لوگ جب سمجھ لیتے ہیں کہ یہی راہ دشمن پر غلبہ پانے کی ہے تو پھر وہ اس پر سچے دل سے قائم ہو جاتے ہیں۔

اب ہمیں بتائیں کہ جن کا یہ مذہب ہے کہ حضرت عیسٰی مَرے نہیں بلکہ زندہ ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات پاکر مدینہ میں مدفون ہیں۔ بتائیے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت پر کیسا حملہ کیا ہے؟ اور پھر کہتے ہیں کہ وہی اسرائیلی نبی پھر دُنیا میں آکر اُمتِ محمدیہ کی اصلاح اور تجدیدِ دین کرے گا۔ اب فرمائیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب ایک اسرائیلی نبی آگیا تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح خاتم النبیین ہے؟ اس اعتقاد سے تو خاتم النبیین حضرت عیسٰی علیہ السلام ہوئے نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ حاشا و کلا عیسٰیؑ تو خود براہ راست خدا تعالیٰ کے نبی تھے۔ کیا ان کی پہلی شریعت اور نبوت منسوخ ہو جائے گی؟ جب سورۂ نُور میں ہمیں صاف الفاظ میں وعدہ مل چکا ہے کہ جو آوے گا تم میں سے ہی آوے گا۔ تمہارے غیر کو قدم رکھنے کی

---

[1] بدر میں یہ الفاظ ہیں:۔ ”حضرت مجدد سرہندی بھی ایسے مکالمہ کے قائل ہیں۔ مَیں کہتا ہوں کہ اگر کوئی خدا سے خبر پاکر پیشگوئی کرتا ہے تو اسے عربی میں نبوت کے سوا اور کیا کہیں گے۔“ (بدر جلد ۷ نمبر ۲۵ صفحہ ۸ مورخہ ۲۵ جون ۱۹۰۸ء)

اب گنجائش نہیں اور بخاری میں بھی جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ موجود ہے اور پھر جب ان کی وفات بھی صراحت سے قرآن شریف اور احادیث سے ثابت ہے تو کیوں ایسا اعتقاد رکھا جاتا ہے جو کہ سراسر قرآن شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایک عقیدہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان کو معراج کی رات میں وفات شدہ انبیاء کے ساتھ دیکھا۔ اگر وہ زندہ تھے تو ان کے واسطے الگ کوئی مقام تجویز ہونا چاہیئے تھا نہ کہ مُردوں میں۔ زندہ کو مُردہ سے کیا تعلق اور کیا واسطہ؟

غرض خدا تعالیٰ نے قول سے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فعل سے ثابت کر دیا کہ وہ وفات پا چکے۔ اب فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ (یونس: ۳۳) مسلمان ہو کر قرآن اور قول الرسولؐ کو قبول نہیں کرتے تو نہ کریں ان کا اختیار ہے۔ میری تکذیب نہیں کرتے بلکہ اس کی جس کی طرف سے میں آیا ہوں اور اس کی جس کا میں غلام ہوں تکذیب کرتے ہیں۔ میں کیا اور میری تکذیب کیا، بلکہ یہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے ہیں۔ بات تو ایک ہی ہے قرآن میں خلیفہ کے آنے کی نص موجود ہے اور احادیث میں قربِ قیامت کے وقت آنے والے خلیفہ کا نام مسیح رکھا گیا ہے۔ اب ان میں اختلاف کیا ہے؟

ان الزامات کے سوا دوسرے الزام بھی اسی قسم کے بے حقیقت اور ضد اور تعصب کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ ان سب کا ردّ مفصلاً ہم نے اپنی کتابوں میں کر دیا ہے۔ ان لوگوں کے بعض عقائد تو ایسے ہیں جن سے ایک سچے مسلمان کا دل کانپ جاتا ہے۔ مثلاً ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ کوئی بھی مسِّ شیطان سے پاک نہیں بجز عیسیٰ علیہ السلام کے۔ ان کا یہ مسئلہ کیسا قابلِ شرم ہے۔ ہمارے نبی کریم افضل الرسل، پاکوں کے سردار تو مسِّ شیطان سے (نعوذ باللہ) پاک نہیں اور حضرت عیسیٰ پاک ہیں۔ کیسا افسوس کا مقام ہے۔ خدا جانے مسلمان کہلا کر ان کو کیا ہو گیا۔

دیکھو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال ہے اور خود مسلمان آریوں اور عیسائیوں کے ہمزبان بنے ہوئے ہیں۔ ہمارا اپنا سب سے پیارا نبی جس کی پیروی ہمارا فخر اور ہمارے واسطے باعثِ عزت اور موجبِ نجات ہے اگر وہ وفات پا چکے ہیں تو ہم عیسیٰ کو کیا کریں۔

بس یہ باتیں ہیں جن پر ہمیں کافر کہا جاتا ہے۔ دجّال کہا جاتا ہے اور اسلام سے خارج کہا جاتا ہے اور ہم سے سلام علیکم کرنے والا، مصافحہ کرنے والا، ملاقات کرنے والا بھی کافر ہو جاتا ہے ایسا متعدی کفر ہے اور تمام جماعت ایک کافروں کا مجموعہ ہے۔ کیسا افسوس آتا ہے کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور آپ کے دین کی تجدید اور خدمت کرنے کے واسطے ہر وقت کمربستہ ہے۔ اس کو گندی گالیاں نکالتے ہیں۔ بُرے بُرے ناموں سے یاد کرتے ہیں میرے صندوق بھرے پڑے ہیں ان کی گندی گالیوں سے بعض اوقات بیرنگ خط محصول ادا کر کے وصول کیا کھول

کر دیکھا تو اس میں اوّل سے آخر تک بے نقط گالیوں کے سوا کچھ ہوتا ہی نہیں اور مولوی کہلا کر چوہڑے چماروں کی طرح گندی اور فحش گالیاں نکالتے ہیں کہ انسان کو پڑھتے ہوئے بھی شرم آجاتی ہے۔ ابھی کہتے ہیں کہ اسلام کو کسی کی کیا ضرورت ہے جبکہ قرآن موجود ہے اور مولوی موجود ہیں۔ یہ نہیں جانتے کہ ان کے مولوی جوان بھیڑوں کے گلہ بان ہیں خود بھیڑیئے ہیں اور وہ ریوڑ کیسے خطرہ میں ہے جس کا کوئی گلہ بان نہ ہو۔ اسلام پر اندرونی اور بیرونی حملے ہو رہے ہیں اور ماریں کھا رہا ہے۔ پس ایسے شخص کی ضرورت تھی کہ مغالطے اور مشکلات دُور کر کے پیچیدہ مسائل کو حل کر کے رستہ صاف کرتا اور اسلام کی اصلی روشنی اور سچا نُور دوسری قوموں کے سامنے پیش کرتا۔ دیکھو ایک وہ زمانہ تھا کہ عیسائی لوگ کہتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ کوئی پیشگوئی ہے نہ معجزہ۔ مگر اب میرے سامنے کوئی نہیں آتا حالانکہ ہم بُلاتے ہیں۔

خدا تعالیٰ کا یہی ارادہ تھا۔ اس نے اپنے وعدہ کے موافق وقت پر اپنے دین کی خبر گیری اور دستگیری فرمائی ہے۔ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ (الحجر: ۱۰) اسلام کو اس نے دنیا میں قائم کیا۔ قرآن کی تعلیم پھیلائی اور اس کی حفاظت کا بھی وہی خود ذمہ دار ہے۔ جب انسان اپنے لگائے ہوئے بُوٹے کو التزام سے پانی دیتا ہے تا وہ خشک نہ ہو جاوے تو کیا خدا انسان سے بھی گیا گزرا اور لاپرواہ ہے؟ یاد رکھو کہ اسلام نے جن راہوں سے پہلے ترقی کی تھی اب بھی انہی راہوں سے ترقی کرے گا۔ خشک منطق ایک ڈائن ہے اس سے انجان آدمی کے اعتقاد میں خلل آجاتا ہے اور ظاہری فلسفے رُوحانی فلسفے کے بالکل مخالف ہیں۔

صاحبان! یہ امور ہیں جن کی اصلاح کے واسطے میں بھیجا گیا ہوں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس مجلس میں سے بعض ایسے بھی لوگ اُٹھیں گے کہ ان میں کچھ بھی تبدیلی پیدا نہ ہوئی ہوگی یا ان کے خیالات پر میری ان باتوں کا ذرہ بھی اثر نہ ہوگا۔ مگر یاد رکھو جو مجھ سے مقابلہ کرتا ہے وہ مجھ سے نہیں بلکہ اس سے مقابلہ کرتا ہے جس نے مجھے بھیجا ہے اگر ادنیٰ چپڑاسی کی ہتک کی جائے اور اس کی بات نہ مانی جائے تو گورنمنٹ سے ہتک کرنے والے یا نہ ماننے والے کو سزا ملتی ہے اور باز پُرس ہوتی ہے تو پھر خدا تعالیٰ کی طرف سے آنے والے کی بے عزتی کرنا اس کی بات کی پروا نہ کرنا کیونکر خالی جا سکتا ہے۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اگر میرا سلسلہ خدا کی طرف سے نہیں تو یُونہی بگڑ جائے گا خواہ کوئی اس کی مخالفت کرے یا نہ کرے کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قَدۡ خَابَ مَنِ افۡتَرٰی (طٰہٰ: ۶۲) اور فرمایا مَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا (الانعام: ۲۲) اور وہ شخص جو رات کو ایک بات بناتا اور دن کو لوگوں کو بتاتا اور کہتا ہے کہ مجھے خدا نے ایسا کہا ہے وہ کیونکر بامُراد اور بابرگ و بار ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے وَ لَوۡ تَقَوَّلَ عَلَیۡنَا بَعۡضَ الۡاَقَاوِیۡلِ۔ لَاَخَذۡنَا مِنۡہُ

بِالْيَمِيْنِ۔ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ (الحاقۃ : ۴۵ تا ۴۷) جب ایک ایسے عظیم الشان انسان کے واسطے ایسا فرمان ہے تو پھر ادنیٰ انسان کے واسطے تو چھوٹی سی چھری کی ضرورت تھی اور کبھی کا فیصلہ ہوگیا ہوتا۔[1]

---

۱۸ مئی ۱۹۰۸ء

بعد نماز ظہر - بمقام لاہور

پروفیسر ریگ کے بعض سوالات کے جوابات

وہی پروفیسر ریگ جن کا کسی پہلی اشاعت میں حضرت اقدس سے ملاقات کرنا اور سوال وجواب شائع ہو چکا ہے۔ ۱۸؍مئی ۱۹۰۸ء کو پھر حضرت مفتی محمد صادق صاحب کی تحریک اور وساطت سے حضرت اقدس کے حضور حاضر ہوئے اور خیریتِ حال دریافت کرنے کے بعد ذیل کا سوال وجواب ہوا۔

سوال:۔ آپ کا کیا عقیدہ ہے خدا محدود ہے یا کہ ہر جگہ حاضر وناظر اور اس میں کوئی شخصیت یا جذبات پائے جاتے ہیں؟

جواب:۔ ہم خدا تعالیٰ کو محدود نہیں سمجھتے اور نہ ہی خدا محدود ہو سکتا ہے۔ ہم خدا تعالیٰ کی نسبت یہ جانتے ہیں کہ جیسا وہ آسمان پر ہے ویسا ہی زمین پر بھی ہے۔ اس کے دو قسم کے تعلق پائے جاتے ہیں ایک عام تعلق جو عام مخلوق کے ساتھ ہے اور ایک دوسرا خاص تعلق جو ان خاص بندوں کے ساتھ ہوتا ہے جو اپنے آپ کو پاک کر کے اس کی محبت میں ترقی کرتے ہیں۔ تب وہ ان سے ایسا قریب ہو جاتا ہے جیسا کہ ان کے اندر ہی سے بولتا ہے۔ یہ اس میں ایک عجیب بات ہے کہ باوجود دُور ہونے کے وہ نزدیک ہے اور باوجود نزدیک ہونے کے وہ دُور ہے وہ بہت ہی قریب ہے مگر پھر بھی نہیں کہہ سکتے کہ جس طرح ایک جسم دوسرے جسم سے قریب ہوتا ہے اور وہ سب سے اوپر ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ اس کے نیچے کوئی چیز بھی ہے۔ وہ سب چیزوں سے زیادہ ظاہر ہے مگر پھر بھی وہ عمیق در عمیق ہے۔ جس قدر انسان سچی پاکیزگی حاصل کرتا ہے اسی قدر اس کے وجود پر اس کو اطلاع ہوتی ہے۔

فرمایا:۔

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۴۱ صفحہ ۲ تا ۱۳ مورخہ ۱۴؍جولائی ۱۹۰۸ء

جذبات سے مراد غالباً ان کی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کے ذمے شریعت کا بوجھ کیوں ڈال رکھا ہے اور حرام و حلال کی پابندی میں اسے کیوں قید کر رکھا ہے؟ سو جاننا چاہیئے کہ اصل بات یہ ہے کہ خدا تعالےٰ نہایت درجہ قدوس ہے وہ اپنی تقدیس کی وجہ سے ناپاکی کو پسند نہیں کرتا۔ اور چونکہ وہ رحیم و کریم ہے اس واسطے نہیں چاہتا کہ انسان ایسی راہوں پر چلے جن میں اس کی ہلاکت ہو۔ پس یہ اس کے جذبات ہیں جن کی بناء پر مذہب کا سلسلہ جاری ہے۔ اب ان کا نام خواہ آپ کچھ ہی رکھ لو۔

سوال:۔ کیا خدا کی کوئی شکل ہے؟

جواب:۔ جب وہ محدود ہی نہیں تو شکل کیسی؟

سوال:۔ جب خدا محبت ہے۔ عدل ہے۔ انصاف ہے۔ تو کیا وجہ کہ نظام دُنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ اس نے بعض چیزوں کو بعض کی خوراک بنا دیا ہے۔ اگر محبت اور عدل یا انصاف و رحم اس کے ذاتی خاصے ہیں تو کیا وجہ کہ اس نے مخلوق میں سے بعض میں ایسی کیفیت اور قویٰ رکھ دیئے ہیں کہ وہ دوسروں کو کھا جائیں حالانکہ مخلوق ہونے میں دونو برابر ہیں۔

جواب:۔ جب محبت کا لفظ خدا تعالیٰ کی نسبت بولا جاتا ہے تو اسکو انسانی محبت پر قیاس کر لینا بڑی بھاری غلطی ہے محبت کا لفظ جس طرح انسانوں میں اطلاق پاتا ہے اور جو مفہوم اس کا انسانی تعلقات کی حیثیت میں سمجھا جاتا ہے وہ ہرگز ہرگز خدا تعالیٰ پر اطلاق نہیں پا سکتا۔ اور نہ ہی وہ معنے اور مراد خدا تعالیٰ پر صادق آتے ہیں انسان میں محبت اور غضب کی قوت ہے مگر جو مفہوم ان کا انسان کے متعلق بولتے وقت ہمارے ذہن میں آتا ہے وہ خدا تعالیٰ پر ہرگز ہرگز اطلاق نہیں پا سکتا۔ یہ غلطی ہے۔ فطرتِ انسانی میں یہ رکھا گیا ہے کہ جب کسی سے محبت کرتا ہے تو اس کے فراق سے اس کو صدمہ بھی پہنچتا ہے۔ ماں اپنے بچے سے محبت کرتی ہے۔ مگر اگر اس کا بچہ اس سے جُدا ہو جاوے تو اس کو کیسا صدمہ ہوتا ہے اور کتنا دُکھ اور رنج پہنچتا ہے۔ اسی طرح سے جو شخص کسی دوسرے پر غضب کرتا ہے اوّل وہ خود اپنے آپ میں اس کا صدمہ اور اثر پاتا ہے گویا دوسرے کو سزا دینے کے ساتھ ہی خود اپنی جان کو بھی سزا دیتا ہے۔ غضب ایک دُکھ ہے جس کا اثر پہلے اپنی ہی ذات پر پڑتا ہے اور ایک قسم کی تلخی پیدا ہو کر طبیعت میں سے راحت اور چین نکل جاتا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ ان باتوں سے پاک ہے۔ پس اس سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ ان الفاظ کا اطلاق اس رنگ میں جس رنگ میں ہم انسان پر کرتے ہیں اور جو مفہوم ان کا انسانی تعلق میں ہو سکتا ہے اس رنگ میں خدا تعالیٰ پر نہیں بول سکتے اور نہ ہی وہ خدا پر صادق آتے ہیں۔ اس واسطے ہم ان الفاظ کو پسند نہیں کرتے۔ یہ ان لوگوں کا بنایا ہوا لفظ ہے۔ جو خدا کو محض انسانی حالت پر قیاس کرتے ہیں۔ وہ

پاک ذات ہے۔ جو اس کی رضا کے موافق چلتا ہے اس سے اس کا تعلق زیادہ سے زیادہ ہوتا جاتا ہے
ہاں البتہ استعارہ کے رنگ میں محبت اور غضب کا لفظ خدا تعالیٰ کے لیے بھی بولا جا سکتا ہے۔
پس یاد رکھو کہ یہ ایک دُنیا کا کارخانہ ہے جس کے واسطے خدا تعالیٰ نے اپنی کامل حکمت سے موجودہ نظام
مقرر فرمایا ہے اور یہ اس نظام کے ماتحت اس طرح سے چل رہا ہے۔ البتہ اس کے واسطے یہ الفاظ
موزون نہیں ہیں۔ محبت کا لفظ ایک درد اور گداز رکھتا ہے۔ اگر فرض بھی کریں کہ خدا محبت ہے
اور اس کی صفت غضب بھی ہے (انسانی حالت کے خیال سے) تو پھر ساتھ ہی یہ بھی ماننا پڑے گا کہ
خدا کو بھی ایک قسم کی تکلیف اور رنج و دُکھ ہوتا ہے۔ مگر یاد رکھو ایسے ناقص الفاظ خدا تعالیٰ کی طرف
منسوب نہیں کئے جا سکتے۔

سوال:۔ یہ تو میں نے سمجھ لیا ہے مگر میں یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ خدا نے یہ خاصہ کیوں رکھ دیا کہ ادنیٰ
اعلیٰ کا خادم ہو یا اس کی خوراک بنے اور اس کے سامنے ذلیل رہے۔

جواب:۔ ہم نے تو ابھی بیان کیا ہے کہ خدا کی صفات محبت، رحم اور غضب کی تشریح ہم اس طور سے نہیں
کر سکتے جیسا کہ انسانوں میں یہ صفات ہیں۔ انسانی حالت پر خدا تعالیٰ کا قیاس کرنا سخت غلطی ہے۔ یہ
خدا تعالیٰ کا ایک وسیع نظام ہے جو اس نے اسی طرح بنایا ہے اس نظام میں انسان اپنی حد سے
زیادہ دست اندازی نہیں کر سکتا اور یہ مناسب نہیں کہ دقیق در دقیق مصالحِ خدائی میں دخل دیکر
ہر بات میں ایک سوال پیدا کر لے۔ یہ عالم ایک مختصر عالم ہے۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ نے ایک
وسیع عالم رکھا ہے جس میں اس نے ارادہ اور وعدہ کیا ہے کہ سچی اور ابدی خوشحالی دی جاوے گی۔ ہر
دُکھ جو اس جہان میں ہے اس کا تدارک اور تلافی دوسرے عالم میں کر دی جاوے گی۔ جو کمی اس جہان
میں پائی جاتی ہے وہ آئندہ عالم میں پوری کر دی جاوے گی۔ باقی رہا دُکھ، درد، تکلیف، رنج و
محن، یہ تو ادنیٰ و اعلیٰ کو یکساں برداشت کرنا پڑتا ہے اور یہ اس نظامِ عالم کے قیام کے واسطے
لازمی اور ضروری تھے۔ اگر وسیع نظر سے دیکھا جاوے تو کوئی بھی دُکھ سے خالی نہیں۔ ہر مخلوق کو
علیٰ قدرِ مراتب اس میں سے حصہ لینا ہی پڑتا ہے البتہ کسی کو کسی رنگ میں ہے اور کسی کو کسی رنگ میں۔
اگر باز چڑیوں اور پرندوں کو کھاتا ہے تو شیر، چیتے اور بھیڑیئے انسان کے بچوں کو بھی کھا جاتے ہیں۔
سانپ بچھو وغیرہ بھی ستاتے ہیں۔ غرض یہ سلسلہ تو اس طرح سے چل رہا ہے اس سے خالی کوئی
بھی نہیں۔ البتہ ان کی تلافی اور تدارک کے واسطے اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرا عالم رکھا ہے۔ اسی واسطے
تو قرآن شریف میں اس کا نام مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ بھی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ انسان خوشحال ہو مگر ممکن

ممکن ہے کہ پرند چرند اس سے بھی زیادہ خوشحال ہوں۔ یہ دُنیا ایک عالمِ امتحان ہے۔ اس کے حل کرنے کے واسطے دوسرا عالم ہے۔ اس دُنیا میں جو تکالیف رکھی ہیں اس کا وعدہ ہے کہ آئندہ عالم میں خوشی دیگا۔ اگر اب بھی کوئی کہے کہ کیوں ایسا کیا اور ایسا نہ کیا؟ اس کا یہ جواب ہے کہ وہ تحکم اور مالکیت بھی تو رکھتا ہے۔ اُس نے جیسا چاہا کیا کسی کو اس کے اس کام پر اعتراض کی گنجائش اور حق نہیں۔

دوسری بات جو قابلِ غور ہے یہ ہے کہ چونکہ تکالیفِ انسانی، تکالیفِ حیوانی سے بڑھی ہوئی ہیں (اسی واسطے انسانی اجر بھی حیوانی اجر سے بڑھا ہوا ہوگا) تکالیفِ انسانی دو قسم کی ہیں۔ ایک تکالیفِ شرعیہ دوسری تکالیف قضا و قدر۔ تکالیف قضا و قدر میں انسان و حیوان مشترک اور قریباً برابر ہیں۔ اگر انسان کے ہاتھ سے حیوان مرتے ہیں تو حیوانوں کے ہاتھ سے آخر انسان بھی تو مرتے ہیں اسی طرح اَور اَور تکالیف میں بھی ان کا آپس میں ایک قسم کا اشتراک پایا جاتا ہے۔

باقی تکالیفِ شرعیہ میں انسان کے ساتھ حیوانات کا کوئی اشتراک نہیں ہے۔ احکامِ شرعیہ بھی ایک قسم کی چھُری ہے جو انسانی گردن پر چلتی ہے مگر حیوان اس سے بری الذمہ ہیں۔ امورِ شرعیہ بھی ایک موت ہیں جو انسان کو اپنے اوپر وارد کرنی پڑتی ہے۔ پس اس طرح سے ان باتوں کو یکجائی طور سے دیکھنے سے صاف معلوم ہوگا کہ تکالیف انسانی تکالیفِ حیوانی سے بہت بڑھی ہوئی ہیں۔

تیسری بات جو قابل یاد ہے یہ ہے کہ انسانی حواس میں بہت تیزی ہے۔ انسان میں قوتِ احساس زیادہ پائی جاتی ہے۔ حیوانات یا نباتات اس کے مقابل میں بہت کم احساس رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حیوانات کو اتنی عقل بھی نہیں دی گئی۔ عقل سے ہی شعور پیدا ہوتا ہے۔ حیوانات میں چونکہ عقل و شعور بہت کم درجہ کا ہوتا ہے۔ اسی واسطے ایک قسم کی مستی کی حالت میں رہتے ہیں۔ احساس کا مسئلہ زیادہ تر انسان میں پایا جاتا ہے۔ حیوانات میں یہ قویٰ ایسے کم درجہ کے ہیں کہ گویا نہ ہونے کے برابر ہیں۔ پس حیوانات ان تکالیف کا بہت کم احساس کرتے ہیں اور ممکن ہے کہ بعض اوقات بالکل ہی نہ کرتے ہوں۔

اب جائے غور ہے کہ دُنیا میں ان تکالیف کا بوجھ کس پر زیادہ ہے آیا انسان پر یا حیوان پر؟ صاف ظاہر ہے کہ انسان ہی کو ان مشکلات دنیوی میں بہ نسبت حیوانات کے زیادہ حصہ لینا پڑتا ہے۔

سوال:۔ آپ نے جو کچھ بیان فرمایا۔ مَیں نے سمجھ لیا۔ اب یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا آپ اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ حیوانات کو بھی آئندہ عالم میں کوئی بدلہ دیا جا دے گا؟

جواب:۔ فرمایا:۔

ہاں ہم مانتے ہیں کہ علیٰ قدرِ مراتب سب کو ان کی تکالیفِ دنیوی کا بدلہ دیا جاوے گا اور انکے دُکھوں

اور تکالیف کی تلافی کی جاوے گی۔
سوال:۔ تو پھر اس کا یہ لازمی نتیجہ ہوگا کہ وہ حیوانات جن کو ہم مارتے ہیں ان کو مُردہ نہیں بلکہ زندہ یقین کریں۔
جواب:۔ فرمایا کہ :۔
ہاں یہ ضروری بات ہے وہ فنا نہیں ہوئے اُن کی رُوح باقی ہے وہ حقیقتاً نہیں مرے بلکہ وہ بھی زندہ ہیں۔
سوال:۔ بائبل میں لکھا ہے کہ آدم یا یُوں کہئے کہ پہلا انسان جیحون سیحون میں پیدا ہوا تھا اور اس کا وہی ملک تھا تو پھر کیا یہ لوگ جو دُنیا کے مختلف حصوں امریکہ، آسٹریلیا وغیرہ میں پائے جاتے ہیں یہ اُس آدم کی اولاد سے ہیں ؟
جواب :۔ فرمایا :۔
ہم اس بات کے قائل نہیں ہیں اور نہ ہی اس مسئلہ میں ہم توریت کی پیروی کرتے ہیں کہ چھ سات ہزار سال سے ہی جب سے یہ آدم پیدا ہوا تھا اس دُنیا کا آغاز ہوا ہے اور اس سے پہلے کچھ بھی نہ تھا اور خدا گویا معطل تھا اور نہ ہی ہم اس بات کے مدعی ہیں کہ یہ تمام نسلِ انسانی جو اس وقت دُنیا کے مختلف حصوں میں موجود ہے یہ اسی آخری آدم کی نسل ہے۔ ہم تو اس آدم سے پہلے بھی نسلِ انسانی کے قائل ہیں جیسا کہ قرآن شریف کے الفاظ سے پتہ لگتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً (البقرۃ:۳۱) خلیفہ کہتے ہیں جانشین کو۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آدم سے پہلے بھی مخلوق موجود تھی۔ پس امریکہ اور آسٹریلیا وغیرہ کے لوگوں کے متعلق ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ وہ اس آخری آدم کی اولاد میں سے ہیں یا کسی دوسرے آدم کی اولاد میں سے ہیں۔
آپ کے سوال کے مناسبِ حال ایک قول حضرت محی الدین ابنِ عربی صاحب کا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ مَیں حج کرنے کے واسطے گیا تو وہاں مجھے ایک شخص ملا جس کو مَیں نے خیال کیا کہ وہ آدم ہے۔ مَیں نے اس سے پوچھا کہ کیا تو ہی آدم ہے؟ اس پر اُس نے جواب دیا کہ تم کون سے آدم کے متعلق سوال کرتے ہو؟ آدم تو ہزاروں گذر چکے ہیں۔
سوال:۔ کیا حضور مسئلہ ارتقاء کے قائل ہیں یعنی یہ کہ انسان نے ادنیٰ حالت سے اعلیٰ حالت میں ترقی کی ہے پہلے سانپ، بچھو وغیرہ سے ترقی کرتے کرتے بندر بنا اور بندر سے انسان بنا۔ اور رُوح کس وقت پیدا ہوئی؟
جواب:۔ فرمایا:۔
ہمارا یہ مذہب نہیں کہ انسان کسی وقت بندر تھا مگر آہستہ آہستہ دُم بھی کٹ گئی اور پشم بھی جاتی رہی اور ترقی کرتے کرتے انسان بن گیا۔ یہ ایک دعویٰ ہے جس کا بارِ ثبوت اس دعویٰ کے مدعی کے ذمے ہے چاہیئے کہ

کوئی ایسا بندر پیش کیا جاوے جو آہستہ آہستہ ترقی کرتے کرتے انسانی حالت میں آجاوے۔ ہم ایسے بے دلیل قصے کہانیوں پر کیونکر ایمان لا سکتے ہیں۔ البتہ یہ تو ہم مانتے ہیں کہ آدم بہت سے گذرے ہیں مگر موجودہ حالات کے ماتحت جو ہم روز مشاہدہ کرتے ہیں کہ انسان سے انسان پیدا ہوتا ہے۔ بندر سے انسان یا انسان سے بندر کبھی کسی نے پیدا ہوتا نہیں دیکھا ہوگا۔ یہ تو ایک ناولوں کا قصہ ہے۔ ہمیشہ نوع سے نوع ہی پیدا ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنا قانون ہماری آنکھوں کے سامنے رکھا ہوا ہے کہ گدھے سے گدھا گھوڑے سے گھوڑا اور بندر سے بندر پیدا ہوتا ہے۔ اب اس کے خلاف جو کوئی دعویٰ کرتا ہے کہ بندر سے انسان بھی پیدا ہوتا ہے اس کو اپنے دعوے کی دلیل بھی پیش کرنی چاہیئے۔ یہ کہہ دینا کہ شاید ایسا ہو گیا ہو۔ شاید کے کیا معنے؟

ہمارے ساتھ تو اللہ تعالیٰ نے ایک مشاہدہ دلیل کے طور سے رکھا ہوا ہے اس کے خلاف کہنے والوں کو کوئی بیّن دلیل پیش کرنی چاہیئے ورنہ ظنی باتوں اور صرف دعوؤں سے کوئی امر حجت نہیں ہو سکتا۔

رُوح ایک مخلوق چیز ہے۔ اسی عنصری مادے سے خدا تعالیٰ اُسے بھی پیدا کرتا ہے (جیسا کہ مفصل طور سے اس امر کو ہم نے تازہ تصنیف کتاب چشمۂ معرفت میں بیان کیا ہے) رُوحِ انسانی باریک اور مخفی طور سے نطفۂ انسانی میں ہی موجود ہوتی ہے اور وہ بھی نطفہ کے ساتھ ساتھ ہی آہستگی سے نشوونما کرتی اور ترقی پاتی چوتھے مہینے کے انجام اور پانچویں مہینے کی ابتداء میں ایک بیّن تغیر اور نشوونما پا کر ظہور پذیر ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ اپنی پاک کلام میں فرماتا ہے کہ ثُمَّ اَنۡشَاۡنٰہُ خَلۡقًا اٰخَرَ۔ (المؤمنون: ۱۵)

یہ درست نہیں جیسا کہ آریہ بتاتے ہیں کہ رُوح بھی خدا کی طرح ازلی ابدی ہے۔ اس اعتقاد پر اتنے شبہات پڑتے ہیں کہ پھر خدا خدا ہی نہیں رہتا۔ رُوح ایک لطیف جوہر ہوتا ہے جو مخفی طور سے انسان کی پیدائش کے ساتھ ساتھ پیدا ہوتا اور نشوونما پاتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک گولر کے پھل کو لو۔ جب وہ کچا ہوگا تو اس میں ایک قسم کے ناکمل حالت میں زندہ جانور پائے جاویں گے مگر جونہی کہ وہ پک کر تیار ہوگا اس میں سے جانور چلتے پھرتے نظر آویں گے اور یہانتک کہ پَر لگ کر اُڑنے بھی لگ جاویں گے۔ اس کے سوا اَور بھی کئی درختوں کے پھل ہیں جن میں اس قسم کے مشاہدات پائے جاتے ہیں۔

غرض ہمارے پاس تو ہمارے دعویٰ کا ثبوت ہے۔ ثابتہ سچائی سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اصل میں ان پھلوں میں ایک قسم کا مادہ اندر ہی اندر موجود ہوتا ہے جو پھل کے نشوونما کے ساتھ ساتھ نشوونما کرتا اور ترقی پاتا ہے۔

سوال:۔ سپرچولزم والوں کی رائے ہے کہ زندگی چاند سے اُتری اور عقل مشتری سے اور چاند زمین سے بنا۔ ابتداء میں زمین بہت نرم تھی۔ زمین کا ایک ٹکڑا اُڑ کر آسمان پر چلا گیا اور وہ چاند بن گیا۔ اصل میں زندگی زمین ہی سے نکلی۔ زمین سے چاند میں گئی اور چاند سے پھر انسان میں اُترتی ہے۔ اِن میں آپ کا اعتقاد کیا ہے؟

جواب:۔ فرمایا:۔

چاند، سُورج اور ستاروں کی تاثیرات کے ہم قائل ہیں۔ ان سے انسان فائدہ اُٹھاتا ہے اور بچہ جب ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے اس وقت بھی ان کی تاثیرات کا اثر بچے پر ہوتا ہے۔ یہ امر شریعت کے خلاف نہیں۔ اسی واسطے ہمیں اُن کے ماننے میں انکار نہیں۔ نباتات میں چاند کی روشنی کا اثر بیّن طور سے ظاہر ہے۔ چاند کی روشنی سے پھل موٹے ہوتے ہیں۔ ان میں شیرینی پیدا ہوتی ہے اور بعض اوقات لوگوں نے اناروں سے چٹخنے کی آواز تک بھی سُنی ہے جو چاند کی روشنی کے اثر سے پھُوٹتے ہیں اس سے زیادہ جو حصہ پیچیدہ اور ثابت شدہ نہیں اس کے ماننے کے واسطے ہم تیار نہیں ہیں۔ قرآنِ شریف میں صاف بیان کیا گیا ہے کہ چاند، سُورج اور تمام ستارے انسان کے خادم اور مفید مطلب ہیں اور ان میں انسانی فوائد مرکوز ہیں پس ہم اس بات کے ماننے میں کوئی حرج نہیں پاتے کہ جس طرح نباتات سے ہمیں فائدہ پہنچتا ہے اسی طرح ان تمام ستاروں سے بھی ہم فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ اب اگر یہ ثابت ہو جاوے کہ عقل کو مشتری سے تعلق ہے تو اس کے ماننے کے واسطے بھی ہم تیار ہیں۔

اتنا سُنکر پروفیسر موصوف نے عرض کیا کہ میں تو خیال کرتا تھا کہ سائنس اور مذہب میں بڑا تضاد ہے جیسا کہ عام طور سے علماء میں مانا گیا ہے مگر آپ نے تو اس تضاد کو بالکل اُٹھا دیا ہے۔

فرمایا:۔

یہی تو ہمارا کام ہے اور یہی تو ہم ثابت کر رہے ہیں کہ سائنس اور مذہب میں بالکل اختلاف نہیں بلکہ مذہب بالکل سائنس کے مطابق ہے اور سائنس خواہ کتنی ہی عروج پکڑ جاوے مگر قرآن کی تعلیم اور اُصولِ اسلام کو ہرگز ہرگز نہیں جھٹلا سکے گی۔

سوال:۔ مکھیوں یا ادنیٰ قسم کے جانوروں میں جو چیز پائی جاتی ہے۔ اس کو کس نام سے تعبیر کیا جاویگا؟

جواب:۔ رُوح تین قسم کی ہوتی ہے۔ رُوح نباتی۔ رُوح حیوانی۔ رُوح انسانی۔ ان تینوں کو ہم برابر نہیں مانتے۔ ان میں سے حقیقی زندگی کی وارث اور جامع کمالات صرف انسانی رُوح ہے۔ باقی حیوانی اور نباتی رُوح میں بھی ایک قسم کی زندگی ہے۔ مگر وہ انسانی رُوح کی برابری نہیں کر سکتی۔ نہ ویسے مدارج

حاصل کر سکتی ہے۔ نہ کمالات میں انسانی رُوح کی برابری کر سکتی ہے۔ کچھ تشابہ ہو تو اس باریک بحث میں ہم پڑنا مناسب نہیں سمجھتے۔ ہو سکتا ہے کہ بعض خاص خاص صفات میں یہ رُوحیں انسانی رُوح سے مشابہت رکھتی ہوں۔ مگر جس طرح انسان میں اور ان میں ظاہری اختلاف اور فرق ہے اسی طرح اختلاف رُوحانی بھی پایا جاتا ہے۔ بلکہ یہانتک بھی مانا گیا ہے کہ بعض نباتات میں بھی ایک قسم کا شعور پایا جاتا ہے۔ ایک بانس کا درخت گھر کی چھت کے نیچے لگایا جاوے مگر جب بڑھتے بڑھتے وہ چھت سے قریب ایک بالشت کے رہ جاویگا تو وہ اپنا رُخ بدل لے گا اور دوسری طرف کو بڑھنا شروع کر دے گا۔ ایک اور قسم کی نباتی بُوٹی ہے جس کو پنجاب میں چھوئی موئی کہتے ہیں۔ وہ انسان کا ہاتھ لگتے ہی سمٹ کر اکٹھی ہو جاتی ہے۔ یہ باتیں پُرانی اچھی اچھی طبعیات کی کتابوں میں لکھی ہیں اور نیز تجربہ سے بھی ثابت ہیں مگر ان کے پیچھے بہت زیادہ نہ پڑنا چاہیئے۔ وہ شعر کیا ہی موزون ہے کہ ؎

تو کارِ زمیں را نکو ساختی
کہ با آسماں نیز پرداختی

ان کے دقیق در دقیق مباحثات میں پڑ کر ان کی تفصیلات کی جُستجو میں وقت ضائع کرنا ٹھیک نہیں۔

سوال:۔ میں ایک روز گرجا میں گیا تھا وہاں پادری صاحب نے لیکچر میں بیان کیا کہ "انسان ایک بالکل ذلیل ہستی ہے اور گندہ کیڑا ہے۔ یہ روز بروز نیچے ہی نیچے گرتا ہے اور ترقی کے قابل ہی نہیں۔ اسی واسطے اس کی نجات اور گناہ سے بچانے کے واسطے خدا نے اپنے اکلوتے بیٹے کو کفارہ کیا" مگر میں جانتا ہوں کہ انسان نیکی میں ترقی کر سکتا ہے۔ میرا یہ بچہ اس وقت اگر بے علمی کی وجہ سے کوئی حرکت ناجائز کرے تو پھر ایک عرصہ بعد جب اُسے عقل آوے گی اور اس کا علم ترقی کرے گا تو یہ خود بخود سمجھ لے گا کہ یہ کام بُرا ہے اس سے پرہیز کر کے اچھے کام کرے گا۔ حضور کا اس میں کیا اعتقاد ہے ؟

جواب:۔ فرمایا:۔

انسان نیک ہے۔ نیکی کر سکتا ہے اور ترقی کرنے کے قویٰ اس کو دیئے گئے ہیں۔ نیکی میں ترقی کر کے انسان نجات پا سکتا ہے۔

سوال:۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ انسان لاکھ نیکی کرے مگر وہ برباد ہے۔ بجز اس کے کہ کفارۂ مسیح پر ایمان لاوے۔ آپ اس میں کیا فرماتے ہیں۔

جواب:۔ انسان کو عمل اور کوشش کی ضرورت ہے۔ کفّارہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ جیسا جسمانی نظام ہے ویسا ہی رُوحانی نظام ہے۔ نظامِ جسمانی میں ایک کاشتکار کی مثال ہی کو لے لو۔ وہ کس محنت سے قلبہ رانی

کرتا ہے اور بیج بوتا اور پانی دینے وغیرہ کی محنت برداشت کرتا ہے۔ کیا اُسے کسی کفارہ کی ضرورت ہے ؟ نہیں بلکہ اُسے محنت اور عمل کی ضرورت ہے۔ اس بات کو ہم مانتے ہی نہیں کہ بجز کفارہ کے کوئی راہِ نجات ہی نہیں۔ بلکہ کفارہ تو انسانی ترقیات کی راہ میں ایک روک اور پتھر ہے۔

سوال :۔ پاکیزگی سے کیا مراد ہے ؟

جواب :۔ پاکیزگی سے یہ مراد ہے کہ انسان کو جو اس کے جذباتِ نفسانیہ خدا تعالیٰ سے رُوگرداں کرکے اپنی خواہشات میں محو کرنا چاہتے ہیں ان کا مغلوب نہ ہو۔ اور کوشش کرے کہ خدا تعالیٰ کی مرضی کے موافق اس کی رفتار ہو۔ یہانتک کہ اس کا کوئی قول فعل خدا تعالیٰ کی رضامندی کے بغیر سرزد ہی نہ ہو۔ خدا تعالیٰ قدوس اور پاک ہے وہ اپنی صفات کے مطابق ہی انسان کو بھی چلانا چاہتا ہے۔ وہ رحیم ہے انسان سے بھی رحم چاہتا ہے۔ وہ کریم ہے انسان سے بھی کرم چاہتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی صفات خدا تعالیٰ کے قانونِ قدرت میں ظاہر ہیں جسمانی طور سے ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا مدت ہائے دراز سے چلی آتی ہے۔ ان کو اناج، پانی، لباس، روشنی وغیرہ تمام حوائجِ ضروریہ اور لوازمِ انسانیہ ہمیشہ سے بہم پہنچاتا چلا آیا ہے اور ہمیشہ ہی اس کے رحم اور کرم کی صفات اور اسماءِ حسنہ کے تقاضے ساتھ ساتھ مخلوق کی دستگیری کرتے چلے آئے ہیں۔ پس غرض یہ ہے کہ خدا تعالیٰ انسان کو اپنی صفات کے رنگ میں رنگین کرنا چاہتا ہے۔

اس کے بعد پروفیسر اور لیڈی نے حضرت اقدس علیہ السلام کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ ہم شکور ہیں کہ آپ نے گفتگو کی عزت بخشی اور ہماری معلومات میں ایک مفید اضافہ فرمایا اور ہمارا وقت بہت اچھی طرح سے گذرا [1]

---

۱۹ / مئی ۱۹۰۸ء

عبدالحکیم پٹیالوی کا ذکر

عبدالحکیم کی کتاب کا ذکر تھا کہ بہت سے اعتراض کئے ہیں۔ فرمایا :۔

ہم نے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکے۔ بحثیں ہو چکیں۔ کتابیں مفصل لکھی جا چکی ہیں۔ اب بحث میں پڑنا فضولیوں میں داخل ہے۔

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۳۵ صفحہ ۴ تا ۷ مورخہ ۳۰ / مئی ۱۹۰۸ء

فرمایا:۔
ہر ایک کی فطرت جُدا ہوتی ہے۔ ہمیں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح کوئی شخص ایک آدمی کی بیس سال مُریدی کرنے کے بعد اور اس کے ماتحت تعلیم حاصل کرنے کے بعد اور اس سے فائدہ اُٹھانے کے بعد پھر اس کے حق میں ایسی گندی گالیاں بول سکتا ہے۔ ہماری تو سمجھ میں نہیں آسکتا۔ مگر ہر ایک شخص کی فطرت جُدا ہوتی ہے۔

عرب صاحب عبدالحی نے عرض کیا کہ مَیں پٹیالہ سے آیا ہوں۔ عبدالحکیم نے آپ کے متعلق پیشگوئی کی ہے کہ آنے والی ۱۴ر ساون کو آپ کی وفات ہو جاوے گی۔ لیکن پٹیالہ کے لوگ خوب جانتے ہیں کہ وہ ایک جھوٹا آدمی ہے۔

حضرت نے فرمایا:۔
کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ (بنی اسرائیل: ۸۵) اللہ تعالیٰ ظاہر کر دیگا کہ راستباز کون ہے۔

دعویٰ رسالت کی ماہیت

فرمایا:۔
ہم نے ان معنوں میں کوئی دعویٰ رسالت نہیں کیا جیسا کہ مُلّاں لوگ لوگوں کو بہکاتے ہیں اور جو کچھ ہمارا دعویٰ مُلہَم اور مُنذِر ہونے کا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی متابعت کا ہے وہی ہمیشہ سے ہے آج کوئی نئی بات نہیں۔ چوبیس سال سے یہ الہام ہے جَرِیُّ اللّٰہِ فِیْ حُلَلِ الْاَنْبِیَآءِ [۱]

۲۰ر مئی ۱۹۰۸ء

بوقتِ عصر

صُلح کا فائدہ

صلح سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار سے صلح کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب جنگ موقوف ہوئی تو مسلمانوں کے ساتھ کفّار کا میل جول ہو گیا اور انہیں اسلام کی صداقتوں پر نظر کرنے کا موقعہ مل گیا۔ پھر ان میں سے کئی سعید رُوحیں اسلام کے لیے تیار ہو گئیں۔

---

[۱] بدر جلد ۷ نمبر ۱۹-۲۰ صفحہ ۷ مورخہ ۲۴ر مئی ۱۹۰۸ء

خدا تعالیٰ کا ہاتھ سب سے بڑھ کر طاقتور ہے۔ پنجاب کے مسلمانوں کے لیے انگریزوں کا وجود ایک نعمت ہے۔ اگر انگریز نہ ہوتے تو جو کچھ نظارہ ہوتا اس کے تصور سے جی گھبراتا ہے۔ مسلمانوں کو عیسائیوں سے باوجود اختلاف کے ایک قسم کا اتحاد ہے۔ مگر ہندو تو بالکل الگ ہیں۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے انتقام سے کام نہیں لیا۔ کوئی پوچھے کہ کتنے سوسؤروں کو ہلاک کر دیا۔ پھر کپڑے بیچ کر تلواروں کے مول لینے کا حکم دیا۔[۱]

بلا تاریخ

پٹواریوں کیلئے زمینداروں کے نذرانے

ایک شخص نے جو اپنی جماعت میں داخل ہیں اور پٹواری ہیں بذریعہ خط حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ پٹواریوں کے واسطے کچھ رقوم گورنمنٹ کی طرف سے مقرر ہیں لیکن عام رسم ایسی پڑ گئی ہے کہ پٹواری بعض باتوں میں اس سے زیادہ یا اس کے علاوہ بھی لیتے ہیں اور زمیندار بخوشی خاطر خود ہی بغیر مانگے کے دے جاتے ہیں آیا اس کا لینا جائز ہے یا کہ نہیں؟

فرمایا:-

اگر ایسے لینے کی خبر باضابطہ حکام تک بالفرض پہنچ جائے اور بموجب قانون اس پر فتنہ اُٹھنے کا خوف ہو سکتا ہو تو یہ ناجائز ہے۔

حضور کی نظموں کی ریکارڈنگ

ایک شخص نے عرض کیا کہ کیا جائز ہے کہ حضور کی نظمیں فونوگراف میں بند کر کے لوگوں کو سنائی جائیں؟

فرمایا:-

اعمال نیت پر موقوف ہیں۔ تبلیغ کی خاطر اس طرح سے نظم فونوگراف میں سُنانا جائز ہے کیونکہ اشعار سے بسا اوقات لوگوں کے دلوں کو نرمی اور رقت حاصل ہوتی ہے۔[۲]

---

[۱] بدر جلد ۷ نمبر ۱۹، ۲۰ صفحہ ۷ مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۰۸ء

[۲] 〃 〃 〃 〃 ۸ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

۲۴؍مئی ۱۹۰۸ء

بمقام لاہور۔ قبل نمازِ ظہر

تبلیغِ سلسلہ کیلئے قناعت شعار آدمیوں کی ضرورت

ہمیں ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے جو نہ صرف زبانی بلکہ عملی طور سے کچھ کر کے دکھانے والے ہوں۔ علمیت کا زبانی دعویٰ کسی کام کا نہیں۔ ایسے ہوں کہ نخوت اور تکبر سے بکلی پاک ہوں اور ہماری صحبت میں رہ کر یا کم از کم ہماری کتابوں کا کثرت سے مطالعہ کرنے سے ان کی علمیت کامل درجہ تک پہنچی ہوئی ہو۔ البتہ شیخ غلام احمد اس کام کے واسطے اچھا آدمی معلوم ہوا ہے۔ اس کے کلام میں بھی تاثیر ہے اور اخلاص و محبت سے اس نے اپنے اُوپر اس شدتِ گرمی میں اتنا وسیع دَورہ کرنے کا بوجھ اُٹھایا ہے۔ کچھ خدا تعالیٰ کی حکمت ہے کہ لوگ اس کا کلام سُننے کے واسطے جمع بھی ہو ہی جاتے ہیں ایک جگہ اس کو پتھر بھی پڑے مگر خدا تعالیٰ کی قدرت سے وہ پتھر بجائے ان کے کسی دوسرے کو لگا اور وہ زخمی ہوا۔

تبلیغِ سلسلہ کے واسطے ایسے آدمیوں کے دوروں کی ضرورت ہے مگر ایسے لائق آدمی مِل جاویں کہ وہ اپنی زندگی اس راہ میں وقف کر دیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ بھی اشاعتِ اسلام کے واسطے دور دراز ممالک میں جایا کرتے تھے۔ یہ جو چین کے مُلک میں کئی کروڑ مسلمان ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں بھی صحابہؓ میں سے کوئی شخص پہنچا ہوگا۔

اگر اسی طرح بیس یا تیس آدمی متفرق مقامات میں چلے جاویں تو بہت جلدی تبلیغ ہو سکتی ہے مگر جب تک ایسے آدمی ہمارے منشا کے مطابق اور قناعت شعار نہ ہوں۔ تب تک ہم اُن کو پورے پورے اختیارات بھی نہیں دے سکتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ ایسے قانع اور جفاکش تھے کہ بعض اوقات صرف درختوں کے پتوں پر ہی گذر کر لیتے تھے۔

تمام ہندوستان ہمارے دعاوی سے ایسا بے خبر پڑا ہے کہ گویا کسی کو خبر ہی نہیں۔ میرے نزدیک یہ مدرسہ یا کالج وغیرہ کا بنانا اوّل سلسلہ کی مضبوطی پر موقوف ہے۔ اوّل چاہیئے کہ سلسلہ میں ایسے لوگ ہوں جو سلسلہ کی ضروریات کی مدد کرنیوالے ہوں۔ جب سلسلہ کی ضروریات مثل لنگر وغیرہ ہی پوری نہیں ہوتیں تو اَور کاموں میں بہت توجہ کرنا بھی بے فائدہ ہے۔ اگر کچھ ایسے لائق اور قابل آدمی سلسلہ کی خدمات کے واسطے نکل جاویں جو فقط لوگوں کو اس سلسلہ کی خبر ہی پہنچا دیں تو بھی بہت بڑے فائدہ کی توقع کی جاسکتی ہے۔

پروفیسر ریگ اور حضرت مفتی محمد صادق صاحب کا تذکرہ

مسٹر ریگ جن کے نام نامی سے الحکم

کے ناظرین کو میں قبل ازیں بذریعہ دو مضامین بطور سوال و جواب انٹروڈیوس کرا چکا ہوں ان کے متعلق حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ :-

دیکھو وہ ہمارے پاس آیا تو آخر کچھ نہ کچھ تو تبادلہ خیالات کر ہی گیا۔

اس پر حضرت مفتی محمد صادق صاحب جن کو تبلیغ سلسلہ احمدیہ کی ایک قسم کی لَو اور دھت لگی ہوئی ہے اور بہت کم ایسے مقام ولایت میں ہوں گے جہاں کے محقق انگریزوں اور اخبارات کے ایڈیٹران وغیرہ کی اطلاع پاکر انہوں نے ان معاملات میں خط و کتابت نہ کی ہو اور مسیح موعود علیہ الف الف الصلوٰۃ والسلام کے دعاوی کی تبلیغ ان کو نہ کی ہو۔ امریکہ کے ڈوئی کی حسرت ناک تباہی اور لنڈن کے پگٹ کی ناکامی و نامرادی بھی حضرت مفتی صاحب ممدوح ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہیں۔ انہوں نے جس طرح ڈوئی اور پگٹ کا بیڑا غرق کر دیا اسی طرح کئی سعید روحوں کے واسطے باعث ہدایت بھی آپ ہی ہوئے اور آپ ہی کی سچی مخلصانہ کوششیں اور جوشِ تبلیغ حق کا یہ نتیجہ ہوا کہ یورپ اور امریکہ کے بعض انگریزوں اور لیڈیوں نے حضرت اقدس کی صداقت کو مان لیا اور اپنے خیالاتِ فاسدہ سے توبہ کی۔ غرض مفتی صاحب موصوف کسی تعریف کے محتاج نہیں۔ ساری احمدی دُنیا اُن کے نام نامی سے واقف اور اُن کے اخلاص صدق و وفا سے آگاہ ہے۔ یہ شخص جو پروفیسر ریگ کے نامِ نامی سے مشہور ہے یہ بھی آپ ہی کی سعی اور جوش کا نتیجہ ہے۔ آپ نے آج کے تذکرہ پر حضرت اقدسؑ کی خدمت میں عرض کی کہ حضور اس کے خیالات میں حضور کی ملاقات کے بعد عظیم الشان انقلاب پیدا ہو گیا ہے۔ چنانچہ پہلے وہ ہمیشہ جب اپنے لیکچروں میں اجرامِ سماوی وغیرہ کی تصاویر دکھاتا اور کبھی مسیح کی مصلوب تصویر پیش کیا کرتا تھا تو یہ کہا کرتا تھا کہ یہ مسیح کی تصویر ہے جس نے دنیا پر رحم کر کے تمام دُنیا کے گناہوں کے بدلے میں اپنی اکلوتی جان خدا کے حضور پیش کی اور تمام دُنیا کے گناہوں کا کفّارہ ہو کر دنیا پر اپنی کامل محبت اور رحم کا ثبوت دیا مگر اب جبکہ اس نے حضور سے ملاقات کی اور پھر لیکچر دیا تو مسیح کی مصلوب تصویر دکھاتے ہوئے صرف یہ الفاظ کہے کہ یہ تصویر صرف عیسائیوں کے واسطے موجب خوشی ہو سکتی ہے سچی تعریف اور ستائش کے لائق وہی سب سے بڑا خدا ہے۔ پہلے اپنے لیکچر میں کہا کرتا تھا کہ نسلِ انسانی آہستہ آہستہ ترقی کر کے ادنیٰ حالت سے بندر اور پھر بندر سے ترقی پا کر انسان بنا۔ مگر اس دفعہ کے لیکچر

میں اس نے صاف اقرار کیا کہ یہ ڈارون کا قول ہے۔ اگرچہ اس قابل نہیں کہ اس سے اتفاق کیا جاوے بلکہ انسان اپنی حالت میں خود ہی ترقی کرتا ہے۔ غرضیکہ اس پر بہت بڑا اثر ہوا ہے اور وہ حضور کی ملاقات کے بعد ایک نئے خیالات کا انسان بن گیا ہے اور ان خیالات کو جرأت سے بیان کرتا ہے۔

پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اصل تقریر کی طرف رجوع کیا اور فرمایا کہ:۔

ابھی ایسے لمبے سفروں کی چنداں ضرورت نہیں کہ ممالک یورپ اور امریکہ میں جاویں بلکہ ابھی تو خود ہندوستان ہی اس بات کا ازبس محتاج ہے۔

تو کارِ زمیں را نکو ساختی
کہ با آسماں نیز پرداختی

ان ممالک میں جانا ایسے لوگوں کا کام ہے جو اُن کی زبان سے بخوبی واقف ہوں اور ان کے طرزِ بیان اور خیالات سے خوب آگاہ، سفر کے شدائد اُٹھا سکیں اور ان کی صحت کی حالت بھی بہت اچھی ہو۔ بصورت موجودہ یہ کام بھی بہت بڑا بھاری ہے کہ چند ایسے آدمی ہوں کہ وہ اسی ملک میں اچھی طرح سے گاؤں گاؤں پھر کر لوگوں کو ہماری بعثت کی اطلاع دے دیں۔

اسلام کی زندگی کا ثبوت دینے کیلئے مامور کی ضرورت

کسی لیکچر کے متعلق ذکر تھا کہ انہوں نے اپنے لیکچر میں بیان کیا کہ "اسلام بذریعہ اخلاق کے پھیلا ہے نہ تلوار سے۔ جنہوں نے اپنے اخلاقِ کریمہ کی وجہ سے دنیا میں اسلام کو پھیلایا ہے" وغیرہ۔ مگر موجودہ زمانہ کے متعلق بجز خاموشی کچھ پیش نہیں کر سکتے۔

فرمایا:۔

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ (البقرۃ: ۱۳۵) ان اولیاء اور بزرگوں کو اس موجودہ زمانہ سے تعلق ہی کیا؟ وہ اپنے وقت پر آئے اور اپنا کام کر کے چلے گئے۔ اب زمانہ موجودہ میں بھی کسی مجدد یا خادمِ دین کی ضرورت ہے یا کہ بخیال ان کے یہ زمانہ دجالوں ہی کے آنے کا زمانہ ہے؟ ضرورت کا احساس تو دلوں میں موجود ہے۔ حالاتِ موجودہ پکار کر کہہ رہے ہیں کہ کسی مصلح کی ضرورت ہے۔ چنانچہ آج ہی پیسہ اخبار میں ایک انگریز کا مضمون تھا۔ اس نے کسی جگہ پر اپنے لیکچر میں بیان کیا کہ زمانہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ ہندو، مسلمان، عیسائیوں اور یہودیوں کو اتفاق کی ضرورت ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ "مسلمان یہودی اور نصرانی سب کے سب بلا امتیاز انسانی گروہ میں اتحاد و اتفاق دیکھنے کے مشتاق ہیں اور مہدیٔ موعود کے آنے کا انتظار دیکھ رہے ہیں جو کہ دیر یا سویر عالمِ وجود میں آکر تمام انسانوں میں یگانگت کا رشتہ قائم

کردیگا۔ میں اس صدی کے متعلق اپنی ذاتی رائے یہ رکھتا ہوں کہ وہ اہلِ قلم میں سے ہوگا اور اسی زبردست آلہ کے ذریعہ سے اقوامِ عالم کے دلوں میں تخمِ یگانگت بو سکے گا۔"[1]

غرض اس امر کا احساس تو ہر ملک و ملت کے لوگوں میں پایا جاتا ہے مگر چاہیئے تھا کہ ضرورت کے مطابق کوئی پیدا بھی ہوتا اور وہ اسلام کا نور اور برکات دکھا کر زندہ معجزات سے اسلام کے فیوض اور زندگی کا ثبوت دیتا نہ یہ کہ اس زمانہ پر پہنچ کر خاموشی اختیار کی جاتی اور کہا جاتا کہ اب اسلام زندہ نہیں بلکہ مُردہ ہے اور کوئی ولی یا بزرگ موجود نہیں جو نشانات دکھا کر اسلام کی زندگی کا ثبوت دے۔ مانا کہ اخلاقِ فاضلہ بھی کسی مذہب کی صداقت کی کسی قدر دلیل ہو سکتے ہیں اور ان کا بھی کسی قدر اثر بیرونی لوگوں پر ہوتا ہے۔ مگر صرف اخلاقِ فاضلہ ہی حقیقی اور زندہ ایمان نہیں دے سکتے بلکہ وہ درجہ ایمان جو انسان کو خدا تعالیٰ پر کامل ایمان عطا کرتا ہے اور گناہ سوز زندگی کا آغاز ہوتا ہے وہ صرف خدا تعالیٰ کے اپنے تازہ نشانوں سے ہی پیدا ہوتا ہے جو وہ اپنے ماموروں کی معرفت دُنیا میں ظاہر کرتا ہے۔

ہندوؤں اور مسلمانوں میں خوشگوار تعلقات کی خواہش

فرمایا:۔ موجودہ صورت میں تو بہ نسبت مسلمانوں کے ہمیں ہندوؤں سے زیادہ اُمید نظر آتی ہے کیونکہ وہ تعلیم کی ترقی کی وجہ سے اور کچھ تجربہ کی وجہ سے بہت کچھ سمجھ گئے ہیں۔ ہمارا تو خود کبھی بھی یہ منشا نہیں کہ ان لوگوں کے مسلّمہ بزرگوں کو گالیاں دی جائیں یا ان کی عزت نہ کی جاوے اور اسی طرح ہم ان سے بھی یہی چاہتے ہیں کہ یہ لوگ بھی اتنا ہی کریں خواہ ایمان نہ لاویں مگر اُن کو بُرا بھی نہ کہیں اور کہہ دیں کہ سچا مانتے ہیں۔ یہ جو موجودہ زمانہ میں پھوٹ اور نفاق کا سلسلہ جاری ہے اس کو بند کر دیں اور بالکل ممانعت کر دیں کہ باہم ایک دوسرے کے مذہب کی مخالفت میں ہتک آمیز کلمات اور کتابیں بالکل بند کر دی جاویں اور چھاپی ہی نہ جاویں اور ایک ایسی ہوا چل جاوے کہ آپس میں محبت ہو اور اتفاق بڑھے۔ جس طرح سے ایک ہوا پہلے چل گئی تھی کہ بچہ بچہ بھی اسلام سے متنفر تھا۔ اس طرح کی ایک ایسی ہوا چل جاوے کہ باہمی اخوت اور اتحاد بڑھے اور نفاق اور بغض و تعصب دلوں سے نکل جاوے۔

عقیدت اور اعتقاد

فرمایا:۔ قاعدہ کی بات ہے انسان کو ایک مخفی امر پر جتنا اعتقاد ہوتا ہے

---

[1] پیسہ اخبار ۲۲؍مئی ۱۹۰۸ء

اس پر اتنا اعتقاد نہیں رہتا جب وہ ظاہر ہو کر سامنے آجاوے مثلاً ان ہندوؤں کے دیوی دیوتا جتنے بھی ہیں اور ان پران کو کامل اعتقاد ہے اگر وہ ان کے روبرو آجاویں تو ان لوگوں کے دلوں میں ہرگز انکی اتنی وقعت نہ رہے۔ یہ نبیوں ہی کا کام ہے کہ وہ اپنی شکل بھی دکھا دیتے ہیں اور اپنی عظمت بھی دلوں میں قائم کر جاتے ہیں۔ مسیح جن کو آجکل لوگ خدا مانتے ہیں اگر وہ یہاں آجاویں اور لوگوں کے حلقے میں بیٹھیں تو ممکن نہیں کہ ان کی پرانی خدائی کی عظمت بھی لوگوں کے دلوں میں رہ سکے چہ جائیکہ وہ کچھ اور خدائی کا دبدبہ بٹھا سکیں کیونکہ لوگوں نے جس خیال سے ان کو خدا تسلیم کیا ہوا ہے ظاہر ہو جانے پر ان میں وہ باتیں نہ پاکر ضرور ہے کہ انکار کر دیں۔ قاعدہ کی بات ہے کہ انسان جب کسی خاص شخص کے متعلق کوئی اعتقاد پیدا کرتا ہے تو ساتھ ہی اس کی ایک خیالی تصویر بھی اس کے ذہن میں آجاتی ہے۔ جب تک وہ اس کی نظروں سے غائب تھی تب تک تو خیر مگر جب وہ شخص یا چیز اس کے سامنے آجاتی ہے اور انسان اس کو اپنے خیالی بت یا تصویر کے خلاف پاتا ہے تو اس کے دل سے اس کی عظمت اُٹھ جاتی ہے یا کم از کم وہ عزت نہیں رہتی۔ چنانچہ یہی حال ان لوگوں کے مصنوعی خدا کا ہے۔

اس کی اصل وجہ یہ ہوتی ہے کہ اصل میں وہ شخص ان کے دل کی خیالی تصویر کے مطابق نہیں ہوتا جو کچھ انہوں نے سمجھا ہوتا ہے وہ نہیں بلکہ کچھ اَور ہی پاتے ہیں۔ تو بد اعتقاد اور بدظن ہو جاتے ہیں۔ اور اصل میں یہ وہیں ہوتا ہے جہاں ایسے امور میں اوّل غلو سے کام لیا جاوے مگر انبیاء ایسی ذات اور وجود ہوتے ہیں کہ وہ اپنا وجود دکھا کر اپنی عظمت قائم کرتے ہیں [1]

۲۴؍مئی ۱۹۰۸ء [2]

قبل عصر

ہندو مستورات کو شرک ترک کرنے کی تلقین

۲۳؍مئی ۱۹۰۸ء کو بعد نماز عصر چند ہندو مستورات حضرت

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۳۷ صفحہ ۵-۶ مورخہ ۲؍جون ۱۹۰۸ء نیز بدر جلد ۷ نمبر ۲۴ صفحہ ۹، ۱۰ مورخہ ۱۸؍جون ۱۹۰۸ء

[2] ہندو مستورات حضور علیہ السلام کی زیارت کے لیے ۲۳؍مئی کو بعد نماز عصر آئیں اور حضور علیہ السلام نے ۲۴؍مئی کو قبل نمازِ عصر ان سے اپنی گفتگو کا ذکر فرمایا۔ اس لیے ان ملفوظات پر ۲۴؍مئی کی تاریخ درج ہے (خاکسار مرتب)

امام الزمان مسیح موعود مہدی مسعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درِ دولت پر آئیں اور بیان کیا کہ ہم مہاراج کے درشن کے واسطے آئی ہیں حضور علیہ السلام کی خدمت میں اطلاع کی گئی چنانچہ آپ نے نہایت لطف اور مہربانی سے اُنکو اجازت دی اور وہ گھر میں جاکر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔

حضرت اقدس چونکہ ان دنوں مضمون رسالہ پیغام صلح کے لکھنے میں مصروف تھے تھوڑی دیر کے بعد آپ نے فرمایا کہ

اب درشن ہو گئے اب تم جاؤ

مگر انہوں نے عرض کی کہ ہم کو آپ کوئی وعظ سُناویں ہم اسی واسطے حاضر خدمت ہوئی ہیں۔ چنانچہ آپ نے ان کے اصرار اور اخلاص کی وجہ سے ان کو یوں مخاطب کیا (جو کہ آپ نے ۲۴ مئی ۱۹۰۸ء کو قبل عصر بیان فرمایا)

فرمایا:۔

اصل بات یہ ہے کہ آپ لوگوں میں اگر دو ایک باتیں نہ ہوں تو آپ لوگ آریہ وغیرہ لوگوں سے سو درجہ بہتر اور اچھے ہو۔ اُن میں سے پہلی بات تو یہی ہے کہ خدا کو جو کہ ہمارا تمہارا پیدا کنندہ اور پروردگار حقیقی ہے اس کو واحد لاشریک جان کر اس کی عبادت کرو۔ اس کی عبادت میں کسی دوسرے دیوی دیوتا، پتھر یا پہاڑ، سانپ یا کسی دوسرے ہیبت ناک درندے، گنگا مائی یا جمنا یا کوئی درخت ہو یا نباتات غرض کوئی بھی بُت اس کے ساتھ شریک نہ کیا جاوے اور اسے ایک اکیلا خدا کر کے پوجا کرو۔ یہ جو تم لوگوں نے تینتیس[۳۳] کروڑ دیوتا بنا رکھے ہیں ان کی کیا ضرورت تھی اور یہ کیوں بنائے گئے ہیں؟ اتنے خدا تمام دُنیا میں اور تو کسی کے بھی نہیں ہیں۔

(حضرت اقدس کا اتنا بیان سُنکر ان مستورات نے طلبِ حق کی غرض سے عرض کی کہ یہ بات آپ ہمیں سمجھا دیں)

اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

دیکھو گدا دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو نرگدا، دوسرے خرگدا۔ نرگدا کا تو قاعدہ ہوتا ہے کہ ایک آواز کی اور اگلے دروازے پر چل دیئے۔ کسی نے کچھ دے دیا تو ٹھیک ورنہ خیر بلکہ ایسے لوگوں کو بعض لوگ پیچھے سے آ آکر بھی خیرات دیتے ہیں۔ ان کا کام صدا کرنا اور آگے بڑھنا ہوتا ہے مگر برخلاف ان کے خرگدا دھرنا مار کر بیٹھ جاتے ہیں اور ایک ہی دروازے پر بیٹھے رہتے ہیں جب تک ان کا سوال پورا نہ کیا جاوے اور آخر ایسے گدا کو ملتا ہے اور ضرور ملتا ہے۔ یہی حال خدا سے مانگنے والوں کا ہے۔ خدا سے بھی وہی پاتے ہیں جو خرگدا بن کر خدا ہی کے دروازے کے ہو رہتے ہیں اور پکے ہو کر استقلال سے خدا تعالیٰ کے حضور سے

مانگتے ہیں۔ غیر مستقل اور جلد باز جو جلدی ہی نا اُمید یا بدظن ہو جاتے ہیں وہ ہمیشہ محروم رہتے ہیں۔ صدق اور ثبات کے ساتھ خدا تعالیٰ کی ذات پر کامل ایمان اور یقین بھی ضروری ہے یہ امر صدق اور اخلاص کے خلاف ہے کہ جلدی ہی خدا تعالیٰ سے مایوس ہو کر اوروں کی طرف اپنی حاجت کو لے جانا اور در بدر مارے مارے پھرنا کبھی کسی بُت کے حضور التجائیں کرنا کبھی کسی دیوتا، پتھر، پہاڑ، جنگل کے درخت یا گنگا مائی کی طرف حاجت کو لے جانا اس امر کی دلیل ہے کہ ایک خدا پر بھروسہ نہیں اور اس کو ساری حاجتوں کو پورا کرنے والا ہونے پر کامل ایمان نہیں یا جلدی سے تھک کر اس سے نا اُمید ہو کر اوروں کی طرف دامنِ حاجت پھیلانا خرگدائی کے بالکل خلاف ہے۔ ایک چھوڑ کر دوسرا اور دوسرا چھوڑ تیسرا خدا بنانا اور اُن سے اپنی حاجتیں چاہنا بالکل غلط راہ ہے بلکہ چاہیئے کہ ایک کو پکڑو اور اسی سے اپنی ساری حاجتیں چاہو اور وہ سب کا حاجت روا ہے شرط صبر اور استقلال اور ایمان ہے۔

(اتنا حصہ سُنکر انہوں نے عرض کی کہ بات تو سچی ہے مگر حضرت اقدس کے منشا کو پاکر حضرت اقدس چاہتے ہیں کہ چلی جائیں پھر نرمی سے عرض کی کہ ہم دُور سے آئی ہیں۔ پنکھا ہلانے کی خواہش ہے اور صرف درشن اور باتیں سُننے کو آئی ہیں۔ اب فرمایئے کہ پرمیشر سے پرارتھنا کیسے کیا کریں؟)

فرمایا:- پرارتھنا بیشک اپنی زبان میں کر لیا کرو۔ یوں کہا کرو کہ اے سچے اور واحد خدا۔ اے کہ تو ساری مخلوق کا پیدا کرنے والا اور پالنے والا ہے اور سب کے حالات سے واقف ہے۔ تجھ سے کوئی بات پوشیدہ نہیں اور ہر ذرہ تیرے تصرّف میں ہے تُو جو چاہے سو کر سکتا ہے۔ تُو ہمیں گناہ اور بھرشٹ زندگی سے نکال کر سیدھا راستہ بتا۔ ایسا ہو کہ ہم تیری مرضی کے موافق ہو جاویں۔ بدیوں سے ہمیں بچا۔ بدیاں ہمارے اختیار میں نہیں ہیں۔ ہم چاہتی ہیں کہ یہ ہم سے دُور ہو جائیں۔ ان کا تو آپ ہی کوئی علاج فرما۔ ان کا دُور کرنا ہماری طاقت سے دُور ہے اور ایسا ہو کہ ہم تیری رضا کی راہوں پر چل کر ہمیشہ کی نجات اور سُکھ کی وارث ہو جاویں اور کوئی دُکھ ہمارے نزدیک نہ آوے۔ پہلے بد کرموں کے پھل سے بچا اور آئندہ نیک کرموں کی توفیق عطا فرما۔ اس طرح سے خدا تعالیٰ سے سچے دل سے اور نیک نیتی سے خرگدا کی طرح پکّی بن کر اسی سے نکسی اور سے دُعا کیا کرو اور سب دیوی دیوتے ترک کر دو۔ آخر اس طرح کی سچّی تڑپ اور دُعا سے ایسا دن آجاویگا کہ دلوں کے سب گند دھو دیئے جاویں گے اور شانتی اور سُکھ کی زندگی شروع ہو جاوے گی۔ فرمایا:-

ان عورتوں کی حالت سے ٹپکتا تھا کہ شریف اور مخلص عورتیں تھیں۔ لاہور جیسے شہر میں ایسی شریف اور نیک عورتوں کا وجود غنیمت ہے[1]

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۳۷ صفحہ ۶، ۷ مورخہ ۱۰ جون ۱۹۰۸ء نیز بدر جلد ۷ نمبر ۲۴ صفحہ ۱۰، ۱۱ مورخہ ۱۸ جون ۱۹۰۸ء

۲۵ مئی ۱۹۰۸ء

بمقام لاہور ۔ بوقت ظہر
(وفات سے قریباً ۲۰ گھنٹے پہلے کی تقریر)

نبوت کی حقیقت

ایک شخص سرحدی آیا ۔ بہت شوخی سے کلام کرنے لگا ۔ اس پر فرمایا ۔
مَیں نے اپنی طرف سے کوئی اپنا کلمہ نہیں بنایا ۔ نہ نماز علیحدہ بنائی ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو دین و ایمان سمجھتا ہوں ۔ یہ نبوت کا لفظ جو اختیار کیا گیا ہے صرف خدا تعالےٰ کی طرف سے ہے ۔ جس شخص پر پیشگوئی کے طور پر خدا تعالیٰ کی طرف سے کسی بات کا اظہار بکثرت ہو اسے نبی کہا جاتا ہے ۔ خدا کا وجود خدا تعالیٰ کے نشانوں کے ساتھ پہچانا جاتا ہے ۔ اسی لیے اولیاء اللہ بھیجے جاتے ہیں مثنوی میں لکھا ہے ؎

آں نبی وقت باشد اے مرید

محی الدین ابن عربی نے بھی ایسا ہی لکھا ہے ۔ حضرت مجدد نے بھی یہی عقیدہ ظاہر کیا ہے پس کیا سب کو کافر کہوگے ؟ یاد رکھو کہ سلسلہ نبوت قیامت تک قائم رہے گا ۔

مجدد کی ضرورت

اس پر اس سرحدی نے سوال کیا کہ دین میں کیا نقص رہ گیا تھا جس کی تکمیل کے لیے آپ تشریف لائے ؟

فرمایا :۔
احکام میں کوئی نقص نہیں ۔ نماز ، قبلہ ، زکوٰۃ ، کلمہ وہی ہے ۔ کچھ مدت کے بعد ان احکام کی بجاآوری میں سُستی پڑ جاتی ہے ۔ بہت سے لوگ توحید سے غافل ہو جاتے ہیں ۔ تو وہ اپنی طرف سے ایک بندے کو مبعوث کرتا ہے جو لوگوں کو از سرِ نو شریعت پر قائم کرتا ہے ۔ سو برس تک سُستی واقع ہو جاتی ہے ۔ ایک لاکھ کے قریب تو مسلمان مُرتد ہو چکا ہے ۔ ابھی آپ کے نزدیک کسی کی ضرورت نہیں ؟ لوگ قرآن چھوڑتے جاتے ہیں سُنتِ نبوی سے کچھ غرض نہیں ۔ اپنی رسوم کو اپنا دین قرار دے لیا ہے اور ابھی آپ کے نزدیک کسی کی ضرورت نہیں ۔

اس پر اس شخص نے کہا کہ اس وقت تو سب کافر ہوں گے کوئی تیس چالیس مومن رہ جائیں گے ۔

فرمایا :۔
کیا مہدی کے ساتھ جو مِل کر لڑائی کریں گے وہ سب کافر ہی ہوں گے ۔

آپ نے کیا اصلاح کی؟

پھر اس شخص نے پوچھا کہ آپ نے کیا اصلاح فرمائی؟

فرمایا:-

دیکھو چار لاکھ سے زیادہ آدمیوں نے میرے ہاتھ پر فسق و فجور اور دیگر گناہوں اور فاسد عقیدوں سے توبہ کی۔ انسان جب فسق و فجور میں پڑتا ہے تو کافر کا حکم رکھتا ہے۔ کوئی دن نہیں گذرتا جب کئی اشخاص توبہ کرنے کے لیے نہیں آتے۔ ہر امر میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا ایک بڑی بات ہے مسلمانی صرف یہی نہیں جیسے تم سمجھتے ہو۔ نیکی کرنا نہایت مشکل کام ہے۔ ریاکاری کے ساتھ عمل باطل ہو جاتا ہے۔ یہ زمانہ ایسا زمانہ ہے کہ اخلاص کے ساتھ عمل کرنا مشکل ہے۔ دنیا کی طرف لوگوں کی توجہ ہے۔ ہر صدی کے سر پر اس قسم کی غلطیوں کو مٹانے اور توجہ الی اللہ دلانے کے لیے مجدد کا وعدہ دیا گیا ہے۔ اگر ہر صدی پر مجدد کی ضرورت نہ تھی بلکہ بقول آپ کے قرآنِ کریم اور علماء کافی تھے تو پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض آتا ہے حج کرنے والے حج کو جاتے ہیں۔ زکوٰۃ بھی دیتے ہیں۔ روزے بھی رکھتے ہیں۔ پھر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سَو برس کے بعد مجدد آئے گا۔ مخالفین بھی اس بات کے قائل ہیں۔ پس اگر میرے وقت میں ضرورت نہ تھی تو پیشگوئی باطل جاتی ہے۔ ظاہری حالت پر ہی نہیں جانا چاہیئے۔ غیب کا حال تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ وَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ (الماعون ۵،۶) یعنی لعنت ہے ان نمازیوں پر جو اپنی صلوٰۃ کی حقیقت سے بے خبر ہیں۔

پس فلاح وہی پاتا ہے اور وہی سچا مومن کہلاتا ہے جو نیکی کو اس کے لوازم کے ساتھ کرتا ہے۔ یہ بات اس زمانہ میں بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ پس ان اندرونی بیرونی کمزوریوں کو دُور کرنے کے لیے میں اپنے وقت پر آیا۔ اگر میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں تو یہ سلسلہ تباہ ہو جاوے گا۔ اگر میں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوں تو یاد رکھو کہ پھر مخالفت ناکام رہیں گے۔[1]

---

[1] بدر جلد ۷ نمبر ۲۳ صفحہ ۷ مورخہ ۱۰ رجون ۱۹۰۸ء

۲۵ر مئی ۱۹۰۸ء

(قبل نمازِ عصر)

حضرت اقدس علیہ السّلام کی آخری تقریر

مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی نے حضرت اقدس کی خدمت میں بذریعہ اپنے کسی خاص قاصد کے ایک خط بھیجا جس میں بعض مسائل مختلفہ پر زبانی گفتگو کرنے کی اجازت چاہی اور وعدہ کیا کہ میں بہت نرمی اور پاسِ ادب سے گفتگو کروں گا۔

حضرت اقدس علیہ السلام نے قبل عصر حضرت مولٰنا مولوی سید محمد احسن صاحب سے ان کے متعلق دریافت کیا کہ وہ اخلاق کے کیسے ہیں مغلوب الغضب اور فوراً جوش میں آجانے والے یا بھڑک اُٹھنے والی طبیعت کے تو نہیں ہیں؟ اس کے جواب میں بعض اصحاب نے عرض کیا کہ حضور ایسے تو نہیں۔ ان کی طبیعت میں نرمی پائی جاتی ہے۔ البتہ اگر بعض عوام کا ہجوم ان کے ہمراہ ہوگا تو اندیشہ ہے۔ حضرت اقدس علیہ السلام خود چونکہ "پیغام صلح" لکھنے میں مصروف تھے اور فرصت نہ تھی۔ اسلیئے حضرت اقدس علیہ السلام نے مولٰنا مولوی سید محمد احسن صاحب سے فرمایا کہ آپ انکو خط کا جواب لکھ دیں۔ اصل خط ان کا ہم بھیج دیں گے اور بیشک نرمی سے اور آہستگی سے ان سے ان مسائل میں گفتگو کریں۔ البتہ اس بات کا خیال رکھیں کہ ان کے ہمراہ سوائے دوچار معزز اور شریف آدمیوں کے اور زیادہ ہجوم نہ ہو اور آپ بھی علیحدگی میں بیٹھ کر گفتگو کریں۔ اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔ اسی دوران میں کسی دوست نے ان کا یہ عقیدہ پیش کر دیا کہ وہ حضرت عیسیٰ کے سُولی پر لٹکائے جانے کے ہی قائل نہیں اور کہ وہ اپنے اس دعویٰ کی دلیل میں آیتِ کریمہ اِذْ كَفَفْتُ بَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ (المائدۃ: ۱۱۱) پیش کرتے ہیں۔

اس پر حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا:۔

حضرت مسیح علیہ السّلام کا صلیب پر چڑھایا جانا

خلافِ تواتر امورِ محسوسہ مشہودہ کی پروا نہ کرکے ایسی ایک راہ اختیار کرنا۔ جسکی کوئی بھی دلیل نہیں، یہ عقل اور ایمان کے سراسر خلاف ہے۔ میں کوئی نئی بات پیش نہیں کرتا اور نہ ہی میں کسی ایسی بے دلیل بات کے منوانے کی کوشش کرتا ہوں جس کا قوی ثبوت اور بیّن شہادت میرے ہاتھ میں نہیں۔ میرے ساتھ میری شہادت کے واسطے اس وقت لاکھوں انسان موجود ہیں۔ قوموں کی قومیں اپنی متواتر اور متفقہ شہادت پیش

کر رہی ہیں۔ اگر کسی کو کوئی شک وشبہ ہو تو یہودی موجود ہیں، نصرانی موجود ہیں۔ اُن سے پوچھ لو کہ اُن کا اِس بارہ میں کیا عقیدہ ہے۔ دونو متخاصم موجود ہیں، اُن سے پوچھ لو کہ آیا وہ بھی اس بات کے قائل ہیں جو تم پیش کرتے ہو۔ دیکھو تواترِ قومی کو بغیر کسی زبردست دلیل اور حجتِ نیرہ کے توڑ دینا اور اس کی پروا نہ کرنا یہ بڑی بھاری غلطی ہے۔

تعجب کی بات ہے اور یہ کیونکر ہو سکتا تھا کہ کسی دوسرے آدمی کو پکڑ کر خواہ نخواہ بے قصور سُولی پر چڑھا دیا جاوے اور وہ چُوں بھی نہ کرے اور دہائی بھی نہ دیوے کہ میں تو تمہارا ساتھی ہوں مجھے کیوں بیگناہ سُولی پر چڑھاتے ہو۔ تمہارا اصل ملزم تو بچ گیا اور مَیں جو کہ تمہارا ہی ساتھی ہوں یہ میرا نام ہے، فلانے ماں باپ کا بیٹا ہوں یہ میرے رشتہ دار ہیں۔ مجھے کیوں مارتے ہو؟ جان کا معاملہ اور لعنتی موت کا نشانہ بننا ہے اصل ملزم بچایا جاتا ہے ایک بے گناہ بے قصور بے تعلق آدمی سولی چڑھایا جاتا ہے اور پھر تعجب یہ کہ بولتا تک نہیں۔ یہ بھید تو ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ علاوہ وحی اور علمِ غیب کے جو ہمیں خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے بخشا اور مکالمہ مخاطبہ کا خاص فیضان جاری کر کے ہمیں اس نے ان امور میں حقیقی علم عطا کیا۔ ہمارا ضمیر اس کو ہرگز ہرگز قبول نہیں کرتا کہ اتنا بھاری تواتر اور کروڑوں انسانوں کی متفقہ شہادت بالکل غلط ہے اور یہ سب جو سمجھے بیٹھے تھے ایک وہم تھا اور خیال غلط۔ دیکھو ؎

تا نہ باشد چیزکے مردم نہ گویند چیزہا

مَیں نہیں سمجھتا کہ خدا تعالیٰ کو ایسی کمزوری کی کیا ضرورت تھی۔ کیا وہ علیٰ رُؤس الاشہاد مسیح کو بچانے پر قادر نہ تھا کہ اس کو ایسا ظلم روا رکھنا پڑا۔ اور ایک بے گناہ انسان کی جان خواہ نخواہ ہلاکت میں ڈالی۔ قرآن اور حدیث کے خلاف ایک نئی راہ نکال کر پیش کرنا اس کا بارِ ثبوت مدعی کے ذمے ہے۔

توفّی کے معنی

میرا مطلب اس سے یہ ہے کہ یہ سب امور ایسے ہیں کہ آسانی سے ان کو ردّ کیا جاوے۔ قرآنِ شریف میں صرف لفظ توفّی ہی کو لے کر اس کو دیکھ لو کہ بھلا کسی مقام پر اس کے معنی بجز موت کے کچھ اَور بھی ہیں یا مع جسم عنصری کے آسمان پر اٹھائے جانے کے ہیں؟ یہی توفّی کا لفظ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ آیتِ کریمہ اِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ (یونس: ۴۷) پر غور کر کے دیکھ لو۔ پھر یہی توفّی کا لفظ ہے جو حضرت یوسفؑ کے حق میں وارد ہے۔ پھر ہمیں سمجھ نہیں آتا کہ برخلاف نصِ قرآنی کے اور تمام انبیاء کے کیوں حضرت عیسٰیؑ کو یہ خصوصیت دی جاتی ہے۔

کتبِ احادیث میں قریباً تین سو مرتبہ یہی لفظ توفّی کا آیا ہے مگر کہیں بھی بجسدِ عنصری آسمان پر اُٹھائے

جانے کے معنے نہیں ہیں۔ جہاں دیکھو یہ لفظ موت ہی کے معنوں میں وارد ہوتا ہے۔

اصل میں جو شخص طالب حق نہیں اور محض ایک قسم کی شیخی اور تکبر کے واسطے ایسی خواہش کرتا ہے اس سے مجھے بدبُو آجاتی ہے۔ مَیں ایسے آدمی پر اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ جس کو حق کی سچی پیاس نہیں اور جس کی تڑپ خدا اور خدا کے دین کے واسطے نہیں بلکہ نفس کا بندہ اور نفس کی عزت وجاہ کے واسطے مرتا ہے۔ میرے پاس اگر کوئی شخص طلبِ حق اور خداجوئی کی پیاس اور سچی تڑپ لے کر آتا ہے تو مجھے اس سے ایک قسم کی خوشبو آجاتی ہے اور پھر میں اس کے واسطے اپنے بازو بچھا دیتا ہوں اور اس کو اپنی آنکھوں سے قبول کرتا ہوں اور جہانتک مجھ سے بَن پڑتا ہے مَیں اس کی خدمت کو اپنا فخر سمجھتا ہوں۔ مگر ایک ناپاک دل انسان جس میں شرارت پوشیدہ ہوتی ہے اور وہ حق جو نہیں بلکہ دُنیا طلب ہوتا ہے تو ہمیں اس سے بدبُو آجاتی ہے اور پھر اس کے بعد ہم اس سے کلام کرنا بھی پسند نہیں کرتے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات

خدا تعالیٰ نے جس بات پر ہمیں قائم کیا ہے وہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کلام مجید میں حضرت مسیح کی موت کو صراحت سے ایک جگہ نہیں بلکہ بیسیوں مقام پر ظاہر کر دیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فعل سے شہادت دے دی کہ اس کو مُردوں کی ذیل میں دیکھا اور کوئی مابہ الامتیاز اس میں اور اس کے غیروں میں بیان نہیں فرمایا۔

آج ہندوستان میں ایک لاکھ سے بھی زیادہ مُرتد صرف اسی بات سے ہو چکا ہے کہ نام کے مسلمانوں کے عقائدِ غلط سے عیسائیوں نے مسیح کی فضیلت ثابت کر کے اپنے مذہب سے ناواقف لوگوں کے سامنے اُسے پیش کیا اور ان کے اپنے ہی معتقدات میں سے اُن پر ایسے ایسے الزام دیئے جن کا جواب ان میں سے کسی سے بھی بن نہ پڑا۔ مگر یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی کسی بھی خصوصیت کو قائم نہیں رہنے دیا بلکہ ان کی ہر بات کا جواب دے کر خود ان کو ہی خوار کیا ہے۔

نصاریٰ نے ایک عقیدہ پکڑا تھا کہ حضرت عیسیٰؑ چونکہ بن باپ کے ہیں لہٰذا یہ خصوصیت ان کی خدائی کی پختہ دلیل ہے اور یہ ان کا مسلمانوں پر ایک بھاری اعتراض تھا اور اس سے وہ حضرت عیسیٰ میں ایک خصوصیت ثابت کر کے ان کی خدائی کی دلیل پکڑتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں ان کا یوں مُنہ توڑا۔ اور ان کا ردّ یوں بیان کیا کہ اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ (آل عمران : ۶۰) یعنی اگر حضرت عیسیٰ کی پیدائش اعجازی رنگ میں پیش کر کے تم اس کی خدائی کی دلیل ٹھہراتے ہو تو پھر آدم بطریق اولیٰ خدا ہونا چاہیئے کیونکہ اس کا نہ باپ نہ ماں۔ اس طرح سے اوّل آدم کو بڑا خدا مان لو پھر اس بات کو عیسیٰؑ

کی خدائی کی دلیل ٹھہرانا۔

پس اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے ان کے اس استدلال کو غلط ثابت کر دیا۔ غرض نصاریٰ کے مسیح کو بن باپ کی پیدائش سے ان کی خدائی اور استدلال پکڑنے کو اللہ تعالیٰ نے آدم کی نظیر پیش کر کے باطل ٹھہرا دیا۔

ایک دوسری دلیل نصاریٰ نے مسیح کی خدائی کی یہ پیش کی تھی کہ وہ زندہ ہیں اور مع جسم عنصری آسمان پر خدا کے داہنے ہاتھ بیٹھے ہیں اور اس امر سے انہوں نے مسیح کی ایک خصوصیت ثابت کر کے اس کو ان کی خدائی کی ایک زبردست دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ اب ہمیں کوئی بتا دے کہ اگر توفّی کے معنے مع جسم عنصری آسمان پر ہی اٹھائے جانے کے ہیں اور اس کے معنے حضرت عیسیٰ کے لیے موت کے نہیں ہیں تو پھر نصاریٰ کے اس اعتراض کا قرآن نے کہاں جواب دیا ہے؟ یا جس طرح ان کی دلیلِ اول کو ایک نظیر پیش کر کے توڑا تھا اسی طرح کہیں سے ہمیں یہ بھی نکال کر بتاؤ کہ حضرت مسیح سے پہلے یا پیچھے اور بھی کوئی ایسی نظیر پائی جاتی ہے؟ اور اگر کوئی نظیر نہیں تو یاد رکھو کہ اسلام آج بھی گیا اور کل بھی گیا۔ نصاریٰ تم کو خود تمہارے اپنے عقیدہ سے ملزم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم خود حضرت عیسیٰؑ کو زندہ اور جسم عنصری سے آسمان پر مانتے ہو۔ حالانکہ تمہارے رسول خاکِ مدینہ میں مدفون ہیں۔ اب بتاؤ! کون افضل ہے عیسیٰؑ یا محمدؐ!

افسوس ہے ان نام کے مسلمانوں پر کہ اپنی ناک کاٹنے کے واسطے آپ ہی دشمن کے ہاتھ میں چھری دیتے ہیں۔ یاد رکھو کہ اگر خدا تعالیٰ کا یہی منشا ہوتا اور قرآن و حدیث میں حقیقتاً یہی امر اُس نے بیان کیا ہوتا کہ واقعہ میں حضرت مسیح زندہ ہیں اور وہ مع جسم عنصری آسمان پر بیٹھے ہیں اور یہ عقیدہ بھی حضرت مسیح کے بن باپ پیدا ہونے کی طرح خدا تعالیٰ کے نزدیک سچا عقیدہ ہوتا تو ضرور تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کی بھی کوئی نہ کوئی نظیر پیش کر کے قوم نصاریٰ کو اس امر کے حضرت مسیح کی خدائی کی دلیل پکڑنے سے بند اور لاجواب کر دیتا۔ مگر خدا تعالیٰ کے اس امر کی دلیل پیش نہ کرنے سے صاف عیاں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہرگز ہرگز یہ منشاء نہیں جو تم محض افتراء سے خدا تعالیٰ کے کلام پر تھوپ رہے ہو بلکہ توفّی کا لفظ خدا تعالیٰ نے محض موت ہی کے معنوں کے واسطے وضع کیا ہے اور یہی حقیقت اور اصل حال ہے۔

---

[1] بدر سے:- "پس ایسا ہی زندہ آسمان پر موجود ہونے کو عیسائی دلیل ابن اللہ ہونے کی قرار دیتے ہیں اس کی مثال کیوں نہ بیان کی تا عیسیٰ کسی بات میں وحدہٗ لاشریک نہ ٹھہرے۔
تم عیسیٰ کو مرنے دو کہ اس میں اسلام کی حیات ہے۔ ایسا ہی عیسیٰ موسوی کی بجائے عیسیٰ محمدی آنے دو کہ اس میں اسلام کی عظمت ہے۔ مَیں سچ کہتا ہوں کہ اگر اسلام میں وحیؔ و الہام کا سلسلہ نہیں تو اسلام مر گیا۔"
(بدر جلد ۷ نمبر ۲۲ صفحہ ۷ کالم نمبر ۳ مورخہ ۲ رجون ۱۹۰۸ء)

دیکھو ہر ایک خصوصیت جو کہیں کسی خاص شخص کے متعلق پیدا کی گئی ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا ضرور جواب دیا ہے مگر کیا وجہ کہ اتنی بڑی خصوصیت کا کوئی جواب نہ دیا۔ خصوصیت ہی ایک ایسی چیز ہے کہ جس سے شرک پیدا ہوتا ہے۔

یہ حضرت اقدس علیہ السلام کی زندگی میں آپ کی آخری تقریر ہے جو آپ نے بڑے زور اور خاص جوش سے فرمائی۔ دورانِ تقریر میں آپ کا چہرہ اس قدر روشن اور درخشاں ہوگیا تھا کہ نظر اُٹھا کر دیکھا بھی نہیں جاتا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تقریر میں ایک خاص اثر اور جذب تھا۔ رُعب، ہیبت اور جلال اپنے کمال عروج پر تھا۔ بعض خاص خاص تحریکات اور موقعوں پر حضرت اقدس کی شان دیکھنے میں آئی ہوگی جو آج کے دن تھی۔ اس تقریر کے بعد آپ نے کوئی تقریر نہیں فرمائی۔[1]

(فقط مرتبہ عبدالرحمٰن قادیانی)

آخری دن

۲۶ مئی ۱۹۰۸ء

بوقت نمازِ فجر

جب فجر کی اذان کان میں پڑی تو حضور علیہ السلام نے پوچھا کہ
"کیا صبح ہوگئی؟"

جواب ملنے پر فجر کی نماز کی نیت باندھی اور ادا کی۔

آخری الفاظ وہ الفاظ جن پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے یہ تھے:۔

"اے میرے پیارے۔ اے میرے پیارے۔ اے میرے پیارے اللہ۔ اے میرے پیارے اللہ"[2]

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۴۲ صفحہ ۷-۸ مورخہ ۱۸ جولائی ۱۹۰۸ء

[2] الحکم جلد ۱۵ نمبر ۱۹، ۲۰ مورخہ ۲۱، ۲۸ مئی ۱۹۱۱ء

اِنڈیکس

مرتبہ: سیّد عبدالحی

کلیدِ مضامین

ملفوظات

جلد پنجم

ا

آخرت

آریہ دھرم

عقائد اور تعلیمات

آریہ مذہب کا خاتمہ

متفرق

آزادی

ابتلاء

اجماع

احمدیت

مقام

امام

امامت

اُمّت

انجیل

انسان

انصاف

انکساری

پ

ت

احادیث بالمعنی

ی

یہود

تفسیر

آیاتِ قرآنیہ
ترتیب بلحاظ سورۃ

اسماء

ا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے رؤیا

مخالفت اور مخالفین کا انجام

الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

عربی الہامات

◎

ن

◎

مقامات

ج - چ - ح - خ

د - ر